ے ایم اے ۔ ایم ایس سی کلاسز

(لازمی)

اسلامی تعلیمات

اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

10 د.ن

قمر آفاقی ایم اے
صدارتی ایوارڈ یافتہ

نیو بک پیلس اردو بازار، لاہور

Marfat.com

مخدوم المشائخ صاحبزادہ میاں جمیل احمد صاحب
مدظلہ العالی کی خدمت بابرکت میں
برائے ایم اے و ایم ایس سی کلاسز بصد ادب و اشتیاق!
گر قبول افتد زہے عز و شرف!
طالب دعا برکت قدر آفاقی عفی عنہ

اِسلامی تعلیمات (لازمی)

اِسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

قدر آفاقی ایم اے
صدارتی ایوارڈ یافتہ

قیمت =/90

نیو بک پیلس ○ اُردو بازار لاہور
مشاکست، فاروق سنز الکریم مارکیٹ اُردو بازار لاہور

Marfat.com

59563

انتساب

بارگاہ والا جاہ شیر ربانی میاں شیر محمد شرقپوری

اور پیر ثانی و لاثانی سیدی مرشدی میاں غلام اللہ شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ

بہہ رہا ہے بن کے دریا شیر ربانی کا فیض
شیر ربانی محمد مصطفےٰ کے شیر نر
شیر ربانی خدا کے فضل کی زندہ مثال
شیر ربانی شریعت اور طریقت کے نقیب
شیر ربانی نگاہِ لطف کا نوخیز رنگ
شیر ربانی کی ہمت شرع و سنت کا نفاذ
شیر ربانی تھا میں دورِ حاضر کے امام
شیر ربانی کرم کا نورِ باطن و مبدم
شیر ربانی علامت اختیارِ خاص کی
شیر ربانی فرازِ شرقپور کا نورِ حق
شیر ربانی نے بخشے لعل فیضِ خاص سے
شیر ربانی کی سنت شمعِ قرآنی کا نور
شیر ربانی عطاؤں کا مسلسل سلسلہ
شیر ربانی گہرباری کا ابرِ پُربہار!

فصل شادابی کا چشمہ ثانی لاثانی کا فیض
پیر لاثانی نگاہِ مست کے پیغام بر
پیر لاثانی ہیں ان کے فیض کا طرفہ کمال
پیر لاثانی ہیں باغِ معرفت کی عندلیب
پیر لاثانی سمندر پی کے بھی حیران و دنگ
پیر لاثانی سے مرشد دہر میں ہیں شاد شاد
پیر لاثانی عطا میں ساقیٔ کوثر کا جام
پیر لاثانی وفا کی راہ میں پختہ قدم
پیر لاثانی بھی آیت اختیارِ خاص کی
پیر لاثانی پہ روشن وقت کے چودہ طبق
پیر لاثانی نے بھی خالی خزانے بھر دیے
پیر لاثانی کے جلوے بہرِ سالک کوہِ طور
پیر لاثانی سخاؤں کا مسلسل سلسلہ
پیر لاثانی عطائے مصطفےٰ کا لالہ زار

شیر ربانی قدر پر مشفق و صد مہرباں
پیر لاثانی نوازش ہا کا بحرِ بیکراں

احقر العباد خاکپائے اولیائے کرام ابوالبقا قدر آفاقی ایم اے نقشبندی مجددی شرقپوری

جملہ حقوق بحق پبلشرز محفوظ

پریس ——— ندیم یونس پرنٹرز لاہور
کتابت ——— محمد افضل عامر
قیمت ——— 90/=

Marfat.com

فہرست

حصہ اول

تخلیق کائنات 10
(سائنسی اور اسلامی نقطہ نظر)
کائنات کی عمر بلحاظ سائنس)
کرہ ارض اور انسان 11
کائنات کی تخلیق
کائنات ایک حادثہ یا منصوبہ؟
تخلیق کائنات کا اسلامی نظریہ 22
نور محمدی ﷺ 23
ایک غلط فہمی کا ازالہ 27
کائنات کی عمر (اسلامی نقطہ نظر سے) 28
اسلام اور انسان' تخلیق آدم 29
ابلیس اور آدم 30
آدم تا عیسٰی (سلسلہ انبیاء)
عقائد' عقیدہ کا مفہوم
عقائد کی ضرورت 33
عقائد کی غایت اور اصل اصول اسلام
عقائد کی تقسیم' اسلامی عقائد
توحید
علم العقائد کا موضوع 38
سماجی عقائد کی تقسیم
تخلیق مقاصد 40
انسانوں کی پیدائش' عبد کا مطلب
اسلامی عقیدہ کا مفہوم 44
غیر اسلامی عقائد 44
مخلوق کی تین اقسام (بلحاظ عقل) 47
نیکی اور بدی کا نفاذ 48
ذمہ داری سے برات
ایک نکتہ (بسلسلہ شرف انسانی)
ایک اہم نکتہ
آدمی ہے بے نظیر 55
نبوت و رسالت کے اہم لوازم 56
علم انسانی کے ماخذ
فطرت یا جبلت --- ہدایت اولیہ
حواس خمسہ 58
ذرائع علم کے حصول کے زمانے 59
عالم معقولات' روحانی ذریعہ علم 60
فراست' حدس' کشف' الہام اور وحی 61
کتاب اور سنت میں فرق 65
وحی متلو اور وحی غیر متلو
اسماء و صفات ربانی کا انسانی اخلاق پر اثر 66
پیغمبر اور غیر پیغمبر میں فرق و امتیاز 68
ایمان کی تعریف 71
اسلامی عقائد (ایمان اور عملی زندگی) 72
شیطان اور واقعہ غرانیق 73
اعوذ کے معنی 75
شیطان کی حقیقت اور ادب 76
اعوذ کے فوائد --- استعاذہ اور بسم اللہ 78
شیطان سے بچاؤ کے طریقے 80
سات شیطان 80
نماز کی صفوں کے شیطان 83
شیطان سے بچنے والے 84
انسان کے موکل (دل کے دو موکل) 85
دل کے خطرات یا فقیہ مشیران 87
نفس و روح
شیطان کے ساتھ جہاد 90

Marfat.com

جہاد اکبر، جہاد اصغر 91
پس انسانی عقائد کیا ہیں؟ 92
مذاہب عالم کا الٰہ کا تصور
مذاہب عالم کا تقابلی جائزہ 96
یہودیت
نسخہ بعینہ 98
عیسائیت 100
عیسائیوں کے عقائد 100
صرف ایک انجیل
مجوسیت یا زرتشتیت 110
ہندو مت 113
ہندو ازم میں خدا کا تصور 119
بدھ مت 121
جین مت 122
کنفیوشس کا مذہب 124
طاؤ ازم 127
شنٹو ازم 130
قرآن مجید کا مختصر تعارف
ایک زمانے میں ایک سے زیادہ نبی
قرآن محفوظ کتاب، مکمل اور غیر متبدل
قرآن محمد ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب
قرآن تحریری کتاب
اغیار کی رائے اور قرآن حکیم
اسلامی اور اسلامی عقائد 139
اسلامی کے شرعی معنی 141
اسلام کے بنیادی عقائد 143
1۔ اثبات الٰہ 144

مادی دنیا کی حقیقت
اثبات وجود باری تعالیٰ 148
توحید باری تعالیٰ ---- اور توحید عقائد 151
معبود برحق 153
توحید ذات و صفات
توحید افعال
تخلیق کائنات کا مقصد
شرک اور اس کی اقسام
شرک کا ارتقاء 169
توحید پرستی کے انسانی زندگی پر اثرات
یقین کامل، آفاقیت
خودی اور انا کی تعمیر
2۔ رسالت 166
مذاہب عالم میں رسالت کا تصور
یہودیت وغیرہ اور رسالت
ہندو ازم وغیرہ میں رسالت کا تصور
اسلام میں رسالت کا تصور
خصائص سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم
اللہ کا انتخاب کردہ، مامور من اللہ
معلم انسانیت
اسوۂ حسنہ
شارع اور مفسر قرآن
قاضی و منصف
منجانب اللہ حاکم و فرمانروا
تمام انبیاء پر ایمان
خدائی صفات کی نفی
مرکز محبت و ادب
مرکز اطاعت

Marfat.com

تبلیغ حق اور اذان
ختم نبوت پر تفصیلی دلائل
3۔ آخرت 222
مذاہب عالم میں آخرت کا تصور۔۔۔۔
دہریہ حضرات
یہود اور آخرت
ہندو ازم میں تصور آخرت
اسلام اور دنیا کی تخلیق کا مقصد
دنیا ایک امتحان گاہ
ایک دن کی زندگی ہے زندگی کی داستان
موت اور عالم برزخ
قرآن حکیم کا خاصہ
یہ دنیا دارالعمل
حیات بعد الموت اور ثواب و عذاب کی
بنیاد
بہشت کی نعمتیں
دو اور اہل دوزخ
بہشت کا دیدار۔۔۔۔ اچھے لوگ
دنیا میں تقویٰ اور پرہیز گاری کی شرائط
مومن کا انجام
کافر کا انجام
مسلمان نور۔ کافر در گور
شہید اور مومن
تقدیر کا مسئلہ اور عمل
شفاعت رسول [redacted]
پل صراط
حوض کوثر
حضورؐ کا مقام یوم حشر میں
یوم حساب
میزان عدل
بہشت اور دوزخ کی حقیقت

حصہ دوم

قرآن و سنت 250
قرآن ایک ابدی معجزہ 251
قرآن کے اسماء
آیت و سورۃ
وحی
وحی رحمانی و شیطانی
تعلیم الٰہی۔۔۔ ارسال ملک
مکی اور مدنی سورتیں۔۔۔ جمع و تدوین
حفاظت کا ذمہ۔۔۔۔ صدیقی کارنامہ
عثمانی کارنامہ 263
ہر ذہن کی سطح کے مطابق فصاحت و بلاغت
آسان ترین ہدایت نامہ
تلاوت کا ثواب۔۔۔۔ کتاب انقلاب
سورتوں کا آغاز کیسے ہوتا ہے؟
سورتوں کی ترتیب
کلمات ربانی کی عظمت
مضامین قرآن۔۔۔۔ جامعیت 274
تکمیت۔۔۔۔ تفصیل
بلحاظ نزول مکی اور مدنی سورتیں
سورتوں کی تعداد اور حروف مقطعات
سبع حرف
کاتبان وحی
قرآن مجید کا ختم شریف
تفسیر القرآن اور اس کی ضرورت 282

Marfat.com

تفسیر کے طریقے
تاریخ تفسیر نویسی کے چھ ادوار
اہم کتب تفسیر
جامع البیان، الکشاف وغیرہ
قرآن کے تراجم
ضروری وضاحت بسلسلہ ترجمہ القرآن
سورۃ حشر کا ترجمہ و تفسیر 296
علم حدیث ۔۔۔ اہمیت و ضرورت 315
رسول اکرم ﷺ بطور معلم

علم حدیث کا مختصر تعارف 320

احادیث کی اقسام بلحاظ سند
احادیث کی اقسام بلحاظ صحت
بعض علمی اصطلاحات
راویوں کی تقسیم ۔۔۔ (صحابی، تابعی
وغیرہ)
حدیث کی اقسام (راویوں کے لحاظ سے) 327
بعض دیگر اقسام ۔۔۔
عہد نبوی ﷺ میں حدیث کی اشاعت 329
درس حدیث اور بارگاہ نبوی
روایت حدیث میں احتیاط
حدیث کی تحقیق کا سفر کرنا
عہد نبوی میں تحریری احادیث کے
مجموعے
فن حدیث کی ابتداء
موطا امام مالک
دیگر مولفین کا مختصر تعارف 334
حدیث کی کتاب کی اقسام
صحاح ستہ
دیگر کتب حدیث
منتخب احادیث کا ترجمہ و تشریح 337

حصہ سوم

1۔ اسلام اور جدید معاشرتی افکار 401

اسلام کی معاشرتی تعلیمات
معاشرہ کی ابتداء
معاشرہ یا سوسائٹی
قبل از اسلام کے معاشروں کی اساس
تمدن کی صورتیں
سوسائٹی یا معاشرہ کی مختلف تعریفات
عمرانیات کے مسلم مفکرین
شاہ ولی اللہ اور عمرانیات
ارتفاق ولی اللہی کے چار درجے
اسلامی پیغام معاشرت و مقصدیت
معاشرے میں مشترکہ وسائل اور مثبت و منفی
قوتوں کا وجود
انسانی اختلافات کا اسلامی حل
اسلامی پیغام معاشرت
اسلامی پیغام معاشرت
سب انسان ایک ہیں
تعاون کی اسلامی بنیاد
اسلامی معاشرہ میں تعلیم کی اہمیت
اسلامی معاشرہ کی خصوصیات
معاشرے میں بگاڑ کی آخرت حالت
معاشرہ کی اصلاح
حقوق اور حقوق العباد
اولاد اور والدین کے حقوق
اخوت کے اثرات اسلامی معاشرہ پر

Marfat.com

اسلام اور ریاست 425
سیاست اور اس کے شعبے اور علم سیاست
ریاست کا تصور، رئیس کے اوصاف
اسلامی ریاست کی ضرورت 429
انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد
حاکمیت الٰہی کا قیام
دنیا میں مختلف نظام ہائے حکومت
بادشاہت۔۔۔ دستوری اور مطلق العنان
اسلام اور بادشاہت
سلیمان علیہ السلام کی سلطنت کی شان
اسلام میں طریق انتخاب
اسلام اور جمہوریت
اسلامی حکومت اور خلافت
حکم یا حاکم
خلافت
ایک وضاحت (بسلسلہ نیابت)
خلافت ارضی
نظام خلافت کے اصول 473
خلافت میں اقتدار اعلیٰ
قانون سازی
انصاف پروری
مساوات
شوریٰ یا مشاورت
جہاد فی سبیل اللہ
عالمی نظام خلافت کے خدوخال

2۔ تحریک پاکستان

پس منظر 491
نظریہ پاکستان اور سرسید احمد خاں
نظریہ پاکستان اور فکر اقبال
نظریہ پاکستان اور قائداعظم
قراداد لاہور 1940ء 502
قراداد لاہور کے اہم نکات
قیام پاکستان کے اغراض و مقاصد 508
دستور پاکستان میں اہم اسلامی دفعات 513
قرارداد مقاصد
علماء کے بائیس نکات اور دستور پاکستان
تحریک ختم نبوت
1956ء کے آئین اور اسلامی دفعات
1962ء کے آئین اور اسلامی دفعات
1973ء کے آئین اور اسلامی دفعات اور اقدامات

3۔ اسلام کا معاشی نظام

اسلام کی تعریف 532
سرمایہ داری اور جمہوریت
اشتراکیت کے چند فوائد
نقصانات
علامہ اقبال کے معاشی افکار
اسلامی معیشت اور سرمایہ دارانہ معاشیات کا تقابل
اسلامی معیشت اور سوشلزم
اسلامی معاشیات کی خصوصیات 554
سود
نبی اکرم ﷺ کی معاشی تعلیمات
معاشیات اور جرم و گناہ کا تصور
زکوٰۃ۔۔۔ اور اس کے فوائد

Marfat.com

زکوۃ کے مصارف 571
حلال و حرام' قدر محنت' منافع
اسلامی حکومت کے ذرائع آمدنی' زکوۃ' عشر' عشور' خراج' جزیہ' صدقات' غنیمت'
خمس' اوقاف' اموال' فاضلہ' معدنی ذخائر
انفرادی و قومی ملکیت
پیدائش کے عوامل اور محنت تجارت و صنعت
بینکنگ

4۔ اسلام کا اخلاق نظام

اسلام کی اخلاقی تعلیمات 578
اسلام کی اخلاقی تعلیمات
اخلاق کی قسمیں
علم اخلاق اور اس کے متعلق مختلف نظریات
عیسائیت اور اخلاق
یونانیوں کا فلسفہ اخلاق
جدید اخلاقی نظریات
اسلامی اخلاقیات
انسانی طبعا شیر نہیں
اسلامی اخلاقیات کی بنیاد
اخلاق کی تہذیب
اسلام میں اخلاق فاضلہ کا مقام
رذائل اخلاق میں فاضلہ کا مقام
رذائل اخلاق 601
اسلام کا نظریہ تعلیم و تربیت 610
اسلام میں علم کی اہمیت قرآن اور تعلیم
قرآن کی اصولی تعلیمات کا مختصر خاکہ
عقائد
نبوت و رسالت۔۔۔۔ آخرت
نماز' زکوۃ' روزہ' حج۔۔۔

5۔ اسلامی نظریہ تعلیم

اسلامی نظریہ تعلیم کی خصوصیات 615
اسلام کا تصور علم
علم الیقین' عین الیقین' حق الیقین
ذرائع علم
اسلامی نصاب تعلیم
حضور ﷺ کا طریقہ تعلیم۔۔۔ 626
یا حضور بطور معلم
عہد نبوی میں اشاعت تعلیم کا مختصر خاکہ
مخلوط تعلیم سے احتراز
خلافت راشدہ اور نظام تعلیم
طلبہ کے ساتھ رویہ
مانیٹروں کی تقرری
ادوار مابعد میں تعلیمی روایت کا ارتقاء
بنو امیہ کا عہد
بنو عباس کا عہد
تمت بالخیر

Marfat.com

حصّہ اول

- عقائد
- توحید
- رسالت
- اور آخرت

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تخلیق کائنات

تخلیق کائنات کے بارے میں سائنسی اور اسلامی نقطہ نظر

کائنات کیا ہے۔ سائنسدانوں کا خیال ہے کہ اربوں سال پہلے کائنات مادے کی شکل میں گردش کناں تھی۔ لیکن وہ یہ نہیں بتا سکے کہ گھومنے والے مادے کہاں سے آئے اور کیوں گھوم رہے تھے۔ وہ ساکن کیوں نہ تھے۔ وہ گھومتے گھومتے رک کیوں نہیں جاتے تھے۔ پھر وہ مادہ ٹوٹ کیوں گیا اور اس کے حصے اپنی اپنی گردشوں کا شکار کیوں ہو گئے؟ ایسے سوالات کے جوابات سائنسدان حضرات جو بھی دیتے ہیں وہ مفروضات پر ہی مبنی ہیں۔ کیوں کہ یہ مفروضات انسانی عقل اور ذہن کی رسائی کا کرشمہ ہیں اور انسانی عقل محدود ہے۔ جبکہ کائنات کے بارے میں لادینی نقطہ' نظریہ ہے کہ یہ لامحدود ہے۔ اور کہکشاں سے آگے اس کی وسعتوں کا حال احاطہ ادراک میں نہیں آسکتا۔ تو محدود ---- لامحدود کے ادراک کا دعوے کیسے کر سکتا ہے۔ لہٰذا محدود عقل و ذہن کی رسائی لامحدود کائنات کو محیط نہیں ہو سکتی۔ پس مادہ پرست سائنسدانوں کے خیالات' مفروضات سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔

کائنات کی عمر

کیا کائنات کا وجود ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔ سائنسدان اس بارے میں حتمی فیصلہ نہیں کر سکے۔ البتہ وہ یہ ضرور کہتے ہیں کہ یہ اربوں سال پرانی ہے اور مختلف ادوار میں مختلف قسم کے جانور' نباتات اور جمادات وغیرہ پیدا ہو کر پرورش پانے کے بعد بالآخر خود بخود ملیامیٹ ہوتے رہے۔ چنانچہ سائنسدان اپنے دماغ کے بنائے ہوئے پیمانوں سے گزشتہ ادوار کی اشیاء کی عمروں کا تعین کرتے ہیں کبھی وہ پتھر کے بعض ٹکڑوں کی عمر لاکھوں سال بتاتے ہیں لیکن ان کے پیمانے زمینی ماہ و سال سے تعلق رکھتے ہیں۔ جبکہ زمین پر ہی یا خلا میں بعض اشیاء کی مدت العمر یا رفتار ناپنے کے لئے انہیں مختلف قسم کے پیمانے گھڑنے پڑتے ہیں۔ مثلاً روشنی کی مسافت کا اندازہ "Light Years" کے پیمانے سے لگایا جاتا ہے۔ وعلی ھذالقیاس۔

Marfat.com

شمسی نظام اور کرہ ارض کے بارے میں سائنسدان یہ نقطہ نظر رکھتے ہیں کہ سورج سے علیحدہ ہونے والے ٹکڑے قدرے ٹھنڈا ہونے کی وجہ سے سورج کی رفتار کے ساتھ ہم رفتار نہ رہ سکے۔ لہٰذا یہ الگ الگ رفتار سے سورج کے گرد گھومتے گھومتے اپنی الگ الگ حیثیت اختیار کر گئے۔ چنانچہ کائنات کے معمر ترین اجرام سورج' چاند' زمین' ستارے اور سیارے ہیں۔ اور یہ اربوں سال سے محو گردش ہیں۔ اس کے بعد کہکشاں کا وجود بھی ہے۔ جن کی تعداد کسی کو معلوم نہیں ہو سکی۔ اور نہ ان کی وسعتوں کے بارے میں کچھ معلوم کیا جاسکا ہے۔ کیونکہ انسان ابھی چاند اور مریخ تک رسائی کے لئے ہی کوشاں ہے۔

کرہ ارض اور انسان

سائنسدان زمین کی ابتدائی اور ارتقائی منزلوں کو چھ مرحلوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

1 - سورج سے الگ ہو کر زمین کا گھومتے چلے جانا۔ اور آہستہ آہستہ ٹھنڈا ہونا۔ اور مختلف عوامل سے اس کی سطح پر مختلف تبدیلیاں رونما ہونا۔ یہ دور تقریباً ایک ارب سال پر محیط تھا جس میں پانی' روئیدگی' پہاڑ' سمندر' وادیاں' چشمے وغیرہ وجود میں آئے۔

2 - پانی میں کچھ آبی پودے پیدا ہوئے۔ اور خلیات وجود میں آئے۔ یہ عہد اسی کروڑ سال پر محیط تھا۔

3 - اس عہد میں سمندری جراثیم' کائی اور ریڑھ کی ہڈی کے بغیر جاندار اور رینگنے والے جانور پیدا ہوئے۔ اور یہ عہد کوئی پینسٹھ کروڑ سال کا تھا۔

4 - تیسرے دور والے جانوروں اور جانداروں نے ارتقائی منزلیں طے کیں اس دور میں مونگے بحری سوسن' اسفنج' گھونگے' شکم پائے اور بازو پائے جیسے جانور نمودار ہوئے۔ یہ عہد سمندری جانوروں کی کثرت کا دور تھا۔ جو پچیس کروڑ سال پر محیط گردانا جاتا ہے۔

5 - اس میں زمین پر نباتات' حیوانات اور بڑے بڑے اجسام والے خشکی کے جانور پیدا ہوئے جن کے ڈھانچے آج بھی کہیں نہ کہیں مل جاتے ہیں اور بعض بڑی بڑی بیالوجیکل لیبارٹریوں میں محفوظ کر لئے گئے ہیں۔ یہ عہد چودہ کروڑ سال پر مشتمل مانا جاتا ہے۔ اس عہد کے جانوروں کی نسلیں بھی آج موجود نہیں۔

6 - حالیہ حیاتیاتی دور' جس کی عمر ساڑھے چار کروڑ سال تصور کی جاتی ہے میں پستانوں والے جانور' نر و مادہ کے اختلاط سے نسل در نسل ارتقا' اور نباتاتی ترقی کی بنا پر جنگلات وغیرہ وجود پذیر ہوئے' اسی دور میں انسان بھی وجود میں آیا۔ یہ دور ممملز پیریڈ (Peridds

Marfat.com

(Mammel) کہلاتا ہے۔ اس طرح کہ ارض کی عمر دو ارب 88 کروڑ پچاس لاکھ سال تصور کی جاسکتی ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر غلام مرتضیٰ صاحب اپنی کتاب "وجود باری تعالیٰ اور توحید" میں تخلیق کائنات کے بارے میں لکھتے ہیں:

تخلیق کائنات

حادثہ یا منصوبہ

کسی بے آب و گیاہ جنگل میں اگر ایک کٹیا نظر آجائے تو مسافر فوراً یقین کر لیتا ہے کہ اس کٹیا کو آباد کرنے والا ضرور موجود ہے۔

تہ بہ تہ آسمان اس میں سورج' چاند اور تارے ایک لگے بندھے نظام میں مدت سے اس طرح چل رہے ہیں کہ کہیں کسی حادثہ کی نوبت نہیں آتی۔ اگر اس انتظام میں کہیں معمولی سی خرابی بھی ہو جائے تو تمام سیارگان فلک آپس میں ٹکرا جائیں اور ساری کائنات پاش پاش ہو جائے سورۃ یس میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے:

> ان کے لئے ایک نشانی رات ہے ہم اس میں سے دن نکالتے ہیں جبکہ وہ اندھیروں میں گم ہوتے ہیں۔ سورج اپنے مدار پر رواں دواں ہے۔ یہ منصوبہ ہے ایک زبردست اور باخبر ہستی کا۔ اور چاند کی ہم نے منزلیں مقرر کی ہیں۔ یہاں تک کہ کھجور کی پرانی ٹہنی کی طرح باریک رہ جاتا ہے۔ نہ سورج سے یہ ہو سکتا ہے کہ چاند سے جا ٹکرائے اور نہ رات دن سے سبقت کر سکتی ہے۔ (اپنے مقرر وقت سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتے) تمام سیارگان فلک اپنے مقررہ راستوں پر چل رہے ہیں (اس سے سرمو انحراف نہیں کر سکتے۔)
>
> (یاسین۔ ۳۷ تا ۴۰)

سورج' چاند اور ستاروں کا ایک مقررہ راستہ ہے اور وہ اس سے سرمو اِدھر اُدھر نہیں ہو سکتے۔ نہ سورج چاند کے مدار میں داخل ہو سکتا ہے۔ اور نہ چاند سورج کے مقررہ

Marfat.com

راستے کو اختیار کر سکتا ہے۔ نہ کبھی دن اپنے مقررہ وقت سے پہلے شروع ہوتا ہے۔ اور نہ رات کبھی اپنے وقت سے پہلے یا بعد شروع ہوتی ہے۔ ہر کام ایک خاص پروگرام کے تحت، ایک عظیم منصوبہ کے تحت چل رہا ہے۔

ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ۔ (یاسین - 38)

"یہ ایک بہت ہی زبردست اور بہت باعلم ذات کا منصوبہ ہے۔"

دنیا میں کہیں بھی ہمیں اچھی عمارت، خوبصورت باغ، عمدہ فیکٹری، یا کوئی اور قسم کا عمدہ خاکہ یا نقشہ یا منصوبہ دیکھنے میں آئے تو سب سے پہلے خیال اسی بات کی طرف جاتا ہے کہ "عمدہ انجینئر ہے۔" قابل مالی ہے۔ "بہت ہی لائق نقشہ ساز اور منصوبہ ساز ہے۔" یہ ہمیں کیا ہو گیا کہ آسمان اور زمین کے درمیان ہر طرف انتہائی عمدہ خاکے اور تخلیقی شاہکار بکھرے ہوئے ہیں۔ اور ہمارے دل کی گہرائیوں سے یہ نغمہ نہیں ابھرتا:

"تَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ۔"

"بڑا ہی بابرکت ہے اللہ، سب کاریگروں سے اچھا کاریگر۔"

کائنات کی تخلیق کو فقط ایک اتفاق یا حادثہ قرار دینا تو ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی یہ کہے کہ چھاپہ خانہ میں دھماکہ ہوا اور ایک ڈکشنری تیار ہو کر باہر آگئی۔ یا یہ کہ فرش پر پانی گر گیا اور وہاں زمین کا جغرافیائی نقشہ تیار ہو گیا۔ اس قدر طویل و عریض اور منظم و مربوط کائنات کی تخلیق کیا از خود ہو گئی؟

یہ کائنات اگر محض اتفاق سے وجود میں آئی ہے تو کیا واقعات لازمی طور پر وہی رخ اختیار کرنے پر مجبور تھے جو انہوں نے اختیار کیا، کیا اس کے سوا کچھ اور نہ ہو سکتا تھا؟ کیا ایسا ممکن نہیں کہ ستارے آپس میں ٹکرا ٹکرا کر تباہ ہو جائیں۔ مادہ میں حرکت پیدا ہونے کے بعد کیا ضروری تھا کہ یہ محض حرکت نہ رہے بلکہ ارتقائی حرکت بن جائے۔

کائنات کی پیدائش ایک حادثہ ـــــ پھر زندگی کی پیدائش ایک اور حادثہ؟ اور پھر زندگی کے لئے تمام ساز گار حالات کی پیدائش کیا محض حادثات ہی حادثات ہیں؟ کیا اس بھونڈی طرز کے فرار کے سوا اس کی کوئی اور توجیہ ممکن نہیں؟ اگر انسانی عقل صحت و سلامتی سے کچھ بھی آشنا ہے اور کسی حادثے کا شکار نہیں ہو گئی ہے تو اسے ضرور ایک ایسی توجیہ تلاش کرنی چاہئے جس میں کوئی جھول نہ ہو "حادثہ" کا تصور تو بذات خود ایک بہت بڑا جھول ہے۔"

Marfat.com

کیا یہ کائنات محض ایک اتفاق سے وجود میں آئی ہے۔
اس سلسلہ میں اے کریسی مارسین کا ایک اہم اقتباس درج ذیل ہے:
"ظاہر طور پر "اتفاق" ایک مستقل، غیر متوقع اور حساب و شمار سے ماوراء شئے معلوم ہوتا ہے، اور اگرچہ اس کے عجائب ہمارے لئے خاصے حیرت آفرین ہوتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اتفاق بھی ایک سخت گیر اور ناقابل شکست قانون کی متابعت پر مجبور ہے۔ ایک پیسہ لے کر اگر ہوا میں اچھالا جائے تو زمین پر گرتے وقت اس کے پیش رخ کے سامنے آنے کا امکان دو میں سے ایک کی کیفیت رکھتا ہے۔ لیکن دس دفعہ اچھالنے پر اس کے دسویں دفعہ سامنے آنے کا امکان بے حد خفیف ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر آپ ایک تھیلی میں کانچ کی ایک سو گولیاں بھر لیں جن میں سے 99 سیاہ اور صرف ایک سفید ہو اور پھر اس میں دیکھے بغیر ہاتھ ڈال کر ایک گولی نکالیں تو سفید گولی نکلنے کا امکان ایک سو میں سے ایک ضرور ہوتا ہے لیکن اگر آپ چاہیں کہ ایک بار برآمد ہونے کے بعد وہ دوبارہ آپ کے ہاتھ آجائے تو اس اتفاق کا امکان دس ہزار میں صرف ایک ہو گا۔ سو (100) کو ایک سو سے ضرب دیجئے حاصل دس ہزار۔ اب اگر آپ تیسری بار بھی سفید گولی ہی نکالنا چاہیں تو اس کا امکان دس لاکھ میں سے ایک ہو گا (دس ہزار کو ایک سو سے ضرب دیجئے۔ حاصل ضرب دس لاکھ) اسی طرح چار، پانچ، چھ اور سات مرتبہ کے لئے حاصل ضرب کروڑوں سے لے کر کھربوں تک پہنچ جائے گا۔ اور سفید گولی کے مسلسل برآمد ہونے کا امکان اسی نسبت سے کم ہوتا چلا جائے گا۔"

امکان و اتفاق کے نتائج بھی اپنے قانون کے ہاتھوں اسی طرح بے بس ہیں، جس طرح دو اور دو کا حاصل جمع چار ہونے پر ابداً مجبور ہے۔

تاش کی کسی بازی میں جسے چار افراد کھیل رہے ہوں۔ اگر پہلے ہاتھ میں سب کو ایک ایک یکہ مل جائے اور ایک ایک بادشاہ، ایک ایک بیگم، ایک ایک غلام اور اسی طرح دہلا، نہلا حتیٰ کہ دکی تک اسی طرح برابر تقسیم ہوتی چلی جائے تو کون ایسا بے وقوف ہے جو یہ نہ سمجھے گا کہ بانٹنے والے نے یہ تاش کے پتے پہلے ہی ایک ترتیب میں لگا رکھے ہیں۔ لیکن اس قسم کی قدرتی تقسیم کے خلاف امکانات اس قدر زیادہ ہیں کہ غالباً جب سے تاش ایجاد ہوئی ہے، آج تک ایسا نہیں ہوا اگرچہ بظاہر اس سے انکار نہیں کیا جاتا کہ ایسا ہونا ممکن ضرور ہے۔"

Marfat.com

ایسا ہونا ممکن ہے۔ یعین اسی طرح جیسے کوئی اعلیٰ درجے کا شاطر شطرنج کی بساط اپنے سامنے بچھا کر کسی بچے سے کہے کہ ایک طرف کے مہروں کی اپنی مرضی سے 34 بار خانہ بخانہ بڑھاتے جاؤ۔ اور پھر بچہ اپنے مہرے محض اتفاقاً اس انداز سے بڑھاتا جائے کہ شاطر کی ہر چال ناکام ہوتی چلی جائے۔ یہاں تک کہ 34 حرکتوں سے اسے مکمل مات ہو جائے۔ اس مات کھانے کے بعد شاطر غالباً یہ سمجھے گا کہ یا تو میں خواب دیکھ رہا ہوں' یا پاگل ہو چکا ہوں۔ لیکن ہمارے بعض سائنس دانوں کے نظریات کے مطابق "ایسا ہونا ممکن ہے۔" ہاں صاحب یہ بالکل ممکن اور عین ممکن ہے۔

اتفاقات اور امکانات کی اس بحث سے ہمارا مدعا اپنے ناظر کو اس حقیقت کی جانب متوجہ کرنا ہے کہ اس کتاب کا مقصد نگارش زیادہ تر یہ ہے کہ تنگ حدود کی واضح اور حکیمانہ توضیح کرنے کے بعد جن کے اندر رہ کر زندگی اس کرے پر قائم رہ سکتی ہے۔ ٹھوس اور حقیقی شواہد سے یہ ثابت کیا جائے کہ اس زندگی کے تمام اور عین میں شرائط اور کیفیات پوری صحت کے ساتھ ایک ہی کرہ پر ایک ہی وقت میں محض اتفاق سے جمع نہیں ہو سکتی تھیں۔ زمین کا حجم' سورج سے اس کا فاصلہ' اس کا عام درجہ حرارت' سورج کی حیات افروز' شعاعیں' زمین کے چھلکے کی موٹائی' یہاں پائے جانے والے پانی اور کاربن ڈائی اوکسائڈ کی مقدار نائٹروجن کی ضخامت اور پھر انسان کا ظہور اور اس کی بقا' یہ سب امور ایک خلفشار میں سے نظم اور قاعدے کی تخلیق' ایک باقاعدہ منصوبے اور مقصد کے قیام اور اس حقیقت کے اثبات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ ریاضیات کے ناقابل تردید اصول و قوانین کے بموجب ان تمام عناصر کا محض ایک سیارے پر اور اربوں امکانات سے محض ایک امکان کے بل بوتے پر بیک وقت جمع ہو جانا ہرگز لائق تسلیم نہیں' ایسا ہو سکتا تھا' لیکن ایسا ہرگز نہیں ہوا۔ جب حقائق اس قدر زور دار ہوں اور جب ہم اپنی عقول کی ان خصوصیات کا بھی اعتراف کرتے ہیں جو یقیناً سراسر مادی نہیں ہیں' تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ شواہد و دلائل کے اس ناقابل تردید سلسلے کی طرف سے آنکھیں بند کرلی جائیں اور اربوں دوسرے اتفاقات میں سے فقط ایک امکان اور محض ایک اتفاق پر اس نظریے کی بنیاد رکھ دی جائے کہ ہمارا اور ہماری اس دنیا کا وجود کائنات میں واقع ہونے والے فقط ایک اتفاق کا مرہون منت ہے۔

اب ہم اپنی استعداد کے مطابق یہ بات واضح کر چکے ہیں کہ کروڑوں امکانات اس

Marfat.com

بات کے خلاف اور صرف ایک امکان اس کے حق میں جاتا ہے کہ یہ ساری تکوین عالم فقط ایک اتفاق کا نتیجہ ہے۔ سائنس ہمارے بیان کردہ حقائق کی تردید کی ہمت نہیں رکھتی اور ریاضی ہمارے اعداد و شمار کی تائید کرتی ہے۔ اب ہمیں انسان کے ضدی ذہن سے مقابلہ درپیش ہے جو جامد تصورات کو بڑی مشکل سے ترک کرنے پر آمادہ ہوتا ہے۔ قدیم یونانی یہ جانتے اور محسوس کرتے تھے کہ زمین گیند کی صورت رکھتی ہے، لیکن اہل علم کو اس سچائی کا یقین دلانے میں پورے دو ہزار برس لگ گئے۔"

(کریسی ماریسن اے۔ "خدا ہمارے ساتھ ہے" ص164 مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور۔ (1965ء))

مسٹر فرینک ایلن پروفیسر حیاتی طبیعات، مینی ٹوبا یونیورسٹی کینیڈا اپنے مضمون "کائنات ایک حادثہ ایک منصوبہ" میں لکھتے ہیں:

"صرف ایک پروٹینی سالمے کے اتفاقاً وجود میں آنے سے اس پوری کائنات کے موجودہ مادے سے کروڑوں گنا زیادہ مقدار مادہ مطلوب ہو گی جسے یکجا کر کے ہلایا جائے گا اور اس عمل سے کوئی نتیجہ برآمد ہونے کا امکان اربوں سال کے بعد پیدا ہو گا۔ پروٹین "امینو ایسڈس" کے لمبے سلسلوں سے وجود میں آتے ہیں۔ اس میں سب سے زیادہ اہمیت اس طریقے کی ہے جس سے یہ سلسلے باہم ملیں۔ اگر یہ غلط شکل میں یک جا ہو جائیں تو زندگی کی بقاء کا ذریعہ بننے کی بجائے مہلک زہر بن جاتے ہیں۔ انگلستان کے پروفیسر جے۔ بی لیذر نے حساب لگایا ہے کہ ایک سادہ سے پروٹین کے سلسلوں کو لاکھوں طریقے سے یکجا کیا جا سکتا ہے۔ یہ کسی طرح عقل میں آنے والی بات نہیں ہے کہ ایک پروٹینی سالمے کے وجود میں لانے کے لئے اتنے بہت سے بعید از امکان اتفاقات بیک وقت صادر ہو جائیں۔

پھر پروٹین خود ایک کیمیاوی شئے ہے جس میں زندگی موجود نہیں ہوتی، اس میں زندگی کی حرارت تو اسی حالت میں پیدا ہوتی ہے جب اس کے اندر روح پھونکی جائے۔ صرف ایک عقل کل ایک بے حد و نہایت ذہین یعنی خدا ہی یہ سوچ سکتا ہے کہ زندگی کی آماجگاہ بننے کے لئے اس طرح کا سالمہ موزوں ہو سکتا ہے۔ وہی اس سالمے کی تخلیق کر سکتا ہے اور وہی اسے زندگی بخش سکتا ہے۔ (بحوالہ جان کلوور مونزما "خدا موجود ہے" مطبوعہ مقبول اکیڈمی لاہور اشاعت کا سال 1970ء)

Marfat.com

ڈاکٹر غلام مرتضیٰ صاحب (پی ایچ ڈی) اپنی کتاب "وجود باری تعالیٰ اور توحید" (صفحہ ۳۴ تا ۳۹) میں کائنات کو جدید سائنس کی روشنی میں:

"حادث یا قدیم"

سمجھنے کے بارے میں لکھتے ہیں:

دور جدید میں کائنات کے حادث یا قدیم ہونے کی پرانی بحث کا بھی قریب قریب حتمی فیصلہ ہو گیا ہے۔ سائنس نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ یہ کائنات ازلی نہیں ہے بلکہ اس کی ابتدا و انتہا بھی ہے (فلسفہ کی اصطلاح میں یہ عالم قدیم نہیں بلکہ حادث ہے۔) دہریوں اور خدا پرستوں کے درمیان اس بحث کا فیصلہ دور جدید کے ایٹمی توانائی (Atomic Energy) کے تخیل نے کر دیا ہے۔ دہریے اب تک یہی کہتے چلے آئے تھے کہ یہ کائنات ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی، نہ اس کی ابتداء ہے نہ اس کی انتہاء۔ زمانہ ہی ہمیں زندگی بخشتا ہے اور اس کائنات میں زمانہ ہی ہمیں موت کی نیند سلا دیتا ہے۔ بلکہ یہی بات آج سے ڈیڑھ ہزار سال پہلے کا عرب کا بدو بھی کہا کرتا تھا۔ قرآن کی زبان میں:

وَمَا يُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ (الجاثیہ - 24)

"ہمیں تو زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے۔"

لیکن جدید سائنس کے نقطہ نظر سے اب مادہ قوت میں تبدیل ہوتا ہے اور قوت مادے میں اب حرکیات حرارت (Thermo - Dynamics) کے دوسرے قانون نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ یہ مادی جہان نہ ازلی ہو سکتا ہے اور نہ ابدی۔ اس کی لازماً ابتدا ہونا چاہئے اور اس کو لازماً ایک موقع پر فنا بھی ہونا چاہئے۔ اب مختلف علوم طبیعی کی مدد سے اس کائنات کے وقت آغاز کا تعین تک کیا جا رہا ہے کہ یہ کائنات اندازاً ساٹھ کھرب سال پہلے وجود میں آئی تھی۔ اب تو "سائنس" زمین، سورج چاند، حتیٰ کہ نظام شمسی کی عمر کا تعین کرنے لگی ہے۔

سائنسدانوں میں کائنات سے متعلق جو نظریہ آج کل مقبول ہو رہا ہے وہ یہ ہے کہ کائنات یک لخت ایک تخلیقی انفجار یا دھماکہ (Explosion) سے وجود میں آگئی۔ اس کا مادہ تخلیق یکجا انتہائی کثافت اور انتہائی حرارت کی کیفیت میں تھا کہ ایک دھماکہ سے وہ پھٹی اور تیس منٹ کے اندر اندر تمام کیمیاوی عناصر پیدا ہو گئے اور پھر اس سے تمام فلکی نظام

Marfat.com

وجود میں آ گئے۔

آیئے اس بارے میں دور جدید کے انتہائی بلند پایہ سائنس دانوں کی شہادتوں پر غور کریں فرینک ایلن۔ ایم اے۔ پی ایچ ڈی۔ پروفیسر حیاتی طبیعیات ہینی ٹوبا یونیورسٹی کینیڈا اپنے مضمون تخلیق کائنات۔ ایک حادثہ یا ایک منصوبہ میں لکھتے ہیں:

"زندگی کو برقرار رکھنے کے لئے اس کرہ ارض پر اتنے انتظامات نظر آتے ہیں کہ یہ کسی طرح باور نہیں کیا جا سکتا کہ یہ سب محض کسی اتفاق کا نتیجہ ہیں۔ اولاً یہ کہ کرہ ارض ایک گولے کی شکل میں خلاء میں معلق ہے اور اپنے قطبی محور پر اس طرح گردش کر رہا ہے کہ اس سے دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن آتا ہے پھر یہ کرہ سورج کے گرد بھی گھوم رہا ہے اور سال کی معین مدت کے اندر اپنا ایک چکر پورا کرتا ہے۔ یہ حرکات خلاء میں اس کو صحیح سمت میں قائم رکھتی ہیں۔ قطبی محور پر اپنے مدار کی جانب اس کا 23 درجہ جھکاؤ موسموں میں باقاعدگی پیدا کرتا ہے جس کے نتیجے میں زمین کا زیادہ سے زیادہ حصہ آبادکاری کے قابل ہو جاتا ہے اور مختلف انواع و اقسام کی رنگا رنگ روئیدگی زمین کی رونق و افادیت دوبالا کر دیتی ہے۔ اگر یہ کرہ زمین گردش کرنے کی بجائے ساکن و جامد ہوتا تو نباتات اور پیداوار میں اتنی متنوع اور گوناگوں اقسام ممکن نہ ہوتیں۔"

دوم ایسی گیسیں جو بقائے حیات کے لئے ضروری ہیں فضا میں تقریباً پانچ سو میل کی بلندی تک محیط ہیں اور ان کا نہایت دبیز پردہ کرہ زمین کو ان شہابوں کی تباہ کن بارش سے محفوظ رکھتا ہے جو روزانہ دو کروڑ کی تعداد میں تیس میل فی سیکنڈ کی رفتار سے کرہ ارض میں داخل ہوتے ہیں۔ دوسرے اثرات کے علاوہ اسی ہوا کا درجہ حرارت ان کو حدود و اعتدال کے اندر رکھتا ہے جو زندگی کی بقا کے لئے ناگزیر ہیں۔ ہوائیں بادلوں کی صورت میں سمندروں کے تازہ پانی کی بھاپ کو اڑا کر خشکی کی طرف لے جاتی ہیں اور دور دور تک خشک اور پیاسی زمینوں کو سیراب کرتی ہیں ورنہ یہ زمین بے آب و گیاہ صحرا میں تبدیل ہو جائے۔ گویا دوسرے لفظوں میں فطرت نے سمندروں اور ہواؤں کی ہم آہنگی کو اس کرہ ارض میں بقائے زیست کا ذریعہ بنا دیا ہے۔" (بحوالہ جان کلوور مونزما "خدا موجود ہے" مقبول اکیڈمی مطبوعہ لاہور۔ 1970ء)

جان کلیوی لینڈ پی۔ ایچ۔ ڈی' ماہر ریاضی و کیمیا اپنے مضمون "ایک ناگزیر فیصلہ" میں لکھتے ہیں:

Marfat.com

"اب مادے کو اس حیثیت سے لیجئے کہ یہ سالموں (Molecules)" اور ذرات (Atoms) کا مجموعہ ہے۔ خود سالمے اور ذرات ان کے ترکیبی پروٹون' الیکٹرون اور نیوٹرون' کہربائی قوت حتیٰ کہ توانائی (Energy) بھی سب کے سب اپنے اپنے دائرے میں ایک مقرر ضابطے کے پابند نظر آتے ہیں اور ان کے عمل میں کہیں اتفاقات و حوادث کار فرما نہیں معلوم ہوتے۔ نظم و ترتیب کی اس سے بہتر مثال کیا ہو سکتی ہے کہ کیمیائی عنصر نمبر101 کی شناخت و امتیاز اس کی محض 17 ذرات کے مطالعے سے کر لی گئی۔ یہ اس حقیقت کا ایک ناقابل تردید ثبوت ہے کہ یہ عالم رنگ بو ایک سوچے سمجھے نظام اور ایک مقررہ نقشے کے مطابق چل رہا ہے۔ اس میں انتشار اور لامرکزیت نہیں' یہاں ہر شئے کے لئے قوانین و ضوابط مقرر ہیں اور اس کارخانہ قدرت کو حادثات و اتفاقات نہیں چلاتے۔

کیا کوئی باخبر اور استدلالی ذہن یہ باور کر سکتا ہے کہ جامد و بے شعور مادہ کسی حادثے کے نتیجے میں از خود وجود میں آگیا کسی ارادے اور کار فرما قوت کے بغیر خود بخود ایک نظام میں ڈھل گیا' محض اتفاق ہی سے ان نے اس نظام کی پابندی شروع کر دی اور اس کے بعد اس نظم کا اسی طرح قائم و دائم رہنا ایک حسن اتفاق کے سوا کچھ نہیں؟

یقیناً اس کا جواب نفی میں ہو گا۔ جب توانائی کسی نئے مادے میں تبدیل ہوتی ہے تو یہ عمل تغیر ایک سوچے سمجھے اور متعین ضابطے کے مطابق ہوتا ہے اور اس عمل سے وجود میں آنے والا نیا مادہ بھی انہیں قواعد و ضوابط اور اس نظام کی پابندی کرتا ہے جو اس سے پہلے موجود مادے پر نافذ ہیں۔ علم کیمیا یہ بتاتا ہے کہ مادہ بتدریج فنا ہو رہا ہے۔ اس کی بعض انواع کے معدوم ہونے کی رفتار انتہائی سست ہے اور بعض کی انتہائی تیز' اور اس سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ مادہ اپنی ذات میں ازلی و ابدی نہیں ہے۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے تو پھر لامحالہ یہ بھی ماننا پڑے گا کہ مادے کی کوئی ابتدا اور اس کا کوئی نقطہ آغاز بھی ضرور ہو گا۔ نہ صرف علم کیمیا بلکہ دوسرے علوم عقلی بھی اس حقیقت کی طرف رہنمائی کرتے ہیں کہ مادہ کسی طویل تدریجی عمل کے نتیجے میں وجود میں نہیں آیا بلکہ یک لخت اور اچانک وجود میں آیا اور مختلف آثار و شواہد سے یہ بھی متعین کیا جاتا ہے کہ اندازاً یہ واقعہ کب ہوا؟ گویا یہ ثابت ہو گیا کہ یہ بزم کائنات ایک مقرر گھڑی پر یکبارگی سجائی گئی۔ یہ کسی دانا و بینا ہستی کی قوت تخلیق کا کرشمہ ہے اور جب سے یہ کائنات وجود میں آئی ہے۔ اسی وقت سے یہ مقررہ قوانین کی پابندی کر رہی ہے۔ حادثات و اتفاقات اس کائنات

Marfat.com

کی زندگی اور رونق کا سرچشمہ نہیں ہے۔" (بحوالہ "خدا موجود ہے" از جان کلوور مونزما 56)

ایڈورڈ لوتھر کیسل، ماہر حیوانات و حشرات ایم۔ ایس سی۔ پی ایچ ڈی اپنے مضمون "آیئے کسی تعصب کے بغیر حقائق کا مطالعہ کریں" میں لکھتے ہیں:

"سائنس کارخانہ قدرت کے نظام کی تفصیلات سے بحث کرتی ہے اور اس بات کو نظرانداز کر دیا جاتا ہے کہ اس کارخانہ کو بنایا اور چلایا کس نے ہے لیکن ہر شخص تھوڑا بہت فلسفی ضرور ہوتا ہے اور اس چیز سے سائنس دان بھی مستثنیٰ نہیں، یہ الگ بات ہے کہ اچھے سائنس دان ہمیشہ اچھے فلسفی نہیں ہوتے۔ ان میں سے کچھ تو کائنات کے آغاز کے بارے میں ذہنی انتشار اور پراگندہ خیالی میں مبتلا ہیں اور کچھ لوگ اس لغویت کا شکار ہیں کہ وہ ازلی و ابدی ہے تو آخر یہ کیوں نہ مان لیا جائے کہ یہ کائنات آپ سے آپ وجود میں آگئی ہے۔ اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جن کا کہنا یہ ہے کہ اگر خدا کے بارے میں یہ جانا جا سکتا ہے کہ وہ ازلی و ابدی ہے تو آخر یہ کیوں نہ مان لیا جائے کہ یہ کائنات ہی ازلی و ابدی ہے حرکیات حوادث کا دوسرا قانون جسے ضابطہ ناکارگی کہا جاتا ہے اس آخری تصور کی نفی کرتا ہے یہ حقیقت سائنس نے ثابت کر دی ہے کہ کائنات ہمیشہ سے نہیں ہے۔ ضابطہ ناکارگی بتاتا ہے کہ حرارت ہمیشہ باحرارت خودبخود کم حرارت وجود سے زیادہ حرارت کے وجود میں منتقل ہونے لگے۔ ناکارگی ممکن الحصول اور ناممکن الحصول توانائی کے درمیان تناسب کا نام ہے اور اس بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کائنات کی ناکارگی برابر بڑھ رہی ہے۔ اور ایک وقت آنے والا ہے جب تمام موجودات کی حرارت یکساں ہو جائے گی اور کوئی کارآمد توانائی باقی نہیں رہے گی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ کیمیائی اور طبعی عمل کا کوئی میدان باقی نہ رہے گا زندگی ناپید ہو جائے گی اور ایک ہمہ جہتی جمود طاری ہو جائے گا۔ لیکن اس حقیقت کے پیش نظر کہ کیمیائی اور طبیعی عمل جاری ہے اور زندگی کے ہنگامے قائم ہیں۔ یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس کائنات کا وجود ازلی نہیں ہے ورنہ اس کی توانائی کبھی کی ختم ہو چکی ہوتی اور یہاں زندگی کی ہلکی سی رمق بھی موجود نہ ہوتی۔ اس طرح غیرارادی طور پر سائنس کی تحقیق نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اس کائنات کا کوئی نقطہ آغاز ضرور ہے۔ اور اگر یہ ثابت ہو جائے تو پھر خدا کا وجود آپ سے آپ ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ ہر وہ چیز جو اپنی ذات میں ازلی نہیں ہے اس کا وجود یقیناً کسی محرک اول اور کسی خالق یعنی خدا کے کرشمہ قدرت کا رہین منت ہے۔

Marfat.com

سائنس کی تحقیق نے صرف یہی ثابت نہیں کیا کہ یہ کائنات ازلی نہیں اور اس کی ایک ابتداء یا آغاز ہے بلکہ تازہ انکشافات یہ بھی ظاہر کرتے ہیں کہ اب سے تقریباً پچاس کھرب سال پہلے ایک تخلیقی دھماکے کے نتیجے میں یہ کائنات وجود میں آگئی اور آج بھی اس میں توسیع کا عمل جاری ہے۔ جو لوگ سائنس کی تحقیقات کو کوئی وزن دیتے ہیں وہ یہ حقیقت تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ کائنات تخلیق کی گئی ہے اور یہ عمل تخلیق لگے بندھے قوانین فطرت سے ماوراء کسی طاقت کا کرشمہ ہے۔ کیونکہ یہ قواعد فطرت تو خود کسی کی تخلیق کا نتیجہ ہیں اسی ذات خالق کو ہم خدا کہتے ہیں۔ اس خالق حقیقی نے جب قدرتی مادے کو وجود بخشا اور مادے کے عمل کے لئے قواعد و ضوابط معین کر دیئے تو پھر اس نے اس مادے کو اس مقررہ عمل کے ذریعہ تخلیق مسلسل میں لگا دیا۔" (بحوالہ جان کلوور مونزما "خدا موجود ہے" (ص 70)

پیٹر ڈبلیو سٹونر ماہر ریاضی و فلکیات اپنے مضمون "کتاب پیدائش کا پہلا باب (جدید فلکیات کی روشنی میں) میں لکھتے ہیں:"

"لیکن اب ایٹمی طاقت وجود میں آچکی ہے اور ہم سب جانتے ہیں کہ مادے کو ایک خوفناک قوت میں تبدیل کیا جا سکتا ہے اور طاقت کو پھر سے مادے کا ایک طومار بنایا جا سکتا ہے۔ اب تخلیق کا خیال زیادہ قابل یقین معلوم ہونے لگا ہے۔ سائنس نے کچھ ادوار مقرر کر لئے ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں:"

1- دور ارض
2- دور سیارگان
3- دور قمر و زمین
4- دور آفتاب
5- دَورِ کہکشاں
6- دور کائنات
7- دور ارتقاء و ترقی و تقسیم

"یہ ادوار تقریباً ساٹھ کھرب سال تک جاتے ہیں۔ یہ صورت حال اتنی خیال انگیز ہے کہ بہت سے سائنسدان خود یوم تخلیق کا اقرار کرنے لگے ہیں اور اس کا نقطہ آغاز ساٹھ کھرب سال پہلے بتاتے ہیں۔" (بحوالہ ایضاً (ص - 187)

Marfat.com

سورج کی عمر اور سائنس دان

سورج کی عمر کے بارے میں نوائے وقت لاہور مورخہ 30 اپریل 1989ء کے ایڈیشن میں ایک امریکی سائنسدان کا تخمینہ حسب ذیل ہے:

نوائے وقت لاہور سورج کی عمر ساڑھے چار ارب سال ہے

لاہور

واشنگٹن 29 اپریل (سنوا) امریکہ کی یالے یونیورسٹی کے سائنسدان ڈیوڈبی بوتنتھز نے سورج کی عمر کا تخمینہ لگاتے ہوئے بتایا ہے کہ ہمارے سورج کی عمر چار ارب 49 کروڑ سے چار ارب 70 کروڑ برس کے درمیان ہے۔ پروفیسر ڈیوڈ نے کہا ہے کہ سورج کی عمر کے تخمینے میں 20 کروڑ برس کی کمی بیشی سے کائنات کے بارے میں موجودہ نظریات میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ انہوں نے کہا کہ سورج کی عمر کا براہ راست اندازہ نہیں لگایا جا سکتا بلکہ یہ اندازہ شہاب ثاقب سے گرے ہوئے قدیم ترین پتھروں پر تحقیق کر کے لگایا جاتا ہے اور قدیم ترین پتھر کی عمر چار ارب 35 کروڑ برس لگایا گیا ہے۔ (مورخہ 30 اپریل 1989ء نوائے وقت لاہور۔)

تخلیق کائنات کا اسلامی نظریہ

قرآن حکیم کی رو سے اللہ تعالیٰ کا وجود ازلی اور ابدی ہے۔ وہ واحد و یکتا ہے۔ وہ بے نیاز و بے احتیاج ہے وہ نہ کسی کا باپ ہے۔ اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔ اور کوئی بھی اس کا ہمسر نہیں۔ (اخلاص - پارہ - 30)

حدیث قدسی ہے۔

"کُنْتُ کَنْزًا مَخْفِیًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ"۔

"یعنی میں ایک مخفی خزانہ تھا۔ پس مجھے اچھا لگا کہ میں پہچانا جاؤں۔ پس میں نے خلق کو پیدا کیا"۔

59563

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کی ذات ایک نور ہے

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔

"یعنی اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے"۔ (نور لازم بھی ہے اور متعدی بھی یعنی خود روشن۔ اور روشن کرنے والا)

تو اس ذات نے جب تخلیق کا ارادہ فرمایا تو اپنے نور کے پرتو سے ایک نورانی قوت کو تخلیق کیا جس کی تعریف (DefiniTion) اس نے "محمد" کی یعنی تعریف کرنے والا اور تعریف کیا گیا۔

نور محمدی

چنانچہ احادیث میں جلیل القدر صحابی حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث بڑی مشہور ہے۔ جس کے مخرج امام احمد بن حنبل اور امام بخاری کے استاد امام عبدالرزاق متوفی 211ھ ہیں کہ حضرت جابرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ "میرے ماں باپ آپ پر قربان یہ فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کس چیز کو پیدا فرمایا۔ تو آپؐ نے فرمایا:

یَاجَابِرُ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی خَلَقَ قَبْلَ الْاَشْیَآءِ نُوْرَ نَبِیِّكَ مِنْ نُوْرِہٖ۔

"اے جابر بے شک اللہ تعالیٰ نے سب سے یعنی سب اشیاء سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور (کے فیض) سے پیدا فرمایا۔" (مواہب اللدنیہ ص 9 مطالع المسرات ص 210' زرقانی علی المواہب جلد نمبر1 ص 46' نشر الطیب از مولانا اشرف علی تھانوی ص 5 - 6 فتاویٰ حدیثیہ ص 51 از حافظ ابن حجر مکی وغیرہ)

ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا۔ اول ماخلق اللہ نوری۔ سب سے پہلے اللہ نے میرا نور پیدا فرمایا اس حدیث کو بھی مسلمانوں کے جملہ مکاتب فکر نے صحیح تسلیم کیا ہے اور اسے نقل بھی کیا ہے۔ حوالہ کے لئے دیکھیے۔ تفسیر نیشاپوری ج8 ص 55' تفسیر روح البیان ج1' ص 548 مدارج النبوت از عبدالحق محدث دہلوی فارسی ج 2 ص 2' فتاویٰ رشیدیہ مطبوعہ دہلی نیز شرح قصیدہ امالی از ملا علی قاری ص 35' اخبار اہلحدیث امرتسر مورخہ 16 اپریل 1909ء' عطر الوردہ ص 24' از مولوی ذوالفقار صاحب وغیرہ۔

ایک اور حدیث کی رو سے آپؐ نے فرمایا۔

Marfat.com

كُنْتُ نُوْرًا بَيْنَ يَدَیْ رَبِّیْ قَبْلَ خَلْقِ آدَمَ بِاَرْبَعَةَ عَشَرَ اَلْفَ عَامٍ۔

"یعنی میں تخلیق آدم علیہ السلام سے چودہ ہزار سال پہلے اپنے پروردگار کی بارگاہ میں ایک نور تھا۔" (مواہب اللدنیہ ج 1 ص 10' زرقانی علی المواہب ج 1 ص 49' نشر الطیب از مولانا اشرف علی تھانوی ص 7' تفسیر روح البیان ج 2 ص 370 وغیرہ)

حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی حدیث کو مولانا اشرف علی تھانوی اس طرح بیان کرتے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ تخلیق کائنات کا اسلامی تصور کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

......آپ نے فرمایا! اے جابر اللہ تعالیٰ نے تمام اشیا سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے (نہ بایں معنی کہ نور الٰہی اس کا مادہ تھا۔ بلکہ اپنے نور کے فیض سے) پیدا کیا۔ پھر وہ نور قدرت الٰہی سے جہاں اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا سیر کرتا رہا۔ اور اس وقت نہ لوح تھی نہ قلم تھا۔ نہ بہشت تھی نہ دوزخ' نہ فرشتے تھے نہ آسمان نہ زمین' نہ سورج تھا نہ چاند اور نہ جن تھے نہ انسان' پھر جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو اس نور کے چار حصے کئے۔ ایک حصہ سے قلم کو پیدا کیا۔ دوسرے سے لوح کو اور تیسرے سے عرش کو"۔ (اور آگے طویل حدیث ہے۔ (نشر الطیب ص 7 - 6 مطبوعہ تاج کمپنی لاہور کراچی) "اور چوتھے حصے کے چار حصے کئے۔ اس کے پہلے حصہ سے عرش کے کہار یعنی حاملین' دوسرے سے کرسی اور تیسرے حصہ سے فرشتے پیدا فرمائے اور چوتھے حصہ کو مزید چار حصوں میں تقسیم کیا۔ اور اس کے پہلے حصہ سے آسمانوں' دوسرے سے زمینوں (ارضین) تیسرے حصہ سے جنت و دوزخ کو پیدا کیا۔ اور چوتھے حصے کو مزید چار حصوں میں تقسیم کیا۔ اب کے پہلے حصہ سے مومنوں کی آنکھوں کا نور' دوسرے سے ان کے دلوں کا نور جس سے وہ اللہ کو پہچانتے ہیں' تیسرے سے ان کی محبت کا نور پیدا کیا۔ جو کہ توحید ہے۔ یعنی لَا اِلٰهَ اِلَّا اللہ "۔ (مواہب اللدنیہ ج 1 ص 9' زرقانی جلد 1 ص 46' سیرت حلبیہ جلد 1 ص 30)

"اور چوتھے حصہ کے پھر چار حصے کئے۔ اس کے پہلے حصہ سے سورج دوسرے سے چاند اور تیسرے سے تارے پیدا کئے اور چوتھے کو مقام رجاء میں بارہ ہزار سال تک رکھا پھر اس کے چار حصے کئے۔ اس کے پہلے حصے سے عقل دوسرے سے علم اور حلم تیسرے حصے سے عصمت اور توفیق پیدا کی اور چوتھے حصے کو مقام حیا میں بارہ ہزار سال تک رکھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف نظر کرم فرمائی اور اس سے ایک لاکھ چوبیس ہزار قطرے جھڑے جن سے انبیا اور مرسلین کی ارواح پیدا فرمائیں۔ پھر ان ارواح نے سانس لیا۔ جس

Marfat.com

سے قیامت تک پیدا ہونے والے اولیاء سعدا شہدا اور متابعت کرنے والے مومنوں کی ارواح کا نور پیدا فرمایا"۔

چنانچہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"عرش اور کرسی میرے نور سے ہے۔ کروبی روحانی اور فرشتے میرے نور سے ہیں ساتوں آسمانوں کے فرشتے میرے نور سے ہیں۔ جنت اور وہاں کی نعمتیں میرے نور سے ہیں۔ سورج چاند اور ستارے میرے نور سے ہیں۔ عقل' علم اور توفیق میرے نور سے ہے۔ انبیا اور رسولوں کی ارواح میرے نور سے ہیں۔ شہدا' سعدا اور صالحین میرے نوری بچے ہیں"۔

"پھر اللہ تعالیٰ نے بارہ حجاب پیدا فرمائے اور نور کے چوتھے حصے کو (جس سے ایک لاکھ چوبیس ہزار قطرے جھڑے تھے) ہر حجاب میں ہزار ہزار سال تک ٹھہرائے رکھا۔ وہ حجابات یہ ہیں جو بندگی کے حجابات ہیں"۔ 1- کرامت 2- سعادت 3- زینت 4- رحمت 5- رافت 6- علم 7- حلم 8- وقار 9- سکون 10- صبر 11- صدق 12- یقین

پھر اس نور نے ہر حجاب میں ہزار سال تک عبادت کی۔ وہ نور جب ان حجابات سے باہر آیا تو اسے اللہ تعالیٰ نے زمین پر رکھا۔ وہ مشرق و مغرب کے درمیان یوں چمکتا تھا۔ جیسے اندھیری رات میں جگمگ جگمگ کرتا چراغ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا اور وہ نور آپ کی پیشانی میں رکھا۔ پھر وہ نور آپ کے بیٹے شیث علیہ السلام کی پیشانی میں آیا اور اس طرح وہ نور طاہر سے طیب کی طرف (منتقل ہوتا ہوا) سفر کرتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ عبداللہ بن عبدالمطلب کے صلب میں آیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے دنیا پر ظاہر فرمایا۔ اور مجھے سیدالمرسلین' خاتم النبین رحمتہ للعالمین اور غرا لمحجلین کا سردار بنایا۔ اے جابر! یہ ہے تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کی کہانی۔ (الدرر البھیہ فی خصائص النبویہ ص 4 از امام محمد نووی الشافعی)

امام قسطلانی اور زرقانی نے اس حدیث کو مختصراً ہی بیان کیا ہے۔ البتہ امام محمد نووی نے اپنی کتاب الدرر البھیہ میں یہ پوری حدیث بیان کی ہے۔ جس کا ترجمہ اوپر دیا گیا ہے۔ امام ابوالحسن اشعری فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نور ہے۔ جو بے مثل ہے اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی پاک روح اسی نور کا پرتو ہے۔ اور فرشتے اس پرتو سے جھڑے ہوئے نوری

Marfat.com

ٹکڑے ہیں جیسا کہ رسول اللہ کا ارشاد ہے۔

اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ وَمِنْ نُوْرِیْ خَلَقَ کُلَ شَیٍ۔

"یعنی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرا نور پیدا فرمایا اور پھر ہر چیز میرے نور سے پیدا کی گئی"۔ (مطالع المسرات)

قرآن پاک آپ ﷺ کو رحمۃ للعالمین ﷺ قرار دیتا ہے۔ علماء کے نزدیک اللہ کے سوا جو کچھ ہے وہ عالم ہے تو گویا کائنات اور ساری مخلوقات کیلئے بلاقید زمان و مکان آپ ﷺ رحمت کا باعث ہیں۔ اسی لیے مفکرین اسلام آپ ﷺ کو وجہ تخلیق کائنات قرار دیتے ہیں۔ آدم علیہ السلام انسانیت کا نقطہ آغاز تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کائنات کا نقطہ آغاز ٹھہرتے ہیں۔

سائنسدان مادے کے اندر الیکٹرانوں کی موجودگی کا پتہ دیتے ہیں۔ احادیث ہر چیز کی اصل (Origin) نور بتلاتی ہیں۔ جس کا سلسلہ اللہ تعالیٰ کے نور تک پہنچتا ہے۔ نور اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام بھی ہے۔ کائنات کے اندر مخلوق کی شکل میں جو نور ہے اس کے بارے میں مسلمان سائنسدان ثابت کرتے ہیں۔ (جسے جدید سائنس بھی تسلیم کرتی ہے) کہ روشنی کی رفتار کتنی بھی زیادہ کیوں نہ ہو۔ بہرحال وہ محدود ہوتی ہے۔ تخلیق کائنات کا اسلامی نقطہ نظر اللہ تعالیٰ کے نور حقیقی اور اس کے فیض سے پیدا ہونے والے نور محمدی ﷺ کے گرد گھومتا ہے۔ خدا کی ذات لامحدود ہے۔ کیونکہ وہ خالق ہے۔ اور "محدود" صرف مخلوق ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے کائنات "لامحدود" ہونے کے باوجود محدود ہے۔ ہم اہل اسلام سائنسدانوں کے بعض اوٹ پٹانگ دعووں (ڈارون کا دعویٰ کہ انسان شروع میں بندر تھا) کو تو نہیں مانتے کیوں کہ ان میں ہماری اپنی حقارت کا پہلو ہوتا ہے البتہ ان کے ایسے دعاوی کو جن تک ہماری قطعی رسائی نہیں ہوتی بعض مسلمان بلاچون و چرا یا مرعوب ہو کر مان لیتے ہیں۔ لیکن اس کے برعکس اسلامی لٹریچر یعنی تاریخ' فقہ احادیث اور قرآن---- میں جو بات ذرا ناگوار گزری یا اپنی سمجھ سے بالاتر لگی اسے تاویلوں' یا انکار کی سولی پر چڑھا دیتے ہیں۔ حالانکہ احادیث کے کم تر درجہ استناد رکھنے والے مجموعے بھی کائنات کے بارے میں سائنسدانوں کے فرضی دعووں کے مقابلے میں زیادہ مستند حیثیت کے حامل ہوتے ہیں۔ کیونکہ ہمارے بزرگوں نے' جو حدیث کے حافظ ہوتے تھے اور لاکھوں احادیث (بمعہ اسناد) زبانی یاد رکھتے تھے اور حتی الامکان وہ خوب سے خوب تر کے متلاشی بھی ہوتے

Marfat.com

تھے۔ ہمیں جو ذخیرے ورثہ میں عطا کئے ہیں ان کو یکسر نظرانداز کر دینا یا "میٹھا میٹھا" قبول کر لینا اور کڑوا کڑوا تھو۔ یا وہ باتیں جو اپنی طبع پر ناگوار گزریں' ان کو تج دینا اور ان کی تغلیط پر کمربستہ ہو جانا کہاں کا انصاف ہے۔ چنانچہ کائنات کی تخلیق کا اسلامی تصور ہی درست ہے۔ بقول اقبال"

نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسین وہی طٰہٰ

ایک غلط فہمی کا ازالہ

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ انسان کا کام یہ ہے کہ وہ کائنات کی تسخیر کرے۔ حالانکہ قرآن کریم ہمیں بتاتا ہے کہ کائنات انسان کے لئے پہلے ہی سے تسخیر کر دی ہوئی ہے۔ (1)

سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ۔ (لقمان 20)

(نیز دیکھیے۔ 14= 32'33' 16 = 12 14' + 39 - 5' + 45 = 12' 13')+

قرآن حکیم میں کہیں بھی یہ نہیں لکھا ہوا ملتا کہ تم لوگ کائنات کی تسخیر میں لگ جاؤ۔ یہ مفروضہ صرف لادین لوگوں کا نعرہ ہے۔ اور لادین سائنسدان اس میں پیش پیش ہیں۔ اسلام تسخیر کائنات کے لئے قطعاً حکم نہیں دیتا۔ کیونکہ کائنات تو پہلے ہی انسان کے لئے حکمبردار بنا دی گئی ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انسان کی تخلیق کا مقصد کیا ہے اور قرآن میں اسے کائنات میں غور و فکر کرنے کے لیے کیوں کہا گیا ہے؟ پس انسان کی تخلیق کا مقصد یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کو سب سے بڑی ہستی (اللہ اکبر) تسلیم کرے اور اس کے سامنے اظہار عبودیت اور عجز و انکساری کرے۔ حتی کہ کائنات میں غور و فکر کرکے اس میں کار فرما اصول و ضوابط کا پتہ لگا کر ان میں حقیقی فاعل کو تلاش کرے اور اسے پانے کے بعد اس کے سامنے اس کے انبیاء علیہم السلام کے بتائے ہوئے اصولوں کی روشنی میں جھک جائے۔ اس کی حمد و ثنا کرے اور فلاح پائے۔ کائنات میں غور و فکر سے سائنسی ترقی کا مقصد دنیا میں انسانی فلاح و بہبود کا حصول بھی ہے۔ اور اس میں فساد اور ظلم سے بچنا' اور روکنا بھی شامل ہے۔ لیکن ؛؛ین عناصر تسخیر کائنات کو اپنا مطمح نظر بنا کر سائنسی ترقی میں جتے ہوئے ہیں۔ چنانچہ راقم کے خیال میں جب یہ لوگ قدرت کے راز پاتے پاتے اس نہج پر پہنچ جائیں گے کہ اس کے آگے اللہ کی ذات پر سے پردہ اٹھنے کا امکان ہو گا۔ حالانکہ وہ اللہ کو تسلیم کرنے کے نظریے کے خلاف ہوں گے۔ تو اس وقت قیامت آجائے گی۔ چنانچہ

Marfat.com

احادیث میں وارد ہے کہ جب تک روئے زمین پر ایک شخص بھی اللہ کا نام لینے والا باقی رہے گا اس وقت تک قیامت برپا نہیں ہو گی۔ راقم کے خیال میں ایک دن سائنسی ترقی کی انتہا ہی لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے بالکل برگشتہ کر دے گی اور مذہب سے بیگانہ لوگوں اور اس کے مخالفین کا دور دورہ ہو گا۔ اور آخر انسانی عقل کی روشنی میں بنائے گئے ناقص اصولوں پر عمل پیرا لادین لوگ (قرآن کی رو سے) بحث و تمحیص اور بک بک میں مشغول ہونگے کہ قیامت ان کو اچانک دبوچ لے گی۔ (یٰسین - 49)

کائنات کی عمر اور اسلام

سطور بالا میں ایک حدیث گزر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تخلیق آدم سے پہلے 14 ہزار برس تک اللہ کے حضور میں ایک نور کی شکل میں تھے۔ جبکہ اللہ کے ہاں کا ایک دن ہماری زمین کے ایک ہزار برس کے برابر ہوتا ہے (قرآن) اس طرح کائنات کی تخلیق کی مدت یہ بنتی ہے۔

(1) 14000 x 360 = 5040000 دن (اللہ کے ہاں)

(2) 5040000 x 1000 = 5040000000

گویا کائنات کی عمر = پانچ ارب 4 کروڑ سال ہے + جبکہ سائنسدانوں کے نزدیک زمین کی عمر 2 ارب ساڑھے 88 کروڑ سال ہے۔

2 - حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے جبریل امین سے اس کی عمر دریافت کی تو اس نے کہا کہ ایک ستارہ چوتھے حجاب میں ہر ستر ہزار سال بعد طلوع ہوتا تھا اور میں نے اس کو بہتر ہزار مرتبہ طلوع ہوتے دیکھا ہے۔ اس سے آپ میری عمر کا اندازہ لگالیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا خدا کی قسم وہ ستارہ میں ہی تھا۔ (تاریخ کبیر از امام بخاری، تفسیر روح البیان جلد ۱ ص 974) اس لحاظ سے جبریل اور محمدی ﷺ نور کی عمر یہ بنتی ہے۔

70 ہزار 72 ہزار سال = ... 5040000000

گویا اس طرح بھی یہ مدت 5 ارب 4 کروڑ سال بنتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

اسلام اور انسان

اسلام آج بھی دنیا بھر کے مذاہب میں ایک ایسا ضابطہ حیات ہے جو دنیا کے سارے

Marfat.com

چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ دنیا کے مذاہب تو محض مذاہب ہیں لیکن اسلام ایک مذہب ہی نہیں بلکہ ایک دین ہے جس کے معنی ہیں ضابطہ حیات اسلام ایک مذہب ایک دین اور ایک مکمل ضابطہ حیات ہونے کے ناطے دنیا بھر کے مذاہب میں سب سے ممتاز' کھرا اور نرول ہے۔ اس کی بنیاد قرآن حکیم پر رکھی گئی ہے۔ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کھرا اور نرول ہے۔ اس کی بنیاد قرآن حکیم پر رکھی گئی ہے۔ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی۔ دنیا کے جتنے بھی مذاہب ہیں اور جن کتابوں پر ان کی بنیاد تسلیم کی گئی ہے ان میں سے کوئی کتاب بھی اپنی اصل حالت میں موجود نہیں۔ جب کہ اسلام کی بنیادی کتاب قرآن حکیم آج بھی روز اول کی طرح صحیح ترین حالت میں اس دنیا میں موجود ہے۔

تخلیق آدم

حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا مقصد فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے صیغہ واحد متکلم میں یوں بتایا تھا۔

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَہ (البقرہ 30)

کہ میں زمین پر ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ اور فرشتوں نے کہا تھا کہ جس خمیر سے اس خلیفہ کا وجود انشا پذیر ہو رہا ہے اس سے تو یوں لگتا ہے کہ وہ دنیا کو فتنہ و فساد اور قتل و غارت سے بھر دے گا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے وجود کو اللہ کی عبادت اور تسبیح کے لیے کافی قرار دے کر انسان کی خلافت کو غیر ضروری قرار دیا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ باتیں سن کر فرمایا کہ میں سب سے بڑھ کر علم رکھتا ہوں اور تم (علم کے لحاظ سے) کچھ نہیں جانتے۔ لہٰذا تمہارا آدم علیہ السلام اور اس کی خلافت کے بارے میں علمی اعتراض بھی محض تمہاری لاعلمی کا نتیجہ ہے پھر آدم اور حوا کو ایک خاص واقعہ ہو گزرنے کی بنا پر جنت سے زمین پر بھیج دیا گیا۔ اور ساتھ ہی ابلیس کو بھی جنت سے چلتا کر دیا گیا جو وہاں صدیوں سے فرشتوں کا استاد مکرم بنا بیٹھا تھا۔

وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ (بقرہ - 36)

اور ہم (اللہ تعالیٰ) نے (ان کو) حکم دیا کہ یہاں (بہشت بریں) سے نیچے اتر جاؤ ایک دوسرے کے دشمن ہو کر زمین پر بسیرا کرو ایک (مقررہ) وقت تک یہاں تمہیں

Marfat.com

ضروریات زندگی مہیا کی جاتی رہیں گی۔

ابلیس اور آدم

اس واقعہ کے بعد کہ ابلیس آدم کو سجدہ تعظیم نہ کرنے کی بنا پر مردود ٹھہرا اور آدم اور اس کی بیوی مائی حوا ابلیس کے بہکانے پر اللہ کی نافرمانی کر بیٹھے اور مواخذہ کے طور پر زمین پر بھیج دیے گئے۔ آدم علیہ السلام نے توبہ کی راہ اختیار کی اور قبول توبہ کے بعد مقبول ٹھہرے جبکہ ابلیس نے سرکشی کی راہ اختیار کی۔ اور اللہ کے مقابل کھڑا ہو کر اس کے محبوبوں یعنی انسانوں کو ورغلا کر اپنی جماعت میں شامل کرنے اور انہیں اپنے ساتھ دوزخ کا ایندھن بنانے کی کوششوں کا ٹھیکیدار بن بیٹھا۔ یہاں سے نیکی اور بدی کا آغاز ہوا۔ یہ سلسلہ ازل سے چلا اور آج تک جاری ہے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز

چراغ مصطفوی ﷺ سے شرار بولہبی

آدم تا عیسیٰ سلسلہ انبیاء

آدم علیہ السلام پر جو اسلامی تعلیمات نازل کی گئی تھیں وہ اس وقت کے انسانوں کی ضروریات اور تقاضوں کے مطابق تھیں۔ پھر نوح علیہ السلام کا زمانہ تو آیا تو ان کو بھی اسلامی تعلیم کے ساتھ حسب ضرورت نوازا گیا۔ ابراہیم علیہ السلام کو بھی اسلامی تعلیمات سے نوازا گیا اور انہوں نے ہی پہلے پہل اپنے پیرو کاروں کا نام مسلم رکھا۔ ان پر بھی صحائف نازل کیے گئے تھے پھر انسانوں کی تعداد بڑھتی گئی۔ عقل اور فکر نے ترقی کی نئے نئے مسائل پیدا ہوئے تو فراعنہ مصر کے دور آخر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا گیا۔ انہیں پہلے سے جاری جادو کا زور توڑنے کے لیے جہاں خصوصی معجزات سے نوازا گیا وہاں عوام کے مسائل کے حل کے لیے تورات جیسی بنیادی کتاب بھی عطا ہوئی۔ اور اس میں جو قرآنی تعلیمات شامل تھیں' قرآن ان کی تصدیق کرتا ہے۔ پھر داؤد علیہ السلام پر زبور نازل کی گئی اور عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل سے نوازا گیا۔ پس آخری آسمانی کتاب یعنی قرآن حکیم نے ان تینوں آسمانی کتابوں کے منجانب اللہ ہونے کی تصدیق کی ہے۔

آخر میں انسان کی ہر گونہ ترقی کا زمانہ سامنے آنے والا تھا۔ اور انسانی آبادی ہزاروں اور لاکھوں کی حدود پھلانگ کر کروڑوں اور اربوں تک پہنچنے والی تھی۔ چنانچہ اس عالم

Marfat.com

الغیب و الشھادت نے انسانی رہنمائی کے لیے ازل سے سنبھال کر رکھا ہوا وہ ہدایت نامہ اپنے آخری نبی اور رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے کائنات کی بہترین مخلوق کو عطا کر دیا۔ اور آئندہ کے لیے نبیوں کو بھیجنے کا سلسلہ بند کر دیا کیوں کہ اپنے آخری نبی کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں اور نوازشوں کی آخری حد کو چھو لیا تھا۔ چنانچہ فرمایا کہ جو دین (اسلام) ازل سے تھوڑا تھوڑا کر کے پہلے جنات اور بعد ازاں انسانوں کو حسب ضرورت عطا ہوتا رہا وہ سلسلہ حضور کے ذریعے مکمل فرما دیا گیا:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (مائدہ: 3)

آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبولیت (کی سند) عطا کر دی ہے۔

اس سلسلے میں قرآن کریم میں جابجا ارشادات موجود ہیں جن میں بتلایا گیا ہے کہ بنی نوع انسان کا اصل دین ایک ہی تھا:

"ابتدا میں سب لوگ ایک ہی طریقے پر تھے (پھر جب) اختلافات رونما ہوئے تو پھر اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا جو راست روی پر بشارت دینے والے اور کج روی پر (ہولناک نتائج سے) ڈرانے والے ہوتے تھے اور ان کے ساتھ کتاب برحق نازل کی تاکہ لوگوں کے درمیان پیدا شدہ اختلافات کا فیصلہ کرے۔

(بقرہ: 213)

اور آخر میں قرآن حکیم کا وہ فیصلہ کن اعلان ملاحظہ فرمائیے جس کی رو سے اسلام ہی اللہ کے نزدیک بطور دین محکم مقبول ہے:-

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ

بیشک اللہ کی جناب میں دین صرف اسلام ہی (قابل قبول) ہے۔

البتہ ایک سوال ذہن میں آسکتا ہے کہ قرآن حکیم تو حضور علیہ السلام پر نازل ہوا۔ اس کی تعلیمات آپ کی بعثت سے پہلے والی امتوں (جن وانس) کے لیے کیوں کر ممکن ہوئیں۔ تو چونکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام رحمتہ للعالمین کے بلند رتبہ پر فائز ہیں اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں اس وقت بھی نبی تھا۔ جب آدم علیہ السلام پانی اور مٹی میں

Marfat.com

منجدل تھے تو گویا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت رحمتہ للعالمین ہونے کے حوالے سے پوری کائنات کو محیط(1) ہے۔ اس لیے پہلی امتوں (جن وانس) کو قرآنی فیض حضور علیہ السلام کے رحمتہ للعالمین ہونے کے ناطے پہنچا۔ حضور علیہ السلام کا یہ بھی ارشاد گرامی(2) ہے کہ مجھے سبع طوال (سات لمبی سورتیں) تورات کی جگہ راآت اور طواسین انجیل کی جگہ طٰسٓ اور حٰمٓ کے درمیان کی سورتیں زبور کی جگہ عطا ہوئیں لیکن حٰمٓ اور مفصلات سے اللہ تعالی نے مجھے ہی نوازا ہے اور کسی دوسرے نبی نے ان کی تلاوت نہیں کی۔

قرآن حکیم کی رو سے اسلام کی اہمیت اور حقانیت اور بارگاہ الٰہی میں اس کی مقبولیت ثابت کرنے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اور عقائد کے بارے میں ذرا کھل کر بات کی جائے۔

عقیدہ کا مفہوم و معانی

عَقَدٌ کا مطلب ہے مضبوطی سے گانٹھ دینا' گرہ باندھنا۔ یہ لفظ حَلٌّ (گرہ کھولنا) کی ضد ہے عَقَدَ الْعَهْدُ کے معنٰی ہیں اس نے عہد کو مضبوط کر دیا۔ یعنی معانی میں تاکید پیدا ہو گئی۔ قرآن حکیم میں ہے اَلَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ (4 - 33) وہ لوگ جن سے تم نے محکم عہد باندھ رکھا ہے اَلْعُقَدُ۔ عہد و پیان کو کہتے ہیں۔ اسکی جمع عُقُوْدٌ ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔ وَاَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ (5 - 1) یعنی اپنے عہد و پیمان کو پورا کرو۔ اَلْعُقْدَةُ بمعنی گرہ (جمع عُقَدٌ) جیسے عُقْدَةُ النِّكَاحِ (2 - 235) یعنی نکاح کی گرہ یا بندھن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تھی وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ (20 = 27 - 28) یا اللہ - میری زبان کی گرہ کھول دے یعنی اسے روانی اور طلاقت سے نواز تاکہ اہل فرعون میری بات کو سمجھ لیں عُقْدَةٌ بمعنی ارادے کو پختہ کرنا۔ اور العقیدہ کا مطلب ہے دل میں مضبوطی سے جمی ہوئی بات یا یقین یاد رہے کہ قرآن حکیم میں عقیدہ کا لفظ نہیں آیا (تاج العروس' و محیط)

---

(1) (17 - 158 '34 - 28 '21 - 1.7 '1-45)

(2) (روح المعانی ج 24 - 40 ' الکشاف 4 - 184)

Marfat.com

عقیدہ

عقیدہ کے معنی ہیں وہ قلبی تصدیق جو کسی تصور میں یقین کی کیفیت پیدا کرتی ہے۔
سید شریف الجرجانی (کتاب التعریفات) میں عقیدہ کے معنی یوں لکھتے ہیں:۔
مَایُقْعَدُ فِیْہِ نَفْسُ الْاَعْتِقَادُ دُوْنَ الْعَمَلَ
یعنی اس سے محض اعتقاد مقصود ہے جس میں عمل نہیں ہوتا۔ اگرچہ عمل عقیدے کے نتیجہ میں وقوع میں آسکتا ہے۔

علم عقائد

یہ وہ علم ہے جس میں ان اصولی عقیدوں سے بحث ہوتی ہے جو مبداء (ذات باری) اور صفات باری تعالیٰ سے متعلق ہیں اور اسلام میں ان پر یقین رکھنا لازمی ہے۔

عقائد کی ضروت

سعد الدین التفتازانی نے شرح عقائد نسفی (مولفہ عمر بن محمد نسفی) میں علم عقائد کی تعیین کرتے ہوئے اصول دین سے متعلق مختلف علوم کا ذکر کیا ہے یعنی جو احکام شرعی اعمال سے متعلق ہیں انکو الشرائع والاحکام کہتے ہیں اور وہ فرعیہ عملیہ بھی کہلاتے ہیں اور جو شرعی احکام اعتقاد سے متعلق ہیں ان کو علم التوحید و الصفات کہا جاتا ہے۔ نیز ان کو اصلیہ اعتقادیہ بھی کہتے ہیں۔

حضور علیہ السلام کے زمانہ حیات میں آپکی برکت سے بہت کم اختلافات پیدا ہوئے۔ اور اگر کبھی کوئی اختلاف ہوا تو وہ موقع پر ہی حضور ﷺ نے رفع فرما دیا۔ البتہ خلفائے راشدین اور بعد کے عرصہ میں سیاسی اور دخیلہ علوم کی وجہ سے شکوک و شبہات پیدا ہوئے جن کو غیر اسلامی عناصر نے سازش کے تحت مزید ہوا دی۔ چنانچہ علمائے راسخین نے امت مسلمہ کی رہنمائی کرتے ہوئے صحیح عقائد کو غلط عقائد سے الگ کرنے کی ضرورت محسوس کی

عقائد کی غایت

سعدالدین التفتازانی کی نظر میں عقائد کی غایت اولیٰ یہ ہے:۔
کمال النفس فی النشاۃ الاولیٰ والاخری

Marfat.com

یعنی غوایات قلبیہ سے پاکیزگی' عذاب سے نجات کا راستہ' اعمال قلبیہ کی حفاظت اور دارین میں حصول سعادت۔

اصل اصول اسلام

چنانچہ یہ علم اصل اصول اسلام ہے جس کے بغیر اعتقاد دینیہ کے صحیح یا غلط ہونے کے بارے میں امتیاز نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اورنگ زیب عالمگیر کے دور کے ایک عالم محمد حسن سنبھلی نے التفتازانی کی شرح کی مزید تشریح کرتے ہوئے عقیدہ کے بارے میں لکھا ہے:-

اِنَّ الْعَقِيْدَةُ مَا يَعْتَقِدَةَ الْاِنْسَانِ بِقَلْبِہٖ بحیث یرکن و یسکن الیه نفسه ویرتبط به فواده وینقطع علیه الطلب ------

یعنی جس چیز کو آدمی اپنے دل سے اسطرح تسلیم کرے کہ اسے سکون و راحت کا احساس ہو۔ اور وہ کوئی گھٹن یا تشنگی محسوس نہ کرے وہی عقیدہ ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم کے اس ارشاد کی روشنی میں علمائے راسخین نے ظنی خیالات کو عقائد کا درجہ نہیں دیا۔ یعنی :-

اِنَّ الظَّنَّ لَایُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا (یونس 36)

(ترجمہ) بیشک ظن (گمان) حق کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ۔

لہٰذا عقائد وہی اصل مانے جاتے ہیں جن میں یقین کا پہلو غالب ہو۔

عقائد کی تقسیم

(1) معارف ربوبیہ ---- جن کا ادراک فطرت انسان میں موجود ہے۔ یا ان کو عقل تکلیفی سے سمجھا جا سکتا ہے۔

(2) سماعی یا سمعیہ ---- جو کتاب و سنت پر مبنی ہیں اور سلف صالحین کا ان پر اجماع منقول ہے۔

عقائد کی اساس

سید سلیمان ندوی ؒ نے سیرت النبی (جلد 4) میں عقائد کی بحث میں لکھا ہے کہ جملہ انسانی اعمال و افعال کا محور انسانی خیالات ہیں۔ خیالات پختہ بھی ہوتے ہیں اور متزلزل و مشکوک بھی اور وہم و گمان بھی بعض خیالات کا منبع عقل و فکر ہے اور بعض کا سرچشمہ دل

Marfat.com

کی وادی چنانچہ دل سے پھوٹنے والے خیالات ہی پختہ ہوتے ہیں اور اگر ان کی پختگی میں یقین کی قوت شامل ہو جائے تو یہ چیز پختہ خیالات کو عقائد کے درجہ تک پہنچا دیتی ہے۔ اگرچہ عقائد کو عقل سے بھی سمجھا جاسکتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ عقائد محض عقل کے محتاج نہیں ہوتے۔ بلکہ ان کی بنیاد وجدان کی قوت پر ہوتی ہے۔ اور اسکے بعد عقائد ایمان کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں۔ جبکہ ایمان کی شرط یہ بھی ہے کہ ----- یُومِنُونَ بِالغَیبِ ------ یعنی ایمان بالغیب لایا جاتا ہے۔ جس پر کسی دلیل کو طلب نہیں کیا جاتا۔ چنانچہ عقائد پر ایمان پہلے لایا جاتا ہے اور دلیل بعد میں تلاش کی جا سکتی ہے چنانچہ اسلام میں عقیدہ اور ایمان کو ایک ہی شے گردانا جاتا ہے۔

اسلامی عقائد

چنانچہ علمائے اسلام میں امام اعظم امام ابو حنیفہ (15 ھ تا 80 ھ) کی (طرف منسوب) کتاب "الفقہ الاکبر" پہلی کتاب ہے جس میں ان عقائد کی وضاحت ملتی ہے جو اہل ایمان کیلئے لازمی ہیں۔

توحید

پہلا عقیدہ توحید ہے۔ ملا علی قاری نے علم التوحید جو سب علوم سے افضل ہے' کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ قرآن مجید اول تا آخر ---- توحید ہی توحید ہے۔ یعنی اس میں:-

1- توحید ذات باری یعنی اللہ تعالی کے اسماء و صفات و افعال کی خبر ہے۔

2- اللہ تعالی کی حکومت بلا شرکت غیرے کا بیان ہے۔

3- اللہ تعالی کے اوامر و نواہی اور لوازم بطاعۃ کا ذکر ہے۔

4- اہل توحید کے اعزاز و اکرام کی خوشخبری ہے۔

5- توحید کو نہ ماننے والے اور مشرکین کو وعید سنائی گئی ہے۔

الفقہ الاکبر میں قرآنی تعلیمات پر مبنی صفت ایمان اس طرح ہے۔

اٰمنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالبعثِ بعد الموت ، القدر خيره وشره من الله تعالى والحساب والميزان والجنة والنار حق كله
یعنی اللہ تعالی فرشتوں کتابوں رسولوں' زندگی کے بعد موت اور پھر زندگی پانا۔ اچھی

Marfat.com

بری تقدیر کو من جانب اللہ ماننا آخرت میں حساب میزان جنت اور دوزخ پر ایمان لانا اور یہ اسلامی کتب میں صفت ایمان مفصل اور صفت ایمان مجمل کی صورت میں عام مل جاتی ہیں۔

اسلامی عقائد میں سب سے پہلی کتاب "الفقہ الاکبر" میں عقائد کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہے۔ یعنی :-

1 - اللہ تعالی ایک ہے اسکا کوئی شریک نہیں۔ اسکی مخلوق میں کوئی اسکے مشابہ نہیں وہ لم یزل اور لایزال ہے اپنے اسمائے ذاتیہ (حیات 'قدرت 'علم 'کلام 'سمع 'بصر اور ارادہ) اور صفات فعلیہ (تخلیق ' ترزیق ' انشاء ' بداعت و صناعت) کے ساتھ موجود ہے۔ اور وہی واجب الوجود ہے۔

2 - قرآن غیر مخلوق ہے اور غیر حادث۔

3 - خدا تعالی کے ہاتھ ید اور وجہہ (چہرہ) اور نفس ہے مگر بلا کیف۔

4 - قضاء وقدر صفات میں سے ہے۔

5 - اللہ تعالی نے (کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ) تمام مخلوق کو فطرت سلیم پر پیدا فرمایا ہے۔

6 - مخلوق کے افعال کسب کے تابع ہیں۔ لیکن اللہ تعالی کے علم میں ہیں۔

7 - انبیاء علیہم السلام کبائرو صغائر (بڑے بڑے اور چھوٹے گناہوں) سے پاک ہیں۔

8 - کبائر - (گناہ کبیرہ) اگرچہ بڑی عقوبت اور شدید سزا کے مستوجب ہیں لیکن ان کی وجہ سے ایک مومن ایمان سے خارج نہیں ہو جاتا۔

9 - انبیاءؑ سے صادر ہونے والے معجزات اور اولیائے کرام سے ظاہر ہونے والی کرامات برحق ہیں۔

10 - دیدار حق یعنی رویت باری تعالی بروز قیامت حق ہے۔

11 - ایمان اقرار باللسان و تصدیق بالقلب" ----- کا نام ہے'

12 - ایمان گھٹتا بڑھتا نہیں ہے (ابوالحسن اشعری اور ان کے متبعین)

13 - سارے مومن بلحاظ ایمان برابر ہیں اوران میں فضیلت اور ترجیح۔ اعمال کی بنیاد پر ہوتی ہے۔

14 - جملہ شرائط کے لیے لفظ "دین" سب سے جامع اور مکمل نام ہے۔

Marfat.com

15- قیامت کے بارے میں قرآن حکیم میں جو کچھ لکھا ہے حق ہے۔

16- قبر میں روح کی رجعت یا اعادہ برحق ہے۔

17- عذاب قبر برحق ہے۔

18- معراج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حق ہے۔

19- دجال کا خروج حق ہے۔

عقائد میں الفقہ الاکبر کے بعد دو اور قدیم کتابیں مانی جاتی ہیں۔

1- رسالہ عقیدۃ الشیبانی (منظوم) جسے امام ابو حنیفہ کے تلمیذ امام محمد بن حسن الشیبانی (متوفی - 189ھ / 804ء) نے لکھا۔

2- عقائد امام احمد بن حنبل"

عقیدۃ الشیبانی کی ایک شرح نجم الدین محمد بن عبداللہ بن قاضی عجلون -(متوفی 876ء) نے لکھی- جبکہ امام احمد بن حنبل کے عقائد کی شرح ابوالحسن علی بن شکر بن احمد بن شکر نے 616ھ میں لکھی جس کا ایک نسخہ موزہ برطانیہ میں موجود ہے (اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد 14/1 صفحہ 46 ،ماقبل و بعد)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ائمہ کبار کے دور تک اسلام کے اساسی عقائد کا مسئلہ بے حد اہم ہو چکا تھا۔

عبد الوہاب الاشعری (متوفی 324ھ) نے معتزلہ کے خلاف ایک کتاب اللمع فی الرد علی اھل الزیغ والبدع لکھی اس میں سوالاً جواباً طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ اور اہم بنیادی تشکیکات کا جواب دیا گیا ہے اور ٹھیک بات وضاحت سے سمجھائی گئی ہے۔

امام غزالی (450ھ تا 505ھ) کے دور تک ایک طرف متکلمین کی بحثیں بہت آگے بڑھ چکی تھیں اور دوسری طرف تصوف کے سالکین بھی راہ حق پر شمعیں لئے دنیا کو عملی زندگی کے ثمرات سے بہرہ ور کر رہے تھے۔ اور عقائد کی بحثیں یونانی الٰہیات و مابعد الطبیعات کے بحر میں بھی غوطہ زن تھیں' چنانچہ امام غزالی نے جب احیاء علوم الدین میں عقائد کی بحث کو چھیڑا تو وہ علم عقائد کی عملی اور فلسفیانہ حیثیت کو نظر نہ کر سکے بلکہ آپ نے اپنے خیالات کی تنظیم علوم حکمیہ کے حوالے سے بھی کی۔ چنانچہ احیاء العلوم الدین میں عقائد کا اثبات قرآن وسنت کے علاوہ عقلی دلائل سے بھی کیا گیا ہے اور علم کلام کی بے جا بحثوں کو غلط ثابت کیا گیا ہے۔ احیاء میں قواعد العقائد چار فصول پر مشتمل ہے۔ اس

Marfat.com

میں امام صاحب نے زور دے کر کہا ہے کہ عقائد کی تعلیم کو بنیادی حیثیت دینی چاہیے عقائد کے بارے میں بے شمار بزرگوں نے قلم اٹھایا ہے جن کی نگارشات کا لب لباب یہ ہے۔

علم العقائد کا موضوع ہے

اللہ تعالیٰ کی ذات' اس کی حقیقی' اضافی اور فعلی صفات کی اصل کا بیان ------ یعنی علم العقائد ایسا علم ہے جس کا تعلق معتقدات سے ہے جو مبداء (ذات باری تعالےٰ) اور اس کی صفات سے بحث کرتے ہیں اور ان اصولی معتقدات سے صحیح واقفیت حاصل کر کے ہی (سلیم الفطرت) انسان کو اسلام کا حقیقی علم حاصل ہوتا ہے۔ علم العقائد کا مقصد اور اس کی غرض و غایت یہ ہے کہ دنیا اور آخرت کی انتہائی سعادتوں اور فلاح کو انسان انفرادی طور پر حاصل کر کے نجات ابدی سے بہرہ مند ہو سکے۔

علم عقائد کے وسیلے سے انسان دنیا و آخرت کی زندگی میں شخصی کمال حاصل کرتا ہے۔ اور اس کا دل نفس لمارہ کی گمراہ کرنے والی قوتوں اور آلائشوں سے پاک ہو جاتا ہے اور آخرت کے دائمی عذاب سے نجات نصیب ہوتی ہے۔ اور دنیا میں انجام دادہ نیک اعمال ضائع ہونے سے محفوظ رہتے ہیں۔

عقیدہ صحیح ہو گا تو اعمال کا رزلٹ بھی صحیح مرتب ہو گا۔ کفار کے اعمال کے ضائع ہونے کی خبر جو مخبر صادقؐ نے دی ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ ان کے عقائد کی بنیاد درست نہیں۔ جبکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّات یعنی اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

پس عقیدہ سے مراد ہے وہ بات جسے انسان اس طرح دل سے تسلیم کرے کہ اسے سکون و ثبات مل جائے اور وہ بات دل کے ساتھ اس قدر ارتباط پذیر ہو جائے کہ مزید طلب و تردد کا سلسلہ منقطع ہو جائے۔ یہ عقیدہ خواہ جزم قطعیت کی صورت میں ہو یا گمان غالب کی شکل میں البتہ اس کے خلاف کوئی وسوسہ دل میں راہ نہ پا سکے۔

سماعی عقائد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت یا سلف صالحین سے بلا اختلاف منقول ہیں جبکہ دوسرے عقائد عقل سلیم کے ذریعے حاصل ہو سکتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ دور دراز کے پہاڑوں پر (یا جنگلوں میں) آ. انسانوں تک کسی رسول کی دعوت نہ پہنچ سکے تو ان پر واجب ہو گا کہ وہ اپنی عقل سے رہنمائی

Marfat.com

لے کر خالق کائنات کے وجود کو تسلیم کریں۔ چنانچہ آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالےٰ رسولوں کو نہ بھی مبعوث فرماتا تو بھی انسان پر اللہ تعالےٰ کی معرفت حاصل کرنا بذریعہ عقل سلیم واجب ہوتا رسولوں کو بھیجنے کی حکمت' قیامت میں حساب و کتاب کی ضرورت اور صحف سماویہ کی صداقت اور وحی ربانی بذریعہ ملائکہ اور تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت پر ایمان لانا بھی عقائد کا حصہ ہے۔ نبی کی نبوت اور رسولوں کی رسالت پر ایمان لانا اور اس کی صداقت کو دل سے تسلیم کرنا ان انسانوں پر فرض ہو گا جن تک ان کی دعوت پہنچی ہو۔

امام غزالی نے المستصفی میں الجاحظ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہود وغیرہ میں سے اگر کوئی بربنائے عداوت و عناد مخالفت کرے تو گنہگار ہو گا اور اگر غور و فکر کے باوجود حقیقت کو نہ پا سکا تو معذور ہو گا اور گنہگار نہ ہو گا۔ لیکن اس میں تعصب یا ہٹ دھرمی کو دخل نہیں ہونا چاہیے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد 1/14 صفحہ 53)

سماعی عقائد کی تقسیم

سماعی عقائد کی دو قسمیں قرار دی گئی ہیں

1 - **جزو ایمان** - وہ عقائد ہیں جن سے ایمان کا قوام قائم رہنا وابستہ ہے اور جن کی وجہ سے انسان کو ہمیشہ کے عذاب دوزخ کی بجائے سزا کی مدت پوری ہونے کے بعد نجات مل سکتی ہے۔ ایسا عقیدہ ایمان کی حقیقت کے لیے شرط ہے یا اس کا جزو ہے۔

2 - **لواحق ایمان** - یہ ایمان کامل کے خاص رنگ ہیں جن پر سلف صالحین عمل پیرا رہے ہیں لیکن اگر ان پر عمل نہ بھی ہو سکے تو ان کی مخالفت بنیاد ایمان کو اکھاڑنے کے درجے میں نہیں آتی۔

عقائد کی نوع اول کی چار اقسام ہیں (1) اللہ کا واجب الوجود ہونا - اسے مبداء بھی کہتے ہیں (2) اس کا تعلق معاد یعنی روز جزا سے ہے۔

(3) اس کا تعلق نبوت و رسالت پر ایمان سے ہے۔

(4) یہ جز امامت سے تعلق رکھتا ہے۔ یعنی (1) اللہ تعالےٰ کا واجب الوجود ہونا اور ماننا لازمی ہے۔

(2) روز حشر اور سزا و جزا کا عقیدہ' یوم آخرت پر ایمان لانے سے متعلق ہے

(3) نبوت و رسالت پر ایمان لانا۔ اس میں انبیاء' ملائکہ' اور وحی وغیرہ پر ایمان لانا بھی شامل

Marfat.com

ہے۔

(4) امامت پر ایمان کا عقیدہ اجمالاً یا تفصیلاً جزو ایمان نہیں اور عہد نبوی میں اس پر بحث نہیں ہوئی۔ (بحوالہ ایضاً جلد 14/1)

صحیح اور غلط عقیدے کی پہچان اور ان میں امتیاز کے تین بنیادی طریقے

(1) حق اس طرح واضح ہو جائے کہ ہر سلیم العقل انسان (اگرچہ وہ ان پڑھ ہو) اس کو بغیر کسی علمی دلیل یا توضیح کے سمجھ سکے۔

(2) حق و باطل کے درمیان تمیز کے راستے میں ایسی رکاوٹیں حائل نہ ہوں جن کا ازالہ مشکل ہو۔

(3) حق اس طرح واضح ہو کہ اگر اس میں کسی قسم کا بندھن یا پردہ حائل نہ ہو تو ایک خالی الذہن اور سلیم العقل اور سلیم الفطرت انسان اسے بلاچوں وچرا قبول کرلے۔

تخلیق کائنات اور انسان کے تناظر میں انسانی ذھن میں پیدا ہونے والے بنیادی اور ضروری سوالات۔

تخلیقی مقاصد

انسان سے پہلے بھی کائنات موجود تھی اور انسان کو بعد میں پیدا کیا گیا۔ پہلے اللہ کی قدرت کاملہ نے اپنی رحمت اور ربوبیت کی صفت سے بدع پر توجہ فرمائی۔ اور ایسی چیزوں کو پیدا کیا جن کا پہلے کوئی نمونہ موجود نہ تھا۔

اَللّٰه بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْض --------- (قرآن)

جب زمین و آسمان، شمس و قمر وغیرہ کی تخلیق ہو چکی تو جنات کی پیدائش کے بعد ان کا دور شروع ہوا۔ کیونکہ زمین پہلے پہل آگ کا گولا تھی جبکہ جنات کی پیدائش آگ سے ہوئی۔ لہٰذا ایک آتشی مخلوق کو آگ جیسی زمین میں رہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

انسانوں کی پیدائش

پھر جب زمین سرد ہو کر انسانوں اور حیوانوں کے رہنے کے قابل ہوگئی تو پہلے حیوانات اور پھر انسان اول (اول البشر) یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا فرمایا اور اس میں اپنی روح پھونکی - اور جنات کے بعد انسانوں کو پیدا کرنے کی غرض و غائت جو ازلی ابدی کتاب (قرآن حکیم) میں بیان کی گئی ہے اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے صیغہ واحد متکلم

Marfat.com

میں اس طرح فرمایا ہے۔
وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ------ (51-56)
یعنی میں نے جنات اور انسانوں کو صرف اور صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔

عبد کا مطلب و مفہوم

لغت میں عبد ایک خوشبودار پودے کو کہتے ہیں جسے اونٹ بصد شوق کھاتے ہیں اس کے کھانے سے اونٹ موٹے تازے ہو جاتے ہیں اور اونٹنیاں دودھ بھی زیادہ دیتی ہیں۔ لیکن اس پودے کی خاصیت یہ بھی ہے کہ اسے کھا کر پیاس بہت لگتی ہے اور پانی مل جانے پر دودھ کی زیادتی اور فربہی حاصل ہوتی ہے۔ تو گویا اس پودے کی تین خصوصیات ہیں۔

1- کشش و جاذبیت
2- پیاس کی شدت (اور پانی پینے کے بعد)
3- فربہی اور دودھ کی فراوانی

یعنی عبد کے بنیادی معانی میں کشش و جاذبیت' پھر تکلیف اور آخر میں حصول فلاح کا مژدہ کار فرما ہے "سفینہ معبدہ" ایسی کشتی کو کہتے ہیں جس کی لکڑی پر تیل یا چربی مل دی گئی ہو اور وہ پانی کے ضرر سے محفوظ ہو گئی ہو۔ چنانچہ ابن فارس نے اس سے یہ معنی نکالے کہ "عبد" میں بنیادی طور پر نرمی و ذلت اور سختی و غلظت شامل ہیں۔ قرآن حکیم میں انسان کی تخلیق کو "فی احسن تقویم" کہا گیا اور ساتھ ہی فرمایا۔ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ السَّافِلِيْنَ اِلَّا الَّذِيْنَ ----- اٰمَنُوْا وَعَمِلُ الصَّالِحَاتِ (سورۃ تین) یعنی انسان کو اسفل السافلین سے دو چار کرنا گویا سخت امتحان ہے۔

عبادت

پس عبادۃ کے معنی ہیں ایسا کام کرنا جو دل کے شوق اور رغبت سے انجام دیا جائے گویا خوشبو دار پودے کی طرح عبادت میں ایک ایسی کشش رکھ دی گئی ہے جو ایک دم دل کو لبھاتی ہے اور پھر مشقت سے پالا پڑتا ہے اور آخر کار بصورت کامیابی فلاح دارین کی منزل مل جاتی ہے۔ عام قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی کسی سے مشقت لیتا ہے تو اس میں مشقت لینے والے کا کوئی مفاد ہوتا ہے۔ لیکن اللہ تعالی بے نیاز اور غیر محتاج اور رؤف و

Marfat.com

رحیم ہے۔ اس لیے وہ انسانوں اور جنوں کو مشقت میں ڈالتا ہے تو اس میں ان کا اپنا ہی مفاد ہوتا ہے اللہ تعالے کا ارشاد ہے۔ وَمَا اُرِیْدُ مِنْھُمْ مِنْ رِّزْقٍ وَّ مَا اُرِیْدُ اَنْ یُّطْعِمُوْنِ (51 - 57)

یعنی میں ان سے رزق کا طالب نہیں اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں (پلائیں)
اور انبیاء علیہم السلام کو بھیجا تو حضرت نوح سے یہ اعلان کروایا۔

وَمَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

یعنی میں اس (تبلیغی) کام کے عوض کوئی اجر (شعرا - 109) نہیں مانگتا۔ کہ مجھے اجر دینے والا تو رب العالمین ہے یہی بات آگے بیان کی گئی :-(شعرا 127، 145، 164، 180) عبد کی جمع عباد ہے اور عباد کا تعلق بھی اللہ تعالی کے ساتھ قائم ہے۔ چنانچہ اللہ کا ارشاد ہے اَللّٰہُ رَؤُفٌ بِالْعِبَاد۔ یعنی اللہ تعالی اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے۔ (بقرہ - 207)

خدا اور انسان

کوئی انسان خدا کو مانے یا نہ مانے لیکن ایک بات کا جواب اس کے پاس کوئی نہیں کہ وہ پیدائش سے پہلے کہاں تھا؟ اور کیوں پیدا ہوا؟ آیا اپنی مرضی سے پیدا ہوا؟اگر اپنی مرضی سے پیدا ہوا تو پہلے زمانے میں کیوں نہ پیدا ہوا۔ بعد کے زمانے میں کیوں نہ پیدا ہوا؟ وغیرہ۔ تو آخر وہ اس کا یہی جواب دے گا کہ میں کسی رواں دواں قافلے کا ایک فرد ہوں جو صدیوں سے محو سفر ہے اور جس میں نئے لوگ بھی شامل ہو رہے ہیں اور پرانے لوگ اپنی اپنی باری کے مطابق بچھڑتے بھی جا رہے ہیں۔ اور اس میں ان کی ذات کو کوئی دخل حاصل نہیں" ، اگر ایسا ہوتا تو خود انسان کبھی بھی مرنے کو ترجیح نہ دیتا۔ لہٰذا ----- ہر شخص یہ بات طوعًا یا کرھًا تسلیم کرتا ہے کہ اسکا وجود کسی قادر اعلیٰ کی حکمرانی کے تحت دنیا میں آتا ہے۔ پہلے وقتوں کے لوگوں نے اپنی پیدائش کا سبب اور اسکے پس منظر میں قادر ہستی کو "دہر" کا نام دیا تھا اور کہا تھا۔ وَمَا یُھْلِکُنَا اِلَّا الدَّھْرِ (جاثیہ - 24) یعنی ہمیں تو "دھر" ہی ہلاک کر ڈالتا ہے - چنانچہ آسمانی کتب میں معتبر ترین کتاب یعنی قرآن حکیم میں سابقہ اقوام کے عقائد کا ذکر ملتا ہے۔

اور جن کے عقائد غلط تھے یا وہم و گمان کی سطح پر تھے ان کا ذکر بھی کھل کر کیا گیا ہے۔ اور ایک ہستی کا تصور دیا۔ جو قادر مطلق ہے اور وہ اللہ تعالی کی ذات ہے۔ جس نے اپنی صفت رحمت کے تحت سب پہلے ایک ایسی تخلیق کا ڈول ڈالا جسے کائنات کے جملہ

Marfat.com

عالموں کیلئے رحمت خداوندی کا باعث قرار دیا- اور فرمایا-------

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْن ------ یعنی (اے محمدؐ) ہم نے آپکو تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے- (انبیاء - 107)

پس دنیا میں محفوظ ترین اور مستند ترین (اللہ کی طرف سے) نازل شدہ کتاب یعنی قرآن حکیم کی رو سے اللہ کی صفت رحمت کے صدقے میں تخلیق کی بنیادی پڑی- اور تمام عالموں کیلئے اللہ کی رحمت کا وسیلہ حضرت محمد مصطفےٰ کو قرار دیا گیا اور انسان اول یعنی آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے ہی حضور علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز فرما دیا گیا تھا جیسا کہ ارشاد نبویؐ ہے کہ میں اس وقت بھی نبی ﷺ تھا جب آدم علیہ السلام ابھی پانی اور مٹی میں منجدل تھے (حدیث)

اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے- کہ عقل سلیم رکھنے والوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات ہی خالق و خلاق ہے- اور اس نے اپنی مشیت سے کائنات کو پیدا فرمایا اور انسان اول یعنی آدم علیہ السلام سے جب لغزش ہو گئی تو ان کی نفسانی ظلمت دور کرنے کیلئے اس دنیا کی امتحانگاہ میں بھیجا تاکہ ہر انسان یہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی گئی ہدایت کی روشنی میں کامیاب زندگی گزارے اور ظلمت سے متاثر شدہ اپنی نفسی نورانیت کو نہ صرف اجاگر کرلے بلکہ اسکی تکمیل بھی کرلے- اگرچہ اس عمل کی راہ میں روڑے اٹکانے والے چاہے کتنا ہی زور لگالیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارادہ کا ذکر قرآن حکیم میں یوں فرمایا ہے-

وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ (61 - 8) (نیز توبہ 32) اور اہل اسلام کے نور پانے کا ذکر حدید-12' 19' تحریم - 8 میں بھی ہے-

کیونکہ قرآن حکیم کی تنزیل کا مقصد یہ بیان کیا گیا ہے:-

وہی تو خدا ہے جس نے اپنے عبد یعنی محمد مصطفےٰ پر آیات بینات نازل فرمائیں تاکہ (اے لوگو!) وہ تمہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائے- (حدید - 9) تو خالق کائنات نے انسان کی پیدائش کا مقصد ہی اپنی نورانی ذات کی طرف بڑھتے رہنے کو قرار دیا ہے اور اس مقصد کیلئے اللہ تعالیٰ اور اسکے فرشتے بھی (اہل ایمان) انسانوں پر رحمت بھیجتے ہیں تاکہ وہ تمہیں ظلمات سے نور کی طرف لے جائے (احزاب - 43) اور یہ ذکر قرآن حکیم میں بارہا آیا ہے

Marfat.com

اسلامی عقیدہ کا مفہوم

مختصر لفظوں میں اسلامی عقیدہ وہ راستہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی وساطت سے انسانوں کی رہنمائی کیلئے متعین فرمایا- چنانچہ ہر زمانے کے انبیاء نے اپنے اپنے دور میں اسلامی عقائد کی تبلیغ کرکے اپنے متبعین کو ایمان اور یقین آخرت کی دولت سے مالا مال کیا اور لفظ ایمان عقیدہ کا مترادف ہے- چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو بار بار یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے لفظوں سے خطاب فرمایا ہے- اور ان کو عمل صالح کے بدلے میں انجام کار مژدے سنائے ہیں-

غیر اسلامی عقائد

جو انسان انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات سے اغماض برتے اور ظن و تخمین کی وادی میں سرگردانی اختیار کرنے میں عافیت سمجھ لے تو انسانوں کے خالق نے ان کی سعی کو انجام کار اکارت قرار دیا ہے- کیونکہ ایسی ہر سعی کی بنیاد انسانی ذہن کی کار پردازیاں ہوتی ہیں- پس جس عقیدہ کی بنیاد علم الٰہی پر نہ ہو اور وہ کسی نبی کی تعلیمات پر مبنی نہ ہو تو ایسا عقیدہ غیر اسلامی کہلائے گا-

وقت کا تقاضا

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک کام' یا عقیدہ وقت کا تقاضا ہوتا ہے اور جونہی حالات اور وقت تبدیل ہو جائے اسکے تقاضے بدل جاتے ہیں- پختہ کار لوگ ایسے عقائد کو عقائد کی بجائے نظریات کا درجہ دیتے ہیں- کیونکہ صحیح عقیدہ کبھی بھی تبدیل نہیں ہوا کرتا- لیکن نادان لوگ اسکی ماہیت سمجھے بغیر نظریات کو عقائد مان لیتے ہیں-

اپنے شاعرانہ تصور میں علامہ اقبالؒ نے لینن کو خدا کے حضور میں دیکھا کہ بارگاہ خداوندی میں اس نے خدا کی ہستی کا اقرار کیا او عقل کی نارسائی کا اعتراف یوں کیا

اے انفس و آفاق میں پیدا ترے آیات — حق یہ ہے کہ ہے زندہ و پائندہ تری ذات
میں کیسے سمجھتا کہ تو ہے یا کہ نہیں ہے — ہر دم متغیر تھے خرد کے نظریات
محرم نہیں فطرت کے سرود ازلی سے — بینائے کواکب ہو کہ دانائے نباتات

Marfat.com

آج آنکھ نے دیکھا تو وہ عالم ہوا ثابت میں جس کو سمجھتا تھا کلیسا کے خرافات

گویا حضرت انسان دین فطرت سے اغماض برت کر کامیابی حاصل نہیں کر سکتا اور ایک دن اسے حق کا اعتراف کرنا ہی پڑتا ہے۔

کائنات کا دولہا - انسان

غور کرنے سے یہ معلوم ہو گا کہ دنیا کا ذرہ ذرہ جس غرض و مقصد کے لئے پیدا ہوا ہے وہ اپنے ذاتی ارادہ اور قصد کے بغیر خود بخود اس کو پورا کر رہا ہے' اور اسکے خالق نے اسکے روز پیدائش سے اسکو جو حکم دیدیا ہے' اسکی تعمیل سے وہ سر موانحراف نہیں کرتا' آسمان سے لیکر زمین تک ہر چیز اپنے اپنے کام میں لگی ہوئی ہے' آفتاب دنیا کو گرمی اور روشنی دینے پر مامور ہے' اور وہ ہر آن اور ہر لحہ اس میں مصروف ہے زمین کو سرسبزی اور شادابی کا کام سپرد ہے اور وہ اسکو انجام دے رہی ہے ابر کو سیرابی اور گوہرباری کا حکم' اور وہ اسکی تعمیل کر رہا ہے درخت پھل دینے پر مقرر ہیں' اور وہ اس کام میں لگے ہوئے ہیں' حیوانات جن کاموں پر مامور ہیں' وہ بخوشی ان کر رہے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ کیا انسان بھی اس دنیا میں کسی کام پر اسی طرح مقرر ہو کر آیا ہے یا نہیں؟ اگر آیا ہے تو کیا اسکو انجام دے رہا ہے؟

آؤ انسان کو غور سے دیکھیں' بظاہر وہ بھی کھاتا' پیتا' چلتا پھرتا' اٹھتا بیٹھتا زندگی گذارتا ہی' اور پھر مرجاتا ہے' کیا اس کی زندگی کا بس اسی قدر مقصد ہے' اگر یہی ہے تو پھر انسان اور حیوان میں کیا پہچان اور ذی ارادہ اور غیر ذی ارادہ میں کیا امتیاز؟ اور صاحب عقل اور بے عقل میں کیا فرق؟ چنانچہ قرآن پاک اسی لئے انسانوں سے سوال کرتا ہے' اور بجا سوال کرتا ہے'

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا - (مومنون 115)

کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ ہم نے تم کو بیکار پیدا کیا'

اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَكَ سُدًی (قیامت - 36)

کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ وہ بیکار چھوڑ دیا جائیگا۔

اس سے معلوم ہوا کہ وہ بھی کسی غرض و مقصد کیلئے پیدا ہوا ہے' لیکن وہ غرض و مقصد کیا ہے؟

انسان کی پوری ہستی اگر کائنات کے صفحہ سے مٹ جائے' تو بھی آفتاب اسی طرح

Marfat.com

چمکتا رہیگا' سمندر اسی طرح اچھلتے رہیں گے' ہوائیں اسی طرح چلتی رہیں گی' پانی اسی طرح برستا رہیگا' سبزے اسی طرح اگتے رہیں گے' اور درخت اسی طرح پھلتے رہیں گے لیکن اگر درخت نہ پھلیں تو انسان کی ہستی معرض خطر میں پڑ جائے' سبزیاں نہ اگیں' تو انسان بھوکا مرجائے پانی نہ برسے تو انسان پیاسا تڑپ جائے اگر ہوا نہ چلے تو انسان گھٹ کر مر جائے' اگر زمین نہ ہو تو انسان کو کھڑے ہونے کی جگہ نہ ملے۔ اگر آفتاب نہ چمکے تو انسان کی ہستی کا چراغ فورا بجھ جائے' سمندر نہ ہو تو نہ پانی برسے نہ سبزیاں اگیں' نہ انسانی غذا میسر آئے' یہ پانی برس کر پھر زمین کو خشک ہونا نصیب ہو' الغرض دنیا کی کوئی ہستی اپنے وجود کے لئے انسان کی محتاج نہیں لیکن انسان اپنے وجود کے لئے کارخانہ ہستی کے ایک ایک پرزے کا حاجتمند ہے' تو پھر کیا یہ نتیجہ صحیح نہیں کہ اس کارخانہ کے ہر پرزہ کی غرض و غایت انسان کا وجود اور اس کی بقا ہے' لیکن خود انسان کے وجود کی غرض کوئی دوسری ہے' جو دیگر موجودات کے وجود کی غرض سے زیادہ اہم ہے'

قرآن پاک دوسری موجودات و مخلوقات کی نسبت تو یہ کہتا ہے'

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَافِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا (بقرہ رکوع 3)

اسی نے تمہارے لئے (اے انسانوں) وہ سب پیدا کیا' جو زمین میں ہے۔

پھر یہ بھی بتایا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَافِى الارض جميعاً (حج رکوع 9)

(اے انسان' کیا تو غور نہیں کرتا کہ زمین میں جو کچھ ہے اسکو تمہارے کام میں اس نے لگا رکھا ہے'

زمین کے بعد آسمان کی نسبت بھی اس نے اعلان کیا'

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارِ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرَاتٍ بِاَمْرِهٖ (نحل رکوع 2)

اور (اے انسانو!) اس نے رات اور دن کو اور سورج اور چاند کو تمہارے کام میں لگایا ہے۔ اور ستارے بھی اسکے حکم سے کام میں لگے ہیں'

ہستیاں دو ہی ہیں' خالق کی اور اسکی مخلوقات کی' مخلوقات کے حالات پر غور کرنے سے نظر آتا ہے کہ ان میں ہر ادنی چیز اپنے سے اعلی چیز کے کام آرہی ہیں' جمادات نباتات کے' نباتات حیوانات کے' اور جمادات اور نباتات اور حیوانات' تینوں انسان کے۔

Marfat.com

کام آرہے ہیں آخر انسان کو بھی اپنے سے کسی اعلیٰ ہستی کے کام آنا چاہئے' مخلوقات میں تو اب اس سے کوئی اعلیٰ ہستی نہیں' تو لامحالہ اسکی تخلیق خود خالق کے لئے ہوئی ہے'

الغرض دنیا کی ساری چیزوں کی غرض و غایت بواسطہ یا بلاواسطہ انسانوں کی بقا زندگی اور آسائش ہو لیکن خود انسان کی زندگی اس کے لئے نہیں بلکہ خدا کیلئے ہے جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (ذاریات رکوع 3)

اور میں نے جن اور انسان کو اس لئے پیدا کیا کہ وہ میری اطاعت کریں'

عقل و فہم اور ارادہ و اختیار کے لحاظ سے مخلوقات کی تین قسمیں

1- ایک وہ جو ان صفات سے یکسر محروم ہیں' آفتاب' ماہتاب' زمین' مٹی' پتھر پھل' پھول' درخت۔

2- دوسری وہ صرف ابتدائی احساس اور علم و فہم رکھتی ہیں۔ لیکن قیاس و استقرا' و تمثیل اور حاضر پر غائب کو قیاس کرکے کسی نئے علم کا استخراج کرنا ان کی قدرت سے باہر ہے انکا ارادہ و اختیار بھی صرف ظاہری محسوس اشیاء تک محدود ہے' جیسے حیوانات۔

3- تیسری وہ مخلوق ہے' جو عقل و ادراک رکھتی ہے' قیاس آرائی کرتی ہے۔ استقرا' و تمثیل کے ذریعہ سے استنباط کرتی ہے' جزئیات سے کلیات بناتی اور کلیات سے جزئیات پر حکم لگاتی ہے۔ بدیہیات سے نظریات تک پہنچتی' اور غائب کو حاضر پر قیاس کرتی ہے'

پس پہلی قسم کی مخلوقات سے جو حرکات اور آثار پیدا ہوتے ہیں وہ اضطراری اور غیر ارادی ہوتے ہیں' اور کبھی ان میں تخلف نہیں ہوتا' اسی لئے ان کو فطری آثار اور طبعی خصائص کہتے ہیں' جن کا صدور ان مخلوقات سے ہمیشہ یکساں اور بلا ارادہ ہوتا رہتا ہے' دوسری قسم کی مخلوقات سے جو آثار و حرکات پیدا ہوتے رہتے ہیں' وہ اگرچہ ارادہ اور احساس اور ابتدائی فہم کے ماتحت صادر ہوتے ہیں' لیکن ان کے ہر فرد سے صرف ایک ہی قسم کے افعال' حرکات اور آثار یکساں طور سے ظاہر ہوتے ہیں' ان کے ان افعال' حرکات اور آثار کو جبلت' فطرت اور طبیعت کہتے ہیں' ان کے صدور میں بھی وہ مخلوقات اپنی

Marfat.com

اپنی فطرت اور طبیعت کے تقاضے سے مجبور ہیں' جیسے حیوانات کے افعال' اور ان کے مختلف انواع کے الگ الگ نوعی کام کہ وہ ازل سے قیامت تک یکساں ایک ہی طرح اور وہ بھی کسی غایت' اور انجام و مال کے پہلے سے بغیر سوچے ان سے صادر ہوتے ہیں''۔

نیکی اور بدی کا نفاذ

تیسری مخلوق کے بعض افعال گو طبیعت و جبلت کے مطابق ہوتے ہیں' جو دیگر مخلوقات کی طرح ویسے ہی بے ارادہ اور اضطرار میں سرزد ہوئے ہیں' مگر اس کے اور دوسرے افعال و حرکات تمامتر اس کے ارادہ' اختیار اور فہم سے صادر ہوتے ہیں' صرف یہی آخری قسم کے افعال وہ ہیں جن پر خیر و شر اور نیک و بد کا حکم جاری ہوتا ہے' اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اس کے تمام عاقلانہ کام' عاقبت بینی' انجام' اور مال کار کو خیال کر کے اس کے ارادہ سے صادر ہوتے ہیں' اور یہاں سے اسکی' ذمہ داری کا سوال پیدا ہو جاتا ہے'

ذمہ داری سے بریت

جن وانس کے علاوہ تمام دوسری مخلوقات خیر و شر کی ذمہ داری سے بری ہیں' جمادات و نباتات تو اس لئے کہ ان کے افعال و حرکات تمامتر مجبورانہ' بے ارادہ اور فکر انجام کے بغیر صادر ہوتے ہیں' حیوانات بھی اس لئے اس ذمہ داری سے بری ہیں کو انکے افعال و حرکات بھی تمامتر جبلی و طبعی ہیں' یا یوں کہو کہ وہ اپنے خالق کے احکام پر ہمیشہ اضطراراً عمل پیرا ہیں اسی طرح فرشتے بھی اس تکلیف سے سبکدوش ہیں' کیونکہ وہ بھی اپنی خلقت اور جبلت سے اطاعت پر مجبور ہیں' اور اسی لئے ان سے عصیان نہیں سرزد ہوتا' صرف ایک انسان ایسی مخلوق ہے' جو بہت سی باتوں میں ارادہ اختیار اور علم رکھتا ہے' نیکی' بدی' اور خیر و شران دونوں پہلوؤں میں سے کسی ایک اختیار پر قطعی مجبور نہیں ہے' بلکہ وہ عقل سے سوچ سمجھ کر' مال کار اور انجام پر غور کر کے یا اپنے جذبات کے تحت کوئی کام کرتا ہے' اس لئے وہی خیر و شر کے امتیاز اور حق و باطل کے فرق کے لئے پیغام الہی کا محتاج قرار پایا'

جمادات و نباتات' اور دیگر مخلوقات سے احکام الہی کی مجبورانہ اطاعت یعنی جبلت یا فطرت یا مناسبت کو قرآن پاک یوں ادا کرتا ہے'

Marfat.com

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَابَّةٍ وَّالْمَلٰئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ (نحل رکوع 6)

اور خدا ہی کے آگے سر جھکاتے ہیں' جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے جاندار وں میں سے اور فرشتے' وہ سرکشی نہیں کرتے' اپنے پرودگار کا اوپر سے ڈر رکھتے ہیں اور کرتے ہیں جو حکم پاتے ہیں۔

اسی فطری اطاعت الٰہی کا دوسرا نام فطری وحی ہے جیسا کہ قرآن میں ہے'

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا (نحل رکوع 9)

اور تیرے پرزوردگار نے شہد کی مکھیوں پر وحی بھیجی کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور جہاں چھت ڈالتے ہیں اپنے لیے گھر بنالے' پھر ہر پھل میں سے کھا' پھر اپنے پروردگار کی راہوں پر (مقررہ احکام پر) چل مطیع ہو کر'

دیکھو اس آیت پاک میں طبعی الہام کی مجبورانہ پیروی کو اطاعت الٰہی کہا گیا ہے' اور دوسری جگہ ان کی اپنے خالق اور پیدا کرنے والے کے حکم کی اسی طبعی اطاعت اور فطری تعمیل کو انکی زبان حال کی نماز اور تسبیح فرمایا گیا ہے'

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِمَا يَفْعَلُوْنَ (نور رکوع 6)

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ آسمان و زمین میں جو کوئی ہے وہ اڑتے جانور پر کھولے اس کی یاد کرتے ہیں' ہر ایک نے جان رکھی ہے اپنی طرح کی نماز اور اسکی پاکی کی یاد اور خدا کو معلوم ہے جو وہ کرتے ہیں

لیکن انسان کو دوسرے موجودات و مخلوقات کی طرح مجبور محض نہیں پیدا کیا گیا ہے بلکہ وہ احساس اور ارادہ وہ جو جمادات میں معدوم' نباتات میں محل بحث اور حیوانات میں متحرک ہے' انسان میں پوری طرح بیدار اور کار فرما ہے' اسی طرح وہ ارادی قدرت و اختیار جو جمادات میں معدوم' نباتات میں مفقود' اور حیوانات میں محدود ہے' انسان کا خاصہ ہے' اسی لئے تمام مخلوقات میں وہی "ارادی تکلیف" کا مستحق قرار پایا اور غیر ذی ارادہ

Marfat.com

مخلوقات کی طرف بالاضطرار اور مجبورانہ اطاعت الہی کے لئے نہیں' بلکہ بالارادہ اطاعت کے لئے اسکی تخلیق ہوئی اشرف المخلوقات بھی انسان ہے۔

انسان اشرف المخلوقات

ارشاد باری ہے:۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا (33 ـ 72)

ہم نے اپنی امانت آسمانوں پر اور زمین پر اور پہاڑوں پر پیش کی' تو انہوں نے انکار کیا' اور اس سے ڈرے اور انسان نے اس کو اٹھالیا' وہ اس ذمہ داری کے بارے میں اندھیرے اور نادانی کا شکار تھا

یہ امانت' اس کی نیکی و بدی کی تمیز اور خیر و شر کا فرق ہے' جس کے نتیجہ کے طور پر شریعت الہی کا نزول ہوا ہے' انسان کو اپنی اس امانت سے عہدہ برآ ہونے کے لئے بارادہ اور بااختیار افعال میں بھی بے ارادہ اور بے اختیارانہ افعال کی طرح احکام الہی کی اطاعت کرنا ضروری ہے'

ایک نکتہ

انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کی ایک دلیل تو یہ ہے کہ جو بار امانت کوئی اور بڑی سے بڑی مخلوق نہ اٹھا سکی اسے انسان نے اٹھالیا جس کے نتیجہ میں اسے ظَلُوْمًا جَهُوْلًا --- کا خطاب بھی قبول کرنا پڑا اور دوسری دلیل یہ ہے کہ دنیا کی کسی بھی مخلوق کو نہ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے بنایا اور نہ انسان کے سوا کسی مخلوق کے حصے میں وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ (15 ـ 29) کا توشہ آیا۔ اس سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ انسان ہی اشرف المخلوقات ہے اور وہی اس کائنات کا دولھا ہے۔ بہرحال غیر ارادی افعال و حرکات میں جس طرح ہم اپنے فطری الہام و وحی کی مجبورانہ پیروی کرتے ہیں' اسی طرح ارادی افعال میں بھی شرعی الہام و وحی کی بالارادہ پیروی کرنا لازم ہے۔

لیکن کسی کی اطاعت اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اسکے احکام و اوامر سے ہم کو واقفیت نہ ہو چنانچہ انبیاء و رسول ﷺ وہی ہیں جن پر اللہ تعالیٰ اپنے ان احکام اور اوامر کی شریعت کو وحی کرتا ہے' اور وہ ان ذی ارادہ بندوں کو اس سے آگاہ و باخبر کرتے

Marfat.com

اور اسکی اطاعت کی دعوت دیتے ہیں' اور کسی قدر با اختیار انسان اپنے اسی تھوڑے سے اختیار اور ارادہ کے بل پر اپنے خالق سے سرکشی کرنے پر آمادہ ہے قرآن پاک میں ہے:-

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ (حج رکوع 2)

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی کے آگے سر جھکاتا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور بہت سے انسان' اور بہت سے (انسان) ہیں' جن پر عذاب ٹھہر چکا'

یعنی انسان کے علاوہ تمام دوسری بے ارادہ اور بے عقل مخلوقات کی کلی اطاعت اور سرافگندگی کا اعلان ہے' لیکن خاص با ارادہ اور با عقل' انسانوں کی قسمیں کر دی گئیں مطیع اور سرکش۔

ایک اہم نکتہ

جمادات' نباتات' حیوانات' اور انسان میں سے جس صنف میں احساس' ارادہ' اور اختیار کی جتنی کمی ہے' اسی قدر فطرت اس کی دایہ گری کی خدمات زیادہ انجام دیتی ہے' اور جس حد تک احساس اور اختیار کا دائرہ اصناف ہستی میں بڑھتا جاتا ہے' اسی قدر معلم فطرت اپنے فرائض سے کنارہ کش ہوتا جاتا ہے' اور وہ صنف کائنات اپنی ذمہ داری آپ قبول کرتی جاتی ہے' جمادات اپنی نشوونما کیلئے بیرونی غذا کے محتاج نہیں' نباتات کی غذا خود ان کے پاؤں کے نیچے ہوتی ہے' حیوانا تک کو ان کی غذا ہر قدم پر ہر وقت تیار ملتی ہے' لیکن انسان جس میں یہ تینوں اوصاف بیٹھ کر حکمران اور کار فرما ہوتے ہیں' اس کے منہ تک غذا کا ایک دانہ بھی اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا' جب تک اسکی جدوجہد محنت و جانفشانی کے پسینہ کا گرم قطرہ پیشانی سے چل کر اسکے پاؤں تک نہیں پہنچتا'۔

جہاں احساس' ارادہ اختیار جیسے جیسے کم ہے' اسی قدر طبیعت' فطرت اور جبلت کی اضطراری حکومت زیادہ قائم ہے' لیکن جیسے جیسے ان تینوں اوصاف کی ترقی و تکمیل ہوتی جاتی ہے طبیعت فطرت اور جبلت کی حکومت کا دائرہ تنگ ہو کر' احساس' ارادہ' اور اختیار کی شہنشاہی قائم ہوتی جاتی ہے' اور حرکات و اعمال کی باگ' فطرت و جبلت کے مضبوط

Marfat.com

ہاتھوں سے نکل کر اختیار و ارادہ کے کمزور اور ہر آن بدل جانے والے ہاتھوں میں آجاتی ہے' جمادات ہمیشہ وہی کریں گے' جو ان کو کرنا چاہیے' نباتات عموماً وہی بنیں گے' جو ان کو بننا چاہیے' حیوانات وہی کام انجام دیں گے جو ان کے سپرد کر دیا گیا ہے' لیکن انسان کسی قدر اختیار اور ارادہ پاکر اکثر اپنی راہ سے ہٹ جاتا ہے اور حدود اعتدال سے قدم باہر نکال دیتا ہے اور اپنے اس اختیار وارادہ کی ذمہ داری کی امانت کو بھول جاتا ہے' انبیا اور رسول علیہم السلام وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس ذی ارادہ اور با اختیار مخلوق کو اسکی اس ذمہ داری کے فرائض سمجھانے کے لئے آتے ہیں'

دل دریا سمندروں ڈونگے

اس اختیار وارادہ کے مرکز کا نام مذاہب کی زبان میں "دل" ہے جو انسان کے سر سے لیکر پاؤں تک کی رگ رگ اور ریشہ ریشہ کی ایک ایک جنبش و حرکت پر حکمراں ہے' اور اسی کے حکم سے اس جسم کے اندرونی عالم میں سب کچھ ہوتا اور سر انجام پاتا ہے' انبیاء اسی دل کے نظام کو درست کرنے کے لئے آتے ہیں:۔

انسان کو اپنے وجود' بقا' ترقی اور تکمیل کی ہر منزل میں قدم قدم پر ہزاروں چیزوں کی احتیاج ہوتی ہے' ان چیزوں کے مہیا اور تیار کرنے کے لئے ہر انسان میں استعدادو قوت الگ الگ ہوتی ہے اور یہ استعداد و قوت فیاض قدرت کی طرف سے پیدائش بلکہ پیدائش سے پہلے ہی آب و گل کے عالم میں اس میں ودیعت رکھی جاتی ہے'

ان مادی ضروریات کے بنانے والوں کے حسب استعدادا و رحسب حیثیت مختلف درجے اور مرتبے ہیں' بعض ان میں سے محض مقلد ہوتے ہیں' جو وہی بنا سکتے ہیں' جو بنانا سیکھا ہے' بعض چابکدست اور ذہین ہوتے ہیں' جو اچھے کاریگروں کے صرف نمونوں کو دیکھ کر اچھی چیزیں تیار کرسکتے ہیں' بعض ایسے ذہین اور فطین ہوتے ہیں کہ وہ نئی نئی چیزیں بناتے' دریافت کرتے اور ایجاد کرتے ہیں' اور بعد کے آنے والے مدت تک ان ہی کی تقلید کرتے رہتے ہیں' ضرورتوں کے فراہم ہو جانے سے انسان کی مادی زندگی کی تکمیل ہو جاتی ہے اب اس کے بعد اس کی روحانی اور اخلاقی زندگی کی ضروریات کا جن کو تم اصول تمدن' طریقہ معاشرت' آئین عدل و انصاف' اخلاق حسنہ اور دین و تقویٰ کے نام سے موسوم کرتے ہو' دور شروع ہوتا ہے اگر یہ اصول اور تعلیمات انسانوں کے

Marfat.com

سامنے نہ ہوں تو آدم کے بیٹوں کی یہ جنت دوزخ ہو جائے' اور اشرف المخلوقات کی یہ جماعت جانوروں کا گلہ اور درندوں کا غول بنجائے'

اور جو برگزیدہ افراد ہمارے روحانی و اخلاقی و اجتماعی حالات کے معلم و نگراں ہیں' ان کی بھی ایک جماعت ہے لیکن جس طرح مادی ضروریات کے بنانے والوں کے حسب استعدا اور حسب حیثیت درجے ہیں- اسی طرح ان روحانی ضروریات کے فراہم کرنے والوں میں بھی مرتبے اور درجے ہیں' بعض وہ ہیں جو صرف اگلے روحانی معلمین کی نقل و تقلید کرتے ہیں' یہ عام علماء ہیں بعض وہ ہیں' جو اچھے روحانی لوگوں کو دیکھ کر خود بھی ان کی عمدہ نقل اتارتے ہیں' اور دوسروں کو بھی بتاتے ہیں' یہ مجددین ہیں بعض ایسے ہیں جو الہام ربانی سے فیض پاکر روحانیت کے نئے نئے اصول وضع کرتے اور دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں' یہ انبیاء ہیں' ان کے مقدس ہاتھ تمہارے لئے غلہ پیدا کرنے' مکان بنانے' کپڑا بننے' اوزار بنانے اور صناعی کرنے کے لئے نہیں' بلکہ ان سے بدرجہا بلند تر اور بہتر کام کے لئے ہیں-

یہی وہ طبقہ ہے' جو تمام متفرق اور مختلف انسانی طبقوں کو باہم جوڑ کر ایک عام انسانی تمدنی سطح پر لایا ہے' وہ ان سب کو جو تمہارے لئے روٹی تیار کرتے ہیں' کپڑے بنتے ہیں' جھونپڑے بناتے ہیں' اور سامان اور اوزار درست کرتے ہیں' ایک دوسرے کے ساتھ مشارکت اور معاونت اور نیکی پر آمادہ کرکے ان میں روحانی برادری پیدا کرتے ہیں' اور مٹی سے پیدا ہونے والے ایک آدم کے بیٹوں کو جن کو دولت و غربت' سوسائٹی اور مجلس' حکومت اور اقلیم اور جغرافی و قومی تقسیم نے پارہ پارہ کر رکھا ہے' باہم جوڑ دیتے ہیں' اور ان تمام مصنوعی امتیازات کو مٹا کر پوری زمین کو ایک ملک' تمام اقوام عالم کو اولاد آدم' اور کل بلند و پست طبقوں کو ایک انسانی طبقہ قرار دیتے ہیں' اور انکے اخلاقی و روحانی عالم میں اصلاح و ترقی اور امن و امان پیدا کرتے ہیں' ان کے دلوں سے بغض و کینہ کو نکال کر اخوت و محبت کا نور بھرتے ہیں انکے احساس' ارادہ اور اختیار کی باگ پر ان کے دل کو قابو حاصل کرنے کی تدبیر بتاتے ہیں' اور ان کو اعتدال کی حد بتاکر صحیح و غلط کی تمیز عطا کرتے ہیں-

یہی وہ انسانی طبقہ ہے' جس کو ہم نبی' رسول اور پیغمبر کہتے ہیں' ان کو گو براہ راست جسم و جسمانیات سے تعلق نہیں ہوتا بلکہ صرف دل اور قلب و روح کے عالم سے سرو

Marfat.com

کار ہوتا ہے' تاہم اس دل اور قلب و روح کی اصلاح کے لئے جسم و جسمانیات کی کسی قدر اصلاح بھی اس حد تک ان کے فرائض میں داخل ہے' جہاں تک ان کو دل اور قلب و روح کے کاموں کی اصلاح میں اس کی ضرورت معلوم ہوتی ہے'

آدمی ہے بے نظیر

سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:۔

دنیا میں ہر نوع کے ماتحت ہر صنف میں کچھ نہ کچھ مخصوص صفات ہوتی ہیں' یہ مخصوص صفات اس نوع اور صنف کے ہر فرد میں یکساں پائی جاتی ہیں' ان ہی کو ہم لوازم اور خصوصیات کہتے ہیں' پھل پھول' چوپائے' پرندے' انسان تمام انواع میں کچھ نہ کچھ ایسی خصوصیات ہیں' جو دوسروں میں نہیں پائی جاتیں' اور انہی خصوصیات کی بنا پر ایک نوع دوسری نوع سے ممتاز اور ہر صنف دوسری صنف سے علیحدہ ہے گلاب میں خاص قسم کا رنگ' خاص قسم کی خوشبو اور خاص قسم کے پتے ہوتے ہیں' اور ان میں سے ہر ایک میں کچھ ایسی لازمی صفات ہوتی ہیں' جن سے گلاب کی ہر صنف (قسم) دوسری صنف (قسم) سے علانیہ الگ نظر آتی ہے'

اسی طرح انسانیت کے کچھ خاص لوازم ہیں' دو ہاتھ' دو پانوں' سید ھاقد' بولنے کی طاقت' سمجھ بوجھ اور غور و فکر کی اہلیت' ایجاد و اختراع کی قوت' انجام بینی اور مال اندیشی کی صلاحیت وغیرہ اس کے خواص ہیں' اور جس طرح شہد میں مٹھاس حنظل میں کڑوا پن' آگ میں گرمی اور برف میں ٹھنڈک' نوعی خواص کی حیثیت سے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں' اسی طرح انسان میں انسانیت کی مذکورہ بالا خاصیتیں فطرۃ ودیعت ہیں' لیکن اس وصف انسانیت میں اشتراک کے ساتھ گلاب کے اصناف کی طرح نوع انسانی کے بھی مختلف اصناف ہیں' جیسے ہندی' چینی' حبشی' رومی ایشیائی' یورپین' دیکھو کہ ان میں سے ہر ایک صنف میں انسانیت کے اشتراک کے باوجود قد و قامت' چہرہ' مہرہ' رنگ و روغن' صورت و شکل' اخلاق و عادات وغیرہ' بیسیوں چیزوں کا نمایاں امتیاز ہوتا ہے' اور یہ تمام انسانی اصناف جو مختلف آب و ہوا' مختلف مرزو بوم' مختلف نسل' اور مختلف ماحول سے تعلق رکھتے ہیں' انسان ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے صریحا ممتاز ہیں۔

اسی طرح ہر صنف انسانی کے اندر مختلف افراد ہیں' خلاق فطرت نے ان میں سے ہر ایک کو مختلف قابلیتیں عطا کی ہیں' زباندانی' فلسفہ ریاضی' صناعی' باغبانی' معماری پہلوانی

Marfat.com

سیکڑوں مختلف قسم کی انسانی استعدادیں اور قابلیتیں ہیں' ان میں سے ہر صنف کی' اور ہر صنف میں سے ہر ایک فرد کی قابلیت و استعداد کی خصوصیتیں دوسروں سے الگ ہیں' ایک تخیل پسند شاعر' اور ایک حقیقت شناس ریاضی داں میں عظیم الشان فرق ہوتا ہے' ادب و انشا کے خیالی بلند پرواز' عموما ریاضیات جیسے ٹھوس اور واقعی علوم سے کورے ہوتے ہیں' اور واقعیات سے لبریز ریاضیات کے جاننے والے' ادب و شاعری سے بیگانہ پہلوانی کے جوہر' باغبانی سے الگ ہیں' اور ایک صناع کی طبیعت ایک فلسفی سے متضاد ہوتی ہے'

اسی کے ساتھ صنف شعرا میں خاص دماغی قابلیت کا اتحاد ہوتا ہے' نظم کی قوت تخیل کی بلندی' محاکات کی قدرت' الفاظ کا زور معانی کا جوش' یہ تمام شعرا کی مخصوص صفات ہیں' اسی طرح تمام فلسفیوں کی ایک خاص دماغی کیفیت ہوتی ہے خاموشی' غور و فکر' دقت نظر' خارجی عالم سے بے پروائی' تصور میں انہماک' خلوت گزینی' اخلاق کی خشکی' الغرض مرز و بوم' اور آب و ہوا کے اختلاف کی بناء پر جو اصناف انسانی پیدا ہوتے ہیں ان میں اختلاف پیدا ہوتے ہیں ان میں بھی یہ اختلاف امتیاز نظر آتا ہے نپولین' تیمور و چنگیز' دم کے دم میں آبادی کو ویرانہ اور ویرانہ کو آبادی' پہاڑ کو میدان' اور میدان' کو پہاڑ بنا سکتے تھے' مگر وہ بیٹھ کر فلسفہ اخلاق پر چند صفحے نہیں لکھ سکتے تھے' افلاطون تنہائی میں بیٹھ کر جمہوریت کا فلسفیانہ خاکہ تیار کر سکتا تھا' مگر تخت پر بیٹھ کر ایک لمحہ حکمرانی کا فرض انجام نہیں دے سکتا تھا' سلطان محمود کے درباری شاعر فردوسی نے اپنی طبیعت کے زور سے سیکڑوں خیالی سومنات کے معرکے فتح کیے لیکن پتھر کی ایک چٹان پر کلہاڑی نہ مار سکا' اس کے برخلاف سلطان محمود فوجوں کے دل بادل کے ساتھ پہاڑوں کو چیرتا' دریاؤں کو پھاڑتا اور ریگستانوں میں پانی بہاتا ہوا غزنی سے چل کر گجرات کے کناروں تک پہنچ گیا اور سومنات کے سنگی قلعہ اور مجسمہ کو چکنا چور کر ڈالا' مگر فردوسی کی طرح تنہا بیٹھ کر وہ خیالی شاہنامہ کا ایک معرکہ بھی فتح نہیں کر سکتا تھا'

ان مثالوں سے یہ ثابت ہے کہ نوع انسانی میں اشتراک ہونے کے باوجود اصناف انسانی کی ہزاروں قسمیں ہیں' اور ان میں سے ہر قسم و صنف کے الگ الگ خصوصیات' صفات اور لوازم ہیں' انہی مختلف اصناف انسانی میں انبیا علیہم السلام کی بھی ایک صنف ہے اور نوع انسانی کی اس مقدس صنف کے بھی چند خاص اوصاف' خصوصیات اور لوازم

Marfat.com

ہیں جو انکو دوسرے اصناف انسانی سے علانیہ ممتاز بتاتے ہیں۔

نبوت و رسالت کے اہم لوازم اور خصوصیات

وہبی استعداد

ان میں سے سب سے پہلی چیز وہبی استعداد ہے' اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ مختلف انسانوں میں مختلف قسم کی فطری استعدادیں پائی جاتی ہیں' اور انہی کی طرف ان کا طبعی میلان ہوتا ہے اور جیسے جیسے وہ آگے بڑھتے جاتے ہیں' ان کی استعداد اور میلان طبع کا جوہر برگ و بار پیدا کرنے لگتا ہے' یہاں تک کہ ایک خاص مقررہ مدت میں جا کر وہ پوری طرح ظاہر ہو جاتا ہے۔ جس طرح ہر درخت سے آم کا پھل پیدا نہیں ہو سکتا' بلکہ اسی سے ہو گا' جس کو خدا نے آم کا درخت بنایا ہے' پھر آم کے درخت کے آثار' خواص' پھل' اس کا مزہ' اس کا رنگ و بو غرض جملہ خصوصیات خود اس درخت میں اسی وقت موجود ہوتے ہیں' جب وہ ہنوز تخم کی صورت میں ہوتا ہے' وہی تخم پودا بنتا ہے' پودا بڑھتا ہے کونپلیں اور شاخیں پیدا کرتا ہے اور چند سال میں پھل دینے لگتا ہے لیکن اپنی ترقی کے ہر دور میں وہ اپنے مخفی خصوصیات وہی رکھتا ہے جو ایک دن اس سے آخر میں ظاہر ہونے والے ہیں اور اس پھل کی صفت ہمیشہ اس میں بالقوہ موجود تھی'

اسی تمثیل کے مطابق یہ سمجھنا چاہیے' اور نبوت کے یہ آثار' خواص' اور کیفیات اس میں بالقوہ اور استعداد کی صورت میں اسی وقت موجود رہتے ہیں' جب وہ ہنوز آب و گل کے عالم میں ہوتا ہے۔ شاید آنحضرت ﷺ کے ارشاد کا "کہ میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم ہنوز آب و گل میں تھے"۔ اسی قسم کا مطلب ہو گا۔ (سیرت النبی جلد 4 صفحہ 48 تا 51)

(سید صاحب کا یہ خیال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے درست نہیں کیونکہ جس وقت آدم علیہ السلام ہنوز آب و گل میں تھے۔ تو کیا حضرت آدم علیہ السلام اس وقت نبی تھے؟ جبکہ حضور ﷺ کے ارشاد کا مطلب صاف ہے کہ حضور علیہ السلام کی نبوت ----- بطور رحمۃ للعالمین کائنات کیلئے اللہ تعالیٰ کے فیوض و برکات کا وسیلہ تھی۔ اور آپ ﷺ کی نبوت بالفعل موجود تھی جبکہ دوسرے انبیاء کی نبوت ان کی پیدائش سے پہلے جبکہ وہ ہنوز آب گل میں تھے اللہ کے علم میں ودیعت تو ہو چکی تھی لیکن بالفعل اس وقت موجود نہیں تھی۔ جبکہ حضور علیہ السلام کی نبوت آپکی پیدائش عنصری سے پہلے

Marfat.com

بھی بالفعل موجود تھی۔ اسی لئے تو سابقہ انبیاءؑ حضور کی نبوت کے فیض سے متمتع ہوتے تھے۔ سیرۃ النبی کی جلد چہارم کے دیباچہ طبع اول میں سید صاحب نے امیر۔ خسرو کا یہ شعر لکھ کر خود ہی اعتراف کیا ہے:۔

شاہ رسلؐ و شفیع مرسلؐ

خورشید پسین و نور اولؐ

چنانچہ مولانا محمد قاسم نانوتوی" (تحذیر الناس صفحہ ۔ 4) فرماتے ہیں:۔

"آپ ﷺ موصوف بوصف نبوت بالذات ہیں اور سوا آپ کے اور نبی موصوف بہ وصف نبوت بالعرض۔ اوروں کی نبوت آپ ﷺ کا فیض ہے پر آپکی بنوت کسی کا فیض نہیں اور انبیا فیض لے کر امتیوں کو پہنچاتے ہیں اور انبیاء میں جو کچھ ہے وہ ظل اور عکس محمدی ہے کہ ذاتی کمال نہیں"۔) (قدر آفاقی)

علم انسانی کے ماخذ

علم انسانی کی دو قسمیں ہیں' ایک وہ جو بلا واسطہ حاصل ہوتا ہے' اور دوسرا وہ جو کسی واسطہ سے حاصل ہوتا ہے' بے واسطہ علم کی بھی تین قسمیں ہیں'

1۔ وجدان ۔ انسان کو اپنے جسمانی وجود اور اس جسمانی وجود کے اندرونی کیفیات کا علم سب سے زیادہ یقینی طور سے ہوتا ہے' ہر شخص کو اپنے وجود کا یقین ہے' اور اس کے اندر بھوک' پیاس' صحت' غم' خوشی' خوف وغیرہ اندرونی تغیرات کا علم اس کو بلا واسطہ از خود ہو جاتا ہے'

2۔ فطرت یا جبلت اس میں کوئی شک و شبہہ نہیں ہے کہ ہر نوع مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ ایسی نوعی خصوصیتیں عطا ہوتی ہیں' جو دوسری نوعوں میں نہیں پائی جاتیں اور ان ہی سے باہم نوعوں کا اختلاف اور امتیاز ظاہر ہوتا ہے' ان نوعی خصوصیتوں کا علم ہرنوع کے افراد کو بلا کسی ذریعہ اور واسطے کے از خود ہوتا ہے' اور اسی کو بعض علماء کی اصطلاح میں فطری یا نوعی الہام اور اہل فلسفہ کی اصطلاح میں "جبلت" کہتے ہیں' حیوانات جو اپنے متعلق بہت سی باتوں کا علم از خود فطرۃ ہوتا ہے' پرندوں کے بچوں کو دانہ چگنا'

Marfat.com

اور اڑنا کون سکھاتا ہے' آبی جانوروں کو تیرنے کی تعلیم کون دیتا ہے' شیر کے بچہ کو درندگی کا سبق کس معلم نے پڑھا' یا انسان کے بچہ کو پیدا ہوتے ہی رونا' سونا' دودھ پینا کون سکھا دیتا ہے'

3۔ ہدایت اولیہ - انسان کو کچھ ہوش و تمیز آنے کے بعد بلا دلیل بعض ایسی باتیں ازخود یا بادنیٰ تامل اسی طرح معلوم ہو جاتی ہیں کہ ان میں پھر کسی قسم کا شک و شبہہ راہ نہیں پاتا' دو اور دو چار ہوتے ہیں' برابر کا برابر' برابر ہوتا ہے' ایک ہی وقت میں ایک ہی چیز سیاہ و سپید دونوں نہیں ہو سکتی' ہر بنی ہوئی چیز کا کوئی بنانے والا ہوتا ہے' وغیرہ بہت سے ایسے ضروری مقدمات اور کلیات جن پر انسان کے استدلال کا تمامتر مدار ہے' اسکو بداہتہ معلوم ہو جاتے ہیں۔

حواس خمسہ

انسان کے جسم کے اندر پانچ قسم کی جسمانی قوتیں ہیں' باصرہ' سامعہ' شامہ' ذائقہ' لامسہ' ان ہی کا نام حواس خمسہ ہے' انسان کے پاس یہی پانچ آلات ہیں' جن کے ذریعہ سے وہ ان مادی چیزوں کے متعلق علم حاصل کرتا ہے' جو اس کے ان آلات سے آکر ٹکراتی ہیں' اسی کا نام احساس ہے' ہم چکھ کر مزا پاتے' سن کر آواز پہچانتے' دیکھ کر صورت جانتے' چھو کر سختی و نرمی دریافت کرتے' اور سونگھ کر بو معلوم کرتے ہیں' ان حواس کے ذریعہ بھی جو علم ہم کو ہوتا ہے' وہ اکثر یقینی اور شاذ و نادر غلط بھی ہوتا ہے' کیونکہ وہ کبھی کبھی سبب سے دھوکا بھی کھاتے ہیں' اور دریافت میں غلطی بھی کرتے ہیں اور دلائل سے ان کا یہ دھوکا اور ان کی غلطی ثابت ہوتی ہے' بیماری میں قوت ذائقہ بدل گئی ہے اور اس نے میٹھے کو کڑوا بتایا ہے' تیز حرکت میں قوت باصرہ نے ہم کو دھوکہ دیا ہے' ریل میں ہم کو ساکن اور ٹھہرتی ہوئی چیز چلتی ہوئی معلوم ہوتی ہے' چلتے ہوئے جہاز ہم کو ٹھہرا ہوا معلوم ہوتا ہے' متحرک چنگاری کا نقطہ تیز سیدھی حرکت میں ہمکو آتشیں خط اور گول حرکت میں آتشیں دائرہ معلوم ہوتا ہے' آسمان کے چمکتے ہوئے بڑے بڑے ستارے کتنے چھوٹے معلوم ہوتے ہیں' لیکن کیا درحقیقت وہ ایسے ہی چھوٹے ہیں؟!

علم بالواسطہ کی دوسری قسم وہ ہے جس کو ہم اپنی عقل و قیاس' غور و فکر اور استدلال کے ذریعہ سے حاصل کرتے ہیں' اس کی بنیاد درحقیقت ان ہی معلومات پر ہوتی ہے۔ جن کا علم ہم کو اپنے وجدان' الہام فطری یا جبلت) بداہت اولیہ' اور احساس سے پہلے ہو چکا

Marfat.com

ہے اور ان ہی معلوم شدہ امور پر غیر معلوم امور کو تمثیل یا استقراء کے ذریعہ سے قیاس کرکے ان معلوم شدہ امور کے خصوصیات اور آثار کا حکم ان غیر معلوم لیکن مشابہ و مماثل امور پر لگا کر نیا نتیجہ حاصل کرتے ہیں' وہ غیر معلوم امر جس پر معلوم امور کے ذریعہ ہم کوئی حکم لگاتے ہیں' اگر مادی ہوتا ہے' تو نتیجہ چنداں غیر مشکوک نہیں ہوتا' سوائے اسکے کہ جزئیات کا استقرا پورا نہ کیا گیا۔

طبعیات اور سائنس کے مسائل اکثر اسی طرح معلوم کئے گئے ہیں لیکن اگر وہ امر مجہول غیر مادی ہے تو مادی امور پر اس غیر مادی کو قیاس کرکے اسکی نسبت جو کچھ کہا جائے گا' اسکا مرتبہ ظن و تخمین سے آگے نہیں بڑھتا' مگر یہ کہ وہ تمامتر نظریات یا بدیہیات و محسوسات پر علانیہ منتہی ہو' مابعد الطبیعہ اور فلسفہ الہیات کے مسائل اسی طریقہ استدلال سے حاصل ہوتے ہیں' اور اسی لئے ان میں انقلابات کی بڑی گنجائش نکلتی ہے کہ ان کے آخری نتیجہ اور ابتدائی بنیادی وجدانی یا بدیہی یا حتمی مقدمات کے درمیان قیاسات کی کئی منزلیں ہیں' اور ان میں سے ہر منزل خطروں سے لبریز ہے' مشابہت و مماثلت میں دھوکا ہو سکتا ہے عقلی اور وجدانی اور حسی اشیاء کے خواص کے درمیان اختلاف اور فرق ہو سکتا ہے' غور و فکر' بحث و نظر' تحقیق' جستجو اور ترتیب مقدمات جو قیاس عقلی کے کارکن اور فاعل ہیں' وہ اپنے کام میں دھوکا کھا سکتے ہیں' اسی لئے یہ علوم شکوک و شبہات سے لبریز ہیں'

ذرائع علم کے حصول کے زمانے

اور ان کے مراتب

سطور بالا سے یہ ظاہر ہے کہ ہمارے سب سے زیادہ یقینی علوم ہمارے وجدانیات اور فطریات ہیں' جو ہم کو قدرت کی طرف سے سب سے پہلے عنایت ہوتے ہیں کہ ہمارے وجود کی بقا اس علم پر موقوف ہے جیسے بھوک اور پیاس کا احساس' اور اس علم کا یقینی ہونا بھی ضروری ہے' ورنہ ہم اپنا وجود قائم نہ رکھ سکیں گے' ہم کو جو بھوک پیاس لگتی ہے' کیا اس کے یقینی اور قطعی علم میں ہم سے غلطی ہو سکتی ہے اور کیا [illegible] ہے یہ ممکن ہے کہ تم کو بھوک نہ ہو' ممکن ہے کہ تم کو پیاس نہ ہو' [illegible] کیا اپنی بھوک اور پیاس کے متعلق شک ہو سکتا ہے' اور یہ احساس اور علم' وجود سے

Marfat.com

ساتھ ساتھ انسان کو ملتا ہے' یہاں تک کہ آج پیدا شدہ بچہ بھی اس کا احساس کرتا اور علم رکھتا ہے' ورنہ وہ اپنے وجود کو قائم نہ رکھ سکے'

وجدانیات و فطریات کے بعد محسوسات کا علم انسان کو ملتا ہے دیکھنا' سننا' چکھنا سونگھنا چھونا' یہ پانچ حواس ہیں' جو ہمارے مادی علم کے آلات ہیں' اور جن کے بغیر کوئی باہر کا علم ہمارے اندر نہیں آسکتا' یہ احساسات بھی ایک ہی دفعہ نہیں کمال پا جاتے' بلکہ ضرورت کے مطابق حسب استعداد ملتے اور ترقی پاتے ہیں' اور پیدائش کے چند ماہ بعد یہ تکمیل کو پہنچتے ہیں' کیونکہ وجود کی بقا' اور ضروریات کی تکمیل ابھی سے ان پر رفتہ رفتہ موقوف ہوتی جاتی ہے'

محسوسات کے بعد بدیہیات اولیہ کا درجہ آتا ہے انسان کو اپنے اس علم میں بھی وہی ازعان و قطعیت ہوتی ہے دو دو چار ہوتے ہیں وغیرہ' ان بدیہی علوم کو ہر شخص مانتا' اور تسلیم کرتا ہے' مگر اس کا علم انسان کو بچپن میں نہیں ہوتا' بلکہ تمیز و رشد کے بعد ہوتا ہے کیونکہ اسی وقت اس کی ضرورت پیش آتی ہے اگر یہ علوم اس سن میں اس کو عطا نہ ہوں تو وہ دنیا کے ضروری کاروبار چلانے کے لائق ہو نہ دوسرے علوم کی دریافت کی' اس میں استعدا پیدا ہو' فطری احمق اور بیوقوف ان ہی کو کہتے ہیں' جن میں ان بدیہیات کا علم کم یا بالکل نہیں ہوتا'

عالم معقولات

سب سے اخیر میں اس علم کا درجہ آتا ہے' جو وجدانیات فطریات' بدیہیات اور محسوسات پر قیاس کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے' اور جس کو علم معقولات کہتے ہیں' اسی علم اور اسی کی قوت کی کمی بیشی کا نتیجہ ہے کہ انسانی عقلیں درجہ اور مرتبہ مین متفاوت ہوتی ہیں' ایک طرف تو (کمی کی سمت میں) وہ حماقت تک پہنچ جاتی ہیں' اور دوسری طرف (سمت کمال میں) عاقل' عاقل تر اور عاقل ترین طبقہ تک پہنچ جاتی ہیں' یہاں تک کہ وہ درجہ بھی آتا ہے کہ کسی کی عقل اس مرتبہ تک جا پہونچتی ہے' جہاں کوئی اس کا دوسرا حریف اور ہمسر نہیں ہوتا' ایک جاہل حبشی سے لیکر ارسطو اور بوعلی سینا تک سب انہی عقلی مدارج کے مختلف انسانی نظائر ہیں بااین ہمہ یہ ظاہر ہے کہ اس علم کا طریقہ نہایت پر خطر اور منزل مقصود ہمیشہ مشکوک رہتی ہے'

Marfat.com

روحانی ذریعہ علم

عام طور سے انسانی علم کے پانچ ذرائع سمجھے جاتے ہیں' لیکن درحقیقت ایک اور ذریعہ بھی ہے جس کا تعلق تمام تر ماورائے مادہ سے ہے' غور کیجئے کہ آپ کا سب سے پہلا علم یعنی وجدانیات آپ کے اندرونی حواس کا نتیجہ ہے' دوسرا یعنی فطریات کا علم خالق فطرت خود آپ کے اندر ودیعت رکھتا ہے' تیسرا علم یعنی محسوسات کا علم آپ کے ان ظاہری حواس کا نتیجہ ہے شروع کریں جو گو باہر ہیں مگر آپ کے جسم کے اندر ہیں' آپ کا چوتھا ذریعہ علم یعنی بدیہیات اولیہ آپ کے حواس اور ذہن کا ایک مشترکہ فیصلہ ہیں' پانچواں ذریعہ علم جو آپ کی عقل و ذہن کی قیاس آرائی ہے' وہ آپ ہی کے اندر کے دماغی قوی کا عمل ہے تھوڑے تامل سے معلوم ہو گا کہ آپ کا علم وجدان سے لیکر ذہن تک بتدریج مادیت سے ترقی کرکے ماورائے مادہ کے قریب تک پہنچتا ہے' وجدان تمام تر ہماری اندرونی جسمانی مادیت ہے' جس میں کوئی شک نہیں' محسوسات بھی ہمارے ہی جسم کے مادی آلات علم کے نتائج ہیں' بدیہیات' ہمارے حواس سے جو مادی ہیں' اور ہمارے ذہن سے جو غیر مادی ہے مشترک تعلق رکھتے ہیں' یعنی بدیہیات مادی اور غیر مادی ذرائع علم کے بین بین ہیں' اور معقولات تمام تر ذہنی اور غیر مادی ہیں تاہم اس غیر مادی قوت کا مرکز ہمارا مادی جسم ہی ہے۔ اور اس حد تک اس غیر مادی قوت کا ارادہ سے تعلق بہرحال ہوتا ہے'

اب اس کے بعد اس علم کا درجہ آتا ہے' جس کی سرحد اس کے بعد آتی ہے اور جس کا تعلق مادہ سے اتنا بھی نہیں ہوتا' جتنا معقولات اور ذہنیات کا ہے وہ تمام تر مادہ اور مادیات سے پاک ہوتا ہے اس کو مادہ سے اسی قدر لگاؤ ہوتا ہے کہ وہ علم مادی دل و دماغ کے آئینہ پر اوپر سے آکر اپنا عکس ڈالتا ہے'

فراست' حدس' کشف' الہام اور وحی

روحانی یا غیر مادی علم کے بھی بہ ترتیب مختلف درجے ہیں' جن کو فراست' حدس' کشف الہام اور وحی کہتے ہیں' اور جس طرح انسانی علم کے مذکورہ بالا پانچوں ذریعے انسان کے جسمانی قوی سے متعلق تھے' اسی طرح یہ غیر مادی ذرائع انسان کے روحانی قوی سے وابستگی رکھتے ہیں اور جس طرح وجدانیات سے لے کر عقلیات تک بہ ترتیب ہمارا ذریعہ

Marfat.com

علم خالص مادی' کامل مادی' کم مادی' اور برائے نام مادی تک ترقی کرتا چلا گیا ہے' اسی طرح فراست' حدس' کشف' الہام اور وحی بھی برائے نام مادی و روحانی سے لیکر پھر روحانی کامل روحانی' اور خالص روحانی کے ذریعہ تک ترقی کرتے چلے گئے ہیں'

فراست

فراست کے لفظی معنی تاڑ جانے کے ہیں' تاڑ جانے کی قوت ہر شخص میں نمایاں نہیں ہوتی مگر جس میں نمایاں ہوتی ہے' اس کو یہ کیفیت ایک ملکہ کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے جو تجربہ کی کثرت اور عمل کی مہارت اور کمال کے بعد انسان کو حاصل ہو جاتا ہے اور جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کسی چیز کے دیکھنے' سننے' چکھنے' سونگھنے یا چھونے کے ساتھ ہی صرف بعض علامتوں کے جان لینے سے دوسری متعدد ضروری علامتوں پر تفصیلی نظر ڈالے بغیر اتنی جلدی انسان صحیح نتیجہ تک پہنچ جاتا ہے کہ دیکھنے والوں کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ غیب کی بات بیان کر رہا ہے حالانکہ اس کا علم تمام تر ظاہری علامتوں اور نشانوں پر مبنی ہوتا ہے جن کو ہر شخص دیکھ سکتا ہے مگر دیکھتا تھا' ایسے ماہر فن اور ذی فراست اشخاص برابر ہر شخص کے مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں' جرائم کے پتہ لگانے والے ماہرین اور جاسوس اپنے فن کی فراست میں یہ کمال رکھتے ہیں' کہ صورت دیکھی اور تاڑ گئے' اسیطرح ہر علم وفن کے ماہروں کو اپنے اپنے فن کے اندر یہ ملکہ حاصل ہوتا ہے' اخیار اور نیکو کاروں کو اپنی جماعت کے افراد کے پہچان لینے اور جان لینے کی طاقت بھی اسی طرح حاصل ہوتی ہے' اور اسی کو ایک حدیث میں ان الفاظ میں ادا کیا گیا ہے'

اتقوا فراسة المومن فانه ينظر بنور الله' (ترمذی)

مومن کے تاڑ لینے سے ڈرو کہ وہ خدا کی روشنی سے دیکھتا ہے'

حدس

فراست کے بعد حدس کا درجہ ہے' فراست کے ابتدائی مقدمات حواس پر مبنی ہوتے ہیں' لیکن حدس کے ابتدائی مقدمات ذہنی اور عقلی ہوتے ہیں اور ان ہی ذہنی اور عقلی مقدمات کے غور و فکر' تلاش اور ترتیب سے نتیجہ حاصل ہوتا ہے' مگر فطری کمال یا فن کی حاصل کردہ مہارت کے سبب سے غور و نظر' فکر و تلاش' اور ترتیب مقدمات کے منطقیانہ مرحلوں کو ذہن رسا اس تیزی اور سرعت کے ساتھ طے کر کے آخری نتیجہ تک

Marfat.com

پہنچ جاتا ہے کہ خود اس کو بھی اس کا احساس نہیں ہوتا' کہ اس نتیجہ کے حاصل کرنے میں اس نے کوئی دماغی عمل بھی کیا ہے یہ چیز بھی اکثر کامل العقل اور صائب الرائے انسانوں کو فطرتاً عطا ہوتی ہے' اور دنیا کے مشہور عقلا' اور دانایان روزگار کے واقعات میں اس کی کثرت سے مثالیں ملتی ہیں'

کشف

کشف کے لفظی معنی تو کھولنے اور پردہ اٹھانے کے ہیں' مگر اس سے مقصود یہ ہے کہ مادیت کے ظلماتی پردہ کو چاک کرکے مادی چیز روحانی عالم میں مشاہدہ کے سامنے آجاتی ہے' وہ کبھی اصلی صورت میں اور کبھی .... اپنی مثالی صورت میں نظر آتی ہے عالم لوگوں کے سمجھنے کے لئے اس کی بہترین مثال خواب کی ہے فرق اتنا ہے کہ خواب عالم خواب کی بات ہے اور کشف عالم بیداری کی' جس طرح عام لوگوں کو خواب میں جب ظاہری حواس بیکار ہو جاتے ہیں ایسی چیزیں معلوم ہوتی ہیں' جو کبھی کبھی عین واقعہ ثابت ہوتی ہیں' اسی طرح خاص لوگوں پر بیداری ہی میں ظاہری حواس کے تعطل سے ایسا سماں پیش آتا ہے' ہر شخص کے تجربہ میں ایسے متعدد حیرت انگیز واقعات گذرتے رہتے ہیں۔

الہام

الہام کے لفظی معنی "دل میں ڈالنے" کے ہیں اور اس سے مراد وہ علم ہے جو محنت' تلاش' تحقیق' غور اور ترتیب مقدمات کے بغیر خود بخود دل میں آتا ہے۔ کیوں آتا ہے اور کہاں سے آتا ہے' اس کے جوابات مختلف ہو سکتے ہیں' مگر یہ واقعہ ہے' کہ وہ آتا ہے' اور اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا' اس کی ابتدائی اور معمولی مثالیں وہ خیالات ہیں جو محققین' علماء شعرا اور موجدین کے ذہن میں پردہ عدم سے پہلے پہل آتے ہیں اور وہ ان کو دنیا کے سامنے اپنی ایجادات کی صورت میں پیش کرتے ہیں'

وحی

وحی کے لغوی معنی کسی کا اپنے دلی منشا کو لبوں کو جنبش دیئے بغیر اخفاء اور آہستگی کے ساتھ دوسرے پر ظاہر کر دینا ہیں' اور اصطلاحاً اس کے معنی خدا کا اپنے دلی منشا سے اپنے خاص بندوں کو کسی غیبی ذریعہ سے مطلع کرنا ہیں' یہ علم و اطلاع کے روحانی ذریعوں کی

Marfat.com

آخری سرحد ہے'

جس طرح علم کی تین جسمانی قسمیں یعنی وجدانیات' حسیات اور بدیہیات عام انسانوں کے ذریعہ یقینی ہیں' اسی طرح روحانی ذرائع علم کے یہ تین ذریعے کشف' الہام اور وحی انبیا علیم السلام کے لئے یقینی ہیں' اور جس طرح علم کے مادی ذریعوں میں سے یقین کا سب سے پہلا ذریعہ وہ ہے جو تمام تر مادی ہے یعنی وجدان' پھر حس ظاہر' اور پھر بدیہیات' اسی طرح علم کے روحانی واسطوں میں سب سے زیادہ یقینی وہ ہے' جو تمام تر روحانی ہے' یعنی وحی' پھر الہام پھر کشف'

1۔ وحی (اشارہ) یعنی دل میں کسی معنی کا بغیر آواز اور الفاظ کے آجانا' یہ اگر حالت بیداری میں ہے تو کشف ہے اور اگر خواب میں ہے تو رویا ہے'

2۔ خدا کا پردہ کے پیچھے سے بات کرنا' یعنی متکلم نظر نہیں آتا' مگر غیب سے آواز آتی ہے اور الفاظ سنائی دیتے ہیں' اس کو الہام کہہ لو'

3۔ فرشتہ کے ذریعہ سے بات کرنا' یعنی فرشتہ خدا کا پیغام لے کر سامنے نظر آتا ہے اور اسکے منہ سے وہ الفاظ ادا ہوتے ہیں جن کو سن کر نبی محفوظ کر لیتا ہے' اسی کو عام طور سے وحی کہتے ہیں' کیونکہ قرآن پاک کا نزول اسی آخری طریقہ سے ہوا ہے لیکن اس شہرت عام کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ اور دوسرے دو طریقے وحی کی قسمیں نہیں ہیں' وحی کی ان اقسام کا ذکر سورہ شوریٰ میں ہے۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَاءُ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ (شوریٰ رکوع 5)

اور کسی آدمی کی یہ مجال نہیں کہ اللہ اس سے بات کرے لیکن وحی (اشارہ) سے یا پردہ کے پیچھے سے یا کسی قاصد کو بھیجے تو وہ خدا کے حکم سے خدا جو چاہے اس کو وہ وحی کر دیتا ہے بیشک اللہ بلند اور حکمت والا ہے۔

مکالمہ الٰہی کے یہ تینوں طریقے' یعنی وحی (اشارہ) سے بات کرنا' پردہ کے پیچھے سے بات کرنا' اور فرشتہ کے ذریعہ سے بات کرنا' وحی کی یہ تین مختلف اور تینوں مذکورہ بالا طریقوں میں سے جس طریقے سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غیبی تعلیم و اطلاع دی گئی ہے اس کو بھی وحی کے لفظ سے تعبیر کیا ہے' یعنی وہ عام مکالمہ الٰہی کے مرادف بھی مستعمل ہوا ہے'

Marfat.com

مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰىۙ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی' (نجم رکوع 1)
نبی خواہش نفس سے کلام نہیں کرتا بلکہ وہ وحی ہوتی ہے' جو اس کو کی جاتی ہے۔

الغرض اسی امتیاز کے لئے علمی اصطلاحات میں ان تینوں طریقوں کے لئے کشف' الہام اور وحی کے تین علیحدہ علیحدہ الفاظ وضع کر دیئے گئے ہیں' تاکہ بول چال میں ہر روحانی طریقہ' گفتگو دوسرے سے ممتاز ہو جائے' بیداری میں اشارہ سے بات کرنا کشف ہے اور خواب کے عالم میں رویا ہے' پردہ کے پیچھے سے آواز کا آنا الہام ہے' اور فرشتہ کی درمیانگی سے بات کرنا وحی ہے۔ (سیرت النبی ﷺ جلد 4 صفحہ 55 تا 65)

کتاب اور سنت میں فرق

وہ علم جو پیغمبر کے ملکہ نبوت یا نور نبوت' یا فہم نبوت کا نتیجہ ہوتا ہے پہلا علم اصلی اور دوسرا ضمنی ہے یا پہلا اصولی اور دوسرا فروعی ہے' یعنی علم اول' پیغمبر پر شریعت کے غیر متبدل اور ازلی احکام کلیہ اور مہمات کو واضح کرتا ہے' اور یہ دوسری قسم کا علم ہی روایت اور احادیث کی صورت میں ہے' اور جس کو اہل اصول اصطلاحاً سنت کہتے ہیں' یعنی کتاب اصولی احکام ہیں اور سنت ان اصولی احکام کی عملی تشریح اور بیان ہے' کتاب براہ راست وحی الٰہی کا نتیجہ ہے۔ اور سنت ملکہ نبوت اور فہم نبوی کا' کتاب بلفظہ وحی ہے' اور سنت بالمعنی وحی ہے۔

وحی متلو اور وحی غیر متلو

بعض علمائے اصول نے کتاب اور سنت دونوں کو وحی مانا ہے' اور ان دونوں کے درمیان تفریق یہ کی ہے کہ کتاب اس وحی کا نام ہے' جس کی تلاوت کیجاتی ہے' اور سنت اس وحی کو کہتے ہیں جس کی تلاوت نہیں کی جاتی' اس تشریح کا مقصود حقیقتہ تلاوت وعدم تلاوت کا فرق نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ کتاب میں معنی کے ساتھ الفاظ بھی وحی کئے گئے ہیں اور وہ الفاظ بھی محفوظ ہیں' انکا حرف حرف اور نقطہ نقطہ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ کی پیشن گوئی میں داخل ہے' اور اس لئے اس میں الفاظ کی کمی بیشی اور حذف و اضافہ محال ہے اور سنت میں الفاظ کی نہیں صرف معانی کی حفاظت ہے اسی لئے کتاب کی وحی مدون' مکتوب اور محفوظ کی گئی' اور نماز میں اس کی قرات کا حکم ہے اور یوں بھی عام طور سے اس کی تلاوت مسنون ہے' اور سنت کی وحی الفاظ کے ساتھ مقصود نہیں' اس لئے اس کی

Marfat.com

لفظی حفاظت کو اتنی اہمیت نہیں دی گئی' اور نہ نماز میں اس کے الفاظ قرات کیے جا سکتے ہیں' اور نہ ان کی تلاوت کی جاتی ہے اور نہ ان کو کتاب الٰہی کہا جاسکتا ہے' مگر بلحاظ معنی اصولی حیثیت سے ان کی حفاظت خود قرآن نے اپنے اندر کرلی ہے' اور جزئیات کی حیثیت سے گو الفاظ میں نہیں' مگر عمل خود رسول اور اس کے پیرووں اور پھر ان کے پیرووں کے مسلسل تعامل سے' یہاں تک کہ آج بھی تمام مسلمانوں کے عملدر آمد سے عملی تواتر کی صورت میں محفوظ ہے' اور بعد کے اماموں نے اچھی طرح تحقیق کر کے الفاظ اور کتب حدیث کے اوراق میں بھی ان کو محفوظ کر دیا ہے'

سنت کو وحی کہنا اس لحاظ سے ہے کہ اس کے جزئیات اصولاً وحی حقیقی یعنی کتاب کے اندر داخل ہیں' اور اس کی کلیت میں سنت کے تمام احکام مندرج ہیں' بنا بریں چونکہ سنت وحی کے کلی منشا کے اندر داخل ہے' وہ بھی ضمنی حیثیت سے وحی کہی جاسکتی ہے' لیکن چونکہ اس کے الفاظ کی تعیین خدا کی طرف سے نہیں' اس لئے وہ غیر متلو ہے'

کتاب و سنت کا فرق

کتاب کی اصلی حیثیت کلی قانون کی ہے' قانون کے اصل منشا کی حفاظت اور وضاحت کے لئے نہ صرف اس کے ایک ایک لفظ کے محفوظ رہنے کی ضرورت ہوتی ہے' بلکہ اس کے ایک ایک نقطہ' شوشہ' وقف' وصل' فصل' عطف' قطع' تقدم' تاخر یعنی آج کل کی اصطلاح میں ایک ایک ڈیش اور کامے کی بعینہٖ حفاظت کی ضرورت ہے ورنہ ذرا سے تغیر میں قانون کا مطلب کچھ کا کچھ ہو جا سکتا ہے' اور "سنت" کی یہ کلی قانونی حیثیت نہیں ہے بلکہ وہ اس کلی قانون کی تشریحات' تفصیلات اور جزئیات ہیں' جو حقیقت اس کلی قانون کے اندر مندرج تھے' مگر چونکہ عام لوگوں کی فہم میں نہیں آتے تھے' یا عام لوگ ان کو سمجھتے نہ تھے اس لئے صحابہ ؓ کے دریافت کرنے پر یا خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی ضرورت محسوس فرما کر اس کو کھول کر بیان کر دیا۔ (بحوالہ سیرت النبی ج 4 صفحہ 78 تا 80)

اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے عقیدہ کا اخلاق انسانی پر اثر

اللہ تعالیٰ کے ان اسما وصفات کا عقیدہ دین محمدی ﷺ میں محض نظری نہیں' بلکہ عملی حیثیت بھی رکھتا ہے یعنی اس کے یہ محامد و اوصاف اخلاق انسانی کا معیار ہیں' ان

Marfat.com

اوصاف کو چھوڑ کر جو اس ذوالجلال کے لیے خاص ہیں' اور جو بندہ کی حیثیت اور طاقت سے زیادہ ہیں' بقیہ اوصاف و محامد انسان کے لیے قابل نقل ہیں کہ وہ خدا کے محامد و اوصاف سے دور کی نسبت رکھتے ہیں' اسی لیے انسان کا فرض ہے کہ اگر وہ خدا سے نسبت پیدا کرنا چاہتا ہے تو اپنے اندر اس کے محامد و اوصاف سے نسبت پیدا کرے' اور ان کو خوبیوں کا انتہائی معیار جان کر ان کی نقل و پیروی کی خواہش کرے۔

آدم کا بیٹا زمین میں خدا کا خلیفہ اور نائب بنایا گیا ہے' خلیفہ اور نائب میں اصل کے اوصاف و محامد کا پر تو جتنا زیادہ نمایاں ہو گا' اتنا ہی وہ اپنے اندر اس منصب کا استحقاق زیادہ ثابت کرے گا' اور نیابت کے فرائض زیادہ بہتر ادا کر سکے گا' یہاں تک کہ اس میں وہ جلوہ بھی نمایاں ہو گا جب وہ سر تا پا خدائی رنگ میں رنگ کر نکھر جائے گا۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً (بقرہ۔ رکوع 16)

خدا کا رنگ اور خدا کے رنگ سے کس کا رنگ اچھا ہے'

تمام اہل تفسیر متفق ہیں کہ اس "خدائی رنگ" سے مقصود خدا کا "دین فطرت" ہے۔

یہ حدیث اوپر گزر چکی ہے کہ انَّ اللّٰہ خَلَقَ آدم علی صورته خدا نے آدم کو اپنی صورت پیدا کیا' اور ساتھ ہی اس کی تشریح بھی گذری ہے کہ اس "صورت" سے مقصود جسمانی نہیں معنوی شکل و صورت میں یعنی یہ کہ خدا نے انسان میں اپنے صفات کاملہ کا عکس جلوہ گر کیا ہے ان کے قبول کرنے کی صلاحیت عطا کی ہے' اور ان میں حد بشری تک ترقی کی استعداد بخشی اور انسان کو اخلاق و صفت میں ملاء اعلی سے تشبیہ اور مشکلی کا جوہر مرحمت فرمایا ہے' اور یہی صوفیاء اور خاصان خدا کے اس مقولہ تَخَلَّقُوا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ "خدا کے اخلاق اپنے اندر پیدا کرو" اس کا مطلب ہے' حدیث میں یہی مفہوم بروایت طبرانی ان الفاظ میں ادا کیا گیا ہے کہ حسن الخلق خلق الله الاعظم حسن خلق خدا تعالیٰ کا خلق عظیم ہے"۔ (کنز العمال ج 12 صفحہ 11 عن عمار بن یاسرؓ)

اللہ تعالیٰ کے صفات کاملہ کی تین قسمیں ہیں' جلالی' کمالی اور تنزیہی' صفات جلالی جو کبریائی عظمت' شہنشاہی اور بڑائی کے اوصاف ہیں' اللہ تعالیٰ کے سوا مخلوقات اس کی مستحق نہیں اور نہ یہ اوصاف بندگی عبودیت کے رتبہ کے مناسب ہیں' انکا انعکاس یہ ہے کہ بندوں میں انکے مقابل کے صفات پیدا ہوں یعنی عاجزی' تواضع' فروتنی اور خاکساری

Marfat.com

اسی لیے ترفع تکبر اور بڑائی کا اظہار منع ہے اور اسی لیے آدم جس نے فروتنی اختیار کی اور قصور کا اعتراف کیا۔ وہ مغفرت کے خلعت سے سرفراز ہوا' شیطان جس نے ترفع اور غرور ظاہر کیا دائمی لعنت کا مستحق ٹھہرا'

اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ وَ کَانَ مِنَ الْکَافِرِیْنَ (بقرہ رکوع 4)

اس نے (آدم کے سجدہ سے) انکار کیا اور غرور کیا اور کافروں سے ہو گیا۔

(سیرۃ النبی ج 4۔ صفحہ 516 - 517)

پیغمبر اور غیر پیغمبر میں فرق و امتیاز

قرآن حکیم میں حضور ﷺ کی زبانی یہ اعلان ہوا:۔

اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰی اِلَیَّ (کہف رکوع 12)

میں تمہاری ہی طرح بشر ہوں' مجھ پر وحی کی جاتی ہے'

بشریت میں گو پیغمبر کو دوسرے انسانوں کی مثل کہا ہے' مگر ساتھ ہی وحی کے فرق و امتیاز کو دونوں میں حد فاصل قرار دے دیا ہے' کیونکہ مابعد الطبیعاتی حقائق و مسائل کے بارے میں --------- صرف نبی ہی رہنمائی کر سکتا ہے۔

نبوت کے تفصیلی ثبوت کے تین طریقے ہیں':۔

پہلا طریقہ

انسان میں تین قسم کے اختیاری حرکات پائے جاتے ہیں' فکری' قولی' عملی' ان تینوں سے جو افعال سرزد ہوتے ہیں' وہ اچھے بھی ہوتے ہیں' اور برے بھی' فکر یعنی رائے صحیح بھی ہوتی ہے' اور غلط بھی قول سچ بھی ہوتا ہے' اور جھوٹ بھی' عمل اچھا بھی ہوتا ہے اور برا بھی'

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صحیح اور غلط' سچ اور جھوٹ' اور اچھے اور برے میں تمیز کیونکر ہو؟ پھر کیا یہ تمیز ہر شخص کر سکتا ہے' یا کوئی نہیں کر سکتا' یا بعض کر سکتے ہیں اور بعض نہیں' پہلے دو احتمال بداہتہ غلط ہیں' اب رہ گیا تیسرا احتمال' یعنی بعضے انسان ایسے ہوتے ہیں جو ان حدود کو متعین کر سکتے ہیں' کہ فلاں رائے و عقیدہ صحیح اور فلاں غلط' فلاں قول سچ ہے فلاں جھوٹ ہے اور فلاں فعل اچھا' اور فلاں برا ہے' جس شخص کو خالق فطرت اپنے فضل و کرم سے یہ قوت عطا فرماتا ہے' وہی پیغمبر اور صاحب شریعت ہوتا

Marfat.com

ہے۔

دوسرا طریقہ

نوع انسان کو اپنے' اختیاری اعمال و حرکات اور مصلحتی معاملات میں باہمی اجتماع اور تعاون کی ضرورت ہے' اگر انسانوں میں باہم یہ اجتماع اور تعاون نہ ہو تو نہ تو انسان کا کوئی فرد زندہ رہے' نہ جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت ہو سکے' اسی بقائے نفس اور جان و مال و آبرو کے تحفظ کے اصول و آئین کا نام شریعت ہے انسان کو اس کے لیے دو قسم کے کاموں کی ضرورت ہے ایک یہ کہ اچھے کاموں میں سب مل کر ایک دوسرے کا ہاتھ بٹائیں' اس کو تعاون کہتے ہیں' اور دوسرے یہ کہ برے کاموں سے ایک دوسرے کو باز رکھنے کی کوشش کرے اس کو تمانع کہتے ہیں' اسی تعاون کے ذریعہ سے انسان' کھانے' پہننے' اور رہنے کے سامان و اسباب فراہم کرتا ہے تعاون کے ذریعہ نکاح و قرابت اولاد و اعزہ اور احباب و دوست کے حقوق و تعلقات پیدا ہوتے ہیں' اور تمانع کے ذریعہ سے نوع انسانی' اور افراد انسانی کی زندگی' اور ان کی دولت و جائداد' اور عزت و آبرو کے بچاؤ کی صورت پیدا ہوتی ہے' اس تعاون اور تمانع کے اصول ضروری ہے کہ مرتب محدود' اور معلوم ہوں' اور وہ اس طرح بنائے جائیں' جن میں کسی شخص' خاندان' قبیلہ' قوم' اور ملک کے فوائد کی ترجیح نہ ہو' بلکہ ان میں سب کا برابر فائدہ ہو' یہ ظاہر ہے کہ ایسا قانون انسانوں کے ذریعہ نہیں بلکہ وحی ربانی' اور تعلیم الٰہی سے بن سکتا ہے' مطلب یہ ہے کہ محض کسی انسان کی عقل سے جو بہر حال کوئی خاص شخص یا کسی خاص خاندان قبیلہ' قوم اور ملک کا ہو گا' ایسا غیر جانبدارانہ قانون جس میں تمام مخلوقات کی حیثیت یکساں ہو' اور کسی طرف پلہ جھکنے نہ پائے' اور تمام عالم کے لیے یکساں واجب العمل ہو محال ہے' اس لئے ضروری ہے کہ یہ اصول اس کی طرف سے وحی ہوں جس کے ہاتھ میں نظام عالم کی باگ ہے' اور جو پورے نوع انسانی کے اندرونی و بیرونی احوال و کیفیات کے رموز سے باخبر ہے' یہ اصول خلاق عالم کی طرف سے جس شخص پر وحی ہوتے ہیں وہی پیغمبر اور رسول ہوتا ہے'

تیسرا طریقہ

یہ وہ طریقہ ہے کہ جس نے اس کو نہیں جانا' اس نے نبوت کی حقیقت نہیں پہچانی'

Marfat.com

پہلے یہ جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے دو کام ہیں' خلق (پیدا کرنا نیست سے ہست کرنا) اور امر (جو موجود و ہست ہے اس کو اپنی مصلحت کے مطابق حکم دینا). کائنات ان ہی چیزوں سے عبارت ہے تو جس طرح فرشتے خالق اور مخلوق کے درمیان خلق و ایجاد و پیدائش اور پیغام رسانی میں واسطہ ہیں' اسی طرح پیغمبر' خدا اور بندہ کے درمیان احکام کے پہنچانے میں واسطہ ہیں' اور جس طرح خدا پر بحیثیت خالق اور آمر (پیدا کرنے والے اور حکم دینے والے) کے ایمان لانا واجب ہے' اسی طرح فرشتوں پر اس حیثیت سے کہ وہ خالق و مخلوق کے درمیان ایجاد و پیدائش اور پیغام رسانی کے واسطہ ہیں' ایمان لانا ضروری ہے' اور اسی طرح پیغمبروں پر اس حیثیت سے ایمان لانا فرض ہے کہ وہ خدا اور بندہ کے درمیان حکم کے پہنچانے کا واسطہ ہیں'

اس کے بعد حسب ذیل مقدمات ذہن نشین رکھنے چاہئیں'

1۔ چونکہ ممکن کا وجود اور عدم برابر ہے' اس لئے ممکن ہے کہ وجود میں آنے کے لیے ایک مرجح کا ہونا ضروری ہے' جس کی وجہ سے وجود کو عدم پر ترجیح ہو' اور وہ شے عدم سے وجود میں آسکے یہی امر مرجح ممکن کی علت ہوتا ہے'

2۔ ہر قسم کے حرکات کے لئے ایک محرک کی ضرورت ہوتی ہے' جو دمبدم حرکت کی تجدید کرتا رہے' حرکات کی بھی دو قسمیں ہیں طبعی اور ارادی' ارادی حرکت کے لیے ضروری ہے کہ اس کے محرک میں ارادہ اور اختیار پایا جائے' اسی طرح طبعی حرکت کے لئے بھی یہ ضروری ہے' کہ اس کا محرک عقل اور تدبیر والا ہو' آفتاب و ماہتاب اور دوسری آسمانی مخلوقات کی حرکات گو طبعی ہیں' تاہم ان کو حرکت دینے کے لیے کسی عاقل و مدبر کی ضرورت ہے اسی لیے قرآن نے ان کے لیے کہا

وَاَوْحىٰ فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا (السجدہ)

خدا نے ہر آسمان میں اس کا فرض اور کام وحی کیا'

یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو وحی کرکے انہیں اپنے حکم کا پابند بنا دیا ہے۔

3۔ اب جس طرح انسانی حرکات کو ارادہ اور اختیار کی حاجت ہے' یعنی ارادہ اور اختیار کے بغیر وہ وقوع میں نہیں آسکتیں اسی طرح ان حرکات کو ایسے رہنما کی ضرورت ہے' جو ان اعمال و حرکات کا ٹھیک راستہ اور صحیح طریقہ بتائے' اور حق کو باطل سے سچ کو جھوٹ سے' اور خیر کو شر سے ممتاز کر دے'

Marfat.com

4۔ خدا کے حکم دو قسم کے ہیں' تدبیری اور تکلیفی' پہلا حکم تمام نظام عالم میں جاری ہے' جس کی بنا پر تمام عالم میں تدبیر اور انتظام کا سلسلہ نظر آتا ہے' قرآن مجید میں ہے۔
وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرَاتٍ بِاَمْرِهٖ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ (اعراف رکوع 7)
اور سورج اور چاند اور ستارے اس کے حکم کے تابعدار ہیں اسی کا کام ہے پیدا کرنا اور حکم فرمانا'
تکلفی حکم صرف انسان کے لیے ہے' چنانچہ قرآن میں ہے'
یٰاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ (بقرہ رکوع 4)
اے انسانو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تم کو پیدا کیا'
مقدمات مذکررہ بالا سے ثابت ہوا کہ انسان کے تمام حرکات ممکن ہیں' اسی لیے مرجح کی ضرورت ہے اختیاری ہیں' اس لئے' عقل کی ضرورت ہے' خیر و شر کے محتمل ہیں' اس لئے رہنما کی ضرورت ہے اور دین حق میں اسی کا نام پیغمبر علیہ السلام ہے۔ (سیرت النبی جلد 4 صفحہ 8 تا 11)

ایمان کی تعریف

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ لکھتے ہیں کہ انبیاء کی تعلیم کو دل و دماغ سے ماننے کا نام ایمان ہے۔
ہمارا عقیدہ ہے کہ زبان) اور دل سے اقرار کرنا اور اس کے ارکان پر عمل کرنا ایمان کہلاتا ہے نیک کام کرنے سے ایمان میں زیادتی ہوتی ہے اور برے کام کرنے سے ایمان کمزور ہوتا ہے۔ حصول علم ایمان کے استحکام کا باعث ہوتا ہے۔ اس کے برعکس جہالت سے ایماان میں کمزوری آتی ہے۔ مسلمان بندوں کے دل میں اللہ تعالیٰ نور ایمان کو بڑھاتا ہے' جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:۔
فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّهُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ (توبہ - 124)
تحقیق جو لوگ ایمان لائے' ان کا ایمان اس سے بڑھتا ہے اور وہ خوش رہتے ہیں۔
یہ بھی ظاہر ہے کہ جس چیز میں اضافے کا امکان ہوتا ہے اس میں کمی کی بھی گنجائش ہوتی ہے' اس لئے ایمان میں نقصان بھی آسکتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے کہ:۔
وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا۔ (انفال 2)

Marfat.com

جب ان کے سامنے آیات پڑھی جاتی ہیں۔ اس وقت ان کا ایمان بڑھتا ہے۔
اور فرمایا:۔
لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا۔ (74-31)
جن لوگوں کو کتاب دی گئی' انہیں یقین کرنا چاہیے کہ جو اس (کتاب) پر ایمان لائے۔ ان کا ایمان مضبوط ہے۔

ابن عباسؓ ' ابو ہریرہؓ اور ابی درداؓ سے روایت ہے کہ ایمان میں کمی اور زیادتی دونوں ہوتے ہیں لغت عرب میں ایمان کے معنی دل کا یقین اور شریعت میں ایمان کے معنی خدا کے وجود کا یقین کرنا خدا کے ناموں اور اس کی صفات کو پہچاننا اور یقین رکھنا ایمان اسلام ہی کا ایک جزو ہے۔ (غنیۃ الطالبین اردو ترجمہ مطبوعہ دیوبند صفحہ 143 ۔ 144)۔

اسلامی عقائد (ایمان اور عملی زندگی)

جیسا کہ پہلے بھی یہ ذکر آچکا ہے کہ آدمؑ حواؑ کو جنت سے نکلوانے والا شیطان ہے اور وہ ہر انسان کا ازلی دشمن ہے۔ ایمان حاصل کرنے کے بعد شیطان یا ابلیس اہل ایمان سے یہ توشہ چھیننے کی کوشش کرتا ہے۔ اسکے حملہ آور ہونے کے طریقے مختلف ہیں۔
لیکن ہماری نصابی کتابوں میں شیطان اور ابلیس کو کم ہی اہمیت دی جاتی ہے۔ چونکہ اسلامی تعلیمات کا اولین مقصد یہ ہے کہ دین کا صحیح تصور ابھارا جائے اور اس کے اعتزاز سے انسان کو آگاہ کیا جائے اور علم کا عملی زندگی کے ساتھ رابطہ اچھی طرح واضح کیا جائے اس لئے ضروری ہے کہ عقیدہ اور اسلام و ایمان کے بعد ------ ایک مسلمان کو شیطان کی قوت سے آگاہ کیا جائے کیونکہ اس نے اللہ کی بارگاہ سے انسانوں کو گمراہ کرنے کی اجازت حاصل کر رکھی ہے۔ اور اس کا ذکر قرآن حکیم میں بار بار آیا ہے۔ ایک انسان کو ہدایت اللہ تعالیٰ ہی عطا کرتا ہے۔ تاہم چونکہ اسے صاحب اختیار بھی بنایا گیا ہے۔ اس لئے اسکی آزمائش بھی کی جانی لازمی ہے۔ چنانچہ عملی زندگی میں اہل ایمان کو شیطان اور اسکی کارکردگی سے بھی آگاہ رہنا چاہیے۔

Marfat.com

شیطان انسان کے موکل دل کے خطرے نفس اور روح خدا سے پناہ مانگنا

شیطان کے ساتھ جہاد

اسلامی تعلیمات کا تعلق ایمان سے ہے پس اسلام نے شیطان سے بھی خبردار کیا ہے۔
شیخ عبدالقادر جیلانی غنیۃ الطالبین میں قرآنی نصائح کے ذکر میں فرماتے ہیں :۔

شیطان کی شیطنت

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔
فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔ (16 ـ 98)
جب تم قرآن پڑھو تو اللہ کریم کے ہاں شیطان سے پناہ مانگو۔

واقعہ غرانیق

یہ آیت سورہ نحل میں آئی ہے' جو مکہ میں نازل ہوئی۔ اس سورۃ میں ایک سو اٹھائیس آیتیں ہیں۔ ایک ہزار آٹھ سو اکتالیس کلمے ہیں۔ سات ہزار سات سو نو حروف ہیں۔ اس کے نزول کا سبب مفسروں نے یہ بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ مکہ میں تھے کہ نماز فجر میں سورۃ والنجم اور واللیل پڑھی۔ جب اس مقام پر پہنچے "جب تم لات اور عزیٰ' منات کو دیکھو"۔ تو آپ کو اونگھ آگئی' اس حال میں یہ عبارت شیطان نے آپ کی فراست میں ڈال دی کہ یہ بہت بڑے غرانیق ہیں ان سے شفاعت کی امید رکھی گئی ہے' غرانیق سے مراد بت تھی۔ جب مشرکین نے آپ کی زبان سے یہ سنا تو خوش ہوئے کیونکہ وہ بتوں کی شفاعت پر اعتقاد رکھتے تھے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے :۔
مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى۔ (39 ـ 3)
ہم ان کی عبادت نہیں کرتے مگر اس لیے کہ ہمیں اللہ کے قریب کردیں۔

کافر یہ بھی کہتے تھے کہ یہ بت ایسے اجسام ہیں جو گندگی سے پاک ہیں۔ اور اسی پاکی کے باعث یہ پرستش اور عبادت کے لائق ہیں۔ بادشاہوں اور فرشتوں میں ایسی لیاقت نہیں' کیونکہ وہ ارواح ہیں' اور گناہوں سے پاک ہیں چنانچہ انہوں نے بتوں کو غرانیق سے تشبیہ دی۔ غرانیق نر پرندے ہیں' ان کا واحد غرنوق اور غرنیق ہے۔ یہ نام اس لیے رکھا گیا کہ وہ اوپر اڑتے اور آسمانوں تک بلند جاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ غرنیق سفید دریائی پرندہ

Marfat.com

ہے' کلنگ کو بھی کہتے ہیں نازک اندام جوان کو بھی کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت علیؓ کے کلام میں آیا ہے کہ "ایسا معلوم ہوتا ہے میں غرنوق قریش کی جانب دیکھتا ہوں اور وہ خون میں لوٹ رہا ہے"۔ یہاں غرنوق سے جوان مراد ہے۔ مقاتل کا کہنا ہے کہ غرنوق سے فرشتے مراد ہیں۔ کفار کی ایک جماعت فرشتوں کی پوجا کرتی تھی۔ ان کا عقیدہ تھا کہ فرشتے ہمارے لیے شفاعت کریں گے۔

غرض جب آں حضرت ﷺ سورہ والنجم تلاوت فرما چکے تو آپ ﷺ نے سجدہ کیا۔ مسلمان اور کافر جماعت میں موجود تھے ولید بن مغیرہ کے سوا ان سب نے سجدہ کیا۔ یہ ایک بوڑھا شخص تھا' اس نے تھوڑی مٹی ہاتھ میں رکھ لی اور اسے پیشانی کی طرف لے جا کر اس پر سجدہ کر لیا اور کہا کہ میں ام ایمنؓ اور اس کی ہم جلیسوں کی طرح سجدہ کرتا ہوں۔ ام ایمنؓ آں حضرت ﷺ کی خدمت گار تھیں۔ حنین کی لڑائی میں ولید بن مغیرہ مارا گیا۔

یہ دونوں کلمے ہر مشرک کے دل میں بیٹھ گئے۔ یہ شیطانی فتنہ تھا جو اس نے آں حضرت ﷺ کی قرات میں طاغوتوں اور بتوں کے ذکر کے بعد ڈال دیا۔ اور جنہیں سن کر دونوں فریقوں نے آں حضرت ﷺ کی پیروی میں سجدہ کر دیا۔ کافروں اور مسلمانوں دونوں کو اس سے تعجب ہوا۔ مسلمان اس لیے متعجب ہوئے کہ ایمان لانے اور یقین کرنے کے بغیر کافروں نے کیسے سجدہ کر دیا اور مشرک لوگ آں حضرت ﷺ اور ان صحابہؓ سے اس لیے خوش ہوئے کہ انہوں نے وہ کلمے آپ کی زبان مبارک سے سنے جو شیطان نے ان کی قرات میں ملا دیئے تھے۔ اور کہا کہ آں حضرت ﷺ نے اپنے پہلے دین اور اپنی قوم کی طرف رجوع کر لیا ہے۔ انہوں نے سجدہ اسی لیے کیا کہ اس قرات میں ان کے خداؤں کی تعظیم پائی جاتی تھی۔

جب شیطان نے ان کلموں کو مشہور کر دیا اور عام و خاص تک پہنچا دیا تو آں حضرت ﷺ کو بہت رنج ہوا۔ چنانچہ رات کے وقت حضرت جبرائیلؑ آئے اور فرمایا ان دونوں کلمات سے میں خدا کے ہاں پناہ مانگتا ہوں۔ میرے رب نے تو انہیں نازل نہیں کیا۔ نہ ہی انہیں کہنے کا مجھے حکم دیا ہے۔ آں حضرت ﷺ جبرائیلؑ سے یہ سن کر اور ملول ہوئے اور فرمایا میں نے اس بارے میں شیطان کی اطاعت کر لی اور اس کے کہنے کے مطابق ایسا کیا اور اللہ کے کاموں میں شریک کر لیا۔ سو جو کچھ شیطان نے ملایا تھا' خدا نے اسے دور کر

Marfat.com

دیا۔ پھر آپ پر یہ آیت نازل ہو گئی:۔
وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۔ (22-52)

میں نے اس سے پہلے کوئی ایسا پیغمبر نہیں بھیجا کہ جب اس نے میرا کلام پڑھنا شروع کیا تو شیطان نے اس میں دخل نہ دیا پس جو کچھ شیطان ڈالتا ہے خدا اسے دور کر دیتا ہے اور وہ اپنی آیات کو مستحکم کرتا ہے' خدا دانا اور حکیم ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے آں حضرت ﷺ کو شیطان کے مکر و فریب سے پاک صاف کر دیا تو مشرک اپنی گمراہی کے باعث آں حضرت ﷺ سے منحرف ہو گئے۔ خدا نے آنحضرت ﷺ کو حکم دیا کہ شیطان کے مکر سے پناہ مانگئے اور یہ آیت نازل فرمائی:۔

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔ (16 - 98)

جب تو قرآن کی تلاوت کرے تو مردود شیطان سے بچنے کے لیے اللہ سے پناہ مانگ۔

عبداللہ بن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ قرآن شروع کرتے وقت اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ کہہ۔ آں حضرت ﷺ نے فرمایا شیطان پر "اعوذ" سے زیادہ سخت اور دشوار شے کوئی نہیں۔ جو لوگ اللہ پر ایمان لائے ہیں ان پر شیطان غلبہ حاصل نہیں کر سکتا' مگر مشرکوں کو گمراہ کر دیتا ہے۔ جو لوگ خدا پر بھروسہ اور توکل کرتے ہیں' شیطان ان کے نزدیک بھی نہیں آسکتا' مگر جو اپنے کاموں کے لحاظ سے شیطان کے پیرو ہوتے ہیں انہیں گمراہ کرتا ہے' اور مشرکوں کو ان کے ساتھ شرکت کرنے میں مدد دیتا ہے۔

اعوذ کے معنی

اللہ سے پناہ مانگنا' خلاصی پانا اور اللہ کی طرف رجوع کرنا اعوذ کہلاتا ہے۔ اور معاذ کے معنی ہیں جائے پناہ یعنی پناہ لی اس نے ساتھ اس کے۔ وہ اس کے ساتھ پناہ لیتا ہے۔ یعنی میں پناہ مانگتا ہوں جیسے کہ پناہ لینے کی جگہ ہے جس سے میں ڈرتا ہوں۔ یعنی یہ مجھے خلاصی دینے والا اور مجھ سے دور کرنے والا ہے' گویا بندہ خدا سے پناہ لیتا ہے تاکہ وہ اسے شیطان کے شر سے بچائے۔ جب قرآن سے پناہ مانگتا ہے تو اس سے اسے شفا حاصل ہوتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ استعاذہ کے معنی ہیں حرز اور خدا کو قلعہ پکڑنا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم ؑ کی

Marfat.com

والدہ کی حکایت بیان کرتے ہوئے فرمایا' اس نے کہا کہ :-

رَبِّ اِنِّیۡ اُعِیۡذُهَا بِكَ وَ ذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ - (آل عمران 36)

اے پروردگار! میں اسے اور اس کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتی ہوں۔

یعنی حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کو شیطان مردود سے پناہ میں رکھ یعنی میں اللہ تعالیٰ کو ان دونوں کا حرز اور قلعہ بناتی ہوں شیطان مردود سے۔

شیطان کے معنی

شیطان شطن سے نکلا ہے۔ شطن وہ رسی ہے جو لمبی اور کانپنے والی ہوتی ہے۔ دوری کو بھی کہتے ہیں۔ مراد یہ کہ شیطان نیکی سے دور ہو گیا اور بدی میں دراز ہو گیا۔ بدی کرنے پر بے قرار رہتا ہے سو جسے شیطان کہا جاتا ہے اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ اس کے کام شیطان جیسے ہیں۔ ہر بری شے کو شیطان سے تشبیہ دی جاتی ہے' جیسے اس کا منہ شیطان کے منہ جیسا ہے۔ اس کا سر شیطان کے سر کی طرح ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

طَلۡعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوۡسُ الشَّيٰطِيۡنِ (37 - 65)

یعنی اس درخت کی شاخیں شیطانوں کے سروں کی طرح ہیں۔

درخت کو شیطان کے سر سے تشبیہ اس لیے دی کہ سب شیطان سانپ ہیں ان کے سر بدنما اور ناہموار ہیں ان کی گردن کے بال گھوڑے کے بالوں جیسے ہوتے ہیں۔ شیطان لعنت کے ساتھ راندا گیا۔ یہ سزا اس لیے دی گئی کہ اس نے حضرت آدم کو سجدہ نہ کیا اور اللہ کے حکم کی نافرمانی کی۔ جب شیطان نے نافرمانی کا جرم کیا تو فرشتوں نے اسے نیزے مارے اور آسمانوں سے زمین پر پھینک دیا۔ چنانچہ قیامت تک اس پر اور اس کی اولاد پر ستاروں کی بوچھاڑ ہوتی رہے گی۔ خدا فرماتا ہے۔ ان ستاروں کو ہم نے شیطانوں کو دور کرنے والے بنایا ہے۔

شیطان کی حقیقت اور ادب

واللہ' تمام نیکیوں اور بہشت سے شیطان دور ہے اور دوزخ کے قریب! اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر اور اس کی امت کو حکم دیا کہ "تم مردود شیطان سے جو رحمن سے دور ہے پناہ مانگو تاکہ دوزخ کی آگ سے بچ سکو اور بہشت کے ہو جاؤ اور عادل بادشاہ کے چہرے کا دیدار حاصل کر سکو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے میرے بندے! شیطان مجھ سے دور ہے اور

Marfat.com

تو میرے نزدیک ہے۔ ادب سے اپنے حال کو حفاظت میں رکھ تاکہ کسی بہانے شیطان تجھ پر قابو نہ پاسکے۔

ادب حاصل کرنے کا مطلب اور اس کے اسباب یہ ہیں کہ انسان خدا کے احکام بجا لائے' ممنوع کاموں سے باز رہے جان و مال' اہل اولاد اور تمام امور میں تقدیر الہی پر راضی رہے۔ جو شخص ان پر کار بند ہو گا اور ثابت قدمی سے ان پر عمل کرے گا' وہ شیطان کے وسوسوں اور فتنوں سے محفوظ رہے گا۔ نفس امارہ کے فساد اور دھوکہ سے بچے گا۔ قبر کے عذاب' قبر کی تنگی۔ قیامت کے خوف' سختی' دوزخ کے عذاب سے محفوظ رہے گا۔ بہشت میں خدا کے قریب' رسولوں' شہیدوں اور صالح لوگوں کے ساتھ رہے گا' جو بہترین رفاقت ہے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے:۔

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ (15 ـ 42)

اے شیطان! میرے خاص بندوں پر تو قابو نہیں پاسکتا۔

چنانچہ جس بندہ کو اللہ تعالی کی جناب سے بندگی کا تمغہ مل جائے' اس کا دل آلودہ نہ ہو گا۔ اگر شیطان ایسے بندہ کے قریب چلا بھی جائے تو خود ہلاک ہو جاتا ہے۔ اس وقت وہ یہ آواز سنتا ہے کہ جو شخص نفس کی باطل خواہش کو ترک کر دے' حق کی پیروی کرے' اور اس کے ساتھ راہ پائے۔ اسے یہ رتبہ ملتا ہے کہ جب وہ مرجاتا ہے تو اللہ کی بارگاہ میں اس کی روح لے جانے کے لیے فرشتوں میں تکرار ہونے لگتی ہے۔ فرشتوں میں اس شخص کا بزرگ نام پکارا جاتا ہے' خدا ایسے بندے پر فخر کرتا ہے "اس طرح ہم برائی اور بے حیائی کو اس سے دور کر دیتے ہیں' کیونکہ وہ ہمارے خاص بندوں میں سے ہے"۔

جو شخص ظاہر اور باطن میں خدا سے ڈرتا ہے وہ شیطان سے ضرور بچا رہتا ہے۔ یہ بڑی بات ہے کہ بندہ شیطان سے ڈرتا رہے۔ خدا تعالی نے فرمایا:۔

اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا (35 ـ 6)

بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے تم بھی اس سے دشمنی رکھو وہ اپنے گروہ کو اپنی طرف بلاتا ہے تاکہ اس کے ساتھ وہ بھی دوزخ میں جائیں۔ اللہ تعالی فرماتا ہے۔

لَقَدْ اَضَلَّ مِنْکُمْ جِبِلًّا کَثِیْرًا اَفَلَمْ تَکُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ (36 ـ 62)

شیطان نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا' کیا تم نہیں سمجھتے شیطان کی پیروی بدبختی اور رنج کا باعث ہے۔ شیطان کی مخالفت کرنا نیک بختی' نعمت اور راحت کا باعث ہے ایسا شخص

Marfat.com

عاقبت میں آرام میں رہتا ہے۔

اعوذ پڑھنے کے فائدے

اعوذ پڑھنے میں پانچ فائدے ہیں۔(1) آدمی دین پر ثابت قدم رہتا ہے۔(2) شیطان کے شر سے محفوظ رہتا ہے' اور وہ اسے تکلیف نہیں پہنچا سکتا۔ (3) آدمی مضبوط قلعہ میں شیطان سے محفوظ ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے (4) ایسے مقام میں پہنچ جاتا ہے جہاں ہمیشہ امن ہوتا ہے۔ پیغمبروں' صدیقوں' شہیدوں اور نیکو کاروں کی صحبت میسر آتی ہے۔ (5) زمین اور آسمان کے پروردگار کی مدد حاصل ہوتی ہے' جیسا کہ پہلی کتابوں میں آیا ہے کہ جب شیطان نے اللہ سے کہا کہ میں تیرے بندوں کو آگے اور پیچھے اور دائیں اور بائیں سے آکر بہکاؤں گا' تو اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ مجھے اپنی عزت اور بندوں کی قسم میں اپنے بندوں کو اعوذ پڑھنے کا حکم دوں گا' جب وہ ایسا کریں گے تو ان کی اس طرح حفاظت کروں گا کہ ان کے دائیں جانب اپنی ہدایت کردوں گا' بائیں طرف اپنی مہربانی۔ ان کے پیچھے اپنی نگہبانی اور آگے اپنی نصرت اور مدد کردوں گا۔ اے ملعون! ایسی صورت میں تو اسے کوئی ضرر نہ پہنچا سکے گا۔

استعاذہ اور بسم اللہ

بعض احادیث میں آیا ہے کہ آں حضرت ﷺ نے فرمایا اگر کوئی بندہ ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگ لے تو خدا تعالیٰ اسے تمام دن اپنی پناہ میں رکھتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم استعاذہ کے ساتھ گناہوں کے' دروازے بند کرو۔ بسم اللہ کے ساتھ بندگی کے دروازے کھولو۔

کہتے ہیں کہ ہر مومن کو گمراہ کرنے کے لیے شیطان روزانہ تین سو ساٹھ لشکر بھیجتا ہے مگر جب وہ بندہ اللہ سے پناہ چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ تین سو ساٹھ مرتبہ اس بندہ کے دل کی طرف دیکھتا ہے۔ اور ہر نظر میں شیطان کے ایک لشکر کو ہلاک کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا سارا لشکر فنا ہو جاتا ہے۔

شیطان کا ڈرنا

استعاذہ سے شیطان ڈرتا اور خوف کھاتا ہے۔ استعاذہ شعاع نور ہے جو عارفوں کے دلوں کی معرفت ہے۔ اگر تو عارف نہیں تو استعاذہ کو پرہیزگاروں کی طرح اس وقت تک

Marfat.com

اپنے اوپر لازم کر لے جب تک تجھے عارفوں کا مرتبہ حاصل نہ ہو جائے۔ اس وقت تیرے دل کے نور کی شعاع شیطان کی طاقت کو فنا کر دے گی اور اس کے لشکر کو بھگا دے گی۔ پھر تیری ذات خاص کو اپنے بھائیوں اور پیروں کا نگہبان بنایا جائے گا جیسا کہ آں حضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ کے حق میں فرمایا "اے عمر! شیطان تیرے سایہ سے بھاگتا ہے"۔ فرمایا "جس جنگل میں عمرؓ پہنچتے ہیں وہاں سے شیطان بھاگ کر دوسرے جنگل میں چلا جاتا ہے"۔

کہا گیا ہے کہ حضرت عمرؓ کو دیکھ کر شیطان دیوانہ ہو جایا کرتا تھا۔ آں حضرت ﷺ نے فرمایا جب شیطان کو علم ہو جاتا ہے کہ فلاں شخص سچا ہے۔ میرا پکا دشمن ہے' تو ناامید ہو کر اس کو چھوڑ دیتا ہے' اسے بلاتا تک نہیں' بلکہ اسے چھوڑ کر دوسری طرف متوجہ ہو جاتا ہے' مگر یہ ضروری ہے کہ چوری چوری اسے دیکھتا اور تاکتا رہتا ہے کہ ذرا بھی غافل ہو تو اس پر اپنا اثر قائم کر لوں۔

پس ہر بندے کو چاہیے کہ سچائی کو اختیار کرے۔ شیطان کے مکرو فریب سے اچھی طرح باخبر رہے' کیونکہ یہ پرانا اور اصلی دشمن ہے۔ اس کے آنے کے بڑے باریک راستے ہیں۔ انسان کے گوشت' پٹھوں اور اس کی رگوں میں اس طرح دوڑتا ہے جیسے خون چلتا ہے۔

شیطان مرنے تک ساتھ رہے گا

روایت ہے کہ ابو ہریرہؓ بڑھاپے میں یوں دعا مانگا کرتے تھے "اے اللہ! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ مجھے زنا اور خون کرنے سے بچائے رکھ۔ لوگوں نے پوچھا آپ بوڑھے ہو چکے ہیں پھر بھی زنا' اور خون کرنے سے ڈرتے ہیں؟ آپؒ نے جواب دیا' کیوں نہ ڈروں' میرا شیطان ابھی تک زندہ ہے۔

سورۃ المومنون میں آیا ہے:۔

وقل رب اعوذبك من همزات الشياطين واعوذبك رب ان يحضرون۔
(23 - 97 - 98)

یہ بھی کہا کرو کہ اے میرے رب! میں شیطانی وسوسوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور اے میرے رب! میں اس سے بھی تیری پناہ چاہتا ہوں کہ شیاطین میرے پاس آکر مجھے بھڑکائیں۔

Marfat.com

سورۃ نحل میں مذکور ہے:۔

فاذا قرات القرآن فاستعذ باللہ من الشیطٰن الرجیم (16۔ 98)

پس جب تم قرآن کریم پڑھو تو شیطان مردود سے خدا کی پناہ مانگو۔

سورہ اعراف میں آیا ہے:۔

واما ینزغنك من الشیطان نزغ فاستعذ باللہ اِنَّہٗ سمیع علیم + (7۔ 200)

اگر شیطان کی طرف سے آپ کو کوئی وسوسہ آنے لگے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کریں۔ بلاشبہ وہ خوب سننے والا جاننے والا ہے۔

شیطان سے بچاؤ کے طریقے

شیطان کے ساتھ جنگ کرنے کا بہترین ہتھیار کلمہ توحید ہے۔ اللہ تعالی کا ذکر بھی شیطان سے بچنے کا بہترین ذریعہ ہے' جیسا کہ آں حضرت ﷺ کی ایک قدسی حدیث ہے کہ کلمہ لا الہ الا اللہ میرا قلعہ ہے۔ جو شخص کلمہ توحید پڑھ لیتا ہے وہ میرے قلعے میں داخل ہو جاتا ہے' اسے عذاب کا ڈر نہیں رہتا اور فرمایا جس نے دلی خلوص سے کلمہ توحید پڑھا وہ بہشت میں داخل ہو گیا۔

شیطان عذاب کا ذریعہ ہے۔ جب کوئی شخص کلمہ توحید پڑھتا ہے اور اوامر و نواہی پر عمل کرتا ہے تو شیطان جو اسے چھپ کر دیکھ رہا ہوتا ہے' اس سے دور ہو جاتا ہے' قریب نہیں آتا' چنانچہ اس کے منہ سے اسی طرح بچ جاتا ہے جس طرح میدان جنگ میں دشمن کے وار سے ڈھال کے ذریعہ بچ جاتا ہے۔

شیطان سے بچنے کے لیے بسم اللہ زیادہ پڑھنا چاہیے۔ آں حضرت ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص نے کہا شیطان ہلاک ہو میں نے اس سے کہا ایسا نہ کہو' اس سے شیطان اپنے آپ کو بڑا سمجھنے لگتا ہے' اور کہتا ہے کہ میں شخص پر غالب آگیا ہوں' لہذا تم بسم اللہ الرحمن الرحیم کہو' ایسا کہنے سے شیطان دب کر چھوٹی چیونٹی جیسا ہو جاتا ہے۔

جو شخص خدا کے فضل کی بجائے دنیا داروں کا فضل اور ان کے مال کی طمع کرے' ان کی تعریف کرے' مال جمع کرنے لگ جائے' وہ ایسا ہے گویا اس نے شیطان سے مدد طلب کرلی۔ اس کا فرزند اور اس کا مال شیطان کی ملکیت ہوتا ہے اس کے مال سے شیطان

Marfat.com

مالدار اور بادشاہ بن جاتا ہے' جس کا لشکر بھی ہوتا ہے- یہ سب انسان کی نامرادی کی باتیں ہیں- لہٰذا انسان کو چاہیے کہ اللہ ہی سے مدد طلب کرے' اس پر بھروسہ کرے- ہر کام میں اللہ تعالیٰ ہی پر توکل کرے مشتبہ اور حرام چیزوں سے بچے حلال مباح چیزیں خواہ تھوڑی ملیں ان پر قناعت کرے- لوگوں کا احسان نہ لے کھانے پینے کی حرص کرنا ایسا ہے جیسے رات میں کوئی شخص جستجو اور تلاش کے بغیر لکڑیاں اکٹھی کرے-

حلال و حرام

جو شخص حلال اور حرام میں تمیز نہیں کرتا- اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں پرواہ نہیں کرتا کہ اسے دوزخ کے کس دروازہ سے اندر داخل کرتا ہے- لہٰذا آدمی کو پرہیز گاری اختیار کرنی چاہیے تاکہ شیطان سے بچا رہے' اور سلامت رہے- جو ایسا نہیں کرتا شیطان اس کے سینہ اور دل میں جگہ حاصل کرلیتا ہے- خدا فرماتا ہے :-

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ- (43 - 36)

جو شخص رحمٰن کے ذکر سے غافل ہو جاتا ہے' ہم اس پر شیطان کو مسلط کر دیتے ہیں....+

شیطان ایسے شخص کا ساتھی بن جاتا ہے- کبھی اس کی نماز میں وسوسہ پیدا کرتا ہے' کبھی جھوٹی خواہشوں کی رغبت دلاتا ہے کبھی خواہش نفسانی اور حرام خیالات اس کے دل میں پیدا کرتا ہے- نیکیوں میں جلدی کرنے سے روکتا ہے' سنت اور فرض عبادت اور طاعت سے باز رکھتا ہے اور اس طرح وہ شخص دونوں جہاں میں خسارہ اٹھاتا ہے- قیامت کے دن شیطان ہی کے ساتھ اس کا حشر ہو گا-

آخری عمر میں شیطان اکثر آدمی پر غلبہ پالیتا ہے اس کے ایمان کو زائل کر دیتا ہے- ایسا شخص ہمیشہ دوزخ میں رہے گا- قیامت کے دن فرعون' ہامان اور قارون کا ساتھ رکھے گا- ایمان کے زائل ہونے اور ظاہر یا باطن میں شیطان کی اطاعت کرنے سے ہم پناہ مانگتے ہیں-

سات شیطان

مقاتل نے زہری سے انہوں نے حضرت عمرؓ سے اور انہوں نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ ایک رات چند صحابہ کرامؓ جن میں حضرت ابوبکرؓ ' حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ ' حضرت علیؓ حضرت سلمان فارسیؓ ' حضرت عمار بن یاسرؓ بھی شامل تھے-

Marfat.com

آں حضرت ﷺ کو تلاش کرتے ہوئے آئے- اس اثنا میں آں حضرت ﷺ بھی آگئے- ان کے چہروں پر موتیوں کی طرح پسینہ آرہا تھا' جیسے بخار آرہا ہو- آپ نے تین دفعہ پیشانی سے پسینہ پونچھا اور فرمایا اس ملعون پر خدا کی لعنت ہو- پھر سر مبارک کو جھکا لیا- حضرت علیؓ نے دریافت فرمایا' یا رسولؐ آپ نے کس پر لعنت کی ہے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا شیطان لعین دشمن خدا پر- اس مردود نے اپنی دم کو اپنی مقعد میں داخل کیا اور ساٹھ انڈے دیئے- ان سے اس کے ساٹھ بچے پیدا ہوئے- پھر ان میں سے ہر بچہ آدم کی اولاد کو گمراہ کرنے پر مامور ہوا ان میں ایک کا نام "مدحش" ہے' جو عالموں کو ہوا و حرص کی ترغیب دینے پر مقرر ہوا-

دوسرے کا نام "حدیث" ہے' جو نمازیوں کو نماز بھلانے' کھیل میں لگانے' بہکانے' جمائی لینے اور اونگھنے میں مبتلا کرتا ہے' یہاں تک کہ وہ سو جاتے ہیں- پھر جب سونے والے سے کہا جاتا ہے تو سو گیا تو وہ کہتا ہے' میں سویا نہیں' پھر بے وضو ہی نماز میں شریک ہو جاتا ہے- اس کے بعد آں حضرت ﷺ نے فرمایا' اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے' ان میں کوئی ایسا نہیں' جسے اس کی نماز کے ثواب کا نصف' چوتھائی یا دسواں حصہ ہی ملتا ہو' بلکہ اس کی نماز کے گناہ ثواب سے بڑھ جاتے ہیں-

تیسرے شیطان کا نام "ذلبنون" ہے' جس کے سپرد بازاروں کا انتظام ہے- یہ رات دن بازاروں میں رہتا ہے' لوگوں کو کم تولنے کی ترغیب دیتا ہے- خرید و فروخت میں جھوٹ بولنے' سامان کو سجانے' اس کی تعریفیں کرنے کے راستے بتاتا ہے'

چوتھے شیطان کا نام "تبر" ہے' جو مصیبت کے وقت لوگوں کو اپنے گریبان پھاڑنے کی رغبت دلاتا ہے- اپنا منہ نوچنے کو نوچنے کی ترغیب دیتا ہے- یہ انہیں سکھاتا ہے کہ واویلا کریں' اپنے آپ کو کوسیں اور صبر کرنے سے جو ثواب ملتا ہے اس سے محروم رہیں-

پانچویں شیطان کا نام منشوط ہے یہ لوگوں کو جھوٹ بولنے' چغلی کھانے' طعن و تشنیع کرنے اور اسی قسم کے دوسرے گناہوں کی ترغیب دیتا ہے-

چھٹے شیطان کا نام واسم ہے' جو مرد کے ذکر اور عورت کی سرین میں پھونکتا ہے تاکہ آپس میں زنا کریں-

ساتویں شیطان کا نام اعور ہے' جو چوری کرنا سکھاتا ہے' چور سے کہتا ہے کہ چوری کرنے سے تمہارا فاقہ دور ہو گا اپنا قرض ادا کر سکو گے' کپڑے پہن سکو گے- چوری کرنے

Marfat.com

کے بعد توبہ کرلینا۔

نماز کی صفوں میں شیطان

مسلمان کو ان شیطانوں سے بچنا چاہیے۔ کسی حال میں ان سے غافل نہیں ہونا چاہیے آں حضرت ؐ کا ارشاد ہے کہ "ولہان" نام ایک شیطان وضو پر مقرر ہے' اس سے بھی پناہ مانگنی چاہیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا نماز کے وقت صف میں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کھڑا ہونا چاہیے' کیونکہ درمیان میں جگہ خالی ہو تو شیطان بکری کے بچے کی مانند اس میں گھس جاتا ہے"۔

ابو حذیفہ ؓ نے ابو عبیدہ سے روایت کی ہے کہ اس حدیث میں بنات حذف سے مراد بکری کے بچے ہیں' جنہیں عربی میں نقد بھی کہتے ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حذفہ اس بکری کا نام ہے جس کے کان اور دم نہ ہوں۔ یہ قسم موضع جرشی میں پیدا ہوتی ہے۔

روایت ہے کہ عثمان بن عاص ؓ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ میری نماز اور قرات کے درمیان شیطان آکر داخل ہو جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا اس شیطان کا نام خزب ہے۔ اسے دیکھو تو اللہ کے ہاں اس سے پناہ مانگو' اپنے دائیں بائیں تین دفعہ تھوک دیا کرو۔ عثمان ؓ فرماتے ہیں میں نے اس پر عمل کیا تو شیطان بھاگ گیا۔

ایک مشہور روایت ہے کہ آں حضرت ﷺ نے فرمایا' ہر شخص کے ساتھ ایک شیطان لگا ہے۔ ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ! کیا آپ کے ساتھ بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں' مگر اللہ نے مجھے' اس شیطان پر غالب کر دیا ہے۔ اور میں اس کے شر سے محفوظ ہوں۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہر انسان کے ساتھ ایک جن لگا ہوا ہے۔ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ کیا آپ کے ساتھ بھی؟ آپ ﷺ نے جواب دیا' ہاں' مگر اللہ نے اسے میرے تابع کر دیا ہے' وہ مسلمان ہو گیا ہے اور مجھے نیکی بتاتا ہے۔

شیطان کی لاتعداد نسل

کہا گیا ہے کہ جب اللہ تعالی نے ابلیس پر لعنت کی تو آدم کی طرح اس کی بائیں پسلی سے ایک عورت پیدا کی شیطان نے اس سے جماع کیا۔ وہ حاملہ ہوئی اور اس نے اکتیس

Marfat.com

انڈے دیے- ان سے اولاد پیدا ہوئی جو بڑھ کر جنگلوں اور دریاؤں میں پھیلی پھر ہر انڈے سے دس ہزار نر و مادہ شیطان پیدا ہوئے' جو پہاڑوں' جزیروں' ویرانوں' جنگلوں اور دریاؤں' ریگستانوں اور درختوں کے تنوں میں بھر گئے' کوئی چشمہ' دو راہا' چوراہا' حمام بھی ان سے محفوظ نہ رہا- ستر کی جگہ' گندگی کے مقاموں' گڑھوں' لڑائی اور ناقوس کی جگہوں' قبروں گھروں' محلوں' صحرا نشینوں کے خیموں' عبادت گاہوں' غرض سب جگہوں میں داخل ہو گئے-

شیطان سے بچنے والے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "کیا تم ابلیس اور اس کی اولاد کو میری بجائے اپنا دوست بناتے ہو' حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں' ان ظالموں کے لیے برا بدلہ ہے"- اس لیے شیطان اور اس کی اولاد کی تابعداری کرنے والا توبہ کیے بغیر مر گیا تو وہ ہلاک ہوا اور شیطان کے ساتھ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا- چاہیے کہ آدمی اپنی ذات سے ہوشیار اور خبردار رہے' نفس کو شیطانی کاموں سے بچائے- شیطان اور اس کے لشکروں سے علیحدہ رہے' خدا کی درگاہ میں سجدہ کرے اس کی فرمانبرداری کی شرائط کو کما حقہ' پورا کرے خدا شناس لوگوں کی صحبت اختیار کرے- خدا کی رضا کے لیے نیک کام کرے- ان لوگوں کی مجلس میں رہے جو لوگوں کو خدا کی طرف بلاتے ہیں' سچے دل سے اللہ کی درگاہ میں حاضر رہتے ہیں' اس کے فضل کے امیدوار ہوتے ہیں اور اس کے غضب سے ڈرتے ہیں' دنیا سے الگ رہتے ہیں اور آخرت کے طالب ہیں- رات کو قیام کرتے' دن کو روزہ رکھتے' غرض شب و روز عبادت میں مصروف رہتے ہیں' جو عبادت رہ جائے اس کا انہیں غم ہوتا ہے اور گریہ وزاری کرتے ہیں' ہمیشہ نیکی کا ارادہ رکھتے اور برائیوں سے بچتے' گناہوں سے توبہ کرتے ہیں اس خدا پر بھروسہ کرتے ہیں جو ان کا خالق ہے- رات دن اپنے مقررہ وقت پر نماز ادا کرتے ہیں- یہ لوگ جہنم کے طوقوں اور زنجیروں سے بچنے والے ہیں اور دنیا کی آفت اور دوزخ کی آگ سے امن میں رہنے والے ہیں' کیونکہ یہ لوگ ظاہر اور باطن میں شیطان کی مخالفت کرتے ہیں- خدا کی فرمانبرداری کرتے ہیں- لہٰذا اللہ نے ان کو ان کے اعمال کا بدلہ دیا' جیسا کہ وہ فرماتا ہے:-

فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا وَجَزٰهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا (76 - 12)

Marfat.com

پس اللہ نے ان لوگوں کو اس دن کے شر سے بچایا' خوشحالی بخشی اور ان کے صبر کے عوض میں بہشت اور پہننے کو حریر کا کپڑا عطا کیا۔
ایک اور جگہ فرمایا:۔
اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ - (54 - 55)
پرہیز گار لوگ جنت میں اپنے بزرگ بادشاہ کے پاس دوستی کے مقام میں ہوں گے۔
دوسری جگہ فرمایا:۔
وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ (سورۃ الرحمن)
جو شخص خدا کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا ہے اس کے لیے دو بہشتیں ہیں۔
شیطان کے دھوکہ میں آکر پھر خدا کے ڈر سے اس کے دھوکہ سے بچنے والے شخص کے متعلق فرمایا:۔
اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ (اعراف ۔ 201)
جب کبھی شیطان پرہیز گار لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے اس وقت وہ خدا کو یاد کرتے ہیں اور فوراً ان کو حق اور باطل کا فرق معلوم ہو جاتا ہے۔
پھر فرمایا "خدا کی یاد سے دلوں کو روشنی ملتی ہے' ان کی تاریکی اور جہالت کے پردے دور ہو جاتے ہیں' زنگ دور ہو کر اللہ کی یاد سے سارے رنج کافور ہو جاتے ہیں۔
ذکر الٰہی ہی پرہیز گاری' اور حرام کو ترک کرنے کی کنجی ہے۔ پرہیز گاری آخرت کا دروازہ ہے۔ جس طرح سرکش نفس دنیا کا دروازہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔
وَاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ
جو کچھ قرآن میں ہے اسے یاد کرو' شاید تم پرہیز گار بن سکو۔
پھر فرمایا "اللہ کو یاد کرنے سے آدمی پرہیز گار بن جاتا ہے"۔

انسان کے موکل

دل کے دو موکل

ترمذی میں عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ انسان کے دل میں ہر وقت دو

Marfat.com

مشورہ دینے والے موجود رہتے ہیں۔ ان میں ایک ملکی صفت ہے' جو آدمی کو نیک کاموں کے لیے ہدایت دیتی ہے۔ دوسری اس کی دشمن ہے جو برے کاموں کی رغبت دلاتی ہے' نیکی اور حق سے روکتی ہے۔

توضیح

حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ انسان کے دل میں دو خطرے پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ ایک تو وہ خیال ہے جو منجانب اللہ وارد ہوتا ہے۔ دوسرا شیطانی وسوسہ ہے۔ اگر انہیں اس طرح برداشت کیا جائے کہ جو منجانب اللہ ہے اس کی تعمیل کی جائے اور جو شیطان کی طرف سے ہواس سے باز رہے تو ایسے شخص پر خدا رحم کرتا ہے۔ اللہ تعالی کے ارشاد کہ:

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ (الناس)

وسوسہ ڈالنے والے' پیچھے ہٹ جانے والے (شیطان) کے شر سے (پناہ مانگتا ہوں)۔

اس کی تفسیر میں مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ بے چارے بندے کے دل میں شیطان چھا جاتا ہے' لیکن جب بندہ اپنے رب کو یاد کرتا ہے تو شیطان دور ہٹ جاتا ہے' جوں ہی بندہ اللہ کی یاد میں ذرا غفلت دکھاتا ہے' شیطان جھٹ دوبارہ ابر کی طرح اس کے دل پر چھا جاتا ہے۔

(سورہ شمس میں) مختلف اقوال

مقاتلؒ کا کہنا ہے کہ شیطان خنزیر کی شکل میں آدمی کے دل سے چمٹا رہتا ہے اور خون کی طرح اس کی رگوں میں دوڑتا رہتا ہے۔ خدا نے اسے انسان پر مقرر کر رکھا ہے۔ پس اللہ کے اس قول کہ :۔

يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ (الناس)

انسانوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے

سے مراد یہ ہے کہ جب آدمی اللہ کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے تو شیطان اس کے دل میں وسوسہ ڈال دیتا ہے اور رفتہ رفتہ اس کے دل پر مکمل قبضہ جما لیتا ہے۔ جب آدمی اللہ کو یاد کرتا ہے تو شیطان اس کے بدن سے نکل جاتا ہے۔

عکرمہؒ کے بیان کے مطابق شیطان' مرد کی دونوں آنکھوں اور دل میں جا بیٹھتا ہے۔ یہی وسوسہ ڈالتا ہے۔ عورت سامنے آئے تو شیطان اس کی آنکھوں میں ہوتا ہے اور جب

Marfat.com

پیٹھ پھیرتی ہے تو اس کی سرین میں جا داخل ہوتا ہے۔

دل کے خطرے یا خفیہ مشیران

چھ طرح کے خطرے

آدمی کے دل میں چھ طرح کے خطرے وارد ہوتے ہیں' یعنی چھ چیزوں کی جانب سے اسے خطرہ ہوتا ہے یا خاموشی سے مشورہ دیا جاتا ہے یہ چھ مشیران یہ ہیں:-

1۔ نفس　　3۔ روح　　5۔ عقل

2۔ شیطان　　4۔ فرشتہ　　6۔ یقین

خفیہ مشیران یا خطروں کی تفصیل

نفس کے خطرے کی تفصیل یہ ہے کہ نفس آدمی کو نفسانی خواہشات اور شہوت کی طرف مائل کرتا ہے۔ خواہ وہ حلال ہوں یا حرام۔ شیطان کا خطرہ اعتقاد پر اثر ڈالتا ہے' یعنی کفر اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اسے اس بات پر مائل کرتا ہے کہ شرک کرے' گلہ کرے' اللہ پر وعدہ خلافی کی تہمت لگائے' برا کام کرکے اگلے دن توبہ کرنے کی راہ بتاتا ہے۔ دنیا اور آخرت میں ہلاکت کی باتیں سکھاتا ہے۔ یہ دونوں خطرے بہت ہی برے ہیں۔ یہ عام مسلمانوں کے دل میں وارد ہوتے ہیں۔ محض برائی کی طرف رغبت دلاتے ہیں۔

اچھے خطرے یا مشیران

روح اور فرشتے کے خطرے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور اطاعت کی طرف رغبت دلاتے' دنیا اور آخرت میں سلامتی کی باتیں بتاتے ہیں (جو علم شریعت کے موافق ہوں) یہ دونوں خطرے بہت عمدہ ہیں' جو خاص لوگوں کے دل سے کبھی محو نہیں ہوتے۔

عقل کا خطرہ یا مشیر

عقل کا خطرہ انسان کو کبھی تو نفس اور شیطان کی طرح حکم دیتا ہے (برائیوں کی ترغیب دیتا ہے) اور کبھی روح اور فرشتے کے سے احکام دیتا ہے (یعنی اچھائیوں کی ترغیب دیتا ہے) اس میں خدا کی حکمت یہ ہے کہ آدمی اپنے کاموں کو ہمت اور عقل کے مطابق درستی سے انجام دے۔ نیک و بد نفع اور نقصان میں تمیز کرے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے

Marfat.com

جسم کو اپنے احکام اور بے انتہا ارادوں کے نزول کا محل بنایا ہے۔ عقل اس لیے پیدا کی کہ آدمی نیک کاموں کو جانے اور خدا کی نعمتوں کی طرف توجہ کرے۔ برائی' عذاب اور گناہ سے بچے۔

یقین کا خطرہ یا مشیر

یقین کا خطرہ ایمان کی روح اور خدا کی طرف سے بندہ پر علم کے نزول اور پیدا ہونے کا محل ہے جو کامل یقین رکھنے والے اولیا صدیقوں' ابدالوں اور شہیدوں کا خاصہ ہے' کیونکہ ان حضرات سے حق امر کے سوا اور کوئی بات سر زد نہیں ہوتی' اس کا ورود بہت پوشیدہ ہے اور آنا باریک اور تنگ ہے علم لدنی اور غیب کی خبروں اور چیزوں کے راز کے سوا اس کا ظہور نہیں ہوتا' خدا کے محبوب اور برگزیدہ بندوں ہی کو یہ خطرہ عطا ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کو جو خدا کی ذات میں فنا اور دنیا کے لوگوں سے پوشیدہ ہوتے ہیں۔ فرائض اور موکدہ سنتوں کے سوا تمام عبادات کو باطنی عبادت میں بدل کر انہیں کبھی ترک نہیں کرتے' بلکہ دل سے ان کی حفاظت کرتے ہیں ہمیشہ مراقبہ میں رہتے ہیں' خدا نے ان کی تربیت اور نگہداشت اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔ جیسا کہ فرمایا "اللہ میرا دوست ہے جس نے مجھ پر کتاب نازل کی اور وہ نیک آدمیوں کو دوست رکھتا ہے"۔ یعنی خدا ہی ان کا متولی ہے۔ ان کی صلاحیت اور بہتری اسی کے ذمہ ہے۔ ان کے لیے وہی کافی ہے اس نے ان کے دلوں کو غیب کی باتوں میں لگا دیا' اپنے قریب کے جلوہ سے انہیں رونق بخشی اپنے کلام کے لیے ان لوگوں کو بزرگی دی' انہیں اپنی محبت کے لیے مخصوص کر لیا انہیں اسی کی محبت میں سکون ملتا ہے۔ معرفت کے نور میں ہر روز زیادتی ہوتی ہے۔ وہ حقیقی محبوب اور معبود کے اور زیادہ قریب ہوتے جاتے ہیں نہ ختم ہونے والی نعمت انہیں میسر آتی ہے' منقطع نہ ہونے والی بخشش سے مالا مال ہوتے ہیں۔ انہیں بے انتہا خوشیاں حاصل ہوتی ہیں' مستعار زندگی کے دن پورے کرنے پر خوشی خوشی جاوداں زندگی کی طرف چلے جاتے ہیں۔ اور جاوداں ملک کی طرف اس طرح لے جائے جاتے ہیں' جس طرح ایک دلہن کو تنگ گھر سے کشادہ اور فراخ بالا خانہ پر لے جایا جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے دنیا اور آخرت دونوں بہشت ہیں۔ آخرت میں مزے کی زندگی گزارتے ہیں۔ خدا کے دیدار سے ان کی آنکھیں روشن اور ٹھنڈی ہوتی ہیں۔ پردے اور دروازے کے بغیر خدا کا دیدار کرتے ہیں۔ وہاں انہیں روکنے والا کوئی پاسبان یا دربان نہیں۔ نہ ہی وہاں کسی

Marfat.com

غیر کا احسان اٹھانا پڑتا ہے' نہ ان پر ظلم ہوتا ہے' نہ کوئی ضرر پہنچاتا ہے۔ خدا فرماتا ہے پرہیزگار لوگ بہشت میں اپنے بزرگ بادشاہ کے پاس راستی کے مقام میں ہیں"۔ اور فرمایا کہ "جو لوگ نیک عمل کرتے ہیں انہیں اس کا بدلہ بھی نیک ہی ملتا ہے۔" یعنی بہشت ملتی ہے۔ اس میں بہشت کی حوریں اور خدا کا دیدار اضافی چیز ہے۔ جو لوگ دنیا میں اللہ کی عبادت کرتے ہیں خدا عاقبت میں بہشت سے ان کی مدد کرتا ہے۔ بزرگی' نعمت اور سلامتی عطا کرتا ہے۔ رنج و محنت سے نجات دیتا ہے۔ ان لوگوں نے دنیا میں اپنے دلوں کو برائیوں سے پاک کر کے خدا کے سوا کسی کی طرف توجہ نہ کی' اس لیے آخرت میں انہیں زیادہ عوض دیا گیا۔ زیادہ عوض اس کا دیدار ہے' جس کے طفیل وہ ہمیشہ فیض حاصل کرتے رہیں گے۔ جیسا کہ خدا نے اپنے کلام پاک میں اس کی خبر دی ہے۔

نفس اور روح

دو مقام

نفس اور روح دو مقام ہیں۔ ایک میں شیطانی وسوسے آتے ہیں اور دوسرے میں ملکی خیالات (فرشتوں والے خیالات) فرشتہ آدمی کے دل (روح) میں پرہیزگاری پیدا کرتا ہے اور شیطان آدمی کے نفس میں نافرمانی کے خیالات ڈالتا ہے۔ نفس اعضاء کو گناہوں میں لگانے کے لیے دل کو آمادہ کرتا ہے' چاہتا ہے کہ ان سے گناہ کرائے۔

جسم کے دو خدمتگار

آدمی کے جسم میں دو خدمتگار مقرر ہیں' عقل اور خواہش نفس' یہ دونوں خادم ایک حاکم کے مطیع ہیں' جسے توفیق اور اغوا کہتے ہیں۔

دل کے دو نور

آدمی کے دل میں دو چمکتے ہوئے نور ہیں یعنی علم اور ایمان۔ یہ سب دل کے آلات ہیں۔ دل ان آلات کے درمیان ایک بادشاہ کی مانند ہے اور یہ سب اس کے لشکر ہیں' یا یوں کہہ لیں کہ دل آئینہ کے مانند روشن اور صاف ہے اور یہ آلات اس کے ارد گرد ہیں۔ جب دل ان کی جانب دیکھتا ہے تو وہ روشن ہو جاتے ہیں' اور دل ان کو پا لیتا ہے۔ پھر وہ دل میں خلوص ریزی کرتے ہیں۔

Marfat.com

خدا سے پناہ مانگنا

کن کن چیزوں سے پناہ مانگی جائے۔

گمراہ شیطان کے بد خطرات اور نفس کے وسوسوں سے پناہ مانگی جائے کہ میں اللہ کریم کے ہاں پناہ چاہتا ہوں جو عرش و کرسی کا مالک ہے۔ جن انسان' ریاکاری' نفاق' غرور' تکبر' اور اپنے آپ کو بزرگ جاننے اور سب بری خصلتوں سے جو دل میں پیدا ہوتی ہیں اور ہر لذت اور شہوت سے جو ہلاک کرتی ہے' سے پناہ مانگتا ہوں۔

2۔ ہر بدعت' گمراہی اور نفس کی خواہش جو جسم کو آگ میں لے جاتی ہیں' ان سے پناہ مانگتا ہوں۔ ایسے قول اور فعل اور فکر سے جو عرش کی غیبی باتوں کا اثر میرے دل میں پیدا نہ ہونے دے اور اسے ڈھانپ لے اور نفس کے ایسی خواہش کی پیروی کرنے سے بھی پناہ مانگتا ہوں' جو گمراہ کرنے والی ہو' برے اخلاق سے' نفس کی بری خاصیت سے۔ شیطان مردود سے' تعریف کیے گئے بزرگ بادشاہ کے ہاں پناہ مانگتا ہوں اس کی عبادت میں غفلت کرنے کے باعث عذاب ملنے سے اس کے ہاں پناہ مانگتا ہوں' جو شہ رگ سے زیادہ قریب ہے' دوست ہے۔ جب وہ گنہگاروں پر غصہ کرے تو میں اس کے قہر سے پناہ چاہتا ہوں۔ اس کے گناہوں کے ظاہر ہونے سے اس کے ہاں پناہ چاہتا ہوں۔ جنگلوں اور دریاؤں میں گناہ کرنے سے پناہ مانگتا ہوں۔ اپنے اصل اور فرع کو بھلا کر اللہ کے سوا دوسری جانب مشغول ہونے سے امن چاہتا ہوں۔ اپنے انجام سے غافل ہونے پر امن چاہتا ہوں' غرور کرنے فرماں برداری' عبادت اور نیکی کو ترک کرنے سے امن چاہتا ہوں۔ جھوٹی قسم' گناہ اور برے انجام سے پناہ چاہتا ہوں۔ اس سے امن چاہتا ہوں کہ نیکی سے خالی ہو جاؤں اور موت کے آنے کا ہر وقت ڈر لگا رہے (برے انجام سے ڈروں)

شیطان کے ساتھ جہاد

شیطان سے جنگ

شیطان کے ساتھ جہاد کرنا باطن کا پوشیدہ کام ہے' یعنی دل اور ایمان سے ہوتا ہے اگر تو شیطان کے ساتھ جہاد کرے گا تو خدائے بزرگ تیری مدد کرے گا۔ وہی تیرا حقیقی ساتھ

Marfat.com

ہو گا اور تو اس کے دیدار سے مشرف ہو گا۔

کافروں سے جہاد

کافروں کے ساتھ جو جہاد کیا جاتا ہے' وہ ظاہری ہوتا ہے جو تلوار اور نیزے سے کیا جاتا ہے اس میں بھی دونوں جہانوں کا بادشاہ تیرا مددگار ہوتا ہے اور اس جہاد سے ہمیشہ کے لیے بہشت حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر تو کافروں کے ساتھ جہاد میں مارا جائے تو ہمیشہ کے لیے بہشت ملے گی۔

شیطان سے جہاد

اگر تو شیطان کے ساتھ جہاد کر کے مارا جائے اور تیری ساری عمر اس میں ختم ہو جائے' مرتے دم تک شیطان کی مخالفت میں لگا رہے تو اس کی جزا خدائے برتر کا دیدار ہو گا' جو اس سے ملاقات کرنے پر تجھے نصیب ہو گا۔

دونوں جہادوں کا فرق

اگر کوئی کافر تجھے مار ڈالے تو تو شہید کہلائے گا۔ اسی طرح اگر شیطان تجھے مار ڈالے یعنی تو اس کی فرمانبرداری اور پیروی کر کے ہلاک ہو جائے تو اس صورت میں خدا تجھے دور پھینک دے گا۔ پس کافروں کے ساتھ جہاد کرنے کی تو انتہا ہے کہ وہ فنا ہوتا ہے' مگر نفس اور شیطان کے ساتھ جہاد کرنے کی کوئی حد و انتہا نہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے" اپنے پروردگار کی عبادت کر یہاں تک کہ تجھے یقین ہو جائے۔" یہاں یقین سے مراد موت ہے۔ شیطان کی مخالفت اور ہوا و ہوس کے خلاف جہاد کرنا عبادت ہے۔ خدا فرماتا ہے۔

فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا وَالْغَاوُونَ وَ جُنُوْدُ اِبْلِيْسَ اَجْمَعُوْنَ (26 - 94 - 95) وہ لوگ اور گمراہ اور شیطان کا لشکر دوزخ میں الٹے لٹکائے جائیں گے۔

جہاد اکبر جہاد اصغر

جب آنحضرتؐ جنگ تبوک سے واپس تشریف لائے تو اس موقعہ پر فرمایا "ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف واپس آئے ہیں" بڑے جہاد سے آں حضرتؐ کی مراد نفس اور شیطان کے خلاف جہاد تھا۔ کیونکہ اس جہاد کا عرصہ بہت لمبا ہے اور زندگی کے آخری دم تک اس کے خطرے قائم رہتے ہیں' اور برے خاتمہ کا ہمیشہ ہی کھٹکا رہتا ہے۔

Marfat.com

جبکہ جہاد بالسیف ---- چھوٹا جہاد ہے۔ (بحوالہ غنیتہ الطالبین از شیخ سید عبد القادر جیلانیؒ اردو ترجمہ از امان سرحدی مطبوعہ دیوبند)

پس انسانی عقائد کیا ہیں

عقیدہ کے معنی ہیں دل میں جمایا ہوا یقین ---- اس کا دوسرا نام ایمان ہے۔ عقیدہ کسی بھی انسان کے دینی اعتقاد کو کہتے ہیں۔ سائنسی حقائق کا عقیدے سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اگر کوئی کہے کہ میرا عقیدہ یہ ہے کہ دو + دو چار یا زمین چپٹی ہے یا پانی نشیب کی طرف بہتا ہے تو یہ بات عقیدہ سے کوئی تعلق نہیں رکھتی کیوں کہ عقیدہ کا تعلق کسی بھی شخص کے دینی اعتقادات کے ساتھ ہوتا ہے اور دین کا تعلق خدا کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ دینی اعتقادات درست اور صحیح ہوں۔ مثلاً ایک شخص کہتا ہے سورج ایک دیوی ہے جس کی پوجا کرنے سے انسان بہت سے فوائد حاصل کر سکتا ہے۔ تو یہ بات اس شخص کا عقیدہ کہلا سکتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ عقیدہ بے بنیاد ہو۔ اسی طرح یہ عقیدہ تو ہو سکتا ہے کہ خدا ایک ہے' یا خدا دو ہیں (جیسے اہرمن اور یزدان) یا تین ہیں (جیسے تثلیث کا عقیدہ باپ بیٹا اور روح القدس) لیکن یہ بات عقیدہ نہیں کہ اگر کوئی یہ کہے کہ میرا باپ محمد علی ہے یا دادا رحمت اللہ ہے۔ کیوں کہ اگرچہ یہ باتیں حقائق پر مبنی ہو سکتی ہیں لیکن عقیدہ نہیں کہلا سکتیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عقیدہ کیا ہے۔ پس عقیدہ کسی انسان کا خدا اور دین کے حوالے سے وہ اعتقاد ہے جس کا تعلق دین یا دنیا اور عاقبت سے ہو۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر نہایت مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ اس لیے اس نے اپنے بندوں کی رہنمائی کے لیے مختلف وقتوں میں مختلف پیغمبر بھیجے۔ جن کی تعلیمات پر یقین اور عمل کرنے والے شاید اللہ کی رحمت سے نجات پا گئے ہوں لیکن سوال یہ ہے کہ ہمارے پاس کیا کسوٹی ہے کہ پرانے وقتوں سے رائج بعض مذاہب اور ان میں چالو عقائد عملی اعتبار سے بھی دنیا اور آخرت میں سود مند تھے یا ہوں گے۔ اس لیے لازم ہے کہ ہم مذاہب عالم کا تقابلی جائزہ لیں۔

مذاہب عالم میں الہ کا تصور

یہ بات تو تقریباً تسلیم شدہ ہے کہ ہر انسان زبان سے اقرار کرے یا نہ کرے لیکن دل

Marfat.com

ے وہ ضرور یہ بات تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ کوئی ایسی طاقت ضرور موجود ہے جو نہ
صرف اس کائنات کو بلکہ ہر انسان کو کنٹرول کر رہی ہے۔ مثلاً ہر آدمی اپنی ساری خواہشات
کی پذیرائی میں خود کو ناکام اور مجبور پاتا ہے۔ وہ بیمار ہو جائے تو شفایاب ہونا اس کے اپنے
اختیار میں نہیں ہوتا۔ مرجائے تو زندہ نہیں ہو سکتا۔ وہ اپنی مرضی سے کسی بادشاہ یا امیر کبیر
کے گھر جنم نہیں لے سکتا وغیرہ۔ تو ایسی ناکامیوں اور مجبوریوں کے نتیجے میں اسے ایک یقین
اور اعتقاد سا حاصل ہوتا ہے کہ کوئی اور طاقت اس کی باگیں سنبھالے ہوئے ہے۔ البتہ
سے ایک محدود سا اختیار حاصل ہے اور اس اختیار سے باہر قدم رکھنا اس کے لیے ممکن
ہیں+ لہٰذا عمومی طور پر ہر انسان ایک بڑی (Super) ہستی کا قائل ہوتا ہے۔ جسے وہ اپنی
زبان میں خدا' رب' اللہ' بھگوان' یزدان وغیرہ کا نام دیتا ہے۔ اور دنیا کے تمام مذاہب میں
یہ تصور موجود ہے۔ لیکن اس ہستی کے بارے میں مختلف مذاہب میں مختلف اور متضاد
اعتقادات اور عقائد پائے جاتے ہیں۔ اس لیے ہر انسان عموماً جس مذہب کے ماننے والوں
میں جنم لیتا ہے وہ انہی کے عقائد کو صحیح تسلیم کرکے اپنی زندگی داؤ پر لگا دیتا ہے۔ چنانچہ
انہی عقائد پر اس کو موت آلیتی ہے اور آخرت کی خبر خدا جانے!

اللہ اور الہ کی بحث

الہ کا مطلب ہے وہ ہستی جسے نیستی نہیں۔ وہ ہستی اپنی عبادت کروانے کی مستحق ہے۔
وہی ایک معبود ہے باقی سب عابد ہیں۔ دوسرے لفظوں میں الہ معبود اور خدا کے معنوں
میں استعمال ہوتا ہے چاہے وہ جھوٹا ہو یا سچا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلاَّ اللّٰه (العمران: 62)

یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:۔

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ (43:25)

بھلا تو نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہشات کو اپنا الہ بنا رکھا ہے۔

بعض کے نزدیک اللہ "لاہ" سے مشتق ہے۔ جس کے معنی دیوتا یا معبود ہی کے ہیں۔
کہ الجوہری نے نقل کیا ہے کہ سیبویہ کا خیال یہ ہے کہ ممکن ہے اللہ کے نام کی اصل
" ہو جیسا کہ ایک عرب شاعر کہتا ہے:

Marfat.com

كَحَلْفَةٍ مِنْ اَبِى رَبَاحٍ يَشْهَدُهَا لَاهَهُ الْكُبَارُ

یعنی ابو ریاح کی اس قسم کی طرح جس

پر اس کا بڑا دیوتا یا معبود گواہ ہے۔

الہ کے ہمزہ کو حذف کر کے اس کے بدلے شروع میں ال تعریف کا اضافہ کر کے اللہ بنا لیا گیا المنذری نے کہا کہ ابو الہیثم کے بقول اس کا مادہ الاہ تھا۔ اور ال تعریف داخل کرنے سے الالہ ہو گیا اور تخفیف کے لیے ہمزہ کو گرا کر ہمزہ کی حرکت لام کو دے دی گئی اور وہ اللہ بنا لیا گیا۔ اس طرح لام تعریف متحرک ہو گیا تھا حالانکہ وہ ہمیشہ ساکن ہوتا ہے او دو ہم جنس حروف یعنی دو متحرک لام ایک جگہ اکٹھے ہو گئے اس لیے پہلے لام کو دوسرے لام میں مدغم کر دیا گیا اور "اللہ" ہو گیا۔

(لسان العرب' تاج العروس بذیل مادہ "ال ہ")

بیضاوی کا دوسرا نقل کردہ قول یہ ہے کہ "اللہ" ذات باری تعالی کا اسم علم ہے اور اس سے خاص اور مختص ہے۔ سید مرتضی الزبیدی اور خلیل کی رائے بھی بڑی وزنی ہے بقول خلیل بن احمد (م: ۱۷۰ھ) اللہ کا الف حذف نہیں کیا جا سکتا بلکہ الف سمیت، پورے حروف سے مل کر ہی اللہ کا مقدس نام بنتا ہے اور اسے مکمل شکل میں ہی استعمال کرنا چاہیے۔ نیز اللہ کے اسم سے کسی فعل کا اشتقاق جائز نہیں جیسا کہ رحمن اور رحیم سے کیا جاتا ہے۔ ابو اللیث کا قول بھی یہی ہے۔ سید مرتضی الزبیدی کے مطابق اصح قول یہ ہے "اللہ" کا لفظ ذات واجب الوجود کا اسم علم ہے جس میں تمام صفات کمال جمع ہیں اور یہ غیر مشتق ہے (تاج العروس)

مختصر یہ کہ لفظ اللہ علم ہے اور جامد للفرد یہ کسی اور لفظ سے مشتق ہے نہ کوئی دوسرا لفظ اس سے مشتق اور اس کے اشتقاق اور اسے تعریف قرار دینے کی تمام بحثیں لا حاصل ہیں۔

(دائرۃ المعارف الاسلامیہ عربی)

زمانہ جاہلیت کے عربوں کا عقیدہ تھا کہ اللہ ایک ہے اور وہی زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے۔ (85 - 84 / 23) لیکن وہ اللہ کے سوا اور بھی الہ یعنی معبودوں کے قائل تھے جن کو وہ اپنے لیے اللہ کے مددگار سمجھتے تھے۔

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ○ كَلَّا ۭ سَيَكْفُرُوْنَ

Marfat.com

بِعِبَادَتِهِمْ وَ يَكُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ○

اور ان لوگوں نے خدا کے سوا اور معبود بنا لیے ہیں تاکہ وہ ان کے لیے (موجب عزت و) مددگار ہوں۔ ہرگز نہیں۔ وہ (معبودان باطل) ان کی پرستش سے انکار کریں گے اور (قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ ان سے باطل پرست لوگوں کے سامنے گواہی طلب کرے گا کہ تم نے ہی ان لوگوں کو اپنی عبادت کے لیے کہا تھا تو) وہ ان کے دشمن (و مخالف) ہوں گے۔ (مریم :81 ـ 82)

بعض لوگ اللہ کے ساتھ جنات کو بھی اللہ کا رشتہ دار اور شریک سمجھتے تھے۔ 158 / 37) اور اللہ کے لیے بیٹے بیٹیاں بھی مانتے تھے۔ (57/16 ـ 100/6) اور اللہ کو قربانی کے گوشت اور خون کا محتاج خیال کرتے تھے۔ 37/22) چنانچہ اس طرح کے توہمات عربوں میں موجود تھے کہ وہ اصل اللہ کو ایک بھی سمجھتے تھے اور اس کے شریک کار بھی انہوں نے مقرر کر رکھے تھے۔ قرآن حکیم کے مخاطبین اول تو عرب کے لوگ ہی ہیں۔ لیکن اس خطاب کو عربوں تک محدود کرنا درست نہیں کیوں کہ حضور علیہ السلام تمام جنات اور انسانوں کے نبی اور رسول ہیں (رسول الثقلین) اور آپ "للعالمین نذیرا" کے منصب پر بھی فائز ہیں لہٰذا قرآن نے عرب و عجم کو لفظ اللہ سے روشناس کرایا اور فرمایا کہ اللہ کے سوا جن معبودوں کے تم قائل اور پجاری ہو۔ ان کا درحقیقت کوئی وجود نہیں بلکہ واجب الوجود ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔

ذات باری کا غلط تصور غیر مہذب قوموں تک ہی محدود نہ تھا بلکہ مہذب ترین اور متمدن ترین اقوام بھی اس میں مبتلا تھیں۔ یونان جیسی متمدن دنیا میں متعدد دیوی دیوتاؤں کا تصور موجود تھا۔ زرتشیت کے ہاں دو خداؤں کا تصور تھا۔ بدھوں کے ہاں ذات باری کا کوئی مثبت تصور موجود نہ تھا۔ جبکہ یہودیت اور نصرانیت کے ہاں الوہیت اور توحید کا عقیدہ مسخ ہو کے رہ گیا تھا۔ خصوصاً نصاریٰ نے تو کچھ ایسے عقائد اختیار کر لیے تھے جن کی روح بت پرستی اور کفر سے ماخوذ تھی۔ یہودی حضرت عزیر کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں۔ جبکہ عیسائی ابن مریم کو اللہ کا بیٹا قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ قرآن کے مطابق یہ باتیں' ان کے اپنے کہنے کی ہیں حقیقت سے ان کا کوئی تعلق نہیں عیسائیوں کے تثلیثی عقیدہ کا بھی قرآن نے نہ صرف ذکر کیا ہے بلکہ ایسا کہنے سے منع بھی کیا ہے۔ قرآن یہ بھی بتلاتا ہے کہ

Marfat.com

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تو اپنے غلط قسم کے پیروکاروں کو بتلا دیا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو معبود نہ مانو- (5 - 116) اور عیسائیوں نے یہ دو غلط معبود (بغیر کسی دلیل کے) اختیار کر رکھے ہیں (16 - 15) حالانکہ اللہ تعالیٰ کا نہ کوئی بیٹا ہے نہ بیوی اب ذرا مذاہب عالم میں خدا کے تصور اور ہر مذہب کے ماخذات کا تفصیلی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

مذاہب عالم کا تقابلی اور تفصیلی جائزہ

یہودیت

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام اور ان کے بیٹے حضرت یعقوبؑ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے اور نبی تھے- اور کثرت عبادت کی بنا پر وہ اسرائیل کہلائے- ان کی اولاد بھی خوب پھلی پھولی اور وہ اسرائیلی ہونے کے ناطے بنی اسرائیل کہلاتے ہیں- اس قوم میں بہت سے انبیاء علیہم السلام مثلاً حضرت یوسفؑ، حضرت موسیٰ، حضرت ہارونؑ، حضرت زکریاؑ، حضرت یحییٰ اور حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہم السلام ہو گزرے ہیں جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے توحید و رسالت کی اہمیت کو واضح کیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کی دو متقابل رقیبانہ حکومتیں قائم ہو گئیں یعنی ایک سلطنت حضرت یعقوب علیہ السلام کے دس بیٹوں کی اولاد کے زیر نگیں تھی جس کا دارالحکومت سماریہ تھا- دوسری ان کے دو بیٹوں یہود اور بنیامین کی اولاد کے زیر نگیں تھی- جس کا مرکز یروشلم تھا- آٹھویں صدی قبل مسیح میں سماریہ والوں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی اور سیریا والے بنی اسرائیل کو گرفتار کرکے نینوا لے گئے اور پھر بنی اسرائیل کے دس بیٹوں کی آل اولاد کا پتہ نہ چلا کہ وہ کدھر چلی گئی۔

اب دوسری اسرائیلی سلطنت کا حال یہ ہوا کہ چھٹی صدی قبل مسیح میں بابل کا شہنشاہ بخت نصر یروشلم پر حملہ آور ہوا اور بنی اسرائیل کو قیدی بنا کر اپنے ساتھ بابل لے گیا- اس جنگ میں بیت المقدس میں رکھی ہوئی الواح تورات اور دیگر تبرکاتی نشانیاں بھی بخت نصر نے جلا کر تباہ کر دیں- اور باقی سب کچھ اپنے ساتھ لے گیا- تورات میں ہے:-

Marfat.com

تب ۔سعیاہ نے فرقیاہ سے[1] کہا۔ خداوند کا کلام سن۔ دیکھ وہ دن آتے ہیں کہ سب جو کچھ تیرے گھر میں ہے اور جو کچھ کہ تیرے باپ دادوں نے آج کے دن تک جمع کر رکھا ہے سب بابل کو لے جائیں گے باقی کچھ نہ رہے گا (سلاطین 2 =20 : 17 ۔ 18) اور اس طرح تورات مقدس جو بنی اسرائیل اور یہودیوں کے لئے مشعل راہ تھی دنیا سے ناپید ا ہو گئی۔ پھر پچاس سال بعد عزرا اور نحمیاہ نبی کی کوششوں سے بیت المقدس کی تعمیر نو کی اجازت ملی۔ اور بقول سینگر بنی اسرائیل کی آبادی کا بیسواں حصہ جو چالیس ہزار افراد پر مشتمل تھا بمشکل تمام بیت المقدس کے گرد آکر آباد ہو سکا۔ لیکن پچاس سال کی غلامی نے بنی اسرائیل سے ان کی آبائی زبان تک چھین لی اور بیت المقدس کی تعمیر نو کے بعد لسانی اعتبار سے بنی اسرائیل کنگال ہو کر رہ گئے۔ تقریباً 444 ق م میں عزرا اور نحمیاہ ایسے بزرگوں کی کوشش سے کسی نہ کسی طرح حافظے اور دیگر کچھ ذرائع کی مدد سے تورات کو مرتب کیا گیا۔ لیکن 178 ق م میں انطاکیہ کے یونانی بادشاہ انٹونیس نے بیت المقدس کو پھر سے برباد کر دیا اور اس میں موجود صحائف کو جلوا دیا اور تورات کی تلاوت کو حکماً بند کر دیا۔ بعدازاں یہودہ مقابی کی کوشش سے بیت المقدس کی بازیابی ہوئی۔ اور صحائف کو پھر ادھر ادھر سے جمع کیا گیا لیکن 70ء میں ٹائٹس کی سرکردگی میں رومیوں نے بیت المقدس کو ایک بار پھر تباہ برباد کیا کہ اس کے بعد یہودی دوبارہ یہاں آباد نہ ہو سکے اور ٹائٹس مقدس صحیفوں کو لوٹ کر روما کے محلات میں لے گیا۔ تورات کی اصل زبان عبرانی تھی جو یہودیوں کی مادری زبان تھی۔ یا پھر وہ آرامی ہو گئی تھی۔ لیکن تورات لوگوں کو جس زبان میں ملی وہ یونانی تھی۔ یہ اس لیے کہ بابل میں اسیری کے زمانہ میں یہودیوں نے اپنی اصلی زبان بھلا دی تھی۔ پھر یونانیوں کے زیر اثر اسکندریہ میں بھی انہوں نے مادری زبان بھلا کر یونانی کو اختیار کر لیا تھا اور اس طرح ان کی زبان بھی یونانی ہو گئی تھی اس لیے تاریخ کے مطابق تقریباً 285 ق م میں اسفار موسیٰ کا یونانی زبان میں ترجمہ ہوا جس کا نام (Septuagint Edition) ہے اور بعد میں اس یونانی نسخہ کو عبرانی میں ترجمہ کیا گیا۔ یہ یونانی نسخہ اسکندریہ کی لائبریری میں تھا۔ اور اس لائبریری کو عیسائیوں نے نذر آتش کر دیا تھا۔

(AGAINST APOLON – IST BOOK SECTION 1)

Marfat.com

جوزیف کا اپنا بیان یہ ہے کہ :-

"یہ کتاب پانچ ہزار سال کی تاریخ پر مشتمل ہے جسے میں نے اپنی مقدس کتابوں میں سے مدون کیا ہے۔ لیکن میں نے ان کا ترجمہ یونانی زبان کر دیا ہے"۔

نسخہ سبعینہ

یہ ستر علمائے یہود کا مرتب کردہ نسخہ بتایا جاتا ہے۔ جوزیفس کے مطابق مصری بادشاہ بطلیموس فلاڈلفس اپنے اسکندریہ کے کتب خانے کے لیے یہودی کتب مقدسہ کی ایک نقل چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے بہت سے یہودی غلاموں کو آزاد کرکے یروشلم کے کاہنوں کے پاس بھیجا۔ اور وہاں سے ستر علماء کو منتخب کرکے ایک جزیرہ میں بھیج دیا گیا۔ جہاں ان علماء نے الگ رہتے ہوئے کتب مقدسہ کے ستر عدد الگ الگ ترجمے کیے۔ آخر میں دیکھا گیا کہ ہر عالم کا ترجمہ لفظ بہ لفظ یکساں ہے۔ چنانچہ اسے الہامی تصور کرکے نسخہ سبعینہ (ستر علماء کا نسخہ) کہا جاتا ہے۔ یہ نسخہ اسکندریہ کی لائبریری میں تھا۔ جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔

قرآن حکیم میں یہودیوں کے متعلق لکھا ہے :-

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ

"ان لوگوں کے لیے خرابی ہے جو اپنے ہاتھ سے کتاب لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے"۔ (2-79)

اس بات کا اعتراف مسٹر چیڈوک (J-W-CHADWIK) اپنی کتاب "بائبل آف ٹوڈے" میں یوں کرتا ہے :-

"جو لوگ اپنی تحریروں کو ان نامور ہستیوں کی طرف منسوب کر دیتے تھے۔ جو ان سے بہت پہلے ہو گزری تھیں تو ان کے متعلق اتنا تو ضرور ماننا جائے گا کہ وہ اپنی ان کوششوں کا سہرا اپنے سر نہیں باندھنا چاہتے تھے بلکہ اسے ایک مشن قرار دے کر اسے کامیاب دیکھنا چاہتے تھے چاہے خود کو گوشہ گمنامی میں ہی رہنا پڑے۔ چنانچہ وہ آج تک گوشہ گمنامی میں مستور ہیں"

اس بارے میں انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا کے مقالہ نگار کا خیال یوں ہے :-

"اگرچہ اس نسخہ کی بہت سی تحریفات صاف صاف نظر آرہی ہیں لیکن غالبا ایک کافی تعداد ایسی تحریفات کی بھی ہے جن کی قلعی شاید کبھی نہ کھل سکے"۔

یالشائن والے یہودیوں کے انسائیکلوپیڈیا میں ہے :-

Marfat.com

تاریخ اور وقائع کے مستند ماخذ کی حیثیت سے بائیبل کی حالت عام طور پر مایوس کن ہے اس کے بیانات اور معلومات یا تو مبہم اور متضاد ہیں اور یا اس زمانہ کی تاریخ سے بالکل مطابقت نہیں رکھتے۔ (p - 95)

جیوئش انسائیکلوپیڈیا کے مطابق :-

اگرچہ اسفار موسیٰ خود حضرت موسیٰ کی تصنیف بتائی جاتی ہیں لیکن جدید تحقیق کی رو سے ان کے اٹھائیس کے قریب ماخذ تسلیم کیے گئے ہیں۔

بائیبل کے مفسر پادری ڈملو کی تحقیق یہ ہے کہ :-

موسیٰ کی پانچ کتابیں اصل میں ایک شخص کی تحریر کردہ نہیں ہیں بلکہ پہلی تحریروں کی بنیاد پر بعد میں تالیف کی گئی ہیں۔ (بحوالہ مذاہب عالم کی آسمانی کتابیں ص 29 از غلام احمد پرویز)

لیسلی پال (LESLI PAUL) اپنی کتاب (ANNIHILATION OF MAN) میں لکھتا ہے۔

"عہد نامہ عتیق یا جدید" سائنٹیفک اصطلاح میں خدا کے الفاظ نہیں۔ یہ تو صرف اس انسانی کوشش کا ریکارڈ ہیں جو خدا تک پہنچنے کے لیے کی گئی۔ اس لیے یہ خدا کے متعلق انکشافات ہیں خدا کی وحی نہیں ہیں۔ (p - 175)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو تعلیم دی تھی وہ اسلامی تعلیم کا جزو ہی تھی لیکن مسلسل تحریفات اور مرور زمانہ کی چیرہ دستیوں نے اصل تعلیمات کو بگاڑ کر رکھ دیا چنانچہ یہودیوں کے ہاں الہٰ کا تصور ایک محدود سے خدا کا تصور بن جاتا ہے۔ اسے قومی خدا کا نام دیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ اسے صرف اسرائیلیوں کا خدا کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ نیز تورات کی رو سے خدا اور انسان کا رشتہ گویا میاں بیوی کا سا رشتہ ہے۔ جس طرح ایک شوہر اپنی بیوی کو غیروں کا طرفدار نہیں دیکھنا چاہتا اسی طرح اسرائیلیوں کا خدا بھی اسرائیلیوں کو بے وفائی کی سخت بلکہ ہلاکت خیز سزا دیتا ہے۔

یہودیوں کا خدا تھک بھی جاتا ہے چنانچہ اس نے چھ دن میں آسمان و زمین کی تخلیق انجام دی اور پھر سبت کے (ساتویں) روز تھکاوٹ دور کرنے کی غرض سے آرام کیا۔

یہودیوں کا خدا اپنے کیے پر پچھتاتا بھی ہے۔ مثلاً انسان کے گناہ دیکھ کر اسے افسوس ہوتا ہے کہ اس نے انسان کو کیوں پیدا کیا۔ ان کے عقیدہ کے مطابق ان کا خدا اسرائیل

Marfat.com

یعنی یعقوب علیہ السلام سے رات بھر کشتی لڑتا رہا اور صبح کو اسے برکت سے نواز کر رخصت کیا۔ اسی طرح یہودی نسلی برتری کا شکار ہو کر اپنے آپ کو ایک الگ خدا کی الگ مخلوق یقین کیے ہوئے ہیں۔

یہودیوں کی کتاب تورات اس وقت جو موجود ہے اس میں کتابوں کی تعداد انتالیس ہے۔ جن میں سے پانچ حضرت موسیٰ کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ لیکن ان میں حضرت موسیٰ کی وفات کا بھی ذکر ہے اور اس کے بعد کے حالات بھی درج ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کتابیں اصل نہیں ہیں بلکہ بعد کی مرتب کردہ ہیں۔ ان انتالیس کتابوں میں بعض دوسری کتابوں کے حوالے بھی ملتے ہیں۔ لیکن وہ آجکل ناپید ہیں۔ شاید بخت نصر کے حملہ میں ان کا وجود ختم ہو کر رہ گیا تھا۔

عزرا فقیہہ نے یروشلم کی تباہی کے کوئی ڈیڑھ سو سال بعد 45 ـ 444 ق م میں اپنے حافظہ اور خدا کی عنائت کی مدد سے کو کتابیں لکھوائیں ان کی تعداد دو سو چار تھی۔ جبکہ تورات میں صرف 39 کتابیں رکھی گئی ہیں کیونکہ عزرا فقیہہ کی کتب 70ء میں یروشلم کی تباہی کے دوران تباہ کر دی گئیں۔ تورات کا اصل زبان میں' جس میں کہ وہ نازل ہوئی تھی کوئی نسخہ ساری دنیا میں موجود نہیں۔ اور نہ وہ جو عزرا فقیہہ نے مرتب کروایا تھا۔

تورات کا جو نسخہ دنیا کے سامنے آیا وہ یونانی زبان میں تھا جسے شاہ مصر بطلیموس نے سکندریہ کے کتب خانے کے لیے تیار کروایا تھا۔ اسی یونانی نسخہ کو سامنے رکھ کر اس کے عبرانی میں تراجم کیے گئے۔ اور ان نسخوں میں بے شمار اختلافات موجود ہیں۔

اس مختصر سے جائزے سے انداز کیا جا سکتا ہے کہ یہودیت انسانی رہنمائی کے لیے کہاں تک حقیقت کا ساتھ دے سکتی ہے۔

عیسائیت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی گم گشتہ بھیڑوں کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ یہودیوں میں 144 ق م کے قریب تین فرقے ہو چکے تھے۔ ان کا ذکر جو زیفس اپنی کتاب تاریخ اسلاف میں بھی کرتا ہے۔

یعنی 144 ق م کے قریب یہودیوں میں تین فرقے موجود تھے۔

Marfat.com

(1) فریسی (2)صدوقی (3)ایسین

ایسین (ESSENE) کلدانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں۔ ڈاکٹر حکیم یا وید --- یونانی میں ان کو (THERAPEUTAE) کہا جاتا تھا۔ جس کے معنی آج بھی ڈاکٹر کے ہیں۔ یہ فرقہ بابل کے نواح و ملحقات میں اقامت گزیں تھا۔ یہ گویا اپنے زمانے کے صوفیا تھے۔ مسیحی مورخ یوسی بس (EUSEBIU) نے فیلو (PHILO) کے حوالے سے ان کے بارے میں معلومات محفوظ کر رکھی ہیں۔ جن کی رو سے یہ لوگ درویش اور اللہ والے تھے۔ لالچ اور فسق وفجور سے دور رہتے تھے۔ ایک آنیوالے "مسیحا" کے منتظر تھے۔ توحید پرستی میں بھی مشہور تھے۔ یہ لوگ عوام کی خدمت کرتے ان کے دکھوں کا دعاؤں اور دواؤں سے مداوا کرتے۔ اپنے مرشد کے حکم کے تابع رہتے سخت مجاہدے کرتے۔ اور تجرد کی زندگی بسر کرتے۔

فیلو (PHILO) متوفی 40ء کا کہنا ہے :۔

اس فرقہ کی بستیوں میں معابد اور خانقاہیں ضرور ہوتی تھیں۔ خانقاہوں میں یہ لوگ روحانیت کی بلند و بالا زندگی کے لیے بڑی بڑی پر اسرار ریاضتیں کرتے اور اپنے مشاہدات کسی کو نہ بتلاتے چاہے اس میں انہیں جان سے گزرنا پڑتا۔ ان کے پاس قدیم زمانے کے نوشتے بھی محفوظ ہوتے۔ جن کو وہ بڑی حفاظت سے رکھتے۔ ان نوشتوں میں حتی المقدور اضافہ بھی ہوتا رہتا۔ خدمت خلق اور بیماروں کا علاج کرنا ان لوگوں کے نزدیک ایک فریضہ تھا۔ جس کے عوض وہ کبھی کوئی معاوضہ نہ لیتے۔ بلکہ یہ سب خدمات فی سبیل اللہ انجام دیتے۔

حضرت عیسی علیہ السلام کے حواری

آپ بنی اسرائیل کے بچے کھچے ریوڑ کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ یہودیوں کا ایک بڑا طبقہ آپ کا مخالف تھا اور ان لوگوں نے ہی بالاخر آپ کو صلیب پر لٹکانے کی چال چلی تھی۔ لیکن یہودیوں میں سے کچھ لوگ حضرت عیسی علیہ السلام پر ایمان آئے تھے۔ اور پھر حضرت عیسیٰ کے گرد مقدس حواریوں کی ایک جماعت جمع ہو گئی۔ جو اللہ تعالی کے دین کی حامی و ناصر بن کر ابھری۔ قرآن حکیم میں بھی حواریوں کے پاکیزہ اخلاق اور دین کے لیے ان کے مجاہدانہ کردار کی تعریف کی گئی ہے۔ حضرت عیسی علیہ السلام نے ان لوگوں سے مبلغین کا کام لیا۔ جو آپ کی دعاو برکت سے بعض کرامات کے حامل بنا دیے جاتے تھے۔

Marfat.com

تاکہ لوگ ان نشانیوں کو دیکھ کر دین حق کا اتباع کریں۔

جب حضرت عیسی علیہ السلام کو صلیب پر لٹکانے کی کوششوں والا واقعہ پیش آیا تو آپ کے حواریوں کو بھی مصائب اور آلام سے دو چار ہونا پڑا اور بے شمار مصیبتوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ لیکن ان کی جمعیت بکھر کر رہ گئی۔ تاہم جب حالات ذرا سنبھلے تو ان لوگوں نے پر خلوص انداز میں خدمت خلق اور بنی نوع انسان کی بھلائی کو اپنا مشن قرار دے کر بلا معاوضہ اپنا کام جاری رکھا۔ جس کا ہلکا سا ذکر اوپر آچکا ہے۔ رسولوں کے اعمال (انجیل) میں ہے :۔

پس جن لوگوں نے اس (عیسی) کا کلام قبول کیا۔ انہوں نے بپتسمہ لیا اور اسی روز تین ہزار آدمیوں کے قریب ان سے مل گئے اور یہ رسولوں سے تعلیم پانے' اور رفاقت رکھنے اور روٹی توڑنے اور دعا مانگنے میں مشغول رہے۔ اور ہر شخص پر خوف چھا گیا۔' اور بہت سے عجیب کام اور نشان رسولوں کے ذریعے سے ظاہر ہوتے تھے۔ اور جو ایمان لائے تھے۔ وہ سب ایک جگہ رہتے تھے اور ساری چیزوں میں شریک تھے۔ اور اپنی جائیداد اور اسباب بیچ بیچ کر ہر ایک کی ضرورت کے موافق سب کو بانٹ دیا کرتے تھے۔ اور ہر روز یکدل ہو کر ہیکل میں جمع ہوا کرتے۔ اور گھروں میں روٹی توڑ کر خوشی اور سادہ دلی سے کھانا کھایا کرتے تھے اور خدا کی حمد کرتے اور سب لوگوں کو عزیز رکھتے۔

(رسولوں کے اعمال 2۔41 تا 47)

ان حواریوں اور یہودیوں میں کچھ خاص فرق نہ تھا کیونکہ دینی عقائد کے اعتبار سے شرعی احکامات دونوں کے لیے تقریباً ایک ہی تھے۔ البتہ یہودی ایک آنیوالے نبی کے منتظر تھے۔ جب کہ یہ لوگ کہتے تھے کہ سینٹ پال (پولوس) یہودیت چھوڑ کر عیسائی ہو گیا تو اس نے عیسائیوں کے ستانے اور عذاب دینے سے توبہ کرلی اور سینٹ برناباس کی معیت میں انطاکیہ میں مسیحیت کا مبلغ بن گیا۔ اور غیر یہودیوں کو بھی عیسائیت کی تبلیغ شروع کر دی۔ حالانکہ حضرت عیسی کے بقول (جو انجیل میں ہے) وہ بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے تھے اور "بیٹوں کی روٹی کتوں کے آگے" ڈالنے نہیں آئے تھے۔ لیکن سینٹ پال نے عیسائیت کو جب عام لوگوں میں پھیلانا شروع کیا تو سوال یہ پیدا ہوا کہ غیر یہودیوں کے لیے احکام شریعت کی پابندی کہاں تک ضروری ہے۔ اور اس کی تفصیل اعمال (باب 15) میں موجود ہے۔

Marfat.com

70ء میں یہودیوں پر افتاد پڑی تو عیسائیت پر غیر یہودی عنصر کا غلبہ ہو گیا۔

کرسچین

عیسائیوں کا یہ نام پہلے پہل 43ء میں رکھا گیا تھا۔ (اعمال ۔ 11 ۔ 26)

لیکن انسائیکلو پیڈیا آف ریلجس نالج کے مطابق یہ نام 65ء میں رکھا گیا۔ دراصل یہ نام ان کے مخالفین نے ازراہ طعن و تشنیع انہیں دیا۔ کیونکہ وہ لوگ تیل اور چربی مل کر رہتے تھے۔ اور ایسے لوگوں کو (CHRIST) یعنی تیل و چربی کا مسح کرنے والے کہا جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ یہودیوں کو زوال آتا گیا اور عیسائیت پھلتی پھولتی رہی۔ یروشلم کی تباہی کے بعد عیسائی کلیسا شام میں قائم کیا گیا۔ لیکن بعد میں دوبارہ یروشلم میں منتقل ہو گیا 132ء میں جب یہودیوں نے ایک بار پھر سر اٹھایا تو انہیں حکومت کی طرف سے یروشلم میں آنے کی ممانعت کر دی گئی۔ اس طرح عیسائیت یہودی عنصر کے غلبہ سے آزاد ہو کر الگ طور پر بنیاد پذیر ہونے لگی۔ حتی 325ء میں نیقیہ کی مشہور کونسل منتخب ہوئی جس نے عیسائیت کو ایک بالکل جداگانہ اور یہودیت سے الگ مذہب قرار دے دیا۔

تحریف دین کا آغاز

اب گویا باپ' بیٹا اور روح القدس (اقانیم ثلاثہ) کو مقام الوہیت کے مستقل بالذات ارکان تسلیم کر لیا گیا۔ اور کونسل نے فیصلہ دیا کہ :۔

جو شخص دعویٰ کرے کہ کسی وقت' خدا کے فرزند کا وجود نہ تھا یا وہ نیست سے ہست کیا گیا' یا کسی ایسے مادہ یا جوہر سے اس کی تخلیق ہوئی جو ربانی نہیں ہے یا وہ مخلوق یا متغیر ہے تو ایسے شخص کو کلیسائے مقدس ملعون قرار دیتا ہے۔

تثلیث کا عقیدہ

اس طرح تثلیث کا عقیدہ عیسائیت میں در آیا۔ جسے قسطنطین کی حکومت نے قانون کی حیثیت سے نافذالعمل کر دیا۔ اور پھر رفتہ رفتہ یونانیوں اور مصریوں کے توہمات اور رسومات بھی اس مذہب کے اجزاء بنتے چلے گئے۔ اس کے قریب ایک سو سال بعد حضرت مریمؑ کی پرستش بھی بحیثیت "خدا کی والدہ" اس مذہب کا جزو قرار پا گئی غور کیجئے کہ اس طرح عیسیٰ علیہ السلام کی خالص توحید پر مبنی تعلیمات کہاں سے کہاں پہنچ گئیں۔

Marfat.com

اناجیل

قرآن حکیم میں تورات' زبور اور انجیل تینوں کو آسمانی کتب تسلیم کیا گیا ہے چونکہ دین شروع دن سے ایک ہی تھا- اس لیے خدائی تعلیمات بنی نوع انسان کی رہنمائی کے لیے نازل ہوتی رہیں- کم ضرورت پڑی تو صحائف کی شکل میں اور زیادہ مدون طور پر ضرورت سمجھی گئی تو کتب کی صورت میں- حضرت عیسی علیہ السلام پر انجیل نازل ہوئی تھی- جو بعض لوگوں کو سینہ بسینہ یاد تھی- لیکن حواریوں کی جماعت پر بڑی پریشانی کا وقت گزر رہا تھا- اس طرح اصل انجیل ناپید ہونا شروع ہوئی اور ساتھ ہی عیسائیت الگ طور سے ابھرنے لگی- تو مختلف لوگوں نے انجیل مرتب کرنے کی طرف توجہ کی- لیکن بجائے اس کے کہ وہ لوگ مل کر ایک انجیل مرتب کرکے اس کی اشاعت کرتے- ہر طبقہ نے اپنی اپنی انجیلیں مرتب کرنا شروع کر دیں- چنانچہ انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا کے مطابق اس سلسلہ میں تقریباً چونتیس اناجیل مرتب ہو چکی تھیں- جو دراصل حضرت عیسی علیہ السلام کی سوانح حیات تھیں-

سپنگلر کے مطابق :-

جب حضرت مسیح کے دوست اور شاگرد بوڑھے ہو گئے اور یروشلم میں اس جماعت کا صدر آپ کا بھائی تھا تو انہوں نے ان قصص و روایات کو جو عام طور پر زبان زد خلائق تھیں یکجا مرتبہ کرکے آپ کی سوانح عمری تصنیف کی --- یہی انجیل ہے (سپنگلر ---- زوال مغرب جلد نمبر2 ص212) حضرت عیسیٰ اور آپ کے حواریوں کی زبان ارامی تھی- لیکن یہ سب اناجیل یونانی زبان میں لکھی تھیں- سوائے ایک کے (جس کا نسخہ اب ناپید ہے) پھر حواریوں کی طرف منسوب خطوط تھے جن کی تعداد ایک سو تیرہ کے قریب تھی- اور 325ء میں سارا لٹریچر نیقیہ کی کونسل کے سامنے رکھا گیا جن میں سے چار اناجیل کو معتبر قرار دے کر منتخب کر لیا گیا- علاوہ ازیں رسولوں کے اعمال' پولوس' یعقوب' پطرس' یوحنا اور یہودا کے خطوط اور یوحنا کے مکاشفات بھی اس میں شامل کر لیے گئے اور باقی سب اناجیل کو وضعی اور جعلی (اپو کریفہ) قرار دے کر مسترد کر دیا گیا- آجکل متی' مرقس' لوقا اور یوحنا کی اناجیل ہی بائبل مقدس کا حصہ ہیں-

ان اناجیل کے متعلق موسیو رینان ---- کی رائے کچھ یوں ہے :-

"چونکہ (حضرت عیسیٰ کے بعد) لوگوں کا عقیدہ یہ تھا کا عنقریب خاتمہ ہونے والا ہے

Marfat.com

اس لیے انہوں نے مستقبل کے لیے کتابیں تصنیف کرنے کی طرف کوئی دھیان نہ دیا۔ ان کے لیے صرف اتنا ہی بہت تھا کہ جس کے بارے میں انہیں انتظار تھا کہ وہ اسے بادلوں کے اندر دوبارہ دیکھیں گے۔ اس تصور کو وہ اپنے دل کے آئینے میں آویزاں رکھتے یہی وجہ ہے کہ ابتدائی ڈیڑھ سو سال میں اناجیل کو کوئی مستند حیثیت حاصل نہ تھی۔ ان میں اضافے کرنے' یا مختلف انداز سے ترتیب دینے یا ایک کی تکمیل دوسری کے ذریعے کرنے میں بھی کوئی باک تھا اور نہ تامل۔ (حیات مسیح ص12)

سینٹ پال کا سابقہ ڈین ڈاکٹر ڈبلیو - آر - انج (W - R - INGE) اپنی کتاب بت پرستی کا زوال (THE FALL OF THE IDOLS) میں یوں رقمطراز ہے:۔

"بہت کم علما ایسے ہوں گے جو انجیل چہارم (یوحنا کی انجیل) کو ایشیائے کوچک کے کسی گمنام صوفی منش شخصیت کی تالیف تسلیم کرنے کے بارے میں اختلاف کرتے ہوں۔ جو 95ء اور 127ء کے درمیان لکھی گئی (کتاب مذکور ص261)

اور موسیو رینان اناجیل اربعہ کے متعلق بحث کرنے کے بعد لکھتا ہے کہ:۔

یہ اناجیل کھلے طور پر ایک دوسرے کی تردید کرتی ہیں (حیات مسیح صفحہ 29)

پروفیسر جوڈ (JOAD) اپنی کتاب (GOD AND EVIL) میں لکھتا ہے کہ:۔

"اناجیل کے باہمی تضاد نے مجھے پریشان کر دیا ہے"۔ (ص318) میں ان کے متعلق بہت کچھ پڑھ لینے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ مسٹر بیوان (BEVAN) کا یہ بیان بالکل درست ہے کہ:۔

"ہماری قدیم اناجیل سینٹ مرقس اور سینٹ پطرس کی یادداشتوں کا مجموعہ ہیں۔ یعنی حضرت عیسی (علیہ السلام) نے پطرس کی وفات سے اڑتیس سال قبل جو کچھ کہا۔ اس میں سے جو کچھ پطرس کو یاد رہ سکا وہ بھی ارامی زبان سے یونانی زبان میں ترجمہ شدہ تھا۔ اس لیے (کلیسا کے فیصلہ سے قطع نظر) یہ سمجھنا بالکل حماقت ہے کہ آج جو کچھ حضرت عیسیٰ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے وہ لفظ بہ لفظ انہی کا فرمودہ ہے جسے گویا کسی مختصر نویس (SHORT HAND WRITER) نے لکھ لیا ہو یا فوٹوگرافر نے محفوظ کر لیا ہو"

(GOD AND EVIL PAGE = 323)

اناجیل کی تعلیم کو سامنے رکھتے ہوئے جوڈ لکھتا ہے:۔

"سیاسی اور اقتصادی معاملات کے متعلق حضرت عیسیٰ کی تعلیم

Marfat.com

افسوسناک حد تک مبہم ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسیحی علماء سرمایہ داری' استعماریت غلامی' جنگ' قید و بند' (دشمنوں کو) زندہ جلانا یا ایذا رسانی' غرضیکہ جس چیز کو چاہیں بلاضرورت مسیح کی تعلیم ثابت کر سکتے ہیں۔ (ایضاً۔ ص 331)

تراجم

یونانی سے اناجیل مقدسہ کے تراجم لاطینی اور پھر انگریزی میں ہوئے۔ چوتھی صدی عیسوی میں جیروم نے یونانی سے ان کا ترجمہ لاطینی میں کیا۔ یہی ترجمہ اس انگریزی ترجمہ کی بنیاد ہے جو شاہ جیمس کے عہد میں 1611ء میں شائع کیا گیا اور اسے مستند ترجمہ کہا جاتا ہے۔ 1870ء میں ستائیس علمائے عیسائیت کی ایک کمیٹی نے 1611ء والے ترجمے کو ناقص قرار دے کر اس کی اصلاح کا بیڑہ اٹھایا۔ کیونکہ 1611ء والے ترجمے کے وقت اناجیل کے دو قدیمی نسخے جو اسکندریہ اور سینا کے کتب خانوں میں محفوظ تھے' اس وقت تک دریافت نہ ہوئے تھے۔ چنانچہ ان کی دریافت کے بعد اس ترجمے کی اصلاح لازمی سمجھی گئی۔ اور علماء کی اس کمیٹی نے 1881ء میں اناجیل کے ترجمہ کا نظر ثانی شدہ ایڈیشن شائع کیا اور اس کا نام (REVISED EDITION) رکھا۔

بائبل کا مفسر پادری ڈملو اناجیل لکھنے والوں کے بارے میں لکھتا ہے:۔

ایک نسخہ کا نقل کرنے والا بعض اوقات وہ الفاظ درج نہیں کرتا تھا جو اصل عبارت میں موجود ہوتے تھے بلکہ وہ الفاظ درج کر دیتا تھا جو اس کے خیال میں درج ہونے چاہیں تھے۔ وہ ایک ناقابل اعتبار حافظہ پر بھروسہ کرتا یا بعض اوقات اصل عبارت کو بدل کر اس فرقہ کے خیالات کے مطابق کر دیتا جس سے کہ وہ خود متعلق ہوتا۔ ابتدائی عیسائی بزرگوں کی عبارات اور حوالہ جات کے علاوہ عہد نامہ جدید کے قریباً چار ہزار اختلافی نسخے یونانی زبان میں ہیں نتیجہ یہ کہ اختلاف عبارات بہت زیادہ ہیں۔ (بحوالہ مذاہب عالم کی آسمانی کتابیں از غلام احمد پرویز ص 54 - 55)

عیسائیوں کے عقائد

تثلیث کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ اب عیسائیت کے مذہبی اصول ملاحظہ کیجئے جو ٹرنٹ کی کونسل (منعقدہ 1545ء تا 1563ء) نے بحث و تمحیص کے بعد منظور کر کے جاری کیے۔

"ہم ایمان لائے (1) خدا' قدرت والے باپ پر جو ظاہر اور پوشیدہ چیزوں کا خالق ہے۔

Marfat.com

(2) رب یسوع مسیح ابن اللہ پر جو باپ کا اکلوتا بیٹا ہے- جو باپ (خدا) کے ہاں جملہ کائنات سے پہلے پیدا ہوا- عین ذات ہے الہ الہ ہے- نور نور ہے- عین خدا ہے- مولود مولود ہے- مخلوق نہیں- باپ اور اس کا جوہر ایک ہے- اس کی وساطت سے تخلیق اشیاء ظہور میں آئی یعنی جو کچھ آسمان میں ہے ہم انسانوں کی نجات کے واسطے اس کا نزول اور حلول ہوا اور وہ انسان بنکر آیا- جتلائے بلا ہوا اور تیسرے دن اٹھ کھڑا ہوا اور آسمان پر چڑھ گیا- اور اب زندوں اور مردوں کا انصاف کرنے پھر آئے گا"- (COUNCIL OF TRENT PAGE - P - 161)

ایک طرف یسلی (LESLIE PAUL) کہتا ہے :-

"مادہ اور کائنات کی تخلیق اور تعمیر کے متعلق عیسائیت کے نظریے غلط ہو سکتے ہیں لیکن خدا کے متعلق تصور اور اس کے طریق عبادت کے متعلق اس کی تعظیم غلط نہیں ہو سکتی"- (THE ANNIHILATION OF MAN - P - 175)

جبکہ دوسری طرف سر رچرڈ گریگری (SIR RICHARD GREGORY) کا کہنا ہے کہ بائبل میں خدا کا تصور یکساں نہیں- اور یہ یقین کے ساتھ بتایا جاسکتا ہے کہ فلاں مقام پر کون غیر مسیحی اثر کار فرما ہے اور فلاں مقام پر کون؟- (RELEGION IN SCIENCE D CMUZATION)

چنانچہ اس کا یہ خیال بھی ہے کہ :-

بائبل حسب ذیل وجوہ کی بنا پر اپنی صحت کے عقیدہ کو ثابت کرنے میں ناکام رہ جاتی ہے-

1- اس کا خود باہمی --- تضاد

2- عیسائیت کی بنیاد کن چیزوں پر ہونی چاہیے اور اخلاق کا ضابطہ کیا ہے- اس کے متعلق جو نظریے آجکل مروج ہیں ان سے بائبل اختلاف کرتی ہے-

3- جو واقعات اس میں بیان کیے گئے ہیں سائنس کے موجودہ انکشافات ان کی تکذیب تغلیط کرتے ہیں-

4- اس کی تدوین و تالیف اور جمع و تدوین کے متعلق جو کچھ عقیدہ پیش کیا جاتا ہے- جب اسے تنقید کی کسوٹی پر پرکھا جائے تو وہ بالکل باطل نظر آتا ہے- اس لیے جب اس کی بنیادیں ہی غلط ثابت ہوتی ہوں تو اس کی صحت کو کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے- (ایضا ص 82)

Marfat.com

یہ حوالہ جات عیسائیت میں توحید کے تصور کی وضاحت کے لیے کافی ہیں۔ قرآن حکیم نے جس انجیل کے مُنَزَّلٌ مِنَ اللہ ہونے کی شہادت دی ہے اس انجیل کا سراغ ا راہبوں کے ہاں ملتا تھا۔ جو ایک آنے والے آخری نبی ﷺ کے منتظر تھے۔ اسی طر یہودیوں میں بھی علمائے حق کا ایک گروہ عہد نامہ عتیق کے اصل پاروں کو اپنے ساتھ رکھ تھا۔ مگر حکومتوں اور کلیسا کے زیر اثر بعض نسخوں پر پابندیاں اس بات کی مقتضی تھیں ان کو خواص تک ہی محدود رکھا جائے۔ چنانچہ قرآن حکیم بتلاتا ہے کہ اہل کتاب حضر محمد مصطفی ﷺ کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو (بغیر کسی شک و ش کے) پہچانتے ہیں۔ (بقرہ:)

اس کی تفصیل قرآن حکیم اور سیرت ﷺ کی کتب میں دیکھی جاسکتی ہے۔

صرف ایک انجیل

دنیا میں اس وقت پائی جانے والی انجیلوں میں صرف ایک انجیل ایسی ملتی ہے جس کی تعلیمات توحید کے خالص نظریہ کی حامل ہیں۔ اور وہ انجیل "برنا باس کی انجیل کہلا ہے۔ لیکن کلیسا نے نیقیہ کی 325ء میں منعقد ہونیوالی کونسل کے ذریعے اسے بھی وضع انجیل قرار دے دیا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس انجیل کی خالص توحید پر مبنی تعلیما عیسائی دنیا میں عام نہ ہو سکیں۔ پھر اس انجیل کو منظر عام پر لانے کی کوشش کی تو فوراً ا کی کوششوں کو مختلف طریقوں سے زیر و زبر کر دیا گیا۔ اس کی تفصیل راقم (قدر آفاقی) کتاب پنجابی نثر میں مستند ترین سیرت نبوی ﷺ مکی مدنی ماہی ﷺ میں بھی ملاحظہ جاسکتی ہیں۔ اور راقم کی اردو میں مستند ترین سیرت نبوی "سیرت سید لولاک" میں بھ دیکھی جاسکتی ہے۔

اجمالاً اس کا تعارف کچھ یوں ہے کہ مسترد کردہ اناجیل میں انجیل برنا باس بھی شامل تھ لیکن اس کی تعلیمات چونکہ کلیسا کی اختیار کردہ تعلیمات کے خلاف اور خالص توحید پر مبنی تھیں اس لیے اور بیسیوں اناجیل کی طرح اسے بھی رد کر دیا گیا۔ ان متروک اناجیل کو غیر مستند (APOCRYPRAL) اور غیر موثق کہا جاتا ہے۔ جبکہ انجیل کی خالص کتاب کو قرآن نے

---

(۱) انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا۔ گیارہواں ایڈیشن زیر مادہ (APOCRYPHAAL) م تفصیل تحت مادہ "OSPEL - 6" بھی ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

Marfat.com

ھا ھدی ونور کہا ہے۔ انجیل برناباس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ایک مخلص حواری برنا باس یا برنباس کی مرتب کردہ ہے۔ جسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی زندگی میں ہی حکم دیا تھا کہ لوگ ان کی ذات کے بارے میں مبالغہ اور افراط و تفریط سے کام لینے لگے ہیں جس سے گمراہی کا امکان ہے۔ لہٰذا تم حقیقت کو واضح کرنا۔ اور خالص عقائد لوگوں تک پہنچانا۔ چنانچہ اس ارشاد مسیح کی تعمیل میں برناباس نے یہ نسخہ مرتب کیا۔ لیکن یہ کتاب گمراہ کن قرار دے کر نہ صرف مسترد کر دی گئی بلکہ اس کا اپنے پاس رکھنا بھی جرم قرار دے دیا گیا۔ حتیٰ کہ اس سے عیسائی دنیا بالکل بے خبر ہو گئی۔ پھر اتفاق سے پوپ سکٹس پوپ (پوپ کا عرصہ 1585 تا 1590 کے کتب خانے میں یہ کتاب پوپ کے ایک دوست فرامارینو (FRAMARINO) نامی راہب کے ہاتھ لگ گئی۔ جسے وہ چھپا کر اڑا لایا اور اس کا ترجمہ اس نے اپنی مادری زبان اطالوی میں کیا۔ 1709ء میں یہ اطالوی ترجمہ شاہ پروشا کے ایک درباری کریمر (CRAMER) کے ہاتھ لگا جسے اس نے 1713ء میں "سیوائے" کے شہزادہ یوجین کی خدمت میں پیش کیا۔ 1738ء میں شہزادہ یوجین کی لائبریری کو امپیریل لائبریری میں مدغم کر دیا گیا۔ جہاں اب تک یہ کتاب موجود بتائی جاتی ہے۔ تقریباً اسی دور میں یہ نسخہ نقل ہو کر میڈرڈ پہنچا اور اسپینی زبان میں ترجمہ کیا گیا۔ جس کو سامنے رکھ کر کوئینز کالج آکسفورڈ کے انٹر منک ہاؤس نے 1784ء میں انگریزی میں ترجمہ کیا۔ لیکن یہ غائب کر دیئے گئے۔ 1908ء میں ایک مصری عیسائی عالم "خلیل بک" نے انگریزی ترجمہ کو سامنے رکھ کر اس کتاب کو عربی کا جامہ پہنایا۔

اس سے پہلے 1907ء میں ایک محقق پادری ریگ (RAGG) اور اس کی بیوی نے اطالوی ترجمے کو سامنے رکھ کر انگریزی ترجمہ کیا اور آکسفورڈ کلیرنڈن پریس سے شائع کیا۔ لیکن اسے بھی غائب کر دیا گیا۔ 1973ء میں ریگ والا انگریزی ترجمہ قرآن کونسل آف پاکستان نے شائع کر دیا۔ اور اس کا اردو ترجمہ آسی ضیائی نے کیا ہے جسے اسلامک پبلیکیشنز لاہور نے شائع کیا۔ اس انجیل کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں خالص توحید کے ساتھ ساتھ حضرت محمد ﷺ کا نام لے کر بشارتیں دی گئی ہیں۔ اور بہت جگہوں پر آپ ﷺ کا نام مبارک واضح لفظوں میں آیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس انجیل کو غائب کیا جاتا رہا۔ اور جب دیکھا کہ اسے مزید غائب کرنا ممکن نہیں رہا تو عیسائی مبلغین نے بڑی شد و مد سے اس کو نہ صرف جعلی قرار دیا بلکہ کسی مسلم کی تصنیف ہونے کا الزام بھی لگایا۔ لیکن اس

Marfat.com

کی حقانیت سے انکار ممکن نہیں کیونکہ:

جس گھر کی تھی یہ بات اسی گھر سے اڑی ہے

(حیدر علی دہلوی مرحوم)

مجوسیت یا زرتشتیت

یہودیت اور عیسائیت کا تعلق ان مذاہب سے ہے جن کا ذکر قرآن میں بھی ملتا ہے۔ اس لیے انہیں اولیت دی گئی۔ اب دیگر مذاہب میں جناب زرتشت اور ان کی تعلیمات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

قدیم تحریروں میں سب سے پہلے جناب زرتشت (ZOROASTER) کا ذکر افلاطون کے ہاں ملتا ہے۔ وہ تقریباً 400 ق م میں لکھتا ہے۔

ایرانی نوجوانوں کو مغ زرتشت ابن ہرمز تعلیم دیا کرتا تھا۔ ڈاکٹر ڈرائیڈو (DRIDEAU) کی تحقیق کے مطابق جناب زرتشت ایران کے بادشاہ دارا کے ہم عصر تھے۔ گویا ان کا زمانہ 600 ق م کے قریب ہے۔ لیکن گبن لکھتا ہے:۔

دارا کے ہمعصر یونانی مورخوں کی رائے کے مطابق جناب زرتشت کا زمانہ دارا سے سینکڑوں بلکہ ہزاروں سال پہلے کا ہے۔

انیسویں صدی میں ہاگ (GAUG) اور بنسن (BUNSEN) وغیرہ نے تحقیق کی اور بتایا کہ جناب زرتشت دراصل باختر کے رہنے والے تھے۔ اور ان کا زمانہ 2400 ق م 2200 ق م کے درمیان ہے۔ اس کی تائید قدیم بابلی مورخ ہیروسس (HEROSUS) کی تحریر سے بھی ہوتی ہے جس نے 325 ق م کے قریب سکندر اعظم کے حملوں کے بعد اپنے ملک کی تاریخ مرتب کی تھی۔ اس کے خیال میں جناب زرتشت کا زمانہ 2334 ق م کے قریب ہے جبکہ بعض دیگر محققین ان کا دور 6350 ق م تک کو قرار دیتے ہیں۔ اس طرح جناب زرتشت کا زمانہ 600 ق م سے 6350 ق م تک بتایا جاتا ہے۔ چنانچہ اس اس مسئلہ کی تطبیق کی خاطر رہنے گینن (RENDGUENON) کا خیال ہے کہ زرتشت ا علم نہیں بلکہ ایک منصب تھا۔ جس میں "نبوت اور قانون سازی" کا مفہوم پایا جاتا تھا۔ للذ زرتشت بہت سے ہو گزرے ہیں اور آخری زرتشت کا زمانہ 600 ق م ہے۔

(ایرانی سس آف دی ماڈرن ورلڈ صفحہ 16 بحوالہ مذاہب عالم کی آسمانی کتابیں صفحہ 82 ۔ 81)

Marfat.com

کتاب مقدس

زرتشت کا مذہب باختزار (BACTARIA) میں پھلا پھولا- وہاں سے ایران آیا- اور دارا کے زمانہ میں اس کے 117 صوبوں کا ریاستی مذہب قرار دیا گیا- ژند اوستا اس مذہب میں کتاب مقدس مانی جاتی ہے- یہ پہلوی زبان میں ہے- لیکن اس کی

زبان ایک جیسی نہیں- اس میں گتھاؤں نامی حصہ کی زبان خاص قسم کی ہے- اور کہا جاتا ہے کہ یہ حصہ جناب زرتشت کا ہے- باقی حصہ قدیم ایرانی کتابوں کا مرکب سا ہے- 500 ق م میں ایران میں اس مذہب کے ستر فرقے موجود تھے اور ہر فرقہ اپنے پاس ایک "اصلی اوستا" رکھنے کا مدعی تھا- اور وہ دوسروں کی اوستاؤں کو جعلی کہتا تھا- یہ اوستائیں ایک دوسری سے مختلف تھیں اوستاؤں کی بھرمار سے نجات حاصل کرنے کے لیے ایران کے بادشاہ ارتخشاہ (ARTAXEUES) نے 450 ق م کے قریب ایک عالی شان کونسل کا اہتمام کیا- جس میں اسی ہزار کے قریب مغ یعنی پجاری شریک ہوئے- ان میں سے سات نہایت زاہد و عابد پجاریوں کو نمائندہ منتخب کر کے ایک کمیٹی بنا دی گئی- اس کمیٹی نے ایک سربراہ چنا جس کا نام اودا دیرف تھا- اور اسے آتشیں شراب کے تین ساغر پلا دیے- جس کے بعد وہ لمبی گہری نیند سو گیا- بیدار ہو کر اس نے بتلایا کہ اسے آسمانوں کی سیر کرائی گئی ہے جہاں اس نے مقدس دیوتاؤں کی زیارت کا شرف بھی پایا اور پھر اوستا کا ایک نسخہ مرتب کر کے پیش کیا- اور باقی اوستاؤں کو مسترد قرار دے دیا گیا- یہ نسخہ سکندر اعظم کے حملہ کے وقت نذر آتش ہو گیا اور پھر مدتوں اس کتاب کا پتہ نہ چل سکا- موجودہ اوستا مختلف طریقوں اور یادداشتوں اور ذرائع سے مرتب کردہ نسخہ ہے-

تعلیمات

بنیادی طور پر زرتشت کی تعلیم توحید خداوندی پر مبنی تھی- مثلاً ہر کام کی ابتدا "بنام ایزد بخشایندہ بخشائش گر" سے کرنا- اس زندگی کے بعد اگلے جہان میں سزا و جزا کا عقیدہ' جنت اور دوزخ کا اعتقاد' فرشتوں کے وجود کا اعتراف وحی کا اقرار وغیرہ یہ سب باتیں اس مذہب کی اہم تعلیمات تھیں- لیکن آہستہ آہستہ ان تعلیمات پر کفر و شرک کی گرد جمتی گئی اور پھر دین زرتشت میں دو خداؤں کا تصور جڑ پکڑ گیا- ایک خدا نیکی اور خیر کا مالک و خالق

Marfat.com

دوسرا شراور بدی کا --- نیکی اوربدی کی قوتوں سے تو اسلام بھی انکار نہیں کرتا- لیکن ان کو الوہیت کا درجہ بھی نہیں دیتا- دراصل ثنویت یعنی دو خداؤں کا تصور ایران کے دیگر مذاہب مثلاً مالوی مذہب یا قدیم آریائی مذہب وغیرہ میں بھی موجود تھا- اور زرتشیت پر یہ بیخ بعد والوں نے لگائی اور اس کا حلیہ اور اسکی خالص تعلیمات کو بگاڑ کر رکھ دیا ثنویت کے عقیدہ کی رو سے دنیا کا خالق ایک نہیں بلکہ دو ہیں- نیکی اچھائی اور خیر کا خالق یزدان اور بدی اور شر کا خالق اہرمن کہلاتا ہے- اسی طرح اس میں آتش پرستی اور ستارہ پرستی کو بھی شامل کر دیا گیا- پھر اس مذہب میں اہرمن اور یزدان کی درمیانی کڑی مترا (MITHRA) کو بھی خاص اہمیت حاصل ہے- جسے ان دونوں کے درمیان واسطہ قرار دیا جاتا ہے- اس کے بارے میں زرتشتیوں کا عقیدہ ہے کہ وہ نوع انسانی کی نجات کے لیے دنیا میں آیا- لوگوں نے اسے اذیتیں دیں- آخر وہ جان دیگر انسانی گناہوں کا کفارہ ادا کر گیا- اور تیسرے دن قبر سے زندہ جی اٹھا- اس کی معجزانہ پیدائش 25 دسمبر کو ہوئی اور مرنے کے بعد معجزانہ طور پر دوبارہ وہ 25 مارچ کو زندہ ہوا- بعدازاں اس کی پرستش ایران سے نکل کر ہندوستان بابل مصر وغیرہ میں بھی پھیل گئی- ان کے بقول وہ ایک بار پھر اس دنیا میں ظاہر ہو گا --- اور باطل کو شکست دے گا- وغیرہ وغیرہ-

مترا کے بارے میں ڈاکٹر چارلس بگ (CHARLES BIGG) اپنے خطبات (THE CHRISTIAN PLATONISTS OF ALEXANDRIA) میں قمطراز ہے-

مترا قدیم دنیا کی آرین نسل قوموں کا خدا تھا- ویدوں میں اسے نور و صداقت دینے والا قرار دیا گیا- ہے پلوٹارک کہتا ہے کہ وہ اہرمزد اور اہرمن کے درمیان واسطہ ہے- یا بالفاظ دیگر انسان اور خدا کے درمیان وسیلہ- وہ سورج ہے جو اس دنیا میں انسان کی خاطر تاریکی اور سردی کے خلاف اپنی کرنوں کے تیروں کے ذریعے جہاد میں مصروف ہے- اس لیے عہد میں اس کی پرستش ہوتی تھی .... نیز یہ عقیدہ بھی تھا کہ آخری دور میں دنیا میں ایک نجات دہندہ مقدس زرتشت آئے گا- وہ خیر و شر کی جنگ کا خاتمہ کرے گا- موت اور جہنم کو تباہ برباد کر دے گا- اس کے بعد انسان ہمیشہ کی خوشیوں اور مسرتوں میں رہے گا- وغیرہ وغیرہ آج پارسی حضرات اس مذہب کی رو سے آگ کی پرستش بھی کرتے ہیں اور گائے کے پیشاب کو مقدس سمجھتے ہیں-

پس ایسی نامکمل اور مبہم تعلیم کا حامل مذہب اس قابل نہیں کہ اسے ضابطہ حیات

Marfat.com

قرار دے کر زندگی کے ہر شعبہ میں اسے رہنما بنایا جا سکے۔ نیز یہ دور سائنس کا دور ہے۔ چنانچہ اس دور میں توہمات پر زندگی کے حقائق کی بنیاد قائم نہیں کی جا سکتی۔

ہندومت

ہندو ازم کیا ہے۔ اس کی کوئی تعریف معین نہیں۔ پنڈت جواہر لال نہرو اپنی کتاب (THE DISCOVERY OF INDIA) میں لکھتے ہیں :۔

"ہندو ازم ایک عقیدہ کی رو سے بالکل مبہم، غیر متعین اور پہلو دار واقع ہوا ہے۔ جس میں ہر شخص کو اپنے مطلب کے مطابق سند مل جاتی ہے اس کی (DEFINETION) کرنا ناممکن ہے۔ حتیٰ کہ یہ کہنا بھی مشکل ہے کہ آیا یہ کوئی مذہب ہے بھی یا نہیں! یہ اپنی موجودہ شکل و صورت میں بہت سے عقائد اور رسموں کا مجموعہ ہے جو اعلیٰ بھی ہیں اور ادنیٰ سے ادنیٰ بھی اور آپس میں مختلف اور متضاد بھی۔ اس کا لازمی عنصر غالباً رواداری کا جذبہ ہے"۔

بقول نہرو مہاتما گاندھی نے ہندو ازم کی تعریف یوں کی ہے :۔

"اگر مجھ سے کہا جائے کہ ہندو مذہب کی تعریف کرو تو میں صرف اتنا کہوں گا کہ یہ عدم تشدد کے ذریعے سچائی کی تلاش کا نام ہے۔ کوئی چاہے خدا کو مانے یا نہ مانے لیکن وہ ہندو کہلا سکتا ہے۔ ہندو ازم سچائی کا مذہب ہے۔ سچائی ہی خدا ہے۔ خدا کے انکار سے ہم واقف ہیں لیکن سچائی سے انکار کہیں نہیں سنا گیا"۔

اس پر جواہر لال نہرو محاکمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

گویا گاندھی جی کے الفاظ میں اہنسا اور سچائی ہندو ازم ہے جبکہ بہت سے مشہور اور سچے ہندو اہنسا کو ہندو مذہب کا جزو نہیں مانتے۔ تو باقی رہ گئی سچائی۔ تو گویا نری سچائی کو ہم ہندو مذہب کہہ سکتے ہیں۔ لیکن یہ تو کوئی تعریف نہ ہوئی۔ (ص 53)

یہ تو ایک جدید دور کے پڑھے لکھے ہندو کے خیالات تھے۔ بنارس ہندو یونیورسٹی کی کورٹ کونسل اور سینٹ کے ممبر مسٹر گووند داس اپنی کتاب "ہندو ازم" میں لکھتے ہیں :۔

ہندو دھرم کی کوئی تعریف (DEFINITION) ممکن نہیں۔ کیوں کہ اس کی حدود ہی متعین نہیں۔ یہ باب دراصل علم الانسان سے متعلق تھا۔ جسے بدقسمتی سے مذہب کا نام دے دیا گیا۔ ویدوں سے شروع ہو کر چند ایک قبائل کے رسم و رواج اپنا کر یہ آگے بڑھا

Marfat.com

اور لڑھکتے ہوئے برف کے گولے کی طرح جس جس قوم اور قبیلہ سے مس ہوا اس کی رسوم اور تخیلات کو اپنے اندر جذب کرکے اپنے حجم میں بڑھتا چلا گیا۔ حتی کہ یہ سلسلہ اب تک جاری ہے اور یہ مذہب ہمہ گیر اور محیط کل ہے۔ یعنی یہ مذہب ہر ایک کو اپنے اندر جذب کرلینے والا۔ سب کو مطمئن رکھنے والا اور سب کی فرمانبرداری کرنے والا ---- واقع ہوا ہے۔

بقول مسٹر گووندداس مذکور ہندو ہونے کی شرائط یہ ہیں :-

1۔ ضروری نہیں کہ کوئی ہندو' ہندو گھرانے میں ہی پیدا ہو۔

2۔ ضروری نہیں کہ وہ بھارت میں ہی پیدا ہو۔

3۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ ویدوں پر ایمان لائے کیونکہ گیتا (مقدس کتاب) ویدوں کو بڑی شد و مد کے ساتھ جھوٹ کا پلندہ کہتی ہے۔ چارواک بڑے زور وار طریقے سے ان کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اور انہیں مسخروں اور رنگین طبع لوگوں کی تصانیف قرار دیتے ہیں۔ جینی' سکھ اور کئی فرقے ان کی تردید کرتے ہیں۔ ہندومت ویدوں کی تصنیف سے پہلے بھی موجود تھا۔ اور ویدوں کے بغیر بھی موجود رہ سکتا ہے۔

4۔ ذات پات کو تسلیم کرنا بھی ہندوازم کا جزو نہیں۔

5۔ گائے کو مقدس ماننا بھی ضروری نہیں۔ اور نہ یہ ضروری ہے کہ ایک ہندو برہمنوں کی عظمت کا قائل ہو۔

6۔ خدا پر ایمان لانا بھی اس مذہب میں ضروری نہیں۔ کیونکہ ہندوؤں کے چھ قدیم مذاہب میں سے صرف یوگ ہی خدا کا قائل ہے۔ باقی مذاہب خدا کے قائل نہیں ہیں۔

7۔ سر پر چٹیا رکھنا بھی ضروری نہیں۔ نیز زنار کی بھی شرط نہیں۔

8۔ کھانے پینے میں حلال اور حرام کی کوئی پابندی نہیں۔

9۔ کوئی رسم و رواج ہندوازم کا لازمی جزو نہیں۔

10۔ جزا اور سزا' اور اوتاروں پر ایمان رکھنا بھی ضروری نہیں۔

11۔ ایک ہندو پر ہندوؤں کے مروجہ قانون کا اطلاق بھی ضروری نہیں کیونکہ یہ قانون متضاد عناصر کا مجموعہ ہے۔

12۔ ایک ہندو کسی بھی رنگ اور نسل سے تعلق رکھ سکتا ہے۔ لہٰذا جو شخص بھی کہے کہ میں ہندو ہوں یا وہ ہندو ہونے کا انکار نہ کرے۔ اسے ہندو قرار دیا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

(ہندو ازم ص 50 ـ 57)

ہندو ازم کے مصنف کی تحقیق کے مطابق :۔

ہندو کا لفظ سنسکرت کی کسی قدیم یا جدید کتاب میں بالکل نہیں ملتا۔ بلکہ اس کا اتا پتا پارسیوں کی کتاب ژند اوستا میں ملتا ہے۔ (ایضاً ص 47)

ویدوں کے متضاد احکام کے بارے میں مہابھارت گواہی دیتی ہے کہ :۔

ویدوں کے احکام ایک دوسرے سے متضاد ہیں۔ اسی طرح سمرتی کے احکام بھی باہم متضاد ہیں۔ کوئی رشی ایسا نہیں جس کی تعلیم دوسرے رشی کی تعلیم کے مخالف نہ ہو۔ (ایضاً ص 62)

مستند تاریخ کا فقدان

جارج سارٹن (GEORGE SARTON) اپنی کتاب (IN TRODUCTION TO THE HISTORY OF SCIENCE) میں ہندو ازم کی تاریخ کے بارے میں رقمطراز ہے :۔

"وقائع نگاری کے فقدان کی وجہ سے ہندو سائنس کا مطالعہ بہت دشوار ہو چکا ہے۔ ...... ہندوؤں کی بیان کردہ تواریخ اسی صورت میں قابل یقین سمجھی جا سکتی ہے جب ان کی توثیق غیر ہندی (یونانی' پارسی' عربی' چینی اور دوسرے) مورخ بھی کریں۔ (ص 36)

مورخین کا تحقیقی فیصلہ یہ ہے کہ :۔

1200ء سے پہلے کی ہندوستان کی تاریخ کے بارے میں کوئی قابل ذکر کتاب جس کو تاریخی اعتبار سے کتاب کہا جا سکے یا کوئی ایسی تصنیف جو اس ملک کے تاریخی حالات پر روشنی ڈالتی ہو اس ملک کے باسیوں یعنی ہندوؤں نے نہیں لکھی۔

بحوالہ مذاہب عالم کی آسمانی کتابیں ص 105 از پرویز (دوسرا ایڈیشن 1977ء)

چنانچہ سابق گورنر بمبئی یعنی مشہور مورخ الفنسٹن اپنی کتاب تاریخ ہند میں لکھتا ہے :۔

"جب یہ خیال کیا جاتا ہے کہ کوئی کیسی ہی جاہل اور اکھڑ قوم کیوں نہ ہو۔ اکثر اپنے آباؤ اجداد کے حالات کی کوئی نہ کوئی کتاب ضرور رکھتی ہے۔ تو اس بات پر کمال تعجب ہوتا ہے کہ ہندوؤں کے پاس تاریخ یا اس سے ملتی جلتی کوئی کتاب موجود نہیں۔ حالانکہ یہ قوم نہایت عمدہ شائستگی اور تربیت کے درجے پر پہنچ گئی تھی۔ ہندوؤں کے حالات کی تحریروں

Marfat.com

میں سے جو کچھ موجود ہے وہ جھوٹی کہانیوں اور مبالغہ آمیز جھوٹے تاریخی واقعات سے اس طرح خلط ملط ہو چکا ہے کہ ان میں سے کوئی صحیح اور صداقت پر مبنی تاریخ مستنبط نہیں کی جاسکتی۔ اور نہ سکندر اعظم کے حملوں سے پہلے کی کوئی درست تاریخی شہادت قائم ہو سکتی ہے اور نہ کوئی مسلسل بیان ہندوؤں کے
بارے میں مسلمانوں کی ہندوستان میں آمد سے پہلے کے ادوار سے متعلق لکھا جاسکتا ہے"۔

چنانچہ فرانسیسی محقق ڈاکٹر لیبان کا بیان ہے:۔

"ان ہزار ہا جلدوں میں' جو ہندوؤں نے اپنے تین ہزار سال کے تمدن میں تصنیف کی ہیں ایک تاریخی واقعہ بھی صحت کے ساتھ درج نہیں ہے۔ اس زمانہ کے کسی واقعہ کو معین کرنے کے لیے ہمیں بالکل بیرونی سہاروں سے کام لینا پڑتا ہے۔ ان کی تاریخی کتابوں میں عجیب خاصیت یہ ہے کہ ہر چیز کو غلط اور غیر فطری صورت میں واقعات بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ اور یہ بات انسان کو اس فیصلہ پر مجبور کرتی ہے کہ ان کا دماغ ہی ٹیڑھا ہے .... قدیم ہندوؤں کی کوئی تاریخ ہی نہیں ہے۔ اور نہ عمارات اور یادگاروں سے اس کوتاہی کی تلافی ممکن ہو سکی ہے .... ہندوستان کا تاریخی زمانہ فی الحقیقت ہندوستان پر مسلمانوں کی فوج کشی کے دور کے بعد شروع ہوا۔ اور ہندوستان کے پہلے مورخ مسلمان ہیں۔ (تمدن ہند - 144 - 147)

ماہنامہ "زمانہ" کانپور شمارہ ستمبر اکتوبر 1914ء میں بھائی پرمانند نے اپنے مقالہ "تاریخ ہند کا مطالعہ" میں یہ اعتراف اس طرح کیا ہے:۔

"ہندوستان میں عام طور پر جو تاریخی کتابیں رائج ہیں ان کے تین حصے ہیں۔ زمانہ قدیم سے متعلقہ حصہ تو بالکل نامکمل ہے --- بدقسمتی سے ہمارے بزرگوں کو اپنے درست حالات قلمبند کرنے کا شوق ہی نہ تھا۔ اور جو کچھ حالات لکھے ہوئے ملتے ہیں وہ شاعرانہ مبالغہ سے بھرپور ہیں۔ جن کی روشنی میں صحیح واقعات تک پہنچنا محال ہے۔ غالبا ہندو سوسائٹی کے اندر کبھی انقلابی تبدیلیاں نہ ہوئی ہوں گی جن کو قلمبند کرنے کا انہیں خیال آتا۔

یہ اعتراف جواہر لال نہرو نے بھی اپنی کتاب (DISCOVERY OF INDIA) میں اس طرح کیا:۔

Marfat.com

اہل چین' اہل یونان اور عربوں کے برعکس' قدیم ہندوستان کے لوگ مورخ نہیں تھے۔ یہ ہماری بڑی بدقسمتی ہے اور اسی نے یہ دشواری پیدا کر دی ہے کہ ہم گذشتہ عہد کے واقعات کا زمانہ یا تاریخ متعین نہیں کر سکتے۔ یہ واقعات کچھ اس طرح گڈمڈ ہو گئے ہوئے ہیں کہ ان سے عجیب سا خلفشار پیدا ہو جاتا ہے .... ہمارے ہاں صرف ایک کتاب یعنی کلہان کی راج ترنگنی ایسی ہے جسے ہم تاریخی کتاب کہہ سکتے ہیں۔ یہ کتاب کشمیر کی تاریخ ہے اور بارہویں صدی عیسوی کی تصنیف ہے۔ باقی واقعات کے لیے ہمیں تصورات کی دنیا میں جانا پڑتا ہے .... یا پھر بیرونی مورخوں مثلاً یونانی' چینی' اور عربوں کا دست نگر ہونا پڑتا ہے .... مثال کے طور پر بکرمی سمت کو لیجے یہ 57 ق م سے شروع ہوتا ہے۔ لیکن اس زمانہ کی تاریخ میں ادھر ادھر ہمیں کسی بکرماجیت کا اتا پتہ نہیں ملتا۔ ایک بکرماجیت چوتھی صدی عیسوی میں ہو گزرا ہے۔ لیکن اس نے 57 ق م سے شروع ہونے والا سمت کیسے رائج کر دیا؟ اس سمت کو ثابت کرنے کے لیے ہمارے پڑھے لکھے طبقہ نے جس طرح تاریخ کے ساتھ زیادتی کی ہے وہ نہایت تعجب انگیز ہے۔ وہ اس بات پر بڑا زور دیتے ہیں کہ یہ وہی وکرم ہے۔ جس نے باہر سے آنے والوں کے خلاف آزادی کی جنگ لڑی۔ اور اپنی کوششوں کو ہندوستان کی یکجہتی قائم رکھنے کے لیے وقف کر دیا تاکہ وہ ایک ہی قومی حکومت کے زیر نگیں رہے۔ حالانکہ وکرم کی سلطنت شمالی اور وسطی ہندوستان سے آگے نہیں تھی .... یہ حقیقت ہے کہ ہندو حضرات اپنی قدیم روایات کو تاریخ کا درجہ دے ڈالتے ہیں اور اس پر ناقدانہ نظر نہیں ڈالتے ...." (ص 77 تا 79)

ہندوؤں کے ہاں زمانہ کو چار حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے :۔

1۔ ست جگ ------ کی مدت ہے = سترہ لاکھ اٹھائیس ہزار برس

2۔ ترت جگ ------------ بارہ لاکھ چھیانوے ہزار برس

3۔ دراپارہ ------------ آٹھ لاکھ چونسٹھ ہزار برس

4۔ کال جگ ------------ موجود زمانہ جس کے پانچ ہزار سال بیت چکے ہیں۔ جبکہ اس کی کل مدت چار لاکھ بتیس ہزار سال متعین کی گئی ہے۔

(ہندو ازم ص 201 مئولفہ گووند داس)

4۔ سورج سدھانتا ہندوؤں کی علم ہیئت کی مشہور کتاب ہے سارٹن (SARTON) کی تحقیق کے مطابق یہ کتاب پانچویں صدی عیسوی کی تصنیف ہے۔ جبکہ پادری بنٹلی صاحب

Marfat.com

اسے گیارھویں صدی عیسوی کی تصنیف بتلاتے ہیں۔ لیکن ہندو اس کتاب کی قدامت ایک لاکھ پینسٹھ ہزار سال بتلاتے ہیں۔ (کلیات آریہ مسافر حصہ اول ص 11)

وید

ہندو ازم میں ویدوں کو الہامی کتب مانا جاتا ہے۔ اخبار تیج دہلی کے کرشن نمبر مورخہ 7 ستمبر 1939ء میں سوامی انو بھوانند جی فرماتے ہیں:۔

ہماری ہندو جاتی میں سب سے متبرک اور برگزیدہ ہستیاں دو ہوئی ہیں۔

1۔ مہاراجہ رام چندر والی اودھ

2۔ بھگوان کرشن وائی دوار کا .... ہندو تاریخ کے مطابق رام اور راون کی لڑائی کو آٹھ لاکھ چونسٹھ ہزار سال ہوئے ہیں۔ (مذاہب عالم کی آسمانی کتابیں از غلام احمد پرویز صفحہ 116 - 115)

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ویدوں کی قدامت کیا ہو گی؟

دراصل ہندو ازم کی رو سے وید بھی ازلی ہیں اور سنسکرت بھی ازلی زبان ہے۔ جبکہ جدید ہندو محققین ان کو دو ہزار سال پرانے مانتے ہیں۔ مثلاً ڈاکٹر سریندر ناتھ داس گپتا (سابقہ پرنسپل سنسکرت کالج کلکتہ) اپنی مشہور کتاب (VOL - I P - 11 - 12) AHISROTY OF INDIAN PHILOSOPHY میں لکھتے ہیں:۔

"ایک نیا شخص جسے پہلی بار سنسکرت لٹریچر سے متعارف کرایا جائے' یہ دیکھ کر ضرور پریشان سا ہو جائے گا کہ اس میں متضاد مطالب اور موضوعات پر مبنی مختلف مستند کتابیں ہیں ان سب کو وید یا سرتی (سنی سنائی باتیں) کا نام ہی دیا جاتا ہے۔ دراصل وید اپنے وسیع مفہوم کے اعتبار سے کسی خاص کتاب کا نام نہیں۔ بلکہ یہ نام ہے۔ اس سارے لٹریچر کا جو تقریباً دو ہزار سال کے طویل عرصہ پر پھیلا ہوا ہے --- چونکہ یہ لٹریچر مظہر ہے اس علمی تگ و تاز کے ماحصل کا جسے ہندوستان کے رہنے والوں نے اس طویل عرصہ میں مختلف اطراف و جوانب میں جمع اور مدون کیا تو لازماً اسے متضاد عناصر کا مجموعہ ہی ہونا چاہیے"۔

بہرحال جدید عالمی محققین مثلاً مسٹر ہاگ (HAUG) کے نزدیک ان کی زیادہ سے زیادہ قدامت 2400 ق م تک مانی جاسکتی ہے۔ جبکہ میکس ملر (MAX MULLER) انہیں 1200 ق م تک کی تصانیف مانتے ہیں۔ (کیمبرج ہسٹری آف انڈیا حصہ اول ص 112)

Marfat.com

ہندو ازم میں خدا کا تصور

اس مذہب میں کچھ لوگ توحید کے بھی قائل ہیں جو پرماتما کو خدا کہتے ہیں۔ کچھ خدا کے سراسر منکر ہیں۔ کچھ تین خداؤں کو مانتے ہیں۔ اور کچھ 33 کروڑ خداؤں کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور یہ سب ہندو ہونے کی مدعی ہیں۔ یہ مذہب انسانی ذہن کی تخلیق ہے۔ للٰذا اس کے خدا بھی انسانی ذہن کی پیداوار ہیں آریاؤں کا مذہب یہ تھا کہ وہ مظاہر قدرت کو تخلیقات میں دیکھتے تھے ان کے ہاں (1) زمینی خدا (2) فضائی خدا (3) روحانی یا بہشتی خدا کا تصور پایا جاتا تھا۔ ان سب خداؤں میں درونا سب سے بڑا خدا تھا۔ جو آسمان کا خدا تھا وہ نیکی اور خیر کا سرچشمہ تھا۔ دوسرا خدا "اندر" بادلوں' بارش اور طوفان کا خدا تھا جو دنیا میں سرسبزی و شادابی پیدا کرنے کا ذمہ دار تھا۔

پھر جب زمانہ ترقی کرتا گیا تو پرانے خداؤں کی جگہ نئے خداؤں نے لے لی۔ اور ایک خدا پر جاپتی کو خالق مطلق کہا جانے لگا۔ اور برہمنوں کو خدا کا روپ سمجھا گیا۔ پھر اوتاروں کے نظریہ کو فروغ ملا۔ جس کی رو سے خدا کسی انسان میں ظاہر ہو کر لوگوں کو اپنے درشن کرواتا ہے۔ پانچویں صدی قبل مسیح میں ہندوؤں کا خدا رام پیدا ہوا جس کی بہادری کی داستان رامائن میں بیان کی گئی ہے۔ اسی طرح گیتا نامی کتاب کی رو سے کرشن جی مہاراج خدا کے اوتار ہیں۔

تقریباً اسی دور میں تریمورتی کا نظریہ جنم لیتا ہے۔ جس کے مطابق تین خدا ٹھہرے :۔

1۔ برہما (خالق)

2۔ وشنو (رازق)

3۔ شیو (قہار)

ان کو تین مستقل خدا کہہ کر ان کی پوجا پاٹھ بھی کی جاتی ہے۔ لیکن بعض ان کو تین غیر مستقل خدا سمجھتے ہیں اور ان کو پرماتما کے تین مظہر مانتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہندوؤں میں نسوانی خداؤں کو بھی مانا جاتا ہے۔ مثلاً درگا دیوی شیو کی بیوی --- اور لکشمی دیوی وشنو کی بیوی ہے جو دولت عطا کرنے پر قادر مانی جاتی ہے۔

بعد ازاں یونانیوں کی دیکھی دیکھی ہندوؤں نے مندر بنائے اور ان میں بتوں کو رکھ کر ان کی پوجا پاٹھ شروع کر دی۔ اس طرح بت پرستی کا آغاز ہوا ہندو ازم میں بتوں کو خدا کا درجہ دیا جاتا ہے۔ کیونکہ انہیں خدا کا عکس بتوں میں نظر آتا ہے۔ حیوان پرستی میں بھی

Marfat.com

ہندو حضرات پیچھے نہیں رہے- وہ گائے کو گئو ماتا کہتے ہیں اور اس کا گوشت کھانا حرام سمجھتے ہیں- بندروں کو بھی مقدس مانتے ہیں کیونکہ ان کے سپہ سالار ہنومان نے رام چندر جی کا ساتھ دیا تھا- بندر مرجائے تو اس کی ارتھی انسانوں کی طرح اٹھائی جاتی ہے اور اسے چتا میں جلایا جاتا ہے- مردانہ عضو تناسل کو بھی اس مذہب میں دیوتا کا درجہ حاصل ہے اور اس کی شکل میں پتھروں کو تراش کر اور انہیں مندروں میں رکھ کر اس کی پوجا کی جاتی ہے-

مسٹر گووند داس کی تحقیق کے مطابق برہما --- شیو اور وشنو کا نام ویدوں میں تو ایک طرف رامائن اور مہا بھارت میں بھی نہیں ملتا- ویدوں میں ان کی جگہ ورن' اندر اور اگن کا نام آتا ہے- جن کو اب بالکل متروک قرار دے کر بھلایا جاچکا ہے- موجودہ دور میں برہما کی پرستش موقوف کر دی گئی ہے- پرانوں میں اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ :-

"ایک دفعہ شیو جی نے دیکھا کہ برہما اپنی بیٹی سرسوتی سے امر شنیع کا مرتکب ہونا چاہتا ہے-"

(ہندو ازم ص 184)

لیکن ہندوؤں کی مقدس کتب مثلاً شتھ پت برہمن' تانڈیہ مہا براہمن اور رامائن اور مہا بھارت میں برہما کے اس فعل کی مذمت نہیں کی گئی- بلکہ مہا بھارت کے ادیوگ پربھ ادھیائے نمبر 117 میں اس واقعہ کو مثال بنا کر پیش کیا گیا ہے-

(ویدارتھ پرکاش ص 110 از پنڈت آتمانند)

دیوتا

مسٹر گووند داس کی تحقیق کے مطابق ویدوں میں 33 دیوتا تھے لیکن بعد میں ان کی تعداد 33 کروڑ تک پہنچ گئی (ہندو ازم ص 159) حتی کہ یجروید کے ادھیائے نمبر 24 میں دیوتوں کا ذکر اس طرح ملتا ہے :-

"تیز رفتار گھوڑے' مار خور بکرے اور نیل گائے کا دیوتا سورج ہے- کالی گردن والے پشو کا دیوتا اگنی ہے- داغدار پیشانی والی بھیڑ کا دیوتا سرسوتی ہے .... مگرمچھ' اس کے بچے اور دیگر آبی جانوروں کا دیوتا سمندر ہے"-

خدا تعالی نے ہر قوم میں اپنے مرسلین کو بھیجا (قرآن) لیکن ان کی تعلیمات پر عمل

Marfat.com

ہوا یا نہیں یہ الگ معاملہ ہے۔ قرآن کریم نے قوموں کی تباہی کے واقعات بیان کیے۔ ممکن ہے کہ ہڑپہ' ٹیکسلا او موہنجو ڈارو ایسی بستیاں قہرالہی کی داستانیں ہوں۔ جن کا سراغ اب مل رہا ہے۔ اور ان کے فرستادگان کی تعلیمات کو زمانے کی دبیز تہوں نے نگل رکھا ہو۔ پس ہندوازم بھی کوئی قابل عمل ضابطہ حیات پیش نہیں کرتا۔

بدھ مت

بدھ مت کے بانی گوتم بدھ 560 ق م میں پیدا ہوئے۔ اور 80 سال کی عمر میں وفات پائی۔ بڑ کے درخت کے نیچے سے انہیں گیان ملا۔ ان کا مذہب ہندو برہمنوں کی چیرہ دستیوں کے خلاف ایک تحریک بن کر ابھرا اور تھوڑے ہی عرصے میں کافی ترقی کرلی۔ بدھ مت کا لٹریچر پالی زبان میں ہے۔ اس کے تین حصے ہیں۔

1۔ ستہ (SUTTA) جو عقائد و اعتقادات پر مبنی ہے۔

2۔ ونایا (VINAYA) یہ بدھ مت کے مبلغین اور علما کے بارے میں ضوابط پر مشتمل ہے۔

3۔ ابھی دھما (ABHI DHAMMA) یہ معتقدات کے بارے میں فنی اور [illegible] مجموعہ ہے۔

داس گپتا (ڈاکٹر سریندر ناتھ داس گپتا سابقہ پرنسپل سنسکرت کالج کلکتہ) کی تحقیق کے مطابق یہ مجموعے تیسری صدی قبل مسیح میں مرتب ہوئے۔ بدھ مت میں دو فرقے زیادہ مشہور ہیں۔

1۔ شمالی

2۔ جنوبی

شمالی فرقہ کی کتاب مقدس نام "للیتا دسترا" ہے جو [illegible] تھی صدی عیسوی میں بھی موجود بتائی جاتی ہے۔

جنوبی فرقہ کی کتابیں وہی ہیں جن کا ذکر تین کتابوں کی شکل میں اوپر آچکا ہے۔

اعتقادات

بدھ مت خدا کی ہستی کا منکر ہے۔ لہذا اس کی تعلیم کسی طرح بھی الہامی نہیں کہلا

Marfat.com

سکتی- مہاتما بدھ کی طرف منسوب عجیب و غریب باتیں ملتی ہیں- مثلاً یہ کہ دنیا کے بیچ ایک پہاڑ کی لمبائی تیرہ لاکھ چوالیس ہزار میل ہے-

یا مثلاً کہ جب مہاتما بدھ سلواتھی میں مقیم تھے تو ایک دیوتا جس کا نام آسلور راہو تھا- نے چاند کو پکڑ لیا- چاند نے گوتم بدھ کی پناہ مانگی بدھ نے راہو کو حکم دیا کہ چاند کو چھوڑ دے چنانچہ اس نے چاند کو چھوڑ دیا اور پھر خوف سے کہیں بھاگ گیا- بدھ مت میں خدا کا تصور نہیں ہے- لیکن اس مذہب کی اشاعت بڑے زور سے ہوئی اور اس کی خانقاہیں ہندوستان بھر میں پھیل گئیں- گوتم بدھ نے کبھی اوتار ہونے کا دعویٰ نہ کیا- البتہ اس کی وفات کے بعد اس کے پیروکاروں نے اسے الوہیت کا درجہ دے دیا اور اس کے بت تراش کر ان کی پوجا پاٹھ شروع کر دی حتی کہ اس نئے معبود کی آدھی سے زیادہ دنیا نے پرستش شروع کر دی- ہندوؤں نے بدھ ازم کی کامیابی کو اپنے کھاتے میں ڈالنے کی کوشش کی- چنانچہ انہوں نے اسے ہندو ازم کی شاخ قرار دے دیا- اور گوتم بدھ کو وشنو کا اوتار مان لیا گیا- اس طرح ہندو ازم بدھ مت کو بھی اپنے اندر سمونے کا مدعی بن بیٹھا- مہاراجہ اشوک کے زمانے میں بدھ مت نے بہت ترقی کی- گوتم بدھ کپل دستو کے راجہ کے بیٹے تھے- جو راج پاٹھ چھوڑ کر گیان دھیان کی طرف مائل ہوئے اور برہمنوں کے ستائے ہوئے لوگوں کی دلجوئی کے لیے اپنی عمر وقف کر دی- ڈاکٹر حمید اللہ قرآن حکیم میں بیان کردہ ایک نبی جسے "ذوالکفل" کہا گیا ہے' کے بارے میں خیال کرتے ہیں کہ شاید یہ کپل دستو کہ راجہ کے بیٹے گوتم بدھ ہی ہوں جن کی تعلیمات پہلے پہل حق پرستی پر مبنی ہوں- لیکن بعد میں ان کے پیروکاروں نے ان کی تعلیمات کو بگاڑ دیا ہو-

جین مت

گوتم بدھ کے ہی زمانے میں ہندو برہمنوں کی چیرہ دستیوں اور ان کے ظلم و استبداد کے خلاف ایک اور آواز بلند ہوئی- جس کے کرتا دھرتا مہاتما مہاویر تھے- جینیوں کا عقیدہ ہے- کہ جین مت ازلی مذہب ہے- جس کا پرچار مختلف زمانوں میں ترتھنکراز (KARAS - TINTHAN) کی معرفت ہوتا رہا ہے- مہاویر سے پہلا ترتھنکر 250 سال پہلے اور اس سے پہلا ترتھنکر قریبا 84 ہزار سال پیشتر آیا تھا- اس طرح ان سے پہلے بھی تقریباً اکیس ترتھنکر ہو گزرے ہیں اور ان میں مہاویر چوبیسویں ترتھنکر تھے-

Marfat.com

جین مت میں خدا کا وجود تسلیم نہیں کیا جاتا۔ البتہ ان تر تھنکروں کو خدا سمجھ کر ان کی پوجا کی جاتی ہے۔

(بحوالہ داس گپتا کی پیشتر ازیں محولہ کتاب ص (170

دو فرقے

جین مت میں دو مشہور فرقے ہیں۔

1۔ سفید لباس پہننے والے سوتمبر کہلاتے ہیں۔ ان کا دعوی ہے کہ مہاویر کی اصل تعلیم کے وہی وارث ہیں۔

2۔ ننگے رہنے والے ڈگمبر کہلاتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ مہاویر کی اصل تعلیم ان کی وفات کے ساتھ ہی ختم ہو کر رہ گئی تھی۔ البتہ وہ اپنے فرقے کو اصل تعلیمات کا عامل قرار دیتے ہیں۔ اور دعویٰ کرتے ہیں کہ جو معتقدات اور رسومات ان کے ہاں جاری و ساری ہیں وہ مہاویر کی اصل تعلیمات سے ماخوذ ہیں۔ پھر ان میں فرقوں کی بھرمار ہونے لگی اور یہ تعداد چوراسی تک بتائی جاتی ہے۔

مقدس کتاب

جینیوں کے نزدیک شروع میں ان کے ہاں چودہ پرو اور گیارہ انگ مقدس کتابیں تھیں۔ پرو کتب کچھ عرصہ بعد کھو گئیں اور اب صرف ایک ہی باقی ہے۔ لیکن ڈگمبر فرقہ کے لوگوں نے اس سے بھی انکار کیا ہے۔ اور وہ ان کتابوں کو سوتمبر فرقہ کی خانہ ساز کتابیں قرار دیتے ہیں۔ سوامی دیانند کا بیان ہے کہ جینیوں نے اپنی قوت و شوکت کے زمانہ میں ویدوں کو ضائع کر دیا تھا۔ اور ان کی تعلیم بھی مٹا دی تھی (ستیارتھ پرکاش) ان کے ہاں بھی عجیب و غریب اعتقادات ملتے ہیں۔ مثلاً ایک تر تھنکر کا قد مبارک پانچ سو بانس لمبا تھا۔ اور اس کی عمر 84 لاکھ سال تھی۔ پھر دوسرے تر تھنکر کا قد چار سو بانس کے برابر رہ گیا اور اس کی عمر بھی بہتر 72 لاکھ سال کی رہ گئی وغیرہ وغیرہ۔

تعلیمات

جین مت میں بہترین زندگی سادھو کی زندگی قرار دی گئی ہے۔ جس کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ضروریات زندگی جمع کر کے اپنے پاس نہ رکھے۔ بلکہ بھیک مانگ کر گزارا کرے۔

Marfat.com

ان کی تمام پونجی ستر پوشی کے کپڑے' کمبل' کشکول' جھاڑو اور کپڑے کا ایک ٹکڑا ---- ہوتی ہے جس سے وہ اپنا منہ ڈھانپے رکھتے ہیں تاکہ کوئی جاندار کیڑا مکوڑا منہ میں داخل ہو کر موت کی آغوش میں نہ چلا جائے- اور تاکہ وہ اس طرح ظلم اور جیو ہتیا یعنی جانداروں کو قتل کرنے سے بچ جائیں- ڈگمبر فرقہ کے لوگ کپڑوں سے بھی بے نیازی برتتے ہیں- ان کی ریاضتیں اور مجاہدے بڑے سخت ہوتے ہیں- حتی کہ دن رات میں صرف تین گھنٹے تک سونے کی اجازت ہے- اس سے زیادہ نہیں- ان کے پاس ایسا کوئی ضابطہ حیات نہیں جو زندگی کے سب شعبوں میں انسانی رہنمائی کر سکے اور اس کے ساتھ ساتھ جدید سائنسی تقاضوں کا بھی ساتھ دے سکے اور جدید علوم و فنون اور دریافتوں کی روشنی میں انسان کے ذہن کو مطمئن کر سکے- جین مت کے پیرو کار ہندوستان میں مسلم فتوحات کے وقت زمانہ مابعد کی نسبت زیادہ دور دور تک پھیلے ہوئے تھے- اور ان کا بڑا مرکز گجرات تھا- اکبر اعظم نے 1582ء میں جینیوں کے ساتھ مذہبی روابط بڑھائے اور پہلے ان کے مذہبی رہنما ہیرا وجے کو اور بعد ازاں بھانو چندر کو دربار میں پذیرائی بخشی اور مذہبی رواداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے بہت سے اکبری فرامین کی توثیق اس کے جانشین جہانگیر نے کی (اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد 7 ص 604)

کنفیوشس کا مذہب

کنفیوشس ایک پارسا اور نیک آدمی تھا- جس کا زمانہ 600 تا 500 ق م تھا- کنفیوشس اس مذہب کا بانی نہیں تھا جسے کنفیوشس ازم کہا جاتا ہے بلکہ وہ پہلے سے جاری مذہب کی اشاعت کرنے والا شخص تھا- جیسا کہ اس نے خود اپنے بارے میں کہا ہے کہ "میں اسلاف کے سرمائے کو آگے منتقل کرنے والا ہوں- خود کچھ بنانے والا نہیں ہوں مجھے اپنے بزرگوں سے محبت ہے اور عقیدت بھی" چنانچہ کتاب (DOCTRINE) میں کنفیوشس کے پوتے کے حوالہ سے لکھا ہے کہ:-

کنفیوشس نے یاگ (YAG) اور شن (SHUN) کے اصولوں کی ترویج کی- گویا وہ اس کے سالاف تھے- نیز اس نے ون (WON) اور وو (W U) کے احکامات کا نفاذ کیا- اور اس نے ان حکام کو اپنے سامنے بطور اسوہ حسنہ رکھا ...... یہ سمجھنا درست نہیں کہ ان کتابوں میں سے جو اس کے زمانے میں مروج تھیں- اس نے کتب تاریخ' منظوم صحائف یا

Marfat.com

اسی قسم کی دوسری پرانی کتابوں کو تالیف کیا تھا۔ اس کے زمانے میں عہد کہن کی کتابوں کا کچھ حصہ تو ضائع ہو چکا تھا۔ اور جو کچھ باقی تھا اس کا اس نے خود بھی مطالعہ کیا اور اپنے شاگردوں کو بھی اس کی تعلیم و ترغیب دی۔ اس طرح وہ بچا کھچا حصہ محفوظ ہو گیا......... لیکن کنفیوشس کے بعد ان پرانے ذخائر کا معتدبہ حصہ بھی ضائع یا مجروح ہو گیا....... تاہم قارئین کو یہ بات بغور سمجھ لینی چاہیے کہ چین کی یہ پرانی کتابیں اس امر کی مدعی نہیں ہیں کہ وہ الہامی ہیں یا بذریعہ وحی نازل ہوئی تھیں بلکہ انہیں مورخین، شعرا اور دوسرے مصنفین نے اس طرح تصنیف کیا تھا جس طرح انہوں نے ان کا مواد اپنے خیال میں مناسب سمجھا"۔

چنانچہ یہ بات تو ثابت ہو گئی کہ کنفیوشس ازم الہامی مذہب ہونے کا مدعی نہیں، اور نہ ان کے ہاں ایسا لٹریچر موجود ہے جس کے بارے میں یقینی طور پر کہا جاسکے کہ وہ بالکل ابتدائی اور اصلی شکل میں من و عن اب تک موجود ہے۔ اس سلسلہ میں عیسائی عالم (EDKINS - JOSEPH) اپنی کتاب (RELIGION IN CHAINA) میں رقمطراز ہے۔

اہل چین کے پاس ایسا مذہبی لٹریچر موجود نہیں جسے وہ بطور سند پیش کر سکیں جس طرح کہ ہم عیسائی قوم کے پاس ہے۔ (ص 164) عیسائیوں کے پاس جو مذہبی لٹریچر ہے۔ اس کی حیثیت کے بارے میں پچھلے صفحات میں بتایا جاچکا ہے۔ تو گویا چینیوں کے مذہبی لٹریچر کی حالت بقول ایڈکن اور بھی ابتر ہے۔

اہم مذہبی کتابیں

1۔ شوکنگ (SHUKING) یہ تاریخی کتاب 2400 ق م تا 619 ق م کے درمیانی عرصہ کے مختلف شاہی خاندانوں کے حالات و واقعات پر مشتمل ہے۔

2۔ شہکنگ (SHIHKING) یہ بھی 1766 ق م تا 586 ق م کے درمیانی عرصے کے مختلف خاندانوں کے حالات و واقعات پر مشتمل منظوم تاریخی کتاب ہے۔ زیماخین (SZEMAKHIEN) نے کنفیوشس کی یادداشتیں (MEMOIRS OF CONFUCIOUS) میں تحریر کیا ہے کہ شروع میں ان نظموں کی تعداد تین ہزار کے قریب تھی۔ جن کو کانٹ چھانٹ کرکے ان میں سے 305 نظمیں ہی اگلی نسلوں کو منتقل ہوئیں نظموں کو کنفیوشس نے منتخب کیا۔ اور بعدازاں یہ 305 نظمیں ہی اگلی نسلوں کو منتقل ہوئیں۔

Marfat.com

3 ۔ یی (yi) یعنی کتاب تغیرات اس کتاب کا سن تالیف و تصنیف 1143 ق م مانا جاتا ہے۔ اس کے مولف کا نام کنگوان (KINGWAN) تھا اور کنفیوشس کی خواہش تھی کہ اگر اس کی زندگی میں کچھ اور سالوں کا اضافہ ہو سکتا تو وہ پچاس برس تک اس کتاب (yi) کے مطالعہ کے لیے وقف کر دیتا تاکہ وہ بڑی بڑی غلطیوں سے محفوظ ہو سکتا۔ اس کتاب میں جفر کی طرح نقشے بنا کر فالنامے دیئے گئے ہیں نیز علم جوتش اور تعویذات وغیرہ پر یہ کتاب مشتمل ہے۔

4 ۔ لکی (LIKI) یہ رسومات کے بارے میں ہے۔ جنہیں کن یا کان (KAN) خاندان کے دور میں سرکاری طور پر نافذ کر رکھا تھا۔ اور بادشاہ اور دیگر ارکان سلطنت ان رسموں کو ادا کرتے تھے۔

5 ۔ خن خیو (KHUNKHIU) یا بہار خزاں --- یہ کتاب کنفیوشس کی تحریر کردہ ہے۔ جس میں (LU) نامی سلطنت سے متعلقہ (722 تا 481 ق م) حالات درج کئے گئے ہیں۔

6 ۔ ہیکوکنو (HSIQOKINO) یہ بھی کنفیوکس کا تحریر کردہ ایک مختصر سا رسالہ ہے جس میں حقوق والدین کی وضاحت اور ان کی فرضیت کا تذکرہ ہے۔ اخلاقی نقطہ نظر سے اس کتاب کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ کنفیوشس کی حقیقی اور بنیادی تعلیم ہی یہ ہے کہ والدین کی عزت اور ان کی اطاعت (بلکہ پرستش تک) کی جائے۔ اور اپنے پرانے بزرگوں کی عظمت کو بھی دل میں جگہ دی جائے۔

ان کتب کے علاوہ مندرجہ ذیل چار کتابوں کو بھی تقدیس کا درجہ حاصل ہے۔

1 ۔ لن یو (LUNYU) یہ کتاب کنفیوشس کے ملفوظات' مکالمات اور بعض مباحث پر مشتمل ہے۔

2 ۔ منشس (MENCIUS) کی تالیف جو کنفیوشس کے بعد اس کے ملک کا سب سے بڑا فلاسفر تھا۔

3 ۔ تاہسیو (TAHSIO) نامی کتاب تنگ زی (TANTGT - ZE) نامی شخص کی تصنیف ہے۔

4 ۔ کونگ یونگ (KUNG YUNG) یا (DOCTRINE OF THE MEAN) نامی کتاب کنفیوشس کے پوتے کی تصنیف بتائی جاتی ہے۔

تعلیمات

Marfat.com

کنفیوشس اخلاقیات پر زور دیتے ہیں۔ عقائد توہم پرستی پر مبنی ہیں۔ آسمان کی پرستش کے ساتھ ساتھ چھوٹے چھوٹے دیوی دیوتاؤں کی پوجا بھی کی جاتی ہے۔ مندروں میں کنفیوشس کے نام پر قربانیاں کی جاتی ہیں۔ 1949ء سے چین میں کیمونزم کا دور دورہ ہے۔ یہ تجربہ اگرچہ روس میں ناکامی کا منہ دیکھ چکا ہے کیونکہ انسانی ذہنوں کا ساختہ نظریہ حیات آخر کب تک چل سکتا تھا۔ تاہم چین میں ابھی کیمونزم موجود ہے۔

طاؤ ازم

اہل چین کا دوسرا بڑا مذہب طاؤ ازم (TAOISM) ہے۔ جو عام طور پر لوتزی (LOOTZE) کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ جو 604 ق م میں پیدا ہوا تھا۔ لیکن اس بارے میں جدید تحقیق یہ ہے کہ طاؤ ازم دراصل پہلے ہی سے موجود تھا۔ لیکن لوتزی تو اسے صرف آگے بڑھانے کا ذریعہ بنا۔ جو کنفیوشس سے پچاس سال بڑا تھا اور یہ نام (LOOZE) بھی اسے کنفیوشس نے ہی دیا تھا جس کا مطلب ہے۔ بوڑھا فلسفی اس کا اصل نام لاؤ تھا۔

کہتے ہیں کہ یہ شخص شاہی خاندان "کاؤ" (KAU) میں لائبریرین تھا۔ اس کے انحطاط اور زوال سے یہ شخص دل برداشتہ ہو گیا تو اس نے دنیا کو تیاگ دینے کا فیصلہ کیا۔ جب شہر چھوڑ کر روانہ ہونے لگا تو داروغہ نے عرض کی کہ مجھے کچھ لکھ کر دیتے جاؤ تاکہ میں اس سے رہنمائی حاصل کر سکوں چنانچہ اس نے اسے ایک کتاب لکھ کر دی جس کا نام (TAOTFHKING) رکھا۔ یہ کتاب اس ملک کی مقدس کتاب ہے۔ یہ بہت مختصر سی کتاب ہے۔ اس میں طاؤ (TAO) کا نام صرف ایک جگہ آیا ہے۔ اور طاؤ کے بارے میں لاؤ اس طرح لکھتا ہے۔

"میں نہیں جانتا کہ طاؤ کس کا بیٹا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید وہ خدا سے بھی پہلے موجود تھا"۔ (بحوالہ مذاہب عالم کی آسمانی کتابیں ص 198 ۔ 197 دوسرا ایڈیشن 1977ء) لاؤ کے بعد اس مذہب کا ایک بہت بڑا مبلغ چوتھی صدی قبل مسیح میں گزرا ہے۔ جس کا نام کوانگ زی (KWANGT ZE) تھا۔ اس کی کتابیں تاریخی حیثیت کی حامل ہیں البتہ لیگ (LEGGE) کی تحقیق کے مطابق ان تاریخی کتابوں کو سند اور حوالے کے بغیر ہی مرتب کیا گیا ہے۔ اس نے ان کتابوں کا ترجمہ بھی پیش کیا ہے۔

Marfat.com

طاؤ کے بارے میں کوانگ (KWANG) اپنی چوتھی کتاب میں اس طرح رقمطراز ہے۔ "آؤ میں تمہیں بتاؤں کہ مکمل طاؤ (TAO) کیا ہوتا ہے۔ اس کا جوہر یکسر تاریکی میں ملفوف ہے۔ اس کی انتہائی بلندی' خاموشی اور عظمت میں ہے۔ وہاں نہ کچھ سننا ہے نہ دیکھنا' جب تمہارے کان کچھ نہ سنیں اور آنکھیں کچھ نہ دیکھیں اور دل کچھ نہ سمجھے تو پھر تمہاری روح تمہارے بدن کو سنبھال لے گی اور جسم بہت زیادہ عرصہ تک زندہ رہے گا۔ جو تمہارے اندر ہے اس پر نظر رکھیے۔ اور باہر سے وابستگی کے ذرائع کو منقطع کر دیجئے۔ زیادہ علم خطرناک ہوتا ہے۔ میں بارہ سو سال سے اسی طرح زندگی بسر کر رہا ہوں اور ابھی تک میرا جسم زوال پذیری کے اثرات سے بالکل مبرا ہے"۔

کوانگ کے مطابق جب دنیا پر طاؤ کی حکومت تھی تو دنیا جنت نظیر تھی۔ یعنی اس کے دور حکومت میں۔

"لوگ عقل کو کوئی اہمیت نہ دیتے تھے دانشمندوں کو کوئی نہ پوچھتا تھا۔ خوراک سادہ لباس' سادہ طور طریقے سب کے سب کے سادہ' لوگ ایک دوسرے کے قریب رہائش رکھنے کے باوجود ساری ساری عمر ایک دوسرے سے ملتے نہ تھے۔ وہ زمانہ نیکی کا زمانہ تھا۔ سراپا نیکی کا زمانہ .... اور پھر جب لوگوں نے علم حاصل کرنا شروع کر دیا تو نیکی کا یہ دور ختم ہو گیا"۔

تعلیمات

طاؤ ازم میں خاص طور پر تین بتوں کی پوجا کا رواج ہے۔ جنہیں شانگتی (SHANGTI) کہا جاتا ہے۔1۔ تخریب کے دیوتا کا بت

2۔ لاؤتزی کا بت

Marfat.com

3- غالباً طاؤ کا بت اس کے بارے میں متحقق نہیں کہ یہ کس کا بت ہے- ان کے علاوہ بھی بہت سے دیوی دیوتاؤں کی پرستش کی جاتی ہے- ستاروں کی پوجا بھی کی جاتی ہے اور جنات کی بھی اور مسٹر ایڈ کن (EDKINS) ان رسوم و عقائد کی بنا پر اس مذہب کو دنیا کے تمام مذاہب میں سب سے زیادہ نفرت انگیز قرار دیتا ہے- (OF CHINA P - 63 RELIGION)-

چنانچہ خیال کیا جاتا ہے کہ حقیقت پسندی سے دور مذاہب کے پیرو کاروں کی اکثریت آخر کیمونزم کی طرف مائل ہو گئی- کیونکہ جس مذہب کی بنیاد اللہ کی ذات نہ ہو اور اس کا سلسلہ وحی الٰہی سے منسلک شدہ مسلمہ نہ ہو تو ایسا مذہب آخر کب تک انسانوں کا ساتھ دے سکتا ہے-

چین میں مسلمانوں کی تعداد بھی کچھ کم نہیں لیکن کیمونزم کے نفاذ کے بعد مسلمانوں کے پنپنے کے مواقع مسدود ہو کر رہ گئے ہیں- 1935ء میں چین کے مختلف صوبوں میں اسلامی معابد یعنی مسجدوں کی تعداد اور وہاں سے نکلنے والے اسلامی جرائد کی تعداد کچھ اس طرح تھی-

1935ء میں صوبہ انھوی (Anhwei) میں 1515 مساجد تھیں' صوبہ ہونان میں 932' ہوپی میں 2942' صوبہ قانصو میں 3891' شان تنگ میں 2513' شینسی میں 3612' سنکیانگ میں 2045 اور یون نان میں 3971 مساجد تھیں صوبہ منچوریا میں 6811' کوائی چو میں 449' منگولیا میں 1083 مساجد تھیں- غرضیکہ چین کے بائیس صوبوں میں سینکڑوں مساجد تھیں اور اسلامی رسائل چینی' جاپانی' عربی' انگریزی' اور مشرقی ترکی زبانوں میں شائع ہوتے تھے جن کی تعداد 98 تھی-

مساجد کے ان اعداد و شمار سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ چین میں اہل اسلام کی تعداد 1935ء میں کیا ہو گی- اور وہاں سے شائع ہونے والے اسلامی جرائد کا نقشہ بھی کافی حوصلہ افزا رہا ہے- یہ رسالے زیادہ تر چینی زبان میں شائع ہوتے تھے لیکن کچھ جاپانی' عربی' انگریزی اور مشرقی ترکی میں بھی جزوا چھپتے تھے- (اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد نمبر 7 ص 210)

بدھ مت

چین میں چوتھا اکثریتی مذہب بدھ مت ہے- جس کے بارے میں پچھلے صفحات میں

Marfat.com

بات چیت کی جا چکی ہے۔

شنٹو ازم

اہل جاپان کا مذہب شنٹو ازم ہے۔ زمانہ قبل از تاریخ میں جاپان پر حکمران قبیلہ سورج کی دیوی کی پوجا کرتا تھا۔ جس کے ارد گرد اور بھی ہزاروں دیوی دیوتا ان کی پرستش کا مرکز تھے۔ نیز اسلاف کی پرستش کا بھی رواج تھا۔ یہ مذہب آگے چل کر شنٹو ازم (دیوتاؤں کا راستہ) کہلایا۔ اس مذہب اور تہذیب و تمدن میں شاہنشاہ جاپان کو مرکزی حیثیت حاصل ہے جس کی پرستش کی جاتی ہے۔ لیکن سائنس کی ترقی اور دوسری جنگ عظیم میں جاپان کی شکست کے بعد شاہنشاہ خدا کے مقام سے گر کر انسانی سطح پر آ گیا۔

جاپان کی مشہور روایت کے مطابق سورج کی دیوی نے اپنے پوتے کو آسمانی تحائف سے نوازا جس میں تلوار' آئینہ اور جواہر پارہ شامل تھے۔ یہ پوتا جاپان کا سب سے پہلا شہنشاہ تھا۔ اور ان کے خاندان میں یہ تینوں تحفے محفوظ چلے آ رہے ہیں۔

چھٹی صدی عیسوی میں بدھ مت جاپان میں پہنچا جس نے شنٹو ازم پر اپنے اثرات مرتب کئے اور ان دونوں کے ملاپ سے ایک امتزاجی مذہب معرض وجود میں آیا۔ جسے (SHNTORYO - BU) یعنی دو طرفہ شنٹو کا نام دیا گیا۔ لیکن 1868ء کے قومی انقلاب کے بعد قدیم مذہب کو خارجی اثرات سے پاک کرنے کی کوشش شروع ہوئی۔

پانچویں صدی عیسوی سے پہلے جاپان میں لکھنے کا رواج نہ تھا چنانچہ شنٹو ازم کی تعلیم زبانی روایات پر مشتمل سینہ بہ سینہ چلی آ رہی تھی۔ تحریر کا رواج ہونے کے بعد آٹھویں صدی عیسوی میں ان روایات کو دو کتابوں میں یکجا کر دیا گیا۔

1۔ کوجیکی (KOJIKI)

2۔ نہونگی (NIHONGI)

ان کتابوں میں خدا کو کامی (KAMI) کہا گیا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان سب چیزوں کو بھی کامی کہا گیا ہے جن کی پرستش کی جاتی ہے۔ جس میں شہنشاہ اس کے تمام بزرگ اسلاف پرندے' حیوانات' بھیڑیا' شیر' لومڑی' پہاڑ' سمندر' پودے اور درخت سبھی کو کامی کہا ہے۔ اس مذہب میں حیات بعد الممات کا کوئی تصور یا عقیدہ نہیں

کائنات کی ابتدا کے متعلق ان کے ہاں روایت ہے کہ آسمان کے تیرتے ہوئے پل پر

Marfat.com

ایک جوڑا رہائش پذیر تھا۔ نر کا نام ازونگی (IZONGI) اور مادہ کا نام ازونمی (IZONAMI) تھا۔ وہاں سے یہ جوڑا زمین کے ایک جزیرے پر اترا۔ وہاں ایک مکان تعمیر کیا۔ جس میں ایک بڑے قطرے کا ستون تھا۔ نر اور مادہ اس ستون کے گرد چکر لگانے لگے۔ جب ایک دوسرے سے آمنا سامنا ہوا تو مادہ نے کچھ کہا اس پر نر کو غصہ آگیا۔ اور اس نے دوبارہ چکر لگانے کے لیے کہا اور اسکے بعد وصل بطور میاں بیوی ہوا جسکے نتیجے میں جاپان کے بعض جزیرے اور دیوتا وغیرہ پیدا ہوئے + (اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد 7 صفحہ 212 وغیرہ)

مسلمانوں کی آسمانی کتاب قرآن مجید کا مختصر تعارف

جیسا کہ شروع میں یہ بات واضح کی جاچکی ہے کہ اسلام حضرت آدم علیہ السلام تا عیسیٰ علیہ السلام سب انبیاء اور ان کے پیروکاروں کا مذہب تھا۔ اور ان امتوں کو جو تعلیم عطا ہوئی تھی وہ بھی قرآنی تعلیمات کا جزو تھا۔ اور باقی احکامات خداوندی ان کی وقتی ضرورتوں کے تحت عطا ہوئے تھے جیسے آدم علیہ السلام کی نبوت کے زمانہ میں حقیقی بہن بھائی کی شادی جائز رکھی گئی تھی۔ جو قرآن حکیم کی تعلیمات کے مطابق نہ تھی۔ بہرحال تعلیمات آسمانی کا یہ سلسلہ انبیاء علیہم السلام کی وساطت سے روز ازل سے جاری تھا۔ جس کی تکمیل اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے قرآن حکیم کی صورت میں فرمادی۔

نزول قرآن حکیم کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ اس وقت مذاہب عالم کی کوئی آسمانی کتاب اپنی اصل حالت میں موجود نہ رہ گئی تھی۔ ہر طرف ظلمت کا دور دورہ تھا۔ آسمانی انوار ہدایت جو مختلف زمانوں میں نازل ہوئے تھے' لوگوں کی کارستانیوں اور توہمات کی دبیز تہوں نے انہیں اپنی لپیٹ میں لے کر بیکار کر دیا تھا۔ اور مقتدر لوگوں کے جبر و استبداد نے وہ گل کھلائے تھے۔ کہ انسانیت کفر و شرک اور ظلمت کے عمیق گڑھے میں گری پڑی سسک رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ کو اس حال میں انسانیت پر ترس آیا۔ اس کی رحمت جوش میں آئی اور اس نے انسانیت کو اپنے ازلی ابدی نور ہدایت سے نوازنے کا ارادہ فرمایا۔ اور آخر اس ہستی کو اس دنیا کی رہنمائی کے لیے بھیجا۔ جس کی بشارتیں سابقین انبیاء علیہم السلام دیتے آئے تھے۔ جب وہ ہستی محمد ﷺ بن عبداللہ بن کر تشریف لاچکی تو اسے عمر عزیز کے چالیس سال مکمل کرنے کے بعد نبوت و رسالت سے نوازا گیا۔ اور ساتھ

Marfat.com

ہی "اقراء" کا پیغام عطا ہونا شروع ہو گیا- اور یہ سلسلہ 23 سال میں مکمل ہوا- قرآن حکیم چونکہ انسانیت کے لیے تاابد سرچشمہ ہدائت اور رہنما ہے لہٰذا اس کے نزول کی تکمیل کے بعد اس کی حفاظت کا ذمہ بھی اس کے نازل کرنے والے نے خود اٹھایا لیا-

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ- (15 - 9)

بے شک اس نصیحت بھری کتاب کو ہم نے ہی نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے (تا ابد) محافظ ہیں-

ایک زمانے میں ایک سے زیادہ نبیؑ

پہلے زمانوں میں ہدایت آسمانی مختلف خطوں کے لیے مختلف مرسلین کی وساطت سے آتی تھی اور ایک ہی وقت میں دنیا میں کئی کئی نبی ہوتے تھے- مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی نبوت کے منصب پر فائز تھے- حضرت لوط اور اسحاق علیہ السلام کو بھی نبوت ملی ہوئی تھی اور ادھر حضرت اسماعیل علیہ السلام سرزمین حجاز میں نبی تھے- پھر ایک طرف حضرت یعقوبؑ کی نبوت جاری تھی کہ ان کے لخت جگر یوسف علیہ السلام بھی نبوت سے سرفراز کیے جا چکے تھے اسی طرح روئے زمین پر جہاں جہاں بھی انسانی آبادیاں تھیں- ان کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کے ذریعے پورا پورا انتظام کر رکھا تھا- کیونکہ ذرائع نقل و حمل محدود تھے- اور ایک ہی نبی کے ذریعے' ایک ہی وقت میں ایک ہی پیغام کا ساری دنیا کے لوگوں تک پہنچانا ممکن نہ تھا- (روایات میں آیا ہے کہ کل 313 رسول اور ایک لاکھ سے زیادہ انبیاء مبعوث کیے گئے-)

جب نزول قرآن کا زمانہ آیا تو اس وقت بری اور بحری راستوں سے دنیا بھر کے ممالک ایک دوسرے سے ربط پذیر ہو چکے تھے- چنانچہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کے لیے اپنا آخری سرچشمہ ہدایت اپنے آخری رسول پر مکہ معظمہ اور مدنیہ منورہ میں نازل فرمایا اور اس کے پہلے مخاطبین ام القریٰ اور اس کے اردگرد بسنے والے لوگ تھے- اور اردگرد بسنے والوں میں ساری دنیا کے لوگ بھی شامل ہیں- کیوں کہ ساری دنیا تقریباً مکہ معظمہ کے اردگرد یکساں طور پر آباد ہے- اور اگر ساری دنیا کو کوئی پیغام پہنچانا مقصود ہو تو آج بھی اس کا ہیڈ کوارٹر مکہ معظمہ کو ہی بنانا مناسب ہو گا- چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اپنے نبی کے ذریعے آپ ﷺ کے عالمی رسول ہونے کا اعلان فرما دیا جس کی رو سے قیامت تک کے انسانوں کے آپ ہی رہنما ٹھہرے (7 - 159 نیز 62 ! 3)

Marfat.com

پس یہ وجہ تھی کہ قرآن حکیم کی مدنی ﷺ نبی اور رسول پر نازل کیا گیا۔ اور یہاں سے یہ نور اپنی کرنیں ساری دنیا کو بانٹنے لگا۔ اور آج دنیا کے گوشے گوشے میں قرآن پہنچ چکا ہے۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اس کی روشنی سے کما حقہ متمتع ہوئے۔ اور ہو رہے ہیں۔

قرآن حکیم چونکہ قیامت تک کے لیے سرچشمہ رہنمائی ہے۔ اس لیے اس کی حفاظت کا بھی اللہ تعالیٰ نے خاص بندوبست کیا۔ اور حضور علیہ السلام نے بھی اپنے عہد مبارک میں کاتبان وحی کے ذریعے پورے قرآن حکیم کو تحریری شکل میں محفوظ فرمایا تھا۔ پھر اس کی مختلف قراتوں میں یکسانیت پیدا کر کے ابدی طور پر "ایک قرآن" مرتب کرنے کا کام عہد عثمانی میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں انجام پایا۔ اور باقی اختلافی قراتوں والے نسخے ضائع کر دیئے گئے اور اس مرتب کردہ "واحد نسخہ" کی نقول اسلامی فتوحات کے اطراف و امصار میں بھجوا دی گئیں۔ اور آج وہی قرآنی نسخہ دنیا بھر میں متداول ہے۔ پھر قرآن کے حافظوں کے ذریعے اس کی صحت و حفاظت کا انتظام بھی کیا گیا۔ پھر رمضان شریف میں پورے، قرآن کو تراویح کی ادائیگی کے ذریعے دہرانے کا ابدی نظام چودہ سو سال سے جاری ہے۔ جس سے عوام بھی کم از کم سننے اور (حسب توفیق) سمجھنے کی حد تک فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اور پھر حسب توفیق عمل بھی کرتے ہیں۔

تمام سابق کتابوں کی مہیمن کتاب

اس بارے میں ارشاد ربانی ہے۔

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ۔ (5 ـ 48)

اور ہم نے ۔ (اے محمد ﷺ) آپ کی طرف یہ کتاب (قرآن حکیم) حق کے ساتھ نازل فرمائی یہ سابقہ (آسمانی کتابوں اور ان کی) تعلیمات الہیہ کی تصدیق کرتی ہے۔ (جو الکتاب کا ہی جزو تھیں) اور وہ ساری تعلیمات درست حالت میں اس کے اندر محفوظ کر دی گئی ہیں۔

مکمل اور غیر متبدل کتاب

قرآن حکیم تا ابد ہدایت خداوندی کا ایسا سرچشمہ ہے جو مکمل ہے اور قیامت تک

Marfat.com

اس میں کسی ترمیم و اضافے کی ضرورت پیش نہیں آسکتی۔

وَتَمَّتْ كَلِمَاتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ۔ (6۔116)

اور (اے نبی ﷺ!) تیرے ﷺ رب کی طرف سے نازل ہونے والے کلمات (احکام و قوانین جو) صدق اور عدل (پر مبنی ہیں اپنی صادقانہ اور عادلانہ حیثیت) کے ساتھ مکمل ہو چکے ہیں۔ اور کسی کی مجال نہیں کہ اس کے (احکامات و) کلمات میں تبدیلی لا سکے۔

محفوظ کتاب

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے۔ قرآن کے "محفوظ کتاب" ہونے کی سند بھی قرآن نے خود ہے۔

1۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ○

"بے شک ہم نے ہی اس نصیحت بھری کتاب کو نازل فرمایا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں"۔ (15۔9)

2۔ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ۔ (75۔17)

"(اے نبی ﷺ) بے شک اس کتاب کا جمع کرنا اور اس کی تلاوت کروانا ہماری ذمہ داری ہے"۔

پھر اس کتاب کی ایک اور خاصیت بھی بیان فرما دی کہ اس میں باطل کی آمیزش ہو ہی نہیں سکتی۔

لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ۔ (41۔42)

"باطل اس کے آگے یا پیچھے، کہیں سے بھی اس کے پاس نہیں پھٹک سکے گا"۔

چنانچہ مخالفین اسلام نے قرآن کی تحریف یا اس کو مٹانے کی جتنی بھی کوششیں کیں وہ سب کی سب ناکام رہیں۔

محمد ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب

قرآن حکیم خود ہی یہ اعلان بھی کرتا ہے کہ یہ کتاب محمد مصطفےٰ ﷺ پر نازل کی گئی ہے۔ اور یہ کہ محمد ﷺ تو بس اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہے۔

1۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ۔ (سورہ محمد ﷺ: 2)

Marfat.com

"اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے اور اس کتاب پر ایمان لائے جو محمد ﷺ پر نازل ہوئی اور وہ کتاب اس کے رب کی طرف سے برحق ہے"۔

2۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ۔

"محمد ﷺ تو بس (اللہ کے) رسول ہیں۔ ان سے پہلے بھی رسول ہو گزرے ہیں"۔

3۔ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ۔ (احزاب: 40)

"محمد ﷺ تم میں کسی مرد کے باپ نہیں ہیں اور ہاں وہ اللہ کے رسول ہیں۔ اور سلسلہ نبوت کی آخری کڑی ہیں"۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ۔

"محمد رسول اللہ اور ان ساتھی حضرات کافروں پر بڑے سخت ہیں اور آپس میں سراپا مہرو محبت"۔ (48۔ 29)

گویا قرآن حکیم میں چار مقامات پر محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لے کر مختلف بیانات فرمائے گئے ہیں۔ ان آیات سے صاف ظاہر ہے کہ قرآن حضرت محمد ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب ہے۔ جو اللہ کے رسول ہیں۔ اور خاتم النبین بھی ہیں۔

قرآن حکیم لکھی ہوئی کتاب

اس کی حفاظت کا ایک طریقہ یہ بھی اختیار کیا گیا کہ اس کی کتابت کا حکم ہوا۔ باوجود اس کے کہ عہد رسالت میں ملک عرب میں کاغذ کی قلت تھی۔ چنانچہ کاغذ نہ ملتا تو لوگ کھجور کے پتوں' لکڑی کی تختیوں' اونٹ کی چوڑی ہڈیوں' باریک اور بہتر چمڑے اور کھال اور کپڑے اور پتھروں پر بھی تحریریں محفوظ کر لیا کرتے تھے۔ چنانچہ قرآن مجید کی کتابت کے لیے بھی جو کچھ میسر آتا استعمال میں لایا جاتا تھا۔ جس کی گواہی قرآن کے اندر سے بھی ملتی ہے۔

(1) وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ○ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ۔

"اور لکھی ہوئی کتاب (کی قسم) (جو) کشادہ اوراق میں ہے"۔

اہل عرب "رق" اس باریک چمڑے کو کہتے تھے جس پر پرانے وقتوں میں کتابیں ضبط تحریر میں لائی جاتی تھیں۔ رق ہرن کی جھلی (کھال) کو بھی کہتے ہیں جس پہ کتابت کی جاتی تھی۔ نیز ہر باریک کھال جس پر لکھائی کی جاتی تھی رق کہلاتی تھی۔ فتح الباری فی شرح

Marfat.com

البخاری میں ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد سے پہلے اول اول قرآن مجید کو چمڑے کے ٹکڑوں پر تحریر کیا جاتا تھا۔

(2) اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ○ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ - (56۔ 77، 78)

"بے شک یہ قرآن واقعی بڑی عزت والا ہے۔ کتاب محفوظ میں لکھا ہوا ہے"۔

(3) بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ○ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ - (85۔ 21، 22)

"ہاں یہ قرآن بلند شان والا ہے۔ لوح محفوظ میں لکھا ہوا"۔

لوح کندھے کی چوڑی ہڈی کو بھی کہتے ہیں۔ جس پر لوگ کاغذ کی قلت کے زمانے میں لکھا کرتے تھے (مجمع البحار و صراح) یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ خطہ حجاز میں کاغذ کا رواج حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، کے عہد خلافت میں ہوا اور آپ نے پورا قرآن مجید کاغذ پر تحریر کروا دیا (اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد 16۔ 1، ص 234)

(4) رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ○ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ - (98 = 2، 3)

"یعنی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پاک نوشتے (قرآن) کی تلاوت کرتے ہیں۔ اس میں مضبوط باتیں لکھی ہوئی ہیں"۔

(5) قرآن حکیم عہد رسالت میں لکھوایا جاتا تھا۔ اور مختلف کاتبان وحی کے نام احادیث میں ملتے ہیں۔ اور کفار کی زبان سے قرآن نے اس کی شہادت اس طرح دی ہے کہ:۔

وَقَالُوْا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا - (25 ۔5)

"یعنی کافر (قرآن مجید کے بارے میں) کہتے ہیں کہ یہ پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاس لکھ رکھا ہے سو وہی صبح و شام اس کے پاس لکھوائے جاتے ہیں"۔

اس کے علاوہ قرآن حکیم کے کتاب ہونے کی شہادتیں۔ احادیث سے بھی ملتی ہیں۔ جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

(1) حضرت عمرؓ کے ایمان لانے کے مشہور واقعہ میں ہے کہ وہ اپنی بہن اور بہنوئی کے گھر گئے تو وہ قرآن مجید کے اوراق تلاوت کر رہے تھے۔ جن کو انہوں نے عمر کے خوف سے چھپا دیا۔ اور زدوکوب آمیز جھڑپ کے بعد آخر عمر نے کہا:۔

Marfat.com

اَعۡطُوۡنِیۡ کِتَابَ الَّذِیۡ عِنۡدَ کُمۡ اَقۡرَاۂ

"مجھے وہ کتاب دو جو تمہارے پاس ہے کہ میں بھی اسے پڑھوں"۔

توفیقی ترتیب

قرآن حکیم کو اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق ترتیب دیا گیا۔ جس طرح جبریل امین حضور علیہ السلام کو بتلاتے۔ اسی ترتیب سے آپ ﷺ اپنے کاتبان وحی کو لکھنے کا ارشاد فرماتے۔ چنانچہ عبداللہ ؓ بن عباس روایت کرتے ہیں کہ جب آیت

وَاتَّقُوۡا یَوۡمًا تُرۡجَعُوۡنَ فِیۡهِ اِلَی اللّٰهِ ..... " نازل ہوئی تو جبریل امین نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو بتلایا کہ :۔

ضعها عَلٰی رَاسِ مِاتَیۡنِ ثمانین من سورۃ البقرہ۔

یعنی اس آیت کو سورہ البقرہ کی دو سو اسی ویں آیت کے بعد لکھوائیں۔ چنانچہ یہ آیت سورۃ بقرہ کی دو سو اکیاسویں آیت ہے (سنن ابوداؤد۔ کتاب الصلوۃ باب من جرہا)

اسی طرح اور بھی بہت سی احادیث سے ثابت ہے کہ قرآن کی موجودہ ترتیب وہی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق حضور ﷺ نے مقرر فرمائی تھی۔ چنانچہ بخاری شریف میں ہے۔ کہ عام سالوں میں جبریل آپ کو نازل شدہ قرآن سال میں ایک بار سنا کر دہرائی کرواتے تھے۔ لیکن آپ ﷺ کے سال وفات کے دوران جبریل نے دو مرتبہ قرآن آپ کے سامنے پڑھ کر سنایا۔

شک و شبہ سے بالا کتاب

قرآن فرماتا ہے۔

ذَالِکَ الۡکِتٰبُ لَارَیۡبَ فِیۡهِ۔

"یہ (قرآن) وہ کتاب ہے۔ جس میں کوئی شک و شبہ والی بات نہیں"۔

اغیار کی رائے قرآن کے بارے میں

لائف آف محمد ﷺ کا مولف سرولیم میور لکھتا ہے۔

"یہ یقینی بات ہے جس شکل میں قرآن ہمارے پاس اس وقت موجود ہے۔ یہ بعینہ اسی شکل میں محمد ﷺ کی زندگی میں جمع اور مرتب ہو چکا تھا"۔

یونیورسل انسائیکلوپیڈیا میں قرآن کے عنوان سے مقالہ ہے۔ اس میں لکھا ہے۔

Marfat.com

"یہ کتاب پیغمبر محمد ﷺ پر ان کی زندگی کے آخری تئیس (23) سالوں میں مکہ اور مدینہ میں نازل ہوتی رہی اور مسلمانوں کے عقیدہ میں کلام الہی ہے۔ بہ خلاف حدیث کے جو مجموعہ کلام رسول ہے۔ قرآن پیغمبر ﷺ کی زندگی ہی میں اور انہی کی زیر ہدایت و نگرانی ضبط تحریر میں آگیا تھا۔ اور ان کے صحابیوں نے اسے حفظ یاد کرلیا تھا۔ اور یہ معمول آج تک جاری ہے۔ چنانچہ صدہا مسلمان کلام پاک کے حافظ ہیں اور اسے بغیر کسی ایک غلطی کے، سارے کا سارا زبانی دہرا سکتے ہیں"۔

اس کتاب کا دعویٰ ہے کہ اس میں تمام کتب آسمانی کے حقائق آگئے ہیں۔ اور یہ کہ وہ آخری اور ناقابل تغیر کتاب ہے۔ نیز یہ کہ نوع انسان کے لیے وہ جامع ترین دستور العمل ہے اور اسلام یعنی دین فطرت کی آخری توضیح ہے اور یہی دین ابراہیم موسیٰ و عیسیٰ علیہ السلام اور سارے قدیم انبیاء کا رہ چکا ہے۔ اس کی عبارت کا غیر تحریف شدہ ہونا مسلم ہے۔ (بحوالہ مذاہب عالم کی آسمانی کتابیں از پرویز ص 225) ہورٹ وگ ہر شیفلڈ (HORTWIG HIRSCHFELD) اپنی کتاب EXEGESE OF THE QURAN (NEW RESEARCHES IN TO THE COMPOSITION AND میں رقمطراز ہے۔

عہد حاضر کے نقاد اس بات پر متفق ہیں کہ قرآن کے موجودہ نسخے اس اصل نسخے کا ہوبہو عکس ہیں جسے زید" نے لکھا تھا' اور قرآن کا متن بعینہ وہی ہے جسے محمد ﷺ نے (لکھوا کر) دیا تھا (بحوالہ ایضاً ص 224)

دنیا میں موجود مذاہب اور ان کی کتابوں کے بارے میں آپ نے دیکھا کہ وہ انسانی حیات کیلئے مکمل ضابطہ اور لائحہ عمل مہیا نہیں کرتیں اور نہ کوئی کتاب اپنی اصل زبان اور عام فہم انداز میں موجود ہے لیکن اسلام کی بنیادی تعلیمات کی کتاب آج بھی اصل متن ترتیب اور شکل میں موجود ہے۔ جس میں کہ وہ دور رسالت ماب ﷺ میں مدون کی گئی تھی۔ اسی طرح احادیث کا سرمایہ بھی بڑی چھان پھٹک اور جرح و تعدیل کے بعد نہایت دیانتدار اہل علم حضرات کی کوششوں سے وجود میں آیا۔ اور زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس کے بارے میں اسلامی تعلیمات انسان کی رہنمائی نہ کرتی ہوں۔

Marfat.com

اسلام اور اسلامی عقائد

ایک نظر میں

اسلام کا مادہ س ل م = سلم ہے۔ اس کے لغوی معنی قابل توجہ ہیں۔

1۔ ظاہری اور باطنی آلائشوں (آفات) اور عیوب سے پاک (خالص اور محفوظ) ہونا۔ اور اس میں کسی کمی کا موجود نہ ہونا۔ ہر طرح سے مکمل ہو تاکہ پھر اس میں کوئی کمی باقی نہ رہے۔ یعنی انسانی صلاحیتوں کی پوری پوری نشو و نما اور تکمیل کا مرقع ہونا۔

2۔ ہر قسم کے آفات خطرات اور حوادث سے محفوظ رہنا۔ بقول ابن فارس اس مادہ میں زیادہ معنی صحت اور عافیت سے متعلق ہیں۔

3۔ السُّلَّم بمعنی سیڑھی۔ یعنی بلندی تک جانے کا محفوظ راستہ گویا اس مادہ میں بلندی کا حصول اور ترقی کے معنی بھی مضمر ہیں۔

4۔ اَلسِّلْمُ کے معنی ہیں صلح اور صفائی کے ساتھ رہنے والا۔ صلح و امان گویا خود بھی محفوظ اور سلامت اور دوسروں کی سلامتی کو بھی قائم کرنے والا۔

5۔ تسالَمَتِ الْخَیْلِ کا مطلب ہے گھوڑوں کا قدم سے قدم ملا کر، ہم آہنگی کے ساتھ، ایک ساتھ چلنا۔

6۔ اَلسِّلْمُ وَالسَّلَامُ کے معنی ہیں۔ اطاعت - انقیاد۔ سپردگی۔ جھک جانا بقول نواب صدیق حسن خاں بھوپالی س ل م کے مادہ میں بنیادی طور پر نرمی، عاجزی اور انکساری کا پہلو بھی مضمر ہوتا ہے (العلم الخفاف)

7۔ اِستسلَمَ تُکَمَ الطَّرِیق کے معنی ہیں وہ راستہ کے درمیان میں (اعتدال سے) چلا۔ اور ادھر ادھر نہ ہوا۔ قَالُوْا سلامًا کے معنی ہیں۔ وہ میانہ روی اختیار کرتے ہیں۔ اور کوئی لغویات نہیں کرتے۔

8۔ اَسْتَسْلَمَ الزَّرْعُ کے معنی ہیں کھیتی کی بالیں آئیں۔ یعنی کوششوں کا سلامتی کے ساتھ نتیجہ خیز ثابت ہونا۔ اور عمل رائیگاں نہ جانا۔

9۔ السَّلِمَةُ اس عورت کو کہتے ہیں جس کے اعضا نہایت نرم و نازک اور خوشنما ہوں لہٰذا اس مادہ کے اندر حسن و زیبائی اور خوش نمائی کے معنی بھی مضمر ہیں۔

Marfat.com

(تاج العروس ' محیط ' اور لین ' لسان العرب
المفردات وغیرہ)

ان معانی سے ظاہر ہے کہ "اَلْاِسْلَامُ" اس نظام حیات کا نام ہے۔ جس سے

1- انسان کی ساری کمیاں پوری ہو جائیں۔ اور اس کی صلاحیتیں صحیح معنوں میں نشوونما پائیں۔

2- وہ زندگی میں ہر قسم کی آفات اور تباہیوں سے محفوظ رہے۔

3- وہ اپنی ارتقائی منزلیں طے کرتا ہوا بلندیوں کی طرف بڑھتا چلا جائے۔

4- وہ خود بھی امن و سلامتی اور صلح و آشتی سے رہے اور دنیا کو بھی امن و سلامتی کا گہوارا بنا دے۔

5- وہ دوسروں کے ساتھ (احکام خداوندی اور ارشادات نبوی کی تعمیل میں) ہم قدم اور ہم آہنگ ہو کر اس طرح چلے کہ معاشرہ میں کوئی بگاڑ یا کوئی انتشار پیدا نہ ہو۔

6- اعتدال اور میانہ روی اختیار کرے اور افراط و تفریط سے کام نہ لے۔

7- اللہ اور رسول ﷺ کے سامنے جھک جائے اور پوری طرح اطاعت کا حق ادا کرے۔

8- اس طرح کرنے سے بالآخر اس کی کوششیں بار آور ہوں گی اور اس کا کوئی عمل ضائع نہ ہو گا۔

9- اور اس طرح نہ صرف اس کی اپنی ذات میں ایک قدرتی حسن ' توازن اور اعتدال پیدا ہو جائے گا۔ بلکہ پورا معاشرہ حسن اخلاق ' حسن معاشرت ' خوش معاملگی اور امن و سلامتی کا گہوارا ہو گا۔ سلم سلام اور سلم سخت پتھر کو کہتے ہیں۔ لہٰذا وہ نرمی کی صفت سے محفوظ (سالم) ہوتا ہے۔ سلم خار دار درخت کو کہتے ہیں جو آفات سے محفوظ و بری (سلیم) ہوتا ہے۔ تو گویا مسلمان اپنے عقائد اور موقف میں پتھر کی طرح سخت ہوتا ہے۔ اور جہاد کی برکت سے باقی رہتا ہے۔ قرآن میں السلام اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے جس کے معنی ہیں۔ خود اپنی ذات میں سلامت اور دوسروں کو سلامتی اور امن و حفاظت عطا کرنے والا (تاج العروس)

Marfat.com

اسلام کے شرعی معنی

علمائے اسلام کے نزدیک اسلام کے شرعی معنی اس کے لغوی معنی سے ہی بر آمد ہوتے ہیں۔ اور ان کا باہم مضبوط تعلق ہے۔ یعنی اسلام کا اصطلاحی شرعی مفہوم اظہار اطاعت و تسلیم' اظہار شریعت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے ساتھ جڑے رہنا ہے۔ (لسان العرب) حدیث جبریل کی رو سے حضور علیہ السلام نے جبریل کو جب وہ انسانی شکل میں صحابہ کی جماعت میں اچانک تشریف لائے اور حضور علیہ السلام کے زانو کے ساتھ زانو ملا کر بیٹھ گئے اور اسلام کے بارے میں آپ ﷺ سے پوچھا تو آپ نے جواب میں) فرمایا

"اسلام یہ ہے کہ تو اس امر کی شہادت دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور یہ کہ تو نماز قائم کرے اور یہ کہ تو زکوۃ دے اور یہ کہ تو رمضان کے روزے رکھے اور یہ کہ اگر استطاعت ہو تو بیت اللہ کا حج کرے"۔

"ایمان یہ ہے کہ تو اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور آخرت (کے دن) پر اور اچھی اور بری تقدیر پر ایمان لے آئے"۔

پھر جبریل نے پوچھا یا رسول اللہ! احسان کیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا۔

"احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر یہ حالت میسر نہ ہو تو کم از کم تو یہ ضرور محسوس کرے کہ وہ (خدا) تجھے دیکھ رہا ہے"۔

اور جبریل امین نے ہر بار جواب سن کر "آپ نے سچ فرمایا" کہا تھا۔ چنانچہ صحابہ کرام حیران تھے۔ کہ یہ عجیب شخص ہے کہ خود ہی سوال کرتا ہے اور خود ہی جواب کی تصدیق کرتا ہے۔ تو حضور

Marfat.com

علیہ السلام نے آخر میں بتلایا تھا کہ یہ جبریل امین تھے جو تم لوگوں کو تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔

(بخاری۔ مسلم۔ ترمذی۔ ابو داؤد) عن عمر بن الخطاب)

اسلام کے بنیادی ارکان

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اسلام کے بنیادی ارکان پانچ ہیں۔(1) کلمہ طیبہ (2) نماز (3) زکوۃ (4) روزہ (5) حج۔(بخاری و مسلم عن عبداللہ بن عمرؓ)

اسلام اور ایمان

سورۃ حجرات میں ہے۔

"اعراب کہتے ہیں کہ ایمان ہم لے آئے ہیں۔ اے نبی فرما دیجئے کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ تم یہ کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں۔ کیونکہ ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔ (49 ـ 14)

1۔ چنانچہ بعض علماء کے نزدیک اسلام اور ایمان میں فرق یہ ہے کہ اسلام کے معنی ہیں۔ اقرار جبکہ ایمان کے معنی ہیں۔ اس عام اقرار کی دل سے تصدیق کرنا۔ بقول ثعلب "اَلاِ سْلاَمُ بِالِلسَانِ وَاِیْمَانُ بِالْقَلْبِ" یعنی اسلام اللہ اور اس کے احکام کو زبان سے ماننا اور ایمان یہ ہے کہ انہیں دل کی گہرائیوں سے مانا جائے (لسان العرب)

2۔ بعض کے نزدیک اسلام ایمان میں تداخل ہے۔ یعنی ایمان دراصل اسلام کا ایک خاص ارتقائی مقام ہے جیسا کہ حضور علیہ الاسلام سے پوچھا گیا کہ "یا رسول اللہ! کونسا اسلام افضل ہے؟" تو آپ ﷺ نے فرمایا "الایمان" یعنی ایمان (مسند احمد بن حنبل)

3۔ بعض کے نزدیک اسلام و ایمان میں تَرَادُف ہے یعنی دونوں الفاظ متحد المعنی ہیں۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں بہت سے مقامات پر مومنین اور مسلمین ہم معنی ہیں۔ (51 ـ 35، 36، 3 ـ 19، 5 ـ 3)

الفقہ الاکبر کی رو سے دینی اعتبار سے ایمان اور اسلام لازم و ملزوم ہیں۔ ایمان کا تعلق دل سے ہے اور اسلام کا تعلق اعمال و جوارح سے ہے۔ امت مسلمہ وحدت کی بنیاد پر قائم ہے اس لئے شرعی لحاظ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم کسی کو مسلم کہیں اور مومن نہ کہیں

Marfat.com

اور نہ یہ درست ہے۔ کہ مومن کہیں اور مسلم نہ کہیں بلکہ ہر مسلمان مومن بھی ہے اور مسلم بھی۔

اسلام کے بنیادی عقائد

مختصراً بیان کی جائے تو اسلام کے بنیادی عقائد پانچ ہیں۔

(1) توحید --- اللہ کو ایک ہی ماننا اور اس پر (ظاہر و باطن سے) ایمان لانا۔

(2) رسالت --- اللہ کے فرستادہ سارے انبیاء اور رسولوں پر ایمان لانا۔

(3) سب کتب سماوی پر ایمان لانا ---- کہ وہ منجانب اللہ ہیں۔

(4) فرشتوں پر ایمان لانا۔

(5) حیات بعد الممات یعنی آخرت پر ایمان لانا۔

علمائے اسلام نے "ایمان مجمل" اور "ایمان مفصل" میں یہ عقائد و ایمانیات نہایت جامع اور مختصر انداز میں سمو دیئے ہیں۔

1 - اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ كَمَا هُوَ بِاَسْمَائِهٖ وَصِفَاتِهٖ وَقَبِلْتُ جَمِيْعَا اَحْكَامِهٖ اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَتَصْدِيْقٌ بِالْقَلْبِ۔ (ایمان مجمل)

"یعنی میں ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر جیسا کہ وہ اپنے اسماء وصفات کے ساتھ ہے اور میں نے اس کے سارے احکام قبول کئے ہیں۔ ان سب باتوں کا زبان سے اقرار کرتا ہوں اور دل سے تصدیق"۔

2 - اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ۔ (ایمان مفصل)

"یعنی میں ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر اور اس کی فرشتوں پر اور اس کے کتابوں پر، اور اس کے رسولوں پر اور آخرت کے دن پر اور تقدیر پر جو اللہ کی طرف سے اچھی یا بری ہے۔ اور مرنے کے بعد والی زندگی پر"۔

اور یہ عقائد قرآن حکیم اور احادیث سے ہی اخذ کردہ ہیں۔ مثلاً ایمان مفصل کا ایک حصہ اس آیت سے ماخوذ ہے۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ۔

Marfat.com

اسی طرح باقی عقائد کی بنیاد بھی قرآن کریم کی آیات مقدسہ پر استوار ہوئی ہے۔

اثبات الالہ

یعنی اللہ کی ذات کا ثبوت

حضرت آدم علیہ السلام جنت میں رہتے تھے۔ ساتھ بی بی حوا تھیں۔ پھر زمین پر بھیجے گئے۔ اور جب ان کے ہاں اولاد ہوئی تو اس کی ہدایت کے لیے آسمانی تعلیم حضرت آدم علیہ السلام پر نازل کی گئی۔ آپ کی اولاد آپ پر ایمان لائی۔ اور چونکہ آدم علیہ السلام خود جنت سے زمین پر بھیجے گئے تھے اور اللہ تعالیٰ سے ان کی باتیں بھی ہوئی تھیں۔ اور فرشتوں کے ساتھ رہنے کا موقع بھی ملا تھا۔ اس لیے آپ کی پہلی پہلی اولاد کو اِثباتُ الاِلٰہ کے بارے میں کسی شک و شبہ میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن انسان نے جیسے جیسے ترقی کی۔ اور اس کا رابطہ وحی الٰہی سے ٹوٹا اور وہ دھرتی پر پھیلتا چلا گیا اور اس کی اولاد پھیلنے لگی۔ تو نئے پیدا ہونے والوں کا چونکہ اس مادی دنیا سے خمیر اٹھا تھا۔ اس لیے ان کو اللہ تعالیٰ کے بارے میں یقین کرنے میں تامل ہوا کہ اللہ کی بھی کوئی ہستی ہے۔ اگرچہ وقت کے نبیؑ اور رسولؑ انہیں بتلاتے۔ لیکن وہ چونکہ ہر چیز کو کھلی آنکھوں سے دیکھنے کے عادی تھے۔ اس لیے وہ اللہ کو بھی ان آنکھوں سے دیکھنا چاہتے تھے۔ تاکہ دیدار کے بعد وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لا سکیں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے لیے انبیاء علیہ السلام سب سے پہلی شرط ہی یہ عائد کرتے تھے کہ اللہ پر ایمان اسے دیکھے بغیر لایا جائے۔ اسے ایمان بالغیب کہتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ

"یعنی قرآن ایک ٹھیک ٹھیک کھری کتاب ہے۔ متقی لوگوں کے لیے نری ہدایت جو اللہ پر اسے دیکھے بغیر ایمان لائے ہیں"۔

لیکن ہر انسان صرف اپنے جیسے ایک بشر پر ایمان لا کر اور اسے نبی مان کر اللہ پر ایمان کیسے لائے۔ جب تک اسے پورا پورا یقین نہ دلایا جائے یا جب تک اس کا اپنا دل نہ مانے پس یہ تذبذب اور تشکک انسانوں کی گمراہی کا باعث بنتا گیا چنانچہ ایک واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں پیش آیا۔ کہ آپ کی امت کے کچھ لوگوں نے مطالبہ کر دیا کہ۔

Marfat.com

اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ (نساء: 153)

"یعنی اللہ تعالیٰ کو ہمارے سامنے لاکر دکھلا۔ تو پھر ان کو ان کی اس ظالمانہ روش پر (خدا کے حکم سے) بجلی نے آدبوچا"۔

اس لیے مختلف قوموں نے جب اللہ کو کھلی آنکھوں سے نہ دیکھا تو وہ ان مظاہر فطرت کو پوجنے لگے جن کو وہ دیکھ سکتے تھے۔ مثلاً سورج' چاند' ستارے وغیرہ۔

جدید تحقیقات کے علمبرداروں کے ہاں انسانی ارتقا جمادات و نباتات سے شروع ہوا۔ پھر کسی طرح اس میں جان پڑ گئی اور ڈارون کے نظریہ کے رو سے پہلے انسان بندر کی شکل میں دھرتی پر نمودار ہوا۔ پھر آہستہ آہستہ ترقی کرکے انسان بنا۔ اسی طرح ان کے نظریہ کے مطابق توحید کا تصور بھی ارتقائی ہے پہلے پہل انسان مظاہر قدرت سے متاثر ہوا۔ پھر ان کے پیچھے کارفرما قوتوں کو اس نے دیوی دیوتاؤں کی صورت میں پوجنا شروع کیا۔ اور بعدازاں جوں جوں اس کا علم بڑھتا گیا۔ خداؤں کی تعداد بھی کم ہوتی چلی گئی حتی کہ ایک خدا کا تصور ابھر آیا۔ جس کو تمام بلند مذاہب کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

منکرین ذات باری تعالیٰ کے نزدیک حقیقت میں خدا کا کوئی وجود نہیں۔ بلکہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ ازخود ہو رہا ہے۔ اور اس قوت کا نام انہوں نے "دہر" یعنی زمانہ رکھا اور دہر کو قوت نافذہ تسلیم کرنے والے کو "دہریہ" کہا جاتا ہے۔ دہریوں کے نزدیک ہر چیز دہر کی قوت کے زیر اثر از خود پیدا ہوتی ہے۔ اور ایک خاص عمر کے بعد نابود ہو جاتی ہے۔ یہ کائنات دہر کی قوت کے زیر اثر چلتی جا رہی ہے۔ ساتھ ساتھ پیدا ہوتی اور مٹتی جاتی ہے۔ ایجاد اور شکست و ریخت کا یہ عمل ازخود دہر کی قوت سے جاری ہے۔ اہل دین حضرات اس کائنات کی خالق اور اسے رواں دواں رکھنے والی قوت کو "اللہ" کا نام دیتے ہیں۔ جب کہ منکرین خدا اسے "دہر" کا نام دیتے ہیں۔ یہ طبقہ ازمنہ قدیم سے چلا آتا ہے۔ اور اس کا ذکر قرآن میں اس طرح آیا ہے۔

وَمَا يُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ۔

"یعنی دہریہ حضرات کہتے ہیں کہ یہ صرف زمانہ (TIME) ہی ہے۔ جو ہمیں ہلاک کر دیتا ہے"۔

اس قدیم نظریہ حیات کو ماننے والے آج کل بھی موجود ہیں۔ اور اسے "مادی نظریہ حیات" (MATERIALISTIC CONCEPT OF LIFE) کہا جاتا ہے۔

Marfat.com

خدا تعالیٰ کے تصور کا ارتقائی نظریہ جو عمرانیات کے بعض مغربی ماہرین نے پیش کیا ہے۔ اب خود اہل مغرب کے ماہرین عمرانیات' مذاہب اور تاریخ نے اس نظریہ کو غلط ثابت کر دیا ہے چنانچہ جدید دور کے تاریخ دان آرنلڈ ٹائن بی نے پروفیسر شمٹ کی کتاب (THE ORIGION AND GROTH) کے حوالے سے' جو اس موضوع پر ایک مستند تصنیف مانی جاتی ہے۔ اپنی کتاب (HISTORIANS APPROACH TO RELIGION AN) میں لکھا ہے۔

"پروفیسر شمٹ کی تحقیق یہ ہے کہ خدا کی توحید کا جو تصور بلند مذاہب نے پیش کیا ہے۔

یہ کوئی نیا تصور نہیں جسے انہوں نے ایجاد کیا"۔

اور شمٹ نے واضح کیا ہے کہ توحید کا تصور نسل انسانی کے قدیم ترین قبائل میں سے اکثر کے ہاں پایا جاتا تھا۔ اور یہ بات پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے۔ کہ ارتقائی مذاہب یا ارتقائی خدا کا تصور اب عمرانیات کے میدان میں بری طرح دیوالیہ ہو چکا ہے۔ (اسلام کیا ہے۔ ازغلام احمد ﷺ پرویز)

مادی دنیا کی حقیقت

مادہ کو عموماً فانی تصور کیا جاتا ہے۔ حالانکہ سائنس کی جدید تحقیقات نے اس نظریے کی نفی کر دی ہے۔ آج کل کے بعض انسان عموماً انسانی زندگی کو اس دنیا تک محدود سمجھتے ہیں اور موت کے بعد والی زندگی کے جاری سفر کی حقیقت کا انکار کرتے ہیں۔ لیکن جدید سائنسی تحقیقات کی رو سے مادہ بھی کسی اور ہی دنیا کی چیز ہے۔

سائنس کی بنیاد "مادیت" پر رکھی گئی۔ چنانچہ سائنس کے سارے تجربات مادیت کے گرد گھومتے ہیں۔ اور انسانیت کے روحانی پہلو کو سائنس نے کبھی گھاس تک نہ ڈالی۔ یہی وجہ تھی کہ سائنس کے پجاری مذہب کو اپنی تنقید کا نشانہ بناتے رہے۔ یہودیت اور عیسائیت سائنس کے ساتھ کھڑی ہونے سے قاصر رہیں۔ کیونکہ ان کی بنیادی تعلیم کی کتب اپنی اصل زبان' اصل حالت میں موجود نہ تھیں۔ آخر سائنسی ترقی نے لوگوں کے دل موہ لئے چنانچہ یہودیوں اور عیسائیوں نے مذہب کو ذاتی مسئلہ یا انسان اور خدا کے درمیان ذاتی تعلق قرار دے کر اسے ایک الگ شعبہ قرار دے دیا اور انسانی زندگی کے سارے پہلوؤں پر اسے حاوی ماننے سے انکار کر دیا۔ اس طرح یہودیت اور نصرانیت بطور مذہب

Marfat.com

جاری رہیں اور سائنس ان سے بے تعلق ہو کر ترقی کی منزلیں طے کرنے لگی کیونکہ زمین کو متحرک قرار دینے والے سائنس دان کلیسا کے مذہبی رہنماؤں کی نظر میں کافر تھے۔ وعلیٰ ھذاالقیاس۔

اسلام اور اس کی تعلیمات کا ماخذ یعنی قرآن مجید اپنی اصل زبان' اصل متن کے ساتھ اصل حالت میں موجود ہے۔ چنانچہ اسلام کے ساتھ جب سائنس دانوں کا واسطہ پڑا تو انہوں نے اپنی تحقیقات کی روشنی میں اسلام کو ایک حقیقت پسند اور حقائق سے لبریز مذہب قرار دیا اس بارے میاں عبدالرشید مرحوم (کالم نگار نور بصیرت روز نامہ نوائے وقت لاہور) نے لکھا ہے۔

> "اسلام کے ابتدائی دور میں جاہلیت (پیگن ازم) اور نصرانیت اس کے مقابلہ پر آئی اور اس نے منہ کی کھائی۔ پھر سائنس کی ایجاد اور اس کی ٹکنیکی ترقی کا دور شروع ہوا۔ مسلمان جو پہلے یونانی فکر سے متاثر ہو کر اپنے فکر کی توانائی کھو چکے تھے۔ نئے مغربی فکر سے مرعوب ہو گئے۔ اس میں مغرب کے سیاسی تفکر کا اثر بھی شامل تھا"۔

ابتدا میں سائنس نے اپنی پوری عمارت مادے کی مادیت پر استوار کی تھی۔ اور اسی بنا پر مذہب اور روحانیت پر سخت حملے کئے گئے۔ مگر جوں جوں سائنس حقائق کی تلاش میں آگے بڑھی۔ اس پر نئے حقائق منکشف ہوئے۔ جس نے اس کی پہلی قائم کردہ بنیادیں ہی ختم کر دیں۔ یہاں تک کہ خود مادے کی مادیت ہی ختم ہو کر رہ گئی۔ کیوں کہ بالآخر تمام مادی اشیاء یعنی ٹھوس' مائع اور گیس الیکٹرانوں اور پروٹانوں کے مختلف تناسب کی ترکیب اور ترکیب در ترکیب کا نتیجہ نظر آئیں۔ بالفاظ دیگر مادہ اپنی آخری حیثیت میں محض برقی قوت رہ گیا۔

آئن سائن کے نظریہ اضافیت نے زمان و مکان کو ان کے علیحدہ علیحدہ وجود سے محروم کر دیا (گویا) مادہ ٹھوس نہیں' مکان خالی نہیں زمان واقعات سے باہر کی چیز نہیں۔ بلکہ ان کے ساتھ وابستہ ہے۔ کوانٹم تھیوری کے مطابق توانائی مسلسل طور سے نہیں پھیلتی۔ بلکہ وہ چھوٹے چھوٹے پیکٹوں کی صورت میں پھیلتی ہے۔ جو ایک دوسرے سے الگ ہوتے ہیں۔ اور روشنی توانائی کے چھوٹے چھوٹے پیکٹوں سے مرکب ہے۔ گویا روشنی بیک

Marfat.com

وقت جوئے ذرات بھی ہے۔ اور لہروں کا سلسلہ بھی' یہ مسلسل بھی ہے اور منفصل بھی اس لیے کہ وہ اس زمان مکان کی چیز نہیں بلکہ اس سے ماورا ہے۔

"گویا اب سائنس کے مادیت اور جبر کے پرانے نظریات باطل ہو چکے ہیں بقول ڈنگلن بظاہر دنیا ذہنی یا روحانی تخلیق ہے۔ اور اس کا تعلق کسی نظر نہ آنے والے وجود سے ہے۔ جو ہمارے تصور کے بغیر آزادانہ قائم ہے۔ اور مادہ اسی نوعیت کی چیز ہے۔ جیسے خیالات' احساسات اور جذبات۔ جے ایس ہالڈین نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ (مادہ کی) آخری حقیقت روحانی حقیقت ہے۔ اور ہمارے انفرادی اذہان کسی نہ کسی طرح ایک کل کائناتی ذہن سے متعلق ہیں۔ یہ وہی بات ہے کہ ہر انسان کے اندر اللہ تعالیٰ کی روح میں سے پھونکی ہوئی روح موجود ہے۔ گویا جدید سائنس اب حق تعالیٰ کے وجود کو (اپنے سائنسی انداز میں ہی سہی) تسلیم کرتی ہے۔ اور جدید سائنس کی نئی تحقیق اسے مذہب کے قریب لے آئی ہے۔

"اب جب مادہ ہی بالآخر روحانی نکلا تو اس پر مبنی نظریہ حیات' مادیت' اور مادیت کی آخری صورت کیمونزم بھی باطل ٹھہرا۔ اور عملاً بھی یہ باطل نظریہ حیات ساٹھ ستر برس کے اندر ناکام ثابت ہو چکا ہے"۔ (بحوالہ 6 نومبر 1992ء کالم نور بصیرت روزنامہ نوائے وقت لاہور)

اثبات وجود باری تعالیٰ

قرآن حکیم میں انسانوں کو مخاطب کرکے اللہ تعالیٰ کی ہستی کے بارے میں بارہا توجہ دلائی گئی ہے مثلاً۔

1۔ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ○ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○ (البقرۃ: 28۔29)

"یعنی تم لوگ خدا کو کیسے نہیں مانتے؟ (ذرا سوچو تو سہی کہ) پہلے تم میں جان نہ تھی پھر اس نے تمہیں زندگی بخشی' پھر وہ تمہیں موت دے گا۔ پھر وہ تمہیں زندہ کرے گا پھر تم اسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے (25) وہی خدا ہے جس نے وہ سارا کچھ تمہارے لیے ہی

Marfat.com

پیدا کیا جو کچھ کہ زمین میں ہے۔ پھر وہ آسمان کی طرف چڑھ گیا اور سات آسمان ہموار بنائے اور اسے سب کچھ (کرنا) آتا ہے"۔(29)

(2) هو الذی خلقکم من طین ثم قضی اجلا (انعام 2)

اسی خدا نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا۔ پھر (تمہاری زندگی کی) معیاد مقرر فرمادی۔"

(3) وهو الذی خلق السموت والارض بالحق (انعام 73)

اور خدا تعالیٰ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو عدل کے اصول پر پیدا فرمایا (اور اگر یہ کسی حادثے کے نتیجے میں پیدا ہوئے ہوتے جیسا کہ نیچری کہتے ہیں تو ان میں یہ حسن ترتیب اور حسن انتظام کبھی پیدا نہ ہوتا۔ (اس کی وضاحت درج ذیل آیت سے بھی ہوتی ہے)۔

(4) وهو الذی جعل لکم النجوم لتهتدوا بها فی ظلمت البر والبحر (انعام 97)

اور اسی خدا نے تمہاری خاطر ستارے بنائے تاکہ تم بری اور بحری سفروں کے دوران اندھیری راتوں میں ان کی مدد سے سیدھی راہ کا پتہ لگا سکو۔"

یعنی ستارے خود بخود وجود میں نہیں آگئے بلکہ ان کو وجود میں لانے والا اللہ تعالے ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ اور ستاروں کو تمہاری رہنمائی کا باعث بنایا کیونکہ ان میں ایک نظم و ضبط رکھا گیا ہے۔ جس سے تم وقت اور سمت کا پتہ لگا سکتے ہو۔ پھر انسانی تخلیق کا ذکر اس طرح فرمایا گیا۔

(5) وهو الذی انشاکم من نفس واحدة فمستقر و مستودع قد فصلنا الایت لقوم یفقهون ○ (انعام 98)

اور وہی (تو خدا) ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا پھر تمہارے قیام کرنے اور سونپے جانے کی جگہ مقرر فرمائی۔ اور ہم نے (ان) نشانیوں کو کھول کر بیان کر دیا ہے۔ تاکہ سمجھ رکھنے والے سمجھ سکیں۔"

(6) والارض وضعها للانام ○ فیها فاکهة والنخل ذات الاکمام ○ والحب ذوالعصف والریحان ○ فبای الاء ربکما تکذبن ○ (رحمن 10 ـ 13)

(اسی خدا نے) زمین کو خلقت کے لیے بچھایا۔ اس میں میوے اور کھجور کے درخت

Marfat.com

اگائے ہیں۔ جن کے خوشوں پر غلاف ہوتے ہیں اور اناج (اگایا) جس کے (دانوں کے) ساتھ بھس ہوتا ہے اور خوشبودار (پھل اور پھول بھی اگائے) پس اے جنو اور انسانو! تم دونوں گروہ اپنے پالنے والے کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے۔"

(7) خلق الانسان من صلصال کالفخار ○ و خلق الجان من مارج من نار ○ (الرحمن 14۔ 15)

اسی خدا نے انسان کو ٹھیکرے کی طرح کھنکھناتی مٹی سے پیدا کیا اور جنات کو آگ کے شعلے سے تخلیق کیا۔ (اور دونوں کی سرشت کے مطابق ان کے رہنے کا معقول بندوبست بھی کیا) پھر تم (اے جنو! اور انسانو!) دونو گروہ اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے۔"

پہلی عورت کی پیدائش اور نسل انسانی کی نشوو نما کے اصول کے بارے میں آج کے انسانوں کو بتلایا جا رہا ہے کہ:

(8) هو الذی خلقکم من نفس واحدة و جعل منها زوجها لیسکن الیها (اعراف 189)

اللہ تعالیٰ وہی تو ہے جس نے تمہیں ایک جان آدم سے پیدا کیا۔ اور اس سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ (وہ) اس سے سکون پائے۔ تو جب وہ (مرد اس کے پاس جاکر) اسے ڈھانپتا ہے تو اسے ہلکا سا حمل رہ جاتا ہے اور وہ حمل کے ساتھ چلتی پھرتی رہتی ہے پھر جب (بچے کا وزن پیٹ میں بڑھتا ہے اور) وہ اسے وزنی محسوس کرتی ہے تو دونوں میاں بیوی اللہ تعالیٰ سے التجا کرتے ہیں کہ اگر تو ہمیں صحیح سالم بچہ دے گا تو ہم ضرور تیرے شکر گزار ہوں گے۔" (اعراف - 189)

(اور اگلی آیت میں ناشکروں اور مشرکوں کی مذمت کا بیان ہے)

(9) وهو الذی جعلکم خلئف الأرض ورفع بعضکم فوق بعض درجت لیبلوکم فی ما اتکم ان ربك سریع العقاب و انه لغفور رحیم ○ (انعام 165)

اور وہی تو اللہ تعالے ہے۔ جس نے تمہیں زمین میں نائب بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض پر درجات میں فضیلت دی (تاکہ دنیا کا کاروبار چلتا رہے اور) تاکہ تمہاری آزمائش کی جائے کہ تمہیں جو کچھ عطا ہوا ہے اس میں رہتے ہوئے تم اللہ تعالے کا حق کہاں تک ادا

Marfat.com

کرتے ہو یا نہیں کرتے ہو۔ بے شک (اے نبیؐ! کافروں کی زیادتیوں کی وجہ سے اپنا دل ملول نہ کر کیونکہ) تیرا رب بڑی جلدی (ان کافرون کو) سزا دینے والا ہے۔ اور بے شک وہ (تیرے اوپر ایمان لانے والوں کے لیے) واقعی بڑی بخشش والا ہے۔ مہربان۔"

(10) الله الذی رفع السموت بغیر عمد ترونها .... لقوم یعقلون O (رعد آیت 2 تا 4)

اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے آسمانوں کو ستونوں کے بغیر اونچا کھڑا کیا۔ وہ تمہیں نظر آتے ہیں۔ پھر وہ عرش پر جا ٹھہرا۔ اور سورج اور چاند کو (تمہاری خاطر) کام پر لگا دیا۔ سب کے سب ایک معین مدت تک اپنی اپنی گردش میں ہیں۔ وہی (خدا) معاملات کی تدبیر فرماتا ہے اور اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم اپنے پروردگار کے روبرو پیش ہونے کا یقین کر لو۔ اور اسی نے زمین کو پھیلا دیا اور اس میں پہاڑ اور دریا پیدا کیے۔ اور ہر طرح کے میووں کی دو دو قسمیں بنائیں۔ وہی رات کو دن کا لباس پہناتا ہے۔ بے شک اس میں سوچنے (اور غور فکر کرنے) والے لوگوں کے لیے نشانیاں موجود ہیں۔ اور اس زمین میں کئی طرح کے قطعات ہیں۔ ایک دوسرے سے ملے ہوئے اور باغ ہیں۔ انگور کے اور کھیتیاں ہیں۔ اور کھجور کے درخت بہت سی شاخوں والے اور ایک ہی شاخ والے۔ اور ان سب کو ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے۔ اور ہم بعض میووں کو بعض پر لذت میں فضیلت دیتے ہیں۔ اور اس مین عقلمند لوگوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔" (رعد 4،3،2)

چنانچہ اگر قرآن حکیم کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اس میں اثبات الہ العالمین کے بارے میں بے شمار دلائل ملتے ہیں۔

توحید باری تعالیٰ

اسلام کا پہلا بنیادی عقیدہ توحید ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ:

اللہ ایک ہے۔ پاک اور بے عیب ہے وہی سب کا خالق، مالک اور رازق ہے۔ زندگی اور موت اسی کے اختیار میں ہے۔ وہی سب کی مرادیں پوری کرتا ہے۔ وہی عبادت کا سزاوار ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔

سورہ اخلاص میں توحید خداوندی کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے۔

"(اے نبیؐ) فرما دے کہ وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ

Marfat.com

کسی نے اس کو جنا۔ اور (ساری کائنات میں) کوئی بھی اس کا ہمسر نہیں۔"

اللہ کے بارے میں عقائد

اللہ تعالیٰ قدیم و ازلی ہے اور بذات مقدس خود موجود ہے۔ وہ اپنی ذات' صفات اور افعال میں مفرد و یگانہ ہے۔ اور کوئی بھی فی الحقیقت اس کے ساتھ کسی بھی امر اور صفت میں شریک نہیں۔ خواہ وہ صفت صفت وجود ہو یا غیر وجود' مناسبت لفظی و مشارکت' اسی بحث سے خارج ہے۔ اللہ تعالیٰ کے افعال اور صفات اس کی ذات کی طرح بے مثل' بے مثال اور بے کیف و کم ہیں۔

اللہ تعالیٰ کسی چیز کے ساتھ متحد نہیں ہوتا۔ نہ کوئی چیز اس کے ساتھ متحد ہو سکتی ہے وہ کسی چیز میں حلول نہیں کرتا اور نہ کوئی چیز اللہ تعالے میں حلول کر سکتی ہے۔ وہ تمام اشیاء اور موجودات کو محیط اور ان کے ساتھ قرب و معیت رکھتا ہے اور اس کا محیط ہونا یا قرب و معیت رکھنا انسانی فہم سے بالا ہے۔

اللہ تعالے کے افعال و صفات اور اس کی ذات کی طرف تغیر کو راہ نہیں۔ وہ کسی کا محتاج نہیں وہ نقصان کی تمام صفات اور حدث کے نشانوں سے پاک اور منزہ اور مبرہ ہے۔ قادر و مختار ہے۔ تمام ممکنات یعنی جواہر و اعراض' اجسام و عقول و نفوس اور افلاک و عناصر سب کے سب اس قادر مطلق کی طرف منسوب ہیں جو ان کو عدم سے وجود میں لایا۔

اللہ کی ذات انسان کی نگاہوں سے پوشیدہ ہے۔ جس کی عظمتوں میں سامنے انسانی عقل و ادراک حیرت زدہ ہیں۔ اس کا اقتدار تمام کائنات پر چھایا ہوا ہے عالم امر اور عالم خلق میں اسی کا قانون کار فرما ہے۔ یہ قانون اس کی مشیت ہے اور یہ اس کی قدرت سے نافذ العمل ہے۔ جہاں تک ذات باری تعالیٰ کا تعلق ہے۔ ہم اس کی ماہیت اور کیفیت کے متعلق کچھ نہیں جان سکتے کیونکہ مخلوق محدود (FINITE) ہونے کی وجہ سے لا محدود (INFINITE) کا ادراک نہیں کر سکتی۔

اسماء الحسنیٰ

البتہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنے صفاتی ناموں کا ذکر کیا ہے اور وہ ذکر اس طرح کیا ہے کہ ہم اپنی ذہنی حدود کے اندر رہتے ہوئے اس کی عظمتوں کا اندازہ یا تصور کر سکتے ہیں۔

Marfat.com

قرآن حکیم

تمام قرآن اللہ تعالیٰ کی صفات' اس کے قوانین' احکام' حکمت بالغہ اور ہدایات کا مجموعہ ہے۔ اس کی ساری تعلیم کا نقطہ ماسکہ اللہ تعالےٰ کی توحید و وحدانیت ہے۔ یعنی اس حقیقت کا اعلان و ایمان کہ کائنات میں اقتدار و اختیار صرف اسی کا ہے۔ اس کے سوا کسی کا نہیں۔

معبود بر حق

اللہ تعالیٰ ہی معبود بر حق ہے۔ اس کی اطاعت نہایت ضروری ہے۔ اس کی اطاعت کا طریقہ اس نے قرآن حکیم کی صورت میں اپنے آخری نبیؐ حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمایا۔ قرآن ہی دنیا میں ہماری ٹھیک ٹھیک رہنمائی کرتا ہے۔ اس کی حقانیت شک و شبہ سے بالاتر ہے۔

توحید کا عقیدہ قرآن حکیم میں مختلف انداز میں بیان کیا گیا ہے تاکہ انسان اس کی تفہیم کر سکے۔

(1) والھکم الہ واحد لا الہ الا ھو الرحمن الرحیم O (بقرہ 163)
(لوگو) تمہارا خدا وہی ایک خدا ہے۔ اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں وہ رحمن اور رحیم ہیں"

(2) انما اللہ الہ واحد سبحنہ ان یکون لہ ولد۔ (نساء 171)
اللہ تعالیٰ تو بس اکیلا ہی معبود بر حق ہے یہ بات اس کی شان کے شایاں ہی نہیں کہ اس کا کوئی بیٹا بیٹی ہو۔"

(3) قل انما ھو الہ واحد۔ (انعام 19)
اے نبیؐ فرمادے کہ خدا تو بس وہ ایک ہی ہے۔"

(4) فالھکم الہ واحد فلہ اسلموا۔ (حج۔ 34)
پس (اے لوگو) تمہارا خدا تو بس وہی ایک خدا ہے۔ تو بس تم اسی کے تابع فرمان رہو۔"

(5) ان الٰھکم لواحد۔ (صافات: 4)
(اے لوگو) بے شک تم سب کا خدا تو بہرحال ایک ہی ہے۔"

(6) و ما من الہ الا اللہ الواحد القھار (ص 65)
کوئی خدا نہیں سوائے ایک ذات باری تعالیٰ کے جو سب پر دباؤ رکھتا ہے۔

Marfat.com

(7) الله لا اله الا هو الحی القیوم (بقرہ 255)
اللہ اس کے سوا کوئی خدا نہیں' وہ ہمیشہ سے زندہ ہے اور زندگی بخش اور ہمیشہ زندہ رہے گا' وہ ہمیشہ سے قائم ہے اور باعث قیام اور ہمیشہ قائم رہے گا۔
(8) رسول اللہ ﷺ کی وساطت سے کنایۃً ارشاد ہوتا ہے۔
ان انذروا انہ لا الہ الا انا فاتقون O
(اللہ تعالےٰ ہی اپنا حکم دے کر فرشتوں کو' اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے نازل کرتا ہے) کہ (لوگوں کو بتا دو کہ) میرے سوا کوئی معبود نہیں پس مجھی سے ڈرتے ہوئے زندگی نبھاتے رہو۔"
(9) نوح علیہ السلام نے بھی توحید کا اعلان کیا تھا۔
فقال یقوم اعبدوا اللہ مالکم من الہ غیرہ (7۔59' 23۔23)
تو اس نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔"
(10) یہی الفاظ حضرت ھود علیہ السلام نے اپنی قوم عاد کو ڈراتے اور نصیحت کرتے ہوئے کہے تھے
(11) یہی الفاظ حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم ثمود کو مخاطت کر کے ارشاد فرمائے۔
(12) انہی الفاظ میں حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم مدین تک پیغام توحید پہنچایا
(13) حضرت نوح علیہ السلام کے بعد مختلف بستیوں میں بھی انبیاء بھیجے گئے ان کی بھی یہی تعلیم تھی کہ (لوگو!) اللہ کی عبادت کرو (کیونکہ) اس کے سوا کوئی (اور سچا) معبود ہرگز نہیں۔
(14) بنی اسرائیل کے جد امجد حضرت یعقوب علیہ السلام نے مرتے وقت اپنے بیٹوں کو بلا کر پوچھا تھا۔ کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کیا کرو گے تو انہوں نے عرض کیا تھا۔
نعبد الھک والہ ابائک ابرھیم و اسمعیل و اسحق الھا واحدا و نحن لہ مسلمون O (2۔133)
یعنی ہم آپ کے معبود (برحق) کی (عبادت کریں گے) اور آپ کے آباء ابراہیم اسمٰعیل اور اسحاق کے خدائے واحد کی عبادت کریں گے۔ اور ہم اسی کے فرمانبردار رہیں گے۔
قرآن حکیم میں توحید باری تعالےٰ کا موضوع بڑی وضاحت کے ساتھ جا بجا بیان کیا گیا ہے۔
سورۃ نمل (آیت 60 تا 64) میں وضاحت سے بتایا گیا ہے کہ اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود

Marfat.com

ہر گز نہیں سورہ نساء میں نصاریٰ کو خطاب کیا اور فرمایا:

ولا تقولوا ثلثة انتهوا خيرا لكم انما الله اله واحد سبحنه ان يكون له ولدله مافی السموت ومافی الارض و كفى بالله وكيلا ○

اور (اے اہل کتاب!) یہ بات نہ کہو کہ خدا تین ہیں۔ اس بات سے باز آ جاؤ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔ بس اللہ تعالیٰ ہی ایک معبود ہے۔ وہ اس سے پاک ہے۔ کہ اس کا کوئی بیٹا (یا بیٹی) ہو۔(اسے بھلا بیٹے یا بیٹی کی کیا ضرورت ہے کیونکہ) آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے۔ سب اسی کا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کفائت کرنے والا کارساز ہے۔"

تثلیث کے قائلین کو توحید کا سبق سورہ مائدہ (آیت 73) میں بھی یاد دلایا ہے ۔یقیناً وہ لوگ بھی کافر ہوئے جنہوں نے کہا۔ خدا تین میں کا ایک ہے (باپ بیٹا اور روح القدس) حالانکہ خدائے واحد کے سوا کوئی اور خدا ہے ہی نہیں ۔ اور اگر ایسا کہنے والے اپنے اس قول سے باز نہ آئے تو ان میں سے کافروں کو دردناک عذاب پیش آئے گا۔

توحید کو قرآن میں بڑی شد مد کے ساتھ بیان کیا گیا ہے حتی کہ اللہ تعالے خود اپنے علاوہ کسی اور خدا کے قائلین کو سخت تنبیہہ فرماتا ہے۔

و قال الله لا تتخذوا الهين اثنين انما هو اله واحد فایای فارهبون (16۔ 51)

اور اللہ تعالے نے فرمایا اپنے لیے دوہرے دوہرے معبود نہ بناؤ۔ (حقیقی) معبود تو بس وہ ایک ہی ہے۔ (یعنی اللہ) پس مجھی سے ڈرتے رہو۔"

توحید ذات و صفات

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالے کی ذات ہر قسم کی دوئی اور مشارکت سے پاک ہے۔

سبحانه و تعالى عما يشركون۔

یعنی وہ پاک اور بلند ہے ان کے مشرکانہ تصورات سے جو کہ مشرک حضرات رکھتے ہیں۔

اور دوسری جگہ قرآن میں اس طرح کا بیان آیا ہے۔

سبحان ربك رب العزت عما يصفون

"تیرا رب پاک ہے' عزت کا مالک' ان صفات سے جو وہ (کافر) اس کے بارے میں بیان کرتے ہیں۔

Marfat.com

اس بارے میں مزید تفصیلی ارشادات "معبود برحق" کی ذیل میں آچکے ہیں اللہ تعالے کے بہت سے صفاتی نام ہیں۔ مثلاً رب' رحمٰن' رحیم' نور' ستار' قہار' رزاق' غفار وغیرہ اور ان سب صفات میں بھی اس کی ذات وحدہ لاشریک ہے۔

توحید ربوبیت

اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے۔ عالم کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ ذات خدا کے علاوہ جو کچھ بھی ہے وہ عالم ہے۔ دوسرے لفظوں میں ساری کائنات اور اس کے اندر موجودات وغیرہ عالم ہیں۔ سورج چاند ستارے زمین آسمان فرشتے وغیرہ سب عالم کا حصہ ہیں۔ اور بعض مفکرین اسلام ان کی تعداد اٹھارہ ہزار بتلاتے ہیں۔

کیئے پیدا عالم اٹھارہ ہزار

"تو اللہ تعالے نے اپنی ربوبیت کو سارے عالموں پر نافذ کر رکھا ہے۔ مثلاً سورج کو ہمہ وقت روشن اور متحرک رکھنے کے لیے جس ایندھن کی ضرورت ہے وہ بھی اللہ تعالے اپنی صفت ربوبیت کے ذریعے مہیا فرماتا ہے۔ زمین کو ہر قسم کی روئیدگی کو بروئے کار لانے کے لیے جن عوامل وغیرہ کی ضرورت ہے وہ بھی اللہ تعالے اپنی ربوبیت سے ان کو مہیا کرتا ہے۔ مادی اشیاء کو جن الیکٹرانوں کی ضرورت ہے۔ وہ بھی اس کی شان ربوبیت سے ان کو مہیا کئے جاتے ہیں۔ غرضیکہ ہر ہر شے کا خالق بھی وہ اکیلا ہی ہے۔ تخلیقی مواد کا خالق بھی وہی ہے۔ سب کی نشوونما کا سامان بھی وہی مہیا کرنے والا ہے اور جب کسی چیز کا خاتمہ ہوتا ہے تو وہ بھی اسی کی ربوبیت کے اثر کا نتیجہ ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ اس نے دنیا کی ہر چیز کا شماریاتی حساب کرکے اسے ضابطہ تحریر میں لا رکھا ہے۔

و کل شیء احصینه کتبا ○ (سورۃ نباء رکوع نمبر 1)

چنانچہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا نظام ساری کائنات میں ہر ہر آن کار فرما ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں انسانوں کو مخاطب کرکے پوچھا گیا کہ وہ کھیتی جو تم کاشت کرتے ہو اسے۔

ءانتم تزرعونه ام نحن الزارعون ○ (56۔64)

اسے کیا تم اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں۔؟ تو گویا انسان کا کام تخم ریزی کرنا ہے۔

اور اس بیج کو اگانا اس کی نشوونما کرنا اور فصل پکانا سب اللہ تعالیٰ کی شان ربوبیت کا کمال ہے جس میں اس کا کوئی شریک و سہیم نہیں۔"

حتیٰ کہ اس نشوونما میں حصہ لینے والے سارے عوامل بھی اللہ تعالے کی شان ربوبیت کے

Marfat.com

مرہون منت ہیں۔ کیونکہ سورج کی گرمی' ہوا' موسم وغیرہ ہر چیز کی ربوبیت کا کام صرف ذات خداوندی نبھاتی ہے۔

توحید افعال

اللہ تعالے اپنے ارادہ' فعل' حکم اور حاکمیت میں بھی یکتا اور بے مثال ہے دنیا کی کوئی مخلوق تخلیقی معاملے میں اپنی مرضی کی مالک نہیں لیکن اللہ تعالے جو چاہے پیدا کرتا ہے یخلق ما یشاء جو چاہے کرے۔ یفعل ما یشاء جسے چاہے عذاب دے۔ یعذب من یشاء اور جسے چاہے بخش دے۔ یغفر لمن یشاء وھو علی کل شی قدیر یعنی وہ افعال کے لحاظ سے ایسا واحد و یکتا ہے۔ کہ اس کا کوئی ثانی نہیں۔ ولا یشرك فی حکمه احد اور اس کی حاکمیت میں اس کا کوئی شریک نہیں (آل عمران)
چنانچہ قرآن حکیم میں اللہ تعالے فرماتا ہے کہ اگر زمین و آسمان میں اللہ کے سوا بھی کوئی خدا ہوتا تو ان دونوں میں فساد برپا ہو جاتا (21 _ 22) اور ان کا نظام درہم برہم ہو کر رہ جاتا۔

اسی وحدت افعال کا ثمرہ ہے کہ ہر چیز میں اصول وحدت کار فرما ہے۔ سورج چاند ستارے رات دن ایک لگے بندھے اصول کے مطابق اپنا کردار نبھاتے جا رہے ہیں۔
لا الشمس ینبغی لها ان تدرك القمر ولا الیل سابق النهار (یاسین)
یعنی نہ سورج چاند کو پکڑ سکتا ہے اور نہ رات کے بعد دن کی بجائے پھر رات آ سکتی ہے۔"
و کل فی فلك یسبحون۔ (یاسین)
اور سب (اجرام) اپنے دائروں میں تیر رہے ہیں۔"
گویا ساری کائنات اللہ کے حکم سے کام پر لگی ہوئی ہے۔ ہر کام اپنے انداز پر خود بخود ہوتا جا رہا ہے۔ اس میں جو تغیرات رونما ہوتے ہیں وہ بھی اس کے حکم اور مشیت کا حصہ ہیں۔ پس زندگی' موت علت معلول' عمل رد عمل' ہر چیز میں اس کی شان وحدت جھلکتی نظر آتی ہے۔

تری شمیم وحدت ہے۔ ہر کلی میں پنہاں
ہر گل میں دیکھتا ہوں یا رب بہار تیری

انتظام کائنات اگر مختلف قوتوں کے سپرد ہوتا تو کب کا برباد ہو چکا ہوتا۔ لیکن چونکہ یہ نظام ایک ہی طاقت اعلیٰ کے زیر ارشاد اپنی جو لانیوں میں مصروف ہے اس لیے ہزار ہا

Marfat.com

صدیوں سے قائم چلا آ رہا ہے۔ اور جب اس کائنات کی تکمیل کا مقصد پورا ہو جائے گا تو وہی ذات اس نظام کی بساط کو لپیٹ کر رکھ دے گی جیسا کہ فرمایا:
اذا الشمس کورت ○ و اذا النجوم انکدرت ○ (پارہ عم)

تخلیق کائنات کا مقصد

غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ کائنات میں دو عوامل مسلسل کار فرما ہیں یعنی تخلیق اور فنا۔ یعنی تخلیق کا عمل بھی جاری ہے اور فنا کا عمل بھی۔ اور قرآن نے بتلایا ہے کہ کائنات میں جس برکت والے اللہ نے یہ نظام جاری کیا ہے اس نے خلق الموت والحیات لیبلوکم ایکم احسن عملا موت اور حیات کو صرف اس لیے پیدا کیا (کہ اے بنی نوع انسان!) تاکہ وہ تمہیں جانچے کہ تم میں اللہ کے بتائے ہوئے لائحہ عمل کے مطابق بہترین کردار کون ادا کرتا ہے؟ دوسرے لفظوں نے یہ کائنات انسانوں کے لیے ایک سکول اور امتحان گاہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

شرک اور اس کی اقسام

شرک کے لغوی معنی ہیں چمٹے رہنا خلط ملط ہو جانا' شارکت فلانا کا مطلب ہے میں فلاں شخص کا ساتھی ہو گیا۔
مشارکت کے معنی ہیں کسی کے ساتھ شریک کار ہونا۔ الشرك شکاری کے جال کو کہتے ہیں نیز وہ چھوٹے چھوٹے راستے جو بڑے راستے (ام الطریق) سے نکلیں اور آگے چل کر ختم ہو جائیں۔ قرآنی اصطلاح میں شرک کا مطلب ہے "غیر خدائی قوتوں کو خدا کی ہمسر سمجھنا انسانوں کے خود ساختہ قوانین کو قانون خداوندی کے برابر سمجھنا' خدا کے حق ملکیت میں دوسروں کا حق تسلیم کرنا یا خدا کے اختیارات میں کسی کو شریک کار ماننا وغیرہ۔
شرک سے اسم فاعل مشرک ہے جس کی جمع مشرکوں یا مشرکین ہے۔ فلان شریك فلان سے مراد ہے۔ فلاں شخص کسی دوسرے شخص کا شریک کار یا ساجھی ہے۔"
نیز اس کے یہ معنی بھی ہیں کہ کسی کی بہن یا بیٹی سے شادی کر کے اس کے خاندان کے ساتھ رشتہ داری پیدا کر لینے والا۔ اس کی جمع شرکاء آتی ہے اللہ کے ساتھ کسی کو کسی بھی حیثیت سے شریک ٹھہرانا بھی شرک کہلاتا ہے۔ جس کی مذمت قرآن حکیم میں جا بجا ملتی ہے حضرت لقمان کی زندگی میں ان کے بیٹے کو قرآن میں نصیحت کرتے ہوئے اس طرح

Marfat.com

دکھایا ہے۔

يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ○ (لقمان 13)

یعنی لقمان نے فرمایا۔ "اے میرے بیٹے! کسی کو خدا کا شریک مت ٹھہرا۔ بے شک شرک واقعی بڑا ظلم (اندھیرا) ہے۔"

شرک کی قسمیں

اصطلاحی معانی کی رو سے شرک کی دو قسمیں ہیں۔

(1) شرک عظیم یا شرک جلی یا کھلا شرک۔ یعنی اللہ کے مقابلے میں اللہ کی پوجا پاٹھ کرنا اور بانگ دہل کرنا' اسے سجدہ کرنا' اس کی عبادت کرنا' اسے اللہ کی بجائے کار ساز سمجھنا۔

(2) شرک صغیریا شرک خفی یا پوشیدہ شرک۔ جو نامعلوم طریقے سے انسان کے اندر داخل ہوتا ہے۔ شرک خفی یہ ہے کہ کسی کام میں اللہ تعالے کے ساتھ ساتھ ریاکاری کے طور پر کسی اور کی خوشنودی حاصل کرنا بھی مقصود ہو۔ مثلاً نماز پڑھی۔ لیکن اپنے کسی ایسے محسن یا مربی کی خوشنودی کی خاطر کہ وہ اسے نمازی سمجھ کر دنیاوی امور میں اس کی استعانت یا حمایت کرے یا جس طرح ایک متدین سربراہ مملکت کے امیروزیر نماز روزہ کی پابندی اس وقت تک اختیار کرلیں۔ جب تک اس کا واسطہ اس سربراہ سے رہے اور جب وہ تبدیل ہو جائے تو اپنی پرانی ڈگر پر واپس آجائیں اسی طرح اس کی اور بھی بہت سی شکلیں ہیں۔ مثلاً اپنے معاملات میں کسی ذریعہ یا وسیلہ کو اتنی اہمیت دے ڈالنا۔ جس سے خدا کے حقیقی فاعل ہونے کا یقین منقطع ہو جائے۔ وغیرہ وغیرہ - احادیث میں ریاکاری کو شرک سے ہی تعبیر کیا گیا ہے۔ پس ایک مسلمان کو ریاکاری سے بچنا چاہیے بلکہ مخلصین له الدین یعنی ضابطہ حیات اسلام میں دین کو خالص اللہ تعالے کے ساتھ ہی مختص کرکے آگے بڑھنا چاہیے۔

شرک کا ارتقاء

پہلے پہل تو شرک خفی ہی نمودار ہوا۔ آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو صرف اس لئے قتل کیا تاکہ وہ اس کی خوبصورت بیوی کو حاصل کر سکے۔ حالانکہ اس وقت کے رضائے الٰہی کے معلومہ ذریعے کی رو سے ہابیل کی بیوی قابیل کی بیوی نہیں بن سکتی تھی۔ تو چونکہ قابیل نے قانون خداوندی کو چھوڑ کر اپنی ہوا و ہوس کو قانون کا درجہ

Marfat.com

دے لیا تو گویا قابیل نے شرک کیا۔ اور اس کے بعد قابیل کی اولاد نے باغیانہ طرز زندگی اختیار کر کے کفر و ضلالت کی بنیاد رکھی جس کی تفصیل متعلقہ کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

شرک خفی بڑھتے بڑھتے شرک جلی کی صورت اختیار کر گیا۔ یعنی اللہ تعالے کی ربوبیت میں کسی کو پورا یا ادھورا خدا سمجھنا۔ مثلاً مجوسیت میں نیکی اور نور کے خالق کو خدا کہا گیا اور اس کا نام یزدان رکھا۔ جبکہ بدی اور شر کے خالق کو "اہرمن" کا نام دیا گیا۔ اسی طرح یونان کے فلسفی حضرات اور ہندوستان کے ہندو تمام کائنات پر پورا تصرف عقل اول' مادہ' عناصر اور کواکب وغیرہ کا تسلیم کرتے تھے اور ان کی پرستش ان کے مجسمے بنا کر کی جاتی تھی۔ اور ہر کام اور شعبہ کی کارکشائی کے لیے مختلف دیوی دیوتاؤں کے بت بنا کر ان کی پوجا کی جاتی تھی اور ان سے حاجتیں طلب کی جاتی تھیں۔ شرک جلی کی یہی قسم حضرت نوع علیہ السلام کے زمانے میں رائج تھی۔ چنانچہ قرآن حکیم ہمیں بتلاتا ہے۔

نوح علیہ السلام نے عرض کی یا اللہ! وہ میرا کہنا نہیں مانتے اور ان لوگوں کی سنتے ہیں جن کے مال اور اولاد نے ان کو (فائدے کی بجائے الٹا) نقصان (ہی) پہنچایا اور انہوں نے میرے ساتھ بڑے داؤ کھیلے اور (ایک دوسرے سے) کہنے لگے کہ "اپنے دیوتاؤں کو نہ چھوڑنا اور (خاص طور پر) نہ ود کو چھوڑنا' نہ سواع کو' نہ یغوث کو' نہ یعوق کو اور نہ نسر کو۔" اور اس طرح انہوں نے بہت سے لوگوں کو راہ راست سے بھٹکا دیا۔" (نوح 21 - 24)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں بادشاہ کی پوجا کی جاتی تھی اور بادشاہ اپنے آپ کو خدا کہلواتا تھا۔ اور لوگ اس کی تبلیغ سے متاثر ہو کر یا اپنی مرضی سے اس کے یا دیگر قسم کے بت بنا کر ان کی پوجا بھی کرتے تھے۔ سورۃ بقرہ میں اس کا ذکر اس طرح آیا ہے۔

> اے نبیؐ! کیا آپؐ نے اس شخص کی طرف دھیان کیا جو ابراہیمؑ سے اس کے (اپنے) رب کے بارے میں اس بنا پر مباحثہ کرنے لگا تھا کہ اللہ تعالے نے اسے بادشاہت سے نوازا تھا۔ چنانچہ جب ابراہیم نے کہا کہ میرا رب تو وہ ہے جو زندگی بخشتا ہے اور موت طاری کرتا ہے۔ (تو بادشاہ) بولا۔ "میں بھی زندگی بخشتا اور مار ڈالتا ہوں" تو ابراہیم علیہ السلام نے (اس کی نادانی پر مبنی اس دلیل سے

Marfat.com

صرف نظر کرتے ہوئے۔) ایک قدم اور آگے بڑھ کر) کہا کہ اللہ تعالیٰ حقیقت میں وہ ہے جو سورج کو مشرق سے طلوع کرتا ہے۔ (اور اگر تو بھی خدائی کا دعویدار ہے) تو تو سورج کو مغرب سے طلوع کرکے دکھا۔ تو (یہ استدلال سن کر) وہ کافر (بادشاہ نمرود) ہکا بکا رہ گیا۔ (اور اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا اور نہ اسے یہ بات سوجھی کہ وہ ابراہیم پر ایمان لے آتا کیونکہ وہ ظالم یعنی دل کا اندھا تھا) اور اللہ تعالے (کا یہ طریقہ ہے کہ وہ) ظالم لوگوں کو سیدھی راہ نہیں بجھاتا (بقرہ - 258)

لیکن اس کی قوم کھلم کھلا بتوں کی پوجا کرتی تھی - (شعرا 72 تا 80) تو گویا ابراہیم علیہ السلام کی قوم شخصیت پرستی اور بت پرستی میں مبتلا تھی۔ یہی حال موسے علیہ السلام کی قوم کا تھا کہ وہ فرعون کو خدا مانتے تھے۔ اور یہ سب کچھ اس نے جبر سے منوایا تھا یا اپنی تبلیغی سعی سے یا دونوں طریقوں سے۔ بہر حال قرآن حکیم میں موسے علیہ السلام کا ذکر دیگر انبیاء کی نسبت زیادہ تفصیل سے آیا ہے فرعون کی خدائی اور اس کے طریقہ تبلیغ کی ہلکی سی جھلک سورۃ "نازعات" میں اس طرح ملتی ہے۔

اے نبیؐ! بھلا تجھے موسیٰ کی (وہ) حکایت پہنچی۔ جب اسے اس کے رب نے طوی کی مقدس وادی میں باآواز بلند فرمایا۔ تو فرعون کے پاس جا۔ بے شک وہ سرکش ہو رہا ہے۔ پس تو اس سے پوچھ بھلا تو پاک ہونا چاہتا ہے؟ اور اگر (چاہتا ہے تو) میں تجھے تیرے پروردگار تک پہنچنے کا راستہ بتلاتا ہوں تاکہ تجھے اس کا خوف رہے"۔ پھر اس (موسے) نے اسے (فرعون کو) ایک بڑا معجزہ دکھایا۔ پس اس (فرعون) نے (موسیٰ کی باتوں کو) جھوٹ جانا اور نافرمانی (کی راہ

Marfat.com

اختیار) کی۔ پھر وہ (وہاں سے) لوٹ گیا اور بھاگ دوڑ کرنے لگا۔ جس
کے نتیجہ میں اس نے لوگوں کو جمع کیا تو پھر وہ اس سے مخاطب ہوا۔
تو اس نے (تقریر میں) کہا کہ میں ہوں تمہارا سب سے بڑا پالنے والا۔
تو (تقریر کے نتیجے میں) اللہ تعالی نے اسے دنیا اور آخرت کے عذاب
میں پکڑ لیا۔ بے شک اس (حکایت) میں لازما اس شخص کے لیے ایک
اچھا سبق پوشیدہ ہے جو اللہ سے ڈرے۔ (آیت 15 تا 26)

تو گویا فرعون کی قوم بادشاہ پرستی کا شکار تھی۔ وہ لوگوں کو اکٹھا کر کے جلسے بھی کرتا تھا اور پھر ان جلسوں میں تقریریں بھی کرتا تھا اور جو قوم اس کی بجائے اللہ تعالے کو اپنا خدا مانتی تھی اس پر ظلم بھی ڈھاتا تھا۔ یہ قوم بنی اسرائیل تھی۔ جس کے لڑکوں کو وہ قتل کروا دیتا تھا۔ وہ مشرک نہ تھی۔ لیکن مجبوراً اس کے ساتھ نبھا کر رہی تھی۔

مشرکین مکہ اور مشرکین عرب بھی شرک جلی میں مبتلا تھے۔ کعبہ معظمہ میں رکھے ہوئے سینکڑوں بتوں کی پوجا کرنا ان کا شیوہ تھا۔ اگرچہ وہ اللہ تعالی کی ہستی کے منکر نہ تھے۔ وہ یہ نہیں کہتے تھے کہ بت مینہ برساتے ہیں۔ یا لوگوں کو رزق دیتے ہیں۔ بلکہ وہ بتوں کو اپنا کارساز سمجھتے تھے۔ ان سے فال لیتے تھے اور اللہ کی بارگاہ میں ان کو ذریعہ شفاعت سمجھتے تھے اور قرآن حکیم کے ارشاد کے مطابق۔

ومن الناس من یتخذ من دون اللہ اندادا یحبونھم کحب اللہ (2. 165)

"یعنی بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے مقابلے میں اوروں کو
اس کا شریک بناتے ہیں اور ان سے ایسی محبت روا رکھتے ہیں جیسی
محبت کا صرف اللہ تعالی ہی مستحق ہے"۔

وہ لوگ ان بتوں کی شدید محبت میں مبتلا تھے۔ چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سیدھی راہ بتلانے کی کوشش کی تو انہوں نے کہا کہ آپ ہمارے بتوں کو برا نہ کہیں۔ اس کے علاوہ ہم آپ کی ہر بات ماننے کو تیار ہیں۔ یعنی آپ حکومت کے طالب ہیں تو ہم آپ کو حکمران بنانے کے لیے تیار ہیں۔ کسی خوبصورت ترین عورت سے شادی کے خواہشمند ہیں تو وہ بھی ہمیں منظور ہے۔ لیکن ہمارے بتوں کا احترام آپ ضرور

Marfat.com

کریں۔ لیکن آپ ﷺ نے صاف انکار کر دیا۔

شرک کتنا بڑا گناہ ہے۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ شرک ہی ایک ایسا گناہ ہے جس کی بخشش نہیں ہو گی۔ باقی سب گناہ اللہ کی غفاریت کی وسعتوں میں سما سکتے ہیں۔ لیکن شرک کی وہاں کوئی گنجائش نہیں یعنی "ان اللہ لا یغفر ان یشرك به ویغفر مادون ذلك لمن یشاء

یعنی بے شک اللہ نہیں بخشے گا یہ گناہ کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے اور اس کے علاوہ وہ بخشے گا جس کو وہ چاہے"۔

اسی طرح اللہ تعالے کا ارشاد ہے۔

واعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیا۔ (نساء - 36)

"یعنی اللہ تعالے کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک مت ٹھہراؤ"۔

شرک کی بنیاد توہمات پر ہوتی ہے۔ سائنس یوں تو توہمات کا قلع قمع کرنے میں پیش پیش ہے مگر اس کے ساتھ ہی آج سائنسی رویہ خود کو اتنا کامل اور مکمل تسلیم کرواتا ہے۔ جو ایک انسان کے بس میں نہیں۔ لہٰذا یہ خود پرستی بھی ایک قسم کا شرک ہے۔ کیونکہ انسان بہرحال ایک کمزور اور اکثر معاملات میں مجبور مخلوق ہے۔ اور کافی المہمات صرف اللہ تعالی کی ذات ہے۔

شرک خفی اور جلی کی بہت سی شاخیں قرار دی جا سکتی ہیں مثلاً۔

(1) مشرکین کا شرک = ملائک پرستی' جناتی پرستی' مظاہر پرستی' شخصیت پرستی اور خود پرستی۔

(2) عیسائیوں کا شرک = عقیدہ تثلیث اور احبار پرستی' خود پرستی اور اپنی تقدیس کا دعویٰ

(3) یہودیوں کا شرک = عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا تسلیم کرنا وغیرہ

(4) منافقین کا شرک ـ اللہ کے علاوہ تحاکم الی الطاغوت یعنی شیطانوں کو اپنا کارساز سمجھ کر ان سے راہ و رسم رکھنا

(5) جاہلین کا شرک ـ خدا کے ساتھ دوسروں کو بھی اس کا شریک کار سمجھنا۔ وغیرہ

عبادت کے معنی ہیں۔ پوجا کرنا۔ حکم ماننا' جھکنا' خدا کی عبادت کرنے کا مطلب ہے۔ خدا کی حکومت اور احدیت کو دل و جان سے ماننا۔ مثلاً سورۃ کہف میں ہے۔ و یشرك بعبادة

Marfat.com

ربه احد یعنی اللہ کی عبادت میں کسی کو شریک مت ٹھہرا۔ ولا یشرك فی حکمه احدا یعنی اللہ تعالے کسی کو اپنی حکومت میں شامل نہیں رکھتا۔ حقیقی حکومت و عبادت کا سزاوار صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ ان الحکم الا للہ یعنی حکومت تو صرف اللہ کی ہو سکتی ہے۔

بہر حال شرک توحید کی ضد ہے۔ توحید خدا پرستی اور شرک غیر خدا کی پرستش کو کہتے ہیں چاہے وہ چیز نظر آئے یا نہ آئے۔

بعض لوگ خدا اور ناخدا کو ایک ہی سطح پر رکھ کر بات کرتے ہیں۔ افراط و تفریط کے یہ قائلین ایک طرف ناخدا کی منت پذیری اور اس کی وساطت کو شرک قرار دے دیتے ہیں اور دوسری طرف والے ناخدا کو خدا کا درجہ دے بیٹھتے ہیں۔ حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ اگر کر دیتے تھے تو وہ خدا کی عطا سے ایسا کرتے تھے۔ یہ ان کا ذاتی کمال نہ تھا۔ لہٰذا عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں مردے لانے والے' انہیں خدا نہیں سمجھتے تھے۔ اس لیے وہ مشرک نہیں تھے۔ لیکن اگر کوئی انہیں خدا کا بیٹا سمجھتے ہوئے ایک بندہ خدا کی بجائے خدائی میں حصہ دار مانے (کہ بیٹا بہر حال باپ کی وراثت میں حصہ دار ہوتا ہے) تو یہ کھلا شرک ہو گا۔ مختصر یہ کہ مخلوق خدا' خدا کے برابر نہیں ہو سکتی اور خدا مخلوق کے برابر نہیں آ سکتا۔ لیکن یہ کہ مخلوق خدا کے امر سے وجود میں آتی ہے۔ لہٰذا خدا اور مخلوق کے درمیان جو تعلق ہے اسے نظر انداز بھی نہیں کیا جا سکتا۔ کہ ہمارا انجام وانا الیہ راجعون کے ساتھ وابستہ ہے۔

توحید پرستی کے انسانی زندگی پر اثرات

یقین کامل

توحید پرستی ایک مسلمان کو سب سے پہلا اور سب سے بڑا تحفہ جو دیتی ہے وہ یقین کامل ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو توحید پرستی کی پاداش میں آتش کدہ میں پھینکا جانا تھا۔ تو آپ نے ذرہ بھر ہچکچاہٹ یا اضطراب کا اظہار نہ کیا۔ بلکہ روایات کے مطابق جب فرشتوں نے اپنی مدد کی پیش کش کی تو بھی آپ نے قبول نہ کی کیونکہ پیغمبر وقت صرف اللہ تعالیٰ کا نائب ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ پر یقین کامل کی دولت نے آتش کدے کو گلزار بنا دیا۔ اور انسانی زندگی پر اس کے اثرات آج بھی مسلمہ ہیں۔ لہٰذا ایک موحد اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ رکھ

Marfat.com

کر معجزانہ نتائج سے سرفراز ہو سکتا ہے۔

آفاقیت اور وسیع النظری

اللہ تعالے پر کامل ایمان اور صرف اسے ہی اپنا ملجاء اور ماوی ماننے والے کو دوسری نعمت جو ملتی ہے۔ وہ وسیع النظری اور آفاقیت ہے۔ وہ نفسانی تنگنائے سے نکل کر اللہ کی لا محدودیت میں نظر دوڑاتا ہے۔ تو اس کی شان بیکراں اسے وسعت نظر عطا کرتی ہے اور اس طرح اس کے اپنے وجود میں ایک بیکرانی جنم لیتی ہے۔ جس کا تعلق قدرت کی لا محدودیت کے ساتھ جڑ جاتا ہے اور پھر بقول اقبال"

سما سکا نہ دو عالم میں مرد آفاقی

ایک مرد مسلمان کی بیکرانی اور وسیع النظری لا محدودیت سے ہم آہنگ ہو کر صفات الہیہ کو اپنے اندر جذب کر لیتی ہے۔ پھر وہ نہ تو تعصب کا شکار ہوتا ہے۔ نہ محدودیت کا۔ بلکہ اس کا خدا نہ صرف اس کا خدا ہے۔ بلکہ وہ پوری کائنات کا خالق' مالک اور رازق ہے۔ اسی طرح اس کا نظام بھی پوری کائنات میں جاری ساری ہے۔ پس اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ انسانوں کی دنیا میں بھی اسی کا نظام حیات نافذ ہو کر رہے تاکہ ہر انسان دنیا اور عاقبت میں نجات پا سکے۔

خودی اور انا کی تعمیر

توحید پرستی ایک مسلمان کو خودداری اور انا کی دولت سے بھی مالا مال کرتی ہے اسے غیرت مند بناتی ہے اسے کفر کے مقابلے میں حق پرستی کا بول بالا کرنے کے لیے ابھارتی ہے۔ اس طرح وہ نہ خود کسی کا محتاج ہونا پسند کرتا ہے۔ اور نہ وہ یہ چاہتا ہے کہ دوسرے انسان ذلت اور غلامی کی راہ اختیار کریں۔ وہ ہر معاملے میں اللہ تعالے کو اپنا محافظ و مربی۔ سمجھتے ہوئے عملی زندگی میں آگے ہی آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اسے صرف اللہ کا خوف ہوتا ہے۔ اور وہ اسی کے لائحہ عمل کو اپنا کر آگے بڑھنا سعادت سمجھتا ہے۔ اللہ کے مقابلے میں اسے دوسرے والوں کا نہ خوف ہوتا ہے اور نہ ان کی پرواہ ہوتی ہے۔ وہ نہ آفات کو اپنے راستے کی رکاوٹ مانتا ہے۔ اور نہ دشمن کی ریشہ دوانیوں سے بے نیازی برتتا ہے بلکہ وہ ہر وقت چوکنا رہ کر زندگی نبھاتا ہے۔ اسے پتہ ہے کہ کفر اسے مٹانے کی سعی پیہم سے صرف نظر نہیں کر سکتا۔ لہذا وہ اپنی بقا اور نفاذ اسلام کی کوششوں سے غفلت نہیں برتتا۔ کیونکہ یہ

Marfat.com

فریضہ اسے اللہ اور اس کے رسول ؐ نے سونپا ہے۔ یہی خود داری اور خود اعتمادی اسے ناکامی سے بچا کر کامیابی کی راہ پر ڈالتی ہے۔

رسالت

مذاہب عالم میں رسالت کا تصور

قرآن حکیم ہمیں بتاتا ہے کہ ہر قوم میں ہادی اور نبی اور رسول بھیجے گئے تھے لیکن چونکہ لکھنے پڑھنے کا رواج کم تھا۔ اس لئے ان کی تعلیمات سینہ بسینہ چلتی تھیں۔ اور بعد ازاں وقت کی دبیز تہوں کے نیچے دب جاتی تھیں۔ نیز وہ تعلیمات بھی ان لوگوں کے مخصوص وقتی تقاضوں سے ہم آہنگ ہوتی تھیں اور اُن میں آفاقیت کا عنصر کم کم ہوتا تھا اس لئے وقت اور اس کے تقاضے بدلنے کے ساتھ ہی اس مخصوص حکم یا تعلیم کی افادیت قصہ پارینہ بن کے رہ جاتی تھی۔ اور بعد ازاں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ تعلیم از خود ناپید ہو جاتی۔

چنانچہ جب بھی آسمانی تعلیم مٹ جاتی یا کار آمد نہ رہتی تو اللہ تعالیٰ نئے انبیاء بھیجتا تاکہ وہ نئے سرے سے لوگوں کی رہنمائی کریں۔ اس طرح دنیا میں مختلف مذاہب پائے جاتے ہیں جن کا ذکر آغاز میں بہ تفصیل کیا جا چکا ہے یہاں صرف رسالت کے تصور کے حوالے سے ان کا ذکر ہو گا۔

یہودیت

اس مذہب کی رو سے پیغمبروں پر ایمان رکھنا لازمی ہے۔ یہودیوں کے نزدیک حضرت موسیٰ علیہ السلام سب سے بڑے پیغمبر تھے۔ نیز ان لوگوں نے اپنی غلط کاریوں کا جواز مہیا کرنے کی خاطر انبیاء علیہم السلام کی طرف واہیات قسم کے واقعات منسوب کر دیئے تھے۔ ان کے نزدیک ایک نبی گناہ کا مرتکب ہو سکتا تھا۔ یعنی وہ اسے معصوم عن الخطا نہیں سمجھتے تھے۔ نیز وہ ہر اس شخص کو نبی کہتے تھے جو پیش گوئی کرنے والا ہو پھر ان لوگوں نے اپنی کتاب میں تحریف کر کے اپنے نبیوں کی طرف ایسے واقعات منسوب کر دیئے جن کی بنا پر ایک نبی کے تقدس کو سخت ٹھیس پہنچتی ہے۔ اکثر بنی اسرائیل حضرت موسیٰ ؑ کو ایک قومی رہنما کے طور پر مانتے تھے اور آپ کی اطاعت کو ضروری

Marfat.com

سمجھتے تھے۔ چنانچہ سورۃ بقرہ میں ہے کہ جب ایک شخص کو اس کے اپنے عزیز نے قتل کر کے دوسروں پر اس کا قتل ڈالا تو حکم خداوندی ہوا کہ ایک گائے ذبح کرو اور اس کے گوشت کا ٹکڑا مقتول کو مارو جس سے وہ زندہ ہو کر خود بتلائے گا کہ اسے کس نے قتل کیا ہے یہ حکم حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل تک پہنچایا تو وہ لوگ گائے کے بارے میں آپ کے ساتھ اتنے سوال و جواب کرنے پر آگئے کہ ان کو یہ بھی خیال نہ رہا کہ وہ اللہ کے رسول کے ساتھ بات کر رہے ہیں۔ حالانکہ اگر وہ کوئی سی گائے ذبح کر کے وہ عمل کرتے تو انہیں قاتل کا پتہ چل جاتا اور وہ ایک خاص گائے کی بہت زیادہ قیمت دینے سے بھی بچ جاتے۔ سورۃ بقرہ کا نام اسی گائے والے واقعہ کی وجہ سے بقرہ رکھا گیا ہے۔ (بقرہ۔ 67 تا 73) اسی طرح بنی اسرائیل کو جنگ کے لئے کہا گیا تو قرآن کی رو سے ان لوگوں نے حضرت موسیٰ سے کہا۔

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ۔

یعنی اے موسیٰ اور آپ کا رب دونوں جا کر لڑو۔ ہم تو یہاں بیٹھے رہیں گے۔

بائبل کی رو سے جب فرعون اور اس کے لشکر نے بنی اسرائیل کا تعاقب کیا تو ان لوگوں نے حضرت موسیٰ سے کہا:

"(کیا) مصر میں قبرستان نہ تھے جو تو ہمیں وہاں سے مرنے کے لئے بیابان میں لے آیا۔ تو نے یہ ہم سے کیا کیا؟ کہ ہمیں مصر سے نکال لایا۔ کیا ہم تجھے مصر میں کہتے نہ تھے کہ ہمیں ادھر رہنے دے۔ تاکہ ہم مصریوں کی خدمت کریں۔ کیونکہ ہمارے لئے مصریوں کی خدمت کرنا (خدمت کر کے زندہ رہنا) بیابان میں مرنے سے زیادہ بہتر ہوتا۔"

(خروج باب 14)

بائبل (کتاب پیدائش باب 9) کی رو سے حضرت نوح علیہ السلام اتنی شراب پیتے تھے کہ ان کو اپنے ستر تک کا ہوش نہ رہتا۔ اسی طرح لوط علیہ السلام کو شراب پلانے اور ان کی دو بیٹیوں کا ان سے ہم آغوش ہو کر حاملہ ہونے کا ذکر بائبل (پیدائش باب 19 آیت 30 تا 38) میں آیا ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہودیوں کے ہاں پیغمبروں کی کیا شان تسلیم کی جاتی تھی۔ نافرمانی پر اتر آتے تو موسیٰ جیسے اولوالعزم پیغمبر کو خاطر میں نہ لاتے اور جب غلو میں غلطاں ہوتے تو عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنا ڈالتے" بلکہ سورہ مائدہ میں ہے کہ یہود اور نصاریٰ کو خدا کا اپنے کنبے کا خاص کنبہ اور خاندان سمجھتے تھے:

Marfat.com

نَحۡنُ اَبۡنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ (مائدہ۔ 18)

وَضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الذِّلَّةُ وَالۡمَسۡكَنَةُ۔ وَبَآءُوۡ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ كَانُوۡا يَكۡفُرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقۡتُلُوۡنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيۡرِ الۡحَقِّ۔ (بقرہ۔ 61)

"اور ان پر ذلت اور مسکنت ڈال دی گئی۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کا غصہ لے کر لوٹے یہ اس لئے ہوا کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور انبیاء کو ناحق قتل کرڈالتے تھے۔ اور یہ (ذلت و مسکنت اور خدا کا غضب) اس لئے بھی تھا کہ وہ (اللہ کی اور اس کے رسول کی) نافرمانی کرتے اور (ان کے مقرر کردہ) حدود کو پھلانگ جایا کرتے تھے۔ اور اللہ کے نبیوں کو ناحق قتل کرڈالتے تھے۔"

اصل تورات کو یہودیوں نے چھپا رکھا تھا اور جسے سامنے لاتے تھے وہ یہی تورات تھی جس میں تحریف کی جا چکی تھی۔ اس کا ذکر قرآن اس طرح کرتا ہے۔

"اور جب اللہ کی طرف سے ان کے پاس ایک رسول (محمد ﷺ) آیا اس کتاب کو سچ بتاتا ہوا جو ان کے پاس ہے' (جس میں حضور ﷺ کی بشارت دی گئی تھی۔ تو اہل کتاب کے ایک گروہ نے اللہ کی کتاب (تورات) کو پیٹھ پیچھے ڈال دیا' گویا وہ اسے جانتے ہی نہ تھے۔ (بقرہ: 101)

حالانکہ یہودی علماء اصل تورات کے علم کی بناء پر حضور علیہ السلام کو اپنے بیٹوں کی طرح بغیر کسی شک و شبہ کے پہچانتے تھے۔ (بقرہ۔ 146)

عیسائیت کے اولین پیرو کار نیک لوگ تھے۔ لیکن بعض ان میں ایسے بھی تھے جو فرط عقیدت سے حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا کہتے تھے۔ حالانکہ وہ ایک بشر تھے جو مریم کے بیٹے تھے۔ اور ان کی پیدائش بن باپ کے معجزانہ طور پر ہوئی تھی اسی لئے ان کو اٰیۃ ورحمۃ منا یعنی لوگوں کے لئے نشانی یا معجزہ اور اللہ کی طرف سے رحمت کہا گیا۔ (مریم۔ 21)

سورۃ مومنون میں فرمایا گیا ہے:

وَجَعَلۡنَا ابۡنَ مَرۡيَمَ وَاُمَّهٗۤ اٰيَةً (مومنون۔ 50)

Marfat.com

اور ہم نے عیسیٰ ابن مریمؑ اور اس کی ماں کو نشانی بنایا۔

پھر نہ صرف انہیں اللہ کا بیٹا کہا گیا بلکہ ان کو الوہیت کا حامل بھی قرار دیا گیا۔ حتی کہ مریم کو بھی اس کی الوہیت میں شامل مان لیا گیا۔

لَقَدْ کَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰہَ ثَالِثُ ثَلٰثَۃٍ۔

"اور کافروں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تین میں کا تیسرا ہے۔"

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے رسول کے بارے میں ان کے اعتقاد کو غلط قرار دیا ہے اور فرمایا:

وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَۃٌ۔ اِنْتَھُوْا خَیْرًا لَّکُمْ۔ (نساء۔ 171)

"اور تین خدا نہ کہو۔ ایسا کہنے سے باز آجاؤ۔ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔"

یہ جو بعض نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم عیسیٰ کو خدا کا بیٹا مجازی معنوں میں کہتے ہیں۔ تو اس کی تردید قرآن حکیم یوں فرماتا ہے۔

لَقَدْ کَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ (مائدہ: 17)

"بیشک وہ لوگ کافر ہوئے جو کہتے ہیں کہ مریم کا بیٹا مسیح ہی تو خدا ہے۔"

یوحنا کی انجیل (باب 1 آیت 12 تا 14) میں آیا ہے۔

وہ (عیسیٰ) اپنے گھر آیا اور اس کے اپنوں نے اسے قبول نہ کیا لیکن جتنوں نے اسے قبول کیا اس نے انہیں خدا کے فرزند بننے کا حق بخشا یعنی انہیں جو اس کے نام پر ایمان لاتے ہیں وہ نہ خون سے' نہ جسم کی خواہش سے' نہ انسان کے ارادہ سے بلکہ خدا سے پیدا ہوا۔ اور کلام مجسم ہوا اور فضل اور سچائی سے معمور ہو کر ہمارے درمیان رہا اور ہم نے اس کا ایسا جلال دیکھا جیسا باپ اکلوتے کا جلال۔

لوقا کی انجیل میں ہے کہ حضرت مریم کو بشارت ہوئی کہ:

تیرا بچہ خدا کا بیٹا کہلائے گا۔

اور مرقس کی انجیل کی رو سے حضرت موسیٰ نے فرمایا:

"میں خدا کا بیٹا ہوں اور تم مجھے قادر مطلق کے داہنی جانب بیٹھے ہوئے دیکھو گے۔" (باب 14)

Marfat.com

نیز عیسائیت میں کفارہ کا عقیدہ اس طرح جڑ پکڑ گیا کہ ان لوگوں نے ہر گناہ کا بوجھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ڈال دیا کہ وہ مصلوب ہو کر سب کا کفارہ دے گئے۔

ہندو ازم میں تصور رسالت

ہندوؤں کے ہاں رسول کا صحیح تصور نہیں ملتا۔ وہ اپنے مشہور بزرگوں کو خدا کا اوتار سمجھتے ہیں۔ اور ان کی پوجا پاٹھ کرتے ہیں۔ رام چندر جی کی بھی پوجا کی جاتی ہے۔ گاندھی جیسے روشن خیال رہنما بھی اس کی پوجا میں مبتلا تھے۔ کسی ہندو نے پوچھا کہ "رام کو آپ غیر فانی سمجھتے ہیں۔ آخر وہ کس طرح دسرتھ کا بیٹا اور سیتا کا خاوند ہو سکتا ہے۔" مہاتما گاندھی نے اس کا جواب یہ دیا:

سنت تلسی نے اس کا سوال کا جواب بھی دیا ہے۔ یہ بات عقلی طور پر سمجھائی نہیں جا سکتی۔ میں بھی ابتداء میں اس رام کی پرستش کرتا تھا جو سیتا کا خاوند ہے۔ لیکن جوں جوں خدا کے متعلق میرا تجربہ اور علم بڑھتا گیا وہ رام غیر فانی اور حاضر و ناظر ہوتا گیا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اب وہ رام سیتا کا خاوند نہیں لیکن رام کے تصور کی وسعت سے سیتا کے خاوند کا مفہوم بھی وسیع ہوتا چلا گیا۔۔۔۔۔۔ اس شخص کے لئے رام کبھی حاضر و ناظر نہیں ہو سکتا جو اسے صرف دسرتھ کا بیٹا سمجھتا ہے۔ لیکن جو شخص رام کو خدا مانتا ہے۔ اس کے لئے اس حاضر و ناظر خدا کا باپ بھی حاضر و ناظر ہو جاتا ہے۔۔۔۔۔ باپ اور بیٹا ایک ہو جاتے ہیں۔۔۔۔ جب ہمیں صحیح علم ہو جاتا ہے تو انسان کی حقیری سی خودی فنا ہو جاتی ہے۔ اور سب کچھ خدا ہو جاتا ہے۔ اس وقت رام و سرتھ کا بیٹا' سیتا کا خاوند' بھرت اور لکھشمن کا بھائی ہوتا بھی ہے اور نہیں بھی ہوتا ہے اور اس کے باوجود غیر مخلوق اور ازلی خدا بھی ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔ رام کا مسئلہ کیسا (ایسا) ہے جو عقلی حدود سے ماوراء ہے۔

(اخبار ہریجن بابت 22 ستمبر 1946ء مفہوم و اقتباس)

اسی طرح ہندو سری کرشن کو بھی اوتار کا درجہ دیتے ہیں۔ ان کی طرف منسوب کردہ کتاب گیتا کو ہندو ازم میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ حتی کہ اب ہندو قوم اپنی نشاۃ ثانیہ کے لئے سری کرشن جی مہاراج کو ہی اپنی زندگی گزارنے کا بہترین نمونہ قرار دے رہی ہے اور دیگر مقدس کتابوں کی تعلیمات کو پس پشت ڈالا جا رہا ہے حتی کہ ویدوں کو

Marfat.com

بھی۔ لیکن کرشن جی کے بارے میں مہابھارت میں لکھا ہے۔

وشوامتر' کنوا' اور نارو' تینوں رشی دوار کا میں آئے۔ چند نوجوانوں نے ان رشیوں کے ساتھ اس طرح تمسخر کیا کہ کرشن جی کے ایک بیٹے سانب کو عورت کا لباس پہنا کر ان کے سامنے لائے اور کہا کہ یہ عورت حاملہ ہے۔ آپ بتائیں کہ اس کے پیٹ سے کیا پیدا ہو گا۔ رشیوں نے غصے کی حالت میں کہا کہ اس سے لوہے کا ایک موسل پیدا ہو گا۔ جس سے جادو بنسی (کرشن جی) کے خاندان کی تباہی ہو گی۔ دوسرے ہی دن سانب سے لوہے کا موسل پیدا ہو گیا۔ اگر سین نے اپنے خاندان کو بربادی سے بچانے کے لئے اس موسل کو تڑوا کر باریک ذرات بنوائے اور انہیں سمندر میں ڈلوا دیا یہ ذرات سمندر کے کنارے پر جھاڑ جھنکار بن کر اگ آئے۔ ایک نسبتاً بڑے ٹکڑے کو مچھلی کھا گئی۔ مچھلی کو شکاری نے شکار کیا۔ اس کے پیٹ سے لوہے کا جو ٹکڑا ملا۔ اس نے تیر کا پیکان بنایا۔ چند روز بعد جادو بنسی اور کرشن جی سمندر کے کنارے سیر کرنے پہنچے۔ سب وہاں شراب پی کر دھت ہو گئے اور نشے میں ایک دوسرے کو قتل کرنے لگے۔ کرشن جی نے سمندر کے کنارے اگے ہوئے جھاڑ جھنکار اکھیڑ لئے وہ ان کے ہاتھ میں آ کر لوہے کا موسل بن گئے۔ چنانچہ کرشن جی نے اس سے جادو بنسیوں کو ہلاک کر دیا۔ اور خود ایک جھاڑی میں اس طرح چھپ گئے کہ صرف ان کا پیر نظر آتا تھا۔ اتفاقاً وہی مچھلی والا شکاری ادھر سے گزرا اور پیر کو ہرن سمجھ کر اس پر تیر چلایا۔ تیر نشانے پر بیٹھا اور اس طرح کرشن جی مہاراج کا کام تمام ہو گیا۔ (اقتباس و مفہوم) (مقدمہ ہند قدیم ص136 بحوالہ مذاہب عالم کی آسمانی کتابیں ص173 - 174 از غلام احمد پرویز۔ ایڈیشن 1977ء)

کرشن جی کو اوتار سمجھ کر اس کی پوجا کی جاتی ہے۔ لیکن اب اسے جدید علوم کے حامل ہندو انسان ہی سمجھنے لگے ہیں۔ چنانچہ اخبار ہریجن شمارہ 22 دسمبر 1946ء میں ایک سوال کا جواب اس طرح دیا گیا ہے:

"---- کرشن جی اتنی بڑی ہستی ہونے کے باوجود انسان ہی تھے اور غلطی کر سکتے تھے۔"

بدھ مت کو بھی ہندو ازم میں جذب کرنے کی کوشش ہوتی رہی۔ چنانچہ بدھ کو ہندوؤں کا جزو اور بدھ مت کو ایک ہندو فرقہ بتایا جاتا ہے۔ بدھ کی تعلیمات کی تو خدا جانے کیا حقیقت تھی لیکن گوتم بدھ کی مورتیاں بنا کر ان کی پوجا آج تک کی جاتی ہے۔

Marfat.com

حالانکہ گوتم بدھ بدھ مت کی تعلیم کی رو سے خدا کی ہستی کے منکر تھے۔ تو گویا اب گوتم بدھ کو خدا بنا لیا گیا ہے۔ حالانکہ وہ ایک انسان تھے جنہوں نے 570 ق م میں کپل وستو کے راجہ کے گھر جنم لیا تھا۔ ہندوؤں میں دو بڑے گروہ ہیں۔ ایک گروہ ویدوں کو مانتا ہے اسے استک گروہ کہتے ہیں دوسرا گروہ ناستک کہلاتا ہے۔ وہ نہ خدا کو مانتا ہے نہ ویدوں کو۔ بدھ اور جین ان میں زیادہ مشہور ہیں۔ جن کو اوتار کا درجہ بھی حاصل ہے۔

کنفیوشس ازم کا بانی کنفیوشس کو کہا جاتا ہے حالانکہ وہ اپنے بقول اسلاف کا سرمایہ آگے بڑھانے والے تھے۔ انہیں اسلاف سے محبت تھی اور عقیدت بھی۔ اس مذہب نے اپنے الہامی ہونے کا دعوی نہیں کیا۔ البتہ یہ مذہب عام اخلاقیات پر بڑا زور دیتا ہے۔ لیکن عقائد تو ہم پرستی پر مشتمل ہیں۔ ان کے ہاں آسمان کی پرستش کے ساتھ ساتھ چھوٹے چھوٹے دیوی دیوتاؤں کی پرستش ہوتی ہے۔ اور مندروں میں کنفیوشس کے نام پر قربانیاں دی جاتی ہیں۔ تو چونکہ یہ مذہب الہامی نہیں ہے۔ اس لئے رسول کے تصور کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ یہی حال طاؤ وازم کا تھا۔ جس کی بنیاد گیان دھیان کی ریاضتوں پر رکھی گئی تھی۔ طاؤ کی حکومت قدیم زمانے میں تھی۔ اور اس وقت کی دنیا گویا جنت نظیر تھی۔ وہ بے علمی کا پر امن دور تھا۔ جب لوگوں نے علم کی تحصیل شروع کی تو وہ جنت نظیر دنیا ختم ہو کر رہ گئی۔ طاؤ معاذ اللہ خدا سے بھی پہلے موجود تھا۔ جہاں طاؤ ہو وہاں رسول کا تصور تو بعد کی چیز ہے۔

اہل جاپان کے مذہب شنٹوازم میں بادشاہ سلامت کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ خدا کے لئے لفظ (Kami) استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن شنٹوازم کی دو کتابوں کو جیکی (Kojiki) اور نہونگی (Nihongi) میں ان تمام چیزوں کو (Kami) کہا گیا ہے جن کی پرستش کی جاتی ہے۔ ان میں بادشاہ سے لے کر قدیم اسلاف' بعض پرندے' حیوانات' درخت' پودے' سمندر' پہاڑ' درندے وغیرہ سب (Kami) ہیں۔ مندروں میں کنواری لڑکیاں پروہت بنا کر رکھی جاتی ہیں۔ جب ان پر غشی (ہسٹریا) کے دورے پڑتے ہیں تو اس وقت جو کچھ منہ سے بولتی ہیں ان کلمات کو مقدس اور الہامی سمجھا جاتا ہے۔ یہ گویا رسالت کا تصور ہے۔ بادشاہ کو خدا کا درجہ حاصل ہے' بادشاہ کے حکم پر جان نچھاور کرنا اہل جاپان کا آج بھی شیوہ ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اب جاپان کا شہنشاہ خدا کی سطح سے اتر کر انسانیت کی سطح پر آچکا ہے۔

Marfat.com

اسلام میں منصب رسالت

جب آدم علیہ السلام اور مائی حوا کو زمین پر بھیجا گیا تھا اور ساتھ ہی شیطان کو وہاں سے نکال دیا گیا تو دو باتیں ارشاد ہوئیں:

1- وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ○ (بقرہ - 36)

"اور ہم نے فرمایا کہ تم (بہشت بریں سے زمین پر) اتر جاؤ۔ ایک دوسرے کے دشمن بن کر رہو' اور تمہارے لئے زمین پر ایک وقت تک کے لئے ٹھکانا اور ضروریات زندگی مہیا کر دی گئی ہیں۔"

2- قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا۔ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى منى فمن تبع هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ (بقرہ: 38)

"ہم نے فرمایا کہ تم سب یہاں سے اتر جاؤ تو جب تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو (اس کی پیروی کرنا کہ) جنہوں نے میری ہدایت کی پیروی کی تو ان کو نہ کچھ خوف ہو گا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔"

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق بنی آدم کی رہنمائی کے لئے انبیاء علیہم السلام کو بھیجنے کا سلسلہ شروع کیا۔ اور سب سے پہلے نبی آدم علیہ السلام تھے۔ انہوں نے اپنی اولاد کو راہ راست پر رکھنے کی کوشش کی۔ لیکن جب قابیل کی اولاد نے سرکشی کی راہ اختیار کی تو حضرت شیث علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ اور انہوں نے لوگوں کو اللہ کا پیغام پہنچایا یہ سلسلہ صدیوں تک چلتا رہا اور ایک لاکھ سے زیادہ انبیاء علیہم السلام کو صرف لوگوں کی اصلاح اور ان کو اللہ کا پیغام پہنچانے کے لئے بھیجا تاکہ وہ آسمانی تعلیم کی رہنمائی میں راہ راست اپنا سکیں۔ یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے سورۃ رعد میں یوں ارشاد ہوئی ہے۔

انما انت منذر ولکل قوم هاد (رعد: 7)

Marfat.com

"تو آپ ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کو ایک راہ بتانے والا (ہوتا) ہے۔"

2۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلاً من قَبْلِكَ------ (رعد - 38)

"اور بیشک ہم نے آپ سے پہلے کئی رسول بھیجے تھے۔"

3۔ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِه لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ○ (ابراہیم -4)•

"اور ہم نے ہر رسول کو اس کی قوم کی زبان میں تبلیغ کے لئے بھیجا تاکہ وہ ان کو پوری وضاحت کے ساتھ سمجھا دے۔"

4۔ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَسُوْلٌ (یونس - 47)

"اور ہر امت کی طرف ایک رسول بھیجا گیا۔"

ضرورت اور اہمیت

پیغمبر کو بھیجنے کی ضرورت کیا تھی۔ قرآن حکیم اس کی ضرورت یوں واضح کرتا ہے:

"پہلے لوگ ایک ہی امت تھے (یعنی ایک ہی دین پر چلتے تھے۔) (لیکن جب وہ اختلاف کا شکار ہوئے) تو اللہ نے انبیاء کو مبعوث فرمایا جو (اہل حق کو) خوشخبری دیتے تھے اور (منکروں کو اللہ کے عذاب سے) ڈراتے تھے۔ اور ان کے ساتھ سچائی بھری کتاب اتاری تاکہ وہ لوگوں کے درمیان فیصلے کریں ان امور میں، جن میں وہ اختلاف کا شکار ہو چکے تھے------" (بقرہ: 213)

پھر پیغمبروں کو ذریعہ برکات بھی بتایا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرىٰ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○ (اعراف - 96)

"اور اگر یہ بستیوں والے ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو لازما ہم ان پر آسمانی اور زمینی برکتوں (کے دروازوں) کو کھول دیتے۔ مگر انہوں نے جھٹلایا۔ جس کے نتیجہ میں ہم نے انہیں ان کے عملوں کی پاداش میں دھر پکڑا۔"

Marfat.com

انسانوں کے رسول بھی انسان تھے

جس قوم میں بھی کوئی رسول بھیجا گیا۔ اسے اس قوم کی ہدایت اور تنبیہہ کے لئے بھیجا گیا۔ لیکن جب انسانوں نے یہ کہا کہ ہمارے اندر ہم جیسا انسان رسول کیوں بھیجا گیا۔ (بنی اسرائیل۔ 93) تو اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی ؐ کی زبان سے یہ کہلوا بھیجا:

قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلٰئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا۔ (بنی اسرائیل 95)

"یعنی (اے نبی ؐ) فرما دے کہ اگر زمین پر فرشتے چلتے بستے ہوتے تو بیشک ہم ان کی ہدایت کے لئے ایک فرشتہ کو رسول بنا کر آسمان سے نازل کرتے۔ یعنی اگر فرشتے زمین پر آباد ہوتے تو ان کے پیغمبر بھی فرشتے بھیجے جاتے تو گویا اگر یہاں جنات کا دور ہوتا تو جنات میں سے رسول اور نبی بھیجے جاتے۔ لیکن اب یہاں چونکہ انسانوں کا دور ہے۔ لہٰذا انبیاء ؑ بھی یہاں انسان ہی بھیجے گئے ہیں۔"

(حضور علیہ السلام چونکہ تکمیل دین کے لئے مبعوث ہوئے اور آخری نبی تھے اس لئے آپ ؐ جنوں اور انسانوں دونوں کے لئے مبعوث ہوئے اور سارے عالموں کے لئے رحمت بن کر تشریف فرما ہوئے۔)

نوٹ: حضور علیہ السلام کی نبوت اور رسالت چونکہ قیامت تک کے لئے ہے۔ اور آپ پر دین کی تکمیل کر دی گئی ہے لہٰذا آپ ﷺ کے بعد قیامت تک کسی نبی کی ضرورت نہیں۔ بلکہ یہ فریضہ تبلیغ اب آپ کی امت انجام دے گی۔ جیسا کہ قرآن میں حضور ؐ سے مخاطب ہو کر فرمایا گیا ہے:

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا۔ (فرقان۔51)

"یعنی اگر ہم چاہتے تو (اے نبی تیرے زمانے میں بھی) ہر ہر گاؤں میں ایک ایک پیغمبر ضرور بھیج دیتے۔"

لیکن چونکہ قرآن حکیم کے نزول اور نبی اکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد اس کی ضرورت نہیں تھی اس لئے آپ کے بعد انبیاء کو بھیجنے کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔

Marfat.com

خصائص سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

رسول کا کام صرف یہی نہیں ہوتا تھا کہ وہ اللہ کا پیغام پہنچا کر اپنے آپ کو بری الذمہ سمجھ لیتا بلکہ وہ عمر بھر اپنی امت میں نمونے کی عملی اور مثالی زندگی بسر کرتا تھا تاکہ لوگ اس کے مطابق اپنی زندگیاں بسر کریں۔ اور ہر نبی کی زندگی اپنی امت کے لئے اسوہ حسنہ تھی۔ ہر نبی لوگوں کا تزکیہ نفس کرتا تھا۔ ان کو ظاہری اور باطنی آلائشوں سے بھی پاک صاف کرتا تھا۔

ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چونکہ تکوین کائنات سے قیامت تک کے لئے نبوت اور رسالت سے نوازا گیا جیسا کہ حدیث صحیح کی رو سے آپ اس وقت بھی نبی تھے جب آدم علیہ السلام پانی اور مٹی کی منزلیں طے کر رہے تھے لہذا آپ کی خصوصیات بھی عام انبیاء کی نسبت زیادہ ہیں۔ جن کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

اللہ کا انتخاب کردہ

کسی بھی رسول یا نبی کو عوام منتخب نہیں کرتے تھے۔ نہ حضور علیہ السلام کو عوام نے اپنا رسول یا نبی چنا تھا بلکہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور اور مبعوث فرمائے گئے تھے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ۔ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ بَصِیْرٌ ○

"یعنی اللہ تعالیٰ فرشتوں اور انسانوں میں سے (رسالت کا فریضہ نبھانے کے لئے اپنی مرضی سے) رسولوں کو منتخب کر لیتا ہے۔"

چنانچہ جب کفار مکہ نے حضور علیہ السلام کی زبان سے نبوت و رسالت کا دعویٰ سنا تو انہوں نے کہا کہ آپ کو ہم نبی اور رسول نہیں مانتے۔ البتہ اگر طائف کے سرداروں میں سے یا فلاں شخص کو رسول بنایا جاتا تو ہم اس پر ضرور ایمان لے آتے۔ گویا رسالت پر بھی لوگوں نے اپنا جمہوری حق جتلایا جس کی اللہ تعالیٰ نے نفی فرما دی۔

مامور من اللہ

Marfat.com

رسول اپنی مرضی کی تبلیغ نہیں کرتا بلکہ وہ وہی کچھ کہتا ہے اور وہی حکم دیتا ہے جو اسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہوتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (54:3-4)

"یعنی حضور علیہ السلام اپنی خواہش سے نہیں بولتے بلکہ جو کچھ وہ فرماتے ہیں وہ آپ کی طرف وحی کی گئی ہوتی ہے۔"

آپؐ عام آدمی نہیں تھے

ایک رسول عام آدمی نہیں ہوتا۔ بلکہ بقول مولانا مودودی" جہاں تک عقل کا تعلق ہے وہ تو یہ ماننے سے انکار کرتی ہے کہ ایک نبی صرف خدا کا کلام پڑھ کر سنا دینے کی حد تک تو نبی ہو۔ اور اس کے بعد محض ایک عام آدمی رہ جائے۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے وہ آغاز اسلام سے آج تک بالاتفاق ہر زمانے میں اور تمام دنیا میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نمونہ واجب الاتباع اور ان کے امر و نہی کو واجب الاطاعت مانتے ہیں۔ حتی کہ کوئی غیر مسلم عالم بھی اس امرواقعی سے انکار نہیں کر سکتا۔ کہ مسلمانوں نے ہمیشہ آنحضرتؐ کی یہی حیثیت مانی ہے۔ (اسلامی ریاست (ایڈیشن جنوری 1992ء) ص275)

معلم انسانیت

رسول اکرمؐ کی بعثت کا ایک مقصد یہ بتلایا گیا ہے کہ آپ معلم انسانیت ہیں۔ ابراہیمؑ اور اسماعیل نے تعمیر کعبہ کے وقت یہ دعا کی تھی:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ (بقرہ 129)

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ (آل عمران۔ 164)

"بے شک اللہ کریم نے مومنوں پر بڑا احسان فرمایا جب ان میں انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرما دیا جو ان کے سامنے اللہ کی آیتیں تلاوت کرتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب اور

Marfat.com

اس کی دانائی بھری باتیں سکھاتا ہے۔ اور (اس سے) پہلے یہ لوگ
واقعی کھلی گمراہی میں تھے۔"

سورہ جمعہ میں فرمایا:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ۔

"اسی خدا نے بے پڑھے لوگوں میں انہیں میں سے ایک رسول
مبعوث فرمایا جو ان کے سامنے اس کی آیات تلاوت کرکے سناتا ہے
اور ان کو پاکیزگی دیتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت (بھری باتیں)
سکھاتا ہے۔"

ان آیات سے ثابت ہوا کہ آپ ؐ کو صرف قرآن پہنچانے کے لئے نہیں بھیجا گیا تھا بلکہ اس کے تین مقاصد تھے۔

(الف) اصل کتاب کی تعلیم دینا یعنی متن پڑھ کر سنانا۔

(ب) کتاب میں موجود حکمت اور اس کی تفسیر کرکے لوگوں کو سمجھانا۔ اور عمل کرکے بتلانا۔

(ج) ان کا تزکیہ نفس کرنا۔ ان کی اجتماعی اور انفرادی خرابیاں دور کرنا وغیرہ۔

جیسے نماز پڑھنے کا طریقہ قرآن میں درج نہیں۔ اسی طرح اور عبادات کے احکام و قواعد آپ نے بتلائے۔

5۔ مفسر قرآن کے طور پر بھی حضور ؐ کا منصب قرآن نے واضح کیا ہے۔

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ۔ (نحل: 42)

"اور ہم نے آپ کی طرف (قرآن کی صورت میں) ذکر اتارا تاکہ
آپ لوگوں کو وضاحت کے ساتھ سمجھا دیں جو کچھ ان کی طرف
نازل کیا گیا ہے۔"

اسوہ حسنہ

حضور علیہ السلام کی زندگی آپ کی امت کے لئے قیامت تک بہترین نمونہ اور

Marfat.com

مثالی زندگی قرار دی گئی ہے۔

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَنْ کَانَ یَرْجُوْ اللّٰہَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ۔ (احزاب۔21)

"بیشک رسول اللہ کی زندگی بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لئے جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخر کا امیدوار ہو۔

سورۃ ال عمران میں ہے:

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہ۔

"یعنی (اے نبی!) فرما دے کہ (اے لوگو!) اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو۔ اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا۔"

شارع اور مفسر قرآن

حضور علیہ السلام شریعت اور اس کے جزئیات تک سمجھاتے تھے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

یَاْمُرُھُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھٰھُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ وَیُحِلُّ لَھُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْھِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنْھُمْ اِصْرَھُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْھِمْ۔ (اعراف: 157)

"وہ رسول ان کو نیکی کا حکم دیتا ہے اور بدی سے منع کرتا ہے اور ان کے لئے پاک صاف چیزیں حلال قرار دیتا ہے اور ان پر ناپاک چیزوں کو حرام ٹھہراتا ہے۔ اور ان پر سے وہ بوجھ اور بندھن اتار ڈالتا ہے جو ان پر چڑھے ہوئے ہیں۔"

نیز صحابہ کو ارشاد تھا کہ وہ آپ سے بلاوجہ سوال جواب نہ کیا کریں کہ مبادا آپ کے فرمانے سے ایک عام سا حکم فرض ہو جائے۔

وَمَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا۔ (حشر۔ 7)

"یعنی رسول اللہ جو کچھ تمہیں عطا کریں اسے لے لو اور جس سے منع کریں، اس سے باز رہو۔"

Marfat.com

چنانچہ حج کی فرضیت کے بارے میں ایک صحابی نے صاحب استطاعت کے لئے ہر سال حج کی فرضیت کا سوال تین بار کیا اور آپ ہر بار خاموش رہے۔ پھر کچھ دیر کے بعد فرمایا۔ "حج کی فرضیت عمر بھر میں ایک بار ہے۔ اگر میں ہر سال کے جواب میں ہاں کہہ دیتا تو وہ ہر سال فرض ہو جاتا اور تم نہ کر سکتے۔"

قاضی و منصف

حضور علیہ السلام منصف اور جج کے منصب پر بھی اللہ کی طرف سے فائز ہیں۔ چنانچہ اللہ فرماتا ہے۔

1۔ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ

(نساء۔ 105)

"اے نبی! ہم نے آپ کی طرف سچائی بھری کتاب نازل کی ہے۔ تاکہ آپ لوگوں میں اللہ کی دکھائی ہوئی روشنی کو سامنے رکھ کر فیصلے کریں۔"

2۔ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَكُمْ۔ (   )

"اور فرما دے کہ میں اس پر ایمان لایا جو اللہ تعالیٰ نے کتاب میں سے نازل فرمایا اور مجھے حکم ملا ہے کہ تمہارے درمیان عدل و انصاف کروں۔"

3۔ اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِیَحْكُمَ بَیْنَهُمْ اَنْ یَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا۔ (نور۔ 51)

"مومنوں کی تو یہ بات ہے کہ جب وہ خدا اور رسول کی طرف بلائے جائیں تاکہ ان میں فیصلہ کریں تو وہ عرض کریں کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا" (اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔)

4۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى یُحَكِّمُوْكَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ۝ (نساء۔ 65)

"پس اے نبی تیرے رب کی قسم۔ وہ ہرگز مومن نہیں ہو سکتے جب تک وہ اپنے جھگڑوں میں تجھے فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں۔ پھر تو جو فیصلہ کرے اس پر اپنے دل میں تنگی تک محسوس نہ کریں اور اسے بسرو چشم تسلیم کر لیں۔"

ان آیات کی رو سے رسول اللہ کی حیثیت بطور قاضی یا منصف یا جج بھی مامور من اللہ کی ہے۔ نہ کہ عوامی سطح پر مقرر کردہ قاضی یا جج کی۔ نیز جب آپ فیصلہ کرتے تو آپ

Marfat.com

ؐ کی باقی ساری حیثیتیں جو بطور نبی اور رسول ؐ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کیں' وہ آپ سے الگ نہیں ہو جاتی تھیں۔ اور جو لوگ آپ ؐ کے فیصلہ سے روگردانی کریں ان کو اللہ تعالیٰ نے منافق قرار دیا ہے۔

وَاِذَاقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًاO (نساء۔61)

"اور (اے نبی ؐ!) جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اللہ کی نازل کردہ کتاب اور رسول ؐ کی طرف تو تم ذرا منافقوں کو دیکھو کہ وہ (کس طرح) آپ ؐ سے کنی کتراتے ہیں۔"

حاکم و فرمانروا منجانب اللہ

حضور علیہ السلام رسول کی حیثیت کے علاوہ اللہ کی طرف سے مقرر کردہ حاکم اور فرمانروا بھی تھے اور یہ منصب ہر رسول کو عطا ہوا کہ اللہ کے اذن سے اس کی اطاعت لازمی طور پر کی جائے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (نساء۔64)

"ہم نے ہر رسول کو اس لئے بھیجا کہ اللہ کے اذن سے اس کی اطاعت کی جائے۔"

حضور علیہ السلام کی حاکیت منجانب اللہ تھی اس لئے آپ کے حکم سے روگردانی کرنے اللہ کی بارگاہ میں کسی کے اعمال تک ضائع ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُو اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ (محمد۔33)

"اے ایمان لانے والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول ؐ کی اور (نافرمانی کرکے) اپنے اعمال کو باطل نہ کر لو۔"

آپ ؐ جب کسی معاملہ کا فیصلہ کریں تو پھر اس کو تسلیم کرنا لازمی ٹھہرا دیا گیا۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا O

Marfat.com

(احزاب - 36)

"کسی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ حق نہیں کہ جب کسی معاملہ کا فیصلہ اللہ اور اس کا رسول کر دے تو پھر ان کے لئے اس معاملہ میں خود فیصلہ کر لینے کا اختیار باقی رہ جائے۔ اور وہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ (گویا) صریحاً سیدھی راہ سے بھٹک گیا۔"

قرآن حکیم میں اللہ۔ رسول ؐ کے ساتھ ساتھ اسلامی حاکم کی اطاعت کو بھی لازمی قرار دیا گیا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ (نساء- 59)

"اے ایمان لانے والے لوگو! اطاعت کرو رسول ؐ کی اور اس کی جو تم (مسلمانوں) میں اولی الامر (حاکم وقت) ہو۔ پھر اگر تمہارے درمیان کوئی جھگڑا اٹھے تو اسے اللہ اور رسول ﷺ کی طرف لے جاؤ۔ اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو!۔"

ان آیات سے پتہ چلتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے منتخب کردہ حاکم یا فرمانروا نہ تھے۔ بلکہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور کردہ حاکم و فرمانروا تھے۔ یاد رہے کہ رسول اللہ اولی الامر میں شامل نہیں ہیں بلکہ آپ ؐ کی حیثیت اولی الامر سے بہت بلند رکھی گئی ہے کیونکہ اولی الامر اور عوام کے درمیان کوئی جھگڑا اٹھ کھڑا ہو تو اسے اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی روشنی میں سلجھانا ہوتا ہے۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ اٹل ہے۔ اس میں جھگڑا کرنے والا منافق قرار دیا گیا۔ جیسا کہ مشہور واقعہ ہے کہ ایک مسلمان اور یہودی میں تنازعہ ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہودی کے حق میں فیصلہ دیا مسلمان اس معاملہ کو صدیق اکبر کے پاس لے گیا۔ یہودی نے ان کو بتلایا کہ رسول خدا میرے حق میں فیصلہ دے چکے ہیں۔ صدیق اکبر ؓ نے اس فیصلہ پر نظر ثانی کرنے سے معذرت کی۔ وہ مسلمان حضرت عمر ؓ کے پاس اپنا مقدمہ لے گیا۔ حضرت عمر ؓ کو جب

Marfat.com

معلوم ہوا کہ اس کا فیصلہ حضور علیہ السلام یہودی کے حق میں کر چکے ہیں تو آپ نے حضورؐ کا فیصلہ نہ ماننے والے مسلمان کو منافق قرار دے کر قتل کر دیا۔

تمام انبیاءؑ پر ایمان

ایک مسلمان کے لئے لازم ہے کہ وہ حضرت آدم تا حضور علیہ السلام جتنے بھی سچے نبی اور رسول دنیا میں تشریف لائے ان سب پر ایمان لائے۔ حالانکہ ان کی شریعتوں پر عمل کرنا ضروری نہیں۔ عمل صرف حضرت محمد مصطفیٰ کی شریعت مطہرہ پر کیا جائے گا۔ کیونکہ آپ کی بعثت کے بعد پچھلے انبیاء کی شریعتیں منسوخ ہو چکی ہیں۔ قرآن حکیم نے اس بات سے منع کیا ہے کہ کچھ رسولوں اور نبیوں پر ایمان لایا جائے اور کچھ پر ایمان نہ لایا جائے۔

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کرتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق روا رکھیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے اور چاہتے ہیں کہ وہ ایمان اور کفر کا درمیانی راستہ اختیار کریں۔ تو ایسے لوگ یقیناً کافر ہیں۔ (نساء۔ 150 ۔ 151)

سورہ بقرہ (آیت 285) میں اہل ایمان کے منہ سے یہ بات کہلوائی گئی ہے:

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ۔

"ہم اس کے رسولوں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے۔"

سورہ بقرہ میں ہی مسلمانوں سے اس طرح ارشاد ہے:

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ۝ (بقرہ۔ 136)

"یعنی اے مسلمانو! تم کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے۔ اور اس پر جو

Marfat.com

ہماری طرف (بذریعہ محمد مصطفیٰ) نازل کیا گیا اور اس پر بھی جو کچھ ابراہیم اور اسماعیل' اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر نازل ہوا اور ان پر بھی جو موسیٰ اور عیسیٰ کو عطا ہوا اور جو کچھ انبیاء کو ان کے رب نے دیا اس پر بھی ہم ایمان لائے۔ ہم ان پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم اسی (اللہ واحد) کے فرمانبردار ہیں۔"

خدائی صفات کی نفی

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں میں سے بعض صفاتی نام حضور علیہ السلام کے لئے بھی قرآن نے استعمال کئے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ رؤف و رحیم ہے۔ قرآن میں حضور ؐ کو بھی رؤف و رحیم کہا گیا ہے۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ (توبہ۔ 128)

"بے شک تم لوگوں میں سے ہی تم میں ایک رسول آیا ہے اسے تمہاری تکلیف بہت گراں گزرتی ہے وہ تمہاری بھلائی کا بہت زیادہ خواہشمند ہے اور مومنوں پر وہ رؤف بھی ہے' رحیم بھی۔"

لیکن اللہ کی یہ صفتیں ذاتی' لامحدود اور بے مثل ہیں۔ جبکہ حضور کی صفات اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہیں۔ اور محدود ہیں۔

اسی طرح نبی کو جو علم عطا ہوتا ہے وہ بذریعہ وحی حاصل ہوتا ہے یا کسی اور طریقے سے جس طرح اللہ چاہے۔ وہ وہبی ہوتا ہے۔ جبکہ اللہ کا علم ذاتی ہے۔ ایک نبی کو جتنا بھی علم اللہ تعالیٰ عطا فرمائے یہ اس کی کرم نوازی ہے۔ نبی اپنے پاس سے کچھ نہیں کہتا۔ جیسے حضور کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ○ (نجم 3۔4)

"چنانچہ جب کبھی حضور علیہ السلام صحابہ سے پوچھتے کہ فلاں معاملہ کی کیا حقیقت ہے تو صحابہ کرام اس معاملے کے بارے میں کچھ نہ

Marfat.com

کچھ جاننے کے باوجود ہمیشہ یہی عرض کرتے۔ کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ اور پھر حضور علیہ الصلوۃ والسلام خود اس کی وضاحت فرما دیتے اور اچھی طرح سمجھا دیتے۔ چنانچہ صحابہ کرام جو بھی سوال کرتے حضور علیہ السلام اس کا جواب اللہ کے سمجھائے ہوئے علم کی روشنی میں ضرور دیتے۔ ایسا موقع کبھی نہیں آیا کہ ایک مسلمان نے آپ سے کوئی سوال کیا ہو اور آپ نے جواب دینے سے معذرت کر لی ہو۔ البتہ جب کبھی کفار آپ سے ایسے سوالات پوچھتے جن کا تعلق خالصا دین سے نہ ہوتا تو آپ ایسے سوالوں کا جواب کم ہی دیتے۔ کیونکہ وہ باتیں آپؐ کے منصب رسالت سے تعلق نہ رکھتی تھیں۔ بلکہ وہ دین و اخلاق کے دائرے میں ہی نہ آتی تھیں کیونکہ آپؐ کی بعثت کا مقصد تکمیل دین اور تکمیل اخلاق تھا۔ نہ کہ کچھ اور۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ سے ارشاد فرمایا تھا:

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِىْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّىْ مَلَكٌ۔ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَىَّ O "انعام 50"

"فرما دیجئے۔ کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔ اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں کوئی فرشتہ ہوں۔ البتہ میں تو صرف اس چیز کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی کی جاتی ہے۔"

حضورؐ کو رحمت العالمین کہا گیا ہے یہ صفت بھی آپ کو اللہ کی عطا سے حاصل ہوئی ہے۔ غرض حضورؐ کی جتنی صفات بھی اللہ تعالیٰ سے مشابہت رکھتی ہیں وہ آپؐ کی ذاتی صفات نہیں ہیں بلکہ عطا شدہ ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کی ہر صفت ذاتی ہے۔

مرکز محبت و ادب

Marfat.com

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اہل اسلام کے لئے مرکز محبت و عشق کی حامل ہے قرآن حکیم نے مسلمانوں کو حضورؐ کی زبان سے مخاطب کر کے یاد دہانی کرائی ہے کہ:

1۔ اے نبی فرما دے کہ (اے مسلمانو! اگر تمہارے باپ تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں تمہارا خاندان اور مال جو تم نے کمایا ہے اور تجارت جس میں گھاٹے کا تمہیں کوئی خدشہ ہو اور مکانات جو تمہیں پسند ہیں تم کو اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ عزیز ہیں تو انتظار کرو کہ اللہ اپنا فیصلہ صادر فرما دے۔
(توبہ۔ 24)

2۔ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ○ (حجرات۔ 2)

"اے اہل ایمان! اپنی آوازیں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بلند تر نہ کرو۔ اور اس کے سامنے زور زور سے نہ بولو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ زور زور سے گفتگو کرتے ہو کہ مبادا تمہارے اعمال ضائع ہو کر رہ جائیں اور تمہیں پتہ بھی نہ ہو۔"

اس سے اگلی آیت میں ہے:

3۔ "بیشک جو لوگ پیغمبر علیہ السلام کے سامنے دبی دبی آواز میں (ادب کے ساتھ) بات کرتے ہیں۔ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے پرکھ لیا ہے۔ (پس) ان کے لئے مغفرت اور بہت بڑا اجر ہے۔" (حجرات۔ 3)

4۔ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ۔

"اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو اللہ تعالیٰ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا۔" (ال عمران۔ 31)

مرکز اطاعت

اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پیروی اور دوسروں تک ان کی تبلیغ حضورؐ کا فرض منصبی تھا۔ چنانچہ قرآن حکیم میں جہاں جہاں اللہ کی اطاعت کی تلقین کی گئی ہے وہاں ساتھ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم بھی ملتا ہے۔ مثلاً ارشاد ہوتا ہے:

۔ قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ (ال عمران۔ 32)

Marfat.com

"اے نبیؐ! فرما دے کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول ؐ کی۔"

2۔ وَاَطِیْعُو اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ O (ال عمران ۔ 132)

"اور اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم کی اطاعت کرو تا کہ اللہ تم پر رحم فرمائے۔"

3۔ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ O (ال عمران ۔ 80)

"جس نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی تو اس نے (گویا) اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔"

4۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ O (نساء ۔ 46)

"اور ہم نے جو رسولؐ بھی بھیجا وہ اس لئے بھیجا کہ اللہ کے اذن (Sanction) سے اس کی اطاعت کی جائے۔"

5۔ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ O (انفال ۔ 1)

"اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا کہا مانو اگر تم اہل ایمان ہو۔"

اسی طرح کے احکامات اور بھی کئی جگہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوئے ہیں۔ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ کے ساتھ ساتھ حضور علیہ السلام کی ذات بھی مرکز اطاعت قرار دی گئی ہے۔

حضور علیہ السلام خدا نہیں لیکن خدا سے جدا بھی نہیں

جس طرح آپؐ کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح آپؐ کے بعض افعال کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرماتے ہوئے قرآن حکیم میں اس خاص واقعے کی اہمیت کو اجاگر فرمایا ہے۔ مثلاً جنگ بدر کے موقع پر جب آپؐ نے مٹھی بھر کنکریاں کفار کی طرف پھینکیں تو اللہ نے اس واقعہ کو قرآن حکیم میں یوں بیان فرمایا:

1۔ وما رميت اذ رميت ولكن الله رمى (انفال : 17)

"اور وہ کنکریاں تم نے نہیں پھینکیں جب کہ وہ تم نے ہی پھینکیں وہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھیں۔"

2۔ ان الذين يبايعونك انما يبايعون الله يد الله فوق ايديهم (فتح ۔ 10)

"بیشک جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں۔ (کیونکہ) خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔"

3۔ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ O (نساء ۔ 80)

Marfat.com

"جس نے رسول ؐ کی اطاعت کی تو اس نے (گویا) اللہ کی اطاعت کی۔"

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہونے کے ناطے اس کے اذن سے اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچاتے تھے۔ اس لئے اللہ نے آپ ؐ کی اطاعت اور بیعت کو اپنی اطاعت اور بیعت قرار دیا ہے۔ اور آپ کے کنکریاں پھینکنے کے فعل کو بھی اپنا فعل قرار دیا۔

تبلیغ حق کے لئے اذن کی ضرورت

انبیاء علیہم السلام اللہ کی طرف سے مبعوث ہوتے تھے۔ اور ان کو تبلیغ کے حق کا علمبردار بنا کر بھیجا جاتا تھا اور لوگوں کے لئے لازم تھا کہ وہ اللہ کے حکم سے ان کی پیروی اختیار کریں۔ جیسا کہ قرآن کہتا ہے۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (نساء - 64)

"اور ہم نے جو رسول بھی بھیجا وہ اس لئے بھیجا کہ اللہ کے اذن سے اس کی اطاعت کی جائے۔"

اذن کے معنی کے آج کے دور میں (Sanction) یا اتھارٹی کئے جاسکتے ہیں۔ جس طرح ہر مجسٹریٹ کو ہر مقدمہ سننے کا اختیار نہیں ہوتا یا ہر پولیس والے کو ٹریفک کا چالان کرنے کا اختیار نہیں ہوتا بلکہ یہ کام وہی انجام دے سکتا ہے جسے حکومت نے ان کاموں کی انجام دہی کا اختیار دیا ہو۔ اس طرح تبلیغ اور ارشاد کا فریضہ نہ جرنیل انجام دے سکتا ہے۔ اور نہ ہر کس و ناکس بلکہ یہ فریضہ وہی انجام دے سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اذن سے نوازا ہو۔ چنانچہ انبیاء علیہم السلام تبلیغ کا فریضہ اللہ کے اذن سے انجام دیتے تھے۔ اور لوگوں پر بھی فرض تھا وہ ان کا لازما اتباع کریں کیونکہ ہر اللہ کا حکم تھا۔ حضور ؐ کے صحابہ سب کے سب مبلغ اسلام تھے۔ پھر یہ فریضہ علمائے امت نے انجام دیا پس ہر کس ناکس تبلیغ کو مذاق نہ سمجھے کیونکہ یہ بڑی سمجھداری کا کام ہے۔

2۔ ایمان لانا کتنا اچھا کام ہے لیکن اس کے پیچھے بھی اللہ تعالیٰ کا اذن کار فرما ہوتا ہے تو کوئی ایمان لا سکتا ہے۔ مثلا سورۃ یونس میں ہے کہ "اے نبی کیا آپ لوگوں پر زبردستی کرنا چاہتے ہیں کہ وہ ضرور ایمان لے آئیں۔" (یونس - 99)

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ (یونس - 100)

Marfat.com

اور کسی شخص کو قدرت نہیں ہے کہ وہ خدا کے حکم کے بغیر ایمان لا سکے۔ یعنی ایمان کے لئے توفیق الٰہی بھی ضروری ہے۔"

3- اسی طرح سورہ ابراہیم کی پہلی آیت میں حضور سے ارشاد ہے:

الٓرٰ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ○

"ہم نے قرآن حکیم آپ کی طرف نازل فرمایا ہے تاکہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائیں ان کے رب کے حکم سے انہیں اس راستے پر ڈال دیں جو غالب اور قابل تعریف خدا کی طرف جاتا ہے۔" (ابراہیم۔ 1)

سورہ احزاب میں ہے:

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ○ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ○ (احزاب۔ 46)

"اے نبی! ہم نے آپ کو شاہد، مبشر اور نذیر اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا، اور چمکتا ہوا چراغ بنا کر بھیجا ہے۔"

چنانچہ قرآن حکیم میں تبلیغ و ارشاد کا سلسلہ باذن اللہ کے ساتھ منسلک کیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ آج ہم لاکھوں کی تعدا میں ہوتے ہوئے بھی بطور مبلغ وہ نتائج حاصل نہیں کر پاتے جو ایک ماذون حاصل کر لیا کرتا ہے۔ مثلاً معین الدین چشتی اجمیری یا بابا فرید گنج شکر جیسے بزرگوں کی تبلیغ کے پیچھے "باذن اللہ" کی قوت ہوتی تھی اس لئے ان کی تبلیغ سے لاکھوں غیر مسلم ایمان کی دولت سے سرفراز ہوئے۔ ایک ہم ہیں کہ صبح و شام تبلیغ تبلیغ کی رٹ لگاتے رہتے ہیں اور کچھ نہیں ہوتا کیونکہ تبلیغ کرنا ظاہر و باطن میں اللہ کے اذن کے ساتھ مشروط ہے۔

Marfat.com

ختم نبوت

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو تمام انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دی گئی ہے اور قرآن
حکیم نے انبیاء کی ایک دوسرے سے فضیلت کا ذکر اس طرح کیا ہے:

1۔ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (بقرہ۔ 253)

یہ رسول جو ہم وقتاً فوقتاً بھیجتے رہے ہیں۔ اُن میں سے بعض کو ہم نے بعض
فضیلت بخشی ہے۔

سورہ بنی اسرائیل میں ہے:

2۔ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ (55)

"یعنی ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت دی۔"

سابقین انبیاءؑ اپنے اپنے زمانے میں اپنی قوم یا بعض بستیوں کے لوگوں کو
ہدایت دکھانے کے لئے مبعوث ہوتے تھے۔ لیکن حضور سرور عالمؐ تمام انسانوں کے
ہادی اور رسول ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری ہے۔

1۔ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا۝ (نساء۔ 79)

"اور (اے محمدؐ) ہم نے آپؐ کو سارے انسانوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے
اس بارے میں اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے۔"

2۔ قُلِ اللّٰهُ شَهِيْدٌ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُ
وَمَنْۢ بَلَغَ۔

"یعنی اے نبیؐ! فرما دے کہ میرے اور تمہاری درمیان اللہ گواہ ہے او
قرآن میری جانب (اس لئے) وحی کیا گیا ہے تاکہ میں اس کی تعلیمات کی ر
میں تمہیں (اللہ کے عذاب سے) ڈراؤں اور اس شخص کو بھی جس تک یہ (ق
پہنچ جائے۔

3۔ قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا الَّذِيْ لَهٗ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ (اعراف۔ 158)

(اے نبیؐ) فرما دے "اے دنیا بھر کے انسانو! بیشک میں تم سب کی طرف
تعالیٰ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، جس کی بادشاہت آسمانوں اور زمین میں (سب

Marfat.com

ہے۔"

4- هُوَ الَّذِىْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ O (توبہ: 33)

وہی تو خدا ہے جس نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا تاکہ وہ اس دین (کے ضابطہ حیات) کو سارے ادیان (کے غلط یا نامکمل ضابطہ ہائے حیات) پر غالب کر دے اور اگرچہ مشرک لوگ ناخوش ہی رہیں۔

5- قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ O (حج 49)

(اے نبی ﷺ!) فرمادے اے (قیامت تک پیدا ہونے والے) انسانو! میں تو تمہیں (اللہ کے عذاب سے) کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں۔"

6- تَبٰرَكَ الَّذِىْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا O (فرقان 1)

"وہ (خدائے عزوجل) بڑا ہی بابرکت ہے جس نے اپنے بندے (محمد ﷺ) پر فرقان حمید نازل فرمایا تاکہ وہ (اس کی تعلیمات کے ذریعے) ہر زمانے کے لوگوں کو (اللہ کے عذاب سے) ڈرائے۔"

7- وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ (سبا 28)

"اور (اے محمد ﷺ) نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر تمام کے تمام انسانوں کے لئے (ایمان لانے کی صورت میں) خوشخبری سنانے والا اور (بے ایمانوں کو اللہ کے عذاب سے) ڈرانے والا بنا کر۔ لوگوں کی اکثریت کو (اس بات کا) پتہ ہی نہیں (کہ آپ کی اتنی بڑی عظمت اور شان ہے)۔"

8- مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (فتح۔ 9)

"محمد اللہ تعالیٰ کا رسول ہے۔"

9- وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ (انبیاء۔ 107)

"اور ہم نے تو آپ کو سارے عالموں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔"

10- مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا O (احزاب۔ 40)

Marfat.com

"لوگو! محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں اور ہاں وہ اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں میں آخری نبی ہیں اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہے۔"

مندرجہ بالا آیات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت تمام انسانوں کے لئے ہے اور اس میں آپ کے عہد مبارک کے لوگ بھی شامل ہیں اور آپؐ کے بعد آنے والی نسلیں بھی کیونکہ "نَاس" کا لفظ عمومی حیثیت میں استعمال ہوا ہے۔ جس میں سب انسان شامل ہیں اور "وَمَنْ بَلَغ" میں اشارہ ان کی طرف ہے جو عہد رسالت ماب موجود نہ تھے۔ بلکہ یا تو آپ سے دور دراز علاقوں میں بستے تھے اور یا ابھی منصہ شہود پر نہ آئے تھے۔ چنانچہ جب بھی ان تک آپ کا پیغام پہنچے گا وہ آپ کی رسالت ہی کے فرائض کی ادائیگی میں شمار ہو گا۔ کیونکہ قرآن کے بعد کسی اور نبی کی ضرورت نہیں رہ گئی تھی۔

خاتم النبین کا مطلب

خَتْمٌ کے معنی ہیں کسی چیز کو ڈھانپ دینا۔ چھپا دینا۔ اور اس طرح بند کر کے محفوظ کر دینا کہ اس کا کوئی حصہ باہر نہ نکل سکے۔ چنانچہ کھیت میں ہل چلانے کے بعد بیج ڈال کر اور (سہاگہ پھیرنے کے بعد) پہلا پانی دے کر بیج کو محفوظ کر دینے کے عمل کو اہل زبان خَتَمَ الزَّرْعَ کہتے ہیں۔ خَتَمَ الشَّیْءَ خَتْماً کے معنی ہیں۔ کسی چیز کے آخری سرے تک پہنچ جانا۔ (تاج العروس)

ابن فارس کے مطابق خَتْمٌ اور طَبْعٌ کا لفظ دو طرح استعمال ہوتا ہے۔

1۔ کسی چیز پر لاکھ وغیرہ لگا کر مہر سے اس پر نشان لگانا۔

2۔ وہ نقش یا نشان جو اس طرح مہر لگانے سے بن جائے۔

پھر ان معنوں میں وسعت پیدا ہو گئی اور اس کا مفہوم کسی چیز کو بند کرنے یا روک دینے کے لئے بولا جانے لگا۔ خَاتَمٌ وہ مہر (Seal) یا انگوٹھی وغیرہ ہے جس سے لاکھ یا موم پر نشان ثبت کیا جاتا ہے۔ نیز ہر چیز کا انجام اور آخر خَاتَمٌ کہلاتا ہے۔ چنانچہ:

خَاتَمُ القَوْمِ کے معنی ہیں۔ آخِرُهُمْ یعنی قوم کا آخری فرد۔ (لسان العرب' قاموس وغیرہ) اسی طرح پینے کی ہر چیز کا آخری حصہ (گھونٹ۔ جرعہ) خِتَامٌ کہلاتا ہے۔ (ابن فارس) فراء کا قول ہے کہ خَاتَمٌ اور خِتَامٌ ہم معنی ہیں۔

فُلَانٌ خَتَمَ عَلَيْكَ بَابَهُ کا مطلب ہے۔

Marfat.com

اس شخص نے تجھ سے اعراض برتا اور اپنا دروازہ تجھ پر بند کر لیا۔ (تاج العروس)
چنانچہ اس بنا پر اہل لغت اور اہل تفسیر نے بالاتفاق خَاتَمَ النَّبِیّٖن کے معنی آخرالنبین مراد لئے ہیں۔ عربی لغت کی رو سے خاتم کے معنی ڈاکخانے کی مہر کے نہیں ہوتے۔ جو تاریخ اور ڈاکخانے کا نام ظاہر کرنے کے لئے لگائی جاتی ہے بلکہ اس سے مراد وہ مہر ہوتی ہے۔ جو لفافے پر اس لئے لگائی جاتی ہے کہ اس کے اندر کوئی چیز داخل نہ کی جا سکے اور نہ لفافے سے مہر لگانے کے بعد کچھ باہر نکالا جا سکے۔ پس حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سلسلہ نبوت کی آخری کڑی ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔

حدیث شریف اور ختم نبوت

قرآن حکیم میں بیان کردہ عقیدہ ختم نبوت کے معانی اور مطالب کی تصدیق و تائید احادیث کی کتابوں سے بھی ہوتی ہے۔ مثلاً حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ:

1۔ کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء۔ کلما ھلك نبی خلفه نبی وانه لا نبی بعدی وسیکون خلفاء۔ (بخاری۔ کتاب المناقب۔ باب ماذکر عن بنی اسرائیل)

"یعنی بنی اسرائیل کی قیادت انبیاء علیہم السلام کرتے تھے۔ جب کوئی نبی وفات پا جاتا تو ایک اور نبی اس کا جانشین ہوتا۔ مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا۔ اور خلفاء ہوں گے۔"

2۔ ان مثلی و مثل الانبیاء من قبلی کمثل رجل بنی بیتا فاحسنه واجمله الا موضع لبنة من زاویه فجعل الناس یطوفون به ویعجبون له ویقولون ھلا وضعت ھذه اللبنة۔ فانا اللبنة وانا خَاتَمَ النبیین۔ (بخاری۔ کتاب المناقب۔ باب خاتم النبین)

"یعنی میری اور مجھ سے پہلے والے انبیاء کی مثال ایسی ہے۔ جیسے ایک شخص نے عمارت بنائی اور وہ خوب حسین و جمیل بنائی مگر ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوٹی ہوئی تھی۔ لوگ اس عمارت کے گرد چل پھر کر دیکھتے اور اس کی خوبی پر اظہار حیرت کرتے کہ اس چھوٹی ہوئی جگہ پر اینٹ کیوں نہ لگائی گئی؟ تو وہ اینٹ میں ہوں اور میں ہوں خاتم النبین۔ یعنی آپ کے تشریف لانے سے نبوت کی عمارت مکمل ہو چکی۔"

Marfat.com

3۔ اس موضوع پر چار احادیث مسلم شریف میں بھی ہیں اور آخری حدیث میں یہ الفاظ زیادہ ہیں کہ آپؐ نے فرمایا۔ فَجِئْتُ فَخَتَمْتُ الْاَنْبِیَاءَ۔ پس میں آیا اور میں نے انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا ترمذی شریف میں بھی یہ اور ایسی ہی دیگر روایات آئی ہیں۔ مسند ابوداؤد اور طیالسی میں جابر بن عبداللہ کی روایت کردہ حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں۔ خُتِمَ بِیَ الْاَنبیاء یعنی میرے ذریعے انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔

4۔ مسند احمد میں مختلف صحابہؓ سے ایک روایت نقل کی گئی ہے۔ جس میں آپؐ نے اپنی چھ فضیلتوں کا ذکر فرمایا اور چھٹی فضیلت یہ بتلائی۔

وارسلت الی الخلق کافۃ وختم بی النبیون۔ (مسلم۔ ترمذی۔ ابن ماجہ)

"اور مجھے تمام دنیا کے لئے رسول بنایا گیا اور مجھ پر انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔"

5۔ ان الرسالتہ والنبوۃ قد انقطعت فلا رسول بعدی ولا نبی۔ (ترمذی۔ مسند احمد)

"بیشک رسالت اور نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ میرے بعد نہ کوئی رسول ہے اور نہ کوئی نبی۔"

6۔ انا محمد وانا احمد وانا الماحی الذی یمحی بی الکفرو انا الحاشر الذی یحشر الناس علی عقبی وانا العاقب الذی لیس بعدہ نبی۔ (بخاری ومسلم۔ ترمذی۔ مئوطا امام مالک۔ المستدرک للحاکم)

"یعنی میں محمدؐ ہوں۔ اور میں احمد ہوں اور میں ماحی ہوں کہ میرے ذریعے کفر کو محو کیا جائے گا۔ میں حاشر ہوں کہ میرے بعد لوگ حشر میں جمع کئے جائیں گے۔ (یعنی اب قیامت کا آنا ہی باقی رہ گیا ہے۔) اور میں وہ عاقب ہوں کہ جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو گا۔"

اسی مضمون کی دیگر احادیث مسند احمد' ابوداؤد' نسائی' ترمذی' بخاری و مسلم' بیہقی' طبرانی' وغیرہ کتب احادیث میں بھی بکثرت آئی ہیں جن میں واضح طور پر آپؐ کا یہ ارشاد ملتا ہے کہ:

1۔ میں امی نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں (مسند احمد۔ عن عبداللہ بن عمرو بن

Marfat.com

العاص)

2۔ لانَبُوَّةَ بعدی اِلاَ المُبَشرات ۔ میرے بعد کوئی نبوت نہیں مگر صالح خواب۔
(مسند احمد۔ نسائی۔ ابوداؤد)

3۔ لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌ لکان عمر بن الخطاب (ترمذی کتاب المناقب)

4۔ آپ نے حضرت علی مرتضیٰ سے فرمایا کہ میرے ساتھ تمہاری (اے علیؓ) وہی نسبت ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہارون کی تھی مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ (بخاری و مسلم کتاب فضائل صحابہ)

5۔ وانہ سیکون فی امی کذابون ثلاثون کلھم یزعم انہ نبی --- وانا خاتم النبین لا نبی بعدی۔ (ابوداؤد۔ عن ثوبان کتاب الفتن)
(ابو داؤد عن ابو هریرہ ۔ کتاب الملاحم)

"اور یہ کہ میری امت میں تیس کذاب ہوں گے جن میں سے ہر ایک نبی ہونے کا مدعی ہو گا۔ حالانکہ میں خاتم النبین ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں۔"

ان احادیث سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ چنانچہ حضور علیہ السلام کے عہد مبارک میں مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ اور آپ کی رحلت سے کچھ عرصہ پہلے آپ کو یہ نامہ لکھا:

من مسیلمہ رسول اللہ الی محمد رسول اللہ سلام علیك فانی اشرکت فی الامر معك۔ (طبری جلد دوم ص 399 مطبوعہ مصر)

"یعنی مسیلمہ رسول اللہ کی طرف سے محمد رسول اللہ کی طرف آپؐ پر سلام ہو۔ پس واضح ہو کہ میں آپؐ کے ساتھ نبوت کے کام میں شریک کیا گیا ہوں۔"

یعنی مسیلمہ نے حضورؐ کی نبوت اور رسالت کو تسلیم کرتے ہوئے اپنی شراکت داری منوانا چاہی اسے آج کے دور میں "کچھ لو کچھ دو" کی پالیسی کہا جا سکتا ہے۔ حتی کہ مسیلمہ کذاب کے پیروکار جو اذان دیتے تھے اس میں:

اَشْھَدُ اَنَّ محمداً رَسُوْلُ اللّٰہ کے الفاظ بھی کہے جاتے تھے۔ لیکن اقرار رسالت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے باوجود مسیلمہ کی امت کو کافر اور ملت اسلامیہ سے خارج قرار دیا گیا۔ اس پر ایمان لانے والے بنو حنیفہ کے لوگ تھے جو نیک نیتی سے ساتھ

Marfat.com

ان پر ایمان لائے تھے۔ اور ان کو بتلایا گیا تھا کہ محمد رسول ؐ اللہ نے مسیلمہ کو خود اپنی رسالت و نبوت میں شراکت دار قرار دیا ہے اور قرآنی آیات کو بنو حنیفہ کے سامنے مسیلمہ پر نازل شدہ آیات کی حیثیت سے ایک ایسے شخص نے پیش کیا تھا جو مدینہ منورہ سے قرآن کی تعلیم حاصل کر کے وہاں پہنچا تھا۔ (البدایہ والنہایہ لابن کثیر جلد 5 ص51)

اجماع صحابہ

مگر اس کے باوجود جملہ صحابہ کرام نے بنو حنیفہ کو مسلمان تسلیم نہ کیا۔ حتی کہ حضرت ابو بکر صدیق کے عہد خلافت میں ان پر فوج کشی کی گئی۔ اگر مسلمان کے باغی گروہ پر فوج کشی کی جائے تو اسلامی قانون کی روح سے اسیران جنگ کو غلام نہیں بنایا جا سکتا۔ حتی کہ باغی ذمیوں کو بھی غلام بنانا جائز نہیں۔ لیکن بنو حنیفہ پر (جو کہ مسیلمہ کذاب کے ماننے والے تھے۔) جب چڑھائی کی گئی تو صدیق اکبر نے ان کو کافر اور مرتد قرار دے کر ہی لشکر کشی کا حکم دیا تھا اور اعلان فرمایا تھا کہ ان کو عورتوں اور بچوں کو غلام بنایا جائے گا۔ چنانچہ بنو حنیفہ کی شکست کے بعد فی الواقع ان سب کو قیدی اور غلام بنایا گیا۔ چنانچہ ان میں سے ایک لونڈی حضرت علیؓ کے حصے میں آئی۔ جس کے بطن سے تاریخ اسلام کے مشہور شخصیت محمدؒ بن حنفیہ (حنفیہ سے مراد قبیلہ بنو حنیفہ کی عورت) نے جنم لیا۔

(البدایہ والنہایہ جلد نمبر6 ص 316۔ 325)

اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ مسیلمہ اور اس کی (In Good Faith) نیک نیتی سے اس پر ایمان لانے والی امت کو حضور علیہ السلام نے' اور جملہ صحابہ کرام نے کافر اور مرتد قرار دے کر اس کے خلاف جہاد کیا۔ ان کو شکست دی۔ انہیں غلام بنایا اور ان کو عورتوں کو لونڈیاں بنا کر مجاہدین میں بانٹ دیا۔ گویا ختم نبوت کے مسئلہ پر یہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اجماع تھا۔ حالانکہ مسیلمہ آنحضرتؐ کو محمد رسول اللہ بھی مانتا تھا اور خود کو محض ان کا معاون نبی اور رسول تسلیم کرتا تھا۔

اجماع امت

صحابہ کے بعد تابعین اور تبع تابعین اور عام امت مسلمہ کا زمانہ آتا ہے۔ چنانچہ امام ابو حنیفہ کے عہد میں ایک نبی نے نبوت کی نشانیاں پیش کرنے کی پیش کش کی۔ تو امام صاحب نے فرمایا کہ جو شخص اس سے نبوت کی علامات طلب کرے گا۔

Marfat.com

وہ بھی کافر ہو جائے گا کیونکہ رسول اکرم نے فرمایا کہ لا نبی بعدی۔
(مناقب امام اعظم لابن احمد المکی جلد 1 ص 161 مطبوعہ حیدر آباد 1321ھ)

اسی طرح علامہ جریر طبری (224ھ تا 310ھ) نے اپنی تفسیر میں خاتم النبین کی تفسیر میں لکھا ہے:

الذی ختمه النبوة فطبع علیها فلا تفتح لاحد بعده الی قیام الساعة۔

"جس نے نبوت کو ختم کر دیا ہے۔ پس اس پر مہر لگا دی' اب قیامت تک یہ دروازہ کسی کے لئے نہیں کھلے گا۔" (تفسیر ابن جریر جلد 22 ص 12)

امام طحاوی نے اپنی کتاب عقیدہ سلفیہ میں امام ابو حنیفہ' امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کے عقیدہ ختم نبوت کو یوں بیان کیا ہے:

"اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے برگزیدہ بندے' چیدہ نبی اور پسندیدہ رسول ہیں اور وہ خاتم الانبیاء' امام الاتقیاء' سید المرسلین اور حبیب رب العالمین ہیں۔ اور ان کے بعد نبوت کا ہر دعوی گمراہی اور خواہش نفس کی بندگی ہے۔"

(شرح الطحاویہ فی العقیدہ السلفیہ ص15۔ 87' 96/97' 100/102 مطبوعہ دارالمعارف مصر)

اسی طرح قرآن حکیم کے مفسرین اور علمائے امت نے حضور علیہ السلام کے بعد کسی نئے نبی کے آنے کو خارج از بحث قرار دیا ہے۔ کیونکہ:

1۔ قرآن آسمانی تعلیم کی کتاب اپنی اصل حالت میں' اصل متن کے ساتھ محفوظ شکل میں موجود ہے۔
2۔ حدیث شریف کا سرمایہ اتنا مستند ہے کہ اس سے قیامت تک کے لئے رہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے۔
3۔ تکمیل دین کے بعد اب کسی نئے نبی کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔
4۔ اصلاح کے لئے نبی کا آنا ضروری نہیں۔ بلکہ نبی تو وحی کا حامل ہوتا ہے۔ اصلاح کا

Marfat.com

کام حضور علیہ السلام کی امت کے علمائے کرام اور صوفیائے عظام بطریق احسن انجام دے سکتے ہیں۔ دیتے رہے ہیں۔ اور دیتے رہیں گے۔

حضرت عیسیٰؑ کی دوبارہ آمد کا مسئلہ

اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ لانبی بعدی والی حدیث کے علی الرغم احادیث میں حضرت عیسیٰ کی آمد کا ذکر بھی ملتا ہے۔ جس سے یہ حدیث اپنے معنی کھو دیتی ہے۔ اس سلسلے میں بخاری' مسلم' ترمذی' مسند احمد وغیرہ کی مرویات کے مطابق حضرت عیسیٰؑ کے آسمان سے اترنے کا ذکر ہے۔ پھر سے پیدا ہو کر آنے کا ذکر نہیں ہے۔ نازل ہونے کا ذکر بھی احادیث میں ہے کسی ایک حدیث میں بھی یہ ذکر نہیں کہ آپ دوبارہ جنم لیں گے۔ لیکن آپؑ کے بعد ہر مدعی نبوت آسمان سے نازل شدہ نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ جنم لے کر بعد میں نبوت کا دعوی کرتا تھا۔ لہٰذا حضرت عیسی کا آنا قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ آپ کوئی شریعت لے کر نہیں اتریں گے بلکہ حضور علیہ السلام کے دین پر ہوں گے۔ مسلمانوں کے ساتھ رہیں گے صلیب کو توڑ دیں گے۔ خنزیر کو قتل کریں گے۔ مسیح الدجال کو ہلاک کر دیں گے۔ پھر وہ چالیس سال زمین پر زندہ رہ کر وفات پائیں گے۔ اور مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھائیں گے۔ اور ان کو حضور علیہ السلام کے روضہ شریف کے اندر دفن کیا جائے گا۔ کیونکہ ابھی تک اس میں ایک قبر کی جگہ خالی ہے۔

حضرت عیسیٰؑ کے دوبارہ آنے کے بعد اہل اسلام اپنے تمام امور اسلامی تعلیمات کے مطابق حسب دستور انجام دیتے رہیں گے۔ وہ دین احمد کی تجدید نہیں کریں گے۔ بس ان کا آنا چونکہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاں لکھ رکھی ہے۔ اس لئے وہ نشانی پوری ہو کر رہے گی۔ جس کی خبر احادیث صحیحہ سے بھی ملتی ہے۔ دوسرے عیسیٰ علیہ السلام کو نازل کرنے میں یہ حکمت ہے کہ آپ مسیح الدجال کو قتل کرنے آئیں گے۔ جو یہودیوں میں سے ہو گا اور اپنے آپ کو مسیح کی حیثیت سے پیش کرکے لوگوں کے ایمان چھیننے کی کوشش کرے گا۔ اور حضرت عیسیٰ اس دجال کو قتل کریں گے۔ اور اپنے اصل مسیح ہونے کا ثبوت دے کر لوگوں کو مطمئن کریں گے۔ باقی رہ گئی عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر ایمان لانے کی بات تو واضح رہے کہ ہر مسلمان حضرت عیسیٰ کی نبوت اور رسالت پر پہلے ہی ایمان رکھتا ہے۔ اگر وہ عیسیٰ تو کیا کسی بھی نبی کی نبوت کا منکر ہو جائے تو وہ مسلمان نہیں رہتا۔ لہٰذا حضرت عیسیٰ کی نبوت پر پہلے ہی ایمان

Marfat.com

رکھنے والے مسلمانوں کو ان کے نازل ہونے کے بعد حضرت عیسیٰ کی نبوت پر نئے سرے سے ایمان لانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ کیونکہ ان کی نبوت کوئی نئی نبوت نہیں ہوگی۔ بلکہ نبوت وہ منصب ہے جو ایک مرتبہ عطا ہو جانے کے بعد واپس نہیں لیا جاتا للہذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قیامت کے قریب نازل ہونے کا معاملہ "لا نبی بعدی" کے ارشاد رسالت مآب ؐ کی روح کے خلاف نہیں بلکہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی اور ایک معجزہ ہوگا۔

آخرت پر ایمان

آخرت آخِرٌ کی تانیث ہے۔ اور اول کی ضد یا مقابل۔ صاحب محیط کے مطابق یہ لفظ ایسی چیز کے لئے بولا جاتا ہے۔ جو کسی پہلے آنے والی چیز کے بعد آرہی ہو لیکن اس کے بعد پھر اس جیسی کوئی اور چیز نہ آرہی ہو۔ پس مطلب یہ نکلا کہ "آخر" ایک سلسلہ کی آخری کڑی ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں دنیوی زندگی کے بعد والی زندگی کو آخرت کے ساتھ ساتھ خَلقٌ جَدِیْدٌ سے تعبیر کیا ہے۔ (17/49 17/98) وہ آخرت کی زندگی اس موجودہ زندگی کے تسلسل میں (اس سے ملی ہوئی) ہے اس لئے دوسرے لفظوں میں وہ زندگی اس زندگی کی آخری کڑی ہوگی۔ جس سے موجودہ طبعی زندگی کی کڑیوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اور ایک نئے انداز کی زندگی کے سلسلہ کی پہلی کڑی ہوگی۔

آخَرُ کے معنی ہیں۔ غیر۔ جیسے رَجُلٌ آخَرُ دوسرا آدمی۔ یعنی ایک اور آدمی یعنی پہلے آدمی کے علاوہ شخص۔ اور اگر قطار میں کچھ آدمی کھڑے ہوں تو پہلے کے بعد ہر دوسرا آدمی "آخر" (Next) کہلاتا ہے۔ آخَر کی تانیث اُخریٰ اور جمع آخَرُ ہے۔ (6/3)

پھر یہ لفظ مغائیرت کے معنوں میں استعمال ہونے لگا (تاج العروس) سورۃ مومنوں میں یہ معانی آیت نمبر14 میں انسانی تخلیق کی مثال دے کر اچھی طرح واضح کر دیئے گئے ہیں۔ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلقاً اٰخَرَ یعنی پھر ہم نے انسان کو ایک بالکل نئی تخلیق میں اٹھا کھڑا کیا۔ (یعنی تخلیق کی یہ کڑی سابقہ کڑیوں سے یکسر مختلف ہے) قرآن حکیم میں حیاۃ الدنیا کے مقابلے میں آخرت کا لفظ آتا ہے:

1۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا بِالْاٰخِرَةِ فَلَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ۔ (بقرہ۔ 86)

Marfat.com

"یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی خریدی۔ پس (آخرت میں) ان سے نہ عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ ان کی مدد (کرنے کی کسی کو اجازت) ہو گی۔

2۔ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۔ (بقرہ۔ 114) (مائدہ۔ 41)

"ان کے لئے اس دنیا میں رسوائی ہے۔ اور آخرت میں ان کے لئے بہت بڑا عذاب ہے۔"

3۔ رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ (بقرہ۔ 201)

"اے اللہ! ہمیں دنیا کی بھلائی سے نواز دے اور آخرت کی بھلائی سے بھی نواز دینا اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا کے رکھنا۔"

آخرت کے بارے میں چند فطری سوالات

ایک عام انسان جس تک آسمانی تعلیم نہ پہنچی ہو۔ یا اس پر اس کا دل اسے ایمان لانے کے لئے عقلی جواز مہیا نہ کرتا ہو تو وہ اس دنیا اور آخرت کے بارے میں سوچتا ضرور ہے۔

نظام عدل

وہ سوچتا ہے کہ یہ دنیا کیا ہے۔ کیوں ہے اور کس کے لئے ہے اور اس کا انجام کیا ہے۔ یہ ہنگامہ کائنات کیا ہے۔ یہ سورج چاند ستاروں کی دنیا کیا ہے۔ زمین پر پائے جانے والے مظاہر مثلاً پہاڑ۔ میدان۔ سمندر' وادیاں' لہلہاتے کھیت' گھنے جنگلات لٹکتے ہوئے باغات غرض دنیا کی رنگینیاں اور پھر ایک مدت کے بعد ان کا ایک انجام کی طرف بڑھتے چلے جانا کیا ہے۔ انسان کا اس کائنات میں کیا کردار ہے۔ تو وہ کوئی بھی نظریہ قائم کرے لیکن ایک بات ہر عقلمند شخص ضرور تسلیم کرتا ہے کہ یہ دنیا نظام عدل کے تحت قائم ہے نیز وہ دیکھتا ہے کہ انسان ہی اس دنیا میں وہ ہستی ہے جو اس کائنات کا مرکزی کردار ہے اور صرف اسے ہی نیکی' بدی' جھوٹ' سچ' شرافت اور شرارت دونوں طرح کی قوتوں کے ساتھ ساتھ عقل سے بھی نوازا گیا ہے۔ لہٰذا اس کی عقل جس بات کا تقاضا کرتی ہے۔ وہ

Marfat.com

میزان عدل ہی ہے۔ دنیا کا کوئی بھی صحیح الدماغ مفکر جھوٹ اور بدنیتی کو اچھا قرار نہیں دیتا اور سچائی اور نیک نیتی کو برا نہیں کہتا۔ اسی طرح وہ ہر جگہ پر فطرت کے اصولوں میں نظام عدل کی موجودگی اور اس کا عمل دخل جاری و ساری دیکھتا ہے تو اسے خیال آتا ہے کہ:

اگر ایک فوج کا سربراہ اپنے دستوں سے غداری کرتے ہوئے ان کو مروا دیتا ہے۔ اور اس دنیا میں وقتی سی سرخروئی حاصل کرلیتا ہے۔ یا بدقسمتی سے اسے بھی غداری کے بدلے میں چنگیز خانی اصول (جو اپنی قوم کے ساتھ غداری کر سکتا ہے وہ ہمارے ساتھ کیا وفا کرے گا۔) کے تحت اپنے انجام کو پہنچ جاتا ہے تو اس کی غداری کی سزا یا جزا تو اس نے پالی لیکن ان ہزاروں یا لاکھوں فوجیوں کو دھوکے سے مروانے کی جو اس نے بے انصافی کی اس کی سزا بھی تو اسے کبھی ملنی چاہیے۔ اسی طرح سچائی کے ساتھ وفا کرکے شہادت پانے والوں کی دنیوی زندگی کا سلسلہ تو فوراً منقطع ہو گیا۔ اب ان کو اپنی نیکیوں اور وفا کی جزا کب ملے گی؟ اگر انہیں ملے گی تو گویا فطرت میں جاری و ساری نظام عدل' (اس کے مرکزی کردار یعنی انسان کے بارے میں اس بے انصافی اور اس کے بے نتیجہ رہ جانے کے انجام کی صورت میں) انسان کو مطمئن نہیں کرتا۔ تو لا محالہ یہ بات تسلیم کرنا پڑتی ہے اور انصاف اور عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ موت کے بعد بھی کوئی جگہ ایسی ضرور ہونی چاہئے جہاں اس دنیا کے مرکزی کردار کو خوش اعمالیوں اور بداعمالیوں کی جزا اور سزا ملے۔ اگر یہ نہ ہو تو انسانی زندگی میزان عدل و انصاف پر پوری نہیں اتر سکتی۔ لہٰذا ایسی صورت میں یہ دنیا ایک جہنم زار بن کر رہ جائے گی۔

عام حالات میں اگر ایک عادل شخص عسرت کی زندگی گزار کر موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے اور دوسرا اپنی بدکرداریوں اور پیسے کے زور سے لوگوں کی جانوں' عزتوں' عصمتوں سے کھیلتا ہوا اس دنیا میں سرخروئی کی زندگی نبھا کر آخر موت کو گلے لگا لیتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ انصاف کے تقاضے کب پورے ہوں گے جو فطرت کے اصولوں میں جاری و ساری ہیں۔ اور اگر میزان عدل کا نفاذ صرف فطرت پر ہوتا ہے اور کائنات کا مرکزی کردار اس سے مستثنیٰ ہے تو یہ بات عقل کے خلاف جاتی ہے کیونکہ جب کائنات کی ہر چیز میں انصاف اور عدل کا پہلو قائم ہے تو انسانی زندگی اور اس کے کردار کو انصاف اور میزان عدل سے کس طرح بری قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے دنیا کے لیکن' فلاسفر اور چوٹی کے دانشور اب تقریباً اس بات پر متفق ہو چکے ہیں کہ نظام عدل

Marfat.com

کی رو سے دنیا کا یہ نظام ایک نہ ایک دن ضرور تباہ و برباد ہو جائے گا۔ اور اس کے بعد اس کی شکل کوئی اور ہو گی۔

انسانی معاشرے اور ایک ریاست کی بنیاد اخلاقی اصولوں پر ہی رکھی جا سکتی ہے۔ اگر اخلاقی اصولوں کو نظر انداز کر دیا جائے۔ تو وہ معاشرہ انسانی معاشرہ کی بجائے جانوروں کا معاشرہ کہلائے گا اور یہ انسان اور انسانیت کی توہین ہے۔ اور کافر سے کافر انسان بھی اپنی توہین سے خوش نہیں ہو سکتا۔ بشرطیکہ اس میں انسانیت کی کچھ بھی رمق باقی اور اس کا ضمیر زندہ ہو۔ اسی طرح ایک شخص کسی کے ساتھ ظلم چوری چھپے کرتا ہے کہ مظلوم اس دنیا سے سفر کر جاتا ہے اور اس کی مظلومیت کا کوئی گواہ بھی نہیں رہتا۔ لہٰذا اس کی اس غیر اخلاقی اور بے انصافی پر مبنی اس حرکت کی سزا اسے دنیا میں نہیں مل سکے گی۔ کیونکہ معاشرتی عادلانہ اصولوں کے بھی کچھ تقاضے ہوتے ہیں جو عدم شہادت کی بناء پر پورے نہیں ہو سکتے۔ تو پھر وہی سوال پیدا ہو گا کہ اس کو اپنے اخلاقی جرم کی سزا کب ملے گی اور اگر نہیں ملے گی تو یہ بات فطرت کے اصول عدالت کے خلاف جاتی ہے۔

چونکہ یہ دنیا قائم ہی اصول عدالت پر ہے اور جب بھی اس کا نظام عدل درہم برہم ہو گا تو سائنسدانوں کی رو سے بھی اسی روز یہ کائنات بھی درہم برہم ہو جائے گی۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ اس زندگی کے بعد بھی کوئی زندگی ہے۔ جہاں اس دنیا کی کارکردگی "اچھی بری" کے (اچھے یا برے) اثرات ظاہر ہو کر نظام عدل کی تکمیل کریں گے۔ قرآن حکیم اس نظام عدل کی طرف ان الفاظ سے اشارہ کرتا ہے:

وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ۔ (جاثیہ - 22)

"اور اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حق و انصاف کے اصولوں پر تخلیق کیا (اور حق و انصاف کا یہ اصول کائنات کی ہر شئے میں جاری کیا) تاکہ ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے اور (سزا و جزا کے معاملے میں) ان کا حق بالکل نہیں مارا جائے گا۔"

Marfat.com

مذاہب عالم میں تصور آخرت

دہریہ حضرات

کے ہاں آخرت کا کوئی تصور نہیں اگر دہریت کو ایک مذہب مان لیا جائے تو ان کا عقیدہ قرآن حکیم میں اس طرح بیان کیا ہے اور اس کو غلط بھی قرار دیا گیا ہے:

وَقَالُوْا مَاهِيَ اِلا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا اِلا الدَّهْرُ وَمَا لَهُمْ بِذَالِكَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلا يَظُنُّوْنَ۔ (جاثیہ۔ 24)

"اور وہ کہتے ہیں کہ ہماری زندگی تو بس یہ دنیا ہی کی زندگی ہے۔ یہیں پر ہمیں موت آتی ہے۔ اور اسی میں ہم زندہ رہتے ہیں اور (جب موتی آتی ہے تو) زمانہ ہی ہمیں ہلاک کرتا ہے" اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کے اس قول کے پیچھے یعنی ان کی اس بات میں کوئی علمی صداقت نہیں۔ بلکہ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ تو بس ان کی خام خیالی ہے۔ (کہ وہ حواس کو رہبر مان کر ایسا کہہ رہے ہیں)

دہریہ حضرات کو جب پیغمبروں نے تصور آخرت کی حقیقتوں سے روشناس کرانے کی کوشش کی اور بتلایا کہ مرنے کے بعد بھی ایک زندگی ہے جس میں تم اور ہم سب کو زندہ ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا تو:

قَالُوا ائْتُوْا بِآبَآئِنَا اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ (جاثیہ۔ 25)

"انہوں نے کہا اچھا تو ہمارے باپ دادوں کو زندہ کر لاؤ اگر تم سچے ہو۔"

ایسی ہی بات سورۃ دخان میں ان لوگوں سے منسوب کی گئی ملتی ہے جو اگرچہ بنی اسرائیل کے لوگ تھے مگر دہریت اختیار کر چکے تھے:

اِنَّ هٰؤُلَاۤءِ لَيَقُوْلُوْنَ ○ اِنْ هِيَ اِلا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِيْنَ ○ (دخان۔ 34۔ 35)

Marfat.com

"بیشک یہ لوگ لازماً یہ کہتے ہیں کہ ہمیں صرف ایک ہی بار یعنی پہلی دفعہ ہی مرنا ہے اور ہمیں پھر زندگی نہیں ملے گی۔"

فَاْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ O (دخان۔ 36)

"پس تم ہمارے آباء کو زندہ کر لاؤ اگر تم سچے ہو۔"

یہود اور آخرت

آخرت کا وہی تصور موجود ہے جو پیغمبروں کی تعلیم کے مطابق ہے۔ تورات میں حیات بعد الممات کا تذکرہ ان الفاظ (لیکن یہ لوگ بعض انبیاء حتی کہ حضرت محمد مصطفی پر بھی ایمان نہ لا کر کفر کی راہ اختیار کر گئے اور اللہ کی بارگاہ میں مغضوب ہو کر رہ گئے۔) میں ملتا ہے:

1۔ ابرہام کی کل عمر 175 برس کی ہوئی تب ابرہام نے دم چھوڑ دیا اور خوب بڑھاپے میں نہایت ضعیف اور پوری عمر کا ہو کر وفات پائی اور اپنے لوگوں میں جا ملا۔۔۔۔ اور عفرون کے کھیت میں اسے دفن کیا۔۔۔۔ اسمٰعیل کی کل عمر ایک سو سینتیس برس کی ہوئی تب اس نے دم چھوڑ دیا اور وفات پائی اور اپنے لوگوں میں جا ملا۔ (پیدائش) باب 25۔ آیت 7/8، 17) اور جب یعقوب اپنے بیٹوں کی وصیت کر چکا تو اس نے اپنے پاؤں بچھونے پر سمیٹ لئے اور دم چھوڑ دیا اور اپنے لوگوں میں جا ملا۔ (باب 49 آیت 33۔ پیدائش)

2۔ اے جوان تو اپنی جوانی میں خوش ہو اور اس کے ایام میں اپنا جی بہلا۔۔۔۔ لیکن یاد رکھ کہ ان سب باتوں کے لئے خدا تجھ کو عدالت میں لائے گا۔ (واعظ باب 11 = 9)

3۔ اپنے جوانی کے دنوں میں خالق کو یاد کر جبکہ برے دن ہنوز نہیں آئے۔۔۔۔ جبکہ ہنوز سورج اور روشنی اور چاند اور ستارے تاریک نہیں ہوئے۔۔۔۔ جس روز۔۔۔ زور آور کبڑے ہو جائیں۔۔۔ اور خواہش مٹ جائے کیونکہ انسان اپنے ابدی مکان میں چلا جائے گا۔۔۔۔ اور خاک سے خاک جا ملے جس طرح آگے ملی ہوئی تھی اور روح خدا کے پاس، جس نے اسے دیا تھا، واپس جائے باطل ہی باطل، واعظ کہتا ہے سب کچھ باطل ہے۔۔۔۔ حاصل کلام یہ ہے کہ خدا سے

Marfat.com

ڈر اور اس کے حکموں کو مان کہ انسان کا فرض کلی یہی ہے کیونکہ خدا ہر ایک فعل کو ہر ایک پوشیدہ چیز کے ساتھ' خواہ بھلی ہو' خواہ بری عدالت میں ضرور لائے گا۔
(واعظ باب۔ 12 خلاصہ آیت 1 تا 14)

4۔ ہاں اگر آدمی برسوں زندہ رہے تو ان میں خوشی کرے لیکن تاریکی کے دنوں کو یاد رکھے کیونکہ وہ بہت ہوں گے۔ (واعظ باب 11 آیت 8)

5۔ اپنی روٹی پانی میں ڈال دے کیونکہ تو بہت دنوں کے بعد اسے پائے گا (نیکی کر دریا میں ڈال) سات کو بلکہ آٹھ کو حصہ دے (خیرات کرتا رہ) تو نہیں جانتا کہ زمین پر کیا بلا آئے گی۔ (واعظ باب 11 آیت 1۔ 2)

نصاریٰ اور آخرت

آخرت کے تصور بھی وہی ہے جو پیغمبروں کی تعلیمات میں ملتا ہے۔ اور تمام تر تحریفات کے باوجود انجیل میں آخرت' سزا و جزا' جنت اور دوزخ کا تصور موجود ہے۔ یہ لوگ بھی سب انبیاء کو مانتے ہیں۔ سوائے حضرت محمد مصطفی کے۔ اس لئے یہ بھی (ہر اس شخص کی طرح جو سارے سچے انبیاء پر ایمان نہ لائے مسلمان نہیں رہتا) اسلام سے خارج ہیں۔ کیوں ان لوگوں نے آخری نبی اور اس کی تعلیمات پر ایمان لانے کی بجائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تحریف شدہ اور نزول قرآن کے بعد اللہ کی طرف سے منسوخ کردہ عیسوی شریعت اور تعلیمات کو ہی جزو ایمان بنا رکھا ہے۔ بہرحال آخرت کے بارے میں انجیل میں آخرت' جنت' دوزخ' خدا کی بادشاہت' انعام کے لئے ابدی زندگی دوزخ کے لئے آگ اور عذاب کے لئے تاریکی۔ اندھیرا اور ظلمت کے الفاظ ملتے ہیں۔ اور فیصلے کا دن وہ ہے۔ جب مسیح وہاں فرشتوں کے ہمراہ پہنچے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہودیوں سے فرمایا:

"اے سانپو اے سانپوں کے بچو۔ تم جہنم کے عذاب سے کیونکر بھاگو گے۔" (انجیل۔ متی)

"سو ہم میں سے ہر ایک اپنے حساب دے گا۔" (رومیوں۔ باب 14)

"فرشتے بدکاروں کو اس کی بادشاہی میں جمع کریں گے اور ان کو آگ کی بھٹی میں ڈال دیں گے وہاں رونا اور دانت پیسنا ہو گا۔ اس وقت راست باز لوگ اپنے باپ کی بادشاہی میں آفتاب کی مانند چمکیں گے۔" (انجیل متی)

Marfat.com

"اگر تم آدمیوں کے قصور معاف کرو گے تو تمہارا آسمانی باپ بھی تمہیں معاف کرے گا۔" (متی باب 6 آیت 14)

"اپنے واسطے زمین پر مال جمع نہ کرو۔۔۔ بلکہ اپنے لئے آسمان پہ مال جمع کرو۔" (متی 6۔ 91۔ 20)

ہندوازم میں تصور آخرت

یوں تو ہندو مذہب میں بھی قیامت، جنت (سورگ) اور دوزخ (نرک) کا تصور ملتا ہے لیکن سزا و جزا کو اسی دنیا کے ساتھ منسلک تسلیم کیا گیا ہے۔ اس عقیدہ کو نظریہ تناسخ یا آواگون کا فلسفہ کہا جاتا ہے۔ اس نظریہ کے مطابق مرنے کے بعد انسان کسی اور روپ میں دوبارہ اس دنیا میں جنم لیتا ہے۔ کیونکہ روح کو کسی دوسرے قالب میں ڈھال دیا جاتا ہے اور وہ روپ انسان کے اچھے یا برے اعمال کی مناسبت سے عطا ہوتا ہے۔ چنانچہ اس نظریہ کے مطابق انسان دنیا کے اعمال کی سزا اور جزا اسی دنیا میں بار بار پیدا ہو کر پاتا رہتا ہے۔ مثلاً ایک برا شخص مرنے کے بعد کتے، سور، گدھے وغیرہ کی شکل میں بھی دوبارہ جنم لے سکتا ہے اور درختوں اور پودوں کی صورت میں بھی اپنے اعمال کا بدلہ پا سکتا ہے لیکن یہ نظریہ ہر لحاظ سے ناقابل قبول ٹھہرتا ہے۔ وہ یوں کہ ایک اچھا انسان آخر کیا بن کر دوبارہ جنم لیتا ہے۔ اگر وہ کوئی نیک ترین برہمن ہو تو اس کا اعلیٰ تر جنم کس (جون) روپ میں ہو گا۔ اگر اگر وہ دیوی یا دیوتا یا کوئی فرشتہ بن جاتا ہے تو اس کی اواگون کی زندگی تو گویا ختم ہو گئی چونکہ فرشتہ وغیرہ گناہ نہیں کر سکتا اگلی جون میں وہ اعلیٰ درجہ پا کر خدا بن جائے گا؟ یا اس کی فرشتے والی زندگی ہی دائمی ہو گی اور اس کو موت نہیں آئے گی؟ اگر یہ بات مان لی جائے تو ثابت ہوا کہ آواگون کا چکر اس کے لئے ختم ہو گیا تو پھر بھی ایک عالم آخرت کا تصور سامنے آتا ہے۔ جہاں پہنچ کر ہر نیک انسان ابدی زندگی پا لیتا ہے جہاں وہ ہمیشہ کے لئے فرشتہ یا خدا بن کر رہے گا۔ پھر ایک انسان کے ہاں انسان ہی جنم لیتا ہے۔ تو کیا ہر انسان پچھلے جنم میں کوئی حیوان یا پودا تھا؟ اگر پودا وغیرہ تھا تو پودے کے اچھے اعمال کون سے تھے کہ اسے انسان کے روپ میں جنم دیا گیا۔

اب دوسری طرف آیئے۔ کہ جب ایک برا انسان بدی کی پاداش میں جانور یا درخت بنا دیا گیا تو گویا اس پر انسانیت کا اطلاق ہی ختم ہو گیا۔ چونکہ وہ عقل نہیں رکھتا اس لئے اس سے کسی اچھے یا برے کام کی توقع کرنا عبث ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے

Marfat.com

کہ روح جو انسان کا خاصہ ہے وہ حیوان یا درخت کے قالب میں ڈھل کر عقل سے محروم کر دی گئی۔ تو اب عقل سے محرومی کا تقاضا مزید تنزل ہو گا۔ اور آخر ایک برا انسان اور اس کی روح ترقی کی طرف آ ہی نہیں سکے گی اور دوبارہ اس کا انسان بننا ممکن ہی نہ ہو سکے گا۔ لہٰذا سزا و جزا کا یہ تصور عقل کے خلاف ہے اور سائنس کی رو سے بھی درست نہیں کیونکہ دنیا کا کوئی پودا یا جانور ترقی کر کے انسان نہیں بن سکتا۔ اور جب وہ انسان نہیں بن سکتا تو پھر آواگوان کا چکر ایک نیک انسان کو فرشتہ یا خدا بنا کر اور برے انسان کو جانور یا پودا بنا کر ایک دو مرحلوں میں ختم ہو کر رہ جاتا ہے۔

یہ اور اس طرح کے بے شمار سوال مسئلہ لاینحل بن کر سامنے آئیں گے اور ایک عقل مند شخص ایسے سوالات کے جواب کے تصور ہی سے خوف محسوس کرنے لگے گا۔ اور مکتی کا تصور ایک خواب بن کر رہ جائے گا۔

یاد رہے کہ تناسخ کا نظریہ کوئی نیا نہیں۔ یونان میں کئی سو سال قبل مسیح میں فیثا غورث اور انبذ قلس وغیرہ بھی اس کے قائل تھے۔ روم میں عیسائیت سے پہلے اس کا چرچا تھا۔ مصر کی قدیم تاریخ میں بھی اس کے کچھ آثار ملتے ہیں۔ لیکن موجودہ دور میں یہ نظریہ ہندو وازم میں پایا جاتا ہے یا پھر مغربی اور جنوبی افریقہ' آسٹریلیا اور انڈونیشیا کی نیم وحشی قوموں میں بھی پایا جاتا ہے۔ جو عقل و تہذیب سے عاری تسلیم کی جاتی ہیں۔ باقی مہذب قومیں اس نظریئے کو رد کر چکی ہیں۔

اسلامی نقطہ نظر کی رو سے دنیا کو بنانے کا مقصد

قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

1۔ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ۔ (الدخان۔ 38)

"ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے بیچ ہے ان کو کھیلتے ہوئے پیدا نہیں کیا۔"

چنانچہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ اپنی ایک "امانت" اپنی مخلوقات کے سامنے پیش کرنے کا واقعہ بیان فرماتا ہے۔

2۔ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۝ لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ

Marfat.com

وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (احزاب۔72-73)

"یعنی ہم نے آسمانوں' زمین اور پہاڑوں پر اپنی امانت پیش کی تو وہ اس کو اٹھانے کے لئے تیار نہ ہوئے اور اس (کے بوجھ) سے ڈر گئے اور انسان نے اسے اٹھا لیا۔ بیشک وہ بڑا ظالم اور جاہل ہے کہ (اسے اندازہ ہی نہیں کہ اس بار امانت کو اٹھانے کا مطلب یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے گا۔ اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کی توبہ قبول فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے مہربان۔"

یہ امانت بار خلافت تھا جسے انسان نے اٹھالیا چنانچہ اس کے سرخیل حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہرے۔ میثاق الست(1) میں ہر روح نے اللہ تعالیٰ کے خدا ہونے کا اقرار کیا تھا۔ میثاق النبیین(2) کے موقع پر نبیوں سے حضرت محمدؐ کی رسالت اور آپ خاتم النبیین ہونے کی حیثیت کا اقرار کروایا تھا۔ کہ اگر وہ کسی بھی نبی کے زمانہ میں تشریف لے آئیں تو وہ اپنی شریعت کو منسوخ سمجھ کر اسی نبی کی پیروی ضرور اختیار کریں (تو جب نبیوں نے پکا وعدہ کر لیا تھا تو ان کے پیروکار اس وعدہ کو نبھانے کے بدرجہ اولیٰ مکلف تھے یعنی یہود و نصاریٰ وغیرہ)۔

تو گویا انسان نے اللہ کا پیش کردہ بار امانت اٹھالیا۔ تو اس کی رو سے اسے دنیا کی زندگی کے بعد آخرت کی زندگی سے بھی نوازا گیا اور بتلایا گیا کہ:

1۔ اس دنیا کا یہ نظام ابدی نہیں ہے بلکہ اس کی ایک عمر مقرر شدہ ہے جس کے بعد اسے فنا ہونا ہے۔

2۔ انسان اس دنیا میں غیر ذمہ دار نہیں ہے بلکہ اپنے اچھے برے ہر طرح کے اعمال کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جواب دہ ہے۔

---

(1) میثاق اس عہد و پیمان کو کہتے ہیں جو قسموں کے ساتھ موکد ہو۔ (راغب) نیز۔ میثاق الست کے لئے دیکھئے سورۃ اعراف۔ 172

(2) تفصیل کے لئے دیکھئے سورۃ ال عمران۔ 81

Marfat.com

3۔ اس عالم دنیا کے بعد اللہ تعالیٰ ایک اور عالم بنائے گا اور اس میں پوری نوع انسانی کو' جو ابتدائے آفرینش سے قیامت تک زمین پر پیدا ہوئی تھی' بیک وقت دوبارہ پیدا کرے گا اور سب کو جمع کر کے ان کے اعمال کا حساب لے گا اور سزا و جزا دے گا۔

4۔ خدا کے اس حساب و کتاب کی رو سے نیک لوگ جنت میں اور بد دوزخ میں بھیجے جائیں گے۔

5۔ کامیابی کا معیار محض دنیا میں کامیابیاں حاصل کرنا نہیں اور نہ دنیا کی خوشحالی اور بدحالی اس کا اصل معیار ہے۔ بلکہ کامیاب انسان وہ ہے جو دنیا میں خدا اور اس کے رسول کے بتلائے ہوئے راستے پر گامزن رہ کر آخرت میں اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کی رو سے بھی کامیاب ٹھہرے اور ناکام وہ ہے جو وہاں ناکام ٹھہرایا جائے۔

یہ ہیں وہ باتیں جن کا تعلق دنیا کے ساتھ ساتھ آخرت سے بھی ہے۔ اور درحقیقت انسان کی اخروی زندگی ہی دائمی زندگی ہے۔ چاہے وہ جنت کا انعام ہو یا دوزخ کی سزا وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَان۔

یہ دنیا ایک امتحان گاہ

اللہ تعالیٰ نے موت اور زندگی دونوں کی تخلیق فرمائی اور مقصد یہ تھا کہ:

خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا۔ (سورۃ ملک۔2)

"تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں زیادہ اچھے عمل کون کرتا ہے (اور برے کون؟")

یہی بات سورۃ ہود (آیت 7) میں کہی گئی ہے۔ نیز سورۃ انعام میں ارشاد فرمایا:

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلٰئِفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِيَبْلُوَكُمْ فِي مَا اٰتٰكُمْ۔ (انعام۔ 156)

"وہی خدا ہے جس نے تمہیں زمین میں نائب بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض پر درجات میں فضیلت دی تاکہ تمہاری آزمائش کی جائے اس چیز میں جو تمہیں عطا ہوئی۔"

تو گویا پوچھ گچھ اس بارے میں ہونی ہے جو کچھ اس دنیا میں کسی کو عطا ہوا۔ اگر

Marfat.com

کسی کو لاکھوں کروڑوں کا مالک بنایا گیا تو اس سے لاکھوں کروڑوں کا حساب لیا جائے گا اور اگر کسی کو چند ٹکوں سے نوازا گیا تو اس کا حساب اس کے مطابق لیا جائے گا کہ آیا ہر کوئی اتنا کچھ پا کر اللہ کا شکر گزار اور اس کے احکامات کا پابند رہا یا نہیں۔ اگر ایک نادار ناداری پر اللہ کا شکر گزار ہونے کی بجائے اللہ کی شاکی رہا تو اس نے بھی عبدیت کا حق ادا نہ کیا اور جس نے لاکھوں کا مالک ہو کر اللہ کی شکر گزاری اور اس کے احکامات کو نظرانداز کیا۔ تو وہ بھی گھاٹے میں رہا چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَاۗءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ۭ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ○ (انعام۔ 53)

"اور اس طرح ہم نے بعض کو بعض کے ذریعے آزمائش میں ڈالا تاکہ یہ لوگ کہیں کہ کیا اللہ نے ہم میں سے ان لوگوں پر چن کر احسان کیا۔؟ تو کیا (اے لوگو) اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو اچھی طرح جانتا نہیں؟"

پھر اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ قرآن حکیم میں اس بات کی بھی وضاحت کر دی ہے کہ محض مسلمان ہونے کا اقرار کرنے سے جان نہیں چھوٹ سکتی:

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ○ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ○

(عنکبوت۔ آیت 2۔ 3)

"یعنی کیا لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ وہ صرف یہ کہنے پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ "ہم ایمان لائے" اور ان کی جانچ نہ ہو گی؟۔۔۔ اور بیشک ہم نے ان سے پہلے لوگوں کو بھی آزمائش میں ڈالا تھا پس (اسی طرح ان لوگوں کو بھی آزمائش میں ڈال کر) اللہ تعالیٰ سچے لوگوں کا بھی پتہ چلائے گا اور جھوٹے لوگوں کا بھی۔"

سورۃ تغابن میں فرمایا کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہیں اس لئے عطا کی گئی ہے تاکہ تمہاری آزمائش کی جا سکے کہ تم مال اور اولاد پا کر اللہ کی حدود میں رہتے ہوئے اس کے حقوق ادا کرتے ہو یا نہیں اور یاد رکھو کہ اللہ کے ہاں بہت بڑا اجر ہے۔ (آیت

Marfat.com

(15

پھر اس نے انسانوں کو بتلایا دیا کہ:

وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً وَإِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ۝ (انبیاء۔35)

"اور ہم تمہیں برائی اور بھلائی پہنچا کر آزماتے ہیں اور (یاد رکھو کہ آخر) تمہیں ہمارے پاس ہی پلٹ کر آنا ہے۔"

سورۃ عنکبوت میں ارشاد فرمایا کہ:

وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ۝ ( )

"اور (آزمائش کرکے) اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا بھی پتہ چلائے گا اور منافقوں کو بھی معلوم کرکے رہے گا۔"

آخرت کا وعدہ

یہ دنیا کارگاہ ہے۔ یہاں یقین کے ساتھ جو بھی کوئی عمل کرے گا اس کے اچھے برے نتائج ضرور مرتب ہوں گے دنیا بھی (جو عارضی ہوں گے) اور آخرت میں بھی (جو دائمی ہوں گے۔)

وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ۝ (سورہ فتح 13)

"اور جو کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ پر ایمان نہ لائے تو ہم نے (ایسے) کافروں کے لئے دوزخ کی سخت آگ تیار کر رکھی ہے۔"

کیونکہ جو لوگ ایمان باللہ اور ایمان بالرسول کی دولت سے محروم رہتے ہیں دنیا میں ان کے نیک اعمال بھی ضائع ہو جاتے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝ (محمد۔1)

"جن لوگوں نے (اللہ اور رسول کے معاملے میں) کفر کا راستہ اختیار کیا اور (دوسروں کو بھی) اللہ کی راہ اختیار کرنے سے روکتے رہے ان کے (اچھے اور نیک) اعمال (بھی) اکارت گئے۔"

Marfat.com

اللہ اور اس کے رسول ؐ کے منکروں کی دنیوی زندگی کی مثال اللہ تعالیٰ یوں دیتا ہے۔

وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا یَتَمَتَّعُوْنَ وَیَاْکُلُوْنَ کَمَا تَاْکُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًی لَّهُمْ۔ (محمد۔ 12)

"اور جو لوگ کافر ہوئے وہ دنیا کے مال و متاع سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور کھاتے پیتے مزے اڑاتے ہیں اور ان کا کھانا پینا ایسے ہی ہے جیسے ڈنگر ڈھور کھاتے پیتے ہیں اور (ان کی زندگی جانوروں کی طرح ہے لیکن جانوروں کا حساب کتاب نہیں ہو گا۔ نہ ان کو آخرت میں کوئی سزا ملے گی البتہ) ان کافروں کا آخری ٹھکانا دوزخ ہے۔"

اسی طرح قرآن حکیم میں انسانی زندگی کے کافرانہ اور مشرکانہ اور منافقانہ اعمال کے ہولناک نتائج سے ڈرایا گیا ہے اور اسے انذار کہتے ہیں۔ دوسری طرف اہل ایمان کو آخرت میں خوشخبری سنائی گئی ہے جسے تبشیر کہا جاتا ہے۔ ہر نبی منذر (ڈرانے والا) بھی تھا اور مبشر (بشارت دینے والا) بھی پس حضور علیہ السلام کو بشیر اور نذیر بھی کہا گیا ہے۔ چنانچہ سورۃ العمران میں فرمایا:

زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِیْنَ وَالْقَنَاطِیْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَیْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ○ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَیْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ لِلَّذِیْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِ○ (14۔ 15)

"لوگوں کے لئے مرغوبات نفس ۔۔۔۔۔ عورتیں اور اولاد نرینہ اور سونے چاندی کے ڈھیر اور چیدہ چیدہ گھوڑے اور مویشی اور زرعی زمینیں ۔۔۔۔ بڑی خوش آیند بنا دی گئی ہیں یہ سب اس چند روزہ دنیا کی زندگی کا سامان ہے۔ (یہ ٹھکانہ عارضی ہے) اور بہتر ٹھکانا تو اللہ ہی کے پاس ہے۔ (اے نبی ؐ!) فرما دے (اے لوگو!) بھلا میں

Marfat.com

تمہیں ان سے زیادہ اچھی چیز بتاؤں؟ جو ان لوگوں کے لئے ان کے رب کے پاس ہے جو تقویٰ کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ وہ ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ وہ ہمیشہ وہاں رہیں گے اور وہاں پاکیزہ بیویاں ان کی رفیق ہوں گی اور اللہ کی خوشنودی بھی حاصل ہو گی۔ اور (یاد رکھو کہ) اللہ تعالیٰ (اس دنیا میں) اپنے بندوں پر بڑی گہری نظر رکھے ہوئے ہے۔"

حضور علیہ السلام سے صاف صاف ارشاد فرمایا جا رہا ہے:

وَقُلْ لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَ اَسْلَمْتُمْ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِاهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ ○ (العمران - 20)

"اور (اے نبیؐ!) فرما دے ان لوگوں کو جن کو کتاب دی گئی تھی اور ان کو بھی جن کو کوئی کتاب نہ دی گئی' کہ "بھلا تم لوگ اسلام قبول کرتے ہو؟" پس اگر وہ اسلام قبول کر لیتے ہیں تو گویا وہ راہ راست پر آ گئے۔ اور اگر منہ پھیر جاتے ہیں تو (ان کی بدقسمتی کیونکہ) آپؐ کی ذمہ داری ان تک اللہ کا پیغام پہنچانے تک تھی اور (یاد رکھو کہ) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑی گہری نظر رکھے ہوئے ہے۔"

تو گویا ایک نبی کا فریضہ لوگوں کو راہ راست بتلانا ہوتا ہے۔ پھر جو کوئی اس راہ پر چل پڑا وہ آخرت کی زندگی میں کامیاب ہو گا۔ اور جس نے روگردانی کی اور انکار کیا وہ اپنے کئے کی سزا پائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں آخرت کا نقشہ جا بجا اس طرح کھینچا ہے کہ اس کی پوری تصویر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ جنت کا نقشہ ہو یا جہنم کا۔ مقام غور و فکر ہے:

1۔ اس دن سے ڈرو جب کوئی کسی کے کچھ کام نہ آئے گا اور نہ اس کی سفارش سنی جائے گی اور نہ بدلے میں کچھ لے کر چھوڑا جائے گا اور نہ (کسی کو) کسی کی مدد

Marfat.com

کرنے کی اجازت ہو گی۔ (بقرہ۔ 48)

2۔ جس دن کچھ چہرے سفید ہوں گے اور کچھ چہرے سیاہ ہوں گے۔ تو جن کے چہرے سیاہ ہوں گے تو ان سے کہا جائے گا کہ تم لوگ (روز الست میں ایمان لانے کے بعد دنیا میں آکر کافر ہو گئے یا دنیا میں) ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے تھے تو اب اپنے کفر کی پاداش میں اللہ کا عذاب چکھو۔ (العمران۔ 106)

3۔ جس دن قیامت کا بگل بجایا جائے گا اس دن (صرف اور صرف) اللہ تعالیٰ کی بادشاہی ہو گی۔ (انعام۔ 73)

پیدائش سے موت تک

اللہ تعالیٰ کی بادشاہی تو ہمیشہ کے لئے ہے۔ جب انسان دنیا میں پیدا ہوتا ہے تو ہر انسان کی حفاظت کا انتظام بھی اس نے اپنے ذمے لے رکھا ہے۔

اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ۔ (طارق۔ 4)

"کہ کوئی متنفس بھی ایسا نہیں جس پر نگہبان مقرر نہیں۔"

اسی طرح سورۃ انعام میں ارشاد ربانی ہے۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً حَتّٰى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ۔ (انعام۔61)

"اور اللہ اپنے بندوں پر غالب ہے اور تم پر نگہبان مقرر کئے رکھتا ہے حتی کہ جب تم میں سے کسی کی موت آتی ہے تو اسے ہمارے فرشتے ہی موت سے ہمکنار کرتے ہیں اور وہ کسی طرح کی کوتاہی نہیں کرتے۔"

پھر اس کے بعد یہ ہوتا ہے:

ثُمَّ رُدُّوْآ اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰهُمُ الْحَقِّ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ۝

(انعام۔ 62)

"پھر وہ سب اپنے مالک برحق اللہ تعالیٰ کے پاس واپس بلائے جائیں گے۔ سن لو کہ حاکمیت اسی کی ہے اور وہ بڑی جلدی حساب لینے والا ہے۔"

Marfat.com

اللہ اور اس کے رسول کے تابع فرمان لوگوں کو موت کا نقشہ یوں کھینچا گیا ہے۔

اَلَّذِیْنَ تَتَوَفّٰھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ طَیِّبِیْنَ یَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَیْکُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّۃَ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ○ (نحل 33)

"یہ وہ لوگ ہیں کہ جب فرشتے ان کی جانیں نکالتے ہیں جو (کفرو شرک اور نافرمانی اور سرکشی سے) پاک اور صاف ہوتے ہیں تو فرشتے ان کو "سلام علیکم" کہتے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ اپنے (نیک) اعمال کے بدلے میں تم جنت میں داخل ہو جاؤ۔"

کفار اور متکبر اور اللہ و رسول کے نافرمانوں کی روح قبض کرنے کا نقشہ اس طرح سامنے لایا گیا ہے:

اَلَّذِیْنَ تَتَوَفّٰھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِھِمْ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا کُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ بَلٰٓی اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ○ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَھَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا فَلَبِئْسَ مَثْوَی الْمُتَکَبِّرِیْنَ○ (نحل 28 29)

"یہ وہ لوگ ہیں جب فرشتے ان کی روحیں قبض کرنے لگتے ہیں' جنہوں نے اپنی جانوں پر خود ہی ظلم کیا ہوتا ہے'۔ تو اس وقت یہ لوگ بڑے مطیع اور فرمانبردار ہو جاتے ہیں (اور کہتے ہیں)" ہم نے تو کبھی کوئی برا کام کیا ہی نہ تھا۔" (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) ہاں ہاں! اللہ کو خوب علم ہے جو کچھ تم لوگ کیا کرتے تھے۔" پس اپنے (برے اعمال کی پاداش میں) اب جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ' ہمیشہ اس میں رہو گے" (پھر اللہ تعالیٰ لوگوں کی توجہ مبذول کرواتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے) تو واقعی کتنا برا ٹھکانا ہے۔ متکبرین کا۔"

ایسے لوگوں کی موت کا نقشہ سورہ انفال (آیت 50) سورہ محمد (آیت۔ 47) نساء (آیت۔ 97) کے علاوہ اور بھی مختلف مقامات پر اس دنیا والوں کے سامنے پیش کرکے درس عبرت دینے کی سعی کی

Marfat.com

گئی ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

ایک دن کی زندگی ہے زندگی کی داستان

جس طرح پو پھوٹتی ہے۔ سویرا ہوتا ہے۔ پھر سورج نکلتا ہے۔ دوپہر ہوتی ہے سہ پہر ہونے کے بعد آخر سورج غروب ہو جاتا ہے اور پھر رات کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ایک انسان بطن مادر سے آغوش مادر میں آتا ہے پھر بچپن اور لڑکپن اور جوانی' عائلی زندگی' کہولت' بڑھاپا اور آخر زندگی کا سورج غروب ہو جاتا ہے۔ تو اس طرح گویا انفرادی طور پر قیامت آجاتی ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جو شخص فوت ہو گیا اس پر گویا قیامت آگئی۔

قیامت

موت کا انفرادی عمل اپنی جگہ اٹل ہے اور صدیوں اور قرنوں سے جاری ہے۔ لیکن ایک موت کائنات کو بھی آنی ہے۔

وَالْاَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌ بِیَمِیْنِهٖ۔۔۔۔ (زمر 67)

وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ نُفِخَ فِیْهِ اُخْرٰی فَاِذَا هُمْ قِیَامٌ یَّنْظُرُوْنَ ○ (زمر 68)

"اور قیامت کے دن تمام زمین اللہ کی مٹھی میں ہو گی اور آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوں گے۔ اور صور پھونکا جائے گا تو آسمان اور زمین کے سب جاندار بیہوش ہو کر پڑیں گے مگر جس کو چاہے اللہ۔ پھر دوسری دفعہ صور پھونکا جائے گا تو اسی وقت سب لوگ اٹھ کر دیکھنے لگیں گے۔"

قیام قیامت کا نقشہ سورہ انشقاق میں اس طرح کھینچا گیا ہے۔

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ۔۔۔۔ تا لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ (آیت 51)

Marfat.com

"جب آسمان پھٹ جائے گا اور اپنے رب کے حکم کی تعمیل کرے گا اور اسے کرنا بھی ایسے ہی چاہئے ہو گا اور جب زمین ہموار کر دی جائے گی اور جو کچھ اس میں ہے' اسے وہ نکال کر باہر ڈال دے گی اور بالکل خالی ہو جائے گی اور اپنے رب کے ارشاد کی تعمیل کرے گی اور اسے کرنا بھی ایسے ہی چاہیے ہو گا۔ (تو اس وقت قیامت برپا ہو جائے گی۔)"

سورۃ انفطار میں یہی نقشہ اس طرح ہے:

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۝ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۝ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۝ وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ۝ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ ۝ (پارہ 30)

"جب آسمان پھٹ جائے گا۔ اور جب تارے جھڑ پڑیں گے اور جب (دریا اور) سمندر بہہ کر ایک دوسرے سے مل جائیں گے اور جب قبریں اکھیڑ دی جائیں گی تب ہر شخص کو معلوم ہو جائے گا کہ اس نے آگے کیا بھیجا تھا اور (اپنی کمائی میں سے) پیچھے کیا چھوڑا تھا۔"

کچھ اسی قسم کی صورت حال قدرے زیادہ تفصیل کے ساتھ سورہ تکویر (پارہ 30) میں بیان کی گئی ہے۔

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ۝ وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۝ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۝ وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ۝ وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝ وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ۝ وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۝ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝ وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۝ وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ ۝ وَاِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ ۝ وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ ۝ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ ۝ (آیت 1 تا 14)

"جب سورج لپیٹ لیا جائے گا اور جب تارے بے نور ہو جائیں گے اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے اور جب بیانے (سونے) والی

Marfat.com

اونٹنیاں بیکار ٹھہریں گی (یعنی ان کا مالک بننے والا کوئی نہ ہو گا) اور جب وحشی جانور (چرندے اور درندے قیامت کے خوف کی وجہ سے ایک دوسرے کو پھاڑ کھانے اور ڈرنے کی بجائے بھوک اور پیاس سے سب کچھ بھول کر چپ چاپ ایک ہی جگہ) اکٹھے ہو جائیں گے اور جب سمندروں کو آگ لگ جائے گی اور روحوں کو بدنوں سے ملا کر دوبارہ زندہ کر دیا جائے گا اور (لوگوں کے) اعمالنامے ظاہر کر دیئے جائیں گے اور جب آسمان کی کھال کھینچ لی جائے گی اور جب دوزخ کو سلگایا جائے گا اور جب بہشت کو قریب لایا جائے گا تو اس وقت ہر شخص کو پتہ چل جائے گا کہ وہ کیا کچھ لے کر (بارگاہ خداوندی میں) حاضر ہوا ہے۔"

سورۃ عبس میں حشر کا نقشہ اس طرح کھینچا گیا ہے:

فَإِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ○ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ○ وَأُمِّهٖ وَأَبِيهِ ○ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيهِ ○ (پارہ - 30)

"پس جب (قیامت کی) دہائی مچے گی تو اس روز بھائی اپنے بھائی سے دور بھاگے گا (کہ مبادا اس کی مدد نہ کرنی پڑ جائے کیونکہ ہر شخص کو اپنی ہی فکر لاحق ہو گی) اور (اسی طرح) اپنے والدین سے بھی۔ اور بیوی بچوں سے بھی۔"

اسی طرح سورۃ مرسلات میں ہے:

"تو جب تاروں کی چمک جاتی رہے اور جب آسمان پھٹ جائے اور جب پہاڑ اڑے اڑے پھریں اور جب پیغمبر فراہم کیے جائیں۔ بھلا (ان امور میں) تاخیر کس دن کے لئے کی گئی تھی۔ اسی فیصلے کے دن کے لئے۔" (77 = 8 تا 13)

یہی فیصلے کا دن ہے (جس میں) ہم تمہیں اور پہلے والے لوگوں

Marfat.com

(سب) کو جمع کریں گے تو آج تم میرے ساتھ کوئی داؤ پیچ جانتے ہو تو آزمالو۔ (لوگو!) اس روز (قیامت کے دن) جھٹلانے والوں کا انجام بڑا خراب ہے۔" (77 - 38 تا 40)

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو موت یاد دلائی ہے کہ وہ بہرحال آکر رہے گی۔

1۔ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذوالجلال والاكرام۔
یعنی سب کو فنا ہونا ہے اور

2۔ پھر فرمایا کہ تم چاہے مضبوط قلعوں میں چھپ کر مقیم ہو جاؤ۔ موت بہرحال وقت مقرر پر ضرور آئے گی۔ اس سے کسی کو مفر نہیں۔ (سورۃ نساء۔ 78) (مفہوم)

پھر اجتماعی تباہی کا تصور دیا یعنی قیامت جس کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے۔ سورۃ قارعہ میں بھی ان محاکات کی پوری تفصیل ہے۔ غرض قرآن حکیم نے اِنذار کا پورا پورا حق ادا کیا ہے اور تبشیر سے بھی غفلت نہیں برتی۔

موت اور عالم برزخ

انسان مرنے کے بعد قبر میں یا جہاں بھی اسے سونپا جاتا ہے یا جہاں کہیں بھی وہ قیامت برپا ہونے تک رہے گا اس کیفیت اور مدت کو برزخ کہتے ہیں۔ روح فنا نہیں ہوتی۔ بدن فانی ہے۔ روح کو موت کے بعد عالم برزخ میں پہنچا دیا جاتا ہے۔ اور وہاں وہ اپنی پوری شخصیت کے ساتھ زندہ رہتی ہے جو اس نے دنیا میں اپنے اعمال کے ذریعے ذہنی طور پر تعمیر کی تھی۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ کی طرح ہوتی ہے۔ یا وہ جہنم کے گڑھے کی مانند ہوتی ہے۔

ایک جگہ عالم برزخ میں گنہگار لوگوں کی ایک کیفیت کو یوں بیان کیا گیا ہے:

"حتی کہ جب ان میں سے کسی کو موت آتی ہے (اور عالم برزخ میں اپنا انجام دیکھتا ہے تو) کہتا ہے کہ اے میرے رب! مجھ کو دنیا میں (پھر سے) بھیج تاکہ اب میں اس میں نیک عمل کروں۔ جسے میں چھوڑ آیا ہوں (اللہ تعالیٰ فرمائے گا) بالکل نہیں--- یہ تو اس کے

Marfat.com

کہنے کی بات ہو گی (ورنہ اگر اسے دوبارہ اس دنیا میں بھیج دیا جاتا تو بھی وہ وہی کچھ کرتا جو اس نے پہلی بار کیا۔)"

وَمِنْ وَّرَائِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ۔ (مومنون 100)

"اور ان کے پیچھے برزخ ہے (جہاں وہ) دوبارہ اٹھائے جانے تک رہیں گے۔" (مفہوم)

اعمال کی سزا اور جزا کا ذکر گذشتہ اوراق میں بھی آچکا ہے۔ تو قیامت کے دن:

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ○ (مومنون 102 ۔ 103)

"پس جس کے عملوں میں وزن ہوا تو وہ لوگ فلاح پا جائیں گے۔ (اور جنت میں ہمیشہ کے لئے بسا دیئے جائیں گے) اور جس کے عملوں میں وزن نہ ہوا تو وہی لوگ ہیں جنہوں نے (دنیا کی زندگی میں) اپنی جانیں ہار دیں (جس کی وجہ سے) اب وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔"

قرآن حکیم کا خاصہ

قرآن حکیم میں دنیا اور عقبیٰ کو الگ الگ بیان نہیں کیا گیا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے کلام کا خاصہ یہ ہے کہ اس کے طرز بیان میں ایک پر زور تاثیر پائی جاتی ہے۔ جس سے انسان کو فوری طور پر متاثر کرنا مقصود ہوتا ہے۔ ہم کہیں سے بھی قرآن حکیم کو کھول کر پڑھنا شروع کر دیں انسان کی توجہ فوراً اہم معاملات کی طرف مبذول ہونے لگتی ہے۔ اس کا انداز بیان ایسا دل نشین ہے کہ یہاں دنیا اور عقبے اور اس کے دیگر شعبوں کو الگ الگ بیان نہیں کیا گیا بلکہ زندگی' موت اور آخرت ایک دوسرے میں اس طرح پیوست ہیں کہ ایک کو دوسری سے الگ نہیں سمجھا جا سکتا۔ بلکہ ان کا ایک دوسرے کے ساتھ گہرا اور دائمی تعلق ہے۔ مثلاً قرآن کھولا تو یہ آیت پر نظر پڑی:

1۔ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ

Marfat.com

يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا O (نساء 124)

"یعنی جو کوئی مرد ہو یا عورت نیک اعمال کرے اور وہ (اللہ اور اس کے رسول پر) ایمان بھی رکھتا ہو تو ایسے ہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور تل بھر بھی ان کی حق تلفی نہ کی جائے گی۔"

دوسری جگہ سے کھولا تو یہ آیت سامنے آئی۔

2۔ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ۔۔۔ (یوسف۔ 108)

"فرمادے میرا راستہ تو یہ ہے کہ میں خدا کی طرف بلاتا ہوں۔"

تیسری جگہ یہ آیت پر نظر پڑی۔

3۔ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ O (زمر 9)

"یعنی نصیحت تو وہی پکڑتے ہیں جو عقلمند ہیں۔"

مقصد کہنے کا یہ ہے کہ قرآن حکیم کی ہر آیت' بلکہ اس کا ہر حصہ اپنے سیاق و سباق کے ساتھ ایک ربط بھی رکھتا ہے اور یہ اعجاز قرآن ہی کو حاصل ہے کہ اگر اس کی آیتوں کو ملا کر پڑھا جائے یا کسی آیت کے الگ ٹکڑے پر غور کیا جائے تو وہ بھی اپنی جگہ حکمت و موعظت اور علم و عرفان کا خزانہ لئے ہوئے ملے گا۔ جس میں جو بات بھی بیان کی گئی ہو گی۔ وہ خواہ کسی بھی مرحلے سے متعلق ہو۔ اس کا تعلق انسان کی دنیوی اور اخروی بھلائی سے ضرور ہوتا ہے۔ اس میں توحید الٰہی پر زور دیا گیا ہو یا رسالت کے فرائض کی بجا آوری کا تذکرہ ہو یا کسی قوم کی بہتری کا فارمولا ہو۔ کسی کی دنیا کو سنوارنے کا عندیہ ہو ان سب امور کا تعلق انسان کی آخرت سے ضرور قائم ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے قانون فطرت کی رو سے ہر شئے اپنی تکمیل کی طرف رواں دواں ہے اور جو کوئی تکمیل کے مرحلوں میں سے گزر رہا ہے اسے بھی ایک دن مکمل ہو کر اپنے انجام کو پہنچنا ہے۔ اور یہ سلسلہ کبھی نہیں رکے گا۔

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ O وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ O الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ O ۔ (37: 180۔ 182)

Marfat.com

یہ دنیا دار العمل ہے

دنیا میں اسی کو بزرگی ملتی ہے اور اس کا انجام بخیر ہوتا ہے اور اسی کو بلند درجہ ملتا ہے جو دنیا کی عارضی زندگی پر راضی نہ ہو کیونکہ اعلیٰ اور عمدہ چیزیں حقیر اور ذلیل چیزوں سے نہیں بدلی جاتیں۔ جو شخص دنیا' دنیا داروں اور دنیا کی ظاہری زیب و زینت کو ترجیح دیتا ہے' پیغمبروں' صدیقوں اور شہیدوں کی رفاقت کو پسند نہیں کرتا' وہ ہمیشہ گھاٹے میں رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَاَمَّا مَنْ طَغٰی وَاٰثَرَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا فَاِنَّ الْجَحِیْمَ هِیَ الْمَاْوٰی (79۔37)

جو شخص نافرمانی کرتا ہے' دنیا کی زندگی اختیار کرتا ہے اس کی آخری جگہ (ٹھکانا) دوزخ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو عذاب سے ڈرا کر اور ثواب کا وعدہ دے کر اپنی توحید اور عبادت کی طرف توجہ دلائی ہے۔ لوگوں پر حجت قائم کرنے اور ان کے عذر دور کرنے کے لئے ان کو ڈرایا' دھمکایا اور خوفزدہ کیا ہے۔ فرمایا:

رُسُلاً مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ لِئَلاَّ یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ۔ (نساء ۔ 165)

ہم نے پیغمبروں کو بھیجا' جو لوگوں کو بہشت کی خوش خبری دیتے اور دوزخ سے ڈراتے ہیں۔ پیغمبروں کو اس لیئے بھیجا کہ حجت پوری ہو جائے اور لوگوں کے لئے عذر کی گنجائش نہ رہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَوْ اَنَّا اَهْلَکْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَاۤ اَرْسَلْتَ اِلَیْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰیٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰی۔ (طٰہٰ۔ 134)

اگر ہم پیغمبر بھیجنے سے قبل ان لوگوں کو عذاب میں مبتلا کر دیتے تو یہ کہتے' اے اللہ! تو نے ہمارے پاس کوئی پیغمبر نہ بھیجا کہ ہم اس کی پیروی کرتے' اور ذلیل و رسوا ہونے سے قبل تیری نشانیوں کو دیکھ

Marfat.com

کر تیری راہوں پر چلتے۔

ایک اور جگہ فرمایا:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (17 - 15)

جب تک ہم پیغمبر مبعوث نہ کرلیں عذاب نہیں دیتے۔

فرمایا:

يٰاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ۔ (یونس۔ 57)

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی نصیحت آئی اور جو کچھ تمہارے سینوں میں ہے اس کے لئے شفا نازل ہوئی اور سیدھی راہ اور رحمت ان کے لئے جو مومن ہیں۔

خوف دلانے اور ڈرانے کے بارے میں فرمایا:

وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ۔ (آل عمران۔ 30)

اللہ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے' اور وہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔

حیات بعد الممات اور ثواب و عذاب کی بنیاد

یاد رکھو' دوزخ میں جانے کا سبب کفر ہے۔ عذاب کی کمی بیشی اور دوزخ کے درجوں کی زیادتی کا دارومدار اس دنیا میں کئے گئے برے اعمال اخلاق پر ہے۔ بہشت میں جانے کا ذریعہ ایمان ہے۔ بہشت کی نعمتوں کی عمدگی اور اس کے درجات کی زیادتی کا دارومدار اچھے اعمال اور اچھے اخلاق پر ہے۔

اللہ تعالٰی نے بہشت کو پیدا کیا اور اس میں رہنے والوں کے اجر اور ثواب کے لئے اس میں طرح طرح کی نعمتیں پیدا کردیں۔ دوزخ کو پیدا کرکے عذاب سے بھر دیا تاکہ اس میں رہنے والے سزا پاسکیں۔

اللہ تعالٰی نے ہی دنیا کو پیدا کیا اور اس میں طرح طرح کی آفتیں اور نعمتیں پیدا کیں' تاکہ اہل دنیا کو آزمائے۔ انسان کو بھی اسی نے پیدا کیا۔ بہشت اور دوزخ بھی اسی نے بنائے مگر یہ ابھی تک پوشیدہ ہیں۔ کسی انسان نے اسے نہیں دیکھا۔ دنیا کی نعمتیں اور

Marfat.com

زحمتوں کا ادنیٰ نمونہ ہیں' جنہیں ہر کوئی دیکھتا اور چکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی دنیا میں انسانوں میں بادشاہ پیدا کئے۔ جو دوسرے لوگوں پر حکومت کرتے ہیں۔ ان کے ڈر اور خوف سے لوگ تھرتھراتے ہیں۔ وہ رعایا کے جان و مال پر حکومت کرتے ہیں۔ یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ کی تدبیر' اس کی حکمت اور اس کی بادشاہی کا نمونہ ہیں۔ ان سب باتوں کی خبر قرآن میں دی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے دونوں جہانوں کی تعریف بیان کر دی ہے۔ اپنے ملک اپنی قدرت' تدبیر' احسان اور اپنے کاری گروں کے اوصاف بیان فرما رہے ہیں۔ انہیں مثالیں دے کر سمجھایا ہے۔ مثلاً فرمایا:

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا اِلاَّ الْعَالِمُوْنَ۔ (عنکبوت۔ 43)

لوگوں کے لئے ہم مثالیں بیان کرتے ہیں۔ جنہیں صرف عالم اور دانا ہی سمجھ سکتے ہیں۔

پس جو لوگ خدا کو جانتے اور اس پر ایمان رکھتے ہیں وہی اس کی مثالوں کو سمجھتے ہیں۔ مثال اسے کہتے ہیں کہ جو چیز تم نے نہیں دیکھی' اسی کی مانند کوئی اور شے تمہیں دکھا دی جائے تاکہ اس ان دیکھی شے کی حقیقت کا علم ہو سکے' تمہارا دل اسے جان سکے۔۔۔۔۔ پس دنیا کی تمام نعمتیں اور لذتیں بہشت اور اس کی لذتوں کا نمونہ ہیں۔ ان نعمتوں کے علاوہ بہشت میں ایک اور ایسی چیز ہے جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے نہ ہی دل میں اس کے متعلق خیال گزر سکتا ہے۔ اگر اس نعمت عظمیٰ کا نام بھی لیا جائے تو کچھ فائدہ نہیں' کیونکہ نام لینے سے بھی وہ کسی کی سمجھ میں نہیں آسکتی۔ نہ کسی نے اسے دیکھا ہے نہ اس کی کوئی مثال اور نمونہ موجود ہے۔

بہشت کی نعمتیں

بہشت کے سو درجے ہیں' ان میں سے تین کی تعریف یہ بیان کی گئی ہے کہ ایک درجہ سونے کا ہے' دوسرا چاندی کا اور تیسرا نور کا۔ اس سے زیادہ کا علم نہیں' نہ ہی انسان کی عقل اسے جان سکتی ہے۔ اسی طرح سختی اور عذاب کی جو چیزیں دنیا میں ہیں آخرت کے عذاب کا نمونہ ہیں۔ اس کے علاوہ کئی اور عذاب بھی ہیں جنہیں سمجھنے سے عقل عاجز ہے۔ یہ سب عذاب اللہ کے غضب کے باعث نازل ہوتے ہیں اور بہشت کی لذتیں اور نعمتیں اللہ کی رحمت کے باعث ملتی ہیں۔ جو لوگ دنیا کی مباح چیزیں کھاتے ہیں اور اللہ کا

Marfat.com

شکر ادا کرتے ہیں' انہیں بہشت میں ایسی چیزیں کھلائی جائیں گی جن کے سامنے دنیاوی چیزیں بے حقیقت ہیں۔ اور جو لوگ ایسی چیزیں دنیا میں کھاتے ہیں جو مباح نہیں۔ وہ اپنے آپ کو بہشت سے محروم رکھتے ہیں۔ جو لوگ بہشت کے درجوں اور اس کی نعمتوں کو جھٹلاتے ہیں ان پر بہشت اور اس کی چیزیں حرام ہیں۔ اہل بہشت کے لئے بہشت میں عروسیں ہیں' ولیمے ہیں' مہمانیاں ہیں اور عروسیں دعوت کے لئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بہشت کی طرف اس لئے بلایا ہے کہ ان کے جسموں کو از سر نو ہمیشہ کے لئے ترو تازگی عطا کرے۔ ہمیشہ کی زندگی بخشے۔

بہشتیوں کی بیویوں کے لئے ولیمے کی دعوتیں ہیں۔ آپس کی زیارتوں اور ملاقاتوں کے لئے ان کی مہمانیاں ہیں تاکہ وہ آپس میں باتیں کریں۔ وہاں کے آرام و آسائش کی جگہ کا لطف اٹھائیں۔ طوبیٰ کے درخت کے نیچے جمع ہو کر اس کے سایہ میں آرام کریں' اس لئے کہ وہاں پیغمبروں کی زیارت ہو گی اور بہت خوشی حاصل ہو گی۔ وہاں فرشتوں کی مجلس بھی ہو گی۔ اہل بہشت کے لئے وہاں بازار ہوں گے' تاکہ ان میں سیرو تفریح کریں۔ اوقاتِ نماز میں انہیں اللہ کی جانب سے عمدہ اور پسندیدہ چیزیں ہدیہ کے طور پر ملیں گی۔ ہر جگہ کھانے پینے کے میوے موجود ہوں گے۔ اللہ انہیں رزق دے گا جس کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہو گا۔ کوئی رکاوٹ نہ ہو گی بلکہ اس میں ترقی اور فراخی ہی ہوتی جائے گی۔

دوزخ اور اہل دوزخ

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آں حضرت ﷺ نے فرمایا' قیامت کے روز جب ساری مخلوق ایک میدان میں جمع ہو گی ان پر ایک تاریکی چھائے گی۔ ایسی تاریکی جس میں کوئی آدمی دوسرے کو نہ دیکھ سکے گا۔ تمام مخلوق اس تاریکی میں سرو قد کھڑی ہو گی۔ مخلوق اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ستر برس کی راہ کا فاصلہ ہو گا۔ اس تاریکی میں اللہ تعالیٰ اچانک اپنے فرشتوں پر جلوہ ڈالے گا' جس سے تاریکی دور ہو کر میدان حشر اللہ کے نور سے روشن ہو جائے گا۔ ہر جگہ اللہ کا نور پھیل جائے گا۔ اس وقت فرشتے عرش کے گرد طواف کرنے اور اللہ کی تسبیح بیان کرنے میں مصروف ہوں گے۔ اللہ کی تمام مخلوق صف باندھے کھڑی ہو گی۔ ہر امت کے لوگ اپنی اپنی جگہ ادب سے کھڑے ہوں گے۔ اسی جگہ ان کے اعمال نامے ان کے سامنے کئے جائیں گے۔ میزان عدل بھی حاضر کیا

Marfat.com

جائے گا۔ ایک فرشتہ اس ترازو کو پکڑ کر کبھی نیچے کرے گا کبھی اوپر۔

بہشت کا دیدار

آنحضرتؐ نے فرمایا جب لوگ زانوں کے بل گریں گے اور دوزخ مست اونٹ کی طرح بے تاب ہو کر ان پر حملہ کرنے کو ہو گی تو پکارنے والا پکارے گا اور پیغمبرؑ' صدیق' شہید اور صالح اٹھ کھڑے ہوں گے۔ پھر ساری مخلوق حاضر کی جائے گی اور جس جس نے مظالم کئے ہوں گے' ان کو ان کا بدلہ دیا جائے گا۔ دوسری مرتبہ لوگوں کو پیش کیا جائے گا۔ اس مرتبہ روحیں اور جسم آپس میں تکرار کریں گے۔ جسم روحوں پر غلبہ پالیں گے۔ پھر تیسری مرتبہ پیش کئے جائیں گے۔ ان کے اعمال نامے از خود اڑ کر ان کے ہاتھوں میں پہنچ جائیں گے۔ بعض کو دائیں ہاتھ میں بعض کو بائیں میں اور بعض کو پیٹھ کے پیچھے سے ملیں گے۔

اچھے لوگ

جنہیں اعمالنامہ دائیں ہاتھ میں ملے گا انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نور عطا ہو گا۔ فرشتے انہیں بزرگی کی مبارکباد دیں گے اور اس بزرگی کے باوصف یہ لوگ پل صراط سے خوش خوش گزر جائیں گے۔ جب بہشت کے دروازے پر پہنچیں گے تو دربان تعظیم بجالائیں گے بہشتی لباس' تیز رفتار گھوڑے اور مرصع زیور ان کو پیش کریں گے۔ پھر جدا ہو کر اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں گے۔ اپنے اپنے علاقوں میں خوشیاں منائیں گے۔ وہاں اپنی بیویوں کے پاس جائیں گے وہاں ایسی چیزیں دیکھیں گے جو پہلے کبھی نہ دیکھی ہوں گی اور ان کی تعریف بیان کرنے سے عاجز ہوں گے۔ ایسی چیزیں دیکھیں گے جو خواب و خیال میں بھی نہ آئی ہوں گی۔ غرض وہاں بہشتی کھانے کھائیں گے۔ لباس اور خوبصورت زیور سے زینت پائیں گے اپنی بیویوں سے بغل گیر ہوں گے۔ اس مدت تک جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے مقرر کی ہے۔ عیش و طرب کے مزے اٹھائیں گے اللہ کی حمد بیان کریں گے اور اس کا شکر ادا کریں گے' جس نے ہمیشہ کے لئے ان کا رنج و غم دور کرکے امن میں رکھا اور ان کا حساب ان پر آسان کر دیا۔ انہیں اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرنے کی توفیق دی گئی' کیونکہ اللہ نے ہی انہیں سیدھی راہ دکھائی اور یہ نعمت عطا فرمائی' اگر وہ انہیں سیدھی راہ نہ دکھاتا تو یہ لوگ کبھی منزل مقصود تک نہ پہنچتے۔ چنانچہ ان کی

Marfat.com

آنکھوں کو اس سبب سے ٹھنڈک نصیب ہو گی کہ وہ دنیا سے اپنے ساتھ نیک توشہ لائے' اللہ پر ایمان لائے نجات پانے والے نجات پا گئے اور کافر ہلاک ہوئے۔

برے لوگ

جن لوگوں کو بائیں ہاتھ میں اعمال نامے ملے یا پشت کی طرف سے دیئے گئے' ان کے چہرے کالے اور آنکھیں نیلی ہوں گی۔ ان کے سینوں پر داغ دیئے جائیں گے۔ ان کے جسم پھول کر چمڑے پر ورم آجائے گا وہ ہلاکت چاہیں گے' جب اپنے اعمال ناموں اور ان میں لکھے ہوئے گناہوں کو دیکھیں گے تو جان لیں گے کہ جس قدر کبیرہ یا صغیرہ گناہ انہوں نے کئے وہ سب کے سب اس میں درج ہیں۔ کوئی گناہ ایسا نہیں جو درج ہونے سے رہ گیا ہو' ان کے دل سیاہ ہو جائیں گے ان کا خوف اور غم بڑھ جائے گا۔ سرنگوں ہو جائیں گے' آنکھیں خیرہ ہو جائیں گی' گردنیں نیچی ہوں گی اور دز دیدہ نظروں سے دوزخ کی طرف دیکھیں گے۔ آگ کی طرف سے آنکھیں ہٹائیں گے نہیں' اس لئے کہ وہ خوفناک حادثہ سے دوچار ہونے والے ہوں گے۔ آگ کی طرف ان کی ٹکٹکی بندھی ہو گی۔ یہ حادثہ ان لوگوں کے دم کو روکنے والا ڈرانے اور خوار کرنے والا ہو گا۔ وہ بے حد غم کریں گے' خون کے آنسو روئیں گے' اس وقت اللہ تعالیٰ کا بندہ ہونے اور اپنے گناہوں کا اقرار کریں گے۔ (غنیتہ الطالبین صفحہ 288' 292' 293' 298' اور 301)

دنیا میں تقویٰ اور پرہیز گاری کی شرائط

غنیتہ الطالبین میں شیخ عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں کہ تقویٰ اور پرہیز گاری کی شرائط قرآن کریم میں بیان کر دی گئی ہیں۔ یعنی:

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ○

"تمہاری نیکی مشرق و مغرب کی طرف منہ کرنے کی بجائے اللہ' یوم

Marfat.com

آخر اور اس کے فرشتوں' اس کی کتابوں اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لانے۔ اور اپنے مال کو اللہ تعالی کی محبت میں غریبوں' یتیموں' مسافروں' سائلوں اور غلاموں کو آزاد کرنے میں صرف کرنے میں ہے۔ کہ وہ نماز ادا کرے' زکوۃ دے اور عہد کرکے اسے پورا بھی کرے تکلیفوں اور مصیبتوں میں صبر کرے' خدا سے ڈرے۔ ایسے ہی لوگ صادق اور پرہیز گار ہیں اسلام کی حدوں کو قائم رکھنا اور اسلام کے ارکان بجالانا ان پر لازم ہے۔ (بقرہ۔ 177)

حضرت حذیفہ اللہ تعالی کے اس قول کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً۔ ( )

"اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔"

کہ اسلام کے آٹھ حصے ہیں۔ (1) نماز (2) زکوۃ (3) روزہ (4) حج (5) عمرہ (6) جہاد (7) امربالمعروف (8) نہی عن المنکر جو ان حصوں میں سے کچھ نہیں پاتا وہ سخت نقصان پاتا ہے۔

حضرت عاصم احول' انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا اسلام ایک مضبوط درخت کی مانند ہے۔ اس کی جڑ اللہ پر ایمان لانا ہے۔ پانچ وقت کی نمازیں اس درخت کی شاخیں ہیں۔ رمضان کے روزے اس درخت کا پوست ہیں۔ حج اور عمرہ اس کا چنا ہوا میوہ۔ وضو اور غسل جنابت اس درخت لئے لئے پانی کی مانند ہیں۔ ماں باپ کی فرمانبرداری اور پیوند رحم اس درخت کی چھوٹی شاخیں ہیں۔ خدا کی حرام کی ہوئی چیزیں اس درخت کے پتے ہیں۔ نیک اعمال اس درخت کا میوہ اور اللہ تعالی کا ذکر اس درخت کا رگ و ریشہ ہے۔

آنحضرت کا ارشاد ہے کہ جس طرح سبز پتوں کے بغیر درخت خوب صورت نظر نہیں آتا ہے' اسی طرح گناہ سے اجتناب اور نیکی پر عمل کرنے کے بغیر اسلام کو بھی زینت حاصل نہیں ہو سکتی۔ (غنیتہ الطالبین صفحہ 298)

قبر میں منکر نکیر کی آمد اور عذاب قبر اور جزا کا بیان

غنیتہ الطالبین کے مؤلف شیخ عبدالقادر جیلانی لکھتے ہیں کہ ہمارا ایمان ہے کہ نبیوں

Marfat.com

کے سوا قبر میں ہر شخص کے پاس منکر نکیر آکر سوال کرتے اور اس کا امتحان لیتے ہیں کہ وہ کیا دین رکھتا تھا۔ یہ دونوں فرشتے قبر میں آتے ہیں۔ اس وقت مردے میں جان ڈال دی جاتی ہے' اس اٹھا کر بٹھایا جاتا ہے اور سوال جواب کے بعد دوبارہ بغیر تکلیف کے اس کی جان نکال لی جاتی ہے۔

ہمارا ایمان ہے کہ میت کی زیارت کے لئے کوئی جائے تو میت اسے پہچانتی ہے اور پہچان جمعہ کے دن طلوع آفتاب کے بعد سے غروب آفتاب تک جاری رہتی ہے۔ گناہ گاروں اور کافروں کی قبر کی تنگی اور قبر میں ان کے لئے عذاب پر' ایمان لانا بھی واجب ہے۔ اسی طرح ایمان داروں اور نیکو کاروں کے لئے نعمت کے عطا ہونے پر ایمان لانا بھی واجب ہے۔

فرقہ معتزلہ اس کے خلاف ہے۔ یہ لوگ قبر کے عذاب و نعمت اور منکر نکیر کے سوال کے منکر ہیں' مگر اہل سنت منکر نکیر کے سوال کو اللہ تعالیٰ کے قول سے ثابت کرتے ہیں' وہ قول یہ ہے کہ "جو لوگ ایمان لائے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں ثابت قدم رکھتا ہے۔" اس کی تفسیریوں بیان کی گئی ہے کہ حیاۃ الدنیا سے مقصود روح کے نکلنے کا وقت ہے۔ اور فی الآخرۃ سے مراد منکر نکیر کے سوال کا وقت ہے۔

ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص قبر میں رکھا جاتا ہے تو دو سیاہ رنگ کے فرشتے اس کے پاس حاضر ہوتے ہیں' ان کی آنکھیں کیری ہوتی ہیں۔ ان میں ایک کا نام نکیر ہے اور دوسرے کا منکر یہ اس سے پوچھتے ہیں کہ اس مرد (یعنی رسول اللہؐ) کے بارے میں تم کیا کہتے ہو' چنانچہ وہ وہی کہتا ہے جو دنیا میں ان کے متعلق کہتا تھا۔ اگر وہ مسلمان ہے تو کہتا ہے کہ یہ مرد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں' اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اس کا بندہ اور رسول ہے۔ پھر دونوں فرشتے کہیں گے کہ ہم جانتے تھے کہ تو ایسا ہی کہے گا۔

اس شخص کی قبر ستر در ستر ہاتھ یعنی چار ہزار نو سو مربع ہاتھ کھلی اور روشن کر دی جائے گی۔ پھر فرشتے اس سے کہیں گے اب تو سو جا۔ تب وہ کہے گا مجھے اجازت دو کہ میں اپنے اہل و عیال کے پاس جا کر انہیں خوش خبری دوں' لیکن فرشتے جواب دیں گے تو اس طرح سو رہ جس طرح وہ دلہن سوتی ہے' جسے اس کا پیارا شوہر ہی جگاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی تمہیں اب اس نیند سے اٹھائے گا۔

Marfat.com

اگر وہ منافق ہے تو جواب دے گا کہ مجھے معلوم نہیں (کہ یہ کون مرد ہے) ہاں دنیا میں اس کے بارے میں لوگوں کو کچھ کہتے سنا تھا۔ اور وہی کچھ میں بھی کہا کرتا تھا۔ تب فرشتے کہیں گے کہ ہمیں بھی معلوم تھا تو ایسا ہی جواب دے گا۔ اس کے بعد زمین کو حکم ہوتا ہے کہ اس مردے کو شکنجے کی طرح دبالے' سو وہ اسے دبالیتی ہے۔ اس طرح کہ اس کی ایک طرف کی پسلیاں دوسری طرف نکل جاتی ہیں اور ہمیشہ اسی کیفیت عذاب میں گرفتار رہتا ہے حتی کہ اللہ تعالیٰ اسے اٹھاتا ہے۔

اس مسئلے کے اثبات میں عطا بن یسار کی ایک روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا' عمر! اس وقت تیرا کیا حال ہو گا' جب زمین تیرے لئے لمبائی میں صرف تین گز ایک بالشت اور چوڑائی میں ایک دو گز اور ایک بالشت مقرر کی جائے گی۔ تیرے عزیز تجھے نہلا کر کفن دیں گے' خوشبو لگائیں گے' جنازہ اٹھائیں گے' پھر دفن کر دیں گے اور واپس آجائیں گے۔ پھر دو شخص تجھ سے سوال کریں گے' ایک کا نام منکر اور دوسرے کا نکیر ہو گا۔ ان کی آواز رعد کی طرح' اور آنکھیں اچک لے جانے والی بجلی جیسی ہوں گی' ان کے بال لٹکے ہوں گے' وہ تجھے ڈرائیں گے اور پوچھیں گے تیرا پروردگار کون ہے اور تیرا دین کیا ہے؟

حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس وقت میرا بھی دل میرے ساتھ ہو گا جو آج میرے ساتھ ہے۔ آپ نے فرمایا' ہاں' تب حضرت عمرؓ نے عرض کیا بس یہی میرے لئے کافی ہو گا۔

یہ (روایت) اس بات کے ثبوت کے لئے کافی ہے کہ سوال و جواب مردے میں جان ڈالنے کے بعد ہو گا' کیونکہ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ میرے ساتھ میرا دل ہو گا اور آنحضرتؐ نے "ہاں" فرمایا۔

مومن کا انجام

منہال بن عمروؓ اور براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ ہم آنحضرت ﷺ کے ہمراہ ایک انصاریؓ کے جنازے کے ساتھ اس کی قبر پر پہنچے۔ چونکہ ابھی قبر تیار نہ ہوئی تھی' اس لئے ہم آنحضرتؐ کے ارد گرد بیٹھ گئے۔ ہم پر آپ کی ہیبت اس قدر غالب تھی کہ بالکل خاموش اور بے حس و حرکت اس طرح بیٹھے تھے گویا ہمارے سروں پر جانور بیٹھے ہیں۔ آنحضرتؐ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی جس سے زمین کرید رہے تھے۔ تھوڑی

Marfat.com

دیر بعد سر مبارک اٹھا کر فرمایا: "قبر کے عذاب سے میں اللہ کے ہاں پناہ مانگتا ہوں" دو یا تین مرتبہ آپ ؐ نے ایسا ہی فرمایا' پھر ارشاد ہوا کہ جب کوئی مومن دنیا کو چھوڑ کر کوچ کرنے لگتا ہے تو اس پر خوبصورت اور آفتاب کی طرح روشن چہرے والے فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ ان کے پاس بہشتی کفن اور بہشتی خوشبو ہوتی ہے۔ وہ اس شخص کے سامنے اس کی نظروں کی انتہا پر بیٹھ جاتے ہیں۔ ملک الموت اس کے سرہانے بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ پاک اور سکون پانے والے نفس اپنے رب کے حکم کے مطابق اس کی رحمت اور بخشش کی طرف نکل۔ چنانچہ بڑے آرام اور آسانی کے ساتھ اس کی روح جسم سے باہر آتی ہے' اس طرح جیسے کسی برتن سے پانی کا قطرہ ٹپکتا ہے۔ جو فرشتے اس کے قریب کفن لئے بیٹھے ہوتے ہیں۔ وہ اچک کر اس روح کو اپنے ہاتھوں میں لے لیتے ہیں۔ ایک لمحہ کے لئے بھی اس روح کو ملک الموت کے ہاتھ میں نہیں رہنے دیتے۔ وہ اسے خوشبو دار کفن پہناتے ہیں' جس میں سے کستوری سے بھی بہتر خوشبو آتی ہے بلکہ یوں کہیں کہ روئے زمین پر اس سے بہتر خوشبو نہیں ہوتی۔ وہ فرشتے اس روح کو اوپر لے جاتے ہیں۔ جب فرشتوں کی جماعت کے پاس سے گذرتے ہیں تو فرشتے پوچھتے ہیں' یہ خوشبو کہاں سے آرہی ہے۔ انہیں جواب دیا جاتا ہے کہ فلاں بن فلاں ہے۔ وہ فرشتے اچھے اور نیک ناموں سے اس (مردے) کا پتہ دیتے ہیں اور اس کی تعریف کرتے ہیں۔ جب دنیا کے آسمان پر پہنچ کر دروازے کھولنے کے لئے کہتے ہیں تو دروازے فوراً کھول دیئے جاتے ہیں اور دنیا کے آسمان کے فرشتے اس کے استقبال کے لئے آتے ہیں اور دوسرے آسمان تک ساتھ جاتے ہیں اسی طرح اس روح کو لے کر ساتویں آسمان تک جاتے ہیں۔ وہاں پہنچنے پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' دفتر علیین میں اس کا نام لکھ لو اور زمین کی طرف پھر لے جاؤ' زمین سے ہی ہم نے انہیں پیدا کیا اور زمین ہی کی طرف لوٹاتے ہیں۔ پھر اسی سے انہیں دوبارہ نکالیں گے۔ چنانچہ فرشتے اس روح کو اس کے جسم کی طرف لاتے ہیں اور ان کے سوا دو اور فرشتے بھی اس وقت آکر حاضر ہو جاتے ہیں۔

یہ فرشتے سوال کرتے ہیں کہ تیرا پروردگار کون ہے اور تیرا دین کیا ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے' اور میران دین "اسلام" ہے۔ پھر فرشتے پھر سوال کرتے ہیں کہ یہ باتیں تجھے کس نے بتائیں۔ وہ کہتا ہے۔ میں نے قرآن پڑھا' اس پر میرا ایمان ہے اور میں اسے سچا جانتا ہوں۔

Marfat.com

پھر آواز دینے والا آسمان سے آواز دیتا ہے کہ میرے بندے نے جو کچھ کہا سچ کہا' اس لئے بہشت کا بچھونا بچھا دو' اسے بہشت کا لباس پہنا دو اور بہشت کے سارے دروازے اس کے لئے کھول دو' تاکہ بہشت کی ہوا اور خوشبو اس تک پہنچ سکے۔

پھر اس کی قبر اس کی حد نگاہ تک کشادہ کر دی جاتی ہے' ایک خوبصورت آدمی جس سے خوشبو آرہی ہوتی ہے' اس کے پاس آکر کہتا ہے کہ میں تجھے خوش حال کر دینے والی خوش خبری دیتا ہوں۔' جو وعدہ تجھ سے کیا گیا تھا یہ اس وعدہ کے پورا ہونے کا دن ہے۔ روح اس شخص سے پوچھتی ہے کہ آپ کون ہیں؟ وہ کہتا ہے میں تیرا نیک عمل ہوں۔ پھر وہ کہتا ہے اے اللہ! قیامت کو قائم کر دے۔

کافر کا انجام

آنحضرتؐ نے فرمایا جب کافر کے مرنے کا وقت آپہنچتا ہے تو آسمان سے دو فرشتے اس پر اترتے ہیں' ان کے چہرے سیاہ اور ڈراؤنے ہوتے ہیں۔ ٹاٹ پاس ہوتا ہے وہ آکر اس شخص کے عین سامنے بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر موت کا فرشتہ سرہانے آکر کہتا ہے' اے پلید نفس' خدا کے غصے اور غضب کی طرف نکل چنانچہ اس کا نفس تمام اعضاء میں منتشر ہو جاتا ہے' پھر ملک الموت اس کے نفس کو اس طرح کھینچتا ہے جیسے بھیگی ہوئی اُون میں سے سیخ کھینچی جاتی ہے۔ چنانچہ اس کی ساری رگیں اور پٹھے ٹوٹ جاتے ہیں۔ فرشتے اسے ٹاٹ میں رکھ لیتے ہیں' اس سے سڑے ہوئے گندے مردار کی بو آتی ہے۔

جب فرشتے اسے اوپر (آسمان پر) لے جاتے ہیں تو فرشتوں کی ایک جماعت پوچھتی ہے کہ یہ کون ہے جس سے ایسی بدبو آرہی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ فلاں بن فلاں ہے' اس بہت ہی برے ناموں سے یاد کرتے اور اس کا نشان پتہ بتاتے ہیں' جب دنیا کے آسمان کے قریب پہنچ کر دروازے کھلوانا چاہتے ہیں تو وہ نہیں کھولے جاتے' اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہے اس کا نام سجین میں لکھ دو۔ تب وہ روح زمین کی طرف پھینک دی جاتی ہے۔ اس کے بعد آنحضرتؐ نے یہ آیت پڑھی:

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ۔ (الحج-31)

"جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے اس کا یہی حال ہوتا ہے" کہ وہ آسمان سے گرایا جاتا ہے اور پرندے اسے اچک

Marfat.com

لیتے ہیں یا ہوا اسے کہیں دور پھینک دیتی ہے اور اس کی مردود روح دوبارہ جسم میں داخل ہو جاتی ہے۔"

تب دو فرشتے اس کے پاس آتے ہیں' اسے بٹھا کر سوال کرتے ہیں تیرا پروردگار کون ہے؟ وہ کہتا ہے ہائے ہائے میں تو اسے نہیں جانتا۔ وہ پوچھتے ہیں تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے میں نہیں جانتا۔ پھر وہ آنحضرتؐ کے بارے میں دریافت کرتے ہیں' وہ کہتا ہے' افسوس مجھے اس کا بھی علم نہیں۔ تب آواز دینے والا آواز دیتا ہے' میرے بندے نے جھوٹ کہا۔ اس کے لئے آگ کا بچھونا بچھادو' اور دوزخ کا دروازہ کھول دو تاکہ اسے گرم ہوا اور گرمی پہنچے۔ اس کی قبر اس قدر تنگ ہوتی ہے کہ ہڈیاں ٹوٹ کر منتشر ہو جاتی ہیں۔ پھر ایک بدصورت شخص غلیظ اور گندے کپڑوں میں اس کے پاس آتا ہے۔ اس سے بدبو آرہی ہوتی ہے' وہ کہتا ہے تیرا برا ہو' یہ وہی دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا گیا تھا۔ روح پوچھتی ہے تو کون ہے؟ وہ کہتا ہے تیرے برے اعمال ہوں' پھر وہ مردود روح کہتی ہے اے پروردگار قیامت کا دن آنے ہی نہ پائے۔

مسلمان در گور

عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں جب کسی مسلمان کو قبر میں رکھتے ہیں تو قبر ستر گز لمبی اور ستر گز چوڑی ہو جاتی ہے۔ اس میت پر خوشبوئیں چھڑکی جاتی ہیں اور ریشم کا بہشتی لباس پہنایا جاتا ہے۔ اگر قرآن کریم میں سے اسے کچھ یاد ہو تو اس کی روشنی اس کے لئے کافی ہوتی ہے' اور قران میں سے کچھ یاد نہ ہو تو قبر میں (اللہ کے حکم سے) آفتاب جیسی روشنی کر دی جاتی ہے۔ وہ اس میں دلہن کی طرح سوتا ہے' جسے اس کا پیارا (شوہر) ہی جگاتا ہے اور وہ اس حالت میں جاگتی ہے کہ نیند سے سیر نہیں ہوتی۔

کافر در گور

جب کافر قبر میں رکھا جاتا ہے تو قبر اس قدر تنگ ہو جاتی ہے کہ اس کی پسلیاں ٹوٹ کر پیٹ میں چلی جاتی ہیں۔ اونٹ کے برابر سانپ اس کے پاس بھیجے جاتے ہیں جو اس کا گوشت اس طرح کھاتے اور نوچتے ہیں کہ ہڈیاں گوشت سے خالی ہو جاتی ہیں۔ اس کے پاس بہرے گونگے اور اندھے شیطان بھیجے جاتے ہیں جن کو مردود کہا جاتا ہے ان کے ہاتھ میں لوہے کی ہتھوڑیاں ہوتی ہیں جن سے وہ اس آدمی کو کوٹتے ہیں اور اس شدت

Marfat.com

سے کوٹتے ہیں کہ (ہتھوڑیوں کی آوازیں) اس شخص کو آواز سنائی نہیں دیتیں۔ نہ ہی وہ شیطان اس کی طرف نگاہ کرتے ہیں' نہ انہیں اس پر رحم آتا ہے صبح و شام آگ اسے پیش کی جاتی ہے۔

ان تمام احادیث سے قبر کا عذاب اور اس کی نعمتیں ثابت ہیں' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جسے سولی پر چڑھایا جاتا ہے' جو جل مرتا ہے' پانی میں ڈوب جاتا ہے' اسے درندے پھاڑ کھاتے ہیں یا پرندے اس کا گوشت نوچ لیتے ہیں' اس کا گوشت اور منتشر اجزاء کیسے اکٹھے ہو سکتے ہیں (اور منکر نکیر اس سے قبر میں آکر سوال کس طرح کرتے ہیں) اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے عذاب قبر اور قبر میں منکر نکیر کے سوال جواب کو لوگوں کی عادت اور طریق عمل کے حسب حال بیان کیا ہے۔ یعنی ان کا قبروں میں دفن کرنا۔ اگر کسی مردہ کے اجزاء پراگندہ ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اس کی روح کو زمین پر بھیجتا ہے۔ اگر عذاب کے لائق ہو تو روح کو عذاب ملتا ہے۔ اگر نیک ہو تو اس کی روح کو نعمت حاصل ہوتی ہے۔ کہ ہر روز صبح و شام دو مرتبہ ان پر عذاب نازل ہوتا ہے اور قیامت تک نازل ہوتا رہے گا جب قیامت قائم ہو گی تو اس وقت انہیں مع جسم دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِياً وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْا الَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ۔ (40 ـ 46)

"ہر صبح و شام انہیں آگ کے سامنے لایا جاتا ہے' اور جب قیامت آئے گی تو ہم حکم دیں گے کہ فرعون کی اولاد کو سخت عذاب کے ساتھ دوزخ میں ڈال دو۔"

شہید اور مومن

شہید اور مومن

شہید اور مومن لوگوں کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں کے قالب میں رہتی ہیں' بہشت میں ہیں' عرش کے نیچے نور کی قندیلوں میں قیام کرتی ہیں۔ صور جب دوسری دفعہ پھونکا جائے گا اس وقت وہ روحیں زمین پر اتر کر اپنے اپنے جسموں میں آجائیں گی۔

Marfat.com

قیامت کے دن حساب کتاب کے لیے پیش ہوں گی' جیسا کہ ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا تمہارے جو بھائی جنگ احد میں شہید ہوئے' اللہ نے ان کی روحوں کو سبز پرندوں کے قالب میں رکھا ہے' وہ بہشت میں چرتی ہیں اور نور کی قندیلوں میں عرش تلے رہتی ہیں۔ جب انہیں عمدہ کھانا ملتا ہے' پینے کے لئے پاک اور عمدہ چیزیں دی جاتی ہیں اور آرام ملتا ہے تو کہتے ہیں کوئی ہے جو ہمارے بھائیوں کو خبر دے کہ ہم بہشت میں زندہ ہیں اور ہمیں خوب روزی ملتی ہے۔ پھر فرمایا تم جہاد کو ہرگز نہ ترک کرنا اور کافروں کے ساتھ لڑتے رہنا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ بہت سچ بولنے والا ہے اور میں انہیں پہنچاتا ہوں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے اتارا ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتاً بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (آل عمران - 170)

"اور جو لوگ راہ خدا میں شہید ہوئے انہیں مردہ نہ جانو' بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں' انہیں رزق دیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے جو شے انہیں دیتا ہے' اس سے وہ خوش ہیں۔

ہو سکتا ہے کہ مومن اور کافر کے جسم کے ایک حصہ سے سوال و جواب ہو' اسے عذاب دیا جاتا ہے اور ایک حصہ کو نعمت بخشی جائے اور اس سے کچھ باز پرس نہ ہو۔ ایک حصہ جسم کے ساتھ جو کچھ کیا گیا وہ گویا سارے جسم کے ساتھ کیا گیا۔

کہا گیا ہے کہ سوال و جواب اور دبانے کے لئے اللہ تعالیٰ پراگندہ اور منتشر اجزاء کو جمع کرتا ہے' جیسا کہ حشر کے دن ہو گا۔ اس روز حساب کتاب کے لئے سب منتشر چیزیں جمع ہو کر اٹھیں گی۔

قبروں میں مردوں کے اٹھنے اور مردوں کے منتشر اجزاء کے جمع ہونے پر ایمان لانا واجب ہے جیسا کہ اللہ فرماتا ہے:

وَاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ۔ (22- 7)

"یقیناً قیامت آنے والی ہے اس میں کوئی شبہ نہیں ہے جو مخلوق خاک میں مل گئی ہے' اللہ تعالیٰ اس سب کو مخلوق کو اٹھائے گا۔"

جیسا کہ فرماتا ہے کہ:

Marfat.com

كَمَا بَدَءَ كُمْ تَعُوْدُوْنَ۔ (اعراف۔ 29)

"جس طرح تمہیں پہلے پیدا کیا' اسی طرح پھر پیدا کروں گا۔"

دوسری جگہ فرمایا کہ:

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰي۔ لِتُجْزٰي كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعٰي۔ وَلِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰي۔ (20-55) (20-15) (53-31)

"ہم نے تمہیں خاک سے پیدا کیا اور خاک ہی میں بھیجیں گے اور پھر اسی سے تمہیں اٹھائیں گے۔ جو لوگ اللہ کی راہ میں کوشش کرتے ہیں اللہ تعالٰی انہیں پھر اٹھا کر جمع کرے گا تاکہ اس کوشش کا بدلہ انہیں دیا جائے۔ جن لوگوں نے برے کام کئے انہیں نیکی کی جزا دے گا اور ان پر احسان کرے گا۔" (بحوالہ غنیتہ الطالبین از شیخ عبدالقادر جیلانی مطبوعہ ملک پبلشرز لیمٹڈ دیوبند سہارن پور (انڈیا)

عذاب اور ثواب

مومن کے عذاب کا عرصہ

ہمارا عقیدہ ہے کہ جو مومن اپنے صغیرہ یا کبیرہ گناہوں کے باعث دوزخ میں ڈالا جائے گا وہ ہمیشہ دوزخ میں نہ رہے گا' بلکہ دوزخ اس کے لئے اسی طرح ہو گا جس طرح دنیا میں قید خانہ یعنی اپنے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کے اندازے کے مطابق دوزخ میں جلے گا۔ پھر اللہ کی رحمت سے دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔ ہمیشہ دوزخ میں نہیں جلے گا۔

(غنیتہ الطالبین۔ از شیخ عبدالقادر جیلانی)

بخاری شریف میں حضرت ابوذرؓ کی ایک طویل روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا جس نے کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ کہا اور اسی پر اس کا خاتمہ ہوا وہ ضرور جنت میں داخل ہو گا (اپنے اعمال کی سزا بھگتنے کے بعد)۔

Marfat.com

مومن کے عذاب کی کیفیت

مومن کے منہ اور سجدہ کے اعضاء کو دوزخ کی آگ نہ جلائے گی' کیونکہ ان اعضاء کا جلانا آگ پر حرام ہے اور جب تک مومن دوزخ میں رہے گا اللہ کی رحمت سے کبھی مایوس نہ ہو گا' یہاں تک کہ اس میں سے نکال کر بہشت میں داخل کیا جائے گا اور دنیا میں اس نے خدا کی جس قدر بندگی کی ہو گی اس کے مطابق اسے درجے عطا ہوں گے۔

قدریہ اور خارجی

فرقہ قدریہ اس کے خلاف یہ کہتا ہے کہ کبیرہ گناہ کرنے سے مومن کی عبادتوں کا سارا ثواب زائل ہو جاتا ہے۔ خارجیوں کا بھی یہی کہنا ہے۔ خدا ان کو ہلاک کرے۔

(شیخ جیلانیؒ صاحب غنیتہ الطالبین)

مسئلہ تقدیر اور عمل

خیر اور شر اور حکم الٰہی کی شیرینی اور تلخی جو مقدر کی گئی ہے' مسلمان کو ان پر ایمان لانا واجب ہے چاہئے کہ دنیوی رحمت کے جو اسباب اسے مہیا کئے گئے ہیں ان کے متعلق یہ خیال نہ کرے یہ اسے اس کی اپنی کوشش سے ملے ہیں' بلکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی بخشش جانے۔ اس بات پر بھی ایمان لائے کہ زمانہ سابقہ میں جو کچھ ہوا' اور آئندہ جو کچھ ہوتا رہے گا' یہ سب اللہ ہی کے حکم سے ہوا اور ہوتا رہے گا' اور اس بات پر بھی کامل یقین رکھے کہ لوح محفوظ میں اللہ تعالیٰ نے جو تقدیر لکھ دی ہے اس سے کوئی بھاگ نہیں سکتا' اور اگر ساری مخلوقات بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کسی کو ضرر پہنچانے کی کوشش کرے تو نہیں پہنچا سکتی۔

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗٓ اِلَّا ھُوَ وَاِنْ یُّرِدْکَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِہٖ یُصِیْبُ بِہٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ۔ (10 - 107)

"اگر خدا تمہیں کوئی ضرر پہنچائے تو اسے کوئی دور نہیں کر سکتا خدا چاہے' تو خود ہی اسے دور کر سکتا ہے' اسی طرح اللہ تعالیٰ تجھے کوئی

Marfat.com

نیکی بخشنا چاہے تو کوئی اسے روک نہیں سکتا' اور وہ بندوں میں جس پر چاہتا ہے' اپنی بخشش نازل فرماتا ہے۔"

زید بن عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے مجھ سے فرمایا کہ انسان کی پیدائش کے وقت چالیس دن تک نطفہ اس کی ماں کے پیٹ میں رہتا ہے۔ ایک روایت کے مطابق چالیس رات تک رہتا ہے۔ اس کے بعد وہ نطفہ چالیس روز تک ایک جما ہوا خون بنا رہتا ہے۔ پھر گوشت کا ٹکڑا بن جاتا ہے۔ چالیس روز تک اسی صورت میں رہتا ہے پھر خدائے تعالیٰ کے حکم سے اس کی پیدائش کے ساتھ چار چیزیں لے کر فرشتہ آسمان سے اترتا ہے' یعنی اس کی صورت' روزی' عمل اور خوش بختی یا بدبختی۔ چنانچہ ازل سے جس آدمی کے مقدر میں جنت لکھی جاتی ہے وہ دنیا میں خواہ اہل دوزخ کے سے کام کرے' یہاں تک کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان صرف دو ہاتھ کا فاصلہ رہ جائے' مگر جس طرح اس کے لئے لوح محفوظ میں لکھا گیا ہے اس کے مطابق تقدیر الٰہی سبقت لے جاتی ہے اور وہ فوراً اہل جنت کے سے کام کرنے لگ جاتا ہے' یہاں تک کہ وہ کام اسے جنت میں لے جاتے ہیں۔

اس کے برعکس جس کے مقدر میں دوزخ لکھی ہے وہ دنیا میں خواہ جنتیوں کے سے کام کرے اور اس کے اور جنت کے درمیان دو ہاتھ کا فاصلہ رہ جائے۔ اچانک تقدیر الٰہی سبقت لے جاتی ہے اور وہ اہل دوزخ کے سے کام کرکے دوزخ میں جا پہنچتا ہے۔

ہشام ابن عروہؒ فرماتے ہیں کہ میرے والد' حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کوئی شخص اہل بہشت کے سے کام کرتا ہے' مگر لوح محفوظ پر اس کے مقدر میں "دوزخ" لکھا ہوتا ہے۔ چنانچہ موت کے قریب پہنچنے پر وہ ان کاموں سے پھر کر اہل دوزخ سے کام کرنے لگ جاتا ہے' یہاں تک کہ اسی حال میں مرکر دوزخ میں جا پہنچتا ہے۔ اس کے برعکس دوسرا شخص ان برے کاموں کو چھوڑ کر اہل بہشت کے سے کام کرنے لگ جاتا ہے' یہاں تک کہ اسی حال میں مرکر بہشت میں جا پہنچتا ہے۔

عبدالرحمٰن سلمی سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ ایک دفعہ ہم آنحضرتؐ کی خدمت میں بیٹھے تھے۔ آپؐ کے دست مبارک میں ایک چھڑی تھی۔ جس کے سرے سے زمین کو کرید رہے تھے' اچانک سراٹھا کر پوچھا' تم میں سے کوئی ایسا نہیں

Marfat.com

جس کی جگہ بہشت یا دوزخ میں مقرر نہ ہو چکی ہو۔ یہ سن کر حاضرین مجلس نے عرض کیا کہ پھر سب لوگ تقدیر کے لکھے پر بھروسہ کیوں نہ کریں اور جو عمل کرتے ہیں انہیں چھوڑ دیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا عمل کرتے رہو اور یہ بھی یاد رکھو کہ جو عمل کسی کے لئے تقدیر الٰہی کے موافق پیدا ہوا وہی اس کے لئے کرنا آسان ہے۔

سالم بن عبداللہ اپنے والد سے مروی ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ جو کچھ میں کرتا ہوں اس کے بارے میں مجھے خبر دیجئے کہ جس چیز کے لئے میں عمل کرتا ہوں وہ وہی ہے جو-------- میرے مقدر میں لکھی ہے یا وہ میرے عمل کے بعد لکھی جاتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کام سے روز اول ہی میں فارغ ہو چکا ہے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ پھر ہم اسی پر قناعت کیوں نہ کریں؟ آنحضرت ﷺ نے جواب دیا تم عمل کرو کیونکہ جو چیز کسی کے لئے پیدا کی گئی ہے وہ اس کے لئے آسان کی گئی ہے۔ نیکوکار اہل سعادت میں سے ہوتا ہے اور اہل شقاوت سے وہی کچھ سرزد ہوتا ہے جو بدبختی کا موجب بنے۔ (غنیۃ الطالبین صفحہ 149 تا 151)

شفاعت رسولؐ

آنحضرتؐ کی شفاعت

جن لوگوں نے کبیرہ اور صغیرہ گناہ کئے ہوں ان کے حق میں آنحضرتؐ کی شفاعت کا قبول ہونا اور اس پر ایمان لانا واجب ہے۔ جب گنہگار دوزخ میں جانے لگیں گے تو جانے سے قبل آنحضرت ﷺ دوسرے پیغمبروں کی امتوں کے سب مسلمانوں کے لئے شفاعت کریں گے۔ جب گناہگار دوزخ میں داخل ہو جائیں گے تو آپ اپنی امت کے گنہگاروں کے لئے شفاعت کریں گے اور وہ بخشے جائیں گے انہیں دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔ آنحضرت ﷺ کی شفاعت کے علاوہ آپ کی امت کے مومن اور صالح لوگوں کی شفاعت سے بھی دوزخیوں کو نجات دی جائے گی۔ نوبت یہاں تک پہنچے گی کہ امت کا ایک فرد بھی دوزخ میں نہ رہے گا۔ اگر کسی کے دل میں ذرہ بھر ایمان بھی ہوگا اور ایک بار کلمہ توحید پڑھا ہوگا تو وہ بھی دوزخ میں نہ رہے گا۔ اس باب میں ابو ہریرہؓ کی ایک روایت سے آنحضرتؐ نے فرمایا ہر نبی کی ایک ایک دعا مستجاب ہے اور میں چاہتا ہوں کہ

Marfat.com

اپنی دعائے مستجاب کو آخرت میں اپنی امت کی شفاعت کے لئے رہنے دوں (بخاری)۔

فرقہ قدریہ کے لوگ اس کے منکر ہیں وہ شفاعت کے قائل ہی نہیں۔۔۔۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ اس گروہ کو قرآن کریم میں جھٹلاتا ہے۔ ان کے حق میں فرمایا کوئی تمہاری شفاعت نہ کرے گا نہ کوئی دوست ہے جو تمہارا غم کھائے ان کا مقولہ ہے کہ کوئی ہے جو ہماری شفاعت کرے۔ فرمایا کہ شفاعت کرنے والے کی شفاعت انہیں فائدہ نہیں دیتی۔

جس طرح کلام پاک سے ثابت ہے کہ قیامت کے دن شفاعت ہو گی اس طرح حدیث سے بھی ثابت ہے۔ ابو ہریرہ کا ارشاد ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا سب سے پہلے میرے لئے زمین کو پھاڑا جائے گا اور میں اس پر فخر نہیں کرتا میں تمام لوگوں کا سردار ہوں، مگر اس پر بھی فخر نہیں۔ سب سے پہلے بہشت کی زنجیر میں ہی ہلاؤں گا۔ مجھے ہی سب سے پہلے بارگاہ الٰہی میں حاضر ہونے کی اجازت دی جائے گی اور دیدار حق نصیب ہو گا، میں اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ میں گر پڑوں گا۔ اس وقت باری تعالیٰ فرمائے گا، اے محمدؐ ! سر اٹھا اور شفاعت کر، میں تیری شفاعت قبول کروں گا اور جو مجھ سے مانگے گا دوں گا۔ میں سر کو اٹھا کر "امتی امتی" کروں گا، اور کہوں گا، میں ہمیشہ یہ خواہش رکھتا ہوں کہ اپنے پروردگار کی طرف دھیان رکھوں گا، تب اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ جا کر دیکھ، اگر کسی (دوزخی) کے دل میں رائی برابر بھی ایمان ہے اسے دوزخ سے نکال لے۔ حضورؐ نے فرمایا میں اپنی امت کے اسقدر آدمیوں کو دوزخ سے نکال لاؤں گا کہ وہ پہاڑ کی چوٹی کے برابر ہوں گے۔

حضرت انس انصاریؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا کہ میری شفاعت میزان عدل اور پل صراط پر ہو گی اور ہر پیغمبر کے لئے اسی طرح شفاعت ہو گی۔ (غنیۃ الطالبین صفحہ 157 - 159)

پل صراط

پل صراط

پل صراط پر ایمان لانا بھی واجب ہے۔ یہ وہ پل ہے جو دوزخ کی پیٹھ پر سے گذرتا ہے۔ جب لوگ اس پل پر سے گذرنے لگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے دوزخ میں

Marfat.com

پھینک دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے اس پر سے پار کر دیتا ہے۔ جو لوگ مسلمان ہیں انہیں ان کے نیک اعمال کے مطابق نور عطا کیا جائے گا۔ یہ لوگ گروہ در گروہ ہوں گے۔ ان میں سے بعض سوار ہو کر اور دوڑتے ہوئے جائیں گے۔ بعض گھٹنوں کے بل اور بعض چوتڑوں کے سہارے جائیں گے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا پل صراط پر کانٹے اگے ہیں "سعدان" کے کانٹوں کی طرح پھر لوگوں سے پوچھا "سعدان" کے کانٹوں کو تم جانتے ہو؟ لوگوں نے عرض کیا ہاں جانتے ہیں۔ تب آپؐ نے فرمایا وہ کانٹے سعدان کے کانٹوں کی طرح ہیں جن کی لمبائی کا کسی کو علم نہیں، سوائے اللہ کے۔ یہ کانٹے لوگوں کو کھینچ لیں گے۔ چنانچہ بعض کا یہ حال ہو گا کہ اپنے برے اعمال کے باعث سخت ہلاکت میں گھرے ہوں گے بعض کے جسموں کو یہ کانٹے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے۔ بعض کے جسم رائی کی طرح ریزہ ریزہ ہو جائیں گے، اور بالآخر اس عذاب سے نجات حاصل ہو گی۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا وہ کانٹے صرف بدن کو چھیدنے کے لئے ہیں۔ فرمایا تم اعلیٰ جانور کی قربانی کرو، کیونکہ پل صراط پر یہی جانور تمہاری سواری بنیں گے۔

پل صراط کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرمایا وہ بال سے باریک، آگ سے زیادہ گرم اور تلوار سے زیادہ تیز ہے۔ قیامت کے سالوں کے حساب سے اس کی مسافت تین سو سال کے برابر ہے۔ بدکار اس پر سے گذرتے وقت پھسل کر دوزخ میں گر جائیں گے اور نیک لوگ عافیت کے ساتھ اسے عبور کر لیں گے۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ پل صراط کی مسافت آخرت کے سالوں کے حساب سے تین ہزار سال ہے۔

حوض کوثر

حوض

اہل سنت کا یقین ہے کہ آنحضرتؐ کے لئے ایک حوض ہو گا جس میں سے صرف مومن پئیں گے اور کافر محروم رہیں گے۔ پل صراط سے گذرنے کے بعد اور جنت میں داخل ہونے سے قبل یہ حوض آپؐ کو عطا کیا جائے گا۔ اس حوض سے پینے والے کو کبھی پیاس نہ لگے گی۔ حوض کی چوڑائی ایک ماہ کی مسافت ہو گی۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہو گا، اس کے ارد گرد ڈول ہوں گے جن کی تعداد ستاروں کے برابر ہو گی، حوض میں دو نل ہوں گے، جن میں سے کوثر کا پانی بہہ کر حوض کو بھر دیگا۔

Marfat.com

اس پانی کے نکلنے کی جگہ بہشت سے اور اس کی شاخ میدان حساب میں پہنچی ہو گی۔

پہلی حدیث

ثوبان روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا' میری نشست گاہ سے دریائے عمان تک۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہو گا' اس میں دو نل ہوں گے جو بہشت سے آتے ہوں گے' ایک چاندی کا ہو گا دوسرا سونے کا جو شخص ایک مرتبہ اس سے پانی پی لے اسے کبھی پیاس نہیں لگتی۔

دوسری حدیث

عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تمہارے وعدہ کی جگہ میرا حوض ہے جس کی لمبائی اور چوڑائی برابر ہے یعنی ایلہ اور مکہ کے درمیان جتنا فاصلہ ہے اس سے بھی زیادہ ان دونوں شہروں کے درمیان ایک ماہ کا راستہ ہے اس حوض میں آسمان کے ستاروں کے برابر ڈول ہونگے اس کا پانی چاندی سے زیادہ سفید ہے' جو شخص وہاں پہنچ کر اس کا پانی پی لے اسے کبھی پیاس نہیں لگتی۔ اسی طرح ہر پیغمبرؑ کو ایک ایک حوض دیا گیا ہے سوائے حضرت صالحؑ کے۔ ان کا حوض اونٹنی کے پستان ہیں۔ اس (حوض) میں سے ہر امت کے مسلمان پانی پئیں گے' مگر کافروں کو پینا نصیب نہ ہو گا۔

تیسری حدیث

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا میرے حوض کا طول و عرض عدن اور عمان کے درمیانی فاصلہ کے برابر ہے' جس کے دونوں طرف موتیوں کے خیمے نصب ہیں۔ اس میں اس قدر اور ایسے آبخورے ہیں جیسے آسمان میں ستارے' اس کی مٹی میں سے کستوری سے زیادہ خوشبو آتی ہے۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید' برف سے زیادہ سرد اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے۔ جو اس میں سے ایک گھونٹ پی لے گا۔ پھر کبھی پیاسا نہ ہو گا۔ بعض لوگوں کو اس کے قریب سے اس طرح ہٹا دیا جائے گا۔ جس طرح بیگانے اونٹ کو دوسرے اونٹوں سے الگ کر دیا جاتا ہے۔ تب میں کہوں گا' خبردار نہ ہٹاؤ۔ اس وقت مجھے بتایا جائے گا کہ آپ انہیں نہیں جانتے' یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے آپ کے بعد نئی نئی بدعتیں نکالیں' میں پوچھوں گا انہوں نے میرے بعد کیا نئے کام کئے۔ فرشتے جواب دیں گے ان لوگوں نے (آپ کے دین) میں الٹ پھیر کیا۔ تب میں انہیں

Marfat.com

ں گا' یہاں سے ہٹ جاؤ اور اللہ کی رحمت سے دور ہو جاؤ۔
انس بن مالک ؓ کی روایت کے مطابق آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص میری ...عت کو جھوٹ جانے گا اسے قیامت کے دن محروم رکھا جائے گا۔ جو شخص اس حوض ...جھوٹ جانے گا اسے اس سے محروم رکھا جائے گا۔ (بحوالہ غنیۃ الطالبین مترجم مطبوعہ دیوبند)

...ضرت ؐ کا مقام یوم حشر میں

اہل سنت کا اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آنحضرت ﷺ کو تمام ...روں سے اونچا عرش پر اپنے پاس بٹھائے گا۔ عبداللہ بن عمر ؓ روایت کرتے ہیں کہ ...ضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد:

عَسٰۤی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (17 - 79)

"قریب ہے کہ تیرا رب تجھے مقام محمود میں کھڑا کرے۔"

کے مطابق فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تجھے اپنے پاس تخت پر بٹھائے گا۔ ہشام بن عروہ کا کہنا ... کہ حضرت عائشہ ؓ نے آنحضرت ؐ سے پوچھا۔ مقام محمود کی کیفیت کیا ہے۔ جس کے ...نے کا آپ سے وعدہ کیا گیا ہے۔ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن تمہارے ...(یعنی مجھے) بلالائیں گے اور اللہ تعالیٰ کی کرسی کے اوپر بٹھا دیں گے۔ لوگوں نے پوچھا' ...ے ابا مسعود! رسول اللہ ؐ کو صرف اللہ کی کرسی کے اوپر بٹھا دینے ہی سے یہ ثابت ...ں ہوتا کہ آنحضرت ؐ خدا کے ساتھ ہوں۔ آپ نے جواب دیا تم لوگ ہلاک ہوئے۔ یہ ...ث تو باقی حدیثوں کی نسبت میری آنکھوں کو زیادہ سے زیادہ صاف کرنے والی ہے۔

حجاج نے روایت کی ہے کہ قیامت برپا ہونے پر اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر بیٹھ جائے ...۔ اپنے دونوں پاؤں کرسی کے اوپر رکھے ہوں گے' اس وقت رسول اللہ ؐ کو لا کر انہیں ...ں اللہ کے سامنے کرسی پر بٹھا دیں گے۔ لوگوں نے حمیدی سے پوچھا جب آنحضرت ؐ ...سی پر بیٹھے ہوں گے تو گویا اللہ کے ساتھ ہوں گے۔ آپ ؐ نے جواب دیا ہاں!

حساب

اہل سنت کا اعتقاد ہے کہ جب قیامت کے دن مومن کے حساب کے لئے بلایا ...ے گا تو اللہ تعالیٰ اس وقت مومن پر اپنا پہلو رکھ دے گا تاکہ لوگوں کی نگاہ سے چھپ ...۔ عبداللہ بن عمر ؓ نے اس کی یہ دلیل بیان کی ہے کہ آنحضرت ؐ نے فرمایا قیامت کے

Marfat.com

دن اللہ تعالیٰ مومن کو اپنے پاس بلائے گا اور اپنے پہلو سے اسے لوگوں کی نظروں
ڈھانپ دے گا پھر پوچھے گا اے بندے! کیا تمہیں یاد ہے تم نے فلاں فلاں گناہ کئے
دو مرتبہ فرمائے گا۔ بندہ عرض کرے گا اے پروردگار! بے شک میں مجرم اور گن
ہوں۔ بندے کے اپنے اقرار سے اسے معلوم ہو جائے گا کہ اب میں ہلاک ہوا' تب
فرمائے گا' میں نے تیرے ان گناہوں کو دنیا میں بھی چھپایا تھا۔ اور اب بھی بخشتا ہوں۔

حساب کرنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو اس کے اعمال کے ثوا
اور گناہ کی مقدار سے آگاہ کرے گا' اس کے گناہوں سے اسے مطلع کرے گا۔ ان
فوائد اور نقصانات بھی بتائے گا۔

معتلہ گروہ اس سے انکاری ہے۔ وہ حساب کتاب کے قائل نہیں' مگر اللہ ت
انہیں جھٹلاتا ہے۔ ارشاد فرمایا:

إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ (88 - 26)

"ان کو میری ہی طرف لوٹنا ہے اور ان کا حساب کتاب بھی میرے
اوپر ہے۔"

میزان عدل

اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ دو پلوں اور ایک چوٹی
ترازو سے نیکیوں اور بدیوں کو وزن کرے گا۔ معتزلہ' مرجیہ اور خارجیہ فرقوں کو تر
کے وجود سے انکار ہے۔ وہ کہتے ہیں ترازو سے مراد میزان عدل ہے' اعمال کا تولنا نہیں
اللہ تعالیٰ کے کلام اور حدیث کی رو سے یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہے۔"
قیامت کے دن عدل کے لئے ترازو رکھیں گے اور کسی پر کسی بات کا ظلم نہ ہو گا۔
رائی کے دانہ کے برابر بھی کسی کی نیکی ہو گی تو اسے دی جائے گی اور ہم ہی حساب
لئے کافی ہیں۔"

پھر فرمایا "جس کے اعمال کا پلڑا بھاری ہو گا وہ ہمیشہ خوشی کی زندگی گذارے گا
جس کا پلڑا ہلکا ہو گا وہ دوزخ میں جائے گا۔"

عدل کی تعریف سبکی (ہلکا پن) اور گرانی درست نہیں۔ یہ ترازو اللہ تعالیٰ کے ا
ہاتھ میں ہو گی' کیونکہ بندوں کا حساب خدا نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔

نور بن سمعان کلابی سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ کو فرماتے سنا کہ قیامت کے

Marfat.com

تعالیٰ کے ہاتھ میں ترازو ہو گی' ایک گروہ کو اللہ تعالیٰ بلند کرے گا اور ایک کو پست
کرے گا۔

حذیفہ بن الیمان ؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن ترازو
جبرائیل کے ہاتھ میں ہو گی اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا' اے جبرئیل! ان لوگوں کے اعمال
تولو۔ جب وہ تولیں گے تو بعض کے پلڑے بھاری ہونگے اور بعض کے ہلکے۔

عبداللہ بن عمر ؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن ترازو
کے ایک پلڑے میں آدمی' دوسرے میں اس کے اعمال رکھے جائیں گے۔ اعمال کا پلڑا ہلکا
ہو گا تو اسے دوزخ کی طرف لے جائیں گے۔ تب آواز دینے والا آواز دے گا کہ اسے
لے جانے میں جلدی نہ کرو' اس کی ایک چیز تلنے سے رہ گئی ہے۔ وہ چیز کلمہ توحید ہو گا۔
جب اسے لا کر ہلکے پلڑے میں رکھیں گے تو وہ بھاری ہو جائے گا۔ پھر اسے بہشت میں
لے جانے کا حکم دیا جائے گا۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن آدمی کو ترازو
کے پاس لا کر کھڑا کر دیں گے۔ (غنیۃ الطالبین صفحہ 161 ۔ 162)

ننانوے فردیں کاغذ کی بھی لائی جائیں گی' جن میں اس کے نیک اور برے اعمال
درج ہوں گے۔ ہر فرد اتنی لمبی ہو گی جتنی آدمی کی نگاہ کام کرتی ہے۔ یہ فردیں ترازو میں
اس طرح رکھی جائیں گی کہ ایک پلڑے میں بدی کی فردیں ہوں گی دوسرے میں نیکی کی۔
بدی کا پلڑا بھاری ہونے پر اسے دوزخ میں لے جائیں گے' جوں ہی وہ جانے کے لئے منہ
پھیرے گا' اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی آواز دے گا کہ اسے لے جانے میں جلدی نہ کرو
اس کی ایک چیز تلنے سے رہ گئی ہے (جو انگوٹھے کے اوپر کی پوری کے برابر ہے) وہ کلمہ
شہادت ہے۔ اسے لا کر نیکیوں کے پلڑے میں رکھ دیں گے۔ جس سے وہ پلڑا بھاری ہو
جائے گا۔ تب حکم ہو گا اسے بہشت میں لے جاؤ۔

کہا گیا ہے کہ آدمی کی نیکیاں رائی کے دانہ اور چھوٹی چیونٹی کے برابر ہوں گی جو
بہت خوب صورت ہوں گی اور انہیں نور کے پلڑے میں رکھا جائے گا۔ اللہ کی رحمت
سے یہ پلڑا بھاری ہو جائے گا۔ برائیوں کی شکل بہت بھونڈی ہو گی اور انہیں تاریک
پلڑے میں رکھا جائے گا۔ اللہ کے حکم سے یہ پلڑا ہلکا ہو جائے گا تو اس کا ہلکا ہونا دوسرے
پلڑے کے جھک جانے سے ظاہر ہو جائے گا۔

Marfat.com

کہا گیا ہے کہ جس ترازو کا ذکر کیا گیا ہے وہ دنیا کی ترازو کی مانند نہیں ہو گا۔

ایمان اور شہادت کا کلمہ پلڑا بھاری ہونے کا باعث ہو گا اور پلڑے کا ہلکا ہونے باعث بنے گا' پلڑا بھاری ہوتا ہے وہ اپنے مالک کو بہشت میں لے جاتا ہے اور ہلکا پلڑا اپنے مالک کو دوزخ میں پہنچاتا ہے۔

دوزخ کا نام ہاویہ ہے جو زمین کی نچلی تہہ میں ہے پس نیک عملوں کو پلڑا بھاری ہو گا تو آدمی بہشت میں جائے گا اور خوشی سے زندگی بسر کرے گا' جس کا پلڑا ہلکا ہو گا۔ اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہو گا۔ یعنی آگ اور جلانے کی جگہ میں مقام کرے گا۔ عملوں کے تلنے میں لوگوں کا حال تین طرح سے ہو گا۔ بعض وہ ہوں گے کہ ان کی نیکی کا پلڑا بدیوں کے پلڑے کی نسبت بھاری ہو گا۔ ایسے لوگ بہشت میں جائیں گے۔ دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہو گا جن کی نیکیوں کی نسبت ان کی برائیاں بھاری ہوں گی' وہ دوزخ میں جائیں گے۔ تیسرا اگر وہ ایسے لوگوں پر مشتمل ہو گا کہ ان کی نیکی اور بدی کے دونوں پلڑے برابر ہونگے انہیں اعراف میں لے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کی کیفیت دریافت کرے گا' اور اگر چاہے گا تو ان کو جنت میں داخل کر دے گا۔ جیسا کہ اس نے ارشاد فرمایا "اعراف پر آدمی ہوں گے۔"

اعمال کی ننانوے فردوں کو تولنے کا ذکر اوپر آیا ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا لوگوں نے سب کچھ سن لیا' مگر مقرب لوگ حساب کے بغیر ہی بہشت میں جائیں گے' ہر بہشتی کے ساتھ ستر ہزار طفیلی ہوں گے۔ (اس باب میں ایک مشہور حدیث آئی ہے وہ دیکھئے) کافر لوگ بغیر حساب دوزخ میں جائیں گے بعض مومنوں کا حساب آسانی سے ہو جائے گا' پھر انہیں بہشت میں بھیج دیا جائے گا۔ اور بعض مومن ایسے ہوں گے کہ ان سے جواب طلب ہو گا اور ان کا فیصلہ اللہ کے اختیار میں ہو گا' چاہے تو بہشت میں بھیج دے چاہے تو دوزخ میں داخل کر دے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتَابَهٗ بِیَمِیْنِهٖ فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا۔

(8-84)

"جس کے داہنے ہاتھ میں نامہ اعمال دیا جائے گا۔ اس کا حساب آسانی سے ہو جائے گا۔"

Marfat.com

اور فرمایا:

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتَابًا يَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا اِقْرَاْ كِتَابَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا۔

(13/14-17)

"قیامت کے دن ہر آدمی کا نامہ اعمال اس کی گردن میں لٹکا دیا جائے گا۔ وہ اسے کھلا ہوا دیکھے گا' اسے حکم دیا جائے گا کہ اسے پڑھ لے' آج تیری اپنی جان ہی اپنا حساب لینے کے لئے کافی ہے۔"

حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا اللہ جل شانہ' ساری دنیا کا حساب لے گا' لیکن جس نے خدا کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا ہو گا' اس کے حساب لئے بغیر اسے سیدھا دوزخ میں بھیج دے گا۔

بہشت اور دوزخ کی حقیقت

اہل سنت کا اعتقاد ہے کہ دوزخ اور بہشت دونوں مخلوق ہیں اور دونوں گھر ہیں۔ ایک کو اللہ نے نیک لوگوں اور فرمانبرداروں کے لئے بنایا ہے اور دوسرے کو گنہگار اور سرکش لوگوں کے لئے۔ یہ دونوں ازل سے ابد تک ہیں۔ بہشت وہی جگہ ہے جس میں حضرت آدمؑ حضرت حوا علیہ السلام اور شیطان مردود رہا کرتے تھے۔ پھر وہاں سے نکالے گئے' مگر معتزلہ اس سے انکار کرتے ہیں۔ اس لئے یہ لوگ جنت میں نہیں جائیں گے اور مجھے اپنی عمر کی قسم! ان لوگوں کو ہمیشہ دوزخ میں رہنا پڑے گا' کیونکہ یہ لوگ اس کے وجود کو نہیں مانتے' اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار بندوں کے لئے آگ میں جلنے کا حکم لگاتے ہیں (صرف ایک گناہ کبیرہ کے عوض میں) اللہ کے کلام اور آنحضرت کی حدیث کی رو سے یہ لوگ جھوٹے ثابت ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ کہ بہشت جس کی وسعت زمین و آسمان کے برابر ہے' پرہیز گاروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ پھر فرمایا۔ اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ جو چیز تیار کی جاتی ہے اس کے متعلق ہر صاحب عقل یقین کر لیتا ہے کہ وہ موجود ہے۔ چنانچہ اس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دونوں چیزیں (جنت اور دوزخ) مخلوق ہیں اور موجود ہیں۔

انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا جب میں جنت میں گیا تو

Marfat.com

اچانک ایک جاری نہر پر سے گذر ہوا۔ اس کے دونوں جانب موتیوں کے خیمے تھے۔ میں نے اس کے جاری پانی کو چھوا تو معلوم ہوا کہ وہ خوشبو دار کستوری ہے۔ میں نے جبرئیل سے اس کے بارے میں دریافت کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عنایت فرمائی۔

بہشت کی شکل

ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرتؐ سے پوچھا بہشت کس چیز سے بنائی گئی ہے۔ آپؐ نے فرمایا اس کی اینٹیں سونے اور چاندی کی ہیں اور خوشبو دار مشک اس کا گارا ہے' یاقوت اور مروارید اس کے سنگریزے ہیں' زعفران اور درس کی طرح اس کی زمین خوشبو دار ہے۔

بہشت میں داخل ہونے والا اس میں ہمیشہ رہے گا' کبھی نہیں مرے گا۔ اس میں خوش رہے گا کبھی کسی مصیبت میں نہ پڑے گا' نہ اس کے کپڑے پرانے ہوں گے' نہ جوانی میں کمی آئے گی۔

بہشت کی خصوصیات

دوزخ اور بہشت کے پیدا ہونے' موجود ہونے' اس کے غیر فانی ہونے اور اس کے ہمیشہ کے نعمت ہونے کی دلیل یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بہشت کا سایہ اور اس کی ماکولات ہمیشہ ہیں۔ فرمایا اس کی نعمتیں ختم ہونے والی نہیں اور اس کے ہمیشہ رہنے میں کوئی امر مانع نہیں۔

بہشتی حوریں

بہشت کی نعمتوں میں موٹی آنکھوں والی حوریں بھی شامل ہیں۔ خدا نے انہیں ہمیشہ بہشت میں رہنے کے لئے پیدا کیا ہے' وہ نہیں مریں گی۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے' بہشت میں ایسی حوریں ہیں جن کی نظریں نیچی رہتی ہیں۔ اس سے پہلے کسی جن یا انسان نے انہیں چھوا تک نہیں۔ فرمایا جنت کی حوریں خیموں کے اندر حفاظت میں رہتی ہیں۔ (الرحمٰن)

ام سلمہؓ سے روایت ہے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہؐ سے اللہ تعالیٰ کے قول کا "کامثال اللولوء المکنون" کے معنی پوچھے تو آپ نے فرمایا کہ ان (حوروں کی) صفائی

Marfat.com

اس طرح کی ہو گی جیسے موتی سیپ کے اندر صاف اور چمکدار ہو تا ہے۔ آپ نے یہاں تک فرمایا کہ حوریں کہتی ہیں ہم اس میں ہمیشہ رہیں گی اور ہمیں کبھی موت نہ آئے گی۔ ہم ہمیشہ خوش رہیں گی اور ہمیں کبھی دکھ نہ ہو گا۔ ہم ہمیشہ مقیم رہیں گی۔ کبھی سفر کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔ کبھی سفر کی ضرورت پیش نہ آئے گی' ہمیشہ خوش اور راضی رہیں گی' اس میں کبھی غم اور غصہ نہیں آتا' اطمینان سے اپنے گھر میں رہتی ہیں' ہمیشہ سچ بولتی ہیں اور پیغمبر سچ بولنے والے ہیں۔ آپ نے یہ بھی بتایا کہ وہ ہمیشہ رہیں گی اور کبھی نہ مریں گی۔

آخرت کی بیوی

معاذ بن جبل ؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب عورت اپنے شوہر کو دنیا میں تکلیف پہنچاتی ہے تو جنت کی وہ حور جو آخرت میں اس مرد کی بیوی ہو گی' اس عورت سے کہتی ہے' خدا تجھے ہلاک کرے' اسے دکھ نہ دے۔ یہ تو دنیا میں تھوڑے ہی دن کے لئے تیرے پاس مہمان ہے۔ جلد تجھ سے الگ ہو کر میرے پاس آنے والا ہے۔

دائمی گھر

اس بیان سے ثابت ہوا کہ بہشت اور دوزخ کو فنا نہیں نہ ہی وہ چیز فنا ہو گی جو ان میں موجود ہے یا جنہیں اللہ تعالیٰ ان میں داخل کرے گا۔ اور پھر انہیں وہاں سے کبھی نہ نکالے گا۔ اس میں رہنے والوں کو موت نہیں آئے گی' اور جو نعمتیں انہیں دی جائیں گی وہ بھی کم نہ ہوں گی' بلکہ زیادہ ہی ہوں گی' اللہ تعالیٰ حکم دیگا کہ دوزخ اور بہشت کے درمیان ایک دیوار پر موت کو رکھ کر مار ڈالو۔ چنانچہ جب موت کو مار دیا جائے گا تو ایک آواز دینے والا آواز دے گا کہ اے بہشت کے ساکنو! اب تم ہمیشہ زندہ رہو گے' تمہیں کبھی موت نہ آئے گی۔ اور اے دوزخ کے ساکنو! تم بھی ہمیشہ زندہ رہو گے' اور مرو گے نہیں۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح روایت ہے۔ (غنیۃ الطالبین صفحہ 161 تا 164)

Marfat.com

حصّہ دوم

قرآن و سنت

الف قرآن حکیم کا تعارف
ب۔ تفسیر اور اس کی ضرورت

مغز قرآن، روح ایمان، جان دیں
ہست حُبِّ رحمتہ للعالمین
"اقبالؒ"

Marfat.com

ایک ابدی معجزہ

قرآن مجید فرقان حمید

نوٹ: قرآن مجید کے بارے میں پچھلے صفحات میں بھی بعض بنیادی باتیں آگئی ہیں۔ یہ حصہ بھی اس کے ساتھ ملا کر پڑھنا بہتر ہو گا۔

قرآن کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالی کی طرف سے نازل شدہ ایسی کتاب ہے جس کا وجود ایک معجزہ سے کم نہیں۔ یہ ایک معجزہ ہے۔ جس کا یہ چیلنج چودہ سو سال آج تک قائم ہے:

1۔ وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِنْ مِثْلِهِ وَادْعُوا۔۔۔تا صٰدِقِيْنَ O (بقرہ۔ 23۔ 24)

"اور اگر تم کو اس کتاب میں جو ہم نے اپنے بندے (محمدؐ عربی) پر نازل کی ہے کچھ شک ہو (اور تم اسے کسی انسان کی تخلیق خیال کرتے ہو) تو اس جیسی ایک سورۃ تم بھی بنا لاؤ اور خدا کے سوا جو تمہارے مددگار ہوں ان کو بھی بلا لو اگر تم سچے ہو۔"

فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ أُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ۔ (بقرہ آیت 23۔ 24)

"اس اگر ایسا نہ کر سکو اور تم ہرگز نہیں کر سکو گے۔ تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے اور جو (رسول اکرمؐ اور قرآن کے) منکروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔"

2۔ أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِثْلِهِ مُفْتَرَيٰتٍ۔ (ھود۔ 13)

(اے نبیؐ!) کیا وہ (کافر) یہ کہتے ہیں کہ قرآن کو آپ بنا لائے ہیں تو ان سے کہئے کہ تم اس جیسی دس سورتیں ہی بنا لاؤ۔

3۔ أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِثْلِهِ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ O (یونس۔ 38)

Marfat.com

"(اے نبیؐ) کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے قرآن کو اپنی طرف سے بنایا ہے۔؟ فرما دیجئے۔ تو اچھا تم بھی اس قرآن جیسی ایک سورۃ ہی بنا لاؤ۔ اور خدا کے سوا جن کو تم (اس کام میں اپنی مدد کے لئے) بلا سکتے ہو ان کو بھی بلا لو۔ اگر تم سچے ہو۔"

4۔ پھر جنات اور انسانوں ہر دو مخلوقات (جن کو اللہ نے اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا) کو مشترکہ چیلنج کیا کہ:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا O (بنی اسرائیل: 88)

(اے نبیؐ! اعلان) فرما دیجئے کہ اگر انسان اور جنات اس قرآن جیسا کلام بنا لانے کے لئے اکٹھے ہو جائیں تو بھی وہ اس جیسا کلام نہیں لا سکیں گے اگرچہ وہ ایک دوسرے کی مدد بھی (کھل کر) کر دیکھیں۔"

5۔ اَمْ یَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ بَلْ لَّا یُؤْمِنُوْنَ O فَلْیَاْتُوْا بِحَدِیْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِیْنَ O (سورہ زمر)

"کیا وہ (کافر) یہ بات کہتے ہیں کہ نبی اکرمؐ نے قرآن از خود بنا لیا ہے؟ (اے نبیؐ! یہ بات نہیں) بلکہ ان کا ایمان لانے کا پروگرام ہی نہیں ہے بس اگر وہ اپنی بات میں سچے ہیں تو اس قرآن کی مثل کلام لا کر تو دکھائیں!؟۔"

تو قرآن حکیم کے اس چیلنج کو آج تک کسی نے قبول نہیں کیا اور جس کسی نے قبول کیا تو منہ کی کھائی یہ قرآن حکیم کے بے مثل اور لاجواب ہونے کا اعجاز ہی تو ہے۔ جس نے ساری دنیا کو لاجواب کر رکھا ہے۔ قرآن کریم ایک ایسا معجزہ ہے۔ جو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی وساطت سے ساری دنیا کے سامنے ہے۔ اور دنیا کی کوئی طاقت نہ اس میں تحریف کر سکتی ہے۔ نہ اسے مٹا سکتی ہے۔ اور نہ اس کی مثال کہیں سے لا سکتی ہے۔

قرآن کے اسماء

قرآن حکیم میں قرآن کا نام چھیاسٹھ بار آیا ہے۔ جیسے قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ یا اَلرَّحْمٰنُ O عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ O یا اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِیْمٌ (56/77) وغیرہ (بصائر التیمیرج 4

Marfat.com

ص 263-262 از مجد الدین فیروز آبادی)

(نوٹ: القرآن 58 بار' قُرآنًا 10 بار آیا ہے (معجم المفہرس ذیل مادہ ق ر ا)۔

قرآن کریم میں لفظ قرآن کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کو بعض مواقع پر بعض دیگر اسماء سے بھی نوازا ہے۔ اور امام ابن جریر طبری کے مطابق وہ نام ہیں:

(1) القرآن (2) الفرقان (3) الکتاب (4) الذکر۔ (تفسیر طبری)

القرآن

قرآن کے معنی ہیں۔ سب سے زیادہ پڑھی جانے والی محفوظ کتاب جیسے۔

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ۔

الفرقان

کا مطلب ہے حق اور باطل میں تمیز قائم کرنے والا۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا (25 - 1) (2 - 158)

الکتاب

یہ پیغام خداوندی چونکہ تحریری شکل میں ہے اس لئے اسے الکتاب کہا گیا۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ (بقرہ - 2)' نیز (کہف - 1)

الذکر

ذکر کا مطلب ہے یاد دہانی۔ نصیحت۔ یا بات چیت۔ تو چونکہ قرآن کریم انسان کو اس کا بھولا ہوا راستہ یا سبق یاد دلاتا ہے نیز اسے نصائح سے بھی نوازتا ہے نیز اس کی تلاوت کے ذریعے انسان اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلام ہوتا ہے اور اس سے گویا بات چیت کرتا ہے۔ لہٰذا اس کو الذکر بھی کہا گیا ہے۔ وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ یعنی اے نبی! یہ قران آپ کے لئے بھی "ذکر" ہے اور آپ کی قوم کے لئے بھی۔ (زخرف - 44)

ان اسماء کے علاوہ بھی قرآن حکیم کے بہت سے نام قرآن حکیم میں ہی ملتے ہیں جن کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

1۔ المبارک۔ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ۔ (6/155)

Marfat.com

2۔ اَلحَکِیمُ۔ وَالقُرآنِ الحَکِیمِ (یٰس۔ 2)
3۔ اَلمُبِینِ۔ تِلکَ اٰیٰتُ الکِتٰبِ المُبِینِ۔ (12۔1)
4۔ العربی۔ اِنَّا اَنزَلنٰہُ قُرٰان عَرَبِیًّا (12۔2)
5۔ العجب۔ قَالُوٓا اِنَّا سَمِعنَا قُرٰانًا عَجَباً (72۔1)
6۔ المجید۔ وَالقُرٰانِ المَجِید (50۔1)
7۔ العزیز۔ وَاِنَّہٗ لَکِتٰبٌ عزیز (41۔41)
8۔ العظیم۔ وَالقُرٰان العَظِیم (15۔87)
9۔ صِرَاطَ المُستَقِیم۔ اِهدِنَا الصِّرَاطَ المُستَقِیم (1۔5)
10۔ نُور۔ وَاَنزَلنَا اِلَیکُم نُورٌ مُّبِینًا (4۔175)
11۔ موعظة۔ قَد جَاءَ تکُم مُوعِظَةٌ مِّن رَّبِّکُم وَشِفَاءٌ لِّمَا فِی الصُّدُور۔ (10۔57)
12۔ شفاءٌ
13۔ البُرهَان۔ قَد جَاءَ کُم بُرهَانٌ مِّن رَّبِّکُم۔ (4۔175)
14۔ البصائر۔ قَدجَاءَ کُم بَصَائِرُ مِن رَّبِّکُم (6۔104)
15۔ البیانٌ۔ هٰذا بَیَانٌ لِلنَّاسِ (3۔138)

16۔ الرُّوح۔ وَکَذٰلِکَ اَوحَینَ اِلَیکَ رُوحٌ مِن اَمرِنَا۔ (42 / 52)
17۔ اَلوَحیُ۔ اِنَّمَا اُنذِرُکُم بِالوَحیِ (21۔45)
18۔ الهُدٰی۔ شَهرُ رَمضَانَ الَّذِیٓ اُنزِلَ فِیهِ القُرٰان هُدًی لِلنَّاس۔ (2۔185)
19۔ بَیِّنَةٌ۔ فَقَدجَاءَ کُم بَیِّنَةٌ مِّن رَّبِّکُم (6۔157)
20۔ الرحمة۔ وَرَحمَةٌ لِّلمُؤمِنِینَ۔ (27۔177)
21۔ کلام الله۔ حَتّٰی یَسمَعَ کَلٰمَ اللهِ (9۔6)
22۔ المصدق۔ مصدق الَّذِی بَینَ یَدَیه (6۔92)
23۔ اَلمُهَیمِن۔ مُهَیمِنًا عَلَیهِ۔ (5۔48)
24۔ اَلمُفَصَّلُ۔ هُوَالَّذِی انزل الیکُمُ الکتٰبَ مُفَصَّلاً (6۔114)

Marfat.com

25-ذِکْرٰی- وَذِکْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ- (11-120)
26-احسن الحدیث- اللّٰہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الحدیث کِتٰبًا (39-33)
27-الحق- قَدْ جَاءَ کُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکُمْ- (10-108)
28-التذکِرَۃً- اِنَّ ھٰذِہٖ تَذْکِرَۃٌ- (73-19)
29-التَبْصِرَۃ- تبصرۃ وَذِکْرٰی لِکُلِّ عَبْدٍ مُّنِیْبٍ- (50-8)
30-التنزیل- وَاِنَّہٗ لَتَنْزِیْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ- (26-192)

آیت و سورت

آیت کا مطلب ہے- نشانی- معجزہ- مثلاً الٓمٓ ○ الٓرٰ ○ اللّٰہُ الصَّمَدُ ○ یہ سب آیات ہیں حٰمٓ یہ بھی ایک آیت ہے- آیت کا مطلب ایک فقرہ جملہ بھی لیا جاتا ہے- آیات بڑی بڑی بھی ہوتی ہیں مثلاً آیت الکرسی اور چھوٹی بھی مثلاً الٓمٓ - یٰسٓ وغیرہ آیات کو نشانی یا معجزہ اس لحاظ سے بھی کہا جاتا ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور اللہ کا کلام سراپا معجزہ ہوتا ہے اس کی مثل و مثال نہیں لائی جا سکتی- اس کے سامنے ہر انسانی تخلیق ہیچ ہوتی ہے- مثلاً عصائے موسوی جب اللہ کے حکم سے زمین پر گرایا جاتا تو وہ ایک اژدہا بن جاتا تھا اور جادوگروں کے بنائے ہوئے سب سانپ اور اژدہوں وغیرہ کو نگل جاتا تھا- اسی طرح کلام اللہ ہونے کے ناطے قرآنی آیات ایسے معجزانہ کمالات و اثرات کی حامل ہیں کہ نہ تو ان کی نظیر و مثال لائی جا سکتی ہے اور نہ یہ کسی مخلوق کے کلام سے مات کھا سکتی ہیں- نہ یہ مٹ سکتی ہیں- نہ مٹائی جا سکتی ہیں- اور نہ مٹائی جا سکیں گی کیونکہ ان کو خدائے حی و قیوم سے نسبت ہے جس طرح اللہ کو زوال نہیں اسی طرح کلام اللہ کو بھی زوال نہیں- جو اللہ کو نہ مانے وہ بھی کافر جو کلام اللہ کو نہ مانے وہ بھی کافر- حتی کہ اس کی ایک آیت یا اس سے بھی کم کا منکر بھی کافروں میں شمار ہوتا ہے- سورہ کے لغوی معنی ہیں- کسی پر چڑھ جانا- حملہ کرنا- سُرتُ الحَائِطَ وَتَسَوَّرتُہٗ کے معنی ہیں- میں دیوار پر چڑھ گیا- اَلسُّوْرُ شہر پناہ کو کہتے ہیں- اسی سے اس کے معنی بلندی' رفعت' شرف و فضیلت' بلندی و برتری لئے جاتے ہیں- سُوْرَۃُ السُّلطَان سے بادشاہ کی شان و شوکت' جاہ و جلال اور زور و دبدبہ مراد لیتے ہیں- غرضیکہ اَلسُّوْرَۃُ درجہ و مرتبہ' قدر و منزلت' بلندی نیز اس عمارت کو کہتے ہیں جو خوبصورتی کے ساتھ آسمان کی طرف بلند ہوتی ہوئی اٹھ گئی ہو- نیز سورہ کے معنی علامت بھی لئے ہوتے ہیں- (تاج العروس محیط)

Marfat.com

قرآنی سورۃ میں چونکہ اللہ کا کلام اور اس کے ارشادات محفوظ و مامون ہوتے ہیں جس طرح شہر پناہ سے شہر کی حفاظت ہوتی ہے۔ اس لئے انہیں سورۃ کہا جاتا ہے۔ (تاج العروس)

قرآن حکیم میں چھوٹی بڑی کل ایک سو چودہ سورتیں ہیں۔

وحی

قرآن حکیم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے ذریعے نازل ہوا۔ وحی کی چالیس سے زیادہ قسمیں بتائی جاتی ہیں۔ بنیادی طور پر وحی کے تین طریقے ہیں۔

1۔ اشارۂ سریع

یعنی لطیف اشارہ سے بات کو سمجھا دینا۔ اسے القا یا الہام بھی کہتے ہیں۔

اس کی تین قسمیں ہیں۔

(الف) جبلی ادراک۔ مثلاً قرآن میں آتا ہے۔ کہ ہم شہد کی مکھی کو وحی کی پہاڑوں درختوں اور عمارات میں گھر بناؤ اور ہر طرح کے پھل کھاؤ یا انسانی نفس کے بارے میں ارشاد ہے:

فَأَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا۔ (الشمس۔ 8)

یہاں وحی اور الہام سے مراد وہ ادراک ہے جو کسی کی طبیعت یا سرشت میں ودیعت ہوتا ہے۔

(ب) کوئی بات دل میں وارد ہونا جیسے قرآن بتلاتا ہے۔

وَاَوْحَیْنَا اِلٰی اُمِّ مُوْسٰی اَنْ اَرْضِعِیْهِ (28۔ 7)

"ہم نے موسیٰ کی والدہ کو الہام کیا کہ اسے دودھ پلاؤ۔"

یا جیسے سورہ مائدہ میں ہے:

وَاِذْ اَوْحَیْتُ اِلَی الْحَوَارِیّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ وَبِرَسُوْلِیْ ○ (مائدہ۔ 111)

"اور جب میں نے حواریوں کو الہام کیا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ۔"

---

(1) النحل

Marfat.com

اس نوع کی وحی یا الہام غیر نبی کو بھی ہو سکتا ہے۔ اور ہوتا ہے اس الہام سے حاصل شدہ علم کو علم لدنی کہتے ہیں۔ جس کی دلیل قرآن سے واضح ہے:

وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا۔ (کہف۔)

غیر نبی کا الہام دین میں حجت نہیں ہوتا۔ یعنی اس کا سب پر نافذ ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ لیکن ایک نبی کا ایسا الہام یا وحی دین میں حجت ہوتا ہے۔ مثلاً قرآن حکیم میں نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کا ذکر تو ہے لیکن ان کی تفصیلات کا علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خصوصی طور پر الہام کیا گیا۔ اس وحی کو وحی غیر متلو (وہ وحی جو) (قرآن کی طرح تلاوت نہ کی جائے) کہتے ہیں۔

(ج) رویائے صادقہ یعنی سچے خواب۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی قربانی کا حکم خواب میں ہوا تھا۔ جیسے حضور علیہ السلام کو نبوت سے قبل رویائے صادقہ سے نوازا گیا تھا۔ نبیؑ کا خواب غیر مبہم اور یقینی ہوتا ہے۔ جبکہ غیر نبی کا خواب قطعی کا حکم نہیں رکھتا۔

وحی رحمانی و وحی شیطانی

اس طرح کی وحی نیک کے لئے ہو تو رحمانی اور بد کے لئے ہو تو شیطانی کہلاتی ہے۔ جیسے:

وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـِٕهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ۔ الخ (انعام ۔ 121)

"اور بے شک شیاطین اپنے دوستوں کے دلوں میں یہ بات ڈالتے ہیں کہ وہ تم لوگوں کے ساتھ جھگڑا کریں۔ اور اگر تم ان کے کہنے پر چلے تو بیشک تم بھی مشرک ہوئے۔"

2۔ تکلیم الٰہی

وحی کا دوسرا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی واسطہ کے بغیر کسی سے پس پردہ یا روبرو کلام فرمائے۔ جیسے وادی سینا میں موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا گیا۔ کان آواز سنتے تھے۔ لیکن آنکھ کسی کو دیکھتی نہ تھی۔ یا جس طرح اللہ تعالیٰ اور رسولؐ خدا میں معراج کی شب دوبدو باتیں ہوئیں۔ اور آپؐ کا ارشاد ہے کہ مجھے سورۃ بقرہ کی آخری دو آیتیں معراج کی شب میں عطا ہوئیں۔ وغیرہ

Marfat.com

3۔ ارسال ملک

یعنی فرشتے کے ذریعے پیغام بھیجنا۔ اکثر انبیاء پر وحی کے لئے عموماً یہی طریقہ استعمال ہوتا تھا۔ یہ غیر نبی کے لئے بھی ہوتا تھا۔ جیسے حضرت مریم کے پاس فرشتہ حاضر ہوا اور کہا کہ میں تجھے ایک بیٹا دینے آیا ہوں۔ (سورہ مریم)

اور اس طریقے سے انبیاء علیہم السلام کے پاس بھی جبریل امین اللہ کا پیغام پہنچاتے رہے۔ اس وحی کی اور بھی بہت صورتیں ہیں۔

حاصل کلام یہ کہ وحی کی قطعی اقسام فقط انبیاء کے لئے مخصوص ہیں۔ اور غیر نبی کے لئے وحی کا لفظ صرف لغوی معنی میں رائج اور مستعمل ہوتا ہے۔

نزول قرآن

قرآن حکیم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر چالیس سال کی عمر میں آہستہ آہستہ نجماً نجماً (ٹکڑوں میں) نازل ہو کر 22 سال 2 مہینے اور 22 دن مکمل ہوا۔

قرآن حکیم کو قول ثقیل بھی کہا گیا ہے:

اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا (مزمل۔ 5)

"ہم عنقریب آپ ؐ پر ایک بھاری فرمان نازل کرنے والے ہیں۔"

کیونکہ یہ وہ بھاری کلام ہے کہ جب اسے اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں اور زمین اور آسمانوں پر پیش کیا تو وہ اس کے تصور سے ہی کانپ گئے۔ چنانچہ جب آپ ؐ پر وحی نازل ہوتی تو آپ کا چہرہ سرخ ہو جاتا۔ سخت سردی بھی پسینہ آجاتا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نجماً نجماً یعنی ٹکڑوں میں نازل کیا گیا۔ کافر قرآن کے نزول کو کھیل سمجھ کر مطالبہ کرتے تھے کہ یکبارگی کیوں نازل نہیں ہو جاتا تو قرآن نے ان کو جواب دیا:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ۝ (فرقان۔ 32)

"اور کافر کہتے ہیں کہ نبی اکرم ؐ پر قرآن ایک ہی دفعہ سارے کا سارا کیوں نہیں اتارا گیا۔ اس طرح آہستہ آہستہ اس لئے (اتارا گیا) تاکہ ہم اس سے آپ ؐ کے دل کو قائم رکھیں اور (اسی لئے) ہم اسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے ہیں۔"

Marfat.com

اس میں دوسری حکمت یہ پوشیدہ تھی کہ آہستہ آہستہ صحابہ کو تعلیم القرآن یاد ہوتی جا رہی تھی۔ اور جملہ صحابہ کرام حضور علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق اسلام کے مبلغ بننے والے تھے جیسا کہ صحابہ کو آپ ؐ کا ارشاد تھا:

بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَة

"میری طرف سے دوسروں تک پہنچا دو چاہے وہ ایک آیت ہی ہو۔"

مکی اور مدنی سورتیں

قرآن حکیم مکہ معظمہ میں نازل ہونا شروع ہوا۔ یہ تیرہ سال کا عرصہ بنتا ہے۔ کہ نبوت کے بعد آپ ؐ مکہ میں تشریف فرما رہے۔ اس عرصہ میں جو کلام اللہ نازل ہوا اس کو مکی سورتیں کہتے ہیں اور جو کلام اللہ ہجرت کے بعد نازل ہوا چاہے وہ مدینہ منورہ میں نازل ہوا یا کسی نواحی مقام پر۔ انہیں مدنی سورتیں کہا جاتا ہے۔

مکی سورتیں عموماً مختصر ہیں۔ جن میں ایمان اور اعتقاد اور توحید و رسالت کا بیان ہے۔ اور ان میں خطاب عام انسانوں سے ہے۔ جیسے یٰاَیُّھَا النَّاس۔

مدنی سورتیں عموماً طویل ہیں۔ کیونکہ مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست کے قیام اور اہل اسلام کی تعداد بڑھنے کے بعد ان کے لئے قواعد و ضوابط اور معاشرتی احکام کا بیان ضروری تھا۔ چنانچہ یہ تعلیم مدنی سورتوں میں واضح طور پر ملتی ہے۔ اور یہاں خطاب عموماً "یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" کے الفاظ سے ہے۔ مدنی سورتوں کی تعداد اٹھائیس ہے۔ یہ آیات مجموعی طور پر قرآن مجید کا 1/3 حصہ ہیں۔

جمع تدوین

جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے کہ قرآن حکیم جیسے جیسے نازل ہوتا تھا۔ آپ ؐ اپنے کاتبان وحی کو حکم دیتے اور وہ نازل شدہ آیات کو قلمبند کرتے جاتے اور ساتھ ہی آپ ؐ ارشاد ربانی کے مطابق نئی آیات اترنے کے بعد ان کا مقام کتابت کہ وہ کس سورۃ کے ساتھ یا پہلے یا بعد لکھنی ہے۔ بھی بتلا دیتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق قرآن حکیم جس ترتیب سے حضور علیہ السلام نے مرتب کروایا تھا۔ وہی آج بھی اپنی اصل ترتیب میں اصل متن کے ساتھ ہمارے پاس محفوظ موجود ہے۔ جسے صحابہ کرام

Marfat.com

کی کثیر تعداد نے حفظ یاد کر لیا تھا۔ اور تحریری طور پر بھی موجود تھا اور زید بن ثابت نے آخری سال رسول خدا اور جبریل کو قرآن کا دور کرتے سنا تھا اور اپنا لکھا ہوا قرآن حضورؐ کو بھی سنایا تھا۔

حفاظت کا ذمہ

قرآن حکیم کی حفاظت کا ذمہ بھی اللہ تعالیٰ نے خود اٹھایا ہے۔
اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ "یعنی اس کا جمع کرنا اور اس کی تلاوت کروانا ہماری ذمے داری ہے۔" (75 - 17) اس کی تفصیل پہلے ہی بیان کی جا چکی ہے۔
آپؐ کا زمانہ قرآن کو زبانی یاد رکھنے کا زمانہ تھا کیونکہ لوگ تحریر سے کم کم واقف تھے نیز ان کا حافظہ بلا کا ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ عربوں کو اپنی اونٹنیوں کا شجرہ بھی کئی کئی پشتوں تک صحت کے ساتھ زبانی یاد ہوتا تھا۔ چنانچہ قرآن کے حفاظ بے شمار صحابہ کرام تھے اور تحریری شکل میں بھی ان کے پاس قرآن موجود تھا۔ (1)

صدیقی کارنامہ

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مسیلمہ کذاب کے خلاف جنگ میں قرآن کے حفاظ صحابہ کی کافی بڑی تعداد شہادت پا گئی۔ (جن کی تعداد ستر بتائی جاتی ہے) (فتح الباری)۔
ان صحابہ کے پاس قرآن تحریری طور پر بھی موجود تھا اور ان کو زبانی بھی یاد تھا۔ چنانچہ خطرہ یہ پیدا ہوا کہ اگر یونہی حفاظ کرام شہادت پاتے گئے تو مبادا قران تحریری طور پر ناپید ہو جائے کیونکہ عہد صدیقی میں جگہ جگہ مرتدوں اور باغیان اسلام کے خلاف محاذ کھل چکے تھے۔ اس لئے حضرت عمرؓ کے مشورہ سے صدیق اکبر کے عہد میں حضرت زید بن ثابت (کاتب وحی) کی قیادت میں (جن کی عمر اس وقت صرف گیارہ برس کی تھی جب حضور رسالت ماٰب مدینہ منورہ میں ہجرت کر کے آئے تھے۔ لیکن اللہ اور رسول کے ساتھ

---

(1) بخاری شریف میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ عہد نبوی میں حضرت ابی بن کعبؓ معاذ بن جبل، زید بن ثابت اور انسؓ کے چچا ابو زید کے پاس قرآن موجود تھا۔

Marfat.com

عشق کا یہ حال تھا کہ سارا قرآن زبانی یاد تھا۔ حتی کہ آپ ؐ کے ارشاد کی تعمیل میں حضرت زید نے یہودیوں کی زبان پر بھی عبور حاصل کر لیا تھا) جن کی عمر اب 22 - 23 سال کی تھی۔ ایک کمیٹی مقرر کی گئی۔ اور آخر انتہائی احتیاط' محنت اور تحقیق و تدقیق کے بعد قرآن حکیم کو قرطاس پر قلمبند کیا گیا۔ یہ نسخہ الگ الگ صحیفوں میں تھا۔ اس لئے اس صُحُف کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ صحف کا یہ مستند مجموعہ (مصحف شریف) پہلے صدیق اکبرؓ کی تحویل میں رہا پھر حضرت عمرؓ کی حفاظت میں آیا اور ان کی شہادت کے بعد ام المومنین حضرت حفصہؓ کے سپرد ہو۔ (البدایہ والنہایہ از ابن کثیر)۔

امام ابن حزم نے لکھا ہے کہ صدیقی عہد میں قران حکیم کے مکمل نسخے تقریباً ایک لاکھ کی تعداد میں بلاد اسلامیہ میں موجود تھے۔ (الملل ولنحل)

عثمانی کارنامہ

آغاز نزول قرآن سے لے کر حضورؐ کے وصال تک عربوں کو اپنے اپنے لہجے میں قران کی تلاوت کی اجازت تھی۔ یہ لہجے سات تھے جو بہت مشہور تھے۔ مثلاً بعض قبائل یَفعَلُ کو یِفعَلُ اور اَسْلَم کو عَسلم بولتے ہیں بعض قبائل میں جمع کی علامت بجائے نون کے میم ہے۔ لہجے اور تلفظ کا مجموعی نام عربی میں قرأت کہلاتا ہے۔ عرب میں سات بڑے قبائل اپنی قرأت میں قرآن کی تلاوت کرتے تھے۔ کیونکہ اختلاف قرأت سے معانی میں کوئی فرق نہ پڑتا تھا۔

حضرت عثمان کے دور میں اسلامی سلطنت کا دائرہ عرب سے نکل کر دور دور تک پھیل چکا تھا اور غیر عرب اقوام بھی اسلام قبول کر رہی تھیں۔ چنانچہ جب ان تک قرآن کے سات لہجے پہنچے تو وہ تذبذب کا شکار ہو جاتے تھے کہ وہ کونسا لہجہ مستند سمجھ کر پڑھیں۔ کیونکہ وہ ساتوں لہجے نہیں نبھا سکتے تھے۔ چنانچہ عثمانی عہد میں حضرت حذیفہؓ عراق و ایران کی شمالی سرحدوں پر جہاد کے لئے گئے تو وہاں آپ نے بعض افراد کو قرأتوں کے معاملے میں اپنی اپنی قرأت کو حق بجانب قرار دیتے ہوئے اور دوسری قرأتوں کے بارے میں حد سے گزرتے ہوئے دیکھا تو اس کے انجام پر غور کر کے کانپ گئے کہ اس طرح ایک دن قرآن حکیم نزاع کا شکار ہو کر رہ جائے گا۔ لہٰذا جہاد سے فارغ ہو کر آپؓ مدینہ منورہ آئے تو حضرت عثمان کو اس صورت سے آگاہ کیا اور پھر صحابہ کرام کے مشورہ سے حضرت عثمان نے حضرت حفصہؓ کے پاس والا مصحف شریف منگوایا جو قریش کے لہجے میں منضبط کیا گیا

Marfat.com

تھا۔ اور اس کی مستند نقول تیار کروا کر مفتوحہ علاقوں کے ہر صوبائی دارالحکومت کو بھجوا دیں۔ ان نسخوں کو مصاحف الائمۃ (یعنی معیاری اور مستند مصاحف) بھی کہتے ہیں۔ (لسان العرب)

حضرت عثمانؓ اور آپ کی مجلس شوریٰ کی اس پیش بینی کا ثمرہ یہ ہے کہ آج قرآن حکیم میں لفظی اختلاف تو ایک طرف زیر زبر اور پیش کا اختلاف بھی نہیں ملتا۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ کو اس کارنامہ کی وجہ سے جامع القرآن کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ یعنی قرآن کی قراتوں میں امت مسلمہ کو ایک قرات پر جمع کرنے والے۔

اعراب

پہلے قرآن کریم کے الفاظ پر اعراب نہ تھے۔ یہ 50ھ کے بعد لگائے گئے۔ پہلے یہ نقطوں کی شکل میں لگائے جاتے تھے اور دیگر نقطوں سے الگ کرنے کے لئے اعراب والے نقطوں کو الگ سیاہی سے لکھا جاتا تھا۔ یہ خدمت حضرت علی المرتضیٰؓ کے شاگرد ابو الاسود دُئلی اور ان کے شاگردوں نصر بن عاصم اور یحیٰ بن یعمر نے انجام دی۔ (1) ۔ اور اعراب کو آخری شکل عباسی عہد میں ایک عالم خلیل احمدؒ نے دی جو آج تک قائم ہے۔ (اتقان نوع ـ 76)

مصحف عثمانؓ کے تاریخی نسخے

حضرت عثمانؓ کا مصحف جو آپ کی شہادت کے وقت آپ کے سامنے موجود تھا اور جس پر آپ کا خون بھی گرا تھا اس کا سراغ قریب قریب۔ مسلسل اور مربوط حوالوں سے چوتھی صدی ہجری تک ملتا ہے۔ چنانچہ تیسری صدی ہجری کے محقق ابو عبیدہ القاسم بن سلام۔ (م۔ 223ھ) نے کتاب القرات میں بیان کیا ہے کہ اس نے اس مصحف مقدس کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ ابن بطوطہ نے اسے آٹھویں صدی ہجری میں بصرہ میں دیکھا تھا۔ ابو تیمور کے زمانے میں دسویں صدی ہجری میں ابوبکر شاشی نے اسے حضرت عبداللہ کے مزار پر رکھ دیا۔ 1959ء میں روس کے ایک رسالہ "سویٹ دیس"

---

(1) البدایہ و النہایہ۔ تہذیب التہذیب۔ تذکرہ الحفاظ نزھتہ۔ الالبہ از انباری وغیرہ۔

Marfat.com

میں اس مصحف کے بارے میں کہا گیا تھا کہ یہ تیمور کے 1393ء میں قائم ہونے والے کتب خانہ میں موجود تھا۔ پھر نہ جانے کن حالات میں یہ نسخہ سمرقند کی مسجد خواجہ احرار میں پہنچا۔ اور صدیوں تک اس کے مرمریں ستون سے زنجیروں کے ساتھ معلق رہا۔ 1868ء میں روس کا قبضہ بخارا پر ہوا تو روسی گورنر جنرل "وان کاف مان" نے اسے خرید کر پیٹرس برگ کے شاہی کتب خانہ میں رکھوا دیا۔ 1917ء کے روسی انقلاب کے بعد یہ نسخہ روسی پارلیمان کے مسلم نمائندوں کے جلسہ میں حکومتی حکم کے مطابق اوفا پہنچا۔ پھر اسے تاشقند لایا گیا۔ روسی نشریہ میں اس نسخہ پر حضرت عثمانؓ کے خون کے دھبوں کا بھی ذکر ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ روسی مستشرقین نے اس نسخہ کی قدامت کو تسلیم کیا ہے۔ (1)

ایک اور نسخہ جو مدینہ میں موجود تھا۔ اسے جنگ عظیم میں ترکی کے گورنر فخری پاشا' دیگر متبرکات کے ساتھ قسطنطنیہ لے گئے تھے۔ جو اب وہاں پر ہی موجود بتایا جاتا ہے۔

شبلی نعمانی مرحوم نے ایک اور مصحف عثمانی کے بارے میں لکھا تھا کہ انہوں نے جامعہ دمشق میں (غالباً 1892ء میں) اس کی زیارت کی تھی۔

ایک اور مصحف عثمانی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ فاس میں ہے۔ ایک اور کتب خانہ خدیو (مصر) میں اور کوفہ میں بھیجا جانے والا نسخہ قسطنطنیہ میں ہے۔ ایک نسخہ لندن میں بھی ہے۔

اسلوب قرآن

قرآن حکیم کا اسلوب بیان انوکھا اور بے نظیر ہے۔ اس کے پیرایہ کا وجود نہ قرآن سے پہلے کسی کتاب کی شکل میں موجود تھا اور نہ بعد کی کسی کتاب میں ہے۔ اس کی نہ کوئی نقل اتار سکا اور نہ تجزیہ کر سکا جس کسی نے بھی اس میں جس قدر گہرائی میں جا کر غور کیا وہ اس کی کنہ اور ماہیت سے آگاہی کا دعویٰ نہ کر سکا۔ قرآن کا اسلوب کلام تمام انواع کلام کا جامع ہے۔ یہ شعر نہیں مگر شعر میں بہت آگے ہے یہ خطابت نہیں مگر اس کی خطابت بہت آگے بڑھی ہوئی ہے۔ غرض اسے کسی ایک صنف میں بند نہیں کیا جا سکتا۔

(الف) علی گڑھ یونیورسٹی کا مجلہ علوم اسلامیہ کا شمارہ، ستمبر 1961ء مضمون جناب ابو محفوظ الکریم معصومی۔ بہ عنوان مصحف عثمانی کے تاریخی نسخے۔ بحوالہ مذاہب عالم کی آسمانی کتابیں از پرویز۔ ص 220-223 (1977ء ایڈیشن)

Marfat.com

لیکن پھر بھی بیان کی خوبیوں اور رعنائیوں سے بھرپور ہے۔ اس کا پیرایہ سخن دل پر اثر کرتا ہے لیکن ذہن کی گرفت میں نہیں آسکتا۔ اس کو کما حقہ' سمجھ لینے کا کوئی بھی دعوی نہیں کر سکتا۔ بلکہ ہر شناور اپنی بے مائیگی اور کم ہمتی کا شکوہ کرتا نظر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک اس کی بے شمار تفاسیر لکھی جا چکی ہیں۔ مگر کوئی بھی حرف آخر نہیں کہلا سکتی۔

قرآن حکیم ہر طرح کے عیب اور ضعف سے بھی پاک ہے۔ اہل عرب فصاحت و بلاغت کے فلک کے ستارے تھے۔ لیکن ان کے سب دعوے قرآن حکیم کے سامنے ہیچ ہو کر رہ گئے۔ حتی کہ بعض مسلم الثبوت شعراء قرآن سن کر مسلمان ہو گئے اور آئندہ کے لئے شاعری چھوڑ دی۔ کیونکہ اس کے الفاظ میں جامعیت کے ساتھ ساتھ معنوں میں جو وسعتیں پائی جاتی ہیں ان کا تصور تو کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ان کو احاطہ ادراک میں نہیں لایا جا سکتا۔

ہر ذہن کی سطح کے مطابق

قرآن حکیم کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ ہر ذہن کا آدمی اسے پڑھتا ہے اور اپنی استعداد کے مطابق اس سے فیض یاب ہوتا ہے۔ حسن صورت اور شیرینی کا یہ حال ہے کہ وہ لوگ جو عربی نہیں جانتے وہ بھی اس کے گرویدہ و دلدادہ ہیں۔ شائستگی اور پاکیزگی کا مرقع ہے۔ اور حیاء کا دامن کہیں بھی مجروح نہیں ہوتا۔ تکرار ایسی دلفریب کہ کانوں کو بھلی لگتی ہے اور دل پر اثر کرتی ہے۔ اس کے مطالعہ سے روحانی' علمی اور عملی سہ گونہ انقلاب کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ دنیا میں آج تک کوئی شخص بھی قرآن کا جواب پیش نہیں کر سکا۔

فصاحت و بلاغت

نزول قرآن سے پہلے کعبہ مکرمہ پر سات عظیم قصیدے جو فصاحت و بلاغت کا مرقع تھے لٹکائے گئے تھے۔ ان کو "سبع معلقات" کہا جاتا تھا۔ جن کے مصنفین اپنے وقت کے چوٹی کے شاعر تھے۔ جب قرآن حکیم نازل ہونا شروع ہوا تو ان شعراء نے قرآن کو سن کر انتہائی حیرت کا اظہار کیا۔ حتی کہ قرآن کے مقابلے میں ان کو وہ سبع معلقات ہیچ نظر آنے لگے اور پھر ان کو اتار دیا گیا۔ کتابوں میں وہ سبع معلقات آج بھی ملتے ہیں۔ لیکن

Marfat.com

قرآن سے ان کو سورج اور ذرہ والی نسبت بھی حاصل نہیں۔

حضرت لبید بن ربیعہؓ انہی سبع معلقات کے مصنفین میں سے ایک تھے۔ وہ قرآن سن کر ایمان لائے اور اسلام لانے کے بعد ساٹھ سال تک زندہ رہے۔ لیکن اس ساٹھ سالہ دور میں انہوں نے ایک شعر کے سوا کچھ نہ کہا۔ ایک دفعہ عمر فاروقؓ نے اپنے عہد خلافت میں حضرت لبیدؓ سے شعروں کی فرمائش کی تو انہوں نے سورہ بقرہ پڑھی اور عرض کی سورۃ بقرہ سیکھنے کے بعد مجھے شعر کہنے کی ہمت ہی نہ پڑی۔

ابو عبیدہ قاسم بن سلام بغدادی (متوفی 223ھ) جو امام شافعیؒ کے شاگرد اور بڑے قابل فقیہہ اور امام تھے، کہتے ہیں کہ ایک بدّو اعرابی نے کسی سے یہ آیت سنی تو فوراً سجدہ کیا۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ۔ (حجر۔ 94)

"یعنی تو کھول کر بیان کر دے جو تجھے حکم ملا ہے۔"

اور پھر اس اعرابی نے کہا کہ میں نے اس کلام کی فصاحت کو سجدہ کیا ہے۔

ایک دفعہ کسی اعرابی نے سورۃ یوسف کی یہ آیت سنی:

فَلَمَّا اسْتَايْئَسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا

"تو جب وہ اس سے نا امید ہو گئے تو الگ ہو کر مشورہ کرنے لگے۔"

اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ کلام کسی انسان کا تخلیق کردہ نہیں ہو سکتا اور نہ کوئی مخلوق اس کی مثال تخلیق کرنے پر قادر ہے۔ ابن مقنع تابعین کے دور کا ایک عظیم صاحب فصاحت و بلاغت شخص تھا۔ اس نے قرآن کے مقابلے میں کچھ تخلیق کرنے کی ٹھانی۔ ایک دن ایک اسلامی مدرسے کے پاس سے گزرتے ہوئے یہ آیت سنی:

وَقِيْلَ يٰٓاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ○ (هود: 44)

"اور حکم دیا گیا اے زمین اپنا پانی پی جا اور اے آسمان تو برسنے سے رک جا اور پانی سکھایا گیا اور معاملہ نبیڑا گیا۔ اور کشتی جودی پہاڑ پر رکی اور حکم ہوا دور ہو بے انصاف قوم۔"

چنانچہ وہ اس آیت کی فصاحت سے اس قدر متاثر ہوا کہ گھر آتے ہی جو کلام اس نے قرآن کے مقابلہ میں گھڑا تھا۔ اسے ضائع کر دیا اور بولا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اس

Marfat.com

کلام کا مقابلہ کرنا ناممکن ہے۔ یہ انسانی کلام ہرگز نہیں۔ (شفا شریف۔ مواہب لدنیہ۔ سیرت رسول عربی از نور بخش توکلی)

مسیلمہ کذاب نے سورہ کوثر کے مقابلے میں یہ کلام گھڑ کر پیش کیا:

اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْجُواهِرَ۔ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَهَاجِر۔ اِنَّ مُبْغِضَکَ رَجُلٌ فَاجِرٌ۔

"بے شک ہم نے تجھے جواہر عطا کئے۔ پس تو اپنے رب کی نماز پڑھ اور ہجرت کر۔ بیشک تیرے ساتھ بغض رکھنے والا بدکار آدمی ہے۔"

ظاہر ہے کہ مسیلمہ نے پہلی دو آیتوں میں قرآن سے سرقہ کیا۔ اور صرف جواہر اور ہاجر اپنی طرف سے لگائے۔ اور تیسری آیت اپنی طرف سے گھڑی۔ لیکن فصاحت کے جو دریا سورہ کوثر میں موجزن ہیں وہ اس جعلی کلام میں کہاں۔

مسیلمہ کذاب نے خود پر وحی اترنے کا دعویٰ کیا۔ چند فقروں کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

"اے دو مینڈکوں کے جوڑے کی جنی ہوئی مینڈکی! تو جو صاف کرتی ہے سو صاف کرتی ہے تیرا بالائی حصہ پانی میں اور زیریں کیچڑ میں ہوتا ہے۔ نہ کسی پینے والے کو روکتی ہے نہ پانی کو گدلا کرتی ہے ملک آدھا ہمارا اور آدھا قریش کا ہے۔ لیکن قریش ظالم ہیں۔"

مسیلمہ نے سورہ "العادیات" کی طرز پر یوں طبع آزمائی کی:

وَالْمُبْدِیَاتِ زَرْعًا وَالحامدات حصدًا وَالذاریاتِ قُمحًا والطاحناتِ طحنًا وَالحاجنات خجنًا وَالخابزات خبزًا وَالثاردات ثَردًا وَلَاقماتِ لَقماً اَهالَةً وَسَمنًا لَقَدْ فَضَّلْتُم علی اهل الوبرومَا سَبَقَکُمْ علی المدد۔

"قسم ہے کھیتی بونے والیوں کی' اور گیہوں پھٹکنے والیوں کی اور پسائی کرنے والیوں کی اور آٹا گوندھنے والیوں کی اور روٹی پکانے والیوں کی اور ثرید پکانے والیوں کی اور گھی کے ساتھ پے در پے لقمے توڑنے والیوں کی کہ (اے میرے قبیلہ والو!) تمہیں صحرا نشینوں پر فضیلت دی گئی ہے۔ اور شہریوں پر تمہیں کیا ہی سبقت حاصل

Marfat.com

ہے۔"

اسی طرح کی خرافات لانے کی سعی کرنے والے خود مٹ گئے۔ لیکن قرآن کی مثال نہ لا سکے کیونکہ خالق اور مخلوق کا بھلا کیا مقابلہ؟۔

آخری صحیفہ اور مکمل نظام حیات

قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا جانے والا آخری آسمانی صحیفہ ہے۔ جس کے ذریعے دین اسلام' جو آدم علیہ السلام سے شروع ہوا' کی تکمیل فرما دی گئی۔ اور جس پر یہ نازل ہوا اسے خاتم النبین کہا گیا ہے۔ اور آپ نے اعلان فرما دیا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں اور قرآن کے بعد کوئی کتاب نہیں آئے گی۔" چنانچہ بنی نوع انسان کو حکم ہوا کہ اسی کے مطابق فیصلے کریں اور اسی کو مانیں:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ۔

"اور جو اللہ کے نازل کردہ احکامات کے مطابق فیصلے نہ کرے تو ایسے لوگ کافر ہیں۔"

آسان ترین ہدایت نامہ

قرآن حکیم حکمت اور علم کا خزانہ بھی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کا انداز ہے کہ ہر کہ ومہ اس کی بنیادی تعلیمات تک آسانی سے رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ کسی گہری باؤلی کی تعمیر میں اس بات کو بھی ملحوظ رکھا جاتا ہے کہ ایک مسافر بغیر ڈول رسی کے پیدل چل کر اس تک رسائی حاصل کر کے فیض یاب ہو سکے۔ یہ بات قرآن میں اس طرح بیان کی گئی ہے۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ۔ (قمر۔ 17)

"اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان کر دیا ہے۔ تو کیا کوئی ہے۔ جو سوچے سمجھے؟"

اور سورہ قمر میں یہ آیت چار بار آئی ہے۔ جس سے قرآن کے آسان ہونے کی واضح ہوتی ہے۔

Marfat.com

کلام اللہ کے مخاطبین

قرآن حکیم دراصل رسول اللہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی باتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جو کچھ بھی فرمایا ہے۔ اس کے اولین مخاطب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اللہ تعالیٰ جب انبیائے سابقین کے بارے میں آیات نازل فرماتا ہے تو آپ ؐ کو ان کے حالات سے آگاہ کرنا مقصود ہوتا ہے۔ تاکہ آپ کی وساطت سے دوسرے لوگ بھی ان کے حالات سے واقف ہو جائیں۔ جب اوامر و نواہی کا معاملہ ہو تو بھی آپ کے علم میں اضافہ کرنا مقصود ہوتا ہے تاکہ اس طرح دوسرے لوگ بھی ان امور سے آگاہ ہو سکیں۔

2۔ کہیں اللہ تعالیٰ یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ۔ یٰاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ' یٰاَیُّھَا المدثر وغیرہ کہہ کر مخاطب کرتا ہے۔ تو اس طرح آپ ؐ کی عظمت ظاہر کرنے کے علاوہ بعض خصوصی معاملات میں آپ کی رہنمائی مقصود ہوتی ہے۔ جہاں کہیں عوام الناس' کفار اور اہل ایمان سے براہ راست خطاب ہے تو اس سے بھی حضور ؐ کی وساطت سے ان گروہوں کو تعلیم ربانی دینا مقصود ہوتا ہے۔

غرض یہ کہ قرآن حکیم کا انداز و اسلوب بات چیت کا انداز و اسلوب ہے۔ چٹھی کا انداز نہیں ہے۔ جب کوئی اس کی تلاوت کرتا ہے تو گویا وہ خود کو اللہ تعالیٰ سے ہمکلام پاتا ہے۔ کہیں یہ ہمکلامی حضور ؐ کی معرفت کی گئی ہے۔ مثلاً قُلْ ھُوَاللّٰہُ اَحَدٌ۔ قُلْ یٰاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ۔ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّانَزَّلْنَا عَلٰی عبدنا۔ وغیرہ۔

کہیں اس کلام کی معرفت اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور عنائتیں برس رہی محسوس ہوتی ہیں۔ کہیں اس کلام کے ذریعے دنیا اور آخرت کی بھلائیاں تقسیم ہوتی دکھائی دیتی ہیں۔ چنانچہ اس کے نادر اسلوب اور طرز بیان کی وجہ سے قرآن حکیم کی انفرادیت کھل کر سامنے آتی ہے۔ یہ بات اگر ذرا وضاحت کے ساتھ کہی جائے تو اسے یوں ادا کیا جائے گا۔

جہاں خوش تر بہ فیضان محمد ﷺ
دو گیتی زیر احسان محمد ﷺ
نہ زیبد ناقصان را لب کشائی
"ہمہ قرآن در شان محمد ﷺ"

(قدر آفاقی)

Marfat.com

قرآن کی تلاوت اور اس کا سننا باعث رحمت ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ○ (اعراف۔ 204)

"اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموشی اختیار کرو تاکہ تم پر رحمت کی جائے۔"

اس کی تلاوت نہایت آرام اور سکون سے آہستہ آہستہ کرنی چاہئے۔

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا○ (مزمل۔ 4)

"اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کرو۔"

نیز فرمایا:

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ○ (بنی اسرائیل 82)

"اور ہم جو کچھ قرآن میں نازل کرتے ہیں وہ مومنوں کے لئے شفاء اور رحمت ہے۔"

کتاب انقلاب

یہ کتاب اچھے معنوں میں انقلاب کی نقیب ہے۔ انقلاب یہ بھی ہوتا ہے کہ نیک انقلاب لا کر بری راہ اختیار کرلیں۔ لیکن ایسا انقلاب قابل مذمت ہوتا ہے۔ قرآن انقلاب لاتا ہے وہ بدیوں سے نیکیوں اور ظلمات سے نور کی طرف رہنمائی کرنے والا کتاب ہوتا ہے۔

الٓرٰ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (ابراہیم)

"یہ (نورانی) کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائیں۔"

جس قوم نے بھی اسلام قبول کرنے کے بعد قرآن حکیم کو عملی شکل دی۔ اس کی ... میں ایسا انقلاب آگیا جس کے نظیر دنیا کی تہذیبوں میں نہیں ملتی۔ اس کے عاملین

Marfat.com

محکوم تھے تو حاکم بن کر ابھرے اگر وہ جھوٹے اور بدکار تھے تو سچائی اور نیکی کے علمبردار بن گئے۔ اور جب کسی قوم نے قرآنی تعلیمات کے برعکس عمل کئے تو اس کی زندگی بد سے بدتر ہو کے رہ گئی۔

تلاوت قرآن کے فضائل

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ تم میں بہتر انسان وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔ اس حدیث کے بارے میں حضرت ابوعبدالرحمٰن سلمی تابعی فرماتے ہیں کہ مجھے حضور ؐ کے اس ارشاد نے مسجد میں بٹھا دیا ہے۔ آپ جامعہ مسجد کوفہ میں قرآن کا درس چالیس سال تک دیتے رہے۔

2۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب سے بہت سے لوگوں کو بلند کرتا ہے اور بہت سے لوگوں کو پست کرتا ہے۔ یعنی اہل ایمان و عمل کو بلند کرتا ہے اور دوسروں کے لئے پستی کا باعث ہے۔

3۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس کے جوف سینہ میں کچھ نہ کچھ بھی قرآن نہیں وہ ویرانے کی مثل ہے۔

4۔ فرمایا ؐ "باعمل حافظ قرآن اپنے گھر والوں میں سے دس جہنمی اشخاص کی بروز قیامت شفاعت قبول فرمائے گا۔" (بروایت علی مرتضیٰ)

5۔ فرمایا ؐ "قرآن حکیم کو زبانی تلاوت کرنے والے پر اس کو دیکھ کر تلاوت کرنے والے کی فضیلت ایسی ہے جیسے فرائض کی فضیلت نوافل پر۔ قرطبی کی روایت ہے کہ آپ ؐ نے ارشاد فرمایا:

"لوگو! آنکھ کی عبادت سے اس کا حصہ دیا کرو۔ صحابہ نے اس کی وضاحت کے لئے عرض کیا تو فرمایا۔ قرآن حکیم کو دیکھ دیکھ کر اور غور و فکر کے ساتھ پڑھنا آنکھ کی عبادت ہے۔"

سورتوں کا آغاز کس طرح ہوتا ہے

قرآن کی سورتیں دس طرح شروع ہوتی ہیں۔

Marfat.com

1- چودہ سورتوں کے آغاز میں اللہ کی حمد و ثنا ہے۔ ان میں سے پانچ الحمد سے شروع ہوتی ہیں۔ دو تبارک اور سات سبحان کے لفظ سے یا اس کے مشتقات سے۔

2- انتیس سورتوں کے آغاز میں حضور علیہ السلام کو مختلف پیارے پیارے ناموں سے مخاطب کیا گیا ہے۔ جیسے یٰاَیُّھَا المزمل۔ یاسین۔ یٰاَیُّھَا المدثر۔۔ وغیرہ جبکہ پانچ سورتوں کے شروع میں آپؐ کی امت کو ندا کی گئی ہے جیسے یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔۔۔ وغیرہ۔

3- تیئس سورتیں جملہ خبریہ سے شروع ہوئی ہیں۔ جیسے یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَنفال یا بَرَاءَۃٌ مِنَ اللّٰہِ۔

4- پندرہ سورتیں قسم کے ساتھ شروع ہوتی ہیں۔ جیسے وَالضحٰی۔ وَالتین والزیتون۔ وغیرہ۔

5- سات سورتوں کے شروع میں حرف اِذَا آیا ہے۔ جیسے اِذَا وَقَعَتِ الواقِعَۃُ۔ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ۔۔۔۔۔۔ اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰہِ۔۔۔۔ وغیرہ

6- چھ سورتیں بصیغہ امر شروع ہوتی ہیں جیسے قُلْ ھُوَاللّٰہُ اَحَد۔ قُلْ اُوحِیَ اِلَیَّ وغیرہ۔

7- سات سورتیں حرف استفہام سے شروع ہوتی ہیں۔ جیسے ھَلْ اَتٰی عَلَی الانسان۔ الم نشرح الَمْ تَرَ کَیْفَ' عَمَّ یتساءلُون۔

8- تین سورتیں حرف توبیخ سے شروع ہوتی ہیں۔ جیسے وَیْلٌ لِلمطففین۔ تَبَّتْ یَدَا اَبِی لَھَبٍ وغیرہ (تفسیر الحسنات از ابوالحسنات سید محمد احمد قادری)

سورتوں کی ترتیب

امام احمد سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

توریت کے بدلے مجھے سبع طوال' زبور کے بدلے مئین' انجیل کے عوض مثانی عطا ہوئیں۔ اور یہ میری فضیلت ہے کہ ان سب کے علاوہ مجھے مفصل بھی عطا ہوئیں۔"

چنانچہ قرآن حکیم میں اسی ترتیب سے یہ سورتیں آئی ہیں۔

1- سبع طوال وہ سات بڑی سورتیں ہیں جو بقرہ سے شروع ہو کر یونس پر ختم ہوتی

Marfat.com

ہیں۔

2۔ مئین کم و بیش سو سو آیتوں والی سور ہیں جو یونس سے فاطر تک ہیں۔

3۔ مثانی سے مراد یٰسٓ سے قٓ تک کی وہ سورتیں ہیں جن میں مضامین مکرر وسہ کرر بیان ہوئے ہیں۔

4۔ اور مفصل وہ چھوٹی سورتیں ہیں جو قٓ سے الناس تک ہیں۔ تو گویا قرآن کی ترتیب آیات و سور آپ کی اس حدیث کے مطابق ہی ہے۔ (تفسیر الحسنات)

ربط آیات و ربط سور

قرآنی آیات اور سورتوں کے اندر ایسا لطیف ربط اور حیرت انگیز تسلسل پایا جاتا ہے۔ جو دنیا کی کسی اور کتاب میں اس طرح نہیں پایا جاتا۔ یہی اعجاز القرآن دنیا کو حیران کیے دیتا ہے۔

بعض بے علم اور ناسمجھ لوگ قرآن حکیم کو بے ترتیب اور غیر مربوط کلام تصور کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کی ذہنی وسعت ہی کنوئیں کے مینڈک کی طرح ہے۔ لیکن جو لوگ کائنات کے وسعتوں میں قدم رکھنے والے ہیں۔ وہ جب فن عربی میں مہارت حاصل کرکے اس کلام کو دیکھتے اور پڑھتے ہیں تو یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ یہ کلام کسی بشر کا نہیں ہو سکتا۔ حتی کہ اس کے مفکرین بھی اس کے بے ترتیبی میں ایسی ترتیب کے قائل ہو جاتے ہیں جو انسان کے بس کی بات ہو ہی نہیں سکتی۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جس طرح آسمان پر ستارے بڑی بے ترتیبی سے بکھرے بکھرے نظر آتے ہیں لیکن رات کی تاریکی میں ان کی چمک دمک اور دلآویزی ہماری عقل کو حیران کر دیتی ہے۔ دل کہتا ہے کہ کاش یہ کسی خاص ترتیب سے ہوتے تو کیا ہی اچھا ہوتا جس طرح باغ میں پھولوں کی کیاریاں ترتیب سے سجی ہوئی ہیں کہیں گلاب۔ کہیں گیندا۔ لیکن ستارے ایسے نظر آتے ہیں جیسے کسی نے نورانی کلیاں مٹھی میں بھر کر اچھال دی ہوں۔ اور وہ بے ترتیبی سے بکھر گئی ہوں۔ لیکن جب ایک ماہر علم فلکیات اور ہیئت دان ان ستاروں میں غور کرتا ہے تو اسے ان پراگندہ ستاروں میں ایک ایسی ترتیب نظر آتی ہے جو باغ کی کیاریوں والی ترتیب سے بہت ہی ارفع و اعلیٰ اور جلیل القدر مقاصد کی حامل ہے۔ حتی کہ ان بے ترتیب ستاروں کا تناسب و توازن وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ کے تحت برو بحر کے مکینوں اور مسافروں کی کس کس شان سے رہنمائی کر رہا ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

Marfat.com

"اور اسی نے زمین پر پہاڑ (بنا کر) رکھ دیئے۔ کہ مبادا تمہیں لے کر کہیں جھک جائے اور (اس میں) نہریں اور راستے بنا دیئے تاکہ تم لوگ راستہ پاسکو (اور ایک مقام سے سیدھے طور پر دوسری جگہ جا سکو) اور (ان راستوں میں) علامات (بھی) رکھ دیں۔۔۔۔۔ اور لوگ ستاروں کے ذریعے بھی سیدھی راہ کا پتہ پاتے ہیں۔" (نحل 15 - 16)

علامہ ابو جعفر نے البرہان فی مناسبت ترتیب سور القرآن اس لطیف ربط کی وضاحت کے لئے بھی لکھی تھی۔ نیز اور بھی بہت سی تفاسیر میں آیات و سور کا باہمی ربط واضح کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں علامہ جلال الدین سیوطی کی تفسیر اسرار التنزیل بھی بڑی اہم ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے بھی اپنی تفسیر میں اس پہلو کو اجاگر کرنے کا التزام کیا ہے۔ اردو میں تفسیر حقانی میں بھی اس مبحث کو واضح کیا گیا ہے۔ علامہ برہان الدین کی تالیف اس سلسلے میں بڑی اہم ہے جس کا نام نظم الدرفی تناسب الایہ والسُّوَرَ ہے۔ (تفسیر الحسنات۔ مقدمہ)

کلمات ربانی کی عظمت

تو گویا قرآن حکیم کی آیات میں مضامین کسی خاص ترتیب سے بیان نہیں کئے گئے۔ جس طرح کہ انسانوں کی تالیف و تصنیفات میں بیان کئے جاتے ہیں۔ بلکہ یہ کتاب خالق کائنات کی آیات میں سے ایک آیت اعظم ہے۔ جس کو فنا نہیں۔ اور یہ ساری کائنات کو محیط ہے۔ قرآن کو جملہ علوم کا منبع و سرچشمہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس کے نزول کے بعد اسی یا سو کے قریب صرف علوم قران ہی وجود میں آئے۔ اس کی اعلی سے اعلی تفسیر بھی حرف آخر نہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًاO (کہف۔ 109)

"یعنی (اے نبی) فرما دیجئے اگر سمندر میرے رب کے کلمات کے لئے سیاہی بن جائے تو سمندر میرے رب کے کلمات کی لکھائی ختم ہونے سے پہلے پہلے ختم ہو جائے گا اگرچہ اس کی مثل اور سمندر

Marfat.com

بھی (سیاہی بنا کر) مدد کے لئے لے آئیں۔"

سچ پوچھو تو یہ بات محاورۃ نہیں کہی گئی بلکہ بڑی سچائی اور دعوے کے ساتھ کہی گئی ہے۔

یہی بات زیادہ وضاحت کے ساتھ سورۃ لقمان میں کہی گئی ہے:

وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

"اور اگر یوں ہو کہ زمین میں جتنے درخت ہیں (سب کے سب) قلم ہوں، اور سمندر (کا تمام پانی) سیاہی ہو (اور) اس کے بعد سات سمندر اور (سیاہی ہو جائیں تو خدا کی باتیں (یعنی اس کی صفتیں) ختم نہ ہوں۔ بیشک خدا غالب، حکمت والا ہے۔" (ترجمہ۔ مولانا فتح محمد جالندھری)

مضامین قرآن

قرآن حکیم میں زندگی کے ہر شعبہ کے بارے میں بنیادی اصول و علوم دیئے گئے ہیں۔ یہ کتاب ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ بہ نظر غائر قرآن حکیم کا مطالعہ کیا جائے تو چار باتیں اس میں بڑی خصوصیت رکھتی ہیں۔ یعنی:

1۔ جامعیت

یہ کتاب ایسے مضامین و مطالب کا مجموعہ ہے جس سے ہر قوم، ہر نسل، ہر وطن کا انسان ہر زمانے میں فیض اٹھا سکتا ہے۔ یہی اس کی آفاقیت اسے دوسری کتابوں سے ممتاز کرتی ہے۔ قرآن ہر ایسے انسان کے لئے رہنما و رہبر ہے جو اس سے رہنمائی حاصل کرنے کا خواہش مند ہو۔ اس کے بتائے ہوئے راستے پر کسی کا اجارہ نہیں۔ ہر کوئی اس کی راہ کو اپنا کر اس کے ثمرات سے متمتع ہو سکتا ہے۔

اس کتاب میں سابقہ آسمانی کتب اور صحائف کی ضروری تعلیمات کو جمع کر دیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے یہ کتاب سابقہ کتب منزلہ کی مُھَیمِن (پاسبان یا محافظ) ہے۔ یہ کتاب ایک مکمل ضابطہ حیات اور بے عیب اور غیر متبدل دستور زندگی ہے۔ نیز یہ

Marfat.com

ایمانیات' عبادات اور معاملات وغیرہ حتی کہ انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام گوشوں کو منور کرتی ہوئی انسانی رہبری کا سامان مہیا کرتی ہے۔

2۔ وحدت

اس کتاب میں یکجہتی مکمل ہم آہنگی' موافقت اور موزونیت بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔ اس میں کوئی تضاد نہیں۔ اس میں کوئی کجی نہیں:

1۔ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا غَیْرَ ذِیْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ۔ (زمر۔ 28)

"یعنی فصیح قرآن ہے جس میں کوئی کجی نہیں تاکہ لوگ متقی بن جائیں۔"

2۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا۔ (کہف 1)

"اللہ ہی تعریف کے قابل ہے جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل فرمائی اور اس میں کوئی کجی نہیں رکھی۔"

3۔ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا كَثِیْرًا۔ (النساء)

"اور اگر یہ قرآن اللہ کے سوا کسی اور شخص کی طرف سے آتا تو اس میں بہت اختلاف ہوتا۔"

وحدت مضامین قرآن کریم کی وہ خصوصیت ہے جس سے انکار کفر ہے۔ نیز اس میں "کچھ لو اور کچھ دو" والا معاملہ نہیں ہو سکتا۔ کہ قران کی بعض آیات یا حصوں پر ایمان رکھا جائے اور بعض کا معاذ اللہ کسی بہانے انکار کر دیا جائے۔ جیسے یہودیوں کا تورات کے بارے میں عمل تھا۔ جس کا ذکر قرآن حکیم میں اس طرح آیا ہے۔

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ O (بقرہ۔ 85)

"یعنی کیا تم کتاب کا کچھ حصہ صحیح مانتے ہو اور کچھ حصے کا انکار کرتے ہو۔"

3۔ محکمیت

قرآن عزیز کی آیات کو محکم بھی کہا گیا ہے۔

كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰیٰتُهٗ یہ ایک کتاب ہے جس کی آیات محکم کر دی گئی ہیں۔

نیز اسے قرآن حکیم بھی کہا ہے۔ كِتٰبٌ حَكِیْم بھی اور الذكر الحكيم بھی۔

Marfat.com

حکیم سے مراد ہے حکمت و دانائی سے پر۔ نیز محکم و مضبوط اور باطل سے محفوظ اور ہر طرح کے عیب، ضعف یا نقص سے پاک۔

وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۝ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۝ (حٰمٓ سجدہ 42)

"اور وہ ایک غالب کتاب ہے۔ اس میں باطل نہ سامنے کی طرف سے داخل ہو سکتا ہے۔ اور نہ پیچھے سے۔ یہ اتاری ہوئی ہے حمد والے حکیم کی طرف سے۔"

قرآن کی غالبیت ہی اس کی محکمیت کی دلیل ہے۔ اس کی تعلیم اور احکامات کو بھی پختہ کہا گیا ہے۔ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ۔ (98 - 3) اس میں پختہ احکامات ہیں۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ (3 - 7)

"وہی خدا ہے جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی جس کی بعض آیات محکمات ہیں اور وہی اصل کتاب ہیں اور دوسری متشابہات ہیں۔"

4۔ تفصیل

قرآن حکیم ایک مفصل کتاب ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا (انعام - 114)

"اللہ وہ ہے جس نے تمہاری طرف مفصل کتاب نازل فرمائی۔"

اردو میں تفصیل کے جو معنی ہیں۔ عربی میں تفصیل کے معنی مراد نہیں لئے جاتے۔ بلکہ فصل کا مطلب ہے:

1۔ الگ الگ کرنا۔ فرق ظاہر کرنا۔ التباس اور اشتباہ دور کرنا وغیرہ۔

2۔ تبیان۔ کھول کر بیان کرنا۔

3۔ فیصلہ۔ دو ٹوک بات جیسے اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ۝ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ۔ یعنی دو ٹوک فیصلہ ہے۔ اور کوئی مذاق نہیں۔

Marfat.com

چنانچہ قرآنی تفصیل کا ذکر کئی جگہ آیا ہے۔

قد فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَذَّکَّرُوْنَ۔ (انعام)

"ہم نے آیات کو (حق و باطل میں فرق ظاہر کرنے والی بنا کر) کھول کر رکھ دیا ہے۔ اس قوم کے لئے جو نصیحت پکڑے۔"

وَنَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ تِبْیَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ (النحل - 89)

"اور (اے نبیؐ) آپ کی طرف کتاب نازل کی گئی جو ہر (بنیادی) چیز کی وضاحت کرتی ہے۔"

نازل ہونے کی ترتیب سے مکی سورتیں (جن کی تعداد چھیاسی ہے)

العلق، القلم، المزمل، المدثر، الفاتحہ، اللھب، التکویر، الاعلٰی، اللیل، الفجر، الضحٰی، الانشراح، العصر، العٰدیٰت، الکوثر، التکاثر، الماعُوْن، الکافرون، الفیل، الفلق، الناس، الاخلاص، النجم، عبس، القدر، الشمس، البروج، اَلتِّین، قریش، القارعہ، القیٰمۃ، الھمزہ، المرسلٰت، قٓ، البلد الطارق، القمر، صٓ، الاعراف، الجن، یٰسٓ، الفرقان، فاطِر، مریم، طٰہٰ، الواقعہ، الشعراء، النمل، القصص، بنی اسرائیل، یُونُس، ھُود، یوسف، الحجر، الانعام، الصّٰفّٰت، لُقمٰن، سبا، الزُمر، المؤمن، حٰمٓ السجدہ، الشوریٰ، الزخرف، الدخان، الجاثیہ، الاحقاف، الذّٰریٰت، الغاشیہ، الکھف، النحل، نوحؑ، ابراہیمؑ، الأنبیاء، المومنون، السجدہ، الطُور، الملك، الحاقہ، المعارج، النبا، النّٰزِعٰت، الانفطار، الانشقاق، الرُّوم، العنکبوت، المطفِّفِین۔

یہ اٹھائیس سورتیں مدنی ہیں

البقرہ، الانفال، آل عمران، الاحزاب، الممتحنہ، النساء، الزلزال، الحدید، محمد، الرعد، الرحمٰن، الدھر، الطلاق، البیّنہ، الحشر، النُور، الحج، المنافقون، المجادلہ، الحجرات، التحریم، التغابن، الصف، الجمعہ، الفتح، المائدہ، التوبہ، النصر۔

(الزرکشی: البرھان فی علوم القرآن ج1 ص 94 - 193 وغیرہ)

Marfat.com

قرآنیں سورتوں کی تقسیم و تعداد

1۔ الطوال۔ بڑی اور لمبی سوتیں۔ یہ تعداد میں سات ہیں۔
2۔ المِئین۔ جو سورتیں کم و بیش سو آیات پر مشتمل ہیں۔ ان کی تعداد چھبیس ہے۔
3۔ المثانی۔ سورۃ یٰس سے قٓ تک ان کی تعداد باختلاف پندرہ بتائی جاتی ہے۔ بعض کے نزدیک یٰسٓ سے الحجرات تک جبکہ بعض کے نزدیک سورۃ محمدؐ تک کو محیط ہیں۔
4۔ المفصل۔ یہ چھوٹی سورتیں ہیں۔ یہ سورۃ قٓ سے آخر قرآن مجید تک کو محیط ہیں۔ "المفصل" میں بھی تین طرح کی سورتیں پائی جاتی ہیں۔

1۔ طوال۔ سورۃ قٓ سے المرسلٰت تک۔
2۔ اوساط۔ سورۃ النّبأ سے الضُّحٰی تک
3۔ قصار۔ الانشراح سے الناس تک۔

حروف مقطعات

سورۃ بقرہ کا آغاز الٓمٓ سے ہوتا ہے۔ اسی طرح کسی سورت کے شروع میں المٓصٓ' کٓھٰیٰعٓصٓ وغیرہ آیا ہے اور اس کے بعد آگے سلسلہ کلام شروع ہوا ہے۔ ایسے حروف جن کو مقطعات کہتے ہیں۔ قرآن حکیم میں انتیس سورتوں کے آغاز میں آئے ہیں۔ یہ کل چودہ حروف تہجی ہیں۔ یعنی:

الف' ل' م' ص' ر' ك' ھ' ی' ع' ط' س' ح' ق' اور ن' ك' اور ن۔۔ ایک ایک مرتبہ ع' ہ' ی' ق' دو دو مرتبہ' ص' تین مرتبہ ط چار مرتبہ' س پانچ مرتبہ' ر چھ مرتبہ' ح سات مرتبہ' الف' ل' تیرہ تیرہ مرتبہ' اور م سترہ مرتبہ استعمال ہوئے ہیں۔

ان حروف کے بارے میں اللہ تعالیٰ اور اس کا رسولؐ ہی بہتر جانتے ہیں۔ علمائے کرام نے ان کی تاویلات کی کوشش ضرور کی ہے۔ مگر صرف خیال کی حد تک' اس لئے علمائے راسخین کا خیال ہے کہ یہ حروف متشابہات میں سے ہیں۔ اور علوم و معارف کا گنجینہ ہیں۔ ان کا کیا مطلب ہے۔ اللہ اور رسولؐ ہی بہتر جانتے ہیں۔ جب اس راز سے حضور

Marfat.com

علیہ السلام نے خود پردہ نہیں اٹھایا تو اسے کوئی اور کیا طشت ازبام کر سکے گا۔

حروف مقطعات یہ ہیں:

الٓمٓ، الٓمٓصٓ، الٓرٰ، الٓمٓرٰ، کٓھٰیٰعٓصٓ، طٰهٰ، یٰسٓ، طٰسٓ، طٰسٓمٓ، حٰمٓ، حٰمٓعٓسٓقٓ، قٓ، نٓ، صٓ،

قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وہی تو خدا ہے جس نے (اے نبیؐ) آپؐ پر کتاب نازل کی جس کی بعض آیتیں محکم ہیں (اور) وہی اصل کتاب ہیں۔ اور دوسری متشابہات ہیں۔ تو جن لوگوں کے دلوں کے اندر کجی ہے وہ متشابہات کا اتباع کرتے ہیں۔ تاکہ فتنہ برپا کریں اور اصلی مطلب کا پتہ لگائیں، اور اللہ کے سوا ان کی تاویل کوئی نہیں جانتا۔ اور جو لوگ الرّاسخون فی العلم یعنی علم میں کامل دستگارہ رکھتے ہیں وہ کہتے ہیں "ہم ایمان لائے ان (متشابہات) پر (ان کے ان معنوں کے ساتھ جو کہ اللہ کے نزدیک ہیں) یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہیں۔" اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ) نصیحت تو عقلمند ہی قبول کرتے ہیں۔" (3 ـ 7)

سبع اَحْرُف

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد ہے:

انزل القرآن عَلٰی سبع احرف فَاقرَ وا مَا تیسَّرَ مِنْہُ

"یعنی قرآن مجید سات حروف پر اتارا گیا ہے۔ تمہارے نزدیک جو طریقہ آسان ہو اس کے مطابق اس کی تلاوت کرو۔"

سبع احرف کا کیا مطلب ہے۔ اس بارے میں مختلف آراء ہیں۔ جن کی تفصیل یوں ہے۔

1۔ اس سے عرب کے سات قبیلے مراد ہیں جو فصاحت و بلاغت میں ممتاز تھے۔ یعنی:
(1) قریش (2) بنو سعد (3) بنو ہذیل (4) بنو ربیعہ (5) بنو ہوازن (6) بنو

Marfat.com

ازد (7) بنو تمیم۔

ان کے لہجوں میں فرق تھا۔ لیکن ان لہجوں کو اختیار کرنے سے معانی میں فرق نہیں پڑتا تھا۔

اس لئے کہا جاتا ہے کہ حضور علیہ السلام کا مطلب یہ تھا کہ قرآن کی ترتیل و تلاوت کے معاملے میں ان قبائل کے لہجوں کو مستند سمجھا جائے۔

2۔ صحابہ کرام میں سات قاری حضرات بہت مشہور تھے۔ اور حضورؐ کا مطلب یہ تھا کہ یہ ساتوں قاری مستند ترین ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں:

(1) حضرت عثمانؓ بن عفان (2) حضرت علیؓ بن ابی طالب (3) حضرت ابی بن کعبؓ (4) حضرت عبداللہؓ بن مسعود (5) حضرت زید بن ثابت (6) حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ (7) حضرت ابودرداءؓ۔

3۔ سبعہ احرف کا ایک مطلب یہ بتایا جاتا ہے کہ قرآن حکیم میں سات قسم کے مضامین بیان ہوئے ہیں۔ یعنی:

(1) امر (2) زجر (3) ترغیب (4) ترہیب (5) جدل (6) قصص (7) امثال

4۔ قرآن حکیم عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔ اس کے الفاظ کی ادائیگی ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں۔ جبکہ عجمی اہل اسلام اپنے اپنے ــ ں کی زبانوں کے حروف تہجی کے اعتبار سے اس کی تلاوت کرتے ہیں۔ تو حضورؐ کا گویا یہ مطالب تھا کہ ہر مسلمان کوشش کے باوجود اگر قرأت کا حق ادا نہ کرسکے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ ان کے علاوہ بھی سبع احرف کے مطلب بیان کئے گئے ہیں۔

کاتبانِ وحی

قرآن حکیم کی کتابت کی خدمت جن صحابہ کرام نے انجام دی ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں:

حضرت ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ امیر معاویہؓ، ابان بن سعیدؓ خالدؓ بن ولید ابی بن کعب، ثابت بن قیس، ارقم بن ابی ارقم، حنظلہؓ بن ربیع اور ابوؓ رافع قبطی رضی اللہ عنہم (اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد1/ 16، ص246)۔

Marfat.com

تلاوت کلام پاک کے لئے سات منزلیں

قرآن حکیم کو تلاوت کرنے کے لئے اس کی سات منزلیں مقرر کی گئی ہیں۔ یادداشت کی آسانی کے لئے ان کے نام "فمی بشوق" رکھا گیا ہے۔ جس کے ہر حرف سے قرآن عزیز کی ایک منزل مراد لی جاتی ہے۔ یعنی:

1۔ ف سے مراد سورۃ فاتحہ تا نساء جمعہ کے دن تلاوت کرے۔
2۔ م سے مراد سوۃ مائدہ تا توبہ یا برات بروز ہفتہ تلاوت کرے۔
3۔ ی سے مراد سورۃ یونس سے نحل تک بروز اتوار تلاوت کرے۔
4۔ ب سے مراد سورۃ بنی اسرائیل تا فرقان بروز پیر تلاوت کرے۔
5۔ ش سے مراد سورہ شعراء سے یٰسٓ تک بروز منگل تلاوت کرے۔
6۔ و سے مراد سورۃ والصافات سے حجرات تک بروز بدھ تلاوت کرے۔
7۔ ق سے مراد سورۃ قٓ سے والنّاس تک بروز جمعرات تلاوت کرے۔

قرآن مجید کا ختم شریف

قرآن حکیم کو کم از کم سات دن میں ختم کرنا چاہئے۔ اس سے کم میں مناسب نہیں۔ اور زیادہ سے زیادہ چالیس روز میں۔ ختم قرآن کے بعد جو بھی دعا کی جائے قبول ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ختم قرآن کے بعد جو بھی دعا کی جائے قبول ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ختم قرآن کے بعد اہل و عیال اور دیگر حاضرین مل کر دعا مانگیں تو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا۔ محمد بن نصر المروزی اپنی کتاب قیام اللیل میں ایک حدیث نقل کرتے ہیں جس کے مطابق قرآن کی تلاوت میں شامل ہونا ایسے ہی ہے جیسے کوئی فتح فی سبیل اللہ میں شامل ہوا۔ اور ختم قرآن کے وقت شامل ہونے والا ایسے ہے جیسے کوئی مال غنیمت کی تقسیم کے موقع پر حاضر ہو جائے۔

حضرت انس ؓ جب قرآن مجید ختم فرماتے تو اپنی اولاد اور گھر کے لوگوں کو اکٹھا کرتے اور پھر سب کے لئے مل کر دعا کرتے۔ (قیام اللیل ص 88 عن ابی قلابہ ؒ مولفہ شیخ الاسلام ابی عبداللہ محمد بن نصر متوفی 298ھ)

دارمی شریف میں سلیمان بن حرب ابی قلابہ سے روایت کرتے ہیں کہ تلاوت کلام اللہ کے آغاز کے وقت حاضر ہونا گویا فتح فی سبیل اللہ میں شامل ہونے کی مانند ہے۔

Marfat.com

جبکہ ختم قرآن کے وقت دعا میں شریک ہونا ایسے ہے جیسے کوئی مال غنیمت کی تقسیم کے وقت حاضر ہو۔ (مفہوم)

(مجمع الزوائد ص 172 جلد ہفتم مطبوعہ مصر)

امام احمد بن حنبل" قرآن ختم کرنے کے موقع پر لوگوں کو جمع کرکے' مل کر دعا کرنے کو کار ثواب و قبولیت سمجھتے تھے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ قرآن حکیم کے ہر حرف کی تلاوت کے بدلے دس نیکیاں ملتی ہیں۔ الٓمٓ ایک نہیں بلکہ تین حرف ہیں۔ پس اس کی تلاوت کا ثواب تیس نیکیاں ہیں نیز کہا جاتا ہے کہ:

"قرآن کریم کی تلاوت کرنا باعث ثواب اس کا سمجھنا موجب خیرو برکت اور اس پر عمل کرنا ذریعہ نجات ہے۔"

تفسیر القرآن اور اس کی ضرورت

لغوی معنی

اَلْفَسْرُ۔ واضح کرنا۔ چھپی ہوئی چیز کو کھولنا۔ ظاہر کرنا۔ اللہ تعالٰی نے قرآن حکیم کے بارے میں ارشاد فرمایا:

وَلَا یَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِیْرًاO (فرقان ۔ 33)

"اور وہ (کافر) لوگ آپ" کے پاس جو (اعتراض کی) بات (بھی) لاتے ہیں ہم آپ" کے پاس اس کا ٹھیک (اور معقول) جواب بھیج دیتے ہیں اور پھر اس کی بہترین تشریح بھی کر دیتے ہیں۔"

سورۃ القیٰمہ میں ارشاد فرمایا:

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ O اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ O فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ O ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗO (16 ۔ 19)

"(اے نبی") آپ قرآن پڑھنے کے لئے اپنی زبان کو حرکت نہ دو کہ اس کو جلد یاد کر لو۔ اس کا جمع کرنا اور پڑھوانا ہمارے ذمے ہے۔ تو جب ہم قرآن پڑھیں تو آپ" بھی اس کی تلاوت کی پیروی

Marfat.com

میں پڑھتے جائیں۔ پھر اس کی تشریح و تفسیر کرکے سمجھانا بھی ہمارے ذمے ہے۔"

گویا اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی تشریح و تفسیر کی ضرورت بھی واضح کر دی تاکہ اہل اسلام واضح طور پر اس کو سمجھ کر عمل کر سکیں۔

تفسیر کے طریقے

قرآن حکیم کی یہ تفسیر و تشریح تصریف آیات کے ذریعے بھی ہوتی ہے۔ یعنی قرآن کی ایک آیت کی تشریح کسی دوسری آیت میں مل جاتی ہے۔ سورۃ انعام میں فرمایا:

1۔ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ۔ (6۔ 65)

"اے نبی ذرا آپ دھیان تو کریں کہ ہم کس طرح آیتوں کو پھیر پھیر کر لاتے ہیں۔ تاکہ وہ (خوب) سمجھ جائیں۔"

2۔ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ○ (6۔ 105)

"اور اسی طرح ہم آیتیں پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں تاکہ کافر یہ نہ کہیں کہ تم (یہ باتیں اہل کتاب سے) سیکھے ہوئے ہو اور آیتیں پھیر پھیر کر لانے کا مقصد یہ ہے تاکہ سمجھدار لوگوں کو یہ قرآن خوب وضاحت سے سمجھا دیں۔"

اللہ تعالیٰ نے نہ صرف آیتوں کی تصریف سے وضاحت و تشریح کا کام لیا ہے بلکہ طرح طرح کی مثالیں بیان کرکے بھی یہ مقصد حاصل کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

1۔ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ فَاَبٰى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا۔ (17۔ 89)

"اور ہم نے لوگوں کو سمجھانے کی خاطر اس قرآن میں ہر طرح کی مثالوں کو بار بار استعمال کیا ہے۔ تو بھی لوگوں کی اکثریت نے صرف کفر اور ناشکری ہی کو قبول کیا۔"

2۔ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ○ (18۔ 54)

"اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کو سمجھانے کے لئے ہر طرح کی مثالیں بار بار بیان کی ہیں۔ لیکن حضرت انسان سب چیزوں سے بڑھ کر جھگڑالو ہے۔"

Marfat.com

3۔ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ۔ (46 - 27)

"اور تمہاری ارد گرد کی بستیوں کو ہم نے ہلاک کر دیا اور (اس سے قبل) بار بار اپنی نشانیاں ظاہر کیں کہ شاید وہ (اللہ کی طرف) پلٹ آئیں۔ (لیکن وہ پلٹ نہ سکے اور آخر ہم نے اپنے اصولوں کے مطابق انہیں ہلاک کر دیا۔"

قرآن حکیم کی بعض آیات ایک سے زیادہ مفاہیم و مطالب رکھتی ہیں۔ ایک تو وہ جو بادی النظر میں سامنے آجاتا ہے۔ لیکن جوں جوں غور کیا جائے تو اس کے علاوہ دیگر مفاہیم بھی ابھرنے لگتے ہیں۔ انہیں باطنی مفہوم کہتے ہیں۔ ان میں سے کس مفہوم کو اختیار کیا جائے۔ اس فیصلہ تک پہنچنے کے لئے دلائل سے مدد لی جاتی ہے۔ اس گہرے مطلب کو اخذ کرنے کا عمل "تاویل" کہلاتا ہے۔

تاویل کا مطلب بھی پھیرنا یا لوٹانا ہوتا ہے۔ لیکن اصطلاح میں اس کے مندرجہ ذیل مطالب لئے جاتے ہیں۔

(1) بیان (2) تعبیر (3) اصل مقصد و مدعا (4) باطنی مفہوم (5) حقیقت (6) تحقیق (7) روح المعانی یعنی کسی بات کی روح تک پہنچنا۔

قرآن حکیم میں تاویل کا لفظ عملی ثبوت (اعراف۔ 7 ـ 52' یونس ـ 39) اور انجام (بنی اسرائیل 17 ـ 35) کے معنی میں بھی آیا ہے یہ علم اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو "تاویل الاحادیث" یعنی معاملات کی صحیح سمجھ اور "تاویل رؤیا" یعنی خوابوں کی صحیح تعبیر کا علم بھی عطا ہوا تھا۔ جس نے آپ کو قید خانہ سے نکال کر پہلے بادشاہ کی مصاحبت اور پھر بادشاہت سے نوازا۔

حضرت عبداللہؓ بن عباس کے حق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کو قرآن کی تاویل کا علم عطا فرمائے۔ چنانچہ یہ دعا مقبول ہوئی اور بطور مفسر قرآن ان کی حیثیت مسلمہ ہے۔

تاویل تفسیر ہی کی ایک نوع ہے۔ اس کے لئے انتہائی احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔ ورنہ یہ تفسیر کے دائرہ سے نکل کر ظن و تخمین کے میدان میں پہنچ کر دم توڑ سکتی ہے۔ اور اسے تحریف معنوی کہا جاتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے قید خانہ میں دو قیدیوں کو توحید کی تبلیغ کے بعد جب ان کے خوابوں کی الگ الگ تعبیر بتلا دی تو وہ فیصلہ

Marfat.com

کن انداز میں تھی:

قُضِیَ الْاَمْرُ الَّذِی فِیْہِ تَسْتَفْتِیٰنِ۔ (12/41)

"یعنی جو امر تم مجھ سے پوچھتے تھے وہ فیصل ہو چکا ہے۔"

یعنی بطور پیغمبر وقت انہوں نے پورے یقین کا اظہار فرمایا کہ یہ فیصلہ اسی طرح ہو گا۔ اور وہ ہوا بھی اسی طرح۔ لیکن جب ایک عاجز بندے کے طور پر اپنی رہائی کے لئے کوشش کی تو قرآن حکیم نے ان کی یہ حالت بتلائی:

وَقَالَ لِلَّذِیْ ظَنَّ اَنَّہٗ نَاجٍ مِّنْھُمَا اذْکُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّکَ۔

اور اس قیدی سے کہا' جس کے بارے میں خیال کیا تھا کہ وہ ان دونوں میں سے رہائی حاصل کرے گا کہ تو اپنے آقا کے حضور میں میری بے گناہی کا ذکر کر کے مجھے رہائی دلانا۔ تو یہاں۔ لفظ ظَنَّ استعمال ہوا ہے۔ جس کے معنی ظاہر ہیں۔ مطلب یہ کہ پیغمبر کے علاوہ کسی کی بھی تاویل حرف آخر نہیں ہوتی۔

تاویل کے لئے اہل علم نے مندرجہ ذیل شرائط کو لازمی قرار دیا ہے۔

1- دل میں خوف خدا ہو۔

2- عربی زبان و ادب میں کامل دستگاہ حاصل ہو۔

3- دل میں کسی خاص نظریہ یا ہٹ دھری کا بت نہ رکھا ہو۔ بلکہ حق کو ظاہر یا حاصل کرنا مقصود ہونا چاہئے۔

4- جس آیت کی تاویل مقصود ہو اسے سیاق و سباق اور دوسرے پہلوؤں پر غور کر کے بھی دیکھا جائے۔

5- تاویل کے لئے جو دلیل دی جائے وہ ایسی ہو کہ اس سے قوی تر دلیل اس کی مخالفت میں نہ ملتی ہو۔

پھر یہ بھی خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان بنا دیا ہے۔

وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ فَھَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ۔

لیکن اتنا بھی آسان نہ سمجھا جائے کہ ہر کس و ناکس تاویل کرنے لگے اور اس پر ناحق جتا کر اپنی تاویل کو ہی حرف آخر قرار دے ڈالے۔

مفسرین قرآن

قرآن حکیم کے اولین مفسر حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اہل عرب

Marfat.com

یوں تو عربی زبان کو خوب سمجھتے تھے لیکن پھر بھی کبھی کبھی غلطی لگ جاتی تھی۔ تو حضور علیہ السلام معاملے کی وضاحت کر کے سمجھا دیتے۔

مثلاً جب یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ ○ (6 - 82)

"یعنی وہ اپنے ایمان کو ظلم سے آلودہ نہیں کرتے۔"

تو صحابہ کرامؓ نے اس کا مطلب پوچھا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ظلم سے مراد یہاں شرک ہے۔ اور اس کی تائید میں آپؐ نے یہ آیت پڑھی۔

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ۔ (لقمان - 13)

"بیشک شرک واقعی بہت بڑا ظلم ہے۔"

اسی طرح روزہ کے لئے سحری کے وقت قرآن میں اس طرح بتلایا گیا ہے:

حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ۔ (2 - 187)

تو عدیؓ بن حاتم نے بتایا کہ یا رسول اللہؐ میں اپنے تکیے کے نیچے دو دھاگے رکھتا ہوں۔ ایک سیاہ اور ایک سفید اور جب ان کا فرق ظاہر ہونے لگے تو سحری ختم کرتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا۔ کہ دراصل سیاہ دھاگے سے رات کی سیاہی اور سفید سے دن کی روشنی مراد ہے۔ اس کے بعد صحابہ کرامؓ کا دور آیا تو آپ کی تعلیم و تربیت کی روشنی میں صحابہ کرامؓ قرآن حکیم کی تفسیر و تشریح کرتے تھے۔ اگرچہ حضور علیہ السلام نے "اصحابی کالنجوم" فرمایا ہے یعنی میرے سارے صحابہ ہدایت کے ستارے ہیں۔ لیکن قرآن فہمی میں مندرجہ ذیل صحابہ کرامؓ بڑا بلند مقام رکھتے ہیں۔

1۔ خلفائے اربعہ یعنی صدیق اکبر، عمر فاروق، عثمان غنی، علی مرتضٰی رضی اللہ عنہم۔
2۔ عبداللہ بن عباس
3۔ عبداللہ بن مسعود
4۔ زید بن ثابت
5۔ ابی بن کعب
6۔ ابو موسیٰ اشعری
7۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم

Marfat.com

عبداللہ بن عباس کو حضورؐ کی دعا لگی چنانچہ آپ کی درس گاہ کو چار چاند لگے اور ہزاروں کی تعداد میں ان کے شاگرد تھے جن میں مجاہدؒ، عطا بن رباحؒ، عکرمہؒ اور سعید بن جبیرؒ خاص امتیاز رکھتے ہیں چنانچہ سعید بن جبیر نے عبد الملک بن مروان کی فرمائش پر تفسیر قرآن لکھی۔ اور جو تفسیر عطا بن دینار کے نام سے مشہور ہے۔ وہ دراصل یہی تفسیر ہے۔ (ذہبی۔ میزان الاعتدال ج 2 ص 197 مطبوعہ قاہرہ)

حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ نے بھی تفسیر قرآن لکھی۔ جس کا نسخہ امام احمد بن حنبل کے زمانے میں مصر میں موجود تھا۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں مجاہد اور سعید بن جبیر کے حوالے سے اسی تفسیر میں سے روایات بیان کی ہیں۔

پہلی صدی ہجری میں اُبی بن کعب نے بھی تفسیر قرآن حکیم لکھی تھی۔ آپ کا انتقال فاروق اعظمؓ کے عہد میں ہوا اگرچہ یہ تفسیر بعد میں ناپید ہو گئی۔ تاہم مشہور مفسرین محمد بن جریر طبری (م ۔ 310ھ) اور ابن ابی حاتم نے اپنی اپنی تفاسیر میں اس سے خوشہ چینی کی ہے اور اس سے بکثرت روایات اخذ کی ہیں۔

سعید بن جبیر کی تفسیر کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ آپ نے 93ھ میں وفات پائی۔ ابن الندیم نے اس تفسیر کا ذکر الفہرست میں تفسیر سعید بن جبیر کے نام سے کیا ہے۔ (الفہرست ص ۔ 51)

ان کے بعد حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ایک اور شاگرد ابو العالیہ رفیع بن مہران ریاحی بصری (متوفی۔ 93ھ نے بھی ایک تفسیر لکھی۔ اور حافظ شمس الدین ذہبی) (م ۔ 93ھ) لکھتے ہیں کہ ابو بکر بن ابی داؤد کے بقول صحابہ کرامؓ کے بعد ابو العالیہ اور سعید بن جبیر سے بڑھ کر قرآن مجید کا کوئی عالم نہ تھا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج 1 ص 63 مطبوعہ حیدر آباد دکن)

اسی طرح محمد بن کعب قرظی (م ۔ 108ھ اور عطا بن ابی رباح (م ۔ 114ھ) نے بھی قرآن حکیم کی تفاسیر رقم کیں۔ یہ بزرگ بڑے عظیم المرتبت تابعین میں سے تھے۔

پھر تبع تابعین کا دور آیا تو مندرجہ ذیل بزرگوں نے تفسیر القرآن میں بلند پایہ کام انجام دیئے۔ سفیان بن عیینہ، وکیع بن الجراح، شعبہ بن حجاج، یزید بن ہارون، عبد بن حمید رحمہم اللہ اجمعین۔ (البرہان ج 2 ص 159)

اس کے بعد تفسیر نویسی کا سلسلہ وسیع تر معنوں میں اور وسیع پیمانے پر شروع ہو

Marfat.com

گیا۔ چنانچہ:

1۔ فقہاء کی تفاسیر فقہی احکام کا مجموعہ بن گئیں۔

2۔ علم معانی و بیان اور نحو کے علماء کی تفاسیر اپنے شعبے میں اہم مقام رکھتی ہیں۔ چنانچہ زمخشری ؒ کی تفسیر الکشاف اسی طرز کی تفسیر ہے۔ آپ ؒ نے 538ھ میں وفات پائی۔

3۔ امام فخرالدین رازی (م۔ 606ھ) کی تفسیر مفاتیح الغیب حکمت و فلسفہ کا خزینہ شمار ہوتی ہے۔

4۔ ثعلبی (متوفی۔ 427ھ) کی تفسیر "الکشف والبیان" میں قصص کا رنگ نمایاں ہے۔

وغیرہ۔

تفاسیر کی تقسیم بلحاظ طرز و انداز

1۔ تفسیر بالمنقول یا تفسیر بالماثور

2۔ تفسیر بالرای۔

پہلی قسم کی تفاسیر میں آیات کی تشریح آیات قرآنی احادیث نبوی ؐ اور صحابہ ؓ و تابعین ؒ کے اقوال و اعمال کی روشنی میں کی گئی ہوتی ہے۔ جبکہ دوسری قسم کی تفاسیر میں اپنی رائے سے بھی وضاحت کی کوشش کی گئی ہوتی ہے۔ بعض شرائط کے ساتھ اس قسم کی تفسیر مباح تسلیم کی گئی ہے۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے۔ صبحی الصالح کی مباحث فی علوم القرآن اردو ترجمہ ص 418 بحوالہ الاتقان ج 2 ص 178 نیز البرہان فی علوم القرآن ج 2 ص 156)

تاریخ تفسیر نویسی

تفسیر نویسی کو تاریخی اعتبار سے مندرجہ ذیل ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

پہلا دور

حیات نبوی ؐ ---- 11 ہجری تک۔ اس دور میں تفسیر کا منبع و مصدر حضور علیہ السلام کی ذات اقدس تھی۔ چنانچہ قرآنی احکامات نماز روزہ' حج زکوٰۃ' نکاح' طلاق وضو کا طریقہ' نمازوں کی رکعتوں کی تعداد اور اوقات وغیرہ یہ سارا کچھ حضور علیہ السلام نے وضاحت کے ساتھ صحابہ کرام ؓ کو بتلایا اور سمجھایا اور ان کو حکم دیا کہ تم نے میرے پیغام

Marfat.com

کو آگے آئندہ آنے والی نسلوں تک منتقل کرنا ہے۔ جامع ترمذی میں تفسیر احادیث کا ایک وسیع باب الگ ملتا ہے۔ جو بڑا مفصل ہے۔

دوسرا دور

11ھ تا 40ھ یعنی خلفائے راشدین کا دور۔ اس دور میں بعض صحابہ کرام نے تفسیری کارنامے انجام دیئے۔ جن کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے۔ حضرت علی ؓ کی تفسیری مرویات سب سے زیادہ ہیں۔ (اتقان۔ نوع۔ 80) اس دور میں تفسیری کام کا تعلق علم اور عمل سے تھا اور زیادہ زور احکام و اعمال پر دیا جاتا تھا۔ مشکل الفاظ کی تشریح کے لئے قرآن و حدیث کے علاوہ قبل از اسلام کے اشعار سے مدد لی جاتی تھی۔

تیسرا دور

40ھ تا 50ھ تک محیط ہے۔ یہ دور اموی سلطنت سے متعلق ہے۔ اس دور میں:

1۔ لغات و محاورات کی تحقیق کا دائرہ وسیع ہوا۔
2۔ صرف و نحو کے علوم و فنون ایجاد ہوئے۔
3۔ اسرائیلی روایات کو تفسیروں میں سمونے کا آغاز ہوا اور یہ کام زیادہ تر اسرائیلی الاصل علماء مثلاً تمیم داری، کعب احبار اور وہب بن منبہ وغیرہ نے انجام دیا۔
4۔ جعلی احادیث کی کثرت ہوئی اور تفسیر میں بھی ان کو جگہ مل گئی۔ لیکن علمائے حق نے ان کی قلعی کھول کر رکھ دی۔
5۔ فرقہ بندی کی ابتداء ہوئی۔ معتزلہ اور قدریہ ایسے نئے کلامی اور منطقی گروہ پیدا ہو گئے اور اس طرح اختلافات فی التفسیر کا دروازہ کھل گیا۔
6۔ اس دور میں علمائے حق نے غلط رویے کے خلاف جہاد کیا۔ کھرے کو کھوٹے سے الگ کیا۔ اور تفسیر قرآن حکیم کے ماہرین مثلاً ائمہ اہل بیت یعنی امام زین العابدین، حضرت محمد باقر، حضرت جعفر صادق نے اپنی زندگیاں قرآنی تعلیمات پھیلانے کے لئے وقف کر دیں۔
7۔ ابن عباس کے مولیٰ عکرمہ نے بھی تفسیر کی ایک کتاب لکھی۔ اور بعض دوسرے حضرات نے بھی یہ کام انجام دیا۔

Marfat.com

چوتھا دور

یہ عباسی عہد حکومت کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے۔ یہ دور علوم و فنون کا دور شباب تھا۔ نقلی علوم یعنی حدیث اور تاریخ کے ساتھ ساتھ عقلی علوم یعنی فلسفہ' منطق طبعیات وغیرہ نے بھی ترقی کی۔ اور تفاسیر میں بھی عقلی علوم در آئے۔ لیکن اہل نقل اس طرز کے خلاف تھے لہذا علمائے اسلام کے دو گروہ ہو گئے یعنی اہل عقل اور اہل نقل۔

نیز اس دور میں علوم قرآن کی تعداد بڑھتے بڑھتے تقریباً سو کو پہنچ گئی اور ان میں کثیر تعداد میں تالیفات مرتب ہوئیں۔ اور ایک مفسر کے لئے مشکل ہو گیا کہ وہ ان سب علوم کا جامع ہو سکے۔ چنانچہ طبری کے بعد کے مفسرین اپنے اپنے فنون میں محدود ہو کر رہ گئے۔

پانچواں دور

ساتویں صدی ہجری (زوال بغداد) سے تیرھویں صدی ہجری تک کو محیط ہے۔ اس دور میں گذشتہ تفاسیر کو نئے انداز سے پیش کیا گیا۔ اس دور میں تفسیر بیضاوی' تفسیر ابن کثیر اور تفسیر جلالین مرتب کی گئیں۔

چھٹا دور

تیرہویں صدی ہجری سے تاحال۔ اس دور میں یورپی اقوام کو سیاسی غلبہ حاصل ہو گیا اور علوم و فنون کو نئی جہتیں ملیں۔ اور بعض مفسرین ان کے خیالات سے مرعوب ہو کر قرآن کو سائنس اور فلسفہ کے مطابق ثابت کرنے کے درپے ہوئے۔ بعض حضرات نے تو معجزات کو بھی عقلی جامہ پہنانے کی کوشش کی۔ اور جنات کو وحشی انسان کہا جانے لگا۔ تاہم جدید سائنسی انداز میں لکھی جانے والی تفسیر جس کے مؤلف مصر کے علامہ جوہری طنطاوی ہیں بہت ممتاز ہے۔

اہم کتب تفسیر

1۔ تفسیر جامع البیان

یہ تفسیر ابو جعفر بن جریر الطبری (ولادت۔ 224ھ م۔ 310ھ) کی تالیف ہے۔

Marfat.com

اور علمائے تفسیر کے مطابق یہ اپنی خصوصیات کے لحاظ سے لاجواب ہے۔ امام السیوطی فرماتے ہیں کہ ابن جریر روایت و نقل کے ساتھ ساتھ توجیہ و ترجیح کا معیار بھی قائم رکھتے ہیں۔ اسی لئے اسے دیگر تفاسیر پر فوقیت حاصل ہے۔ یہ تفسیر تمام سابقہ تفاسیری علوم کا خلاصہ ہے۔ جو تین ہزار بڑے صفحات پر مشتمل ہے۔ طبری نے زبان و بیان کے تمام مروجہ علوم بھی اس تفسیر میں جمع کر دیئے ہیں۔ مقدمہ میں قرأت' تاویل بالرائے' اسمائے قرآن اور اسمائے سور پر بحث ہے۔ فقہی مسائل کو امام فقہ بن کر حل کیا ہے۔ گویا یہ تفسیر معارف اسلامیہ کا انسائیکلو پیڈیا ہے۔

2۔ تفسیر معالم التنزیل از بغوی

یہ تفسیر امام ابو محمد حسین بن مسعود الفراء بغوی (م 516ھ) کی تالیف ہے۔ آپ کو محی السنہ کہا جاتا ہے۔

3۔ تفسیر الکشاف

یہ علامہ محمود بن عمر الزمخشری (ولادت ۔ 467ھ م ۔ 538ھ) کی تالیف ہے۔ یہ منطقی اور عقلی انداز کی تفسیر ہے۔ اس میں نکات بلاغت کا خیال رکھا گیا ہے۔ اسرائیلیات سے مبرا ہے۔ لغوی اور نحوی بحثیں خوب اور جاندار ہیں۔ البتہ معتزلی طرز فکر نے اسے تعصب اور تکلف کی حامل بنا دیا ہے۔ تاہم یہ تفسیر اپنے لسانی جوہروں کے دم سے آج تک زندہ ہے۔

4۔ تفسیر مفاتیح الغیب

یہ تفسیر کبیر کے نام سے بھی مشہور ہے۔ یہ امام فخرالدین رازی (ولادت 544ھ' متوفی 606ھ) کی تالیف ہے۔ ابن خلکان نے کہا کہ یہ تفسیر کافی سے زیادہ ضخیم ہے لیکن امام رازی اسے اپنی زندگی میں مکمل نہ کر سکے۔ لہٰذا اس کی تکمیل آپ کے مشہور شاگرد شہاب الدین احمد بن خلیل الخوبی الدمشقی (م ۔ 687ھ) نے کی اور شیخ نجم الدین احمد بن محمد القمولی (م ۔ 777ھ) نے اس کا ایک تکملہ تحریر کیا۔ امام رازی نے عقل اور نقل کا سابقہ تمام سرمایہ اس میں یکجا کر دیا ہے۔

Marfat.com

5۔ تفسیر البیضاوی

اس کا اصل نام انوار التنزیل و اسرار التاویل ہے جسے قاضی ناصرالدین ابو سعید عبداللہ بن عمر بن البیضاوی نے تالیف کیا۔ آپ شافعی فقہ سے متعلق تھے۔ اور وفات 685ھ میں پائی۔ اس تفسیر میں اعراب و معانی و بیان سے متعلق زیادہ تر بحثیں تفسیر الکشاف سے ماخوذ ہیں جبکہ حکمت و کلام سے متعلقہ مواد تفسیر کبیر سے لیا گیا ہے۔ یہ تفسیر آج بھی سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔

6۔ تفسیر ابن کثیر

یہ بھی ایک ضخیم تفسیر ہے۔ جس کے مؤلف ابو الفداء اسماعیل بن عمر قریشی دمشقی (متوفی۔ 774ھ) ہیں۔ یہ تفسیر بالماثور کا عمدہ ترین نمونہ ہے۔ اس میں حسب ضرورت اصول تنقید سے بھی کام لیا گیا ہے۔ یہ تفسیر طبری کا خلاصہ ہے اور اس میں صحیح روایات کو ہی سمویا گیا ہے۔

7۔ تفسیر فتح القدیر

یہ تفسیر محدث علامہ قاضی محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ الشوکانی (م۔ 1250ھ) کی تالیف ہے۔ آپ یمن کے ایک جید عالم تھے۔ اس میں معقول اور منقول دونوں اسالیب کو جمع کر دیا گیا ہے۔

8۔ تفسیر روح المعانی

علامہ محمود بن عبداللہ آلوسی بغدادی (م۔ 1270ھ) کی تالیف کردہ یہ تفسیر تصوف کے نقطہ نظر سے لکھی جانے والی تفاسیر میں شمار کی جاتی ہے۔ اسی لئے اسے تفسیر اشاری بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ اس میں ظاہری معانی کو تاویل کے ذریعے باطنی کا حامل ثابت کیا گیا ہے۔

9۔ تفسیر المنار

یہ تفسیر بارہ جلدوں میں ہے اور بارہ پاروں کی تفسیر ہے۔ جو سورۃ یوسف تک کو محیط ہے اس کے مؤلف علامہ شیخ محمد رشید رضا (متوفی 1354ھ) تھے۔ وہ طرابلس میں پیدا ہوئے۔ لیکن بعد ازاں مصر میں آباد ہو گئے۔ اور یہاں پر ہی ان کی وفات ہوئی۔

Marfat.com

10۔ تفسیر جلالین

ازیں پیشتر جلال الدین محلی (متوفی ۔ 846ھ) نے تفسیر قرآن لکھنا شروع کی۔ لیکن عمر نے وفا نہ کی اور وہ نامکمل رہ گئی۔ جسے آپ کے شاگرد جلال الدین سیوطی (849ھ تا 911ھ) نے مکمل کیا۔ اسے تفسیر جلالین اسی لئے کہتے ہیں کہ اسے دو جلال الدین نامی حضرات نے مرتب کیا۔ یہ ایک مختصر تفسیر ہے۔ اور دینی مدارس میں متداول ہے۔ جلال الدین سیوطی نے دو اور تفاسیر بھی لکھیں۔ ان میں سے درمنشور دستیاب ہے۔ نیز قرآنی علوم پر اتقاق نامی تالیف بھی چھوڑی ہے۔ جو بڑی مستند اور وقیع ہے۔ نیز تفسیر خازن' تفسیرمدارک' تفسیر مظہری' امام قرطبی کی جامع الاحکام القرآن بھی قابل قدر تالیفات ہیں جو تفسیری علوم کا احاطہ کرتی ہیں۔

قرآن حکیم کے تراجم

ترجمہ کا مطلب ہے۔

1۔ کلام کو ایسے شخص تک پہنچانا جس تک وہ پہنچا نہ تھا۔

2۔ کلام کی تفسیر اس کی اپنی زبان میں کرنا۔ اسی لئے ابن عباسؓ کو ترجمان القرآن کہا جاتا ہے۔ (زمخشری۔ اساس البلاغۃ)

3۔ کسی دوسری زبان میں تفسیر و توضیح کرنا۔

4۔ کلام کو ایک زبان سے دوسری میں منتقل کرنا۔ (لسان العرب)

قرآن حکیم کے تراجم کا آغاز تقریباً تیسری صدی ہجری کے لگ بھگ ہو گیا تھا۔ غالباً سب سے پہلے سپین کے نو مسلموں کے لئے قرآن کریم کا ترجمہ ہوا۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں قرآن کریم کا ایک قلمی نسخہ فارسی ترجمہ سمیت موجود بتایا جاتا ہے جو ایک ہزار سال پرانا معلوم ہوتا ہے۔ ایک ترجمہ شیخ سعدی کی طرف سے بھی منسوب ہے۔ غیر مسلموں نے بھی قرآن کے تراجم میں زیادہ دلچسپی لی۔ ساتویں صدی ہجری کے وسط میں ایک یورپی بادشاہ کے حکم سے سورۃ المعارج کا اردو میں ترجمہ ہوا؟ (تعارف قرآن و حدیث و فقہ ص174 از شیخ محمد اقبال ایم اے علمی کتاب خانہ لاہور۔)

Marfat.com

536ھ میں قرآن حکیم کا مکمل ترجمہ لاطینی زبان میں ہوا۔ جو 949ھ 1543ء میں شائع ہوا نیز دیگر یورپی زبانوں میں بھی قرآن کے تراجم ہوئے۔ جن کی تفصیل اس طرح ہے۔

1۔	جرمنی میں	1015ھ	1616ء
2۔	ڈچ میں	1077ھ	1641ء
3۔	فرانسیسی میں	1083ھ	1647ء
4۔	انگریزی میں	1085ھ	1649ء
5۔	روسی میں	1191ھ	1176ء

یہ تراجم نیک نیتی پر مبنی نہیں ہو سکتے تھے تاہم مسلمانوں نے بھی تراجم کی طرف توجہ دی۔ 1150ھ میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے سب سے پہلے قرآن کا ترجمہ فارسی زبان میں کیا۔ بعد ازاں آپ کے بیٹے شاہ رفیع الدین (1163ھ - 1233ھ) نے اردو میں ترجمہ کیا۔ پھر ان کے بھائی شاہ عبدالقادر نے بہترین اردو ترجمہ نبھایا۔ ان کے ترجموں کے بعد یہ سلسلہ چل نکلا۔ آج تک بے شمار اردو تراجم چھپ کر بازار میں آچکے ہیں۔ لیکن یہ سب تراجم ان بزرگوں کے تراجم کی روشنی میں ہی کئے گئے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں بنیادی طور پر ترجمہ کا حق ان بزرگوں نے ہی ادا کیا۔ اور بعد کے آنے والوں نے نوک پلک کو اپنے انداز سے سنوارنے کی کوشش کی۔ اور کوئی بھی ان سے بے نیاز ہو کر آگے نہیں بڑھ سکا۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے آمین۔

ضروری وضاحت بسلسلہ قرآن اور ترجمہ

تلاوت قرآن حکیم عربی میں ہی کرنی چاہئے۔ اسی کا ثواب ہے۔ یعنی ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں ملتی ہیں (حدیث) ترجمہ پڑھنے سے صرف مطالب قرآن سے آگاہی تو ہو جاتی ہے لیکن قرآن کا اعجاز برقرار نہیں رہتا۔ قرآنی الفاظ مُنَزَّلٌ مِنَ اللّٰہ ہیں۔ اس لئے ان کی اپنی عظمت ہے۔ ان کی مثل کوئی اور عربی کلام بھی نہیں ہو سکتا۔ چہ جائیکہ ترجمے کو قرآنی الفاظ کا ہم پلہ قرار دیا جائے۔ (معاذ اللہ) ترجمہ یا تفسیر تو سمجھنے کی حد تک ہیں۔ ورنہ اعجاز القرآن اصل عربی متن کے ساتھ ہی وابستہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے امت نے قرآن کے ترجمہ کو درست قرار نہیں دیا تھا۔ اس بارے میں مختلف مکاتب فکر کا نقطہ

Marfat.com

نظر اس طرح ہے:

1۔ شافعیہ کے نزدیک قرآن کی تلاوت عربی کے سوا کسی دوسری زبان میں جائز نہیں۔ چاہے کسی کو عربی آتی ہو یا نہ آتی ہو۔ نماز بھی عربی میں پڑھنی لازمی ہے۔ نماز کا ترجمہ پڑھنے سے نماز نہیں ہوتی۔ (المجموع۔ ج۔ 3 ص 379)

2۔ زرکشی نے البحر المحیط میں لکھا ہے کہ قرآن کی قرأت اسی انداز میں کی جائے جس سے اس کا اعجاز برقرار رہے۔ یعنی عربی متن میں۔

3۔ سیوطی "الاتقان" میں رقمطراز ہیں "قرآن کی قرأت بالمعنی جائز نہیں۔ اس لئے کہ جبریل قرآن کو اصل الفاظ یعنی عربی میں ادا کرتے تھے۔ ان کو اجازت نہ تھی کہ قرآن کو اصل الفاظ کی بجائے اس کے معانی و مفہوم کو حضور تک پہنچا دیتے۔" (مناہل العرفان ج 2 ص 56 ۔ 57)

4۔ مالکیہ کے نزدیک بھی قرآن کی قرأت عربی کے سوا کسی اور زبان میں جائز نہیں۔ حتی کہ نماز کی تکبیر بھی کسی اور زبان میں نہیں کہی جاسکتی اور نہ عربی کے ہم معنی دیگر الفاظ ہی اس کے لئے استعمال کئے جاسکتے ہیں۔

5۔ حنابلہ کا بھی اس بارے میں یہی مؤقف ہے۔ ابن حزم فرماتے ہیں: "جو شخص سورۃ فاتحہ یا اس کا کچھ حصہ یا قرآن کا کوئی جزو ترجمہ کرکے کسی اور زبان میں دانستہ پڑھے یا عربی الفاظ میں پڑھے جو قرآن کے الفاظ نہ ہوں یا دانستہ یا کسی کلمے کو آگے پیچھے کر دے تو اس کی نماز باطل ہو گی اور وہ شخص فاسق ہے۔" (ابن حزم: المحلی ج3 ص 254)

6۔ حنفیہ کے نزدیک بھی نماز کے باہر قرآن کی قرأت عربی کے سوا کسی دوسری زبان میں جائز نہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ امام ابو حنیفہ پہلے نماز کسی اور زبان میں ادا کرنے کو جائز رکھتے تھے مگر بعد ازاں سے مسلک سے رجوع کر لیا۔ اس مسلک سے رجوع کی روایت نوح بن مریم علی بن الجعد اور ابو بکر رازی ایسے اکابر احناف سے منقول ہے۔ (مناہل العرفان ج2 ص59)

7۔ عہد حاضر کے علماء قرآن مجید کا ترجمہ کرنے کے قائل ہیں۔ لیکن تلاوت اصل متن کے ساتھ ہی جائز رکھتے ہیں۔ ترجمے صرف مطلب تک رسائی کے لئے ہیں۔

Marfat.com

سورہ الحشر کا ترجمہ و تفسیر

نام موضوع اور مضامین

اس سورۃ کا نام اس کی دوسری آئت سے ماخوذ ہے جہاں لفظ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ہوا ہے۔ اس سورۃ میں بنی نضیر کی جلاوطنی کا ذکر ہے۔ جو یہودیوں کا ایک بڑا اور موثر قبیلہ تھا۔ جن کے قلعہ نما گھر بھی مضبوط تھے اور سامان جنگ بھی ان کے پاس بہت تھا۔ لیکن چونکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ؐ کے خلاف جنگ کے لئے آمادہ ہوئے تھے اس لئے یہ قبیلہ مسلمانوں کے چند روزہ محاصرہ کی تاب نہ لا سکا اور صدیوں سے بسائی ہوئی اپنی بستی کو چھوڑ کر جلاوطنی قبول کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ اس سے یہ نتیجہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ؐ کے مقابلے میں آنے والوں کا انجام اچھا نہیں ہوتا + آئت 5 میں ایک جنگی قانون کا ذکر ہے اس کی آئت نمبر 6 تا 10 میں بلا جنگ غنیمت میں ہاتھ لگی زمینوں اور جائیدادوں کے بندوبست کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ آگے چل کر منافقین کے رویہ پر تنقید کی گئی ہے۔ اور آخری رکوع کی بابرکت آیات میں ایمان اور کفر' تقویٰ اور فسق کا فرق واضح کرکے، قرآن حکیم کی عظمت اجاگر کی گئی ہے' اور بعض اسماء الحسنیٰ کے ذریعے اللہ کی قدرت کے مختلف پہلو سامنے لائے گئے ہیں۔

زمانۂ نزول

یہ سورۃ مدنی ہے۔ بخاری اور مسلم میں حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے اس سورہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ یہ سورۃ غزوہ بنی نضیر کے بارے میں نازل ہوئی۔ اور انہوں نے اس کا دوسرا نام سورۃ نضیر رکھنے کا کہا۔ اور علمائے اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ اس سورۃ میں بنو نضیر کی جلاوطنی کا ہی ذکر ہے۔ یہ غزوہ عروہ ؓ بن زبیر کی روائت کی رو سے جس کا ذکر امام زہری نے کیا ہے' جنگ بدر کے چھ مہینے بعد وقوع میں آیا لیکن ابن سعد اور ابن ہشام اور بَلاذُرِی اسے 4ھ کا واقعہ قرار دیتے ہیں۔ اور یہی صحیح ہے۔

منقول ہے کہ کعب بن اشرف یہودی جنگ احد کے بعد چالیس سوار لے کر مکہ معظمہ گیا اور قریش کے ساتھ اہل اسلام کے خلاف معاہدہ کرکے واپس آیا تو ایک جھگڑے

Marfat.com

میں اسے اس کے رضاعی بھائی نے قتل کر دیا۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عہد شکنی کرنے والے بنو نضیر کو سرکوبی کے لئے نکلنا پڑا۔ تو رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے ان یہودیوں کو اپنی امداد کا یقین دلایا چنانچہ آپ نے ربیع الاول 4ھ میں بنو نضیر کا محاصرہ کئے رکھا حتی کہ وہ مدینہ منورہ سے جلا وطن ہونے پر راضی ہو گئے۔ کچھ یہودی شام کی طرف نکل گئے اور بعض نے خیبر کو یہودیوں کے پاس پناہ لی۔ اس طرح یہود اور قریش مکہ کے ساتھ ساتھ مدینہ کے منافقین کی امیدیں بھی خاک میں مل گئیں۔ (ابن ہشام جلد 3 صفحہ 190 المراغی ج 25 صفحہ 30 اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج 8 صفحہ 347)

اس سورہ میں چوبیس آیات تین رکوع ہیں۔ یہ مدینہ میں نازل ہوئی۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۖ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ○ وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَاۗءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ۭ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ○ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاۗقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاۗقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ○

سَبح لِلّٰهِ۔ اس نے اللہ کی تسبیح کی۔ اَخْرَجَ۔ نکالا۔ اہل الکتاب۔ اہل کتاب یعنی مدنی یہودی۔ فَاَتٰهُمُ اللّٰهُ۔ ان پر اللہ آیا۔ يُخْرِبُوْنَ۔ ڈھا رہے تھے۔ فَاعْتَبِرُوْا۔ پس عبرت پکڑو۔ شَاقُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا مقابلہ کیا۔

ترجمہ : شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے۔

اللہ کی تسبیح کی ہر اس چیز نے جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور وہی ہے غالب حکمت والا (1)۔ وہی (تو خدا) ہے جس نے اہل کتاب میں سے کافر لوگوں کو حشر اول (2) کے وقت ان کے گھروں سے نکال دیا۔ (یہ) تمہارے خیال میں بھی نہ تھا کہ وہ لوگ نکل جائیں گے مگر خدا نے ان کو وہاں سے

Marfat.com

آگیا جہاں سے ان کو گمان بھی نہ تھا۔ اور ان کے دلوں میں ایسی (دہشت ڈال دی) (کہ) وہ اپنے گھروں کو خود اپنے ہاتھوں اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے اجاڑنے لگے۔ تو (اس واقعہ سے) اے بصیرت والو! عبرت پکڑو (3) اور اگر اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں ان کو جلاوطن کرنا لکھا نہ ہوتا تو ان کو دنیا میں بھی عذاب دیا جاتا اور آخرت میں بھی ان کے لئے آگ کا عذاب ہے (4) یہ (وعید) اس لئے ہے کہ انہوں نے خدا اور اس کے رسول ؑ کا مقابلہ کیا اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کے مقابلہ پر اتر آئے تو (ایسے لوگوں کو) اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔ (5)

تشریح

(1) اس آئت میں اس بات کا اعلان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر عیب اور کمزوری سے پاک ہے اور کائنات کا ذرہ ذرہ (خواہ کوئی جاندار ہے یا بے جان) اپنے خالق کی تسبیح میں مگن ہے۔ سَبَّحَ کا صیغہ ماضی ہے۔ کیونکہ تسبیح ربانی کا یہ سلسلہ روز اول سے جاری ہے۔ اور ہمیشہ اسی طرح رہے گا۔ اور اللہ تعالیٰ عزیز بھی ہے حکیم بھی ہے۔ عزیز یعنی ایسا زبردست کہ اس کے فیصلے کو نافذ ہونے سے دنیا کی کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔ اور وہ حکیم بھی ہے یعنی اس کے کام کرنے کا ڈھنگ پر از حکمت و دانائی ہے۔ ایسا نہیں کہ قدم اٹھانے کے بعد اسے پچھتانا پڑے کیونکہ پچھتانا اسے پڑتا ہے جس کے حکمت و تدبیر میں کوئی کمی یا کمزوری رہ گئی ہو۔ دوسرے لفظوں میں اللہ تعالیٰ زبردست تو ہے مگر اس کی زبردستی میں حکمت بھی ہے یعنی عدل و انصاف اور دانائی کا دامن کبھی داغدار نہیں ہونے دیتا۔ ایسا نہیں کہ کوئی اسے ظالم' جاہل وغیرہ کہہ سکے کیونکہ اس کا ایکشن ہمیشہ حکمت سے پر ہوتا ہے اور متاثرہ فریق کو اپنے ہی قصور کا احساس ہو کر رہتا ہے۔

(2) اہل کتاب میں سے جن لوگوں کا ذکر اس آئت میں ہے وہ بنو نضیر تھے جو یہودی تھے۔ مکہ سے مدینہ منورہ میں آنے کے بعد حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے یہودیوں سے تحریری معاہدہ کیا تھا جسے میثاق مدینہ کہتے ہیں اور انہوں نے اس معاہدہ کو ایک دم توڑ نہیں دیا تھا بلکہ ریاست مدینہ کی اسلامی مملکت کے سربراہ کو مکہ کے مشرکین کے کہنے سے قتل کرنے کی سازش کی تھی اور جب انہیں معاہدہ کی خلاف ورزی کا احساس دلایا گیا تو وہ اپنی سازش سے مکر نہ سکے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو دس دن کے نوٹس پر مدینہ منورہ سے نکل جانے کا حکم دیا ورنہ جنگ کی دھمکی دی۔ سورۃ انفال (آئت

Marfat.com

58) میں معاہدہ میں خیانت کے خدشہ کے پیش نظر ایسے معاہدے کو اس کے آگے پھینک دینے کا ذکر ہے۔ چنانچہ یہود کی خیانت کھل کر سامنے آئی تو اللہ تعالیٰ نے حضور کے اس فعل کو اپنی طرف منسوب کر لیا کیونکہ یہودیوں نے اللہ اور اس کے رسول ؐ کا مقابلہ کیا تھا۔ اور اللہ کا اصول یہ ہے کہ جو کوئی اللہ کے مقابل آجائے تو اللہ تعالیٰ اپنی حزب کے ساتھ اس پر حملہ آور ہوتا ہے۔ اول الحشر۔ کے ایک معنی یہ ہیں کہ یہ مدینہ منورہ سے یہودیوں کا پہلا اخراج تھا۔ دوسرا اور مکمل اخراج حضرت عمرؓ بن خطاب کے عہد خلافت میں ہوا جب یہود و نصاریٰ کو جزیرۃ العرب سے ملک شام کی طرف نکال دیا گیا۔ (بحوالہ بخاری نیز الکشاف جلد 4 صفحہ498 روح المعانی ج۔ 28 صفحہ38) آخری حشر قیامت کے روز ہو گا (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ381)

(3) جبکہ اول الحشر کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ اس سے مسلمانوں کی فوج کا اجتماع مراد ہے۔ جو بنی نضیر سے جنگ کے لئے تیار تھی۔ لیکن ابھی کشت و خون کی نوبت نہ آئی تھی اور ارشاد باری ہے: اے مسلمانو! تمہیں بھی یہ گمان نہ تھا کہ بنی نضیر جلا وطنی قبول کر لیں گے اور وہ خود بھی یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ ان کے قلعے ان کو اللہ کی پکڑ سے بچا لیں گے۔ لیکن اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر حملہ کیا اور دلوں میں مسلمانوں کی ایسی دہشت بٹھا دی کہ جب حضور ؐ نے انہیں دس دن کے اندر جلا وطن ہونے کا الٹی میٹم دیا تو وہ مقابلہ کے لئے ٹھہر نہ سکے بلکہ یہ یقین کر کے کہ اب انہیں جلا وطن ضرور ہونا ہے' اپنے ہی ہاتھوں اپنے گھروں کو برباد کرنے لگے اور کچھ حصہ اس کام میں مسلمانوں نے بھی لیا۔ تاکہ ان کی قلعہ بندیاں توڑیں۔ چنانچہ آخر میں اللہ تعالیٰ نے دل کی آنکھیں رکھنے والوں کو اس واقعہ سے عبرت حاصل کرنے کا کہا پھر حضور ؐ نے ان کو ہتھیاروں کے سوا جتنا سامان ہو سکے لے جانے کی اجازت دی تو تمام یہودی اپنے گھروں کو ڈھا کر شہتیر' دروازے اور کھڑکیاں بھی اکھاڑ کر لے گئے۔

(4) جلا وطنی کے لئے ان کا راضی ہو جانا دراصل اللہ کی مشیت کا نتیجہ تھا یونہ ان کی تقدیر میں یہی لکھ دیا گیا تھا ورنہ جلا وطنی کے وقت بھی ان کو عذاب دیا جا سکتا تھا اور آخرت میں بھی عذاب دیئے جانے کی وعید تھی۔

(5) یعنی جو کوئی اللہ اور اس کے رسول ؐ کے مقابلہ پر آجائے تو اس کا عبرت ناک حشر ہو گا۔ جیسا کہ ہوا کیونکہ اللہ تعالیٰ منکرین توحید و رسالت کو سخت عذاب دینے والا ہے۔

Marfat.com

مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ
الْفٰسِقِيْنَ ○ وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ
وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْ
ءٍ قَدِيْرٌ ○ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي
الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ
الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ؕ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ○

مَا قَطَعْتُمْ۔ جو تم نے کاٹ دیئے۔ لِيْنَةٍ درخت (کھجور کے) عَلٰى اُصُوْلِهَا۔ اپنی جڑ پر۔ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ۔ سو یہ اللہ کے حکم سے۔ فاسقین۔ نافرمان۔ اَوْجَفْتُمْ۔ تم نے دوڑائے۔ خيل۔ گھوڑے۔ رِكَابٍ۔ اونٹ۔ يُسَلِّطُ۔ وہ مسلط کرتا ہے۔ قدير قدرت رکھنے والا۔ فَلِلّٰهِ۔ پس اللہ کے لئے۔ لِلرَّسُوْلِ۔ رسول ؐ کے لئے۔ ابن سبیل۔ مسافر۔ کَیْ۔ تاکہ۔ بین الاغنیاء۔ دولتمندوں کے درمیان۔ مَا اٰتٰكُمُ الرسول۔ جو کچھ تمہیں رسول ؐ عطا فرمائے۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔

ترجمہ: (اے مسلمانو!) تم نے جو کھجوروں کے درخت کاٹ ڈالے یا جن کو اپنی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا۔ تو یہ اللہ کی اجازت سے تھا۔ اور (اسکے پیچھے اللہ کا مقصد یہ تھا کہ) تاکہ وہ فاسقوں کو ذلیل و خوار کرے۔ (6) اور جو مال اللہ تعالیٰ نے ان (یہودیوں) کے قبضے سے نکال کر اپنے رسول ؐ کی طرف پلٹا دیئے تو وہ ایسے مال نہیں ہیں جن پر تم نے اپنے گھوڑے یا اونٹ دوڑائے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے تسلط عطا فرما دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ (7) جو کچھ بھی (مال غنیمت) اللہ تعالیٰ ان بستیوں کے لوگوں کی طرف سے اپنے رسول ؐ کی طرف پلٹا دے۔ تو وہ (مال) اللہ اور رسول ؐ اللہ کے لئے ہے اور وہ ہے واسطے (رسول ؐ کے) قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے۔ (اور اس فرمان الٰہی کا مقصد یہ ہے۔) تاکہ وہ (مال) تمہارے مالداروں کے درمیان ہی گردش نہ کرتا رہے۔ (8) اور (رسول ؐ اس میں مختار ہے۔ پس) جو کچھ آپکو رسول اکرم ؐ عطا فرمائیں تو وہ لے لو اور جس

Marfat.com

چیز سے تمہیں منع فرمائیں تو اس سے باز رہو اور اللہ تعالیٰ کا ڈر مانو' بچی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سزا دینے میں (بھی) بڑا سخت ہے۔ (9)

تشریح و تفسیر

(6) یہودیوں نے جنگ بدر میں مسلمانوں کی فتح کے بعد حضور ؐ کو توریت میں بیان کردہ آنے والا سچا رسول ؐ سمجھ لیا تھا لیکن جنگ احد میں مسلمانوں کو دھچکا لگا تو یہودی تشکیک کا شکار ہو گئے اور میثاق مدینہ کی خلاف ورزی پر اتر آئے چنانچہ ان کا ایک سردار کعب بن اشرف چالیس یہودیوں کے ساتھ مکہ گیا۔ اور مشرکین مکہ سے مسلمانوں کے خلاف باہمی معاہدہ کر کے واپس آیا۔ جس کی اطلاع اللہ تعالیٰ نے حضور ؐ کو دے دی۔ ادھر حضور علیہ السلام ایک جھگڑے کا تصفیہ کروانے یہودیوں کے محلہ میں تشریف لے گئے اور ایک دیوار کے ساتھ بیٹھ گئے۔ انہوں نے اوپر سے حضور علیہ السلام پر بڑا وزنی پتھر لڑھکا دینے کی سازش کی۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے حضور ؐ کو اس سازش سے آگاہ فرما دیا اور آپ فوراً اٹھ کر چلے آئے۔ یہودیوں کی یہ سازش میثاق مدینہ کی تازہ ترین خلاف ورزی تھی جس سے مکرنا ممکن نہ تھا چنانچہ آپ ؐ نے دس دن کا الٹی میٹم دے کر یہودی محلہ کا محاصرہ کر لیا۔ اور صحابہ نے نیک نیتی سے یہودیوں کے باغات کے کچھ درخت کاٹ ڈالے اور کچھ کھڑے رہنے دیئے۔ اس پر یہودی معترض ہوئے کہ یہ کونسا خدائی حکم ہے جس کے تحت پھل دار درختوں کو تم نے کاٹا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو جواب یہ دیا کہ مسلمانوں نے جو کچھ کیا اس میں خدا کی رضامندی شامل تھی۔ اور حضور ؐ نے ان کے کاٹنے یا نہ کاٹنے کا جو حکم دیا تھا وہ ما ینطق عن الھویٰ اِنْ ھُوَ اِلاَّ وحی یوحٰی کے ذیل میں آتا ہے۔ اس آئت سے فقہا نے جنگی قوانین اخذ کئے کہ اسلامی لشکر کو جنگی ضرورت کے تحت اگر پھلدار درخت کاٹنے پڑیں یا مکان پل یا اور کوئی عمارت گرانی پڑے تو یہ کارروائی فساد "فی الارض" کے تحت نہ آئے گی۔ البتہ حضور نے بلا ضرورت ایسا کرنے کو گناہ فرمایا جیسا کہ غزوہ موتہ کے لئے بھیجے جانے والے اسلامی لشکر کو ہدایات دی گئیں کہ پھلدار درخت نہ کاٹنا۔ فصلیں نہ اجاڑنا وغیرہ۔ (ضیاء القرآن جلد پنجم صفحہ 166)

(7) یہ مال غنیمت چونکہ بغیر جنگ کے حاصل ہوا تھا اس لئے اس کا نام فے رکھا گیا۔ فقہائے نے اس آئت سے مال غنیمت اور فے کے مسائل اخذ کئے۔ چنانچہ اس مال کا تصرف حضور ؐ کے سپرد ہوا۔

Marfat.com

(8) اور آپ نے یہ مال زیادہ تر مہاجرین کو عطا فرما دیا اور انصار میں تین حاجتمندوں کو بھی عطا ہوا۔ یہ تینوں دجانہ سماک بن خرشہ سہل بن حنیف اور حارث بن صمہ تھے۔ اس آئت میں ذوالقربٰی سے مراد حضورؐ کے اہل قرابت یعنی بنی ہاشم و بنی مطلب ہیں۔ چنانچہ فقہا نے ہر ایسے مال فے کے لئے حاکم کی مرضی ضروری قرار دی ہے۔ اور قرآن حکیم نے اس کے مصرف کی مدیں بتادی ہیں۔ دور جاہلیت میں مال غنیمت کا چوتھا حصہ قوم کا سرادر لے لیتا۔ باقی میں سے مالدار حضرات بھی اچھے خاصے حصے پر ہاتھ صاف کر لیتے اس طرح غریبوں' ناداروں اور محتاجوں کے لئے کم ہی بچتا۔ چنانچہ حضور رحمتہ اللعالمین کی معرفت اللہ تعالیٰ نے دور جاہلیت کی تقسیم کو رد فرما دیا۔ اور حکم دیا کہ حضورؐ کے ارشاد پر آمین کہو۔ کیونکہ اس میں ذوالقربٰی' یتمٰی' مساکین اور مسافروں کا بھی حصہ ہے پس اس کا مقصد یہ بتایا کہ اسطرح مالداروں کو ہی مال مل جانے سے روپے کی گردش عوام تک نہیں پہنچ پاتی۔ بلکہ چودھری قسم کے مالداروں کے درمیان بند ہو جاتی ہے۔ اور یہ اصول معاشی لحاظ سے زہر قاتل ہے۔

(9) آخر میں حضورؐ کی عمومی عظمت بیان فرمادی کہ آپ جو ارشاد فرمائیں اس پر فوراً عمل کرو اور جس سے منع فرمائیں اس سے رک جاؤ اور اللہ سے ڈرو۔

لِلْفُقَرَاۗءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝
وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ڵ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝
وَالَّذِيْنَ جَاۗءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

ترجمہ: (نیز وہ مال) نادار مہاجرین کے لئے (بھی) ہے۔ جن کو اپنے گھروں اور جائیدادوں سے (محض اسلام قبول کرنے کی وجہ سے) خارج کر دیا گیا۔ (جبکہ یہ لوگ وہ ہیں جو) اللہ تعالیٰ کے فضل اور خوشنودی کے طلب گار ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے مددگار ہیں' یہی لوگ سچے ہیں۔
(10) ○ اور (یہ خاص مال غنیمت) ان لوگوں کے لئے بھی ہے جو ان

Marfat.com

مہاجروں کی آمد سے پہلے ہی ایمان لا کر (ہجرت کرکے) دار ہجرت میں مقیم تھے' یہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو بعد از ہجرت ان کے پاس آئے۔ اور یہ اپنے دلوں میں (اس کی) حاجت محسوس نہیں کرتے جو کچھ ان (مہاجرین) کو عطا ہوا۔ اور وہ اپنی ذات پر ان کو مقدم رکھتے ہیں اور اگرچہ وہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں۔ اور جو کوئی حرص نفس سے بچالیا گیا۔ تو ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ (11) ○ اور (یہ مال ان کے لئے بھی ہے) جو ان (مہاجرین) کے بعد (مدینہ منورہ میں) پہنچے۔ وہ (دعا کرتے ہوئے) عرض کرتے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار! ہماری بخشش فرما۔ اور ہمارے ان بھائیوں کی بھی جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور ہمارے دلوں میں اہل ایمان کے بارے میں کوئی بغض نہ رہنے دے۔ اے ہمارے رب! بیشک تو ہے بڑا شفقت کرنے والا مہربان۔ (12) ○

تشریح

(10) مال غنیمت کی تقسیم کا حکم سورۃ انفال آئت 41 میں یوں ہے کہ اس کے پانچ حصے کئے جائیں۔ چار حصے لڑنے والی فوج میں تقسیم کر دیئے جائیں اور ایک حصہ بیت المال میں جمع ہو اور پھر حسب ضرورت حضورؐ آپ کے ذوالقربیٰ' یتامیٰ' مساکین اور مسافروں کو دیا جائے۔ یعنی پانچ حصے کرکے ایک حصہ رسول اللہ کا دوسرا آپ کے قرابت داروں کا۔ تیسرا تا پانچواں (تین حصے) یتیموں' مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہیں۔ لیکن فے کی تقسیم کا اصول یہ ٹھہرا کہ یہ سارا مال اللہ اور اس کے رسولؐ کا ہے اور وہ اپنی صوابدید کے مطابق اس میں سے خود لے لیں اور ذوالقربیٰ' یتامیٰ' مساکین اور مسافروں کو بھی عطا کریں۔ اس آئت میں نادار مہاجرین کا ذکر بھی بطور خاص شامل ہے۔ جن کو اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لانے کی پاداش میں اپنے گھروں اور جدی جائیدادوں سے محروم کر دیا گیا۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے ان کا حق اس مال پر جتا کر ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا کہ یہ لوگ مال دنیا کے مقابلہ میں اللہ کی رضا' اس کی خوشنودی اور اس کے فضل کے طلب گار ہیں اور اس کے رسولؐ کی حمائت میں تن من دھن سے حاضر ہیں اور ان کے خلوص کی گواہی اللہ تعالیٰ ان کو "سچے" کہہ کر دے رہا ہے۔

(11) اس جگہ انصار مدینہ کی تعریف کی گئی ہے جنہوں نے مدینہ میں پناہ کے لئے آنے والے مسلمانوں کا پورا پورا ساتھ دیا۔ اور اپنے مہاجر بھائیوں کو اپنی جائیداد میں سے نصف حصہ دینے کی مخلصانہ پیش کش کی۔ لیکن مہاجرین نے اخوت پر عمل کرکے

Marfat.com

بھائی بھائی بنائے جانے کے ارشاد رسولؐ پر اس طرح عمل پیرا ہو کر دکھایا کہ انصار پر حتی الوسع کم سے کم بوجھ پڑے۔ چنانچہ جب بنو نضیر کی املاک پر حضور کا تسلط ہوا تو آپ نے انصار کی رضامندی سے یہ اموال مہاجرین میں تقسیم فرمائے۔ اور انصار میں سے صرف تین صحابہ کو اس سے نوازا گیا۔ کیونکہ یہ حضرات بہت مفلس اور نادار تھے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے ان کے دلی غناء کی بھی تعریف کی ہے۔ اور ایک اصول واضح فرمایا کہ جو کوئی دل کی حرص و طمع سے بچا لیا گیا وہی لوگ انجام کار فلاح اور مراد پانے والے ہیں۔ یہ دراصل حضور علیہ السلام کی تربیت کے ثمرہ تھا کہ انصار اور مہاجرین طمع اور لالچ میں مبتلا نہ تھے۔ "بچا لئے گئے" میں توفیق خداوندی کی طرف صریح اشارہ ہے کہ ایسا نیک کام اللہ کی مہربانی سے ہی ہو سکتا ہے۔

(12) اب مہاجرین اور انصار وغیرہ کے بعد آنے والے مسلمانوں کا ذکر ہے۔ جس میں قیامت تک پیدا ہونے والے مسلمانوں کو ایسے مال میں حصہ دار قرار دیا گیا ہے۔ اس آئت میں صحابہؓ کے بعد والے مسلمانوں کی دعا کا ذکر ہے کہ وہ اپنی بخشش مانگنے کے ساتھ ساتھ اپنے سے پیشتر والے اہل اسلام کی مغفرت کے طالب ہیں اور یہ بھی کہا کہ ہمارے دلوں میں سابقین اولین کے بارے میں کوئی کدورت یا دشمنی جڑ نہ پکڑے۔ پس جن کا ذکر یہاں آیا یعنی مہاجرین' انصار اور ان کے بعد والے یعنی تابعین۔۔۔۔۔ ان کے بارے میں تبع تابعین اور قیامت تک آنے والے اہل اسلام کو اللہ کی خوشنودی سے آگاہ کیا گیا کہ وہ ان کے لئے دعائے مغفرت کریں۔ اور جو کوئی ان سے کوتاہی ہو گئی ہو اس کی مغفرت کے لئے بھی دعا کرنی چاہئے اور آخر میں اللہ تعالیٰ کو اس کی رحمت شفقت و رافت کا واسطہ دینا چاہئے کہ اے اللہ ہم سب مسلمانوں کی بخشش فرما۔ کہ یہ تیرا ہی حوصلہ ہے ورنہ ہم گنہگار ہیں اور تیرا فضل ہی ہماری عیب پوشی کر سکتا ہے۔

ایک دوسرے کی خیر خواہی

اس آئت میں جملہ اہل اسلام کو ایک دوسرے کی خیر خواہی کا سبق دیا گیا ہے۔ کیونکہ تمام مسلمان ایمان حاصل کرنے کے بعد اہل حق اور اہل ایمان کے زمرہ میں شامل ہو گئے ہیں۔ ان کا اجتماعی نفع اور نقصان ایک ہے۔ ایک دوسرے کے خلاف دل میں نفرت' کدورت یا دشمنی اس ارشاد ربانی کی خلاف ورزی ہے۔ مسلمان خواہ کسی نسل' ملک' خطہ یا علاقہ کا ہو بطور مسلمان وہ "اِنَّمَا الْمُؤمِنُوْنَ اِخْوَةٌ" کے دائرہ میں شامل ہے اور ایک دوسرے کا بھلا سوچنا' بھلائی کی خواہش رکھنا اور بھلائی کے لئے حتی الوسع

Marfat.com

عملی کوشش کرنا ہر مسلمان کا اسلامی فرض ہے جو قرآن حکیم سے ثابت ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اگر ایک مسلمان غلط راہ پر چل رہا ہو تو اسے نظر انداز کیا جائے بلکہ بطریق احسن دل میں کدورت رکھے بغیر حق اور سچائی کو واضح کر دینا چاہیے۔ وہ اس طرح کہ فتنہ اور فساد راہ نہ پا سکے۔ آگے چل کر منافقین کا ذکر کیا گیا۔ کیونکہ اہل ایمان سے یہ لوگ بالکل الگ ہیں اور کافروں کے ساتھی ہیں اگرچہ بظاہر وہ مسلمانوں کا ساتھ نبھانے کے دعویدار ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝ لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۝ لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَاۗءِ جُدُرٍ ۭ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ۭ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ۝ كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّىْ بَرِيْۗءٌ مِّنْكَ اِنِّىْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا الظّٰلِمِيْنَ ۝

لغات= اَلَّذِيْنَ نَافَقُوْا۔ وہ لوگ جنہوں نے منافقت کی۔ لَئِنْ۔ اگر۔ اُخْرِجْتُمْ۔ تم نکال دیے گئے۔ لَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا۔ ہم تمہارے معاملے میں کسی کا کہنا نہ مانیں گے۔ اِنْ قُوْتِلْتُمْ۔ اگر تم سے لڑائی ہوئی۔ لَنَنْصُرَنَّكُمْ۔ ضرور ہم تمہاری مدد کریں گے۔ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ۔ اللہ گواہی دیتا ہے۔ اَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً۔ تمہاری ذات سخت دہشت ناک ہے۔ فِيْ صُدُوْرِهِمْ۔ ان کے دلوں میں۔ مِنَ اللّٰهِ۔ اللہ سے (بڑھ کر)۔ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ۔ قلعہ بند رہائش گاہیں۔ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ۔ ان کی باہمی لڑائی شدید۔ سخت۔ بَرِيْۗءٌ۔ بری الذمہ۔ الگ۔ عَاقِبَتَهُمَا۔ دونوں کا انجام۔ جَزَاۗءُ۔ بدلہ۔ سزا۔

ترجمہ: کیا آپ نے ان منافق لوگوں کو نہیں دیکھا۔ جو اپنے کافر بھائیوں سے ...

Marfat.com

اہل کتاب میں سے ہیں۔ کہتے ہیں کہ۔۔۔۔۔ "اگر تم جلا وطن کئے گئے تو ہم بھی تمہارے ساتھ ہی جلا وطن ہو جائیں گے اور تمہارے معاملے میں کبھی کسی کی بات نہ مانیں گے اور اگر تم سے جنگ ہوئی تو ہم ضرور آپکا ساتھ دیں گے۔۔۔۔۔" اللہ شہادت دیتا ہے۔ وہ لوگ (اپنے اس قول میں) قطعی جھوٹے ہیں۔ (13) O اگر وہ (بنو نضیر) جلا وطن کر دیئے گئے (تو) یہ ان کے ساتھ جلا وطن (ہونے کو تیار) نہ ہوں گے اور اگر ان سے جنگ کی گئی (تو) یہ ان کی ہرگز مدد نہ کریں گے اور اگر (بادل نخواستہ) یہ مدد کریں گے بھی تو پیٹھ پھیر (کر بھاگ) جائیں گے۔ پھر تو ان کو کہیں سے بھی مدد نہ ملے گی O (بات یہ ہے کہ) ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر (اے اہل اسلام) تمہارا خوف (جاگزین) ہے (اور) یہ اس لئے ہے کہ وہ (ایمان کی حقیقت کی) سمجھ نہیں رکھتےO یہ کبھی اکٹھے ہو کر تم سے (کھلے میدان میں جہاں ان کے دلوں کا روگ چھپا نہ رہ سکے) جنگ نہ کریں گے۔ مگر ایسی قلعہ بند بستیوں میں رہ کر یا دیواروں کی اوٹ میں (چھپ کر)۔ یہ (منافقین) آپس کی لڑائی میں سخت (جنگجو) ہیں' اور تم شاید یہ سمجھنے لگو کہ وہ یکجان ہیں اور (اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ) ان کے دل (آپس میں) بکھرے بکھرے ہیں۔ اور یہ (صورت حال) اس وجہ سے ہے کہ یہ ایسی قوم کے لوگ ہیں جو عقل سلیم سے کام نہیں لیتی O مثلاً جس طرح ان سے کچھ ہی عرصہ پہلے ایک لوگوں نے اپنی کرتوتوں کا مزہ چکھا تھا۔ اور (ابھی) ان کے درد بھرا عذاب (بھی) (۱۴) ہے O ان (منافقین) کی دوسری مثال شیطان کی سی ہے جب اس نے انسان سے کہا کہ تو (اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے ارشادات کا) منکر ہو جا۔۔۔ تو جب وہ (انسان) (اس کے کہنے پر اللہ اور اس کے رسولؐ کا) منکر ہو گیا تو (شیطان پلٹ کر) بولا۔۔۔ (جا بھائی جا) "میں تجھ سے بَرِیُ الذِّمَّہ ہوں۔۔۔۔ مجھے تو جہانوں کے مالک سے ڈر لگتا ہے۔" O چنانچہ (نہ تو انسان شیطان کی اطاعت کر لینے کے بعد اور نہ شیطان انسان سے اپنی بات منوا لینے کے بعد بری الذمہ ہونے کا اعلان کر کے اللہ کے عذاب سے بچ سکتا ہے بلکہ) دونوں کا انجام یہ ہوا کہ دونوں دوزخی بن گئے' جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور (اللہ کی بارگاہ میں) ظالم لوگ ایسی ہی مزدوری (کے مستحق قرار) پاتے ہیں۔(15) O

(13) یہ رکوع غالباً اس دور میں نازل ہوا جب بنو نضیر کو دس دن کا الٹی میٹم مل چکا تھا۔ اور ان کا محاصرہ شروع ہونے والا تھا۔ چنانچہ الٹی میٹم کا سن کر منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں نے بنو نضیر کو اپنی امداد و حمایت کا پیغام بھیجا۔ کہ ہم دو ہزار آدمیوں کے ساتھ تمہاری مدد کو آئیں گے۔ اور اس موقع پر بنی قریظہ اور بنی

Marfat.com

غطفان بھی مدد کو اٹھ کھڑے ہوں گے۔ پس تم بھی مسلمان کے خلاف ڈٹ جاؤ۔ علماء کا خیال ہے کہ اس سے پہلا رکوع ترتیب نزول کے اعتبار سے اس کے بعد نازل ہوا جب بنو نضیر مدینہ منورہ سے نکالے جا چکے تھے۔ لیکن قرآن حکیم کی ترتیب میں اسے دوسرا رکوع اس لئے بنایا گیا کہ پہلے رکوع میں بیان کردہ مضمون زیادہ اہم ہے۔ نیز منافقین کا ذکر الگ سے مقصود تھا۔ چنانچہ منافقین کی غداری کا ذکر کھل کر کیا گیا۔ کہ یہ لوگ نہ تو مسلمان کا ساتھ دے سکتے ہیں اور نہ کافروں کا ساتھ دینے میں مخلص ہیں اور یہ قطعی جھوٹے ہیں۔

(14) یہ لوگ لاف زنی سے کام لے رہے ہیں۔ ان کے پاؤں یقین پر نہیں بلکہ مفروضات پر ہیں۔ ان کو اللہ کا خوف نہیں۔ بلکہ تمہاری دہشت سے ان کے دل بیٹھے جا رہے ہیں۔ یہ اہل اسلام کے ساتھ کھل کر لڑنے کی جرأت نہیں رکھتے۔ کیونکہ آپس کی لڑائی ہو تو یہ لوگ بڑے بہادر اور آپس میں بڑھ چڑھ کر بہادری دکھاتے ہیں لیکن اہل اسلام سے مقابلہ ہو تو بزدلی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ مسلمان ان کو بڑے بہادر اور آپس میں یکجان خیال کرتے ہیں لیکن دراصل ان منافقین کے دل منتشر یعنی بکھرے ہوئے ہیں۔ اور وہ قلبی اور ذہنی طور پر انتشار کا شکار ہیں۔ کیونکہ یہ عقل سلیم سے کام نہیں لیتے۔ اور ان سے پہلے بھی ایک بے عقل قوم اپنی بے عقلی پر مبنی کارکردگی کا مزہ چکھ چکی ہے اور یہ بھی ان کے ساتھی ہیں۔

(15) یہاں شیطان کی مثال بیان کی کہ وہ بھی منافقوں کی طرح دوہری چال چلتا ہے اور آخر میں مار کھاتا ہے۔ یا منافقین شیطان کی طرح دوغلی پالیسی اپناتے ہیں اور بالآخر ناکام رہتے ہیں۔ شیطان خدا کی ہستی کا منکر نہیں۔ اور آدم کی عظمت کا بھی دل سے تو قائل ہے لیکن ضد کی بنا پر اس کو برملا تسلیم نہیں کرتا چنانچہ اس نے انسان کو ورغلا کر اپنے ڈھب پر لانے کی مہلت بھی اللہ سے لے رکھی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے مہلت دیتے وقت اسے چیلنج بھی کیا تھا کہ میرے مخلص بندوں پر تیرا داؤ نہیں چلے گا۔ یعنی شیطان انسان کو کفر کی ترغیب دیتا ہے اور جب وہ کفر کر بیٹھتا ہے تو فوراً اللہ کی عظمت اور اس کے قہر سے ڈر کر اپنے اس فعل سے اپنی بریت کا اظہار بھی کرتا ہے پس خدا تعالیٰ دونوں کے انجام بد سے آگاہ کرتا ہے کہ وہ دوزخی ہیں ہمیشہ کے لئے۔ اور ظالموں کی یہی سزا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ

Marfat.com

اللّٰهَ خَبِيْرٌ ۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ O وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ
اَنْفُسَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ O لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ
الْجَنَّةِ ؕ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ O لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ
لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ
لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ O هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ
هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ O هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ
الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ O
هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ؕ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ O

لغات= نَفْسٌ۔ شخص۔ مَا جو کچھ۔ قَدَّمَتْ لِغَدٍ۔ اس نے بھیجا کل (قیامت) کے لئے۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ اور اللہ سے ڈرو۔ كَالَّذِيْنَ۔ ان لوگوں کی طرح۔ نَسُوا اللّٰهَ۔ جو اللہ کو بھول بیٹھے۔ لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ۔ برابر نہیں ہیں اہل دوزخ اور اہل جنت۔ خَاشِعًا۔ جھکا ہوا۔ مُتَصَدِّعًا۔ پاش پاش، ٹکڑے ٹکڑے۔ الملك۔ بادشاہ۔ ملک و حکومت کا حقیقی مالک۔ دائمی سلطنت کا مالک۔ قُدُّوْسٌ۔ نہایت پاک۔ سَلَامٌ۔ سلامتی دینے والا۔ مُؤْمِنٌ۔ امان دینے والا، مُهَيْمِنٌ۔ حفاظت کرنے والا۔ عزیزٌ۔ عزت والا۔ جبار۔ جبر کا مالک۔ متکبر۔ تکبر اور بڑائی کا مالک۔ باریٔ۔ پیدا کرنے والا۔ خالق۔ پہلے سے پیدا کردہ اشیاء کے ذریعے کچھ پیدا کرنے والا۔ مصور صورت دینے والا۔ اسماء الحسنی۔ اچھے نام۔

ترجمہ= اہل ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈر ڈر کے زندگی نبھاؤ۔ اور ہر شخص کو یہ دیکھنا چاہئے کہ اس نے اگلی کل (قیامت کے دن) کے لئے کیا سامان بھیجا ہے۔ اور (خدا اور اس کے رسول کی طرف سے دوبارہ یاد دہانی کرائی جاتی ہے کہ) اللہ تعالیٰ سے ڈر ڈر کے زندگی نبھاؤ۔ بیشک اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے۔ جو جو تم کرتے ہو (16) O اور ان لوگوں جیسے نہ ہو جانا جنہوں نے خدا کو بھلا دیا تو (اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ) اللہ نے (بھی) ان کو ان کے نفوس بھلا دیئے۔ (چنانچہ) یہی وہ لوگ ہیں جو (بداطوار اور) بدکردار (بن کر ابھرے) ہیں O (اور میرے نبیؐ نے جو دوزخ کا ڈراوا اور جنت کی خوشخبری دے رکھی ہے وہ برحق

Marfat.com

ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں) اہل دوزخ اور اہل جنت برابر نہیں ہیں۔ (اہل دوزخ کا ذکر چھوڑو) (جنتی لوگوں کا ذکر خیر سنو) جنتی لوگ ہی (انجام کار) کامیابی حاصل کرنے والے ہیں۔ (17) ○ اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو آپ دیکھتے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے دبا دبا اور پھٹا جاتا ہے۔ اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ (ان مثالوں کو سامنے رکھ کر) غور و فکر (کیا) کریں (18) ○ (یہ مثالیں بیان کرنے والی ہستی کوئی معمولی ہستی نہیں ہے بلکہ) وہی تو اللہ تعالیٰ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے (اور اس کی شان یہ بھی ہے کہ وہ رحمان ہے' مہربانی فرمانے والا۔ (19) ○ وہی تو اللہ تعالیٰ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کا سزاوار نہیں' وہ (حقیقی) بادشاہ ہے' (20) ○ نگرانی فرمانے والا (ہر طرح کی)' سب پر غالب ہے' وہ اپنا حکم بالقوۃ نافذ کرنے والا' اور وہ ہے سب سے بڑا ہونے کا صحیح معنوں حق رکھنے والا۔۔۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے۔ (اور بہت بلند) اس (مشرکانہ تصور اور) شرک سے جو مشرک لوگوں نے گھڑ رکھا ہے (22) ○ وہی تو خدا ہے جو ساری مخلوق کا خالق ہے' باری ہے (23)' صورت گر' اس کے سب نام ہیں اچھے اچھے' اور جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے' سب اس کی تسبیح کرتا ہے اور وہ بڑا زبردست ہے' حکمت والا (24) ○

(16) اہل کفر اور منافقین کے ذکر اور ان کے انجام بد کا تذکرہ فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی طرف توجہ فرماتا ہے اور انہیں مخاطب کرکے اپنی عظمت کی یاد دہانی کرواتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ اس اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ڈرتے زندگی نبھاؤ جس کی عظمت کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ اور ہر شخص کو اللہ کا ڈر اور خوف رکھتے ہوئے یہ دیکھنا چاہئے کہ اس نے اس عارضی زندگی اور دارالعمل میں کل کی دائمی زندگی کے لئے کیا تیاری کی ہے۔ کیونکہ یہی زندگی ہے جس میں کل کے لئے کچھ کر گزرنے کا موقع ہے۔ ورنہ موت کے بعد ہر شخص کی کارکردگی کی قوت ختم ہو جائے گی اور وہ اسی زاد راہ پر گزارہ کرنے پر مجبور ہو گا جو کچھ اس نے اس دنیا کی زندگی میں کمایا۔ اور آگے بھیجا۔

(17) دنیا کی زندگی ہی آخرت کی کھیتی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو یاد دلاتا ہے کہ اے لوگو! ان لوگوں کا سا طرز عمل اختیار نہ کرو جنہوں نے دنیاوی عیش و طرب میں کھب کر اور محو ہو کر اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا۔ اور یہ بھول گئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کسی خاص مقصد کے حصول کے لئے اس امتحان گاہ میں بھیجا ہے۔ چنانچہ جونہی وہ اللہ کو بھلا بیٹھے۔ اس کا فطری نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے ان کا رابطہ ٹوٹتے ہی۔ اللہ کے اصول کے مطابق ایسے لوگ گویا خود بخود اپنے آپ کو بھول گئے اور انہیں اپنے نفع اور نقصان کا

Marfat.com

احساس تک نہ رہا۔ گویا انہوں نے دنیا کی زندگی کی دولت جو اللہ تعالیٰ نے زاد راہ کے طور پر دی تھی' لہو و لعب اور عیش فانی میں ضائع کر دی اور یہی لوگ فاسق و فاجر ہیں جو ایمان لانے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ؐ سے ناآشنا رہے۔ اور پھر سزا کے طور پر اپنی ذات سے بھی غافل ہو کر قعر مذلت میں جا گرے۔ حالانکہ اللہ کی بارگاہ میں دوزخی اور جنتی حضرات کا درجہ برابر نہیں کیونکہ دوزخی حضرات وہ ہیں جنہوں نے اپنا سب کچھ اکارت کر دیا اور خالی ہاتھ بارگاہ رب العزت میں حاضری دی جبکہ جنتی حضرات ہر طرح سے کامیاب رہے۔

(18) اس امتیاز کو واضح فرما کر اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم اور اس کے حامل حضرت محمد مصطفےٰ ؐ کی عظمت کو اجاگر کیا اور جتلایا کہ اے مسلمانو! (یا اے بنی نوع انسان!) تمہیں کیا خبر کہ قرآن عظیم کی کیا شان ہے اور اس نبی محترم ؐ کا کیا درجہ و رتبہ اور عظمت! (سنو) اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تم دیکھتے کہ وہ اس کے اندر چھپے ہوئے خوف خدا کی وجہ سے دبا دبا جا رہا ہے اور پھٹا پھٹا پڑتا ہے۔ (کہ مجھے بھی ایک دن اللہ کی بارگاہ میں پیش ہو کر اپنے کردار کی جوابدہی کرنی ہے!)---- (افسوس کا مقام ہے کہ بے جان پہاڑ تو عظمت قرآن کے تصور ہی سے اللہ کے خوف سے ڈر گیا لیکن جاندار اور اشرف المخلوقات انسان کو قرآن عظیم کا کوئی احساس ہی نہیں۔ اور نہ اسے اس عظیم ہستی کی عظمت کا احساس ہے جس نے بطریق احسن قرآن کریم کی تکمیل فرمائی اور اس نے لفظاً' معناً اور عملاً ہر طرح قرآن حکیم کی پذیرائی فرمائی اور اپنی ذات کو قرآن حکیم کا مظہر اتم بنا کر دنیا کے سامنے پیش کیا۔) باری تعالیٰ کے بقول یہ پہاڑ کے خوف زدہ ہونے اور اللہ کے خوف سے پھٹنے کی مثال اور اسی نوع کی دیگر مثالیں ہم انسانوں کو اس لئے سمجھاتے ہیں تاکہ وہ اپنی اس چند روزہ زندگی میں ان مثالوں کو سامنے رکھ کر غور و فکر کریں اور اپنا لائحہ عمل مرتب کریں۔

(19) قرآن حکیم اور مصطفےٰ کریم ؐ کی عظمت کا احساس دلانے کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی ذات اکبر و بابرکت کا ذکر بھی نہایت وضاحت سے کرتا ہے۔ کہ اے بنی نوع انسان! (جس نے کہ میرا بار امانت بغیر سوچے سمجھے جھٹ پٹ بڑے مان اور افتخار سے اٹھا لیا تھا' تمہیں پتہ ہے کہ اللہ کی عظمت و شان کیسی ہے----؟) اللہ تعالیٰ وہی ہے کہ ساری کائنات میں اس کے سوا کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں۔ وہی ایک سچا معبود ہے۔ (اور اس کے سوا کوئی فرعون ہو یا' نمرود سب مدعی جھوٹے ہیں)۔ (چنانچہ سورۃ بقرہ آیۃ الکرسی اور سورۃ حشر کی یہ آیات خدا کی عظمت کے بیان کی حامل ہیں۔) وہ اللہ تعالیٰ

Marfat.com

چھپی اور کھلی ہر شئے کی ماہیت سے پوری طرح آگاہ ہے۔ اور اس آگاہی کے ساتھ ساتھ وہ رحمان بھی ہے، رحیم بھی

وضاحت

رِحْمٌ و رَحِمٌ۔ بطن عورت کا وہ خانہ جس میں بچہ پرورش پاتا ہے اور اس کے غلاف میں وہ خارجی اثرات سے محفوظ رہتا ہے۔ (تاج العروس)۔ چنانچہ رَحْمَۃٌ وہ عطیہ ہے جو کسی کی ظاہر و باطن کی ہر کمی کو پورا کر دے اور وہ عطیہ اسے حسب ضرورت دیا جائے۔ عطیہ۔۔۔ رحمۃ وہ چیز ہوتی ہے جو کسی کو بلاقیمت اور بلا مزد اور بلا معاوضہ دی جائے۔ لہٰذا رَحْمَۃٌ ۔۔۔ گویا وہ سامان نشوونما ہے جو مخلوق کو خدا کی طرف سے بلا معاوضہ ملتا ہے۔ (لغات القرآن صفحہ 783 مرتبہ غلام احمد پرویز) اور اس حوالے سے حضور علیہ السلام کو رحمۃ للعالمین فرمایا گیا۔ یعنی حضورؐ کی ذات اقدس میں عالمین کی نشوونما کا سامان موجود ہے۔ اور قرآن حکیم میں آیا ہے۔ کَتَبَ رَبُّکُمْ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ۔۔۔(6 ۔ 54) یعنی تمہارے رب نے سامان نشوونما کی فراہمی کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔ رحمان اور رحیم کے بارے میں تفسیر المنار میں ہے کہ رحمان کا وزن فعلان (عطشان، غضبان) ہے اور یہ ان صفات کے لئے آتا ہے جو شدید اور ہنگامی ہوں۔ پس رحمان وہ ہستی ہے جو شدت اور غلبہ کے ساتھ انقلابی ڈھنگ سے سامان رحمت بہم پہنچائے۔ جبکہ رحیم۔۔۔ فعیل کے وزن پر ہے (جیسے علیم، حکیم) جس میں تسلسل کے معنی پائے جاتے ہیں۔ پس رحیم وہ ہستی ہے جو عمومی طور پر سامان نشوونما بہم پہنچائے۔ گویا رحیم میں نشوونما کا ارتقائی ذریعہ کار۔ عمل پذیر ہوتا ہے اور رحمان میں حسب ضرورت انقلابی ذریعہ نشوونما کی جھلک ہے۔

گویا بیالوجی کی اصطلاح میں اسم باری تعالیٰ رحیم (Progressive Evolution) کا نقیب ہے اور رحمان (Emergent Evolution) کا حامل ہے۔ اور سورۃ رحمان میں۔ یَسْئَلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ۔ (55 ۔ 29)۔ یعنی آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے ہو (اپنی نشوونما اور زندگی کے لئے خدا (کی صفت ربوبیت۔ رحمان و رحیم۔) کا محتاج ہے۔ اور اس کی طلب میں ہر لمحہ جو اتار چڑھاؤ پیدا ہوتا ہے تو یہ سلسلہ نشوونما کبھی صفت رحمان کا [illegible] ہوتے ہوئے آگے بڑھتا ہے اور کبھی صفت رحیم کا۔۔۔ اور آخر ان اسماء [illegible] وسعت۔ اللہ کی "انتہاؤں" میں گم ہو جاتی ہے۔ بقول خواجہ میر درد کہ دل تو دریا اور سمندر سے بڑھ کر ہے:

Marfat.com

ارض و سما کہاں تری وسعت کو پا سکے
میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے

اور جس کسی کے اندر بھی رحمت و رافت کا یہ جذبہ نظر آتا ہے اس کا اصل مصدر و منبع خدائے رحمان و رحیم کی ذات ہے۔

(20) وہی تو اللہ تعالیٰ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہی کائنات کا اصل بادشاہ ہے۔ مالک و مختار ہے۔ ہر شئے اس کے تصرف اور قدرت کے زیر نگیں ہے۔ اس کی حاکمیت اعلیٰ (Sovereignty) کو زک پہنچانے والی کوئی شئے نہیں۔ اور ہر شئے اسی کی طرف سے ہے اور اسی کی طرف پلٹنے والی ہے۔

(21) قُدُّوس قدس سے مبالغہ کا صیغہ ہے جس کا مطلب ہے---- تمام بری صفات سے پاکیزہ اور منزہ اور بدر جہا بالاتر---- جس کے بارے میں کسی نقص' کمی' کوتاہی یا برائی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہ صفت بھی حاکمیت اعلیٰ کا لازمی جزو ہے۔ جو کسی بھی (مصنوعی) حاکم میں نہیں۔

(22) سلام---- کا مادہ س ل م ہے۔ اور اسلام بھی اسی سے ہے۔ السَّلام۔ خدا تعالیٰ کا ایسا پیارا نام ہے۔ جس میں سلامتی ہی سلامتی ہے۔ جیسے کسی حسین اور خوبصورت کو---- حسین کی بجائے حسن کہہ دیا جائے۔ اسی طرح المومن میں حقیقی امن دینے والا۔ اور مہیمن میں حقیقی نگہبانی اور حفاظت کرنے والا کا مفہوم پوشیدہ ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کائنات کے ذرے ذرے کا نگہبان و محافظ اور شاہد (ملاحظہ کرنے والا)---- بھی ہے اور خبر گیری اور کائنات کی ضروریات کا کفیل بھی ہے۔ وہ عزیز یعنی غالب' حکمت والا اور زبردست حاکم و عامل ہے۔ اور اپنے امور کی تکمیل کے لئے وہ الجبّار---- بھی ہے۔ اور کائنات کی کوئی بڑی سے بڑی شئے بھی اس کی حکم عدولی کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔

اسی طرح اس کی ذات اقدس--- المتکبر--- بھی ہے۔ کوئی بھی مخلوق---- "المتکبر" کہلانے کی سزاوار نہیں کیونکہ وہ کسی نہ کسی سطح پر احتیاج کا شکار ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی حقیقی متکبر---- بڑائی کا اعلیٰ ترین مقام رکھنے والا ہے۔ اور مخلوقات میں سے کوئی ایسا دعوے کرے۔ تو اس کی مشارکت کے دعوے سے اللہ کی ذات بہت سے بلند و بالا ہے۔ لہٰذا ایسا دعوے کسی کو زیب نہیں دیتا جیسا کہ فرعون نے کہا تھا۔ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى۔

(23) اللہ کی ذات اقدس ہی---- حقیقی خالق ہے۔ کوئی بھی شئے خود بخود'

Marfat.com

اتفاقاً' حادثاً یا اس کی مرضی یا ادارہ کے بغیر تخلیق پذیر نہیں ہوئی۔
تخلیق کے معنوں میں ہے پہلے سے پیدا کردہ چیزوں کی مدد سے پیدا کرنا۔ جبکہ باری۔۔۔۔۔ کے معنی ہیں وہ قوت جو پرانی اشیاء کے ملغوبے سے تخلیق کا عمل آگے بڑھا کر نئی چیز کو پرانی چیزوں سے الگ کرکے نیا وجود بخشتی ہے۔ یہ گویا صفت باری کا کرشمہ ہے۔

(24) یعنی اللہ تعالیٰ اپنی تخلیقات کو صورتیں بھی بخشتا ہے۔ اور یہ صورتیں مصوروں کی طرح بے جان نہیں ہوتیں بلکہ یہ تصاویر چلتی پھرتی اور جاندار تصاویر ہوتی ہیں جن کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ اور اس ذات عالی صفات کے بہترین اسماء ہیں۔ اور آسمانوں اور زمین کی ہر جاندار اور بے جان شئے (اللہ تعالیٰ کا نام۔۔ اللہ۔۔۔۔۔ یا اسماء الحسنی کا ورد کرکے) اس کی تسبیح میں مشغول ہے اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ اور وہ خدا تعالیٰ ہے ہی بڑا زبردست حکمت والا + اسماء الحسنے۔۔۔۔۔ کا ذکر یہاں نہایت معنی خیز انداز میں آیا ہے۔ پہلے توحید کا ذکر ہوا پھر اس کی صفت علم کا ذکر پھر رحمان اور رحیم کی صفات کا تذکرہ ہے جس کے ثمرات نہ صرف دنیا بلکہ عقبے میں بھی حاصل ہوں گے۔ اللہ کی بادشاہی اور دیگر صفات سے پہلے ایک بار پھر توحید کا ذکر قند مکرر کے طور پر یاد کرایا اور پھر اپنی حقیقی بادشاہی' اور تنزیہ وغیرہ دیگر صفات کا ذکر کیا۔ اور ان کے ذکر کا مقصد بھی یہی ہے کہ جو لوگ اپنی بے وقوفی سے اللہ کے شریک ٹھہراتے ہیں وہ کتنے گھٹیا ہیں قرآن مجید اور حدیث شریف میں اللہ تعالیٰ کے سو سے زیادہ نام آئے ہیں۔ صحیح احادیث کی رو سے آپ ؐ نے اللہ تعالیٰ کے ننانوے ناموں کا ذکر فرمایا اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جو کوئی ان کو محفوظ رکھے یا نگاہ میں رکھے تو وہ جنت میں داخل ہو گا۔ (سیرۃ النبی جلد 4 صفحہ 404 بحوالہ صحیح بخاری کتاب التوحید و دیگر کتب حدیث)

اسماء الحسنی کی تفصیل

اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام حضرت ابو ہریرہ ؓ کی اس روایت سے ثابت ہیں جس میں آپ نے فرمایا کہ آنحضرت ؐ کا ارشاد ہے اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام یعنی ایک کم سو۔ انہیں یاد کرنے والے بہشت میں جائیں گے۔ یہ سارے نام وقتاً فوقتاً قرآن کریم میں نازل ہوئے۔ ان میں سے پانچ سورۃ فاتحہ میں آئے ہیں اور وہ یہ ہیں:

یااللہ۔ یارب۔ یارحمٰن۔ یارحیم۔ یامالک۔

رہ بقرہ میں یہ نام آئے ہیں: یامحیط یاقدیر۔ یاعلیم۔ یاحکیم۔

Marfat.com

یاتواب- یابصیر- یاواسع- یابدیع- یارئوف- یاشاکر- یاالٰہ-
یاواحد- یاغفور- یاحکیم- یاقابض- یاباسط- یاحی- یاقیوم-
یاعلی- یاعظیم- یاولی- یاغنی- یاحمید

سورۂ آل عمران میں چار نام آئے ہیں: یاقائم- یاوہاب- یاسریع-
یاخبیر-

سورۂ نساء میں چھ نام آئے ہیں: یارقیب- یاحسیب- یاشہید-
یاعفور- یامقیت- یاوکیل

سورۂ انعام میں پانچ نام آئے ہیں: یافاطر- یاقاھر- یاقادر- یالطیف-
یاخبیر-

سورۂ اعراف میں دو نام آئے ہیں: یامحیی- یاممیت-

سورۂ انفال میں دو نام آئے ہیں: یانعم المولٰی- یانعم النصیر-

سورۂ ہود میں سات نام آئے ہیں: یاحفیظ- یارقیب- یامجید-
یاقوی- یامجیب- یاودود- یافعال-

سورۂ رعد میں دو نام آئے ہیں: یاکبیر- یامتعال-

سورۂ ابراہیم میں ایک نام آیا ہے: یامنان-

سورۂ حجر میں ایک نام آیا ہے: یاخلاق-

سورۂ نحل میں ایک نام آیا ہے: یاباعث-

سورۂ مریم میں دو نام آئے ہیں: یاصادق- یاوارث-

سورۂ مومنون میں ایک نام آیا ہے: یاکریم-

سورۂ نور میں تین نام آئے ہیں: یاحق- یامتین- یاوارث-

سورۂ فرقان میں ایک نام آیا ہے: یاھادی-

سورۂ سبا میں ایک نام آیا ہے: یاحنان-

سورۂ مومنون میں چار نام آئے ہیں: یاغافر- یاقابل- یاشدید-
یاذوالطول-

سورۂ والذاریات میں تین نام آئے ہیں: یارزاق- یاذوالقوۃ- یامتین-

سورۂ طور میں ایک نام آیا ہے: یاحنان-

سورۂ اقتربت الساعۃ میں ایک نام آیا ہے: یامقتدر سورۂ رحمٰن میں تین نام
آئے ہیں: یاباقی- یاذوالجلال- یاذوالاکرام-

Marfat.com

سورۂ حدید میں چار نام آئے ہیں: یااول۔ یاآخر۔ یا ظاہر۔ یاباطن۔

سورۂ حشر میں دس نام آئے ہیں: یاقدوس۔ یاسلام۔ یا مومن۔ یامُھَیمن۔ یا عزیز۔ یاجبار۔ یامتکبر۔ یاخالق۔ یا باری۔ یامصور۔

سورۂ بروج میں دو نام آئے ہیں: یامبداء۔ یا معید۔

سورۂ قل ہو اللہ میں دو نام آئے ہیں: یااحد۔ یاصمد۔

سفیان بن عینیہ نے کہا ہے کہ عبداللہ بن احمد نے ان سے زائد نام بھی بتائے ہیں اور وہ یہ ہیں: یامجیب۔ یاقاہر۔ یافاضل۔ یاخالق۔ یا رقیب۔ یا ماجد۔ یاجواد۔ یا احکم الحاکمین۔

خدا کے 360 نام

ان کے سوا دوسرے لوگوں نے یہ لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ایک سو چودہ نام ہیں۔ ان سب راویوں نے قرآن مجید ہی سے نام شمار کئے ہیں۔ اکثر لوگوں نے مکرر ناموں کو بھی گن لیا ہے۔ مگر صحیح روایت وہی ہے جو ابو ہریرہؓ نے بیان کی۔ (غنیتہ الطالبین صفحہ 142 ۔ 143 مطبوعہ دیوبند)

علم حدیث

کی

اہمیت و ضرورت

انسانی زندگی میں ایک دوسرے کو دیکھ کر آگے بڑھنے کا جذبہ نمایاں ہے۔ بچہ ماں باپ کو جو کچھ کرتے دیکھتا ہے۔ آہستہ آہستہ وہ اسی طرح کرنے لگتا ہے کہ یہ تقلید انسانی فطرت کا خاصہ ہے۔ انسان جانوروں تک سے سبق سیکھتے ہیں۔ مثلاً قرآن حکیم میں قابیل و ہابیل کے قصہ میں آتا ہے کہ جب قابیل نے ہابیل کو قتل کر ڈالا تو اسے سمجھ نہ آرہی تھی کہ اب اس کی لاش کا کیا کرے۔ پھر اس نے ایک کوے کو زمین کھود کر اس میں ایک مرے ہوئے کوے کو دفن کرتے دیکھا اور اس کی دیکھا دیکھی میں ایک گڑھا کھود

Marfat.com

کر اس میں ہابیل کی لاش کو چھپا دیا۔ (مائدہ۔31) اس سے پتہ چلتا ہے کہ انسان کو جب کسی معاملے کی سمجھ نہ آئے۔ تو وہ ادھر ادھر سے معلومات حاصل کرنے کی سعی کرتا ہے تاکہ ان پر عمل پیرا ہو سکے۔ کسی سے رہنمائی حاصل کرنے کا جذبہ ہی انسانی ترقی کا ضامن ہے۔ اور اگر یہ جذبہ رک جائے تو انسانی ارتقاء منجمد ہو کر رہ جائے گا۔

اللہ تعالیٰ ہدایت کا سرچشمہ ہے اور اس کے انبیاء علیہم السلام اس سرچشمے سے سیراب ہو کر دوسروں کو سیراب کرنے والے تھے۔ قرآن ہدایت کا روشن مینار ہے۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس نورانی مینار کو حاصل کرنے کا باعث ہوئے۔ قرآن حکیم میں انسانی رہنمائی کے لئے بنیادی اصول بیان کئے گئے ہیں۔ کچھ احکام بڑی وضاحت کے ساتھ بیان ہوئے ہیں تاہم بعض امور کا ذکر تو بار بار قرآن حکیم میں آیا ہے۔ لیکن ان کی تفصیلات قرآن عزیز میں نہیں ملتیں۔ حضور کا ارشاد ہے کہ: اِنِّی اُوْتِیتُ الْقُرْاٰنَ وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ یعنی مجھے قرآن عطا ہوا ہے اور اس کے ساتھ اس کی مثل بھی۔۔۔۔ اور یہ مِثْلَهٗ حدیث شریف کی شکل میں ہمارے سامنے آیا۔

حضرت محمد مصطفیٰ کو قرآن کے علاوہ بھی وحی اور الہام ہوتا تھا۔ قرآن کے علاوہ وحی کو وحی "غیر متلو" کہتے ہیں۔ اور یہی الہامات ایک نبی کو عام آدمی سے ممتاز کرتے ہیں۔ چنانچہ جب نماز کا حکم قرآن حکیم میں آیا تو نمازوں کے اوقات' ان کی رکعات اور ہر رکعت میں پڑھی جانے والی سورتیں اور دعائیں وغیرہ اور اس سے متعلقہ دوسری تفصیلات حضور علیہ السلام نے بیان فرمائیں۔ جو ان کو اللہ تعالیٰ نے وحی غیر متلو کے ذریعے بتلائی تھیں۔ اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اس طرح واضح کیا ہے۔

مَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی' اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی۔

"یعنی میرا نبی اپنی خواہش سے بات نہیں کرتا بلکہ وہ جو بات بھی بتلاتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی (کے مطابق) ہوتی ہے۔"

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ صحابہ کرام زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق آپ سے سوال کرتے اور جواب پاتے تھے۔ آپ نے ہمیشہ صحابہ کی ہر بات کا' جو جواب دینے کے قابل تھی' ضرور جواب دیا۔ اس کے برعکس کفار کے بعض سوالوں کا جواب دینے سے بحکم الہی گریز کیا کیوں کہ ان کا تعلق دینیات سے نہ تھا۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ اہل اسلام کو قرآن حکیم کی موجودگی میں بھی اکثر معاملات میں آپ کی رہنمائی درکار تھی۔ اور اس

Marfat.com

ضرورت کو آپ ؐ نے ہمیشہ خندہ پیشانی سے نبھایا اور قرآن حکیم نے بھی مسلمانوں کو واضح ارشاد فرمایا:

مَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَھُوْا۔ (حشر۔ 7)

"یعنی رسول اللہ ؐ جو کچھ تمہیں عطا کریں لے لو اور جس سے منع کریں اس سے رک جاؤ۔"

اس ارشاد سے ثابت ہوا کہ امت مسلمہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی رہنمائی کی محتاج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے صحابہ کرام ؓ کو پیر پیر پر رہنمائی سے نوازا اجتماعات میں خطبات ارشاد فرمائے' انفرادی طور پر بھی رہنمائی سے نوازنے میں کبھی بخل سے کام نہ لیا۔ آپ کے تمام صحابہ ؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبلغ ہونے کا شرف بھی حاصل ہے آپ نے صحابہ ؓ کو فرمایا۔

بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَة۔ یعنی آپ کے پاس اگرچہ میرا ایک ہی ارشاد ہو۔ اسے دوسروں تک ضرور پہنچا دو۔ نیز آپ نے اپنے صحابہ ؓ کو ستاروں سے تشبیہ دے کر فرمایا کہ جو کوئی بھی ان میں سے کسی کا اتباع کرے گا نجات پا جائے گا۔

منصب رسالت اور حدیث

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اپنے احکامات پر عمل کرنے کا حکم دیا۔ اور فرمایا۔ واطیعوا اللّٰہ۔ لیکن ساتھ ہی اپنے رسول کی اطاعت کا حکم دیا:

واطیعو الرسول۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی اطاعت کرو۔

یہ حکم قرآن حکیم میں بار بار آیا ہے۔ مثلاً

1۔ قل اطیعو اللّٰہ والرسول۔ (العمران۔ 32) یعنی فرما دیجئے کہ اطاعت کرو اللہ اور رسول کی۔

2۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُو الرَّسُوْل۔ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْل۔ (نساء۔ 59)

یعنی اے اہل ایمان اللہ کی اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے صاحب امر کی۔ پھر اگر کسی معاملہ میں اختلاف اٹھے تو اس میں اللہ اور اس کی طرف رجوع کرو۔

3۔ وَاَقِیْمُو الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ۔

Marfat.com

(نور ۔ 56)

یعنی قیام نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے ساتھ رسول خدا کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

سورۃ شعرا میں دیگر انبیاء کی زبان سے بھی ان کی امتوں کو کہلوایا گیا کہ اللہ سے ڈرو اور میرے متعلقہ نبی کا) اتباع کرو۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر نبی کی امت کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے نبی کا اتباع اور اس کی اطاعت کرے چنانچہ آخری نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

1۔ رسول اکرمؐ بطور معلم

اللہ تعالیٰ نے آپ کے فرائض منصبی اس طرح بیان فرمائے ہیں۔

"لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ۔" (آل عمران ۔ 164)

"یعنی اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر احسان فرمایا کہ انہی میں سے ایک رسول ان کے اندر مبعوث کیا جو ان کے سامنے اللہ کی آیات تلاوت کرتا ہے اور ان کا تزکیہ نفس کرتا ہے اور انہیں کتاب اللہ کی تعلیم دیتا ہے اور حکمت کی باتیں سکھاتا ہے۔"

اور یہی باتیں سورہ جمعہ میں بیان کی گئی ہیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ نبی کے اولین فرائض منصبی تین ہیں۔

1۔ کتاب اللہ کی تعلیم۔

2۔ اس کے حکیمانہ مقاصد کی وضاحت و تشہیر۔

3۔ لوگوں کی تربیت اور ان کا تزکیہ نفس اور ان کو اخلاق کریمانہ سکھانا۔

کتاب اللہ کی تشریح کا فرض منصبی سورہ نحل میں یوں بیان ہوا ہے۔

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ (نحل ۔ 44)

"اور ہم نے آپ کی طرف ذکر "نازل فرمایا" تاکہ آپ لوگوں کو وضاحت سے سمجھا دیں جو ان کی طرف اتارا گیا ہے۔"

یہی بات سورۃ نحل کی (آیت ۔ 64) میں بیان کی گئی ہے کہ جب بھی لوگ قرآن

Marfat.com

میں نازل شدہ کسی معاملے میں اختلاف کا شکار ہوں تو آپ ان کو صحیح صورت حال سے آگاہ فرمادیں۔

سورۃ نساء میں فرمایا:

اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الْکِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَا اَرَاکَ اللّٰہُ

(نساء - 105)

"یعنی ہم نے آپ ؐ کی طرف حق و انصاف کے اصولوں پر مبنی کتاب نازل فرمادی تاکہ آپ ؐ لوگوں کو قول فیصل سے آگاہ کردیں، جس طرح کہ اللہ تعالی نے آپ کو (نور بصیرت یا وحی یا خواب کے ذریعے) دکھلایا ہے۔"

تو ان آیات سے معلوم ہوا کہ آپ ؐ نے قرآن کی تشریح بھی کرنی تھی اور لوگوں کو ان معاملات میں رہنمایانہ اصولوں سے بھی آگاہ فرمانا تھا۔ اس سے آپ کی احادیث کی اہمیت اور ضرورت واضح ہوتی ہے۔

چنانچہ حضور علیہ السلام نے زندگی کے ہر شعبے میں اہل سلام کی رہنمائی فرمائی۔

ایمان کا بیان ہو یا نفاق و کبائر کی وضاحت جنت و دوزخ کی تذکیر ہو یا نیکی اور بدی کی وضاحت، طہارت بدنی ہو یا طہارت نفس انفرادی نماز کی تفصیلات ہوں یا نماز بالجماعت کی، حلال و حرام کی نشاندہی ہو یا طیب و خبیث کی، جنازہ کی پیدائش سے متعلقہ امور ہوں یا سفر و حضر کے متعلقات، حکومت و رعیت کی بات ہو یا تجارت کا معاملہ اور عام لین دین توبہ استغفار ہو یا تسبیح و تہلیل، تکبیر و تحمید، عدلیہ کے مسائل ہوں یا میاں بیوی کے معاملات یا حقوق اللہ اور حقوق العباد یا حقوق والدین و اولاد غرض کوئی شعبہ زندگی بھی ایسا نہیں جس میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ہماری رہنمائی نہ فرمائی ہو۔ اور یہ رہنمائی قرآن کے بعد ہمیں جس ذریعہ سے حاصل ہوئی ہے اس کو "سرمایہ حدیث" کہتے ہیں۔

اللہ تعالی نے بھی ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم آپ ؐ کی زندگی کے ہر عمل کو اپنائیں کیونکہ آپ کی زندگی دین و دنیا میں کامیابی کے لئے بہترین نمونہ ہے۔ جیسا کہ سورہ احزاب میں فرمایا:

لَقَدْ کَانَ فِی رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ۔

حدیث ایسا سرمایہ ہے کہ اگر اس کا وجود نہ ہوتا تو امت بدترین انتشار کا شکار ہو

Marfat.com

جاتی۔ اور ہر معاملے میں ظن و تخمین سے کام لے کر نظریات قائم کر لئے جاتے۔ جب کہ سرمایہ حدیث وحی کی طرح قابل اعتماد و عمل ہیں۔

علم حدیث کا مختصر تعارف

تعارف حدیث

جمہور محدثین کی اصطلاح میں حدیث کا اطلاق حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول، فعل اور تقریر پر ہوتا ہے۔ تقریر کے یہ معنی ہیں کہ کسی شخص نے کوئی کام حضور علیہ السلام کی موجودگی میں کیا کوئی بات کہی اور آپ نے اسے اس سے نہ منع کیا نہ اس کا انکار کیا۔ بلکہ خاموش رہے اور قائم رکھا۔ اسی طرح صحابی اور تابعی کے قول و فعل اور تقریر پر بھی حدیث کا اطلاق ہوتا ہے۔ جس حدیث میں آپؐ کا کوئی قول بیان ہو اسے حدیث تقریری کہتے ہیں۔ حدیث کی جمع احادیث ہے۔

صحابی و تابعی

وہ ہے جس نے بحالت ایمان حضور علیہ السلام کی زیارت اور صحبت کا شرف پایا ہو۔ تابعی وہ شخص ہے جس نے بحالت ایمان کسی صحابی کی زیارت اور صحبت پائی۔

حدیث قدسی

قرآن مجید کے علاوہ حضور علیہ السلام کو اللہ تعالی کی طرف سے الہام بھی بکثرت ہوتا تھا۔ چنانچہ جب آپ کسی ارشاد کی نسبت یہ فرماتے کہ اللہ تعالی نے یوں فرمایا ہے تو اسے حدیث قدسی کا نام دیا جاتا ہے۔ حدیث قدسی اللہ تعالی کی طرف سے نازل شدہ خصوصی ارشاد ہوتا تھا۔ لیکن وہ قرآن کا حصہ نہ ہوتا تھا۔

احادیث کی اقسام بلحاظ سند

نوٹ: حدیث شریف ایک نہایت وسیع علم ہے۔ اس کو کماحقہ سمجھنا اور اس کا احاطہ کرنا چند اوراق میں ناممکن ہے تاہم مختصراً اس کا کچھ تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

مرفوع: جو حدیث حضور علیہ السلام تک پہنچے اسے مرفوع کہتے ہیں۔

موقوف: جو حدیث کسی صحابی پر منتہی ہو اسے موقوف کہا جاتا ہے۔

Marfat.com

مقطوع: جس حدیث کا سلسلہ کسی تابعی تک پہنچتا ہو اسے مقطوع کہتے ہیں۔

(الف) مرفوع صریح

جس حدیث میں یہ صراحت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں بات کہی، یا کام کیا یا آپ کی موجودگی میں کسی نے کوئی بات کی یا کہی اور آپ نے منع نہ فرمایا۔

(ب) مرفوع حکمی

اگر راوی کے بیان سے انداز ہوتا ہو کہ یہ بات حضور نے فرمائی تھی تو اسے حدیث حکمی کہیں گے۔ لیکن اس طرح کی حدیث کے بارے میں حکم لگانے کے لئے وسیع علم اور گہری سوچ درکار ہوتی ہے۔ اس لئے فیصلہ میں اختلاف بھی ہو سکتا ہے۔ اسی لئے بعض علماء حکمی حدیث کو تسلیم نہیں کرتے۔

متصل

وہ حدیث ہے جس کے سلسلہ سند میں کوئی راوی رہ نہ گیا ہو یا کوئی راوی مجہول الحال نہ ہو اور یہ ثابت ہو کہ ہر راوی نے اپنے شیخ یعنی استاد سے براہ راست سنا۔ ایسی حدیث متصل کہلاتی ہے۔

منقطع

جس حدیث کا سلسلہ سند ٹوٹ گیا ہو۔ یعنی متصل حدیث کی شرائط میں سے ایک یا ایک سے زیادہ شرائط پر پوری نہ اترتی ہو۔ اسے منقطع کہتے ہیں۔ اس کی پانچ ذیلی قسمیں ہیں۔

1۔ معلق

وہ حدیث جس کا کوئی راوی ابتدائے سند میں محذوف یا ساقط ہو۔

2۔ مرسل

جس حدیث کا کوئی راوی اواخر سند میں ساقط ہو۔ یعنی اس صحابی کا ذکر نہ ہو جس نے وہ حدیث رسول خداؐ سے سنی تھی۔ اور اسے سننے والا راوی (صحابی یا تابعی) سند کو براہ راست آنحضورؐ تک پہنچا دے۔

Marfat.com

3۔ منقطع

متصل کے مقابل حدیث بھی منقطع کہلاتی ہے لیکن اس کی ایک قسم کو بھی منقطع کہا جاتا ہے۔ گویا اس کی دو تعریفیں ہیں۔ پس جس حدیث کے ایک سے زیادہ راوی محذوف یا مجہول الحال ہوں یا ان کا سماع اپنے شیخ سے براہ راست نہ ہو۔ (منقطع کی ذیلی قسم) منقطع کہلاتی ہے۔

4۔ معضل

جس حدیث کی سند کے درمیان کسی مقام پر دو راوی مجہول الحال یا محذوف ہوں یا ان کا براہ راست سماع اپنے شیخ سے ثابت نہ ہو۔ تو ایسی حدیث کو معضل کہیں گے۔

6۔ مدلس

جس حدیث کا راوی کسی وجہ سے اپنے شیخ کا نام چھپانے کی کوشش کرے اور اس کا حوالہ دیئے بغیر اوپر والے راوی کا نام لے دے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کرے کہ اس نے اسی سے سنی ہے تو ایسی حدیث مدلس کہلاتی ہے۔

صحت کے لحاظ سے حدیث کی قسمیں

1۔ صحیح

صحیح حدیث کی دو قسمیں ہیں۔

(الف) صحیح لذاتہ

وہ حدیث ہے جو اپنی جگہ خود صحیح ہو۔ جس کے راوی عادل' سند متصل' اور وہ اپنے سے قوی تر حدیث کی مخالف نہ ہو۔ اور اس میں کوئی خفیہ علت یعنی عیب بھی نہ ہو۔

(ب) صحیح لغیرہ

جس حدیث میں صحیح لذاتہ والی حدیث کی کوئی ایک شرط مفقود ہو۔ لیکن یہ کمی کثرت طرق یعنی دیگر سندات کے ذریعے پوری ہو جائے۔

Marfat.com

2۔ حسن

وہ حدیث ہے جو صحیح حدیث سے کم تر اور ضعیف حدیث سے بلند درجہ کی ہو۔ اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ (1) حسن لذاتہ (2) حسن لغیرہ۔ لیکن حسن کا اطلاق زیادہ تر حسن لذاتہ پر ہی ہوتا ہے حسن لذاتہ وہ حدیث ہوتی ہے جس میں صحیح حدیث کی سب شرائط پوری ہوں البتہ راوی میں صرف حافظہ یا فہم کی کمی پائی جائے اور حسن لغیرہ وہ حدیث ہے جس میں رد و قبول کی صفات اور دلائل متوازن ہوں۔ لیکن کوئی خارجی قرینہ اس کو قبول کرنے کی سفارش کردے۔

3۔ ضعیف

وہ حدیث ہے جو صحیح حسن کی شرائط پر پوری نہ اترتی ہو۔ یا اپنے سے قوی تر حدیث کی مخالفت کرتی ہو۔

اہل قرآن و اہل سنت اور اہل حدیث

آپؐ کے جو اعمال امت کے لئے قابل تقلید نمونہ ہیں ان کو سنت کہتے ہیں۔ لیکن یاد رہے کہ ہر حدیث اور سنت ہمارے لئے قابل عمل نہیں۔ مثلاً حدیث میں آتا ہے کہ آپ کو ایک وقت میں چار سے زیادہ بیویاں رکھنے کی تخصیص حاصل تھی۔ لیکن کسی امتی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ "سنت" کی آڑ میں معاذ اللہ ایسا کرے۔ تو قابل عمل سنت کے لحاظ سے ہر مسلمان اہل سنت ہے۔ اور چونکہ احادیث میں آپ کے اسوۂ حسنہ کا بیان بھی ہے۔ تو اس لحاظ سے ہر مسلمان اہل حدیث بھی ٹھہرتا ہے۔ اور چونکہ ہر مسلمان قرآن پر ایمان رکھتا ہے اور اس پر مقدور بھر عمل بھی کرتا ہے لہٰذا ہر مسلمان اہل قرآن بھی ہے۔

بعض علمی اصطلاحات کی وضاحت

سنت

سنت کے اصطلاحی معنی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریق زندگی یا راہ عمل۔ اس کی جمع سنن۔

Marfat.com

خبر

حدیث کو خبر بھی کہتے ہیں۔ لیکن خبر کا لفظ حدیث کے علاوہ تاریخ کے لئے بھی آتا ہے اور اصطلاح میں "اخباری" مورخ کو کہتے ہیں۔ جب کہ عالم علم حدیث کو محدث کہا جاتا ہے۔

اثر

حدیث کو اثر بھی کہتے ہیں۔ لیکن یہ لفظ زیادہ تر صحابہؓ اور تابعین کے اقوال کے لئے بھی مستعمل ہوتا ہے۔ اثر کی جمع آثار ہے۔

بلاغتہ

جب کوئی تابعی واسطہ کے بغیر ان الفاظ کے ساتھ حضورؐ کی حدیث بیان کرے "بَلَغَنِیْ" (مجھ تک یہ حدیث پہنچی ہے) تو ایسی حدیث بلاغتہ کہلاتی ہے اور اس کی جمع بلاغات ہے۔

روایت

یہ لفظ بھی حدیث کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ حدیث بیان کرنے کو روائیت کہتے ہیں۔

راوی

حدیث بیان کرنے والا راوی کہلاتا ہے۔ اس کی جمع "رواۃ" ہے۔

مروی

جو حدیث بیان کی جائے اسے مروی کہتے ہیں۔ مثلاً مروی ہے کہ "-------" اس میں کبھی حوالہ دیا جاتا ہے کبھی نہیں۔ اس کی جمع مرویات آتی ہے۔

مروی عنہ

جس سے حدیث بیان کی جائے وہ مروی عنہ کہلاتا ہے۔

Marfat.com

واسطہ

درمیانے راوی کو "واسطہ" بھی کہتے ہیں۔

راویوں کی تقسیم

صحابی

جس شخص نے بحالت ایمان سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی یا اگر وہ نابینا ہو تو صحبت پائی یا حضورؐ نے اس کو دیکھا ہو اور اس نے اسلام پر ہی وفات پائی' وہ صحابی رضی اللہ عنہ ہوتا ہے۔

تابعی

جس نے حضور کا زمانہ پایا لیکن آپ کی زیارت نہ کی۔ (یا زمانہ تو نہ پایا) البتہ بحالت ایمان کسی صحابی کی زیارت یا صحبت پائی اور اسلام پر ہی وفات پائی تو وہ تابعی کہلاتا ہے۔

تبع تابعین

جن حضرات نے بحالت ایمان کسی تابعی کو دیکھا وہ تبع تابعین کہلاتے ہیں۔

روائیت لفظی اور روائیت معنوی

کسی حدیث کو لفظ بہ لفظ بیان کرنا روایت باللفظ کہلاتا ہے۔ لیکن اگر مفہوم کو راوی اپنے لفظوں میں بیان کر دے تو اس کو روائت بالمعنی کہیں گے۔ روایت معنوی کی حضور علیہ السلام نے اجازت دی تھی۔ (جمع الفوائد۔ جلد اول باب روایۃ الحدیث)

روایت و درایت

حدیث کی صحت کو جانچنے کے دو طریقے ہیں۔ یعنی روائیت کی سند اور راویوں کی جانچ پرکھ کے ذریعے سے۔ اور دوسرا طریقہ ہے۔ منطقی اصولوں' عقل' قرآن یا تاریخ اور دوسری شہادتوں کے ذریعے کسی حدیث کو دیکھنا کہ وہ ان کے خلاف نہ جاتی ہو تو یہ طریقہ درائت کہلاتا ہے۔

Marfat.com

عدالت

کسی راوی کے اندر نیک اوصاف کا پایا جانا اور اس کی برائیوں سے دور رہنا۔ اور نیک اور مستقل صفات کا حامل ہونا عدالت کہلاتا ہے "صاحب عدالت" راوی کو عادل کہتے ہیں نیز اسے عدول بھی کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ صحابہ کے بارے میں مسلمہ اصول ہے کہ الصَّحابة کُلُّھُمْ عُدُوْلٌ (سب صحابہ عادل ہیں)

ضبط

کسی حدیث کو صحیح طور پر یاد رکھنے یا اس کا مفہوم صحیح طور پر ادا کرنے کو ضبط کہتے ہیں "ضبط ظاہر" سے روایت لفظی کا التزام مراد ہے اور "ضبط باطن" روائت معنوی کی ادائیگی کا نام ہے۔ "ضبط صدر" سے مراد یہ ہے کہ حدیث کو زبانی یاد کر لیا ہے۔ "ضبط کتاب" سے مراد یہ ہے کہ حدیث کو لکھ لیا گیا۔ اور ضبط والے راوی کو ضابط کہتے ہیں۔ اور جس راوی کا حافظہ کامل ہو اسے تام الضبط کہتے ہیں۔

ثقاہت

عدالت اور ضبط کو ثقاہت کا نام دیا گیا ہے۔ جس راوی میں یہ دونوں صفات یعنی عدل اور ضبط بدرجہ اتم موجود ہوں اسے ثقہ کہتے ہیں۔ اور ثقہ راویوں کی روائت کو "قوی" کہا جاتا ہے۔ ثقہ کی جمع ہے ثقاۃ۔

جرح یا طعن

راوی پر ناقدانہ نظر ڈالنا اور اس کی روایت کے قبول کرنے میں اس کے عیوب کو حارج سمجھنا جرح و طعن کہلاتا ہے۔

تعدیل

کسی راوی کو عادل ٹھہرانا اور پوری پرکھ کے بعد عادل ٹھہرانے کا عمل تعدیل کہلاتا ہے۔ اور ایسے راوی کو عادل کہتے ہیں۔ عادل کی جمع عدول ہے۔

تصحیح

کسی حدیث کو جرح و تعدیل کے بعد صحیح قرار دینے کا عمل تصحیح کہلاتا ہے۔

Marfat.com

تضعیف

کسی حدیث کو پرکھ کے بعد ضعیف قرار دینے کو تضعیف کہتے ہیں۔

ظَن

کسی معاملے میں گمان غالب کو اصطلاحاً ظن کہتے ہیں۔

طعن در عدالت

کسی راوی میں بری خصلتوں کا پایا جانا۔ مثلاً کوئی راوی عمداً حدیث نبوی میں جھوٹ ملائے یا جھوٹ بولے۔ ایسے راوی پر کذب کا داغ لگ جاتا ہے چاہے اس نے زندگی بھر میں ایک حدیث کے بارے میں ہی عمداً جھوٹ بولا ہو۔ اور اگرچہ بعد ازاں توبہ بھی کرلی ہو۔ پھر بھی اس کی حدیث قبول نہ کی جائے گی۔ اسی طرح عام گفتگو میں جھوٹا شخص حدیث کا راوی ہو تو اس پر اتہام کذب لگ جائے گا۔

مبہم

مجہول الحال راوی کو مبہم کہتے ہیں۔

راویوں کی تعداد کے لحاظ سے حدیث کی اقسام

متواتر

وہ حدیث ہے جس میں چار شرطیں پائی جائیں۔

1۔ راویوں کی تعداد کم از کم چار ہو اور زیادہ سے کوئی حد نہیں۔ البتہ یہ تعداد اتفاقاً اور بلا قصد میسر آگئی ہو۔ تو ایسی حدیث متواتر کہلاتی ہے۔

2۔ سند کے ہر مرحلہ میں رواۃ کی تعداد کی یہی صورت قائم رہنی چاہیے۔

3۔ رواۃ پر کذب کا اتہام نہ ہو۔

4۔ اس میں راوی کے گمان اور عقل و تخیل کو دخل نہ ہو بلکہ صحابہ کرام نے حضور علیہ السلام سے دیکھا یا سنا ہوا کوئی امر بیان کیا ہو۔ اور راوی کو اپنے بیان پر دلی اطمینان بھی ہو۔ متواتر خبر کو قطعی صحت کی حامل قرار دیا جاتا ہے۔ اس کی سند وغیرہ پر جرح نہیں کی جاتی۔

Marfat.com

(ب) مشہور

حدیث مشہور کے لئے راویوں کی تعداد کم از کم تین ہوتی ہے۔ اور بڑھتی چلی جاتی ہے اس میں متواتر والی شرائط مکمل طور پر موجود نہیں ہوتیں لہٰذا شبہ کا احتمال ہوتا ہے۔

(ج) عزیز

وہ حدیث جس کی سند میں ہر طبقہ کے کم از کم دو راوی ہوں۔ عزیز کہلاتی ہے۔

(د) غریب یا فرد

وہ حدیث ہے جس کے سند کے کسی مرحلہ پر صرف ایک راوی رہ جائے۔ اگر ہر مرحلہ پر ایک ہی راوی ہو تو ایسی حدیث کو فرد مطلق کہا جاتا ہے اور جس کے کسی ایک مرحلہ پر ایک راوی رہ جائے تو اسے فرد نسبی کہتے ہیں۔ لیکن یہ یاد رہے کہ فرد مطلق کی تقویت کسی دیگر حدیث سے نہیں ہوتی۔ جب کہ فرد نسبی کی فردیت فقط نسبتاً ہوتی ہے اور اس کی تائید میں دیگر حدیث بھی مل جاتی ہے۔

بعض اور اقسام

موضوع

جو حدیث جعلی معلوم ہو اور اس کے راوی غیر ثقہ بلکہ کاذب ہوں۔ وہ موضوع کہلاتی ہے۔ (ضعیف حدیث کے راوی صادق ہوتے ہیں اور یہ جعلی نہیں ہوتی جبکہ موضوع جعلی ہوتی ہے۔)

متروک

جس حدیث کے راوی پر کذب کا اتہام ہو۔ متروک کہلاتی ہے۔

منکر

جس کا کوئی راوی فاسق ہو۔ اس حدیث کو منکر کہا جاتا ہے۔

شاذ

وہ حدیث جس کے راوی ثقہ ہوں لیکن وہ کسی ایسی حدیث کی مخالف ہو جس کے

Marfat.com

راوی ثقہ تر ہوں شاذ کہلاتی ہے۔

محفوظ

ثقہ راویوں کی حدیث کو محفوظ کہتے ہیں۔

مقبول

روایت اور درائت کے اصولوں پر پورا اترنے والی قابل اعتماد حدیث مقبول کہلاتی ہیں۔

مردود

جو حدیث روایت اور درائت کے اصولوں پر ٹھیک نہ اترے وہ مردود کہلائے گی۔ اس پر عمل نہیں کیا جاتا۔

متوقف فیہ

جس حدیث میں رد و قبول کی شرائط برابر ہوں اور عمل کے لئے ترجیح کا پہلو موجود نہ ہو تو ایسی حدیث کو متوقف فیہ کہتے ہیں۔ یہ حکم کے لحاظ سے مردود کے مترادف ہوتی ہے۔

عہد رسالت مآب ؐ اور احادیث کی اشاعت وغیرہ

حدیث شریف کی اہمیت سے صحابہ کرام بھی واقف تھے اور رسول اللہ کو بھی خوب پتہ تھا کہ یہی چیز آخر قیامت تک کے اہل ایمان کی رہنمائی کرنے کا ذریعہ ثابت ہوگی اس لئے آپ کا ارشاد ہے:

1۔ میری حدیث جس طرح سنو اسی طرح بیان کرو۔ (المرحل از حاکم ابواب الدعوات ص 20)

2۔ حجتہ الوداع کے موقعہ پر اپنی احادیث کے بارے میں فرمایا کہ "اللہ تعالی اس شخص کو شاد کام رکھے جس نے مجھ سے کوئی حدیث سنی اور دوسرے تک پہنچائی۔"

نیز فرمایا "میرے خطبہ کو سننے والا اسے غیر موجود آدمیوں تک پہنچائے کیونکہ بارہا ایسا ہوتا ہے کہ بات کو سننے والا سنانے والے سے زیادہ حافظ کا مالک ہوتا

Marfat.com

ہے۔ (ترمذی۔ بخاری دارمی)

3۔ اپنے "خلفاء" کے بارے میں ایک دفعہ ایک سوال کے جواب میں فرمایا:
میرے خلفاء وہ ہیں جو میری حدیث کی روائت کریں گے اور اس کی تعلیم دیں گے۔ (مقدمہ دارمی)

4۔ فرمایاؐ مجھ سے قرآن' علم اور فرائض (وراثت کے قوانین) سیکھو اور آگے سکھاؤ کیونکہ مجھے اس دنیا سے اٹھ جانا ہے۔ علم جلد قبض ہو جائے گا اور فتنہ اٹھے گا۔ (دارمی' ترمذی عن ابو ہریرہؓ وابن مسعودؓ)

5۔ فرمایاؐ۔ جس کو دین کا کوئی مسئلہ معلوم ہو۔ پھر اس سے پوچھا جائے اور چھپا رکھے تو قیامت کے دن اسے آگ کی لگام دی جائے گی۔ (بخاری کتاب العلم۔ ترمذی)

درس حدیث اور بارگاہ نبویؐ

صحابہ کرامؓ کو آپ سے علم حاصل کرنے کا بہت شوق تھا۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ہم آپؐ کی خدمت میں بیٹھے آپؐ سے مستفیض ہو رہے ہوتے اور ہماری تعداد بارہا ساٹھ کے لگ بھگ ہوتی۔ حضور علیہ السلام ہم سے کوئی حدیث بیان فرماتے اور پھر اٹھ کر کسی کام سے چلے جاتے تو آپ کی غیر حاضری میں ہم سب لوگ اس حدیث کو باری باری دہراتے تھے۔ حتی کہ محفل سے اٹھتے وقت وہ حدیث ہمیں از بر ہوتی۔ (مجمع الزوائید ج 1 ص 161 باب مدارستہ العلم و مذاکرتہ)

ایک دفعہ آپ مسجد نبویؐ میں تشریف لائے۔ صحابہ کا ایک گروہ ذکر خدا میں مصروف تھا دوسرا تعلیم و تعلم میں۔ آپ نے دوسرے گروہ کو افضل قرار دیا۔ کیونکہ وہ لوگ علم و نقہ بے علموں کو سکھا رہے تھے اور فرمایا مجھے بھی معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔ یہ کہہ کر آپ اس دوسرے گروہ میں بیٹھ گئے۔ (دارمی باب فضل العالم والمتعلم)

روائت حدیث میں احتیاط

کا حکم آپؐ نے بڑی تاکید سے دیا اور فرمایا:

مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ (ابن ماجہ)

"یعنی جس نے جان بوجھ کر مجھ سے جھوٹ منسوب کیا تو وہ اپنا

Marfat.com

ٹھکانہ دوزخ میں تلاش کرے یہ حدیث متواتر ہے۔ جس میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔"

نیز فرمایا:

اِتَّقُوا الْحَدِيْثَ عَنِّيْ اِلَّا مَا قَدْ عَلِمْتُمْ (ترمذی۔ مسند احمد)

یعنی ان احادیث میں نہ پڑو جو تمہاری فہم و فراست اور علم سے بلند ہوں۔ بلکہ وہی احادیث روائیت کرو جو تمہاری سمجھ میں آچکی ہوں۔

احادیث کی تحریر

آپؐ کے عہد میں اگرچہ احادیث لکھنے کا حکم کم تھا تاکہ قرآن اور حدیث گڈ مڈ نہ ہو جائیں تاہم عبداللہ ؓ بن عمرو حضورؐ کی اجازت سے آپ کی احادیث لکھ لیا کرتے تھے کیونکہ آپ نے اجازت دیتے وقت ارشاد فرمایا تھا کہ میری حدیث لکھ لیا کرو۔ کیونکہ میں حق بات کہتا ہوں۔ (دارمی' ابوداؤد' مسند احمد)

حضرت رافعؓ بن خدیج نے بھی حدیث لکھنے کی اجازت عام آپؐ سے حاصل کی تھی۔ (التقید ولایقاح از حافظ زین العابدین ص 170)

عبداللہ بن عمرو کو آپؐ نے فرمایا کہ علم کو قید میں لاؤ۔ (یعنی تحریر کر لیا کرو) (مستدرک حاکم باب العلم) فرمایا۔ جب حدیث لکھو تو اسناد کے ساتھ لکھو۔ اگر حدیث درست ہوئی تو ثواب میں سب شریک ہوں گے ورنہ گناہ بیان کرنے والے کی گردن پر ہو گا۔ (منتخب کنزالعمال کتاب العلم)

اشاعت حدیث پر تاکید

حضرت عمرؓ نے پانچ سو سے زیادہ احادیث روائت کیں۔ (ابن حزم کتاب الاحکام ج 2 ص 139)

ابن جوزی نے سیرت عمرؓ میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا:

جس طرح قرآن کا علم حاصل کرتے ہو اسی طرح سنن' فرائض اور لحن (تلفظ) کا علم بھی حاصل کرو۔ (ص 126)

حدیث کو دہراتے رہو۔ کیونکہ اس کا ذکر حدیث کو بیدار کرتا ہے۔ (علی مرتضیٰ اور ابو سعید خدریؓ مستدرک للحاکم)

Marfat.com

دیگر مولفین کا مختصر تعارف

1۔ امام اوزاعی (متوفی 156ھ) نے فقہ میں کتاب لکھی۔ آپ شام میں تشریف فر تھے۔

2۔ ابن جریج (متوفی 150ھ) نے تفسیر کی کتاب لکھی۔ آپ مکہ میں مقیم تھے۔

3۔ سفیان ثوری (متوفی 161ھ) کی کتاب جامع سفیان ثوری فقہ کے بارے میں تھی اور آپ کوفہ میں رہتے تھے۔

4۔ ابو سلمہ حماد بن دینار (م۔ 176ھ) نے بھی ایک کتاب لکھی۔ آپ بصرہ میں رہتے تھے۔)

5۔ معمر بن راشد (م۔ 153ھ) نے بھی اس کام میں حصہ لیا۔ آپ یمن میں مقیم تھے۔

6۔ عبداللہ بن مبارک (م۔ 181ھ) خراسان کے بلند پایہ عالم تھے آپ کی کتاب "زہد" میں تھی۔

اسی زمانے میں موسیٰ بن عقبہ (متوفی 150ھ) نے سیرت النبی پر کتاب تحریر کی۔ جو اب ناپید ہے پھر محمد بن اسحاق (م۔ 150ھ) نے بھی سیرت نبوی پر کتاب لکھی۔ جس کی مرویات سے ابن ہشام نے بھی خوب استفادہ کیا ہے۔

امام ابو حنیفہ اور امام شافعی نے فقہی مذاہب کی بنیاد رکھی۔ اور امام احمد بن حنبل نے بھی احادیث کو یکجا کرنے کا آغاز کیا۔ اور احادیث کی تدوین اسی دور میں شروع ہوئی۔

حدیث کی کتابوں کی اقسام

جزیا مفرد: وہ مجموعہ احادیث جس میں صرف ایک شخص کی مرویات جمع ہوں۔ مفرد کہلاتا ہے۔

مسند: جس کتاب میں احادیث کو الگ الگ صحابہ کی مرویات کے لحاظ سے مدون کیا گیا۔

معجم: جس کتاب میں احادیث کو شیوخ یعنی اساتذہ حدیث کو مد نظر رکھ کر ترتیب دیا گیا ہو۔ معجم کہلاتی ہے۔

سنن: وہ کتاب ہے جس میں صرف احکام کی احادیث ہوں۔ ان کی ترتیب فقہی ابواب

Marfat.com

کے لحاظ سے ہوتی ہے۔
جامع: جس کتاب میں ہر نوع کی احادیث جمع کر دی گئی ہوں جیسے جامع بخاری۔ جامع ترمذی۔ جامع مسلم۔
مستدرک: جس کتاب میں کسی اور کتاب کی شرطوں کی موافقت میں احادیث جمع کر دی گئی ہوں گویا ایسی کتاب موافقت والی کتاب کا تتمہ ہوتی ہے۔
مستخرج: ایسی کتاب احادیث جس میں کسی اور مجموعہ احادیث کی مرویات کو علیحدہ اسنادات کے ساتھ پہلے مؤلف کے واسطہ کے بغیر روائیت کر دیا جائے۔ جیسے صحیح اسماعیلی' صحیح بخاری پر اور صحیح ابو عوانہ' صحیح مسلم پر مستخرج ہیں۔
رسالہ: ایسی کتاب یا کتابچہ جس میں ایک خاص موضوع پر احادیث کو جمع کر دیا گیا ہو۔
اربعین: "چالیس احادیث" کا مجموعہ اربعین کہلاتا ہے۔ اس میں مؤلف اپنی پسند کی چالیس احادیث جمع کر دیتا ہے۔ بہت سے مؤلفین کی اربعین بڑی شہرت کی حامل ہیں۔

صحاح ستہ یعنی حدیث کی

چھ مستند ترین کتابیں

1۔ صحیح بخاری: یہ امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری (ولادت 194ھ وفات 256ھ) کی تالیف ہے۔ آپ کو چھ لاکھ حدیثیں زبانی یاد تھیں۔ جرح و تعدیل کے بعد سولہ برس میں آپ نے یہ نسخہ صحیحہ مرتب فرمایا۔ اس کو روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ کر ترتیب دیا گیا تھا۔ مرتب نے اس کا نام الجامع الصحیح رکھا۔ اس جامع کو صحیح ترین مجموعہ احادیث تسلیم کیا جاتا ہے۔

2۔ صحیح مسلم: یہ امام مسلم بن حجاج نیشاپوری (ولادت 202ھ یا 206ھ) کی تالیف ہے آپ امام بخاری کے شاگرد تھے۔ آپ کو تین لاکھ احادیث زبانی یاد تھیں۔ یہ کتاب ترتیب کے لحاظ سے بہت عمدہ ہے۔ صحیح بخاری کے بعد مسلم کی ثقاہت مسلمہ ہے۔ ان دونوں مجموعوں میں پائی جانے والی احادیث کو "متفق علیہ" کہا جاتا ہے۔ حدیث کے یہ مجموعے صحیحین اور ان کے مؤلف شیخین کہلاتے ہیں۔

3۔ سنن ابن ماجہ: یہ کتاب ابو عبداللہ محمد بن یزید قزوینی (209ھ تا 273ھ)

Marfat.com

کی تالیف ہے۔ یہ زندہ جاوید کتاب صحاح ستہ میں شمار کی جاتی ہے۔ مگر بعض اہل علم سنن ابن ماجہ کی جگہ موطا یا سنن دارمی کو صحاح ستہ میں شمار کرتے ہیں۔

4۔ سنن ابوداؤد: اس کتاب کے مؤلف ابوداؤد سلیمان بن الاشعث بجستانی ہیں آپ 202ھ میں پیدا ہوئے اور 275ھ میں وفات پائی۔ امام احمد بن حنبل کے شاگرد تھے۔ پانچ لاکھ احادیث کے حافظ تھے جن میں صرف چار ہزار آٹھ سو احادیث کا انتخاب مرتب کیا۔ اس کتاب کی ترتیب فقہی عنوانات کے تحت کی گئی ہے۔ اس کتاب میں ضعیف احادیث بھی شامل کی ہیں لیکن نہایت چابکدستی سے ان کی نشاندہی بھی کر دی گئی ہے اگر اہل فن تعمق سے نظر کریں تو ان کو بھانپ سکتے ہیں۔

5۔ جامع ترمذی: یہ ابو عیسیٰ محمدؒ بن عیسیٰ کی تالیف ہے آپ ترکستان میں دریائے جیحوں کے کنارے واقع موضع ترمذ کے رہنے والے تھے اسی لئے ترمذی کہلائے۔ آپ امام بخاری اور امام مسلم کے شاگرد تھے۔ آپ خوف خدا سے اتنا روتے تھے کہ آخر بینائی جاتی رہی۔ (بستان المحدثین)

آپ نے اپنی جامع میں تفسیر القرآن کا باب بھی دیا ہے۔ اسناد کے بارے میں صحیح، حسن، یا غریب یا ضعیف وغیرہ ایسی آراء بھی دی ہیں۔ فقہی مسائل میں مختلف آئمہ کی آرا کو بھی الگ الگ درج کیا ہے۔

6۔ سنن نسائی: یہ کتاب ابو عبدالرحمٰن احمدؒ بن شعیب بن علی النسائی۔ (214ھ تا 303ھ) کی تالیف ہے۔ آپ نساء نامی موضوع میں پیدا ہوئے اور نسائی کہلائے امام ابو داؤد کے شاگرد تھے۔ مصر، شام اور حمص میں رہتے رہے۔ اور آخر مکہ معظمہ میں وفات پائی۔ آپ نے حضرت علی کے مناقب میں بھی ایک کتاب لکھی ہے۔

دیگر کتب حدیث

(الف) سنن دارمی امام دارمی (181ھ تا 255ھ) کی تالیف ہے۔ بعض علماء اس کو صحاح ستہ میں (سنن ابن ماجہ کی جگہ) شمار کرتے ہیں۔ اس کے آغاز میں علم حدیث کی اہمیت اور کتابت احادیث کے جواز کو ثابت کیا گیا ہے۔

(ب) مسند ابویعلی (متوفی۔ 307ھ)۔

Marfat.com

(ج) معانی آلاثار از امام طحاوی (متوفی 321ھ)۔

(د) صحیح ابن حبان۔ (متوفی 354ھ)۔

(ہ) معجم صغیر' معجم کبیر اور معجم اوسط۔ از طبرانی (متوفی 360ھ)۔

یہ تین معجم امام طبرانی نے لکھے۔ ان کا حوالہ اس طرح بھی آتا ہے۔ (طبرانی فی الکبیر' طبرانی فی الصغیر' طبرانی فی الاوسط')

(و) مستدرک حاکم = یہ کتاب صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا تکملہ ہے۔ کیونکہ اس میں ایسی احادیث کو جمع کر دیا گیا ہے جو صحیحین میں شامل ہونے سے رہ گئی تھیں جب کہ وہ سند وغیرہ کے اعتبار سے ان کی ساری شرائط پر پوری اترتی تھیں۔ تاہم اس کا مرتبہ صحیحین سے بہت نیچے تسلیم کیا جاتا ہے۔

(ز) سنن کبریٰ: از امام بیہقی (متوفی 458ھ) یہ بھی ایک ضخیم تالیف ہے۔ مشکوۃ شریف میں اس کی احادیث بھی بکثرت آئی ہیں۔

(ح) دیلمی: یہ کتاب بھی معتبر مانی گئی ہے اور اس کے حوالے مشکوۃ شریف بھی میں آئے ہیں۔

اس تفصیل سے حدیث شریف کی اہمیت اس کی ضرورت اور اس کی ثقاہت واضح ہو جاتی ہے اور قرآن حکیم کے بعد جس چیز کو اسلام میں اہمیت حاصل ہے وہ سرمایہ حدیث ہے۔ جو ہر مرحلے پر اور ہر میدان میں مسلمانوں کی رہنمائی کرتا ہے۔

منتخب احادیث کا ترجمہ و تشریح

1۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ طَلَبُ كَسْبِ الْحَلَالِ فَرِيْضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيْضَة ة (بیہقی فی شعب الایمان)

"ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

طلب رزق حلال' فرائض دینی (نماز' روزہ' زکوۃ' حج وغیرہ) کے بعد فرض (کی حیثیت رکھتا) ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد۔۔۔۔ کہ:

1۔ لوگو! دھرتی کے حلال اور طیب رزق میں سے کھاؤ۔ (بقرہ۔ 168)

Marfat.com

2۔ وَ کُلُوْا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ حلالاً طیبا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ رزق میں سے حلال اور پاکیزہ رزق کھاؤ۔ (مائدہ ۔ 88)

حلال کا مادہ حَلّ ہے جس کا مطلب ہے گرہ کھولنا جیسا کہ دعائے موسیٰ میں ہے (20 ۔ 27)۔ حلال حرام کی ضد ہے۔ یعنی حرام پر رکاوٹ کی گرہ ہوتی ہے اور حلال پر رکاوٹ یا قدغن کی گرہ نہیں ہوتی۔ قرآن حکیم حضور علیہ السلام کے بارے میں فرماتا ہے:

یُحِلُّ لَھُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْھِمُ الْخَبٰٓئِثَ ۝ (7 ۔ 157)

چنانچہ حضورؐ کے صفاتی نام مُحِلّ اور مُحَرِّمْ بھی ہیں۔ یہ اختیار اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس لئے دیا ہے کیونکہ اللہ جانتا ہے کہ میرا نبیؐ وہی کہتا ہے جو اللہ کی وحی کے مطابق ہوتا ہے۔ تو کسب حلال۔ کو فرض حضور علیہ السلام نے قرار دیا ہے اور آپ کا یہ ارشاد وحی الٰہی کے مطابق ہے۔

اسلام میں معاش کا تصور۔۔۔ حلال و طیبات کی قدغن سے محصور ہے۔ انبیاء علیہم السلام کو حکم ہوا۔ کہ طیبات میں سے کھاؤ اور نیک عمل اپناؤ (مومنوں ۔ 51)

ایک حدیث شریف میں حضرت داؤد علیہ السلام کی کمائی کی تعریف کی گئی ہے کہ آپ اپنے ہاتھ سے کما کر کھایا کرتا تھے۔ (بخاری و مسلم)

حضرت زکریا علیہ السلام بھی اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتے تھے۔ مسلم شریف میں ہے کہ آپ بڑھئی کا کام کرتے تھے۔ لیکن چودھری اور جاگیردار قسم کے لوگ ہاتھ سے کما کر کھانے والوں کو "کمی کمین" کہہ کر ان کی تضحیک کرتے ہیں۔ اور یہ بات خدا کے غضب کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ کسی شخص کا بہترین کھانا وہ ہے جو وہ اپنے ہاتھوں سے محنت کر کے کمائے اور کھائے اور بے شک داؤد نبی علیہ السلام بھی ہاتھ سے کما کر کھاتے تھے۔

رزق حلال کی تلاش فرض ہے اور حرام ذرائع سے کمانا گناہ ہے۔ حرام ذرائع سے کما کر کھانے والے کو دل کی ظلمت نصیب ہوتی ہے۔ جو اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ جبکہ رزق حلال و طیب۔۔۔ اللہ کا نور اور روشنی ہی روشنی ہے۔ رزق حلال۔۔۔۔ کھا کر عبادت کی جائے تو وہ قبول ہوتی ہے جبکہ رزق حرام کھا کر نماز اور روزہ ایسا فریضہ بھی ادا کیا جائے تو مقبول نہیں۔۔ رزق حلال کھا کر دعا کی جائے تو قبول ہوتی ہے اور

Marfat.com

رزق حرام کھانے سے دعا کی قبولیت زائل ہو جاتی ہے۔ رزق حلال سے حج کرنا۔ حج کی ادائیگی اور قبولیت کا پیش خیمہ ہے جبکہ رزق حرام سے حج کی ادائیگی ایک سعی لا حاصل کا درجہ رکھتی ہے۔

رزق حرام کھا کر پلنے والا جسم جنت میں نہیں جائے گا۔ جس طرح فرد کے لئے حرام ذرائع سے کمانا منع ہے اسی طرح ایک اسلامی مملکت کے لئے لازم ہے کہ وہ حلال ذرائع کسب کو عام کرے اور حرام ذرائع کا قلع قمع کرے بہرحال حلال ذرائع اختیار کرنا ہر فرد پر فرض ہے۔ اور حرام ذرائع سے بچنا بھی لازم ہے اگرچہ سرکاری طور پر ان کی پذیرائی ہو رہی ہو۔

ایک حدیث میں حضرت مقدام بن معدی کرب کندیؓ (کنیت ابو کریمہ متوفی 87ھ) سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس شخص سے بہتر کھانا کسی نے نہیں کھایا جس نے اپنے ہاتھوں سے کما کر کھایا ہو۔ اور اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں سے کما کر ہی کھانا کھاتے تھے۔

اس حدیث شریف میں اپنے ہاتھ سے کما کر کھانے کی اہمیت اجاگر کی گئی ہے۔ وہ لوگ بھی ہیں جو دوسروں کی کمائی کھا کر ڈکار مارتے پھرتے ہیں۔ کچھ وہ ہیں جو دولت کے بل بوتے پر جائز طور پر دوسروں کے کمائے ہوئے مال میں سے کھاتے ہیں۔ یہ مال ان کے لئے جائز تو ہوتا ہے۔ لیکن ایسے لوگوں کو محنت نہ کرنے کی وجہ سے محنت کی اہمیت اور مشقت کا احساس نہیں ہوتا۔ تو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں احساس مشقت اور محنت مزدوری کی عظمت کو واضح فرمایا ہے۔ تاکہ ایسے لوگ مزدوروں کی طرح کام کرکے کھانا سیکھیں اور کسی کی محنت کا پھل کھا کر متکبر نہ ہو جائیں۔ چنانچہ ایک اور حدیث میں "الکَاسِبُ حبیبُ اللّٰہ" کے الفاظ کہہ کر محنت کش کو اللہ کا دوست قرار دیا گیا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام بیت المقدس کے فاتح تھے لیکن اپنی روزی زرہیں بنا کر حاصل کرکے کھاتے تھے اورنگ زیب عالمگیر کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ ٹوپیاں بنا کر یا قرآن حکیم کی کتابت کرکے اپنا رزق حاصل کرکے کھاتے تھے۔ حالانکہ وہ ایک بہت بڑی مملکت کے سربراہ تھے۔

حلال روزی کمانا اور اس سے بال بچوں کی پرورش کرنا بھی عبادت ہے۔ حلال اور طیب روزی میں سے کھانے کا حکم قرآن میں بارہا دیا گیا ہے۔ (بقرہ۔ 172/168۔ انعام

Marfat.com

142۔ بقرہ 60 مائدہ 188۔ نحل 114 وغیرہ)

قرآن حکیم میں حلال کے ساتھ عموماً طیب کا لفظ بھی آیا ہے طیب کے معنی ہیں وہ چیز جس سے انسان کے حواس بھی لذت یاب ہوں۔ اور نفس بھی (راغب) یعنی وہ پسندیدہ اور مزیدار بھی ہو۔ طیب زرخیز زمین کو بھی کہتے ہیں۔ وَالبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخرُجُ نَبَاتُهُ بِاِذنِ اللّٰهِ۔ (اعراف۔ 58) اور زرخیز زمین اللہ کے حکم کے تحت اپنی فصل دیتی ہے۔

تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ حلال اور طیب رزق ایسا ہونا چاہئے جو ہماری تندرستی اور بالیدگی کا باعث بھی ہو۔ مثلاً ایسے حلال کھانے بھی ہیں جو بعض لوگوں کو نفع کی بجائے نقصان دہ ہوتے ہیں۔ تو ان لوگوں کو وہ حلال کھانے کھانے چاہئیں جو طیب (صحت کے لئے نفع بخش' پسندیدہ' مزیدار اور نشوونما دینے والے) بھی ہوں۔ اور رزق حلال میں سب سے بہتر ایسا کھانا ہاتھ سے کمایا ہوا کھانا ہے۔ کیونکہ ہاتھ کی کمائی غیر ضروری اشیاء کی خریداری کی اجازت شاذ ہی دیتی ہے۔

زیر مطالعہ حدیث شریف کے پیچھے گویا ایک سبق یہ بھی ہے کہ اگرچہ ایک دولت مند شخص بیکار بیٹھا نوکر چاکر لوگوں کی کمائی' جو اس کے لئے حلال بھی ہے' کھاتا رہے تو کوئی گناہ نہیں۔ لیکن اس کی روحانی صحت مندی اور نشوونما کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنے ہاتھ سے کما کر بھی کھائے تاکہ اسے محنت مزدوری اور مشقت کا احساس بھی ہو اور طبی لحاظ سے بھی اس کی صحت درست رہے اور اسے روحانی بالیدگی بھی میسر آئے۔

محنت کی عظمت اس حدیث سے بھی اجاگر ہوتی ہے جس میں آپ نے فرمایا۔

اُعطُوا الاَجِیرَ اَجرَهٗ قَبلَ اَن یَّجِفَّ عَرَقُهٗ۔

"مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے پہلے (فوراً) ادا کر دیا کرو۔"

حرام کی کمائی کی آپ نے نہ صرف مذمت فرمائی بلکہ وعید بھی سنائی اور فرمایا:

"حرام کی کمائی سے پلا ہوا بدن دوزخ میں ڈالے جانے کا زیادہ مستحق ہے۔ حضور علیہ السلام نے امراء کو بکریاں وغیرہ پالنے اور غربا کو مرغیاں پالنے کا حکم دیا۔" (ابن ماجہ)

بنجر زمینوں کو آباد کرنے والے کو اس کی ملکیت کے حقوق بھی حضور علیہ السلام نے مرحمت فرما دیئے ہیں۔ چنانچہ فرمایا۔ بے شک زمین تو اللہ کی زمین ہے۔ اور بندے

Marfat.com

بھی اللہ کے بندے ہیں۔ پس جو کوئی بنجر زمین کو آباد کر لے تو وہ اسی کی ہوئی۔

اس حدیث میں ایک سبق یہ بھی پوشیدہ ہے کہ سوال کرنے کی بجائے آدمی کو خود کوئی کام کر کے اپنا رزق پیدا کرنا چاہئے آپؐ کے پاس آکر کوئی شخص سوال کرتا تو آپؐ اس کا سوال پورا کر دیتے۔ کسی کو مایوس نہ لوٹاتے لیکن ساتھ ہی کچھ نہ کچھ کر کے کھانے کا درس بھی دیتے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا:

"تم میں جو شخص اپنی رسی لے اور جنگل سے لکڑیوں کا گٹھا لائے اور اسے بیچ کر عزت کی روزی حاصل کرے۔ یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے بھیک مانگے۔ چاہے وہ اسے دیں یا نہ دیں۔ (بخاری۔ عن زبیر بن العوام)

عام سائل کی حالت کا نقشہ آپؐ نے اس طرح کھینچا ہے:

لوگوں سے ہمیشہ بھیک مانگنے والا شخص قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے منہ پر گوشت کی بوٹی تک نہ ہو گی۔ (بخاری و مسلم عن عبداللہ بن عمرؓ)

ابو داؤد اور ابن ماجہ میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے ایک سائل کے گھر کا کل اثاثہ (ایک کمبل) منگوا کر بولی کے ذریعے دو درہم میں فروخت کر کے ایک درہم کا سامان خورد و نوش خرید کر گھر لے جانے کا حکم دیا اور دوسرے درہم سے ایک کلہاڑی منگوا کر اس میں خود دستہ ڈالا۔ اور اسے دے کر جنگل میں لکڑیاں لا کر بیچنے کا دھندا کرنے کا حکم دیا۔ اور پندرہ دن بعد حسب حکم وہ شخص حاضر ہوا تو اس کے پاس دس درہم تھے۔ دوسرے لفظوں میں آپ سائل کو اس کے پاؤں پر کھڑا کرنے کی پوری کوشش فرماتے۔ اور زیر مطالعہ حدیث میں بھی محنت مزدوری کر کے کھانے کی ترغیب دی گئی ہے۔ تاکہ کوئی شخص بلاوجہ معاشرے پر بوجھ نہ بنے۔

2۔ عن عامر قال نعمان بن بشیر سَمِعْتُ رسول الله صلی الله علیه وسلم یقولُ اَلاوَاِنَ فِی الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ کُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّهٗ ــــ اَلَاوَهِیَ الْقَلْبُ۔ (متفق علیہ یعنی بخاری و مسلم)

لغت۔ سمعت میں نے سنا۔ جسد۔ جسم۔ مضغة۔ بوٹی۔

حضرت عامر سے مروی ہے کہ نعمان بن بشیر نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی

Marfat.com

اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا خبردار رہو۔۔۔۔ کہ انسانی بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے۔ جب یہ درست ہو تو سارا بدن درست رہتا ہے۔ اور جب وہ خراب ہو جائے تو سارا بدن خراب ہو جاتا ہے۔ اور وہ "دل" ہے۔

بخاری و مسلم میں یہ حدیث نعمان بن بشیر سے مروی ہے۔ جسے مشکوۃ شریف جلد دوم (حدیث 2642 ۔ 4) میں جگہ دی گئی ہے۔ اور مندرجہ بالا الفاظ ایک لمبی حدیث کا آخری حصہ ہیں۔ جس میں حلال' حرام اور مشتبہ چیزوں کی وضاحت کی گئی ہے۔ مذکورہ بالا الفاظ میں حضور علیہ السلام نے دل کی اہمیت کو واضح فرمایا ہے کیونکہ دل ایک ایسا ٹکڑا ہے جس کا تعلق بیک وقت بدن کے ساتھ بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کی روحانیت سے بھی ہے اس کی تندرستی رزق حلال پر منحصر ہے۔ قرآن حکیم میں دل کو الفواد بھی کہا گیا ہے۔ (17۔ 36) جہاں کان' آنکھ اور دل کو جواب دہ ٹھہرایا گیا ہے۔ (23 ۔ 8) (تغابن ۔11) (انعام ۔ 113) کیوں کہ تصدیق و تکذیب کا کام دل کے ذمہ ہے (نجم ۔ 11) اور اسی کا تعلق ایمان کے ساتھ بھی ہے۔ قلب کا ذکر بھی قرآن مجید میں "قلب سلیم" کہہ کر آیا ہے۔ (26۔ 89) اور قلب سلیم کو اللہ کی عطا قرار دیا ہے۔ (ایضا) اور قلب سلیم کے ساتھ بارگاہ رب العزت میں حاضری کو سراہا گیا ہے۔ (37 ۔ 84) اور حضور علیہ السلام کے دل پر نزول وحی کی گواہی بذریعہ جبریل قرآن نے دی ہے (2 ۔ 97' 26 ۔ 194) اور اطمینان قلب کا ذکر بحوالہ ابراہیم علیہ السلام کیا گیا ملتا ہے۔ (2 ۔ 260) اور افئدہ کے ساتھ ساتھ سمع و بصر کے سلسلہ میں قلب کا ذکر بھی قرآن حکیم میں آتا ہے (جاثیہ ۔ 23) اور کافروں کے دلوں پر اللہ کے مہر لگانے کا ذکر سورۃ اعراف (آئت ۔ 101) میں بھی ہے۔ اور ایمان کا تعلق دل ہی کے ساتھ ہے (49 ۔ 14) اور دل یعنی قلب کے بیمار ہونے کی گواہی بھی قرآن دیتا ہے۔ (بقرہ 10' مائدہ ۔ 52) اور دل کا تعلق منافقت سے بھی ہے (توبہ ۔ 77) دل پر اگر اللہ مہر لگا دے تو دل کو سچی بات سننے کی توفیق نہیں ملتی (اعراف ۔ 100) دل' ہی اندھا ہو تو آنکھوں کی بصارت بیکار ہوتی ہے۔ (حج ۔ 40) دل کی بیماری کا علاج قرآن اور موت کو یاد رکھنے میں ہے۔ زبان اور دل کا ایک ہونا ایمان و یقین اور خلوص و دیانت کی علامت ہے جبکہ ان میں اختلاف بھی ہوتا ہے۔ (آل عمران ۔ 167) گویا دل ایک نہایت اہم جزو بدن ہے جس کی اصلاح سے سارا بدن اصلاح پذیر ہو جاتا ہے اور اس کی بیماری سارے بدن کو بیمار کر دیتی ہے۔ یہ بیماری اخلاقی بیماری ہے۔ کیونکہ طبی لحاظ سے دل تندرست ہو سکتا ہے

Marfat.com

لیکن ضروری نہیں کہ ایسا دل اخلاقی لحاظ سے بھی تندرست ہو۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے دلی روگ کا تعلق روحانی روگ سے بتلایا ہے۔ کہ جس کا دل روحانی طور پر مریض گا اس کا بدن عاقبت میں نجات کے حوالہ سے فساد اور خرابی کا مظہر ہو گا۔ یعنی یہ دل انسان کے لئے ایک عظیم عطیہ خداوندی ہے۔ جو بدن میں عقل و خرد اور رشد و ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ اس کے لغوی معنی ہیں۔ الٹنا پلٹنا۔ ادلنا بدلنا۔ دل چونکہ ہر وقت اپنے کام میں مشغول رہتا ہے اور ایک حالت پر نہیں رہتا بلکہ بدلتا رہتا ہے اس لئے اسے قلب بھی کہتے ہیں۔ ابن ہشام کے مطابق قلب کے چار معنی ہیں۔ 1۔ دل 2۔ عقل 3۔ ہر چیز کا خلاصہ 4۔ ہر چیز کا بہترین حصہ۔ ابن فارس کے نزدیک کسی چیز کے خالص اور گرانقدر حصے کو قلب کہتے ہیں۔ دل کے لئے قرآن حکیم میں دو لفظ فواد۔ اور قلب آئے ہیں۔

قرآن حکیم میں اہل جنہم کے بارے آیا ہے۔ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَا يَفْقَهُوْنَ بِهَا (7/179) ان کے دل تو ہیں پر وہ ان سے سوچنے سمجھنے کا کام نہیں لیتے۔ اسی طرح سورۃ حج میں ہے۔

لَهُمْ قُلُوْبٌ لا يَفْقَهُوْنَ بِهَا (22/46)

"یعنی ان کے دل تو ہیں مگر وہ ان سے عقل و فکر کا کام نہیں لیتے۔"

دل کے بیماروں کو عقل اور ہدایت نہیں سوجھتی۔ منافقین کے دلوں کو بیمار کہا گیا ہے۔ فِي قُلُوْبِهِمْ مَرَضٌ (2/10) جس کو سلامتی والا دل عطا ہوا ہو وہ خوش قسمت ہے۔ اِلا مَنْ اَتَى اللّٰه بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ (شعرا۔89) جو اپنے دل کو سلامتی کے ساتھ اپنے رب کی بارگاہ تک لے گیا وہ بھی خوش قسمت ہے۔ (37/48) دل اگر اللہ کا راستہ اختیار کرے تو درست ہو جاتا ہے۔ اور اگر خواہشوں پر مفتون ہو کر رہ جائے تو بگڑ جاتا ہے۔ سورہ کہف میں ہے۔ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا (18/28) اور (اے نبی!) جس کے دل کو ہم نے اپنی نصیحت یا ذکر سے غافل کر رکھا ہے۔ آپ اس کی پیروی نہ کریں اور نہ اس شخص کی جو اپنی خواہشوں کا غلام ہو کر افراط و تفریط کا بری طرح شکار ہو چکا ہو۔ منکروں کو حق سے انکار کی جرات اس لئے ہوتی ہے کہ وہ بینا ہونے کے باوجود دل کے

Marfat.com

اندھے ہوتے ہیں۔ سورۃ حج میں ہے۔

فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ۔

(حج - 46)

یعنی ان کی آنکھیں اندھی یعنی نہیں بلکہ دل اندھے ہیں جو سینوں میں ہیں قرآن کریم میں دل کے بارے میں مختلف انداز میں سینکڑوں زاویوں سے بات کی گئی ہے۔ حتی کہ ایمان کو دل پر ثبت کئے جانے کے بعد ہی انسان کو پختہ ایمان کی دولت نصیب ہوتی ہے:

اُولٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوْبِهِمُ الاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ (مجادلہ - 22)

یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں خدا نے ایمان کو (پتھر کی لکیر کی طرح) تحریر کر دیا۔ اور ان کو روحانی فیض سے بھی نوازا ہے دل کے بارے میں اس قدر تفصیل سے بات کرنے کا مقصد یہ ہے کہ دل پر ہی انسان کی دنیا اور عاقبت کا دارومدار ہے۔ اور دل نیت اور ارادے کی آماجگاہ ہے۔ یہی ایمان کا ٹھکانا ہے۔ یہی ایقان کا گھر ہے۔ اور کفر اور ہدایت کا سرچشمہ بھی ہے۔ پس جس کا دل روشن ہو اس کی عقل اور سوجھ بوجھ روشن ہوتی ہے اور جس کے دل میں اندھیرا ہو تو اسے ایمان کی بات سکھلائے سے بھی سمجھ میں نہیں آتی کیونکہ جس طرح نابینا کی آنکھ میں دیکھنے کی صلاحیت نہیں ہوتی اسی طرح دل کے نابینا شخص میں بھی رشد و ہدایت کو قبول کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔

دل بیمار ہو تو انسان اخلاقی بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ وہ بدیوں کو بدیاں تصور ہی نہیں کرتا۔ یا بدی اور شر کی ماہیت سے کما حقہ' آگاہ نہیں ہی ہوتا۔ کیونکہ دل کے اندر نیکی اور بدی کی تمیز کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی تو زیر تبصرہ حدیث شریف میں رسول اللہ علیہ وسلم نے دل کی عافیت کی اہمیت اجاگر فرمائی ہے ایک مشہور حدیث ہے۔ "اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ۔" یعنی عملوں کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ اور نیت کا تعلق دل سے ہے پس دل کو انسانی بدن میں طبی اور روحانی ہر دو لحاظ سے بڑی اہمیت حاصل ہے۔ بقول اقبال"

دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

3۔ عَنْ اَبِيْ مُوْسٰي عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضاً شَبَّكَ بَيْنَ اَصَابِعِهِ (بخاری و مسلم)

Marfat.com

نمیان۔ دیوار عمارت یَشُدُّ ۔ مضبوط کرتا ہے۔ شَبَّکَ بَیْنَ اَصَابِعِہٖ اپنی (دونوں ہاتھوں کی) انگلیوں کو ایک دوسری میں داخل کیا۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لئے ایک دیوار (کی اینٹوں) کی طرح ہے کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو مضبوط کرتا ہے۔ پھر آپ نے اپنی (دونوں ہاتھوں کی) انگلیوں کو ایک دوسری میں داخل کرکے بتایا (کہ اس طرح۔!)

قرآن حکیم میں آپ کے صحابہؓ اور وسیع معنوں میں آپ کی امت کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ (فتح ۔ 29)

"یعنی محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں۔"

اہل اسلام اس وقت تک ہی دنیا میں عزت سے سرفراز رہے جب تک انہوں نے کافروں کے مقابلے میں سختی اور آپس میں ایک دوسرے کے لئے رحیم و کریم ہونے کا طریقہ اپنائے رکھا۔ اور جب سے یہ دونوں اصول چھوڑ کر کافروں کے ساتھ رحمت کا رویہ اپنایا اور آپس میں دشمنیوں کو پالا تو وہ اجتماعی لحاظ سے کمزور ہوئے اور آہستہ آہستہ ذلیل ہو کر رہ گئے۔

ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں آپ نے ایک دوسرے کی ڈھارس بندھانے اور مسلمانوں میں اسلامی جذبہ اخوت بیدار کرنے کی غرض سے بعض مہاجروں کو بعض انصار کا بھائی مقرر فرما دیا۔ مثلاً حضرت عمر کو عتبان بن مالک انصاری کا بھائی بنا دیا عثمان بن عفان کو اوس بن ثابت کا۔ ابو عبیدہ بن الجراح کو سعد بن معاذ کا۔ سلمان فارسی کو ابوداؤد کا رضی اللہ عنہم۔

چنانچہ انصار نے اپنے بھائیوں کو اپنی جائیدادوں میں حصہ دار مان کر ان کی پذیرائی کی۔ تاہم مہاجرین نے کوشش یہی کی کہ وہ انصار پر کم سے کم بوجھ ڈالیں۔ اسلامی معاشرہ حب اللہ کا داعی ہے۔ اور یکجہتی اس کا مقصد و منتہی ہے اسلامی معاشرے کا ہر رکن نہ صرف ایک دوسرے کا مددگار ہوتا ہے بلکہ اس کی غیر حاضری میں اس کے حقوق کا امین

Marfat.com

بھی ہوتا ہے۔ مشکوٰۃ المصابیح میں ہے کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ اس پر وہ ظلم کرتا ہے اور نہ اسے بے یارو مددگار چھوڑتا ہے آپ ؐ نے مومنوں کو ایک بدن قرار دیا اور فرمایا کہ جس طرح بدن کے کسی حصے میں تکلیف ہو تو سارا بدن بے قرار ہوتا ہے۔ اسی طرح مومنوں میں سے کسی کو تکلیف پہنچے تو پوری ملت اسلامیہ اس کا درد محسوس کرتی ہے۔ (سہل بن سعد ساعدی۔ مسند احمد)

سورۃ حجرات میں تمام اہل اسلام کو ایک برادری قرار دیا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۝ (حجرات 10)

"یعنی مومن تو آپس میں ایک دوسرے کے بھائی ہیں پس اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کرا دیا کرو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحمت کی جائے۔"

چنانچہ آج بھی اہل اسلام جس قدر اپنے بھائیوں سے اظہار ہمدردی کرتے ہیں اس کی مثال دوسری اقوام میں کم ہی ملے گی۔ مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لئے طاغوتی طاقتیں ہمیشہ نبرد آزما رہی ہیں۔ کبھی وہ لوگ ان کو بنیاد پرستی کے طعنے دیتے ہیں کبھی کچھ اور کہتے ہیں۔ بہرحال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی بھائی چارے کی فضا کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے کے بارے میں ارشاد ربانی کی روشنی میں مختلف موقعوں پر فرمایا:

1۔ حضرت جریر ؓ بن عبداللہ کہتے ہیں کہ مجھ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین باتوں پر بیعت لی۔ یعنی نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی پر اور ہر مسلمان کی خیر خواہی پر (بخاری کتاب الایمان)

2۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے مروی ہے کہ حضور ؐ نے فرمایا کہ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے جنگ کرنا کفر۔ (بخاری کتاب الایمان) (نیز مسند احمد عن سعید بن مالک)

3۔ حضرت ابو ہریرہ ؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کی جان' مال اور عزت حرام ہے۔ (مسلم۔ کتاب البروالصلہ۔ ترمذی باب ایضاً)

Marfat.com

قرآن حکیم نے محبت کو قطع کرنے والے عوامل کی بھی نشاندہی کی ہے چنانچہ فرمایا:
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ۔ (حجرات - 12)

"اے ایمان لانے والو! بہت گمان کرنے سے پرہیز کرو۔ بے شک بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ اور (کسی کے عیبوں اور کمزوریوں کے بارے میں) تجسس نہ کرو۔ اور تم میں سے نہ کوئی کسی کی غیبت کرے۔ کیا تم میں کسی کو یہ بات پسند ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ سو اس سے تو تم نفرت کرتے ہو! اور (غیبت وغیرہ کے معاملے میں اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ سب سے بڑھ کر توبہ قبول کرنے والا ہے۔ مہربان۔"

1۔ اس آیت میں گمان سے بچنے کا حکم ہے یعنی بدگمانی سے بچو۔
2۔ بعض گمانوں کو گناہ قرار دیا گیا ہے۔ خاص کر ایسے معاملات جن کی حد قذف وغیرہ۔ ہو جب کہ تم کسی واقعہ کے عینی شاہد بھی نہیں ہو۔
3۔ کسی کے عیبوں کی تلاش میں سرگرداں رہنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ حضرت علی کا قول ہے کسی کے عیب کے متلاشی کو کوئی نہ کوئی عیب مل ہی جاتا ہے۔ اور نتیجہ ظاہر ہے۔
4۔ غیبت کرنے کی ممانعت کی ہے۔ کہ اس سے کسی کی کردار کشی ہوتی ہے۔
5۔ غیبت کو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے کی مثال دے کر اس کی کراہت واضح کی گئی ہے اور ثبوت میں ان سے شہادت لی گئی ہے کہ واقعی ان کو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے گھن آتی ہے؟ اور آخر میں اللہ سے ڈرنے اور توبہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

حضور کا ارشاد ہے کہ جو شخص دوسروں کے عیوب کا متلاشی رہے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے عیوب کو اجاگر کرنے کے درپے ہو جائے گا۔ اور کسی کے عیب پوشی کرنا زندہ گاڑی ہوئی لڑکی کی زندگی بچانے کے برابر ہے۔ (الجصاص۔ نیز تفہیم القرآن ج

Marfat.com

5 ص 89 - 88)

ایسی عیب جوئی سے اسلامی ریاست کو بھی ممانعت کی گئی ہے۔ مثلاً عمرفاروق ؓ نے کسی گھر سے گانے کی آواز سن کر دیوار پھلانگ کر جھانکا تو وہاں شراب اور ایک عورت کو بھی دیکھا اور اسے للکارا۔ اس شخص نے جواب دیا اے امیرالمومنین! میں نے تو ایک گناہ کیا لیکن آپ نے تین گناہ کئے:

1۔ میرے عیوب کا تجسس کیا۔

2۔ دروازے کی بجائے دیوار پھلانگی۔

3۔ بغیر اجازت اندر آئے۔

چنانچہ آپ ؓ نے فوراً اپنی غلطی مان لی اور اس کو کوئی سزا نہ دی البتہ اس سے نیک چلنی کی ضمانت ضرور لی۔ (تفہیم القرآن - احقا)

غرضیکہ مومنین کو آپس میں خلوص و محبت کے ساتھ اس طرح رہنا چاہئے۔ کہ ایک دوسرے لئے ممد و معاون ثابت ہوں۔

4۔ عَنْ اَنَسٍ قَالَ- قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّم اُنْصُرْ اَخَاكَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا- فَقَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰه اَنْصُرْ مظلومًا فَكَیْفَ اَنْصُرُ ظَالِمًا فَقَالَ تَمْنَعُهُ مِنَ الظُّلْمِ فَذَالِكَ نَصْرُكَ اِیَّاهُ- (بخاری و مسلم)

انصر۔ تو مدد کر۔ آخاكَ۔ اپنے بھائی کی۔ فَكَیْفَ۔ پس کس طرح تَمْنَعُهُ۔ تو اسے روک دے۔ مِنْ۔ سے۔ ظلم۔ بے انصافی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

تو اپنے بھائی کی مدد کر (خواہ) وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ ایک صحابی نے عرض کی۔۔۔۔ یارسول اللہ میں مظلوم کی تو مدد کر سکتا ہوں لیکن ظالم کی مدد کس طرح کروں تو آپ ؐ نے فرمایا۔ "تو اسے ظلم سے روک دے۔ یہی (اسے ظلم سے باز رکھنا) تیری اس کے لئے مدد ہے۔"

اسلامی معاشرہ باہمی بھائی چارے کو فروغ دیتا ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ۔ یعنی مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ دین کا رشتہ سب رشتوں سے زیادہ محکم رشتہ ہے۔ ظلم کے معنی بے انصافی کرنا۔ چاہے کوئی کسی اور کے

Marfat.com

ساتھ بے انصافی کرے یا خود اپنے ساتھ وہ ظالم ہی ہو گا۔ اس حدیث شریف میں ظالم بھائی کی مدد کرنے کا حکم ہے۔ اور مظلوم کی بھی۔ مظلوم کی مدد تو جلدی سمجھ میں آنے والی بات ہے کہ اسے ظالم سے چھڑوا دے۔ تو اس کی مدد ہو گئی لیکن اصل مدعا یہاں پر ظالم کی مدد کے بارے میں ہے۔ کہ اس کی مدد کیسے کی جائے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ ظالم دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو دوسروں پر ظلم کریں۔ ان کے ساتھ زیادتی روا رکھیں۔ وغیرہ اور دوسرے وہ جو اپنی جان پر ظلم کریں یا گمراہی اختیار کرکے اپنے آپ کے لئے ظالم ثابت ہوں۔ کیوں ایسے شخص کا آخری ٹھکانہ دوزخ ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے:

وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ (العمران - 151)

"اور ان ٹھکانہ دوزخ ہے۔ اور ظالموں کا کیا ہی برا ٹھکانا ہے۔"

ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کے لئے نوازشات ربانی کی دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ (بقرہ - 124)

"یعنی میرا وعدہ ظالم لوگوں کے لئے نافذ العمل نہیں ہو گا۔ اور قرآن حکیم نے کافروں اور ظالموں کو ایک ہی قرار دیا ہے۔"

"وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ" (بقرہ - 254)

"پھر ظالموں کے لئے اللہ کے دروازے بند ہونے کا اعلان بھی ہوا ہے۔"

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۤئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (مائدہ - 45)

"یعنی جو کوئی اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو ایسے لوگ ہی ظالم ہیں۔"

تو ظالم حضرات۔ خواہ وہ اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہوں یا دوسرے لوگوں پر۔۔۔۔۔ "ظالموں" ہی کے زمرے میں آتے ہیں۔

احساس کرنے والے ظالم

کچھ ظالم ایسے ہوتے ہیں کہ ظلم کے بعد انہیں اپنے ظلم کا احساس ہو جاتا ہے۔ اور وہ توبہ کی طرف راغب ہوتے ہیں۔ تو ایسے ظالموں کے لئے قرآن حکیم میں ان کو

Marfat.com

مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝ (نساء۔ 64)

"اور اگر وہ لوگ جب وہ اپنے آپ پر ظلم کر بیٹھے تھے آپ کے پاس حاضر ہو جاتے اور اللہ سے بخشش مانگتے اور ان کے لئے رسول اللہ بھی استغفار کرتے تو لازماً وہ اللہ تعالیٰ کو توّاب و رحیم پاتے۔"

تو زیرِ مطالعہ حدیث میں دونوں قسم کے ظالموں کی مدد کرنے کا مقصد ہے۔ کہ اگر کسی پر ظلم کرنے والا ظالم سامنے آئے تو اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے ظلم سے روک دو۔ یہ اس کی مدد ہو گی۔ اور اگر کوئی شخص اپنے آپ پر ظلم کر بیٹھے تو اسے راہ ہدایت سکھاؤ۔ تاکہ اللہ اسے توفیق دے تو وہ باز آجائے۔

پھر اللہ تعالیٰ کا رویہ ظالموں کے بارے کافی ناپسندیدہ ہے۔ مثلاً اس نے ظالموں پر لعنت کی ہے: لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ (اعراف۔ 44)

نیز فرمایا:

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ (57۔ 140)

نیز یہ بھی فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (مائدہ۔ 51)

یعنی پسند کرنا تو ایک طرف ظالم لوگوں کو اللہ سیدھی راہ بھی نہیں سجھاتا۔ یہ تو ہوا اللہ کا اصول۔

رسول اللہ چونکہ "رحمتہ للعالمین" کے بلند ترین درجہ پر فائز ہیں۔ اس لئے آپ کی رحمت جوش میں آتی ہے اور آپ اہل اسلام سے کہتے ہیں کہ جب تمہارا کوئی مسلمان بھائی ظلم کا مرتکب ہو تو اس کی مدد کرو۔ اس طرح کہ اس کا ہاتھ روک دو۔ اسے جس طرح بھی مناسب سمجھو منع کر دو۔ حدیث میں لفظ "تمنعہ" آیا ہے۔ جس کے معنی روکنا کے ہیں۔ ہاتھ پکڑ کر تو ایسے ظالم کو روکا جا سکتا ہے جو کسی اور پر ظلم کر رہا ہو لیکن جو اپنی جان پر ظلم کر رہا ہو اسے تو سمجھا کر ہی منع کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے ہر دو مقاصد کے لئے یہاں "منع" کا لفظ آیا ہے۔ حدیث شریف میں مسلمان کے مسلمان پر چھ

Marfat.com

حقوق بتلائے گئے ہیں یعنی:
1۔ بیمار پرسی کرنا 2۔ جنازہ میں شریک ہونا 3۔ بلائے تو اس کے ہاں چلے جانا 4۔ ملاقات کے وقت سلام کہنا 5۔ چھینک آئے تو الحمد اللہ کے جواب یرحمک اللہ کہنا۔ 6۔ موجودگی یا عدم موجودگی میں اس کے مفاد کی حفاظت کرنا اور اس کا خیال رکھنا۔ (عن ابو ہریرہؓ)

حضرت ابو درداؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مسلمان کسی مسلمان بھائی کی عزت کی حفاظت میں (دامے درمے سخنے قدمے) مدد کرتا ہے تو اس کے بدلے میں اللہ کے ہاں اس کا یہ استحقاق بن جاتا ہے۔ کہ قیامت کے دن اللہ تعالی اسے آتش دوزخ سے محفوظ رکھے اور اس کے بعد آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ وَكَانَ حقاً عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ یعنی مومنوں کی مدد کرنا ہمارا فرض ہے۔ سورہ حجرات میں ہے۔ اور اگر اہل ایمان کے دو گروہ ایک دوسرے سے لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرا دو۔ پھر اگر ان میں سے ایک دوسرے سے زیادتی کرے تو اس زیادتی کرنے والے (ظالم) کے ساتھ لڑو حتی کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ (حجرات۔ 9) پھر فرمایا گیا:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔

"یعنی نیکی اور پرہیز گاری میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو۔

اور گناہ اور سرکشی میں تعاون ہرگز نہ کرو۔" (5-2)

مقصد اس حدیث سے یہ برآمد ہوتا ہے کہ ظلم کو دنیا سے ختم کرو۔ خاص کر مسلمانوں کو ایک دوسرے پر ظلم نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ ظلم کی راہ آخر دوزخ میں لے جاتی ہے۔ اور معاشرہ بھی فساد و انتشار کا شکار ہو جاتا ہے۔ جب دنیا میں انصاف کا بول بالا ہو تو اس وقت اللہ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ اور جب ہر طرف ظلم و ستم کے علم لہرانے لگیں تو اللہ کا غضب عذاب بن کر نازل ہوتا ہے۔ اللہ ہمیں ظلم سے بچائے۔ آمین۔

5۔ عَنْ اَبِی هُرَیرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اجتنبوا السبع الموبقات۔ قالُوا یا رسول الله وَمَا هُن قال الشرك بالله والسحر وَقتل النفس التی حرمَ الله اِلا بالحق۔ وَاکل الربوا واکل المال الیتیم وَالتولّی یوم الزحف وقذف المحصنات المنومنات الغافلات۔

Marfat.com

لغت۔ موبقات۔ ہلاک کرنے والی باتیں۔ کام۔ یوم الزحف۔ جنگی مقابلہ کا دن۔ قذف تہمت لگانا۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سات ہلاک کرنے والے اعمال سے اجتناب کیا کرو۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! وہ کیا ہیں؟ فرمایاؐ ------! 1۔ اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا۔ 2۔ جادو ٹونا کرنا 3۔ایسے شخص کو قتل کرنا جس کا قتل اللہ نے حرام فرمایا ہو مگر حق کے ساتھ۔ 4۔ سود کھانا۔ 5۔ کسی یتیم کا مال کھانا۔ 6۔ میدان جنگ سے پیٹھ دکھا کر بھاگنا۔ 7۔ نیک پاک شریف مومن عورتوں پر زنا کی تہمت لگانا۔

1۔ شرک

اس حدیث شریف میں امت مسلمہ کو سات گناہوں سے اجتناب کی تلقین کی گئی ہے۔ تاکہ انسان دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب سے محفوظ رہے۔ شرک ایسا عقیدہ اور عمل ہے جس کی بخشش نہیں۔ اللہ کی غیرت کو یہ گوارا نہیں کہ مشرک کی بخشش فرمائے۔ اس کے علاوہ ہر گناہ کی معافی کی امید کی جا سکتی ہے۔ اسلام کا مطلب ہے اللہ کی بارگاہ میں سر تسلیم جھکا دینا۔ جبکہ شرک اس کی ضد ہے۔ شرک کو ظلم عظیم بھی کہا گیا ہے۔ شرک قرآن حکیم کی خاص اصطلاح ہے جس کا مطلب ہے غیر خدائی طاقتوں کو خدا کا ہمسر سمجھنا۔ اور خدا کے حق ملکیت میں دوسری کسی مخلوق کا حق ملکیت تسلیم کرنا۔ کائنات کی ہر چیز انسان کے لئے پیدا کی گئی ہے اور کوئی انسان یہ حق نہیں رکھتا کہ وہ کسی دوسرے انسان کو اپنی اطاعت کے لئے کہے۔ کیونکہ سب انسان برابر ہیں۔ یہی بات خطبہ حجتہ الوداع میں حضورؐ نے بیان فرمائی تھی کہ کالے کو گورے پر اور عربی کو عجمی پر کوئی فوقیت نہیں۔ انسان۔ انسان کی اطاعت صرف خدا تعالی کے احکامات کے تحت کرنے کا پابند ہے جو دراصل اللہ ہی کی اطاعت ہوتی ہے۔ جیسا کہ کسی رسولؐ کی اطاعت' اللہ کی اطاعت ہے۔ کیونکہ رسولؐ کا تعلق اللہ تعالی سے ہوتا ہے۔ جبکہ غیر اللہ کی محکومی اختیار کرنا شرک ہے۔ الدین ملت میں وحدت پیدا کرتا ہے۔ ایک خدا کا عطا کردہ نظام بھی ایک ہے' جسے ضابطہ حیات کہتے ہیں۔ اور اس ضابطے کو اپنانے والی امت بھی ایک ہے۔۔ اور یہی توحید کا پیغام ہے۔ یعنی انسانی وحدت جو اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت پر مبنی ہے۔

Marfat.com

2۔ سحر یا جادو

سحر یا جادو کا لغوی مطلب ہے موڑنا یا پھیرنا۔ یا باطل کو حق کی شکل میں پیش کرنا۔ تاج العروس میں ہے کہ وہ چیز جس کا ماخذ لطیف اور دقیق ہو یعنی ایسا دھوکہ جس کا پتہ نہ چل سکے۔ عَنْزٌ مَسْحُوْرَةٌ اس بکری کو کہتے ہیں جس کے تھن تو بڑے ہوں لیکن وہ دودھ کم دے۔ انسان کی عمرانی زندگی میں ایک دور ایسا گزرا ہے۔ جسے عہد سحر (Magic Age) کہا جاتا ہے۔ اس کی کارکردگی یہ ہے کہ کائنات کی مؤثر قوتوں کو اس طرح مجبور کرنا کہ وہ فاعل کی منشاء کے مطابق کام کریں۔ جدید مفکرین سائنس کو بھی جادوئی طرز عمل کی ایک شکل قرار دیتے ہیں۔ لیکن قرآن حکیم میں سحر کو۔۔۔۔ سَحَرُوْا اَعْیُنَ النَّاسِ (7 ۔ 116) یعنی لوگوں کی آنکھوں کو دھوکا دینا بھی کہا گیا ہے۔ اور موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں آنے والے جادوگروں کی کارکردگی کو۔۔۔۔۔ یُخَیَّلُ اِلَیْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰی (20 ۔ 66) موسیٰ علیہ السلام نے ایسے محسوس کیا جیسے وہ دوڑ رہی ہیں۔ اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ سحر آفرینی سے دیکھنے والے یا معمول کی قوت متخیلہ جھوٹے تخیل کا شکار ہو جاتی ہے۔ چنانچہ جدید علمائے نفسیات نے سحر کی حقیقت کو بے نقاب کر دیا ہے کیونکہ یہ انسانی تخیل کی جلوہ طرازیاں ہیں۔ یہودیوں کے مذہب کا دارومدار سحر و ساحری پر تھا۔ اسی لئے قرآن حکیم میں سحر کی حقیقت واضح کر دی ہے۔ اور سورۃ بقرہ (آیت ۔ 102) میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے حوالے سے جادوگری کو کسی نبی علیہ السلام سے کسی بھی طرح کا تعلق رکھنے کی تردید کی گئی ہے۔ لیکن جہاں تک جادو کے اثرات کا تعلق ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے جلالی پیغمبر کی کیفیت قرآن حکیم نے یوں بیان کی ہے:

فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰی (طٰہٰ ۔ 67)

یعنی موسیٰ علیہ السلام نے دل میں ایک خوف محسوس کیا۔ پھر وحی الٰہی نے مژدہ سنایا۔ لَاتَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰی۔ یعنی ڈرو نہیں۔ آپ ہی جیت جائیں گے۔ بہر حال اسلام نے جادو اور جادوگری سے امت مسلمہ کو منع کیا ہے۔ اور قرآن حکیم نے ساحروں کے بارے میں ارشاد فرمایا: لَا یُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ۔ (یونس ۔ 77) یعنی جادوگروں دنیا اور عقبیٰ میں فلاح نہیں پا سکتے۔ ساحری۔۔۔۔ باطل پرستی کا دوسرا نام ہے۔ اسی لئے حضور نے سحر کو سات مہلکات میں شمار فرمایا ہے کیونکہ یہ معاشرہ میں گناہ کی بنیاد مہیا کرتا

Marfat.com

ہے۔

3۔ قتل ناحق کا مطلب ہے کہ کسی کو بلاوجہ یا قصاص کے جان سے مار ڈالنا۔ ایسے ایک قتل کو قرآن نے پوری انسانیت کا قتل قرار دیا ہے اور کسی ایک کی جان بچانے کو پوری انسانیت کی جان بچانے کے برابر کہا ہے۔ (مائدہ)

اور قتل ناحق کی سزا قرآن مجید (النساء - 93) میں ہمیشہ کے لئے جہنم میں جلنا قرار دی ہے۔ پس اہل اسلام کو ناحق قتل کے معاملے میں آگاہ رہنا چاہئے۔ کہ اس کی سزا بہت ہی سخت ہے۔ پس آپس کی دشمنیاں ختم کر دینا ہی نجات ابدی کا تقاضا ہے۔ قتل ناحق کے بارے میں قرآن حکیم میں ہابیل اور قابیل کا قصہ بیان ہوا۔ جب قابیل نے ہابیل کو قتل کرنے کا برملا اعلان کیا تو ہابیل نے جواب میں کہا۔ لَئِنْ بَسَطْتَّ اِلَیَّ یَدَكَ لِتَقْتُلَنِیْ مَا اَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیْكَ لِاَقْتُلَكَ یعنی اگر آپ مجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ بڑھائیں گے تو میں جواب میں آپ کو قتل کرنے کی غرض سے ہاتھ نہیں بڑھاؤں گا۔ اور میرا مقصد یہ ہے کہ میرے اور تیرے گناہ کا بوجھ تجھی پر ہو اور تو دوزخ میں پہنچ جائے۔ (مائدہ - 27 تا 29)

حضرت ابودرداؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ اللہ سے امید ہے کہ وہ ہر گناہ معاف کر دے گا سوائے مشرک اور قتل ناحق کے۔ (ابوداؤد)

4۔ سود کھانا: اسے ربوا کہتے ہیں۔ قرآن حکیم نے سود کو مٹانے اور صدقات کو بڑھانے کا حکم دیا ہے۔ (2 - 276) اور سود سے باز نہ آنے والوں کو اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ جنگ کا الٹی میٹم دیا ہے۔ (2 = 278/279) اور سود کے ذریعے انسانی خیال میں بڑھنے والے مال کو دراصل گھاٹے کا سودا کہا ہے (روم - 39) اور قرآن نے سود کو حرام قرار دیا ہے (2 - 275) اور سود سے منع کرتے ہوئے اللہ کا ڈر ماننے کی تلقین کی ہے تاکہ تم فلاح دارین حاصل کر سکو۔ (آل عمران - 130)

اور رسول اکرمؐ نے بھی سود خوری کو سات مہلکات میں شمار کر کے امت مسلمہ کو اس سے منع فرمایا ہے لیکن افسوس کا مقام ہے کہ اس وقت دنیا میں اسلامی ممالک سود کی لعنت میں بری طرح گرفتار ہیں اور سود خور ممالک نے انہیں بری طرح جکڑ رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کرب عظیم سے نجات بخشے۔ (آمین)

Marfat.com

5۔ یتیم کا مال کھانا کسی بھی لحاظ سے اچھا نہیں۔ اس کی ممانعت قرآن حکیم میں بھی آئی ہے۔ (انعام ۔ 152) اور یتیم، مسکین اور اسیر کو کھانا کھلانے کی تاکید بھی آئی ہے (76 ۔ 8) اور جو لوگ یتیم کا مال ظلماً کھا جاتے ہیں وہ گویا اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں (4 ۔ 10) اور یتیم پر قہر سے بھی منع فرمایا گیا ہے (93 ۔ 6) اور حضور علیہ السلام نے بھی اپنے ارشادات میں یتیم کا خاص خیال رکھنے کی تلقین فرمائی ہے۔

یتیم

یتیم کے معنی ہیں۔ اکیلا اور تنہا رہ جانے والا۔ راغب کے نزدیک ہر منفرد چیز کو بھی یتیم کہا جاتا ہے دُرِ یتیم اس موتی کو کہتے ہیں جو اپنی نوعیت کا ایک ہی موتی ہو۔ بن باپ کے بچے کو یتیم اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اکیلا رہ جاتا ہے۔ حرالی نے کہا ہے کہ ضرورت کے وقت باپ کا نہ رہنا یُتْمٌ کہلاتا ہے۔ لیکن جب یتیم بچہ جوان ہو جائے تو اسے یتیم نہیں کہتے۔ جب کہ یتیم لڑکی اپنی شادی ہونے تک یتیم ہی کہلاتی ہے خواہ وہ جوان ہو چکی ہو۔ لسان العرب میں ہے کہ جس عورت کا خاوند نہ ہو وہ بھی یتیم کہلاتی ہے خواہ اس کا شوہر مر چکا ہو۔ یا ویسے ہی نہ ہو۔ قرآن حکیم میں سورۃ نساء (آیت ۔ 127) میں یَتٰمَی النِّسَآءِ ایسی عورتوں کے لئے بھی آیا ہے۔ مثلاً ایک عورت جس کا خاوند مرتد ہو جائے تو وہ یتیم کہلائے گی۔ یا ایک بیاہی غیر مسلم عورت اسلام قبول کر لے تو بھی وہ یتیم کہلائے گی۔

یتیم بچہ وہ ہے جس کا باپ فوت ہو گیا ہو۔ اگر ماں فوت ہو جائے تو اسے عَجِیٌّ یا مُنْقَطِعٌ کہتے ہیں اور اگر ماں باپ دونوں مر گئے ہوں تو ایسے بچے کو لَطِیْمٌ کہا جاتا ہے۔ یتیم بچوں کی (زندہ) ماں کو اِمْرَاۃ مُؤْتِمٌ کہتے ہیں۔ قرآن حکیم میں یَتَامٰی کی دیکھ بھال، ان کی پرورش اور کفالت کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ سورہ فجر میں بتایا گیا ہے کہ عاد اور ثمود اور فرعون وغیرہ تباہ کر دیئے گئے تھے اور پھر انسان کی مثال دے کر اس کی بعض عادتیں مذکور ہوئیں اور ہر مخاطب قوم سے جو کسی بھی زمانے میں قرآنی تعلیم سے آشنا ہو رہی ہو۔ کہا گیا ہے:

كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ۝ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ۝ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ۝ (فجر ۔ 17 ۔ 20)

Marfat.com

"نہیں بلکہ تم لوگ یتیم کی خاطرداری نہیں کرتے۔ اور نہ مسکین کو کھانا کھلانے کی (کسی کو) ترغیب دیتے ہو اور میراث کے مال کو سمیٹ کر کھا جاتے ہو اور مال کو بڑا عزیز رکھتے ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی در یتیم بھی تھی اور آپ یتیم بھی تھے۔ قرآن حکیم نے آپ کے بارے میں کہا:

اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى (93/6)

"کیا اللہ نے تجھے یتیم نہ پایا؟ پھر پناہ کا سامان بہم پہنچا دیا۔"

چنانچہ پہلے آپ کی کفالت والدہ صاحبہ اور دادا جی نے' پھر چچا ابو طالب نے کی۔ حتی کہ آپ جوان ہو گئے۔ چنانچہ قرآن میں سورہ الضحیٰ میں ہے۔

فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ (ضحیٰ۔ 9)

"پس (اے نبی) یا اسے سننے والے یتیم پر سختی نہ روا رکھ۔"

نیز قرآن نے جہاں والدین اور دیگر عزیزوں کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین کی وہاں یتامی کو بھی یاد رکھا اور فرمایا:

لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَاناً وَذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسَاكِيْنَ (بقرہ۔ 83)

"اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو۔ اور نیکی کرو ماں باپ کے ساتھ' اور رشتہ داروں سے اور یتیموں سے اور مسکینوں سے۔"

پھر فرمایا: اے نبی! آپ سے وہ پوچھتے ہیں (اللہ کی راہ میں) کیا خرچ کریں۔ فرما دیجئے کہ جو کچھ تم لوگ خرچ کرنا چاہو وہ خرچ کرو۔ والدین کے لئے اور اقربا کے لئے اور یتیموں کے لئے اور مسکینوں کے لئے۔ اور مسافروں کے لئے۔ (بقرہ۔ 215)

پھر فرمایا:

اَرَاَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ○ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ (ماعون۔1۔2)

"بھلا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو انصاف کے دن کو جھٹلاتا ہے تو یہ وہی شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔" گویا یتیم کے ساتھ

Marfat.com

بدسلوکی کرنا یوم آخرت کو جھٹلانے کے مترادف ہے۔

یتیم کی خبر گیری پر اس قدر زور اس لئے دیا گیا ہے کہ اس کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا۔ خود وہ کچھ کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ باپ اگر مال و دولت چھوڑ کر فوت ہوا ہو تو وہ اسے سنبھال کر نہیں رکھ سکتا۔ اور ظالموں کی دست برد سے بچانا بھی اس کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ چنانچہ قرآن حکیم میں یتیم کی خبر گیری کو لازمی قرار دیا اور یتیم کے مال کے بارے میں بھی تنبیہ فرمائی:

1۔ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ (انعام ـ 152) اسریٰ ـ 34)

"اور یتیم کے مال کے قریب بھی نہ پھٹکو۔ مگر اچھے مقصد کے لئے۔
حتیٰ کہ وہ جوان (ہو کر اسے سنبھالنے کے قابل) ہو جائے۔"

2۔ وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ (نساء۔2)

"اور یتیموں کو ان کے مال دے دو اور پاکیزہ مال کا گندے مال سے
تبادلہ نہ کرو (یعنی ان کے ساتھ ہیرا پھیری اور بددیانتی نہ کرو۔)"

3۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِىْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝ (نساء ـ 10)

"بے شک جو لوگ یتیموں کا مال ہڑپ کر جاتے ہیں۔ گویا وہ اپنے
پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں اور جلد ہی وہ دوزخ میں ڈالے جائیں
گے۔

نیک لوگوں کی علامات یہ بتلائی جا رہی ہیں۔

1۔ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا (76 = 8)

2۔ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ (بقرہ ـ 177)

1۔ اور اس کی محبت میں مسکین اور یتیم اور اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں۔

2۔ اور اس کی محبت میں قریبی رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں کو مال دیتے ہیں۔

Marfat.com

سورۃ نساء میں یتیموں کے بارے میں تفصیلی احکامات ملتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ مسلمانوں کا سب سے اچھا گھروہ ہے جس میں کسی یتیم کے ساتھ حسن سلوک کیا جاتا ہو اور بدترین گھروہ جس میں کسی یتیم کے ساتھ بدسلوکی کی جاتی ہو۔ یہودیوں کی اخلاقی برائیوں میں سے ایک برائی یہ بھی تھی کہ وہ یتیم کا مال ہڑپ کر جاتے تھے۔ قرآن حکیم نے اس طریقے کی سخت مذمت کی ہے۔ معاشی لحاظ سے کمزور طبقوں کی ہر طرح سے اعانت و امداد اسلامی معاشرے کی اولین ترجیحات میں شامل ہے۔ اہل عرب بھی یہودیوں کی طرح یتیموں کا مال کھا جاتے تھے۔ لیکن بعض اس حرکت کو برا بھی جانتے تھے۔ حضور علیہ السلام کی دور نبوت کے آغاز میں ابوجہل ایک یتیم بچے کا وصی تھا۔ ایک دن بچہ ننگے بدن ابوجہل کے پاس آیا اور اپنے باپ کے مال میں سے کچھ طلب کیا۔ ابوجہل نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ وہ مایوس ہو کر واپس جا رہا تھا کہ سرداران قریش نے ازراہ شرارت اسے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس چلا جا۔ وہ تجھے ابوجہل سے تمہارا مال دلوا دیں گے۔ وہ بچہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور ماجرا بیان کیا۔ آپؐ اسی وقت اس کے ساتھ ہو لیے۔ ابوجہل' جو آپؐ کا بدترین دشمن تھا اور آپ کا تمسخر اڑانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتا تھا۔ آپؐ کو دیکھتے ہی آپ کے استقبال کو آیا۔ اور آپ کے فرمانے پر اس یتیم کو اس کے باپ کا مال دے دیا۔ سرداران قریش کسی جھڑپ کے منتظر تھے۔ لیکن یہاں تو معاملہ ہی الٹ ہو گیا تھا۔ وہ ابوجہل کے پاس پہنچے تو ابوجہل بولا۔ "خدا کی قسم میں نے اپنا دین نہیں چھوڑا۔ مگر جب محمدؐ یہاں پہنچے تو میں نے دیکھا کہ محمدؐ کے دائیں بائیں ایک ایک حربہ (ہتھیار ہے) اور اگر میں نے لیت و لعل سے کام لیا تو میری خیر نہیں۔" (تفہیم القرآن جلد ششم ص 482 بحوالہ اعلام النبوت از قاضی ابوالحسن الماروردی)

پس یتیموں کو ان کا حق دلوانے کے معاملے میں حضور کی دھاک دشمنوں پر بھی کس قدر تھی۔ اسی ایک واقعہ سے اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

چنانچہ آپ کی تعلیمات کے پیش نظر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے صاحب توفیق مقدور کے مطابق یتیم بچوں کی کفالت کرنے لگے حضور کا یہ بھی ارشاد تھا۔ اَلسُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَّا وَلِيَّ لَهٗ۔ یعنی جس کا کوئی ولی نہ ہو حاکم وقت اس کا ولی ہو گا۔

Marfat.com

چنانچہ اسلامی ریاست میں یتیموں کی کفالت کا اہتمام سرکاری سطح پر بھی کیا جانے لگا۔ اور یتیم خانوں کا قیام سرکاری سرپرستی میں سب سے پہلے اسلامی ریاست میں ہی عمل میں آیا حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے "جو شخص کسی یتیم کو کھلانے پلانے کے لئے اپنے گھر لے جائے تو خدا ایسے شخص کو ضرور جنت میں داخل کرے گا بجز ایسی صورت کے کہ۔۔۔۔۔۔ اس نے کوئی ناقابل بخشش گناہ کیا ہو۔ (مثلاً شرک)

6۔ اسلامی جنگ میں میدان سے بزدل بن کر بھاگ کھڑا ہونا اخلاقی طور پر بھی برا ہے اور غیر مسلم حضرات کے ہاں بھی اس کی مذمت کی جاتی ہے۔ چنانچہ اسلام نے بھی حق کی راہ میں بزدلی دکھانے کو برا جانا ہے۔ حضور علیہ السلام نے جہاد کی فضیلت بیان کرکے اہل اسلام کو ترغیب دلائی ہے۔ حتی کہ راہ حق میں شہادت پانے والا جنت سے نکل کر دنیا میں آکر دوبارہ شہادت پانے کی تمنا کرے گا۔ (بخاری و مسلم عن انس)

سورہ انفال میں بھی میدان جنگ سے بھاگنے والوں کے لئے وعید آئی ہے (آیت۔ 16) البتہ چال چلنا اور پھر سے حملہ کرنے کا معاملہ دوسرا ہے۔

قرآن حکیم میں ایک جگہ زندگی اور موت کے فلسفہ کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا۔ (ملک 2)

اللہ تعالیٰ نے موت اور کو پیدا کیا۔ تاکہ وہ تمہاری زندگی آزمائش کرے کہ تم میں سے کون بہترین اعمال انجام دیتا ہے؟؟ عموماً ہمیں یہ تو پتہ ہے کہ زندگی تخلیق کی گئی ہے لیکن اکثریت اس سے نابلد ہے کہ موت بھی کوئی مخلوق ہے۔ تو یاد رکھنا چاہئے کہ موت بھی ایک مخلوق ہے جو ہر جاندار پر وارد ہو کر رہے گی۔ اس کے بعد دوبارہ زندگی ملے گی۔ حشر نشر کے بعد جنت اور دوزخ میں جانے کا فیصلہ ہو گا اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ سارا معاملہ نپٹانے کے بعد موت کو ذبح کر دیا جائے گا کیونکہ اس کے بعد دائمی زندگی کا آغاز ہو گا اور کسی کو موت نہیں آئے گی۔ لیکن دنیا میں جو کوئی بھی ہے اسے ضرور موت آکر رہے گی۔ قرآن حکیم میں ہے:

كُلُّ نَفْسٍ ذَآىِٕقَةُ الْمَوْتِ (آل عمران۔ 185) (عنکبوت۔ 57)

"ہر جاندار کو موت کا مزہ ضرور چکھنا ہے۔

Marfat.com

سورۃ نساء میں ہے:

اَیْنَ مَا تَکُوْنُوا یُدْرِکْکُمُ الْمَوْتُ وَلَوْ کُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَۃٍ

"یعنی تم کہیں (بھی) رہو۔ موت تمہیں ضرور آکر رہے گی چاہے تم بڑے بڑے مضبوط محلات میں ہی کیوں نہ رہو۔"

سورۃ جمعہ میں فرمایا گیا:

قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْکُمْ (62-8)

"یعنی (اے نبی ؐ) فرما دیجئے۔ بے شک وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو۔ تو وہ تمہیں بہرحال آکر رہے گی۔"

سورۃ قٓ میں موت کی سختی کا ذکر ان الفاظ میں ہے:

وَجَآءَتْ سَکْرَۃُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذٰلِکَ مَا کُنْتَ مِنْهُ تَحِیْدُ۔ (50-19)

"اور (اے انسان!) موت کی سختی آخر (اس) واضح حقیقت کے ساتھ سچ مچ آپہنچی (جس پر دنیا کی زندگی پر پردہ پڑا ہوا تھا) یہ وہی موت ہے (اے انسان) جس سے تو بھاگتا تھا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کفار کو تبلیغ کرتے تو وہ آپ کو جھٹلاتے۔ اللہ تعالیٰ سورۃ زمر میں فرماتا ہے کہ:

اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّیِّتُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ عِنْدَ رَبِّکُمْ تَخْتَصِمُوْنَ۝

اے نبی ؐ! بیشک آپ ؐ بھی وفات پانے والے ہیں اور انہیں (کافروں کو) بھی موت آنی ہے۔ پھر تم قیامت کے دن اپنے رب کی بارگاہ میں اپنا جھگڑا پیش کرو گے۔ (39-30-31)۔ (اور سچائی سب پر واضح ہو کر رہے گی۔)

گویا زندگی اور موت دو دروازے ہیں۔ زندگی کے دروازے سے انسان کو اس دنیا میں اپنا کردار (نیک یا بد) ادا کرنے کے لئے داخل کیا جاتا ہے اور موت کے دروازے سے اسے واپس بلا لیا جاتا ہے۔ تاکہ امتحان گاہ میں جو کچھ اس نے کیا کرایا ہے اس کے

Marfat.com

مطابق کامیابی یا ناکامی کے ثمرات ہمیشہ کے لئے اس کا مقدر کر دیئے جائیں۔

موت تو میدان جہاد میں بھی آسکتی ہے اور گھر میں بھی لیکن میدان جہاد میں بزدلی دکھانا' تو اللہ' رسول' اور ملت اسلامیہ کو شکست سے دو چار کرنے کے مترادف ہے۔ لہٰذا اللہ کی بارگاہ میں پیشی کا خیال کر کے میدان جہاد میں ڈٹے رہنا چاہئے۔

7۔ پاکباز عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگانا قذف کہلاتا ہے۔ اور شریعت میں قذف کی سزا مقرر ہے۔ چنانچہ سورہ نور (آئت ۔ 4) میں ایسے لوگوں کو اسی درے مارنے کی سزا سنائی ہے۔ نیز یہ کہ آئندہ کے لئے ان کی گواہی کو غیر معتبر کہہ کر انہیں فاسقون کے زمرہ میں شامل کیا ہے۔

ایک بے گناہ عورت پر الزام تراش اس کے گھر کا سکون برباد کر دیتی ہے۔ کبھی کبھی ناحق قتل کی نوبت آجاتی ہے بہرحال اگر الزام لگانے والا چار گواہ پیش نہ کر سکے تو اسے اسی 80 درے لگانے کی سزا دینا لازم ہے۔ اور یہ کام اسلامی سلطنت کا قاضی کرتا ہے۔

6۔ عن ابن مسعود قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا حسد اِلاّ فى اثنين رجل اتاه الله مالا فَسَلَّطه على هلكته فى الحق وَرجل اتاهُ الله الحكمة فَهُوَ يقضى بها ويعلمها

لغت۔ فى اثنين۔ دو باتوں میں۔ رجل شخص۔ اتاه الله مالاً۔ جسے اللہ نے مال دیا۔ (بخاری ۔۔۔ کتاب التوحید)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو اشخاص کے علاوہ اور کسی پر رشک کرنا (برابری کا شوق دل میں پالنا) جائز نہیں۔ ایک وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے مال عطا کیا اور وہ اسے اللہ کی راہ میں (ثواب کی غرض سے) خرچ کرے۔ اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے حکمت اور دانائی سے نوازا۔ اور وہ اس کی روشنی میں لوگوں کے صحیح فیصلے کرے۔ (اور ثواب کمائے) اور اس کی تعلیم دوسروں کو بھی دے۔

دراصل اس حدیث شریف میں انفاق فی سبیل اللہ اور حکمت و دانائی سے کام لے کر لوگوں کو عدل و انصاف مہیا کرنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ انفاق فی سبیل اللہ وہی مقبول ہے جو حلال کی کمائی میں سے ہو۔ گویا رزق حلال کا حصول اور اس میں سے

Marfat.com

اللہ کی راہ میں خرچ کرنا دونوں کام قابل رشک ہیں۔ سورہ بقرہ کے آغاز میں کتاب اللہ کی صفت یہ بیان کی ہے کہ یہ متقی لوگوں کو سیدھی راہ بتاتی ہے جو خدا کو بغیر دیکھے اس پر ایمان لاتے ہیں اور نماز کے لئے ڈٹتے ہیں اور اللہ کے دیئے ہوئے میں سے راہ خدا میں دیتے ہیں چوتھے پارہ کا آغاز ہی اس طرح ہوتا ہے تم نیکی میں کمال حاصل نہیں کرسکتے جب تک اپنے محبوب ترین مال میں سے راہ خدا میں کھلے دل سے خرچ نہ کرو گویا مال کا حصول ہی اصل مقصد نہیں بلکہ اسے راہ خدا میں خوش دلی سے خرچ کرنے کی توفیق بھی مانگنی چاہئے۔ اور اس توفیق میں رشک کو' جسکی بنیاد اگرچہ حسد پر ہوتی ہے' جائز قرار دیا گیا ہے کیونکہ بخاری شریف میں ہے کہ ہر روز صبح کے وقت دو فرشتے اترتے ہیں۔ ان میں سے ایک کی دعا ہوتی ہے۔ کہ جو انفاق کرے اس کو نیک بدلہ عطا فرما اور دوسرا کہتا ہے کہ جو مال و دولت کے ہوتے ہوئے انفاق فی سبیل اللہ میں بخل سے کام لے اور اپنی دولت کو روکے رکھے اس کا مال تلف کردے۔

انفاق فی سبیل اللہ سے مال میں کمی نہیں ہوتی (حدیث) بخیل کی مذمت قرآن و حدیث میں واضح طور پر آئی ہے۔ چنانچہ حضور نے انفاق فی سبیل اللہ کے ذریعے مومن کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے کیونکہ بخل اور بدخلقی مومن میں نہیں ہوتی۔

حکمت و دانائی

اسی طرح حکمت و دانائی بھی اللہ کا بہت بڑا عطیہ ہے سورہ بقرہ (آیت 269) میں ہے کہ جسے حکمت سے نوازا گیا ہے اسے گویا خیر کثیر سے نوازا گیا۔ لغت میں اَلْحِکْمَۃُ کے معنی ہیں۔ فیصلہ میں عدل و انصاف کو ملحوظ رکھنا (تاج العروس) اس کا فاعل حکیم کہلاتا ہے۔ ابن فارس نے کہا کہ حکمت کو حکمت اس لئے کہتے ہیں کہ وہ جہالت اور نادانی سے باز رکھتی ہے۔ حکیم کا کام یہ ہے کہ وہ صحیح فیصلہ کرے اور اس پر عمل درآمد بھی کروائے حکیم یا ڈاکٹر صحیح تشخیص کے بعد علاج کے لئے ایسی دانائی سے کام لیتا ہے کہ مریض اس پر عمل کرنے کے لئے برضا و رغبت تیار ہو جاتا ہے۔ حکیم اللہ کا صفاتی نام بھی ہے۔ (2-32) قرآن مجید کو بھی حکیم کہا (36-2)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض میں یہ بات بھی شامل تھی کہ آپ اپنی امت کو کتاب اور حکمت سکھانے پر مامور تھے۔ (آل عمران - 164) حکمت وہی سکھا

Marfat.com

سکتا ہے جسے یہ عطا کی گئی ہو تو انبیاء کی دولت علم و حکمت ہی ہوتی ہے۔ اور "مِما رَزَقْنا هُمْ ینفقون" کی رو سے جب ان کا واسطہ لوگوں سے پڑتا ہے تو وہ اللہ کی عطا کردہ حکمت کا توشہ لوگوں میں بانٹنے لگتے ہیں۔ پس پیغمبرانہ فریضہ کی پیروی میں اگر کوئی امتی بھی حکمت کو لوگوں تک پہنچائے تو اس پر رشک کرنا جائز ٹھہرایا گیا ہے۔ کیونکہ من يُطِعْ الرسول فقد اطاع اللہ کا یہی تقاضا ہے۔

7۔ اذا مات الانسان انقطع عنهُ عمله اِلا من ثلاثه---- الامن صدقه جاریه او علم ینتفع به اَوْ ولد صالح یَدْعوله (مسلم و مشکوۃ عن ابی ہریرہؓ)

لغت۔ مات فوت ہو گیا۔ انقطع عنهُ ۔ اس سے قطع ہو گیا۔ عملهٗ اس کا عمل۔ یدعولهٗ وہ اس کے لئے دعا کرے۔

فرمایاؐ ---- جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کے عمل کرنے (اور ثواب حاصل کرنے) کی مہلت (جو اسے زندگی میں حاصل تھی) ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن تین باتیں ایسی ہیں جن کا ثواب یا فائدہ اسے مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے۔ ایک---- صدقہ جاریہ۔ دوسرا---- وہ علم جو (کسی کو پڑھایا یا کوئی علمی کتاب وغیرہ لکھی) (اور وہ اس کی موت کے بعد بھی) لوگوں کے لئے نفع بخش ہو۔ (اس کا ثواب بھی مرنے والے کو ملتا رہتا ہے) اور تیسرا نیک اولاد---- جو مرنے والے کے لئے دعا کرتی رہے۔

دنیا میں انسان جو اچھے اور برے عمل کرتا ہے ان پر ثواب اور عذاب مرتب ہوتا رہتا ہے لیکن مرنے کے بعد چونکہ انسانی عمل کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے لہٰذا آئندہ کے لئے نہ اسے کوئی ثواب مل سکتا ہے اور نہ عذاب---- زیر نظر حدیث شریف میں لوگوں کو نیک اعمال کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ تاکہ وہ زندگی میں ایسے کام کریں جن کا ثواب ان کی موت کے بعد بھی ملتا رہے۔ اور یہ تین کام ہیں۔

1۔ صدقہ جاریہ: کوئی ایسا کام کرنا جو اس کی موت کے بعد بھی زندہ رہے۔ مثلاً سرراہ کوئی کنواں کھدوایا تاکہ آنے جانے والے مسافر فائدہ اٹھائیں۔ کوئی مسجد بنوا دی۔ کوئی مدرسہ کھلوایا یا اور کوئی ایسا کام کیا جس کا فائدہ لوگوں کو برابر پہنچ رہا ہو۔ تو اس صدقہ جاریہ کا ثواب مرنے والے کی روح کو ملتا رہے گا۔ جب تک وہ کام دنیا میں جاری رہے گا۔ اور لوگ اس سے فائدہ حاصل کرتے رہیں گے۔

Marfat.com

(اسی طرح اگر کسی نے کوئی ایسا غلط کام کیا جس کے برے اثرات لوگوں کو مسلسل نقصان پہنچا رہے ہوں تو ایسے مردے کے لئے عذاب میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ مثلاً قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تو ہابیل نے کہا تھا کہ میں تجھ پر قتل کے ارادہ سے ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا۔ کیونکہ مجھے اللہ کا ڈر مانع ہے (مائدہ۔ 28) اور ساتھ ہی یہ کہا کہ اِنِّیۡۤ اُرِیۡدُ اَنۡ تَبُوۡٓاَ بِاِثۡمِیۡ وَ اِثۡمِكَ۔ (آئت 29) میں چاہتا ہوں کہ تو میرے گناہ میں بھی پکڑا جائے اور خود اپنے گناہ میں بھی چنانچہ علماء کہتے ہیں کہ ہر قتل کا ایک بوجھ قاتل کے ذمہ ہے اور دوسرا اس کے ذمہ جس نے دنیا میں قتل کی ابتداء کی تھی۔ گویا قابیل پر اس کے ایک گناہ کا بوجھ تاقیامت بڑھتا ہی چلا جائے گا۔ گویا یہ "اثم جاریہ" ہے۔)

2۔ **نفع بخش علم:** گویا ایسا علم کا چشمہ جاری کرنا جس کا فیض تا دیر قائم رہے۔ تاکہ انسان کی آنے والی نسلیں اس سے متمتع ہوتی رہیں۔ قرآن' حدیث اور فقہ کے علوم جن بزرگوں کی سعی سے آنے والی نسلوں تک پہنچتے رہے ہیں۔ ان کو گویا اس کا ثواب مرنے کے بعد بھی ملتا رہے گا۔ کسی سکول' کالج' یونیورسٹی یا مدرسہ کا اجرا۔۔۔۔۔ اور اس کے لئے کوشش میں عملی حصہ لینا وغیرہ اس کی متعدد صورتیں ہیں۔

ولد الصالح۔۔۔۔ نیک اولاد: (چھوڑ جانا) بھی مرنے والے کے لئے باعث ثواب اس وقت بن جاتی ہے جب وہ اپنے والدین کے لئے دعائے مغفرت کرتی ہے۔ اولاد کو نیک تربیت دینا اس کا بنیادی پتھر ہے۔ کیونکہ اولاد نیک ہو گی تو نیکی کی طرف راغب ہو گی۔ اس کے لئے والدین پر بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ایسے کام کریں جن کے نتیجہ میں ان کی اولاد نیک چلن بن جائے۔ اس سلسلے کی پہلی کڑی والدین کا خود اہل ایمان اور نیکو کار ہونا لازمی ہے۔ دوسرے یہ کہ اولود کی پرورش رزق حلال سے ہی کی جائے کیونکہ رزق حرام سے پروردہ جسم دوزخ کا ایندھن ہے۔ دوسرے یہ بھی یاد رہے کہ اگر رزق حلال سے انسانی پرورش کی جائے تو پرورش پانے والے کے اندر سے حلال اور رشد و ہدایت والے اعمال صادر ہوں گے اور برائی کی طرف اس کا دھیان نہیں جائے گا۔ بلکہ برائی سے اسے فطرتاً نفرت ہو گی۔ لیکن اگر کسی کو رزق حرام سے پلنے کا موقع ملا ہو گا تو اس کی فطرت میں حرام سے اجتناب کا ملکہ موجود نہ ہو گا بلکہ وہ برائیوں اور گناہوں کی طرف زیادہ مائل ہو گا۔ لہٰذا اولاد کی صحیح رزق اور صحیح فکر سے تربیت کرنی چاہئے۔ کیونکہ غلط قسم کی فکری رہنمائی بھی تربیت کے ضمن میں برے اثرات کی حامل ہوتی ہے۔ پھر

Marfat.com

والدین کی دعا اولاد کے حق میں قبول ہوتی ہے چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد اور والدین کے حق میں جامع دعا کی:

اے میرے پالنے والے۔۔۔ مجھے نمازی بنا۔۔۔ اور میری اولاد کو بھی اور میری یہ دعا قبول فرما۔ اے ہمارے رب! ہماری بخشش فرما۔۔ اور میرے والدین کی بخشش بھی فرما اور (جملہ) مومنوں کی (بھی) بخشش فرما۔ اس روز کہ جب حساب کتاب کا موقع آئے۔ (14۔40۔41)

اور قرآنی دعاؤں میں سے ایک یہ ہے۔ رَبنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا۔ (25۔74) اے ہمارے پروردگار! ہمیں عطا فرما ہماری بیویوں کی طرف سے اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک اور ہمیں پرہیز گاروں کا امام بنا۔

گویا اپنی اولاد کے لئے نیک چلنی کی دعا کرنا پیغمبرانہ عمل ہے اور صالح لوگوں کی ریت ہے۔

اس حدیث شریف سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مرنے والے کے لئے اولاد یا اس کے عزیزوں کا دعائے مغفرت کرنا فائدہ بخش عمل ہے۔ اور مسلمانوں میں ایصال ثواب کی تقریبات کا اہتمام کرنا ایسی اجتماعی دعا کا ذریعہ ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک شخص کو گنہگاری کی حالت میں قبر میں ڈالا جائے گا۔ اور اس کے حق میں دعائے مغفرت کرنے والوں کی مقبول دعا کے نتیجہ میں جب وہ قیامت کو اٹھے گا تو اس کے گناہ دور ہو چکے ہوں گے اور وہ جنت میں چلا جائے گا۔ (مفہوم) لہٰذا امت مسلمہ کے ہر فرد کو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی امت مرحومہ کے ہر فوت شدہ فرد کے حق میں دعائے مغفرت کرنی چاہیے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ دعا ہمارے فوت شدہ بزرگوں اور عزیزوں کی مغفرت کے ساتھ ساتھ ہماری بخشش کا وسیلہ بھی ثابت ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ رحیم و کریم اور غفور و غفار ہے۔

8۔ عن علی اِنَّ النبیَّ صلی اللہ علیہ وسلم قال۔۔۔ یاعلی ثلاث لا تؤخرھا۔۔۔ الصلوۃ اِذا اتت والجنازہ اذا حضرت والایم اذا وجدت لھا کفوا۔ (ترمذی)

Marfat.com

لغت۔ ثلاث۔ تین کام۔۔۔۔ ال توخرھا ان میں تاخیر مت کر۔ اَتَتْ۔ آجائے۔ الجنازہ۔ میت۔ اِذَا وجدت لہا کُفُواً۔ جب اس (عورت کے لئے) کفو مل جائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت علی کو مخاطب کر کے) فرمایا اے علی! تین کاموں میں دیر نہ کرنا۔

1۔ (فرض) نماز ادا کرنے میں جب اس کا وقت ہو جائے۔

2۔ نماز جنازہ ادا کرنے میں جب جنازہ حاضر ہو۔

3۔ جب کسی عورت کی شادی کے لئے مناسب بر میسر آجائے۔

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ نیک کاموں میں تاخیر نہ کرنی چاہئے جب کہ ان کا وقت ہو۔

1۔ بروقت نماز کی ادائیگی: نماز کا وقت ہونے پر کاہلی اور سستی کا مظاہرہ کرنے سے نماز قضا ہو سکتی ہے۔ لہٰذا اس کار خیر میں سستی سے بچنا چاہئے کیونکہ قرآن حکیم میں بروقت نماز ادا کرنے کا حکم ہے۔ بیشک مقررہ وقت پر نماز ادا کرنا مومنین کے لئے فرض ہے۔ (النساء ۔ 103) اور ایک حدیث میں بروقت نماز کو افضل عمل قرار دیا گیا ہے اور سستی اور کاہلی کا مظاہرہ منافقت کی علامت گردانی گئی ہے۔ قرآن حکیم میں نماز کی تاکید بقول بعض مفہوماً سات سو بار آئی ہے۔ اور دوزخ کے ایک ایسے طبقے کا ذکر بھی ملتا ہے۔ کہ اس کے باسیوں سے جب پوچھا جائے گا کہ تم دوزخ میں کیوں آگئے (حالانکہ تم تو مسلمان تھے) تو وہ کہیں گے:

لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ۔ (المدثر ۔ 43)

"نماز نہیں پڑھا کرتے تھے۔"

اور ہم مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے اور اہل باطل کی ہاں میں ہاں ملایا کرتے تھے اور حق کی حمایت نہیں کرتے تھے۔ اور ہمارے خیال میں انصاف کا دن جھوٹ تھا (المدثر ۔ 44 تا 46) یہ سب نیکیاں ان سے صادر نہ ہو سکیں تو ان مجرمین کو سقر سے واسطہ پڑا۔

ایک حدیث میں نماز کو دین کا ستون کہا گیا ہے۔ جس نے اسے قائم رکھا اس کا دین قائم رہا جس نے اسے گرا دیا اس کا دین بھی منہدم ہو کر رہ گیا۔ مسلمان اور کافر میں

Marfat.com

نماز ہی امتیاز قائم کرتی ہے پس مسلمانوں کو نماز سے غافل نہ رہنا چاہئے۔

2۔ نماز جنازہ: فرض کفایہ ہے لہٰذا اس میں بھی سستی نہ کرنی چاہئے کیونکہ مردہ شخص کا زندوں پر ایک حق یہ بھی ہے کہ اس کی تجہیز و تکفین کے جملہ لوازمات سے عہدہ برآ ہوا جائے جن میں جنازہ پڑھنا نہایت اہم ہے۔

3۔ عورت کا نکاح جب مناسب رشتہ مل جائے: نکاح اسلام میں لازم اور حضورؐ کی سنت ہے۔ جو نکاح کا باغی ہے اسے حضورؐ نے اپنی امت سے خارج قرار دیا ہے۔ (حدیث کا مفہوم) سورہ نور میں لَا یَجِدُوْنَ نِکَاحاً (آئت۔ 33) سے مراد شادی کے اسباب' اور سامان اور انتظام وغیرہ اس میں مناسب رشتہ نہ ملنا بھی شامل ہے کیونکہ سامان کی تیاری مناسب رشتہ ملنے تک بیکار ہے اور اس سے مراد بیوی کا حق مہر بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ تو مردوں کے نکاح کا معاملہ ہوا۔ عورت کا نکاح بعض اوقات مناسب رشتہ نہ ملنے کی وجہ سے نہیں ہو پاتا اور مناسب رشتے کے انتظار میں لڑکیوں کے بال سفید ہو جاتے ہیں۔ پس حالات کی مناسبت سے جب بھی مناسب رشتہ مل جائے تو عورت کے نکاح میں تاخیر سے گریز کرنا چاہئے۔ کیوں کہ انسان کتنا بھی پاکیزہ رہنا چاہے۔ شیطان بہرحال اس کے ساتھ لگا ہوا ہے اور دنیا میں فحاشی اور زنا کاری کی مذمت میں ہر کوئی ہمزبان ہے۔ اس سے محفوظ رہنے کا بہترین طریقہ نکاح ہے۔ مردوں کا زنا میں مبتلا ہونا بھی بہت بری خصلت ہے لیکن اس کے اثرات بادی النظر میں ایک مرد کی ذات پر نہ ہونے کے برابر پڑتے ہیں لیکن ایک عورت پر اس کے اثرات اس قدر بھیانک نتائج کے حامل ہیں کہ معاشرہ میں وہ منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتی۔

ایک حدیث شریف میں نوجوانوں کو جو نکاح کی استطاعت رکھتے ہوں نکاح کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ نکاح کرنے کے بعد اس کے ثمرات یہ ملتے ہیں کہ نگاہیں پاکیزہ رہتی ہیں۔ (اور انسان تاک جھانک کا شکار نہیں ہوتا۔) اور اس کی عصمت بھی محفوظ رہتی ہے۔ (ابن ماجہ۔ کتاب النکاح)

کُفو سے مراد ایسا شوہر ہے جس کے گھر میں رہتے ہوئے بیوی احساس کمتری کا شکار نہ ہونے پائے اور نہ وہ احساس برتری میں مبتلا ہو کر شوہر کو اہمیت نہ دے۔ لہٰذا کفو میں میاں بیوی کی ذہنی دینی' معاشی اور معاشرتی مطابقت بھی شامل ہے۔ تاکہ ان کی زندگی کی گاڑی کے دونوں پہیے برابر۔۔۔۔ رواں دواں رہیں اور وہ باہمی تعلقات کو کسی بھی قسم

Marfat.com

کی مہلک کشیدگی سے محفوظ رکھ سکیں۔
آپ ؐ کا ارشاد ہے کہ دنیا ساری کی ساری متاع ہے اور دنیا کی بہترین متاع صالح بیوی ہے۔ (مسلم۔ عن عبداللہ بن عمرو)
فرمایا کہ اگر کوئی ایسا شخص رشتہ طلب کرے جس کے دین اور اخلاق سے تم راضی اور خوش ہو تو اس کا پیغام منظور کر کے نکاح کر دو۔ ورنہ زمین پر دور دور تک سخت فتنہ و فساد برپا ہو جائے گا۔ (ترمذی عن ابو ہریرہ ؓ)
فرمایا جس نے نکاح کیا اس نے اپنا آدھا دین مکمل کیا۔ اب اسے باقی نصف دین کی تکمیل کے لئے تقویٰ اور خوف خدا کا راستہ اختیار کرنا چاہئے۔ (بیہقی۔ عن انس)
قرآن حکیم میں ایک نکاح کے بعد مرد کو دوسرا، تیسرا اور چوتھا نکاح بھی کرنے کی اجازت ہے بشرطیکہ وہ سب کے ساتھ عدل و انصاف کا وطیرہ اپنا سکے۔ (نساء ۔ 3)
(ورنہ ایک عورت ہی کافی ہے کہ اس طرح وہ بے انصافی سے محفوظ رہے گا۔)

نکاح کے بعض مسائل

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
لَا تُنْكَحُ الثَّيِّبُ حَتّٰى تُسْتَامَرَ وَلَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتّٰى تُسْتَاذَنَ وَاِذْنُهَا الصَّمُوْتُ۔ (ترمذی)
یعنی بیوہ عورت کا نکاح نہ کرو حتی کہ اس سے مشورہ (کر کے اس کی مرضی معلوم) کر لو۔ اور کنواری لڑکی کا (بھی) نکاح نہ کرو جب تک اس سے نکاح کی اجازت نہ لے لو اور اس (کنواری لڑکی) کی اجازت اس کا خاموش رہنا (بھی) ہے۔
اسلام نکاح کے معاملے میں بھی عورت اور مرد دونوں کی مرضی اور رضامندی کے بعد اس کے انعقاد کی اجازت دیتا ہے۔ کیوں کہ یہ زندگی بھر کا بندھن ہے۔ اور اگر دونوں کی مرضی شامل ہو گی تو وہ ایک دوسرے کا خوش دلی سے ساتھ دیں گے ورنہ قدم قدم پر ایک فریق دوسرے کے لئے مشکلات پیدا کر سکتا ہے۔ بیوہ کے بارے میں حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ وہ اپنا نکاح خود بھی کر سکتی ہے۔ یعنی:
اَلثَّيِّبُ اَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَّلِيِّهَا (مسلم شریف)
شوہر دیدہ (بیوہ یا مطلقہ) عورت اپنی ذات کی اپنے ولی سے زیادہ مالک اور حقدار

Marfat.com

ہے کیوں کہ وہ سابقہ تجربہ کی بنا پر بہتر فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ تاہم اگر اس کا ولی اس کا نکاح کرنا چاہے تو ارشاد رسول ؐ یہ ہے کہ پہلے اس کی رضامندی کے لئے اس سے مشورہ کرے۔ زور اور زیادتی سے نکاح کرنا جائز نہیں۔ اور نہ ایسا نکاح منعقد ہوتا ہے۔ البتہ مشورہ کرتے وقت بیوہ اور ولی دلائل سے کام لے سکتے ہیں۔ تاہم آخری فیصلہ وہی ہو گا جو عورت کرے۔

اسی طرح کنواری لڑکی کا نکاح کرنے سے پہلے اس کی اجازت لینا لازمی ہے۔ لیکن اگر وہ جواب میں خاموش رہے تو اسے اس کی مرضی سمجھنا چاہیے۔ اور نکاح کر دینا چاہیے۔ اور اگر وہ برملا انکار کر دے تو پھر نکاح منعقد نہیں ہو گا۔ اس سلسلے میں اس کو سمجھایا تو جا سکتا ہے۔ تاہم آخری فیصلہ اسی کا نافذ ہو گا۔

برصغیر پاک و ہند میں کنواری لڑکی سے پوچھے بغیر اس کا نکاح کر دینے کا رواج رہا ہے اور آج بھی ہے۔ یہ بات اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔

حضرت خنساء بنت خدام کہتی ہیں کہ وہ بیوہ تھیں کہ ان کا نکاح ان کے والد نے کر دیا۔ اور وہ اس نکاح سے خوش نہ تھیں۔ انہوں نے حضرت رسول ؐ سے عرض کیا تو آپ نے وہ نکاح توڑ دیا۔ (بخاری شریف)

خود نکاح کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بیوہ یا مطلقہ اپنی مرضی سے نکاح منعقد کر سکتی ہیں۔ اور طریقہ وہی ہو گا کہ گواہوں کی موجودگی میں کیا جائے گا۔

حضرت ابن عباس ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْبَغَايَا الّتِیْ یَنْکِحْنَ اَنْفُسَهُنَّ بِغَیْرِ بَیِّنَةٍ (ترمذی)

"یعنی جو عورتیں گواہوں کے بغیر نکاح کر لیتی ہیں وہ زنا کرنے والی ہیں۔"

9۔ عن ابی ھریرہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حق المسلم علی المسلم خمس۔۔۔ ردالسلام عیادۃ المریض و اتباع الجنائز و اجابۃ الدعوۃ و تشمیت العاطس۔ (بخاری و مسلم)

ردالسلام۔ سلام کا جواب دینا۔ عیادت المریض۔ بیمار کی تیمارداری۔ عاطس۔ چھینکنے والا۔

Marfat.com

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حقوق ہیں۔

1۔ السلام علیکم کا جواب دینا۔
2۔ مریض کی عیادت کرنا۔
3۔ جنازہ میں شریک ہونا۔
4۔ (کوئی دعوت دے تو) دعوت قبول کرنا۔
5۔ اور چھینک آئے تو اس کا جواب دینا۔

قرآن کریم میں اِنَّمَا الْمُؤمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ کا ارشاد ہے۔ کہ سب مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ حضور علیہ السلام نے مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی تو مہاجرین اور انصار کے درمیان اخوت کا رشتہ قائم فرمایا اور ہر مسلمان کو ایک دوسرے کے دکھ سکھ کا ساتھی قرار دیا۔ اور اسلامی معاشرے کو ایک بدن سے تشبیہ دی کہ جس کے عضو کو تکلیف ہو تو سارا بدن اس کو محسوس کرتا ہے۔ زیر مطالعہ حدیث شریف میں بھی مسلمانوں کو ان کے حقوق کی یاد دہانی کروائی گئی ہے جو ایک دوسرے پر ہیں۔ گویا اسلامی معاشرہ کی بہتری کا بنیادی اقدام ہے۔ جس کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ یعنی

1۔ السلام علیکم کا جواب دینا

اس سے یہ مترشح ہوا کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی خیر خواہی اور سلامتی کا ضامن ہے۔ اس سے اسلامی معاشرہ میں امن و سلامتی اور صلح و آشتی کا ماحول اجاگر ہوتا ہے۔ حضورؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ بہترین مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے محفوظ رہیں۔ (مفہوم)

پہلے اسلام علیکم کہنے والے کو زیادہ (دس) نیکیاں ملنے کی بشارت نبوی ہے جو ساتھ ورحمۃ اللہ بھی کہے اسے بیس نیکیوں کی بشارت ہے اور جو ساتھ ہی وبرکاتہ بھی کہے حضورؐ نے فرمایا کہ اسے تیس نیکیاں ملتی ہیں۔ (مشکوۃ مترجم جلد دوم صفحہ 448 مطبوعہ کراچی)

جواب دینے والے کو اس سے آدھی نیکی ملتی ہیں۔ مجلس میں آتے وقت سلام کرے۔ اور جب (کچھ وقفہ کے بعد) جانا ہو تو جاتے ہوئے بھی سلام کرکے جانا

Marfat.com

چاہئے۔ (ترمذی عن ابو ہریرہؓ)

سورۃ نساء (آئت 86) میں سلام کا جواب یا بہتر جواب دینے کا حکم ہے۔ ایسی طرح گھر میں آنے والے کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ گھر والوں کو سلام کہا کرے۔ اور یہ طریقہ گویا خدا کی طرف سے ایک دوسرے کے لئے بڑا مبارک اور پاکیزہ تحفہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ (سورہ نور۔ آئت۔ 61) اور اسی آئت میں اہل اسلام کو دیگر معاشرتی آداب بھی سکھائے گئے ہیں۔ گویا یہ اختلافات کی پہلی سیڑھی ہے جسے طے کرنے کے بعد باہمی اخوت اور مؤدت کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

جنت میں اہل جنت' جنت کی نعمتوں کے ساتھ ہوں گے۔ تو وہاں کی نعمتیں دیکھ کر وہ بے ساختہ سبحان اللہ۔۔۔۔ کہیں گے اور آپس میں ان کی دعا۔۔۔۔۔ السلام علیکم۔ ہوگی اور آخر میں وہ شکرانے کے طور پر الحمد للہ رب العالمین کہیں گے۔ (یونس۔ 9۔ 10) گویا باہمی سلامتی کی آرزو اہل جنت کا بھی خاصہ ہے۔ ایک حدیث شریف میں کامل ایمان کی شرط یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی کچھ پسند کرتا ہے جو کچھ وہ اپنے لئے پسند کرے۔

عیادت

مزاج پرسی اور بیمار پرسی بھی اسلامی معاشرہ میں باہمی محبت اور مؤدت کو فروغ دینے کا ذریعہ ہے۔ اور باہمی ہمدردی کا بھرپور مظاہرہ ہے۔ اس سے بیمار شخص کو حوصلہ ملتا ہے۔ اور وہ شفا کی آرزو اور امید میں آگے بڑھنے لگتا ہے۔ حتی کہ مایوسی کی دلدل سے نکلنے کے لئے اسے ایک دلی قوت (Will Power) ملتی ہے۔ اور اگر اس کی زندگی باقی ہو تو اللہ تعالی اسے صحت مندی کی جانب گامزن فرما دیتا ہے۔ بیماری یا کوئی تکلیف مسلمان کے گناہوں کا کفارہ ہوتی ہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا:

> "بخار کو برا نہ کہو کیونکہ اس سے بنی آدم کے گناہ دور ہوتے ہیں۔
> جس طرح بھٹی میں لوہے کا میل دور ہوتا ہے۔" (مسلم۔ عن جابرؓ)

قرآن حکیم میں معذوروں بیماروں اور مریضوں کو بعض رعائتوں سے نوازا گیا ہے۔ حضرت ثوبانؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ مسلمان جب کسی مسلمان بھائی کی

Marfat.com

عیادت کرتا ہے تو وہ بہشتی پھلوں کو کھا رہا ہوتا ہے جب تک واپس نہ آئے۔ (مسلم)

اسی طرح حضورؐ نے بروز قیامت اللہ تعالیٰ کے ابن آدم سے سوال کا ذکر فرمایا کہ اللہ کہے گا تو میری عیادت کو کیوں نہ آیا۔؟ اور اپنی بیماری کو ایک بندہ کی بیماری کہا۔ پھر اپنے لئے کھانا نہ دینے کی بات کہے گا اور جواب میں وضاحت فرمائے گا کہ میرا فلاں بندہ بھوکا تھا جو تجھ سے مانگنے ایا تو تو نے اسے کھلانے سے انکار کر دیا یہ روائت مسلم کے حوالے سے مشکوۃ میں ابو ہریرہ سے مروی ہے۔

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ اپنے مسلمان بھائی کی صبح کے وقت عیادت کرنے والے کو اتنا ثواب ملتا ہے کہ ستر ہزار فرشتے اس کی مغفرت کی دعا شام تک کرتے ہیں اور جو شام کو عیادت کرے اس لئے اتنے ہی فرشتے صبح تک دعا کرتے ہیں۔ اور بہشت میں اس کے لئے ایک باغ مقرر کر دیا جاتا ہے۔ (ترمذی و ابوداؤد و مشکوۃ حدیث 1464)

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کو جائے اور وہاں سات مرتبہ یہ دعا مانگے۔ اَسْئَلُ اللّٰہَ الْعَظِیْمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ اَنْ یَّشْفِیْکَ تو اللہ مریض کو شفا عطا فرماتا ہے بشرطیکہ اس کی موت کا وقت نہ ہو چکا ہو۔ (مشکوۃ جلد اول حدیث 1467 بحوالہ ابوداؤد و ترمذی) جس طرح مریض کے لئے دعا کرنی چاہئے اسی طرح حدیث شریف میں آیا ہے کہ عیادت کرنے والا مریض سے استدعا کرکے اپنے حق میں بھی دعا کروائے کیونکہ بقول سید المرسلین اس کی دعا فرشتوں کی دعا کی مانند ہوتی ہے۔ (ابن ماجہ عن عمرؓ بن خطاب)

اور سعید بن مسیب کی روائت میں ہے کہ بہترین عیادت وہ ہے جس میں عیادت کرنے والا جلد ہی اٹھ کھڑا ہو۔ (اَفْضَلُ الْعِیَادَۃِ سُرعَۃَ الْقِیام) (بیہقی و ترمذی حدیث 15.4 جلد اول)

3۔ نمازہ جنازہ

جنازہ کی نماز فرض کفایہ ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جنازہ کی نماز میں شامل ہونے والے کے لئے ایک قیراط (احد پہاڑ کے برابر) ثواب ہے۔ (ابن ماجہ) جنازہ جا رہا ہو تو حضورؐ کے ارشاد کے مطابق کھڑے ہو جانا چاہئے۔ اور جو جنازے میں شامل

Marfat.com

ہوں۔ انہیں اس وقت تک نہیں بیٹھنا چاہئے جب تک جنازہ زمین پر رکھ نہ دیا جائے۔ (بخاری و مسلم عن ابی سعید) فرمایا کہ نماز جنازہ پڑھ کر لوٹ آنے والے کو ایک قیراط (احد کے پہاڑ کے برابر) ثواب ملتا ہے اور جو دفن میں شریک ہو اسے دو قیراط (ایضاً۔ عن ابوھریرہؓ) گویا اتباع الجنائز میں جنازہ کی نماز اور دفن میں شرکت بھی شامل ہے۔ اور کوئی با مر مجبوری جنازہ کی نماز میں شرکت کے بعد جا بھی سکتا ہے۔

4۔ دعوت قبول کرنا

ترمذی اور داری شریف میں علی المرتضے سے مروی ہے کہ حضورؐ نے مسلمان پر مسلمان کے چھ پسندیدہ حقوق گنوائے جس میں دعوت قبول کرنا بھی شامل ہے اور چھٹا حق یہ ہے کہ وہ مسلمان بھائی کے لئے وہی پسند کرے جیسا وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ (مشکوۃ جلد دوم مترجم مطبوعہ کراچی صفحہ 448)

دعوت دینے اور قبول کرنے سے باہمی محبت بڑھتی ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ احسان کا جذبہ اجاگر ہوتا ہے۔ دعوت قبول کرنا تکبر کو مٹاتا ہے۔ باہمی الفت کو بڑھاتا ہے۔

6۔ چھینک کا جواب

حضرت ابوھریرہؓ سے مروی ہے کہ آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے جب اللہ تعالی نے اس میں روح نفخ فرمائی تو ان کو چھینک آئی اور انہوں نے بتوفیق ایزدی الحمد للہ کہا تو اللہ تعالی نے فرمایا: یَرْحَمُكَ اللّٰهُ یا آدَمُ۔ اب تو فرشتوں کی سامنے والی جماعت کے پاس جا کر سلام کر چنانچہ اسلام علیکم کے جواب میں فرشتوں نے وعلیك السلام ورحمة الله کہا۔ پھر وہ اللہ کے پاس آئے تو اللہ نے فرمایا کہ یہ سلام اور اس کا جواب تیری اولاد کی ایک دوسرے کے دعا ہے۔ (اور آگے یہ حدیث کافی لمبی ہے) (مشکوۃ جلد دوم صفحہ 451۔ 452۔ بحوالہ ترمذی)

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جب کسی کو چھینک آئے تو الحمد للہ کہے اور اس کا مسلمان بھائی جواب میں یَرْحَمُكَ الله کہے جسے سن کر چھینکنے والا یھدیکُمُ الله ویُصْلِحُ بَالَکُمْ الله کہے یعنی اللہ تجھے ہدایت دے اور حال حالات درست رکھے

Marfat.com

(بخاری شریف)

بخاری و مسلم میں ہے کہ جس شخص نے حضورؐ کے سامنے چھینک آنے پر الحمد للہ کہا اس کو آپ نے یرحمك اللہ کہہ کر جواب دیا اور جس نے الحمد للہ نہ کہا تھا اسے جواب نہ دیا اور مسلم شریف میں ہے کہ جو شخص چھینکنے پر الحمد للہ نہ کہے اسکو یرحمك اللہ نہ کہو۔ (عن انسؓ و ابی موسیٰؓ)

سلمہ بن الاکوع سے مروی ہے جس کو (دوسری--- یا) تیسری چھینک آئے اس کے بارے میں حضورؐ نے زکام کا ارشاد فرمایا ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ کو چھینک آتی تو آپ اپنا منہ ہاتھ یا کپڑے سے ڈھانپ لیتے تھے اور چھینک کی آواز کو پست رکھتے۔ (ترمذی ابوداؤد)

آپؐ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ چھینک اللہ کی طرف سے ہے اور جمائی شیطان کی طرف سے۔

10- عن ابی سعید الخدری قال---- لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم النائحة والمستمعه (ابو داؤد کتاب الجنائز)

لغت= لَعَنَ۔ لعنت کی۔ نائحہ۔ نوحہ کرنے والی۔ مستمعه۔ (نوحہ کو) سننے والی۔

حضرت ابو سعید الخدری سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ کرنے والی اور سننے والی پر لعنت کی۔ (ابوداؤد۔ کتاب الجنائز)

زندگی کے ساتھ موت بھی ہر اک کا مقدر ہے۔ جس طرح زندگی عطیہ ہے اسی طرح موت بھی اللہ کی طرف سے نافذ ہونے والی ہے۔ خلق الموت والحیات لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عمل---- (ملک) یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس نے موت اور زندگی کو پیدا فرمایا تاکہ پرکھے کہ تم میں سے کون بہترین اعمال انجام دیتا ہے۔ یعنی انسانی حیات کا مقصد احسن الاعمال کے ذریعے لوگوں کو جانچ کرنا ہے۔ گویا موت ہر ایک کا مقدر ہے۔ جب کسی کو موت آتی ہے تو لواحقین کا اظہار غم کرنا۔ قدرتی امر ہے۔ لیکن اظہار غم میں بھی اسلام نے آداب سکھائے ہیں۔ اہل اسلام پر جب مصیبت آئے تو وہ اسے اللہ کی طرف سے جان کر صبر کرتے ہیں اور اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھتے

Marfat.com

ہیں۔

حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا۔ صبر وہ معتبر ہے جو صدمہ کے شروع میں ہو۔ (بخاری کتاب الجنائز باب 825 حدیث نمبر 1218)

حضورؐ عورتوں سے بیعت لیتے وقت یہ عہد بھی لیتے تھے کہ وہ نوحہ نہیں کریں گی۔ (بخاری کتاب الجنائز حدیث 1222)

حضورؐ نے ایسی عورتوں سے بیزاری کا اظہار فرمایا ہے جو اظہار غم کے وقت منہ نوچتی ہیں کپڑے پھاڑتی ہیں۔ (بخاری)

نوحہ اور ماتم دور جاہلیت کی رسم تھی۔ جسے حضورؐ نے منع فرمایا اور بخاری و مسلم میں ارشاد نبوی ہے کہ جو کوئی (اظہار غم کے وقت) اپنے منہ پر تھپڑ مارے گریبان پھاڑے اور (دَعَا بدعوی الجاھلیہ) جاہلیہ انداز میں شور مچائے وہ ہم میں سے نہیں۔ خواتین کو خطاب اس لئے فرمایا کہ دور جہالت میں خواتین خصوصی طور پر واویلا اور شور کر کے نوحہ کرتی تھیں۔ وہ تہ دل سے نوحہ کریں یا بناوٹ سے ان کا نوحہ دونوں طرح کامیاب رہتا ہے۔ بناوٹ میں وہ عورتیں شامل ہوتی ہیں جن کا میت سے گہرا تعلق نہ ہو اور انہیں سچ مچ رونا نہ آئے لیکن بطور دکھاوا وہ ایسا کریں۔

بہرحال عورتوں کا صبر کی حدود پھلانگ کر نوحہ کرنا شارع اسلام کی نظر میں اچھی بات نہیں تاہم اس کا مطلب یہ نہیں کہ مرد حضرات کا نوحہ کرنا جائز ہے۔ بلکہ اس حدیث سے دونوں کی ممانعت مراد ہے۔ میت پر آنسو بہانے کو حضورؐ نے رحمت کہا ہے جیسا کہ آپؐ اپنے لخت جگر ابراہیم علیہ السلام کی وفات کے وقت روئے تو عبدالرحمٰن بن عوف نے عرض کیا یارسول اللہؐ۔ آپ رو رہے ہیں تو آپ نے فرمایا۔ اے عوف یہ تو (شفقت اور) رحمت ہے۔ اور آنکھ روتی ہے اور دل غمگین ہے اور (لَا نَقُوْلُ مَا یَرْضٰی رَبُّنَا) ہم وہی کہتے ہیں جس سے ہمارا رب راضی ہے۔ (بخاری۔ کتاب الجنائز باب 826 حدیث 1219)

بہرحال شدت غم سے انکار ممکن نہیں۔۔۔۔ لیکن ایسے موقعوں پر اسلام نے صبر و تحمل اور ثابت قدم رہنے کی دعا کی تلقین کی ہے۔ جب حضرت حمزہؓ کو وحشی غلام نے دور سے نیزہ وغیرہ مار کر شہید کر دیا تو حضورؐ کو اپنے پیارے چچا کی موت کا بہت

Marfat.com

صدمہ ہوا چنانچہ جب وحشی نے اسلام قبول کیا تو آپ ؐ نے اسے معاف فرما کر یہ ہدایت کی کہ وہ آپ ؐ کے سامنے نہ آیا کرے۔ (سیرۃ النبی)

یہ تو نوحہ کرنے والیوں پر لعنت کا ذکر تھا۔ اور جو عورتیں نوحہ کو سننے کے لئے جمع ہوتی ہیں حضور ؐ نے ان پر بھی لعنت کی ہے۔ لعنت کرنے سے آپ ؐ نے عام طور پر منع فرمایا ہے۔ لیکن اس فعل کی نقصان رسانی کے پیش نظر نوحہ کو زندگی میں اس قدر اہمیت دے ڈالنا کہ اہل اسلام غم کی وادی سے باہر ہی نہ نکلیں اور اسلام کے دشمن اپنا کام دکھائیں تو یہ بات ملی اور اجتماعی نقطہ نظر سے امت بیضا کے خلاف جاتی ہے۔ چنانچہ سوگ کو تین دن سے زیادہ اپنے اوپر مسلط نہ کرنا چاہئے۔ کہ حکم یہی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے مروی ہے کہ آپ ؐ نے فرمایا:

لَيۡسَ مِنَّا مَنۡ ضَرَبَ الۡخُدُوۡدَ وَشَقَّ الۡجُيُوۡبَ وَدَعٰى بِدَعۡوَى الۡجَاهِلِيَّةِ

"جو شخص اپنے رخساروں پر دو ہتھڑ مارے اور اپنا گریبان پھاڑے' اور جاہلیت کے زمانے میں مروج واویلا کرے وہ ہم میں سے نہیں یعنی مسلمان نہیں۔"

اسلام وقار سکھانے والا دین ہے اور انسانی وقار کو قائم کرنے اور رکھنے پر زور دیتا ہے۔ نماز باجماعت ایک نیک کام ہے۔ لیکن دوڑ لگا کر جماعت کے ساتھ ملنا منع ہے کیونکہ یہ حرکت نمازی کے وقار کو ٹھیس پہنچاتی ہے۔ اسی طرح اسلام میں ہر کام کو ایک وقار' عزت اور شان سے انجام دینے کا حکم ہے خوشی ہو یا غم ایسے موقعوں پر بھی اسلامی تعلیمات انسانوں کے عزت اور وقار کی محافظت کرتی ہیں۔ مصیبت میں صبر اور خوشی میں شکر کرنا چاہئے۔ تاکہ انسانی وقار کو ٹھیس نہ لگے۔ قرآن حکیم میں آتا ہے کہ ہم بعض کو بعض کے ذریعے آزماتے ہیں۔ اور یہ دنیا تو ہے ہی امتحان گاہ۔۔۔ اور آزمائش کا مقصد یہ معلوم کرنا ہے کہ کون صابرو شاکر رہتا ہے۔ اور کون شوروغوغا اور واویلا مچاتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَبَشِّرِ الصَّابِرِيۡنَ الَّذِيۡنَ اِذَآ اَصَابَتۡهُمۡ مُّصِيۡبَةٌ قَالُوۡٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيۡهِ رَاجِعُوۡنَ (بقرہ۔ 156)

"اور (اے نبی ؐ!) استقامت اختیار کرنے والے لوگوں کو خوشخبری

Marfat.com

سنادے کہ جب ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔"

11۔ عن ابی بزرہ الاسلمی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تزول قدمًا عبد حتّٰی یسئل عن خمس عن عمرہ فیما افناہ وعن علمہ فیما فعل وعن مالہ من این اکتسبہ وفیما انفقہ وعن جسمہ فیما ابلاہ

لغت۔ حتّٰی جب تک۔ یسئل۔ اسے پوچھا جائے۔ من این۔ کہاں سے۔

(ترمذی ابواب القیامۃ)

ترجمہ

ابو بزرہ اسلمی ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (قیامت کے روز) کسی کے قدم اپنی جگہ سے ہل نہیں سکیں گے جب تک پانچ باتیں نہ پوچھ لی جائیں۔ یعنی کہ:

1۔ اس نے اپنی زندگی کہاں صرف کی؟
2۔ اس نے کیا کیا علم حاصل کیا اور کیا عمل کیا؟
3۔ اس نے مال کن ذرائع سے کمایا۔ (حلال یا حرام سے؟)
4۔ اس نے کمایا ہوا مال کس طرح اور کہاں کہاں خرچ کیا؟
5۔ اس نے اپنے بدن کو کن کاموں میں لگائے رکھا۔

1۔ زندگی اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے۔ قرآن حکیم میں ہے۔ انسانی زندگی کا مقصد اللہ تعالیٰ کی اطاعت گزاری کو قرار دیا ہے جسے عرف عام میں عبادت کہتے ہیں۔ اللہ نے اپنے انبیاء علیہم کے ذریعے وقتاً فوقتاً جو حکم دیا وہ اس زمانے کے لوگوں کے لئے رہنمائی کا باعث تھا۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک کے لئے قابل عمل دین لائے جس پر چل کر انسان اس مقصدیت کو پا سکتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے مقرر فرمائی ہے۔ ہر انسان کا حساب کتاب بارگاہ خداوندی میں ضروری ہو گا۔ کیونکہ ہر انسان کی کارکردگی کا ریکارڈ اللہ کے ہاں موجود ہے۔

Marfat.com

(زلزال ۔ 7 ۔ 8)

2۔ علم حاصل کرنا فرض ہے خصوصاً دینی اور اپنے دنیاوی امور کو چلانے کے لئے بھی علم کی ضرورت ہو ضرور حاصل کرنا چاہئے۔ نیز حلال و حرام اور نیکی بدی کا علم حاصل کر کے اس کے مطابق عمل کرنا چاہئے۔

3۔ اسی طرح حلال و حرام ذرائع سے کمانے کا سوال بھی ہو گا۔ جس نے حلال کمائی کی۔ اس نے مستحسن کام کیا۔ اور جس نے حرام کمائی۔۔۔۔ کی اس کا سب کچھ اکارت گیا۔

4۔ لیکن حلال کمائی کو حلال' نیک اور جائز مقاصد کے لئے خرچ بھی ضروری ہو تا ہے۔ خیرات اور صدقات بھی دینے ہوتے ہیں۔ تو خرچ کی مدیں بھی جائز ہونا لازمی ہے۔ ناجائز اور اسراف کی پرسش ہوگی۔

5۔ اللہ تعالٰی نے انسان کو احسن تقویم کا حامل بنا کر پیدا کیا اور بہترین تخلیق کا یہ مظہر اپنے بدن کی ندرت کے اعتبار سے بھی بے نظیر ہے۔ اور نفخت فیه مِنْ رُوْحی کے روحانی توشہ کے حوالہ سے اس کا بدن اللہ کے انوار کو جذب کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔ جس کا مقصد اللہ کی عبادت اور ذکر کثیر کے ذریعے نفسانی نورانیت کو چمکانا اور پاکیزگی سے مزین کرنا ہے لیکن نفسانی خواہشات انسان کو اللہ کی یاد سے غافل کر دیتی ہیں اور اللہ کا ارشاد ہے کہ جس نے اللہ کو بھلا دیا تو وہ اپنی ذات کو بھول گیا۔ لہٰذا احتساب الٰہی کا تقاضا ہے کہ اپنی طرف سے انسان کو عطا کردہ بدنی نعمت کا حساب لے کہ اس نے اس بدن سے مطلوبہ کام بھی لیا ہے یا محض اِدھر اُدھر میں الجھ کر زندگی برباد کر دی۔

12۔ عن عبداللہ بن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم الا کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته۔۔۔۔ فالا مام الذی علی الناس راع وھو مسئول عن رعیته والرجل راع علی اھل بیته وھو مسئول عن رعیته والمراۃ راعیه علی بیت زوجھا وولدہ وھی مسئوله عنھم (بخاری و مسلم)

لغت= راع۔ چرواہا۔ رعیت دار۔ مسئول۔ سوال کیا جائے گا۔ امام۔ امیر ملت۔ رجل ۔ آدمی۔ اہل بیته۔ اس کے گھر والے۔ زوجھا۔ اس کا

Marfat.com

شوہر۔ مسئولہ۔ پوچھی جائے گی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یاد رکھو تم سب لوگ سپروائزر ہو تم میں سے ہر ایک سے اس کی رعیت (ماتحتوں) کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ پس امام تمام لوگوں کا نگہبان ہے اور اسے اس کی رعیت کے بارے میں ذمہ دار ٹھہرایا جائے گا۔ اور ایک مرد اپنے گھر والوں کا نگران ہے اور اسے اس کے کنبے (رعیت) کے بارے میں پوچھا جائے گا اور ایک عورت اپنے خاوند کے گھر اور اس کی اولاد کی نگران (سپروائزر) ہے۔ اور اس سے ان کے بارے میں ذمہ داری نبھانے کی پوچھ گچھ ہو گی۔

اس حدیث میں ہر شخص کو ذمہ دار قرار دیا گیا ہے۔ اس بات کو علامہ اقبال نے ایک مصرع میں یوں بیان کیا ہے۔

ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا

ہر انسان پر دو طرح کی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔

1۔ حقوق اللہ یعنی اللہ کے حقوق کی ادائیگی۔

2۔ حقوق العباد۔۔۔ بندوں کے حقوق کی ادائیگی۔

حضور نے ایک بیوی' ایک شوہر سے لے کر ایک حکمران تک سب کو ذمہ دار ٹھہرایا ہے اپنے سے کم درجہ لوگوں کی ذمہ داری کا بوجھ اٹھانے کا۔ جو اس کی کفالت یا ماتحتی میں ہوں۔ ایک امیر المومنین کا فرض ہے کہ وہ تمام رعیت کی کفالت اور نگہبانی کا فرض ادا کرے۔ اور انفرادی سطح پر ایک میاں اور بیوی کو بھی گھریلو ذمہ داری کا احساس دلایا گیا ہے۔ اسی طرح درجہ بدرجہ مختلف انسانی طبقات کو ذمہ دار قرار دینے کا مقصد یہ ہے کہ اسلامی معاشرہ ذمہ دار لوگوں پر مشتمل ہو۔ ایسا نہ ہو۔ ہر ایک شتر بے مہار کی طرح جدھر چاہے نکل جائے اور جو چاہے کرتا پھرے۔ یہ ذمہ داری دراصل انسانی زندگی کو اللہ تعالٰی کے قانون حیات کے مطابق بسر کرنے کا نام اور پیغام ہے کیونکہ انسان کے ساتھ شیطان ہر وقت اسے گمراہ کرنے کا ٹھیکیدار بن کر اس کے خون میں گردش کرتا رہتا ہے۔ اگر انسان اس کے ہتھے چڑھ جائے تو گویا اس نے اپنی ذمہ داری سے پہلو تہی کی تو اس کا حشر بھی شیطان لعین کے ساتھ ہو گا۔ اور یہ حساب کتاب۔۔۔ انسان کو دی ہوئی

Marfat.com

نعمتوں کے بارے میں پوچھ گچھ کا۔۔۔ نام ہے کیونکہ الست کے روز اللہ کی ربوبیت کا اقرار ہر روح انسانی نے کیا تھا اور بار امانت بھی حضرت انسان نے اٹھا لیا تھا جس کی دہشت سے پہاڑ تک کانپ اٹھے تھے۔ یہ ذمہ داری کی پوچھ گچھ دراصل بار امانت کو ٹھیک ٹھیک اٹھا لینے کا انعام ہو گا یا اس کی خلاف ورزی کی سزا ہو گی۔ اللہ تعالیٰ ہم پر اپنا فضل و کرم فرمائے۔ (آمین)

13- عن الزبیر بن العوام قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم۔ لان یاخذ احدکم حبله فیاتی بجزمه حطب علی ظهره فیبیعها فیکف الله بها وجهه خیر له من ان یسال الناس اعطوه اومنعوه

(بخاری)

لغت= حبله- اپنی رسی- یاتی- لائے- حطب- ایندھن- ظهره- اس کی پیٹھ- اعطوه- وہ اسے عطا کریں- اومنعوه- یا اسے نہ دیں-

حضرت زبیر بن العوام سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم میں سے ایک شخص رسی لے اور ایندھن (کی لکڑیوں) کا گٹھا اپنی پیٹھ پر رکھ کر لے آئے اور اسے فروخت کر دے (اور اس پیسے سے اپنا اور گھر والوں کا پیٹ پالے) تو اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کو اس عمل کی وجہ سے (گدائی کی ذلت سے) بچا لے گا یہ عمل اس کے لئے گداگری کے ذریعہ لوگوں سے کچھ حاصل کرنے سے بہتر ہے کہ وہ اسے بھیک دیں یا معذرت کریں۔

اس حدیث میں محنت کی عظمت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ انسان کی تخلیق ہی محنت سے ہوئی ہے۔ (سورۃ بلد - 4) انسان کو اپنی سعی کا پھل ہی ملتا ہے۔ (نجم - 39)

اسلامی معاشرے میں نکھار پیدا کرنے کے لئے ایک طرف یہ اعلان فرمایا:

یمحق اللہ الرِّبٰو ویُربی الصدقات۔ ()

اور اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔ اور دوسری طرف مفلس اور نادار لوگوں کو حضورؐ کے ذریعے ترغیب دی کہ وہ اپنی عزت نفس کی حفاظت کریں اور بہترین کمائی ہاتھ کی کمائی کو قرار دیا۔ اور گداگری کو پیشہ بنانا اللہ کی بارگاہ میں ذلت کا باعث ہو گا کہ ایسا شخص اللہ کے ساتھ ملاقات کریگا۔ تو اس کے چہرہ پر گوشت نہ ہو گا۔

Marfat.com

سری طرف حضورؐ نے فرمایا:

اَلْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِنَ الْیَدِ السُّفْلٰی فَالْیَدُ الْعُلْیَا هِیَ الْمُنْفِقَةُ وَالسُّفْلٰی هِیَ السائلة۔

"(یعنی) اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ اوپر والا ہاتھ خرچ کرنے والا ہے اور نیچے والا ہاتھ ہے مانگنے والا۔ (بخاری۔ کتاب الذکوٰۃ حدیث نمبر1338)

خیرات کرنے کا اصول یوں واضح فرمایا کہ خیرات اس طرح دی جائے کہ خیرات کرنے والا مالدار رہے۔ ایسا نہ ہو کہ سب کچھ لٹادے اور خود محتاج ہو جائے۔ (بخاری) نیز فرمایاؐ کہ صدقہ کی ابتداء ان لوگوں سے کر جو تیری نگرانی میں ہوں۔ (بخاری۔ عن ابوہریرہؓ۔ کتاب الذکوٰۃ باب۔ 900 حدیث نمبر1336)

رزق حلال کمانا عبادت میں شمار ہوتا ہے۔ اور سوال سے بچنے کی تاکید بھی حضورؐ نے ایک صحابی کو اس طرح فرمائی کہ اگر اس کا اپنا چابک گر جاتا تو وہ گھوڑے سے اتر کر خود اٹھاتے تھے اور کسی پیدل چلنے والے کو اٹھا کر پکڑانے کا نہیں کہتے تھے۔

اسلامی معاشرے کو پاکیزہ تر بنانے کیلئے قرآن و حدیث میں صدقات سے حتی الوسع گریز کرنے کی بھی ترغیب ہے اور صدقات کے ذریعے ضرورت مندوں کی مدد کے لئے بھی ابھارا گیا ہے۔

حضرت ابوھریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک صدقہ دینے والا نکلا اور (انجانے میں) صدقہ کا مال ایک چور کو دے آیا۔ لوگوں نے باتیں بنائیں تو پھر ایک دن وہ صدقہ لے کر نکلا اور ایک فاحشہ اور زناکار عورت کو انجانے میں صدقہ دے آیا اور لوگوں نے پھر باتیں بنائیں۔ تیسری بار وہ نکلا تو (انجانے میں) صدقہ کا مال ایک مالدار شخص کو دے آیا۔ اور اسے لوگوں کی باتیں پھر سننا پڑیں۔ تو اس شخص نے کہا: "اے اللہ۔ تیرے ہی لئے تعریف ہے میری طرف سے ایک چور' زانیہ اور مالدار کو صدقہ دینے پر۔" چنانچہ (حضورؐ نے فرمایا) وہ صدقہ مقبول ہوا۔ اور اس سے کہا گیا کہ چور کو دیا گیا صدقہ اس لئے مقبول ہوا کہ شاید وہ چوری سے باز رہے اور زانیہ کو دیا گیا صدقہ مقبول ہونے کی وجہ یہ تھی کہ شاید وہ زنا سے باز رہے اور مالدار کو دیا جانے والا

Marfat.com

صدقہ اس لئے مقبول ہوا کہ شاید اسے عبرت ہو اور وہ بھی اللہ کے عطا کردہ مال میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے لگ جائے۔ (بخاری کتاب الزکوۃ باب 896 حدیث 1331)

چوری کے مال سے صدقہ قبول نہیں ہوتا۔ صرف حلال اور طیب مال میں سے صدقہ قبول ہوتا ہے۔ سائل کو اچھے طریقے سے انکار کر دینا اور معذرت خواہ ہونا ایسا صدقہ دینے سے بہتر ہے جس کے بعد صدقہ لینے والے کو ایذا دی جائے۔

جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

لا تبطلوا صدقاتکم بالمن والاذیٰ

"یعنی خیرات کردہ اموال کو احسان جتلا کر اور ایذا دیکر ضائع نہ کرو۔"

گویا اسلام دونوں جانب افراط و تفریط کا مظاہرہ کرنے سے منع کرتا ہے تاکہ اسلامی معاشرہ بے سکونی اور غربت کا شکار نہ ہو جائے اور ایک فرد اپنی خوداری سے بھی ہاتھ نہ دھو بیٹھے۔ اور دوسری طرف صدقات دیگر اہل ضرورت اور محتاجوں کی مدد کے لئے ابھارتا ہے اور اس عمل کو خدا کی طرف سے فرض قرار دیتا ہے تاکہ مالدار لوگ ان ناداروں کو زندہ رہنے کا سامان مہیا کریں جن کو یبسط الرزق لمن یشاء کا زمرہ نصیب ہوا اور دوسرے یَقْدِرُ ( ) کے زمرہ میں شمار ہو گئے۔ بیہقی میں ہے کہ بلاوجہ سوال کرکے دولت جمع کرنے والا گویا اپنے ہاتھ میں انگارے چنتا ہے۔ (آجکل جو ملک میں روز روز ڈاکے پڑتے ہیں اس کی ایک وجہ نادار اور مستحق لوگوں کی خبر گیری سے احتراز ہے اور اس میں اہل حکومت اور اہل نصاب دونوں ذمہ دار ٹھہرتے ہیں کہ ایک طرف تو جاگیروں کے مالک ہیں اور وہ دولت کے خزانوں پر براجمان ہیں اور دوسرے ایک ایک چپاتی کے لئے ترس رہے ہوتے ہیں۔ گویا اہل لوگ اپنا فرض نہیں نبھاتے۔)

14۔ عن عبداللہ بن عمرو ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الصیام والقرآن یشفعان للعبد یقول الصیام ای رب انی منعتہ الطعام والشہوات بالنہار فشفعنی فیہ ویقول القران مَنعتہ النوم بالیل فشفعنی فیہ فیشفعان۔ (مشکوۃ)

لغت۔ یشفعان۔ دونوں شفاعت کریں گے۔ للعبد۔ بندہ کے لئے۔

Marfat.com

طعام۔ کھانا۔ بالنہار۔ دن کے وقت۔ نوم۔ نیند۔ باللیل۔ رات کو۔ شفعنی فیہ۔ اس میں میری شفاعت قبول کر۔

حضرت عبداللہ بن عمرو سے روائت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ روزہ اور قرآن کی تلاوت دونوں (مجسم ہو کر) بندے کی شفاعت کریں گے۔ روزہ کہے گا۔ اے پروردگار میں نے اسے (فلاں روزہ دار کو) دن کے وقت کھانے پینے اور نفسانی خواہشات سے روکے رکھا۔ پس تو اس کے بارے میں میری شفاعت قبول فرما۔ اور قرآن کہے گا (اے اللہ) میں نے اس شخص کو رات کو سونے سے روکے رکھا۔ (اور یہ نماز میں یا ویسے ہی میری تلاوت کرتا رہا) پس تو اس کے متعلق میری شفاعت قبول فرما۔ پس دونوں کی شفاعت (بارگاہ رب العزت میں) قبول کی جائے گی۔

اس حدیث شریف میں رمضان کے روزوں اور رات کو تلاوت قرآن کی کثرت کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ رمضان کی فضیلت اس سے بھی واضح ہے کہ اس مہینے میں قرآن نازل کیا گیا۔ اور اس میں ایک رات اتنی فضیلت بھری رکھی گئی ہے جس میں عبادت کرنا گویا ہزار مہینے تک عبادت کرنے سے افضل ہے۔ رمضان کا مہینہ سب سے افضل ہے۔ رمضان میں روزے فرض قرار دیئے گئے اور اس میں قیام لیل کو نفل قرار دیا گیا ہے۔ اس میں نفل کا ثواب فرض کے برابر ملے گا اور ایک فرض کا ثواب عام مہینوں کے ستر (70) فرضوں کے برابر ہو گا۔

☆۔۔۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ جب رمضان المبارک کا آخری عشرہ شروع ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام عشرہ شب بیداری میں بسر فرماتے اور گھر والوں کو بھی عبادت الٰہی کے لئے بیدار فرماتے اور کمر کس کر ہر طرف سے یکسو ہو جاتے۔ (بخاری مسلم)

☆۔۔۔ جناب انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! "سحری کھایا کرو کہ سحری میں برکت ہے۔" (بخاری مسلم)

☆۔۔۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! "ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں میں فرق سحری ہی ہے۔" (مسلم)

☆۔۔۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

Marfat.com

فرمایا! "کہ جس نے روزہ رکھ کر بھی جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑا تو اللہ تعالی کو اس کے کھانا پینا چھوڑنے کی کوئی حاجت نہیں۔" (بخاری)

☆---- حضرت زید بن خالدؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! "کہ جو کسی روزہ دار کو افطار کرائے تو اس کو بھی اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا روزہ دار کو بغیر کسی کمی کے (یعنی روزہ دار کے ثواب میں کوئی کمی نہ ہو گی۔)" (ترمذی)

☆ حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر رمضان میں دس یوم کا اعتکاف فرمایا کرتے اور جس برس آپؐ کا وصال ہونا تھا۔ اس رمضان میں آپؐ نے بیس یوم کا اعتکاف فرمایا۔ (بخاری)

☆ حضرت عبداللہ بن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! "کہ صاحب قرآن (حافظ) کی مثال بندھے ہوئے اونٹ کی سی ہے اگر اس کا ورد رکھو گے اور پڑھتے پڑھاتے رہو گے تو یہ سینوں میں ٹکا رہے گا اور اگر پڑھنا پڑھانا چھوڑ دو گے تو یہ نکل جائے گا۔" (بخاری، مسلم)

☆ آخری رمضان میں حضورؐ اور جبریل امین نے مل کر قرآن کا دورہ کیا یعنی حضورؐ سناتے اور جبریل سنتے کبھی جبریل سناتے اور حضور سنتے۔

قرآن حکیم کلام الٰہی ہے۔ اس کی تلاوت کا ثواب اتنا ہے کہ ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں ملتی ہیں اور ارشاد نبوی ہے کہ الٓمٓ۔ تین حروف ہیں۔ گویا تیس نیکیاں ملیں گی۔

قرآن کا مطلب ہے بہت ہی زیادہ تلاوت کی جانے والی کتاب۔ یہ کتاب ہدایت ہے اور مسلمانوں کے حق میں نور ہدایت' شفا الصدور اور رحمت ہے۔ جو شخص تلاوت کرتا ہے وہ گویا اللہ سے ہمکلام ہو رہا ہوتا ہے قرآن اور رمضان میں خصوصی تعلق ہے۔ اور جس کے سینے میں قرآن کا کوئی حصہ نہ ہو تو وہ گویا اُجڑے ہوئے گھر کی طرح ہے۔

15۔ عن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم--- التاجر الصدوق الامین مع النبیین والصدیقین والشھداء۔ (ترمذی ابواب البیوع)

التاجر۔ سوداگر۔ صدوق۔ سچا۔ امین۔ ایمانت دار الشھدا۔ شہادت

Marfat.com

پانے والے۔

حضرت ابو سعید الخدری ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سچا اور امانتدار تاجر (کا حشر) انبیاء ؑ صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہو گا۔

قرآن حکیم میں ہے کہ روپے پیسے پر سود لینے کو بعض لوگ تجارت میں نفع کے مشابہ قرار دیتے ہیں جبکہ اللہ کے نزدیک سود حرام ہے اور تجارت پر نفع لینا حلال ہے۔ (قرآن)

حکیم بن حزام ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔۔۔۔۔۔ کہ اگر بیچنے والا اور خریدار سودا بازی میں دونوں سچ بولیں تو اس سودے میں اللہ برکت دے گا اور اگر کسی نے کچھ چھپایا یا جھوٹ بولا تو اس خرید و فروخت کی برکت ختم کر دی جائے گی۔ (مفہوم۔ بخاری۔ کتاب البیوع)

خریدوفروخت سے پالا تقریباً ہر شخص کو روزانہ پڑتا ہے لیکن اسلام کے زریں اصولوں میں سے یہ اصول حضور نے قائم کیا کہ خریدوفروخت کی بنیاد سچائی اور دیانت داری پر رکھنی چاہئے تاکہ اللہ کی برکتوں سے حصہ ملے۔ امام اعظم ابو حنیفہ ؒ کپڑے کی تجارت کرتے تھے آپ نے ہمیشہ سچائی اور دیانتداری کو معمول بنایا۔ تجارت میں سچائی اور دیانتداری اختیار کرنا لازمی ہے تاکہ کاروباری دنیا میں برکات کی ریل پیل ہو۔ برکات ہی انسانی زندگی کی کامیابی کی دلیل ہیں اس کے برعکس بے برکتی معاشرے کو لے ڈوبتی ہے۔ حضرت علی ہجویری عرف داتا گنج بخش لاہوری کا قول ہے کہ جھوٹ رزق کو کھا جاتا ہے۔ ہمارے دور میں کساد بازاری نے عوام کا جینا دو بھر کر رکھا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ہماری معیشت کا انحصار سودی لین دین اور سودی سرمایہ پر ہے جو اللہ کی نظر میں حرام ہے۔ اور اس وجہ سے ہر طرف بے برکتی کا دور دورہ ہے۔ دوسرے یہ بھی حقیقت ہے کہ ہمارے اکثر تاجر حضرات بھی ناجائز منافع خوری اور لوٹ کھسوٹ میں ملوث ہیں۔ یہ صورت حال تقریباً ہر زمانے میں رہی ہے۔ اسی لئے قرآن حکیم میں وَلَا تُخْسِرُ والمیزان (رحمٰن) کا ارشاد بارہا آیا ہے۔ حضرت شعیب کی قوم کم تولنے میں بڑی ماہر تھی۔ اللہ تعالی نے لوگوں کو منع کیا ہے کہ وہ لوگوں سے لیتے وقت تو پورا لیں اور ان کو دیتے وقت ڈنڈی ماریں (قرآن)

Marfat.com

مندرجہ بالا حدیث میں دیانتدار اور امانتدار تاجر کو حضور علیہ السلام نے بشارت دی ہے کہ ایسا تاجر قیامت کے دن انبیاء ؑ صدیقین اور شہداء کے ساتھ محشور ہو گا۔

غیر حاضر مال کی تجارت اسلام میں منع ہے۔ حضرت نافع ؒ ابن عمر ؓ کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غلہ کو بیچے جانے سے منع کیا جس کو خریدا ہے۔ جب تک کہ وہ اس پر پورا قبضہ نہ کرے۔ (بخاری کتاب البیوع باب 1324 حدیث 1981) حضرت ابن عباس ؓ کہتے ہیں کہ جس چیز سے حضور علیہ السلام نے منع کیا ہے۔ وہ ایسا غلہ ہے جو قبضہ میں لانے سے پہلے بیچا جائے۔ (ایضا باب 1330 حدیث 1992)

دیانتداری ایسا وصف ہے جس کی افادیت مسلمہ ہے تجارت کی فضیلت میں حضور کا ارشاد ہے کہ اس میں دوسرے پیشوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ برکت رکھی گئی ہے۔ (مفہوم)

تجارت میں منافع یا برکت زیادہ ہے لہٰذا حرص و آز کی ماری طبیعتیں۔ ناجائز منافع کی خاطر دیانت کو نظر کر سکتی ہیں۔ جس سے معاشرہ میں مہنگائی اور چور بازاری جنم لیتی ہے یہ بات معاشیات کے اسلامی اصولوں کے خلاف ہے۔ بہرحال اسلام نے ہر معاملے میں دیانت اور امانت کو مقدم رکھا ہے۔ اور تجارت کو خصوصی اہمیت اس لئے بھی دی گئی ہے کہ اس میں رزق کا حصہ زیادہ ہے۔

16۔ عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يبيع الرجل على بيع اخيه ولا يخطب على خطبه اخيه (المسلم۔ کتاب البیوع)

لا یبیع۔ وہ خریداری نہ کرے اخیہ۔ اس کا بھائی۔ لا یخطب۔ وہ پیغام نہ دے۔

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص اپنے بھائی کے سودے پر سودا طے نہ کرے۔ اور اپنے بھائی کے پیغام نکاح پر اپنا پیغام نہ بھیجے۔

اس حدیث شریف کا مقصد مدعا یہ ہے مختلف خریدار مسابقت اور ضد بازی میں آکر جنس کا ریٹ اتنا نہ بڑھائیں کہ وہ چیز لوگوں کی رسائی سے باہر ہو جائے۔ دوسرے اس طرح کی کارکردگی میں کسی کی حق تلفی کا پہلو بھی نکل سکتا ہے آج کل کے جدید دور

Marfat.com

میں پہلے آیئے اور پہلے پایئے کا اصول روبہ عمل ہے۔ ایک شخص جو دیانت داری سے کسی معاملے میں پہل کرے تو اس سے یہ حق چھیننا بری بات ہے یا ایک شخص ایک سیٹ پر بیٹھنے لگا ہے تو اس کو دھکا دیکر اس سیٹ پر بیٹھنا مستحسن نہیں۔ اسی طرح کسی کے پیغام نکاح پر بدنیتی کا مظاہرہ کرے اور آگے بڑھ کر اپنے لئے وہ چیز حاصل کر لے تو اخلاقی طور پر بھی یہ بات بہت بری ہے کہتے ہیں کہ کسی لڑکی کا رشتہ آیا تو اس لڑکی نے اپنی سہیلی سے مشورہ مانگا جو اس سے قدرے خوبصورت تھی۔ چنانچہ سہیلی نے جب لڑکے کو دیکھا تو اس کی نیت میں فتور آگیا اور آگے بڑھ کر اپنی خوبصورتی کے بل پر اس نے لڑکے سے شادی کرالی اور مشورہ لینے والی منہ دیکھتی رہ گئی۔ اس طرح کے واقعات باہمی تنازعات کو جنم دیتے ہیں۔ حضور کا ارشاد ہے کہ مشورہ دینا اور امانت داری ہے۔ اور ہمیشہ صحیح مشورہ دینا چاہئے۔ کیونکہ دیانت کا یہی تقاضا ہے۔

اس طرح کی حاسدانہ مسابقت یا خودغرضی معاشرے میں بگاڑ پیدا کرتی ہے۔ اور فتنہ کو فروغ حاصل ہوتا ہے جبکہ کہ فتنہ پردازی کو قتل سے بھی بڑا جرم کہا گیا ہے۔ (قرآن)

17۔ عَنْ عَلِیِّ ابْنِ اَبِیْ طَالِبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا فَعَلَتْ اُمَّتِیْ خَمْسَ عَشْرَةَ خَصْلَةً حَلَّ بِهَا الْبَلَاءُ قِیْلَ مَاهِیَ یَارَسُوْلَ اللهِ فَقَالَ اِذَا کَانَ الْمُغْنَمَ دُوَلًا ----- وَالْاَمَانَةُ مَغْنَمًا وَالزَّکٰوةُ مَغْرَماً وَ اَطَاعَ الرَّجُلَ زَوجَتَهٗ وَعَقَّ اُمَّهٗ بَرَّصَدِیْقَهٗ وَجَفَا اَبَاهُ ارْتَفَعَتِ الْاَصْوَاتُ فِی الْمَسَاجِدِ وَکَانَ زَعِیْمَ الْقَوْمِ اَرْذَلُهُمْ وَاُکْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهٖ وَشُرِبَتِ الْخُمُوْر رُوَلُبِسَ الْحَرِیْرُ وَتُخِذَتِ الْقِیَانُ وِرلْمَعَازِنُ وَلَعَنَ اٰخِرُهٰذِهٖ اَوَّلَهَا فَلْیَرْتَقِبُوْا عِنْدَ ذَالِكَ رِیْحاً حَمْرَآءَ اَوْخَسْفاً اَوْمَسْخًا۔ (جامع ترمذی)

اِذَا۔ جب۔ فَعَلَتْ۔ کرے گی یعنی اس نے کیا (مونث کے لئے صیغہ واحد غائب) خمس عشرہ۔ پندرہ۔ حَلَّ (حَلَّ الْمَکَان) ۔ قیام کرنا۔ بقول راغب یہ دراصل حل الاحمال سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں۔ رسیاں کھول کر سامان کو اونٹوں پر سے اتارنا۔ حَالَهٗ۔ کسی کے ساتھ اترنا۔ قیام کرنا خَلِیْل خاوند کو اور حَلِیْلَة

Marfat.com

بیوی کو کہتے ہیں کیونکہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ اکٹھے قیام کرتے ہیں۔ یا ایک دوسرے کے لئے حلال ہیں۔ تو حَلِّ کا مطلب یہ ہوا کہ "پھر حلال ہو جاتا ہے کہ اس کے ساتھ بلائیں ہوں۔ (تاج) حَلَّ اَمْرُ اللّٰہِ علیہ کا مطلب ہے۔ کہ اس پر خدا کا امر واجب ہو گیا۔

البَلاء۔ مصیبت۔ آزمائش۔ المغنمہ۔ مال غنیمت۔ مغرماً ۔ تاوان۔ چٹی' ڈن (آج کے دور میں جرمانہ)۔ عَقَّ ۔ عاق کرنا۔ حسن سلوک سے منہ موڑنا یا نافرمانی یا بدسلوکی کرنا۔ برَّ ۔ نیکی کرے صدیق۔ دوست۔ جفَا۔ ظلم' زیادتی' بدسلوکی۔ زعیم۔ سردار۔ لیڈر۔ ارزل۔ رزیل ترین آدمی۔ اُکْرِمَ۔ عزت کی جائے۔ مخافتہ۔ ڈر۔ خوف۔ شر۔ بدی۔ شرارت۔ شُرِبَتِ الْخُمُور۔ شرابیں پی جانے لگیں۔ القیان۔ گلوکارائیں۔ گانے والی عورتیں۔ المعازف۔ آلات موسیقی۔ ساز۔ ارتقاب۔ انتظار۔ ریح۔ ہوا۔ آندھی۔ حُمراء۔ سرخ رنگ کی۔ خسف۔ زمین میں دھنسنا' چہرہ بگڑنا۔

ترجمہ: حضرت علی بن ابی طالب ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب میری امت پندرہ خصلتوں کی مرتکب پائی جائے گی تو ان کی وجہ سے ان پر مصیبت نازل ہو گی (بلا کے نزول کا جواز پیدا ہو جائے گا) عرض کیا گیا۔ یا رسول اللہ! وہ (پندرہ خصلتیں) کیا ہیں تو آپ نے فرمایا:

1۔ جب مال غنیمت کو ذاتی مال سمجھا جائے۔
2۔ اور امانت کو مال غنیمت سمجھا جائے۔
3۔ جب زکوٰۃ کو تاوان یا چٹی یا جرمانہ تصور کیا جائے۔
4'5۔ جب آدمی اپنی بیوی کی (ناجائز) بات (بھی) مانے اور ماں کی (جائز) بات (بھی) ٹھکرا دے۔
6'7۔ جب ایک شخص اپنے دوست کے ساتھ تو حسن سلوک اور روا داری سے پیش آئے اور اپنے باپ سے بدسلوکی کرے اور باغیانہ رویہ اپنائے۔
8۔ مساجد میں آوازیں بلند ہونے لگیں۔
9۔ جب قوم کا رہنما اور سردار اس کا گھٹیا ترین شخص ہو۔
10۔ جب کسی کی عزت اس کے شر کے خوف سے کی جائے۔

Marfat.com

11- جب شرابیں (کھلم کھلا- عام) پی جانے لگیں۔
12- جب مرد ریشم پہننے لگیں۔
13- جب گانے والی عورتوں۔
14- اور آلات موسیقی کی خوب پذیرائی کی جائے۔
15- اور جب اخلاف (بعد میں آنے والے) اسلاف (پہلے والے لوگوں) کو لعن طعن کرنے لگیں تو پھر تم سرخ آندھی کا انتظار کرو۔ جس سے یہ امت زمین میں دھنس جائے یا اس کی شکلیں مسخ ہو جائیں گی۔ (ترمذی شریف)

یہ حدیث ترمذی شریف میں حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے۔ اور مشکوٰۃ شریف میں یہ دونوں احادیث قیامت کی علامتوں کے باب کی فصل دوم میں آئی ہیں۔ بلکہ حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث میں پندرہ کی گنتی کا ذکر بھی نہیں ہے۔ اور بعض دیگر باتیں بھی اس میں شامل ہیں۔ مثلاً:

آپؐ نے فرمایا جب مال غنیمت کو دولت قرار دیا جائے گا (اور اس کو امراء اور صاحبان اقتدار ہی ہڑپ کر جائیں گے اور غربا و مساکین کو کچھ نہ دیں گے) اور جب امانت کو مال غنیمت سمجھ لیا جائے گا اور زکات کو تاوان خیال کیا جائے گا اور جب علم کو دین کے لئے نہیں بلکہ دنیا کے لئے حاصل کیا جائے گا۔ وغیرہ۔۔۔۔ تو سرخ آندھی آنے' زمین میں دھنسے اور صورتیں مسخ ہونے اور پتھر برسنے اور قیامت کی دیگر علامات ظاہر ہونے کا انتظار کرو کہ وہ موتیوں کی ٹوٹی ہوئی لڑی کی طرح یکے بعد دیگرے رونما ہوں گی۔

اس حدیث شریف میں جن علامات قیامت کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے بارے میں واضح طور پر وعید آئی ہے۔

1- مال غنیمت کے بارے میں ارشاد ہے:

اور جان لو کہ جو کچھ تمہیں بطور غنیمت حاصل ہوا اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لئے اور رسول اللہ کے لئے۔ اور آپ کے قرابت داروں کے لئے یتیموں کے لئے مسکینوں کے لئے اور مسافروں کے لئے ہے۔ (اور اس حکم پر عمل کرو۔) اگر تم اللہ پر اور اس کے رسول پر نازل ہونے والی کتاب پر ایمان رکھنے کے مدعی ہو۔ (انفال:۔41)

ایک اور جگہ قرآن نے مال غنیمت کو اللہ اور رسول کے لئے ہی قرار

Marfat.com

دیا۔ (انفال آیت ۔1)

مال غنیمت جہاد میں فتح کے بعد ہاتھ لگتا ہے۔ اس لئے جہاد کی مقصدیت حصول مال و دولت نہیں بلکہ اللہ کے دین کی تبلیغ اور اس کا غلبہ قائم کرنا ہوتا ہے۔ جیسا کہ علامہ اقبال نے مسلمان سے کہا ہے:

ع حفظ و نشر لا الٰہ مقصود تُست

2۔ امانت میں خیانت کرنا یا اسے ہڑپ کر جانا بہت گھٹیا حرکت ہے۔ لوگ رسولؐ خدا کے پاس اپنی امانتیں رکھتے تو آپ ان کی حفاظت پوری طرح فرماتے اور جب تک امانت کو واپس نہ لوٹا دیتے چین سے نہ بیٹھتے۔ ہجرت مدینہ کے وقت بھی آپ کے پاس لوگوں کی امانتیں تھیں۔ چنانچہ حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر سلا کر رات کے وقت آپؐ عازم مدینہ ہوئے تاکہ وہ لوگوں کی امانتیں واپس لوٹا کر بعد میں ہجرت کر آئیں۔ اس واقعہ سے امانت کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے۔

لَا دِیْنَ لِمَنْ لَا اَمَانَۃَ لَہٗ

"یعنی اس کا کوئی دین نہیں جس کو امانت کا پاس نہیں۔"

قرآن حکیم میں ارشاد ہے۔ کہ اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتوں کو ان کے اہلؑ کو پہنچا دو۔ (نساء ۔ 58)

مومنوں کی صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِاَمٰنٰتِھِمْ وَعَھْدِھِمْ رٰعُوْنَ۔

"مومن حضرات اپنے پاس رکھوائی ہوئی امانتوں اور اپنے وعدوں کی پاسداری کرتے ہیں۔" (مومنوں ۔ 8)

3۔ نماز کے ساتھ زکوٰۃ ادا کرنے کی بھی تلقین کی گئی ہے۔ کیونکہ یہ امیروں کے پاس وہ مال ہوتا ہے جو غریبوں اور ناداروں کا حصہ ہے۔ نیز زکوٰۃ روپے کے ارتکاز کو روکنے کا قدرتی ذریعہ ہے کیونکہ اس طرح زکات کے خوف سے امراء حضرات اپنے خزانوں کو دبائے رکھنے کی بجائے اس کو تجارت وغیرہ میں لگا کر عوام کے لئے فلاح کے مواقع پیدا کرنے کا سوچیں گے۔ نیز مال کو تجارت میں نہ لگانے سے اسے زکوٰۃ کھا جاتی

Marfat.com

ہے۔ مال تجارت میں لگانے سے روپے کے ریل پیل بڑھتی ہے اور معاشی انقلاب آتا ہے غریبوں کی غربت دور ہونے کے اسباب بنتے ہیں۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ان لوگوں کو وعید سنائی گئی ہے۔ جو سونے چاندی کو خزانوں میں بند کرکے رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو ان کو دردناک عذاب ہوگا۔ پس زکوٰۃ کھلے دل سے ادا کرنی چاہئے۔ لیکن جب اسے تاوان۔ یا جرمانہ سمجھ کر ادا کرنے سے گریز کیا جائے گا۔ تو معاشی تباہی آئے گی۔

4' 5۔ ماں مقدم ہے بیوی پر۔ لیکن اگر مرد ماں کی تقدیس کو نظر انداز کرکے صرف بیوی کا ہو کر رہ جائے تو یہ بات بھی معاشرے میں اخلاقی قحط کا باعث ہوگی۔ اور اگر ماں تو ایک طرف خود بھی اس کی غلامی پر مائل ہو تو اس کی یہ حرکت معاشرے میں مردانہ وقار اور وجاہت کو نابود کرکے رکھ دے گی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جہاں اپنے حق کا ذکر کیا ہے۔ وہاں والدین کی طرف بھی توجہ دلائی ہے۔

وَاشْكُرْلِيْ وَلِوَالِدَيْكَ یعنی میرا شکر کرو اور اپنے والدین کا بھی۔) اور عورتوں کے مقابلہ میں بھی مردوں کی فضیلت یوں بیان کی ہے۔

1۔ اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ۔ یعنی مردوں کو عورتوں کا حاکم بنایا گیا ہے۔

2۔ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَه۔ اور مردوں کو عورتوں پر فوقیت دی گئی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر بندوں کو بندوں کے لئے سجدہ روا ہوتا ہے تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔ (عن ابوہریرہ۔ مشکوٰۃ)

نیز فرمایا کہ۔۔۔۔۔۔ ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہے: پس ماں کو عزت نہ دینا جنت کو ٹھکرانے والی بات ہے۔

6' 7۔ بیٹا گھر میں ماں کی عزت نہیں کرتا۔ کیونکہ بیوی کے سحر میں گرفتار ہے۔ باہر وہ والد کو اہمیت نہیں دیتا بلکہ اپنے دوستوں کے ساتھ زیادہ حسن سلوک سے پیش آتا ہے۔ یہ بھی ایک قسم کی اخلاقی برائی ہے۔ جو احسان فراموشی کے زمرے میں آتی ہے۔ قرآن حکیم میں بارہا والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین کی گئی ہے۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْ اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا (بنی اسرائیل۔ 26)

Marfat.com

"اور تیرے رب کا حکم ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو
اور والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔"

حدیث شریف میں آتا ہے کہ آدمی کا اپنے والدین کو برا کہنا گناہ کبیرہ ہے (عبداللہ عمر رضی اللہ عنہما) والد کا حق پہلے اور دوست کا حق بعد میں ہے والد سے بے اعتنائی اور دوست کے ساتھ مروت برتنا جہالت کے علاوہ بے حیائی بھی ہے۔ بے حیائی فحاشی کو ہی نہیں کہتے بلکہ جب بھی کوئی شخص بے انصافی' زیادتی اور مستحق شخص کے ساتھ بے مروتی کا مرتکب ہو تو یہ بھی بے حیائی ہے۔ کیونکہ کوئی شخص خود معزز ہو اور اس کا باپ ذلت ناک حالت میں ہو تو معزز شخص کو شرم محسوس ہوتی ہے۔ تو پھر کوئی یہ کس طرح برداشت کرتا ہے کہ وہ اپنے باپ کا دھتکار دے اور دوست کو خوش آمدید کہے۔ یہ قرآن و سنت کی صریح خلاف ورزی ہے۔ جو خدا کے غضب کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔

8۔ مسجدوں میں شور و غوغا ان کی حرمت کے منافی ہے یہاں اللہ کے ذکر کا حکم دیا گیا ہے۔ اور جو اللہ کے ذکر سے منع کرے اسے قرآن میں سب کے بڑھ کر ظالم کہا گیا ہے۔ (بقرہ ـ 114)

مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ؄ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آبادیوں میں اللہ کے نزدیک محبوب ترین مقامات مساجد ہیں۔ اور بدترین مقامات بازار اسی طرح مساجد یں خرید و فروخت کرنا سخت منع ہے۔ کوئی شخص مسجد میں سوال نہ کرے۔

9۔ رذیل وہ شخص ہوتا ہے جو اخلاق حسنہ سے معرا ہو۔ حرام خور ہو' شرابی ہو' زانی ہو' جھوٹا ہو فریبی ہو۔ وغیرہ اور ایسے شخص کو اگر کسی وجہ سے لوگ اپنا سربراہ بنانے کے لئے مجبور ہو جائیں تو اس سے بڑی ان کی بدقسمتی اور کیا ہو گی۔ زیر مطالعہ حدیث میں حضور نے یہی بات واضح فرمائی ہے۔

10۔ اسی طرح بدمعاش اور بدقماش شخص کو معزز سمجھنا بھی اخلاقی گراوٹ ہے کہ اگر اسے ایسا نہ سمجھا گیا یا اس پر انگلی اٹھانے کی کوشش کی تو وہ شخص ضرر پہنچائے گا یا درپے آزار ہو جائے گا۔ یہ صورت حال بھی معاشرے کے لئے لعنت سے کم نہیں۔ اور حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جس نے ظالم کا ساتھ دیا اللہ اس پر اسی ظالم کو مسلط کر دے

Marfat.com

گا۔ نیز فرمایا افضل ترین جہاد جابر بن سلطان کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے۔

11، 12۔ اسی طرح شراب بھی حرام ہونے کے باوجود اگر عام پی جانے لگے تو منکرات کا رواج بڑھے گا۔ ریشم مردوں کے لئے حرام ہے چنانچہ آپ ؐ کا ارشاد ہے کہ ریشم اور سونا میری امت کے مردوں کے لئے حرام ہے (ابو موسیٰ اشعری) نیز فرمایا جس مرد نے دنیا میں ریشم پہنا وہ آخرت میں نہ پہنے گا۔

13، 14۔ گانا بجانا لغویات میں شمار ہوتا ہے۔ موسیقی اپنی جگہ ایک علم ضرور ہے لیکن یہ دل کو غافل کرتا ہے۔ اور انسان خدا کو بھول کر اسی میں مگن ہو کر رہ جاتا ہے۔ بعض لوگ اسے روح کی غذا کہتے ہیں حالانکہ اگر یہی بات ہوتی تو قرآن اہل ایمان کی یہ صفت نہ بتلاتا کہ وہ لغویات سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ (مومنون ۔ 3)

15۔ اسی طرح اسلاف کو برا کہہ کر اپنی شان کے ڈنکے بجانا بھی کمینہ پن ہے۔ اور ان سب برائیوں کی حضور ؐ نے مذمت فرمائی ہے تاکہ لوگ عذاب الٰہی سے ڈریں اور۔ ان برائیوں سے اجتناب کریں۔

دوسرے لفظوں میں ریشم مردوں کے لئے حرام ہے۔ اسی طرح سونا پہننا بھی مردوں کے لئے حرام ہے۔ لیکن آج کے دور میں یہ دونوں قباحتیں بڑی تیزی سے آگے بڑھ رہی ہیں۔ جو عذاب خداوندی کو دعوت دینے والی ہیں۔ لیکن ان کو رواج دینے والے تاویلات کا سہارا لے کر یا بڑی ڈھٹائی سے اپنی جگہ سے ہلنے کو تیار نہیں۔ اسی طرح گانا بجانا۔۔۔۔۔۔۔ اور آلات موسیقی کا استعمال بھی اسلام میں منع ہے کیونکہ اس سے انسان غفلت کا شکار ہو جاتا ہے۔ لیکن لحن داؤدی کے حوالے سے ان افعال کو جائز قرار دینے کی کوشش کی جاتی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ جب اظہار مدعا کے لئے الفاظ ختم ہو جائیں تو موسیقی کی زبان کا مرحلہ آجاتا ہے۔ کیونکہ موسیقی کی کوئی زبان نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند فرماتا ہے۔ لحن داؤدی کا تعلق بھی آواز کے جمال و تجمل سے ہے کیونکہ حضرت داؤد کی قرأت زبور کو سن کر جانور بھی لطف اٹھاتے تھے۔ (قرآن) لیکن عورتوں کا گانا بجانا پاکیزہ کی بجائے انسان کے سفلی جذبات کو انگیخت کرتا ہے اور موسیقی اس سونے پر سہاگے کا کام کرتی ہے۔ لہذا حضور ؐ نے ایسے لہو و لعب سے منع فرمایا ہے۔ لیکن آجکل یہ چیزیں فن اور فنکار بن کر عزت اور شہرت کی بلندیوں کو چھو سے

Marfat.com

لگی ہیں۔

اسی طرح یہ انسان حرص و آز کا پتلا ہے۔ لیکن جب تک ہمارے اسلاف نے درگذر سے کام لیا اور اپنے سے پہلے والے لوگوں کی اچھی کارکردگی کو اچھا سمجھا اور اس کو مزید ترقی دی تو ہماری کامیابی کا لوہا دنیا نے مانا۔ لیکن جب سے "ہر کہ آمد عمارت نو ساخت" (جو کوئی نیا آیا اس نے پہلی عمارت کو ڈھا کر اس کی جگہ نئی عمارت بنا لی) کو مسلمان حکمران نے وطیرہ بنا لیا اور پہلے والے لوگوں کے اچھے کاموں کی بھی تعریف نہ کی اور ان کے جاری کام کو آگے نہ بڑھایا تو گویا قوم کو تنزل کی راہ پر ڈال دیا۔ اسی طرح اگلے سے اگلے لوگوں نے اپنے پیشرووں کو برا بھلا کہا اور ان کے جاری اچھے کام نہ صرف روک دیئے بلکہ ان کا نام و نشان تک مٹا دیا۔ تو یہ رویہ زندہ قوموں کو مٹانے کا حربہ بن کر سامنے آیا۔ آجکل کی جمہوری حکومتیں بھی اس معاملے میں پیش پیش ہوتی ہیں کہ جمہوریت میں ایسے حربے جائز بلکہ ناگریز ہوتے ہیں ورنہ اقتدار کی دیوی کا وصال ناممکن ہو جاتا ہے۔ یہ صورت حال انسان کے عمرانی فلسفہ کے ترقیاتی مقاصد کو سخت زک پہنچاتی ہے۔ چنانچہ زیر مطالعہ حدیث شریف میں بیان کردہ افعال سے احتراز کی تلقین کی گئی ہے۔ ورنہ------ عذاب الٰہی------ کا آنا------ اٹل حقیقت ہو گی۔ اللہ تعالٰی اپنی ناراضی اور غضب سے ہمیں محفوظ رکھے (آمین)

18۔ عن عوف بن مالك قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول خيار ائمتكم الذين تحبونهم ويحبونكم و تصلون عليهم ويصلون عليكم وشرار ائمتكم الذين تبغضونَهُمْ ويبغضونكم و تلعونهم ويلعنونكم۔ (مسلم)

لغت۔ سَمِعْتُ۔ میں نے سنا۔ ائمہ۔ سردار۔ تصلون۔ تم دعا کرو۔ شرار۔ برے۔ تبغونَهُمْ۔ تم ان سے بغض رکھو۔ یلعونکم۔ وہ تم پر لعنت کریں۔

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا---- کہ تمہارے بہترین سردار وہ ہیں جن سے تم محبت رکھو اور وہ تم سے محبت رکھیں تم ان کے لئے نیک دعائیں کرو۔ وہ تمہارے حق میں نیک دعائیں کریں۔ اور تمہارے بدترین حاکم وہ ہیں کہ جو تم ان سے بغض رکھو اور وہ تم

Marfat.com

سے بغض رکھیں تم ان پر لعنت بھیجو۔ اور وہ تم پر لعنت بھیجیں۔

اسلامی ریاست کا قیام مسلمانوں کے لئے فرض ہے تاکہ وہ اسلامی حکومت قائم کرکے اللہ کے قوانین اور ارشادات کے مطابق اسلامی فلاحی معاشرہ قائم کرسکیں جہاں دنیوی فلاح کے ساتھ ساتھ اخروی فلاح کی ضمانت بھی مل سکے۔ اسلامی ریاست میں عادل حکمران کا وجود بھی لازمی ہے۔ جو لوگوں کا خیر خواہ ہو اور لوگ اس کے خیر خواہ ہوں۔ وہ لوگوں کا ہمدرد اور ان سے محبت کرنے والا اور ان کا قدردان ہو اور لوگ بھی اس کے ساتھ محبت کریں اور اس کا احترام بھی کریں۔ اور اس کے فلاحی اقدامات کی قدر کریں حضور علیہ السلام نے ایسے حاکم کو بہترین قرار دیا ہے۔ دوسری طرف برے حاکم کی نشاندہی فرمائی ہے جس کا سلوک عوام سے اچھا نہ ہو اور عوام بھی اس کو اچھا نہ سمجھیں۔

حضرت عمر بن خطاب ﷺ کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک مرتبہ کے اعتبار سے بہترین شخص لوگوں سے نرمی برتنے والا حاکم عادل ہے۔ اور بدترین۔ حاکم وہ ہے جو لوگوں پر سختی اور ظلم روا رکھے۔ (بیہقی) ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا کہ سلطان زمین پر خدا کا سایہ ہوتا ہے۔ اور مظلوم لوگ اس کے ہاں پناہ حاصل کرتے ہیں۔ جب وہ عدل کرتا ہے تو اسے ثواب ملتا ہے اور لوگوں پر اس کا شکر واجب ہے اور جب ظلم کرے تو وہ گنہگار ہوتا ہے اور رعیت کو صبر سے کام لینا چاہئے۔ (بیہقی) نیز فرمایا : كَمَا تَكُونُونَ كَذَالِكَ يُؤَمَّرُ عَلَيْكُمْ یعنی جیسے (اچھے یا برے) تم ہو گے ویسے ہی (اچھے یا برے) تم حاکم مقرر کئے جائیں گے۔ (بیہقی۔ عن یونس بن اسحاق عن ابیہ)

بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابی بکرہ ﷺ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ خبر پہنچی کہ:

اَنَّ اَهْلَ فَارِسَ قَدْ مَلَّكُوْا عَلَيْهِمْ بِنْتَ كِسْرىٰ ـــــ قَالَ لَنْ يُّفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا اَمْرَهُمْ اِمْرَاَةً (مشکوۃ کتاب الامارہ بحوالہ بخاری)

"اہل فارس نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنی حکمران بنا لیا ہے تو فرمایا"

ـــــ وہ قوم کبھی فلاح نہ پائے گی جس نے اپنے ملک کی حکمران

Marfat.com

ایک عورت کو بنالیا۔"

حکومت اور عوام کے درمیان زیادہ فاصلہ نہ ہونا چاہئے بلکہ افہام و تفہیم کے جذبے سے حکومت اور عوام مل کر اسلامی حکومت کا بول بالا کریں۔

حاکم عادل کی اطاعت اس وقت تک فرض ہے جب تک وہ گناہ کا حکم نہ دے۔ قرآن حکیم میں اللہ اور رسول اللہ اور مسلمان حاکم کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ (نساء۔ 59)

حاکم کے نائب بھی ہوتے ہیں۔ حضرت انس کہتے ہیں کہ قیس بن سعد رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کوتوال کا درجہ رکھتے تھے جیسا کہ امیر و حاکم کے ہوتا ہے۔ (بخاری و مشکوۃ کتاب الامارہ)

19۔ عن ابی سعید عبدالرحمٰن بن سمرہ قال قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا عبدالرحمن بن سمرہ۔۔۔۔۔۔! لا تسال الامارہ فانك ان اعطیتھا عن غیر مسئله اعنت علیھا وان اعطیتھا عن مسئله وکلت الیھا واذا حلفت علی یمین فرایت غیرھا خیراً منھا فاتِ الذی ھو خیر و کفر عن یمینك۔ (بخاری و مسلم)

لغت= لِی۔ میرے لئے۔ مجھے۔ الامارہ۔ (امارت) عہدہ۔ منصب۔ اعنت۔ تو مدد کیا جائے گا۔ وکلت الیھا۔ تجھے اسی کے سپرد کیا جائے گا۔ حلفت علی یمین۔ تو نے قسم اٹھائی۔ فرایت۔ پس تو دیکھے۔

حضرت ابو سعید عبدالرحمٰن بن سمرہ کہتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اے عبدالرحمٰن بن سمرہ! (حکومت کا) عہدہ کبھی طلب نہ کر کیوں کہ اگر تجھے عہدہ بغیر مانگے دیا جائے گا۔ تو (اس عہدہ پر پورا اترنے کے لئے) تیری مدد اللہ کی طرف بھی کی جائے گی اور اگر تو نے مانگ کر عہدہ لیا ہو گا تو تجھے (اس عہدہ سے عہدہ برا ہونے کے لئے) اسی (عہدہ) کے سپرد کر دیا جائے گا (اور اللہ کی طرف سے تیری مدد نہیں ہو گی۔) اور جب تو کسی بات پر قسم اٹھائے اور بعد

Marfat.com

میں تجھے پتہ چلے کہ دوسری بات زیادہ بہتر تھی (تو دوسری بات کو اختیار کرلے اور) تو اپنی قسم کا کفارہ ادا کردے۔"

جیسا کہ اس سے پچھلی حدیث کی وضاحت میں عہدہ طلب نہ کرنے کا حکم ہے۔ اس حدیث میں خود عہدہ طلب کرنے اور پانے کا نقصان بیان کیا گیا ہے۔

مشکوۃ شریف میں (بخاری ومسلم کے حوالہ سے) حضرت ابی موسیٰ رضی اللہ سے مروی ہے کہ میں حضور علیہ السلام کی خدمت میں خود اور اپنے دو چچا زاد بھائیوں کے ساتھ حاضر ہوا۔ ان میں سے ایک نے حضور سے کہا کہ یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو حاکم و والی بنایا ہے۔ تو ہمیں بھی آپ بعض کاموں یا مقامات میں والی یا حاکم بنا دیں۔ اور دوسرے نے بھی ایسی ہی خواہش کا اظہار کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خدا کی قسم ہم امور دین و شریعت کا والی اس شخص کو مقرر نہیں کیا کرتے جو ہم سے ولایت یا عہدہ کا طلبگار ہو اور نہ اسے جو اس کی حرص رکھتا ہو۔ اور ایک روائت میں ہے کہ ہم اپنے ہاں ایسے شخص کو عامل نہیں بناتے جو اس کا ارادہ رکھتا ہو۔ (مشکوۃ جلد دوم کتاب الامارہ والقضاء حدیث نمبر3512)

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عہدہ طلب کرنا جائز ہے جیسا کہ سورۃ یوسف میں ہے کہ یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر سے کہا کہ مجھے زمین کے خزانوں پر حاکم مقرر کردے کیونکہ میں حفاظت کرنے اور ان کا حساب کتاب رکھنے کا بھی ماہر ہوں۔ (یوسف)

لیکن وہ یہ بات بھول جاتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ مطالبہ اس وقت کیا تھا جب عزیز مصر نے آپ کو اپنا مصاحب اپنی مرضی سے بنالیا تھا۔ جب آپ کو مصاحبت کے منصب کے لئے چن لیا گیا تو آپ نے ملک و قوم کی بہتری کی خاطر اپنے فیلڈ کی نشاندہی فرما دی چنانچہ بادشاہ نے آپ کو آپ کے پسندیدہ فیلڈ میں لگا دیا۔ اس سے مذکورہ بالا حدیث کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ کہ پہلے حاکم کی طرف سے عہدہ کی پیشکش کا مرحلہ آتا ہے اور بعد ازاں اس کی قبولیت ----- اور فیلڈ کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ لیکن یہاں پر ایک اہم بات نوٹ کرنے کی ہے۔ وہ یہ کہ جب حاکم یا حکومت کی طرف سے پیشکش کی جائے کہ فلاں کام کے لئے اہلکاروں کی ضرورت ہے تو گویا یہ وہی معاملہ ہوا کہ

Marfat.com

خدمات کی پیشکش حکومت یا حاکم نے کر دی تو اب اپنے اپنے فیلڈ کے مطابق خدمات متعلقہ قبول کرنے کا مرحلہ آتا ہے۔ اور چونکہ ایسے درخواست گذاروں کی تعداد اسامیوں کے لحاظ سے بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اس لئے (حکومت یا) حاکم پیش کش قبول کرنے والوں میں سے زیادہ اہل لوگوں کا انتخاب کر لیتے ہیں۔ اور یہ جو انٹرویو کا سلسلہ ہوتا ہے دراصل اس کی بنیاد اس امر کا پتہ لگانا ہوتا ہے کہ آیا خدمات کی پیشکش قبول کرنے والا حرص و آز اور خود غرضی کا شکار تو نہیں۔ بہرحال عہدہ کے طلب گار کو حضورؐ نے عہدہ کے قابل نہیں سمجھا۔

قسم اور کفارہ

اگر بطور عامل کوئی شخص کسی امر میں قسم کھا لے اور اسے بعد میں پتہ چلے کہ بہتر صورت حال دوسری ہے تو حضورؐ کا ارشاد ہے کہ اسے بہتر صورت حال کے مطابق عملدرآمد کر لینا چاہئے۔ اور قسم کا کفارہ دے دینا چاہئے۔ جس کا ذکر سورۃ مائدہ کی آئت 82 میں ملتا ہے۔ اور ایک غلط یا کمتر مفید بات کو اس لئے نافذ نہ کرنا چاہئے کہ اس کے لئے قسم کھائی جا چکی ہے۔ یہ ضد بازی اور اصرار تکبر اللہ اور اس کے رسولؐ کو پسند نہیں۔

20۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سبعہ یظلھُمُ اللہ فی ظلہ یوم لا ظل الاظلہ۔ امام عادل و شاب نشاء فی عبادہ اللہ ورجل قبہ معلق بالمسجد اذا خرج منہُ حتی یعود الیہ ورجلان تحابا فی اللہ اجتمعا علیہ وتفرقا علیہ ورجل ذکر اللہ خالیا فضاضت عیناہ ورجل دعتہ امراۃ ذات حسب و جمال فقال انی اخاف اللہ ورجل تصدق بصدقہ فاخفاھا حتی لا تعلم شمالہ ماینفق یمینہ (بخاری۔ کتاب الحدود)

لغت= سبعہ۔ سات۔ یَظِلُّھُمُ اللہ۔ اللہ ان کو سایہ کرے گا۔ شاب جوان۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ (قیامت کے دن) اللہ تعالی سات طرح کے آدمیوں کو اپنے سایہ میں جگہ دے گا جس دن اللہ کے سایہ کے سوا کوئی اور سایہ نہ ہو گا۔ یعنی:

ایک فارسی شعر ہے:

در جوانی توبہ کردن شیوہ پیغمبری است

Marfat.com

وقت پیری گرگ ظالم می شود پرہیز گار

"یعنی جوانی میں توبہ کرنا پیغمبروں کا شیوہ ہے کہ بڑھاپے میں بھیڑیا ظالم بھی پرہیزگار بن جاتا ہے۔"

1- امام عادل۔

2- اللہ کی عبادت میں مگن نوجوان۔

3- جس شخص نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا اور (اللہ کے ڈر یا اس کی شان کبریائی کے تصور سے) اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

4- وہ شخص جس کا دل مسجد میں اٹکا رہتا ہے۔

5- جو دو اشخاص ایک دوسرے سے محض اللہ کے لئے محبت رکھتے ہیں۔

6- اور وہ شخص (مرد) جو کسی امیر کبیر گھرانے کی صاحب حسن و جمال خاتون کی طرف سے دی جانے والی دعوت عیش و نشاط یہ کہہ کر ٹھکرا دے کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے ڈر لگتا ہے۔

7- اور وہ شخص جو اس قدر راز داری سے صدقہ دے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو خبر تک نہ ہو کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا کیا۔

تشریح

1- اللہ تعالیٰ مالک الملک ہے اور کسی ملک کی بادشاہی یا حکمرانی اس شخص کو عطا فرماتا ہے۔ جسے وہ چاہے اور اس سے ملک و حکومت چھین لیتا ہے جس سے چاہے۔ اسی کے ہاتھ میں خیر و برکت ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت کاملہ رکھتا ہے۔ پس جس کو حکومت ملی اور وہ بھلائی اور خیر خواہی کے ساتھ نگہبانی کا فریضہ نہ نبھائے تو وہ بہشت کی خوشبو بھی سونگھنے نہ پائے گا۔ (مسلم عن عبداللہ بن عمرو بن العاص)

حضور ؐ نے فرمایا۔۔۔ قیامت کے دن اللہ کی بارگاہ میں سب سے محبوب اور مرتبہ میں اللہ کے قریب ترین حاکم عادل ہو گا اور ظالم حاکم بدترین اور ذلیل ترین ہو گا۔ (ترمذی عن ابی سعید ؓ)

حضور ؐ نے چودھراہٹ کو ایک حق قرار دیا ہے اور فرمایا چودھریوں کا وجود بھی ضروری ہے لیکن یہ کہ اکثر چودھری دوزخی ہوں گے۔ (ابوداؤد عن غالب القطان [illegible]) -

Marfat.com

جلد 2 حدیث 3528)

بہرحال عدل و انصاف اللہ کی صفت ہے اور انسان کو اللہ کی صفات کی پیروی میں عدل سے کام لے کر اخروی نجات حاصل کرنی چاہئے۔ خواہ وہ حاکم ہوں یا محکوم۔۔۔۔ کیونکہ ہر ایک مسئول ہے۔

2۔ جوانی میں یاد خدا کی عادت بھی اللہ کی نعمت ہے۔ جوانی میں توبہ کرنا۔ پیغمبروں کا شیوہ ہے کیونکہ بڑھاپے میں ظالم بھیڑیا بھی پرہیز گاروں کا روپ دھار لیتا ہے۔

3۔ اللہ کو تنہائی میں یاد کرکے اس کے خوف سے رو پڑنا۔۔۔۔ بھی اللہ کو اس قدر پسند ہے کہ قیامت کو ایسا شخص اللہ کے سایہ میں ہو گا۔

4۔ مسجد اللہ کا گھر ہے۔ مسجد میں جن کا دل لگتا ہے وہ بڑے مقبول لوگ ہوتے ہیں۔ حضورؐ کا ارشاد ہے منافق مسجد سے بھاگتا ہے۔ اور مومن مسجد میں اس طرح خوش و خرم ہوتا ہے جیسے پانی میں مچھلی' مسجد کو بہترین جگہ اور بازاروں کو بدترین مقامات کہا گیا ہے۔ (مشکوۃ باب المساجد)

5۔ الحُبُّ لله وَالبُغضِ اللهِ۔۔۔ اسلامی معاشرہ کا رہنما اصول ہے۔ سب مسلمان بھائی بھائی ہیں (قرآن) اور ان کا آپس میں محبت اور اتفاق سے رہنا اور کسی خود غرضی یا لالچ کا شکار نہ ہونا۔۔۔۔ اللہ کے نزدیک پسندیدہ عمل ہے۔

6۔ بدکرداری سے بچنا چاہئے۔ حدیث میں ہے کہ جب کوئی شخص زنا کا ارتکاب کرتا ہے تو اس ارتکاب کی مدت کے دوران مسلمان زناکار کا ایمان اس کے بدن سے نکل کر دور جا کر کھڑا ہو جاتا ہے اور جب وہ منہ کالا کرکے فارغ ہوتا ہے تو دوبارہ ایمان بدن میں داخل ہو جاتا ہے۔ گویا زناکاری انتہائی گھناؤنا فعل ہے۔ پس جو کوئی زنا سے بچے اور اللہ کا ڈر مانے اور زنا بھی ایسا مرغوب قسم کا کہ دعوت دینے والی حسینہ و جمیلہ اور خاندانی عورت ہو تو ایسے موقع پر اللہ کی توفیق سے ہی بچا جا سکتا ہے۔ اور ایسا شخص قیامت میں اللہ کے سایہ میں ہوگا۔

7۔ اسی طرح صدقہ دینا بھی اچھا فعل ہے بشرطیکہ اس کے پیچھے دل آزاری اور ریاکاری نہ ہو۔ ریاکاری کسی بھی معاملے میں ہو قابل مذمت ہے اور ایسی سعی کو نامشکور

Marfat.com

حصّہ سوم

اسلام اور جدید افکار

سیاسی نظام:

(الف) اسلامی معاشرہ اور حکومت

(1) اسلام کا معاشرتی نظام

(2) اسلام میں سیاست اور ملوکیت کا تصور

(3) طرز حکومت (مختلف نظامہائے حکومت کا تذکرہ)

(4) خلافت

(5) شوریٰ

(6) بیعت

(ب) تحریک پاکستان

(1) تحریک پاکستان کا پس منظر

(2) دستور پاکستان

(3) دستور پاکستان میں اہم اسلامی دفعات

(4) قرار داد مقاصد

Marfat.com

اسلام کی معاشرتی تعلیمات

معاشرہ کی تعریف

معاشرہ کی ابتدا کے بارے میں مختلف نظریات

اسلامی معاشرہ کی خصوصیات

معاشرہ کا مادہ ع ش ر ہے۔ عشر کے معنی ہیں۔ دس جبکہ العشر یا العشیر دسویں حصے کو کہتے ہیں۔ عشر کے معنی مل جل کر رہنا بھی ہیں۔ عَاشَرُوْا کا مطلب ہے "وہ لوگ مل جل کر رہے" اسی سے معاشرہ ہے۔ (عَشِیْرَۃُ الرَّجُلِ کے معنی ہیں آدمی کے باپ کی قریبی اولاد یا قبیلہ۔ اور راغب اصفہانی نے اس کے معنی "آدمی کے اقربا پر مشتمل جماعت" لکھے ہیں اور اَلْمَعْشَرُ جماعت یا گروہ کو کہتے ہیں جو مل جل کر رہتا ہو۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے:

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ

(رحمٰن:33)

"اے گروہ جنات وانسان! اگر تم میں آسمانوں اور زمین کے کناروں سے باہر نکل جانے کی طاقت ہے تو نکل بھاگو بغیر غلبہ اور طاقت کے تم نہیں نکل سکتے"

تو یہاں "معشر" کے معنی ایسے لوگوں کا مجموعہ ہے جو ایک دوسرے کے ساتھی ہوں اور مل جل کر تعاون کی فضا میں رہ رہے ہوں۔ تو معاشرہ بھی ایسے لوگوں کا مجموعہ

Marfat.com

ہوتا ہے۔ جو مل جل کر رہیں، اور ایک دوسرے سے تعاون کریں اور جہاں تعاون کی فضا قائم نہ رہے تو وہاں سے معاشرہ میں تفریق وانفصال کی حد شروع ہو جاتی ہے۔ مثلاً دو قومیں انسان ہوتے ہوئے بھی الگ معاشرے کی نقیب ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ معاشرہ ذہنی ہم آہنگی سے تشکیل پاتا ہے جس کی بنیاد مذہب یا لسانی یا جغرافیائی اکائی ہو سکتی ہے مثلاً ہندی معاشرہ' سکھ معاشرہ' یہودی عیسائی یا مسلم معاشرہ یا پنجابی معاشرہ' سندھی معاشرہ ہندو معاشرہ یا ترکی' پاکستانی یا ایرانی معاشرہ' امریکی یا برطانوی معاشرہ وغیرہ۔ لیکن علامہ ابن خلدون نے قومیت کی حقیقی بنیاد مذہب کو قرار دیا ہے۔ باقی سب بنیادیں وقتی یا ناقابل اعتنا ہیں۔ قرآن حکیم میں بھی قومیت کی بنیاد مذہب کو قرار دیا گیا۔ اور آدمؑ سے لے کر آج کے دن تک اللہ کی تعلیمات کے پیرو کار مسلمان اور اس کے منکر کافر قومیت کے نقیب تسلیم کئے گئے ہیں۔

معاشرہ کی ابتداء

انسان پیدائشی طور پر مدنی الطبع ہے۔ وہ دنیا میں آنکھ کھولتا ہے تو والدین کی آغوش محبت میں ہوتا ہے۔ پھر خاندان کے دیگر افراد بھی اس کے اردگرد گھومتے رہتے ہیں۔ اور یہ رشتے عمر کے ساتھ ساتھ اپنی پہچان کراتے چلے جاتے ہیں۔ کوئی ماموں ہے۔ کوئی چچا ہے' کوئی پھوپھا کوئی خالہ' پھوپھی' چچی یا ممانی کوئی دادا' دادی' نانا' نانی وغیرہ اتنے رشتے دار اور سب محبت کرنے والے --- تو اس طرح ایک خاندان -- پھر مختلف خاندان مل کر رہتے ہیں۔ ایک دوسرے کے کام آتے ہیں۔ گاؤں کی سطح سے آگے شہر کی سطح پر معاشرتی زندگی کا ایک دائرہ سامنے آتا ہے حتی کہ ملک کی سطح پر اجتماعی معاشرہ تشکیل پاتا ہے جو اپنے روابط کا دائرہ بین الاقوامی سطح تک وسیع کرتے ہوئے اس میں مختلف ضرورتوں کے تحت ہم آہنگی کی فضا پیدا کرتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ معاشرہ یا انسانی معاشرت کی مختلف سطحیں ہیں۔ اس کے مختلف مراحل ہیں یا اس کے مختلف دائرے ہیں۔ قومیں دین کی بنیاد پر قائم ہوں یا زبان وملک کی بنیادوں پر' انہوں نے جغرافیائی اعتبار سے تشکیل پائی ہو یا وہ پیشہ وارانہ بنیادوں پر تخصیص کی حامل ہوں' انسان مختلف ملکوں' قوموں' پیشوں' علوم وفنون' عادات وخصائل تجارت' صنعت وحرفت اور

Marfat.com

عقائد واعمال سے تعلق رکھنے کے باوجود ایک دوسرے کے ساتھ رابطہ رکھنے پر مجبور ہیں۔

معاشرہ یا سوسائٹی

معاشرہ کے لئے عربی زبان میں عمرانیات کی اصطلاح بھی مستعمل ہے، اور اس مقصد کے لئے مختلف ادوار میں مختلف الفاظ یا اصطلاحات استعمال کی گئی ملتی ہیں مثلاً ظہور اسلام کے وقت اور اس سے کچھ عرصہ پہلے بَدْو۔۔ یا بداوۃ (خانہ بدوش اور صحرا نشین) کے مقابلے میں حَضَرَ اور حَضَارَۃ (متمدن اور شہری زندگی گذارنا) کے الفاظ مستعمل ہوتے تھے (لسان العرب بذیل مادہ بدا و حضر) نیز ایک ساتھ اجتماعی زندگی گذارنے کے لئے مُعَاشَرَۃ اور تُعَاشِرُ (اس سے عشیرۃ خاندان یا معشر گروہ یا قبیلہ) کے الفاظ استعمال کئے گئے۔ اور ابن خلدون غالباً پہلا شخص ہے جس نے معاشرت کے لئے عمرانیات کی اصطلاح وضع کی اور آج کل جدید عربی میں سوسائیٹی کے لئے اِجْتِمَاع یا مُجْتَمِعْ' سوشیالوجی کے لئے "علم الاجتماع" اور شوشیالوجسٹ کے لئے ماہر عمرانیات یا علم الاجتماع کی اصطلاحات مروج ہیں۔ [1] معاشرے کے لئے انگریزی زبان میں لفظ سوسائیٹی استعمال ہوتا ہے جس کا مصدر لاطینی زبان کا لفظ (Socious) ہے جس کے معنی ہیں مل جل کر زندگی گذرانا۔ ارسطو نے کہا تھا کہ:

"انسان ایک معاشرتی حیوان ہے۔ (Man is a Social Animal)

اور روز اول ہی سے انسانکو یہ احساس ہو گیا تھا کہ وہ تنہا زندگی گذارنے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ایک دوسرے کی خدمات سے فائدہ اٹھا کر ہی وہ آگے بڑھ سکتا ہے۔ لہٰذا معاشرہ یا سوسائٹی کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنا خود انسان۔

(1) Written and Literararaty Arabic by J.M. Cowan

A history of Modern بذیل مادہ جمع۔

قبل از اسلام کے بعض معاشروں کی نظریاتی اساس

(1) رومی معاشرہ تین طبقوں میں بٹا ہوا تھا:

(الف) طبقہ امرا: یہ مراعات یافتہ طبقہ تھا جسے موت کی سزا نہ دی جا سکتی۔

Marfat.com

تھی۔

(ب) متوسط طبقہ: یہ طبقہ امرا سے کم درجے کا تھا۔ جس کے لئے غیر معمولی حالات میں سزائے موت جائز تھی۔

(ج) پست طبقہ: یہ دیگر دو طبقات کے خدمت گذار لوگ تھے۔ عورت کا رومی معاشرہ میں کوئی باعزت مقام نہ تھا۔

(2) وادی دجلہ و فرات کے معاشرہ میں طبقاتی تقسیم اس طرح تھی:

(الف) بادشاہ مطلق العنان ہوتا تھا۔ اور اس کا فرمایا ہوا گویا قانون وقت ہوتا۔

(ب) کاہن اور پجاری طبقہ' بادشاہ اور اس کے خاندان کے بعد دوسرے درجے پر فائز تھا۔

(ج) امرا و جاگیرداروں کا طبقہ پیداواری وسائل پر قابض تھا۔ اور پجاریوں کے بعد ان کا درجہ تھا۔

(د) اہل ہنر حضرات کا طبقہ بھی خوشحال تھا اور باا ثر بھی' تاہم امرا کے بعد کا ان کا درجہ تھا۔

(ہ) کاشتکاروں' اور مزدوروں کا طبقہ معاشرت میں پانچویں درجے پر تھا۔ یہ لوگ کمزور اور بے وقعت گردانے جاتے۔ محنت مشقت ہی ان کا اوڑھنا بچھونا ہوتا۔ اور اعلیٰ طبقات ان کا حسب دلخواہ استحصال کرتے اور ان سے بیگار بھی لیتے تب جا کر یہ لوگ زندگی کی گاڑی رواں دواں رکھنے کے قابل ہوتے۔

(ز) غلام' اس معاشرہ میں غلاموں کی حیثیت انسانوں کی بجائے جانوروں کی سی ہوتی۔ اس طبقے میں غلام' لونڈیاں' اسیران جنگ' قیدی اور مقروض سبھی شامل ہوتے یہ ہر قسم کی مراعات سے محروم طبقہ تھا۔ جس کا کوئی پرسان حال نہ ہوتا۔

(3) بابل و نینوا کی معاشرتی صورت حال: جس کا تعلق قبل از تاریخ کے زمانہ سے

Marfat.com

ہے' کچھ قابل رشک نہ تھی۔ شادی کے لئے عورتیں خریدی جاتیں۔ لڑکی کو وراثت سے کچھ نہ ملتا۔ شوہر اپنی بیوی کو فروخت کرنے میں مختار ہوتا۔ ان معاشروں میں بھی طبقاتی تقسیم موجود تھی۔ غلاموں کی خرید و فروخت عام تھی۔

(4) ایرانی معاشرت میں چار طبقے ہوتے جسے ایرانی قانون میں تحفظ دیا گیا ہوتا۔ (1) مذہبی طبقہ' (2) فوجی طبقہ (3) عمال (4) عام پیشہ ور افراد عورت اور غلام کی کوئی عزت نہ تھی۔

(5) ہندوستان میں معاشرہ کو چار طبقوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ اور ایران کی طرح برہمن مذہبی طبقہ اول درجے کا تھا۔ کھشتری یعنی فوجی طبقہ کو دوسرا درجہ حاصل تھا۔ ویش اور شودر تیسرے اور چوتھے درجے کے شہری تھے۔ شوہر کے مرنے پر بیوی کو بھی جل کر خاکستر ہونا پڑتا تھا۔ یہ ستم "ستی" کہلاتی تھی۔ بیوہ کی شادی کرنا حرام تھا۔ بیوہ عورت اگر ستی نہ ہوتی تو عمر بھر نہ نہاتی' نہ بالوں میں کنگھی کر سکتی نہ اچھا لباس پہن سکتی۔ غلاموں کی خرید و فروخت بھی عام تھی۔

(6) مصری معاشرہ میں بادشاہ کو خدا مانا جاتا۔ وہی سب کچھ ہوتا تھا۔ اس کے بعد مذہبی رہبر پروہت کا درجہ تھا۔ اور اس کے بعد عوام کا جن سے بھیڑ بکریوں کی طرح سلوک کیا جاتا۔ شرک اور بت پرستی کا زور تھا۔ عوام پروہتوں اور بادشاہ کے غلام ہوتے۔ یہی حال یونان میں تھا۔ اس کے فلسفیوں نے البتہ معاشرے کو تہذیب سے روشناس کرانے میں کافی اچھا کردار ادا کیا۔ بنی اسرائیل موسیٰؑ کے پیروکار تھے۔ لیکن یہ لوگ اپنے انبیاءؑ کا مذاق اڑاتے' اور انہیں قتل تک کر ڈالتے تھے۔ بیوہ عورت کو دوسری شادی کی اجازت نہ تھی۔ غلاموں کی خرید و فروخت بھی ممنوع نہ تھی۔ دولت کی پوجا کی جاتی تھی۔ عیسائی معاشرہ حضرت عیسیٰؑ کا پیروکار ہونے کا مدعی تھا۔ مگر ان کی اصل تعلیمات میں تحریف

Marfat.com

کر دی گئی۔ طلوع اسلام سے قبل عرب معاشرہ بھی ظلم و ستم اور تاریکی میں انتہاء کو چھو رہا تھا۔ صدیوں تک چلنے والی دشمنیاں اس کا طرح امتیاز تھیں۔ ابراہیمی علیہ السلام تعلیم چھوڑ کر یہ لوگ شرک میں مبتلا ہو چکے تھے۔ بیٹیوں کو زندہ دفن کر کے فخر و مباہات کا اظہار کیا جاتا۔

تمدن کی صورتیں

(1) حسی تمدن یا طرز معاشرت کا خاصہ یہ تھا کہ جو بات یا چیز حس یا ادراک میں نہ آئے اس کا انکار کر دیا جاتا۔ اس طرح دہریت وجود میں آئی۔ لوگ خدا کے منکر ہو گئے۔ عاد و ثمود اور دیگر ایسی اقوام جو دہریت کا شکار تھیں حسی تمدن کی علمبردار تھیں۔ یہ لوگ بڑی بڑی عمارتیں بھی بنواتے تھے اور نظر آنے والے خداؤں (بتوں) کی پرستش کرتے تھے نیز یہ مرنے کے بعد والی زندگی سے منکر تھے۔

(2) عقلی تمدن اور طرز معاشرت کی بنیاد عقل پر رکھی گئی تھی۔ جو بات یا چیز عقل سے ماورا ہو اس کا انکار کرنا اس کا شیوہ تھا۔ نیز ہر برائی کے لئے عقلی دلائل مہیا کر کے اس کا جواز تلاش کرنا اس طرز معاشرت میں ہوس ملک گیری' وطنیت پرستی' لذت پرستی' جنس پرستی اور ایسی ہی بے شمار قبیح رسومات جڑ پکڑ لیتی ہیں۔ یہ بھی حسی تمدن کی ایک شاخ ہے اور ان ہر دو طرز معاشرت میں اخلاق اور پاکیزگی کا جنازہ نکل جاتا ہے۔

(3) الہامی تمدن یا طرز معاشرت یہ سب سے قدیم طرز معاشرت ہے جس کو اجاگر کرنے کے لئے دنیا میں ایک لاکھ چوبیس ہزار کے قریب انبیاءؑ دنیا میں مبعوث کئے گئے۔ اس کی بنیاد وحی الٰہی پر استوار ہوتی ہے۔

معاشرہ یا سوسائٹی کی مختلف تعریفات

ماہر عمرانیات ایف ایچ گڈنگ (Gidding) کہتا ہے۔

"معاشرہ ایک جیسے خیالات رکھنے والے افراد کا مجموعہ ہوتا ہے جو

Marfat.com

ہم خیالی کا شعور رکھتے ہیں اور اسی بناء پر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتے ہیں"

ڈاکٹر جوزف منگلم کی رو سے

"انسانی معاشرہ ایک بڑا گروہ ہوتا ہے جو اپنے ارکان کی بنیادی ضروریات کا ضامن ہوتا ہے اور اس کی کم از کم میعاد تین نسلیں ہوتی ہیں"

راس (Ross) کا خیال ہے کہ:

"معاشرہ افراد کا وہ پائیدار اتحاد ہے جو مشترکہ عمل سے عوامی بھلائی کی خاطر اپنی قوتوں کو استعمال میں لاتا ہے"

برٹرینڈر سل کہتا ہے:

"معاشرہ افراد کا ایسا گروہ ہے جس میں لوگ اپنی پوری زندگی گذار دیتے ہیں"

امام غزالی مرحوم کے بقول:

"بقائے نسل اور تحفظ اور اپنی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے انسان مل جل کر رہنے پر مجبور ہے اور یہی بات معاشرہ کی بنیاد ہے"

بقول ابن خلدون:

"معاشرہ انسانی اجتماع ہی نہیں ہوتا بلکہ مشترکہ مفادات' مشترکہ سوچ اور مشترکہ عمل رکھنے والے لوگوں کے اجتماع سے معاشرہ ترتیب پاتا ہے"

فخرالدین رازی کے بقول:

"انسانوں کا مل جل کر رہنا فطری امر ہے اور انسانی ضرورتوں کی تکمیل کے فطری تقاضوں کو منظم صورت دینے کا نام معاشرہ ہے"

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا خیال ہے کہ:

"معاشرہ انسانی ضرورتوں کی تکمیل کے احساس کو عملی شکل دینے پر

Marfat.com

وجود میں آیا جس میں لوگوں کے اجتماعی شعور نے ان کو مل بیٹھنے کا موقع فراہم کیا"۔

عمرانیات کے مسلم مفکرین

ابو نصر فارابی (متوفی 950ء) نے آراء اہل المدینتہ الفاضلہ" نامی کتاب یاد گار چھوڑی جس میں انسانی معاشرہ اور ریاست کا مثالی خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ الفارابی کہتا ہے کہ انسانی معاشرہ انسان کی ضرورت بھی ہے اور مقاصد انسانیت کی تکمیل کا ذریعہ بھی۔ وہ افراد کو آپس میں تعاون کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ اس کے نزدیک انسانی معاشرہ یا اجتماع دو قسم کا ہوتا ہے۔ (1) کامل (2) غیر کامل۔ وہ کامل معاشرہ کے تین درجے قرار دیتا ہے:

(1) عظمٰی یعنی بین الاقوامی سطح پر تعاون (2) وسطٰی یعنی ملکی سطح پر تعاون (3) صغرٰی یعنی شہری سطح پر تعاون۔ اور غیر کامل معاشرہ وہ دیہاتی معاشرہ کو قرار دیتا ہے یا محلہ کی سطح پر معاشرتی تعاون بھی اس کے نزدیک غیر کامل ہے۔

ابن مسکویہ (احمد بن محمد متوفی 1030ء) نے اپنی کتاب الفوز الاصغر میں عمرانیات پر بحث کی ہے وہ معاشرہ کے لئے تمدن کی اصطلاح استعمال کرتا ہے۔ اس کے نزدیک دوسرے جانور' حیوانات اپنی خلقت والہام کے اعتبار سے مکتفی بالذات ہیں۔ ہر جانور پیدائشی طور پر سردی یا گرمی سے محفوظ رہنے کے لئے بال و پر رکھتا ہے۔ اور خوراک کے لئے انفرادی طور پر خود کفیل ہے کہ اپنے پنجوں اور چونچ یا دانتوں سے حسب ضرورت خوراک حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن انسان زندگی نبھانے کے لئے ایک دوسرے کے محتاج ہوتے ہیں۔ یہ کسی سے کپڑے' کسی سے جوتے' کسی سے سواری' کسی سے مکان' کسی سے خوراک ۔۔۔ حاصل کرنے پر مجبور ہے۔ ہر شخص اپنے لئے خود ہی موچی' تیلی' دھوبی' نائی' قصائی' کسان' تاجر' کمہار' صنعت کار وغیرہ نہیں بن سکتا۔ اس لئے انسانی معاشرے میں سب لوگ اپنے اپنے شعبے میں خدمات انجام دیتے ہیں اور باہمی اصول معاوضہ کے تحت تعاون کرتے ہیں۔

ابن سینا (متوفی 1037ء) نے اپنی کتاب الشفاء میں ایک باب "عاشرہ الہیات"

Marfat.com

میں معاشرہ اور اس کی مختلف صورتوں سے بحث کی ہے۔ اور بتایا ہے کہ انسانی معاشرہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی والہام کے ذریعے رہنمائی کا محتاج ہے اور یہ کام انبیاءؑ کی وساطت سے انجام دیا گیا۔

ابن خلدون (متوفی 1404ء) نے عمرانیات پر بڑی مفصل بحث کی ہے۔ اس کے نزدیک ہر انسانی معاشرہ تین مراحل سے گذرتا ہے۔

(1) خانہ بدوشی یا بادیہ پیائی۔ یہاں وقتی ضروریات ہی قانون ہوتی ہیں۔

(2) مختلف قبائل مل کر ریاست کی بنیاد رکھتے ہیں۔ فتوحات یا شکستوں سے پالا پڑتا ہے اور مختلف طبقوں کے لئے قوانین اور اصول مرتب کئے جاتے ہیں۔

(3) تیسرے مرحلے میں قوم جب شہری زندگی اور تمدن کے آداب میں رچ بس جاتی ہے تو علوم وفنون میں منہمک ہونے کے علاوہ خوشحالی وتن آسانی پھر لہو ولعب اور بالآخر زوال واضمحلال کا شکار ہو کر رہ جاتی ہے (مقدمہ ابن خلدون) ابن خلدون اس کو اطوار ثلاثہ کا نام دیتا ہے۔ علامہ اقبال بھی اس معاملے میں ابن خلدون سے متفق دکھائی دیتے ہیں۔ مثلاً وہ کہتے ہیں ~

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیر امم کیا ہے
شمشیر وسناں اول طاؤس ورباب آخر

ابن خلدون کے اس نظریہ کی تائید کرتے ہوئے ڈاکٹر طٰہٰ حسین لکھتے ہیں:

"تو گویا ابن خلدون کے مطابق تاریخ کی مسلسل تحریک کبھی منقطع نہیں ہوتی۔ اور انسانی قافلے کا سفر کہیں نہیں رکتا۔ تاہم ایک خاص معاشرہ ایک خاص حد پر پہنچ کر رک جاتا ہے جہاں سے ایک نیا معاشرہ اپنا سفر شروع کرتا ہے۔ گویا انسانی معاشرہ ایک ندی کی مانند ہے جس کا دھارا کبھی خشک نہیں ہوتا اور سمندر میں اس کا پانی گرتا تو رہتا ہے مگر نئے نئے انداز سے" (فلسفہ ابن خلدون الاجتماعیہ / ص:83۔84)

Marfat.com

شاہ ولی اللہ اور عمرانیات

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (متوفی 1763ء) کی حجتہ اللہ البالغہ" میں تیسرا مبحث عمرانیات سے متعلق ہے۔ جسے انہوں نے مبحث ارتفاقات کا نام دیا ہے۔ جس کا مادہ رفق ہے۔ یعنی نفع دینا' مدد کرنا' نرمی سے پیش آنا' حکمت سے ساتھ نبھانا وغیرہ۔ شاہ ولی اللہ کے بقول انسان نسل بڑھانے اور رزق پانے میں تو دوسرے حیوانوں جیسا ہے مگر تین معاملات میں ان سے ممتاز ہے۔

(1) وہ عقل کا مالک ہے اور اس کے ذریعے دور اندیشی کا حامل ہے اور اشیاء کی حقیقت کو پا سکتا ہے مثلاً عام جانور تلاش رزق کے بعد بھوک مٹا کر آرام سے بیٹھ جائے گا لیکن انسان فکر فردا بھی کرتا ہے۔

(2) انسان نفع اٹھانے کے ساتھ ساتھ حسن نظر' حسن لذت اور نزاکت کا بھی طلب گار ہوتا ہے جبکہ ایک حیوان ان سے سروکار نہیں رکھتا۔

(3) بعض انسان کمال عقل سے نئے نئے نتائج پیدا کرتے رہتے ہیں۔ اور جو لوگ ایسے استنباط پر قادر نہیں ہوتے وہ اپنے میں سے اہل حل وعقد اور اہل عقل ودرایت کے اخذ کردہ نتائج پر عمل پیرا ہو کر آگے بڑھتے ہیں اور اس طرح معاشرہ تعمیر وترقی کی راہ پر گامزن رہتا ہے۔

ارتفاق ولی اللہی کے چار درجے

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کہتے ہیں کہ کوئی بھی انسانی معاشرہ ارتفاقات یعنی اجتماعی تدبیرات نافعہ سے خالی نہیں ہو سکتا۔ حتی کہ جنگل یا پہاڑ کی چوٹی پر رہنے والا انسانی گروہ بھی اس سے خالی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ وہ ارتفاق اول کے نام سے ادنیٰ سطح کے معاشرہ کی نشاندہی کرتے ہیں۔ جو کسی دیہات وغیرہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ ارتفاق دوم وہ شہری معاشرہ اور اس کے نافعات کو قرار دیتے ہیں۔ وہ اسے اعلیٰ درجہ کا ارتفاق بھی کہتے ہیں جس سے شہروں کے لوگ متمتع ہوتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ کے نزدیک ارتفاق ثالث یا سوم کا تعلق قیام ریاست سے ہے۔ اور ارتفاق چہارم یا رابع سے ان کی مراد خلافت اسلامیہ کا قیام

Marfat.com

ہے۔ گویا خلیفہ کا اقتدار ارتفاق ثالث کے حکمرانوں پر حاوی ہو گا۔ اس سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی خلافت اسلامیہ کو ایک بین الاقوامی نظام حکمرانی تسلیم کرتے تھے۔ شاہ صاحب نے معاشرے میں زبان کے کردار سے بھی بحث کی ہے۔ نیز وہ ابن سینا کی طرح معاشرے میں نقصان دہ اقدامات اور پیشوں کو ممنوع قرار دیتے ہیں۔ اور پاکیزہ اور حلال ذرائع معاش و وسائل کو ضروری قرار دیتے ہیں کیونکہ اس طرح معاشرے میں پاکیزگی' باہمی مودت اور شفقت رحمت کا دور دورہ ہوتا ہے۔ (حجتہ اللہ البالغہ / ج:1/ص:37۔41 / مطبوعہ قاہرہ:1294ھ)

اسلامی نقطہ نظر سے معاشرے کی اہمیت اور مقصدیت

قرآن مجید کی رو سے کرہ ارض پر انسانی معاشرے کا قیام ایک اعلیٰ وارفع مقصد کے لئے ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان اللہ کے نائب یا خلیفتہ اللہ علی الارض کی حیثیت سے اللہ کا منشا پورا کرتے ہوئے علم کی روشنی کے ذریعے کائنات کی تسخیر کرے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد 14 بحوالہ سورۃ بقرۃ : 30 تا 33 / آل عمران:19/ الذاریات:56 تا 57)

قرآن حکیم یہ بھی بتاتا ہے کہ معاشرے کے تمام افراد کو ایک ہی جان "نفس واحدہ" سے پیدا کیا گیا اور شعوب وقبائل کی تقسیم تو صرف باہمی پہچان کے لئے ہے۔ اور اللہ کی بارگاہ میں زیادہ عزت والا وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔ (نساء:1' حجرات:13)

انسان' انسان کا دوست اور دشمن

انسان کی فطرت میں اطاعت اور بغاوت' نیکی اور بدی' حسن وقبح دونوں طرح کی جبلتیں رکھ دی گئی ہیں۔ ان کی مثال یوں ہے جیسے کسی زمین میں دو متضاد قسم کے بیج بو دیئے جائیں اور وہ دونوں آبیاری کے مطابق بڑھتے چلے جائیں۔ اب جو شخص نیکی کے بیج کی پرورش وپرداخت کرے گا وہ تقویٰ (اللہ کے ڈر سے حق وانصاف کی راہ پر گامزن رہنا) کی منزل پالے گا اور جو بدی کی فصل کی آبیاری کرے گا وہ ظلم وجبر واستبداد اور بغاوت وطغیانی کی فصل کاٹے گا۔ (شمس:7 تا 10)

Marfat.com

انسان کا بنیادی دشمن

بنیادی طور پر انسان کا دشمن ابلیس یا شیطان ہے۔ (بقرہ / 168، 208، یوسف / 5، انعام:142 وغیرہ) اور انسان کے اندر فسق وفجور کا جو خاصہ یا بیج رکھ دیا گیا ہے اس کی آبیاری شیطانی قوتیں کرتی ہیں۔ اور شیطانی قوتیں انسان کی دشمن ہونے کے حوالے سے اللہ کی دشمن بھی ہیں اور اسی حوالے سے اللہ تعالیٰ شیطانی قوتوں کا دشمن ہے۔ (بقرہ:98)

معاشرے میں مشترکہ وسائل اور مثبت اور منفی قوتوں کا وجود

معاشرے میں منفی لوگ بھی ہوتے ہیں اور مثبت سوچ رکھنے والے بھی۔ اور اسی حوالے سے ان سے اعمال صادر ہوتے ہیں۔ مثبت اعمال کو اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ جبکہ منفی سوچ (نیت) اور اعمال اللہ کے غضب کا باعث بنتے ہیں۔ دونوں طرح کے انسان ایک معاشرے کا حصہ ہونے کی وجہ سے ضروریات زندگی پورا کرنے کی حد تک تو ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہیں۔ مثلاً کسان اپنا غلہ بدمعاش اور بد قماش لوگوں کے ہاتھ بھی بیچ دیتا ہے اور نیک اور صالح لوگوں کے ہاتھ بھی۔ اسی طرح ایک ہی کنوئیں سے بدکردار لوگ بھی پانی لے سکتے ہیں اور نیک کردار والے بھی حتیٰ کہ فضاء کے سمندر میں آکسیجن سے ہر طرح کی مخلوق متمتع ہوتی ہے۔ اور دریا سے انسان بھی پانی پیتے ہیں اور کتے اور مویشی وغیرہ بھی ۔۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ کچھ مشترکہ قسم کے قدرتی ذخائر ہیں جن سے ہر طرح کے لوگ اور ہر طرح کی مخلوق فائدہ اٹھاتی ہے۔ اور اسلامی معاشرے میں سب کے ساتھ حسن سلوک اور عدل و انصاف روا رکھنے کا حکم ہے۔ حتیٰ کہ جانوروں کی ضروریات کا خیال رکھنا بھی اسلامی معاشرے کا حصہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر میرے عہد خلافت میں ایک کتا بھی بھوکا رہا تو مجھ سے اس کی باز پرس ہوگی۔ اور حضورؐ نے فرمایا کہ ایک عورت صرف اس لئے دوزخ میں ڈال دی گئی کہ اس نے اپنی بندھی ہوئی بلی کو بھوکا اور پیاسا رکھا تھا۔ نہ وہ اسے کھولتی تھی کہ بلی خود اپنا رزق حاصل کر لیتی اور نہ اسے خود کھانا اور پانی دیتی۔ آخر وہ بلی بھوک پیاس سے مر گئی تو اللہ تعالیٰ نے اس ظلم کے بدلے میں عورت کو دوزخ میں ڈال

Marfat.com

دیا۔ (حدیث کا مفہوم)

انسانی اختلافات کا اسلامی حل

معاشرے میں پہلے پہل ایک ہی طرح کے لوگ تھے کہ اچھائی کو اچھائی کہتے اور برائی کو برائی سمجھتے تھے۔ لیکن بعد میں یہ اختلاف پیدا ہوا کہ بعض لوگ برائی کو اچھائی کہنے پر مصر ہوئے اور ان کا اصرار اس حد تک بڑھا کہ وہ انہوں نے بزور بازو دوسروں کو بھی مجبور کرنا شروع کیا کہ وہ ان کی طرح برائی کو تسلیم کریں اور اس کے مطابق عمل پیرا ہوں۔ مثلاً سودی نظام ایک برائی ہے۔ اس کے حامی دنیا میں اس قدر دیدہ دلیری کرتے ہیں کہ وہ اس کے مخالفین کو بھی اس نظام معیشت میں جکڑتے چلے جا رہے ہیں۔ اسی طرح معاشرت کے دیگر شعبے ہیں۔ تو معاشرے میں گویا ایک اختلاف رونما ہو جاتا ہے۔

ایسے اختلافات کا فیصلہ کرنے کے لئے اللہ نے انبیاء کو بھیجا جن پر سچائی کو واضح کرنے والی کتابیں (یا صحائف) نازل فرمائیں اور سچائی آنے کے بعد بھی جو لوگ اپنی ضد پر اڑے رہے ان کا انجام بھی بتایا گیا۔

اسلامی پیغام معاشرت

اسلام کا معاشرتی پیغام یہ ہے کہ وحدت نسل انسانی کے تصور کو اجاگر کر کے توحید وحق پرستی کا چلن عام کیا جائے اور جو لوگ اپنی ضد پر اڑے رہیں ان کو فساد سے روکا جائے اور جب فساد سے رک جائیں تو ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ اور ان کے ساتھ رواداری اختیار کی جائے۔ اسلام میں رنگ و نسل کی برتری کا کوئی تصور نہیں۔ نہ اس کی اسلامی معاشرے میں کوئی گنجائش ہی رکھی گئی ہے۔ علاقائی تعصب ہو یا قومی تعصب، حضورؐ نے اس کی یوں مذمت فرمائی ہے۔ لَيْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا اِلَى عَصَبِيَّةٍ یعنی "تعصب کی طرف بلانے والا ہم میں سے نہیں ہے" اپنی قوم کی ناحق حمایت کی بھی اسلامی معاشرے میں مذمت کی گئی ہے۔ مَثَلُ الَّذِيْ يُعِيْنُ قَوْمَهُ عَلَى الظُّلْمِ مَثَلُ الْبَعِيْرِ الْمُتَرَدِّ فِي الرَّكِي فَهُوَ يَنْزِعُ بِذَنْبِهٖ "یعنی ظلم پر اپنی قوم کی مدد کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے کنوئیں میں گر کر ہلاک ہونے والا اونٹ جس کو (بعد میں) دم سے پکڑ کر

Marfat.com

کھینچ نکالا جاتا ہے" (المجتمع الانسانی فی ظل الاسلام / ص:38 / از محمد ابو زہرہ)

سب انسان ایک ہیں

فرمایا کُلُّکُمْ لِاٰدَمَ وَاٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ لَا فَضْلَ لِعَرَبِیٍّ عَلٰی اَعْجَمِیٍّ وَلَا لِاَبْیَضَ عَلٰی اَسْوَدَ اِلَّا بِالتَّقْوٰی (کتاب مذکور / ص:35) "یعنی تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے کسی عربی کو عجمی پر اور گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں مگر یہ کہ معیار فضیلت صرف تقوی ہے" بلکہ قرآن حکیم میں اختلاف رنگ اور اختلاف زبان کو اللہ کی آیات میں شمار کیا گیا ہے۔ (روم:33)

تعاون کی اسلامی بنیاد

قرآن حکیم میں ارشاد ہے: وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ○ (مائدہ:2) "یعنی اور (دیکھو) نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم میں مدد نہ کیا کرو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بیشک اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے"

اسلامی معاشرے میں تعلیم کی اہمیت

علم کے معنی ہیں کسی شخص جگہ یا چیز کے بارے میں یقینی طور پر کچھ جاننا۔ ایک انسان کو عمومی علم (جنرل نالج) ضرور ہونا چاہیے۔ جس کی تعریف یہ کی گئی ہے۔

The Genral Knowledge is to know some thing about every thing and evey thing about some thing.

یعنی عمومی علم یہ ہے کہ آدمی ہر شے کے بارے میں کچھ نہ کچھ علم رکھتا ہو اور کچھ چیزوں کے بارے میں سب کچھ جانتا ہو۔ اسلام میں بھی عِلمًا نَافِعًا کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔

علم کی بڑی فضیلت ہے جب فرشتوں نے آدمؑ کی خلافت پر اعتراض کیا تھا تو فرشتوں اور آدمؑ کا علمی سطح پر مقابلہ ہوا۔ اور اللہ نے بتلایا ہے کہ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا (بقرہ ۔ 31) یعنی آدم کو سب کے سب نام سکھا دیئے گئے فرشتوں سے

Marfat.com

پوچھا گیا کہ ان کے نام تو بتاؤ تو وہ عاجز رہ گئے اور آدمؑ نے وہ سب بتلا دیئے۔ جس کے نتیجے میں فرشتوں کو حکم ہوا کہ عظمت آدم کو تعظیمی سجدہ کرو۔ جو انہوں نے کیا اور یہ سجدہ تعظیمی یوسفؑ کے زمانے تک جاری تھا۔ حضور نے فرمایا اگر اس سجدہ کی اجازت ہوتی تو میں ہر بیوی کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے (حدیث)

اس واقعہ سے علم کی فضیلت کا پتہ چلتا ہے۔ ابلیس گو بڑا عالم فاضل تھا لیکن اس نے اپنے حاصل کردہ علم کو ہی علم کی معراج سمجھ لیا تھا۔ جبکہ علم کا منبع ذات خداوندی ہے۔ اسی نے آدمؑ کو علم سے نوازا۔ ابلیس کے خیال میں آگ، مٹی سے افضل تھی۔ اس سے اس کے ناقص علم کی قلعی کھلتی ہے۔ نیز یہ کہ اس نے اللہ کے علم کو نظرانداز کیا اور اپنے ہی علم کو سب کچھ اور حتمی سمجھ بیٹھا اور علمی لحاظ سے مار گیا گیا۔

سلیمانؑ نے ہدہد سے ملکہ بلقیس کے تخت کی تعریف سنی تو حکم دیا کہ کون ہے جو اسے ہمارے دربار میں جلد از جلد لائے۔ تو ایک عفریت نے مجلس کی برخاستگی سے قبل لانے کا دعوی کیا۔ اور ایک اور شخص جس کے پاس کتاب کا علم تھا۔ نے بتایا کہ میں ((انا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ (نمل:40) آپ کے پلک جھپکنے سے پیشتر وہ تخت یہاں لادوں گا) چنانچہ اشارہ پاتے ہی وہ تخت آن واحد میں حاضر کر دیا گیا۔ یہ ہے علم کا کمال۔ قرآن حکیم نے اس واقعہ کو اس زمانے میں وقوع پذیر ہوتا ہوا بیان کیا جب نہ تو ہوائی جہاز تھے نہ راکٹ اور نہ چاند گاڑیاں۔ نہ الیکٹرونکس آج کا سائنسدان چاند یا مریخ پر کمندیں ڈال کر بڑا خوش ہو رہا ہے جبکہ رسول اللہؐ برق (برق کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ مسلمہ ہے) کی صفت والی سواری جس کا نام "براق" (برق سے اسم مبالغہ جیسے فعال۔ نباض وغیرہ جس میں کئی برق ہا کی قوت تھی۔ اس کی رفتار کا اندازہ ہماری عقل کیسے لگا سکتی ہے) تھا۔ کے ذریعے قاب قوسین او ادنیٰ کی شان والی معراج کے سفر پر گئے اور واپس آئے تو معلوم ہوا کہ علم کی طاقت اس قدر زیادہ ہے کہ اس کی انتہاء کا اندازہ ہم ایسے تہی دامن کر ہی نہیں سکتے۔

حضورؐ پر سب سے پہلی وحی اقرا باسم ربک الذی خلق ۔۔ نازل ہوئی تو اس میں اللہ کے نام سے تعلیم کا آغاز کرنے کا حکم ہوا۔ اس کا مطب یہ ہوا کہ وہ علوم جن کا سلسلہ علم الٰہی سے جڑا ہوا ہو باعث رحمت ہوتے ہیں اور جو انسانی ذہنی کاوشوں کا ثمرہ ہوں تباہی

Marfat.com

کا باعث ہوتے ہیں۔ نیز علم کا ناطہ اللہ سے جڑ جائے تو نافع ہوتا ہے اور اگر وہ محض دنیا داری تک محدود رہے تو زہر قاتل ہے۔ بقول مولانا روم ؒ

علم را برتن زنی مارے بود
علم را بردل زنی یارے بود

اسلامی معاشرہ کی خصوصیات

معاشرہ مل جل کر رہنے کی عملی شکل فراہم کرتا ہے۔ اسلامی معاشرے کی روح (سورۃ انفال آیت:1) اس طرح بیان کی گئی ہے: فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ○ "پس اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور آپس میں صلح صفائی سے رہو اور اللہ تعالیٰ اور رسول خدا کی اطاعت کرو اگر تم مسلمان (ہونے کے مدعی) ہو"(8-1)

یہاں اسلامی حسن معاشرت کے تین اصول بیان ہوئے ہیں:

(1) اللہ سے ڈرتے رہنا۔

(2) آپس میں صلح وصفائی سے رہنا۔

(3) قرآن اور سنت کی پیروی کرنا۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جامعیت کے لحاظ سے سورۃ العصر کا نزول ہی بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے کافی تھا۔ سورۃ العصر کی تلاوت سے اسلامی معاشرے کے قیام کے لئے چار بنیادی چیزیں سامنے آتی ہیں۔

(1) ایمان لانا (اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول ؐ پر۔ وغیرہ وغیرہ)

(2) عمل صالح۔

(3) ایک دوسرے کو حق وصداقت کی تلقین کرنا۔

(4) ایک دوسرے کو صبر وتحمل اور استقامت کی نصیحت کرتے رہنا۔

تو اسلامی معاشرہ میں ایمان باللہ وایمان بالرسول کو گویا خشت اول کی حیثیت حاصل ہے پھر عمل صالح' پھر حق وانصاف کا پرچار اور تبلیغ اور آخر میں صبر واستقامت کا معاملہ یہ فرد کی اصلاح کا سامان ہی نہیں بلکہ افراد سے جو معاشرہ صورت پذیر ہوتا ہے۔

Marfat.com

اس کی اصلاح و تطہیر کا بھی فارمولا ہے۔ بقول اقبال ؎

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

معاشرے میں بگاڑ کی آخری حالت

سورہ بنی اسرائیل (آیت:16) میں فرمایا: "جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے خوشحال لوگوں کو (خواہشیں اختیار کرنے کی) کھلی چھٹی دے دیتے ہیں اور وہ اس میں نافرمانیاں کرنے لگ جاتے ہیں تب عذاب کا فیصلہ اس بستی پر چسپاں ہو جاتا ہے۔ اور ہم اسے برباد کر کے رکھ دیتے ہیں۔

در اصل معاشرے میں بگاڑ پیدا کرنے والے لوگ خوشحال لوگ ہوتے ہیں جو دولت مندی کی ترنگ میں آکر کھلم کھلا بدکراری اپنا لیتے ہیں۔ اور آخر اہل اقتدار کی اقلیت کی یہ حرکتیں پوری قوم کو لے بیٹھتی ہیں کیونکہ عام لوگ بوجوہ ان کو روکتے نہیں۔ جب نہی عن المنکر کا فرض نبھانے والا کوئی نہیں رہتا تو بستی پر عذاب آجاتا ہے۔

اسلامی معاشرہ کی اصلاح

اس کام کے لئے تین باتوں پر عمل کرنا ضروری ہے۔ (1) اخلاقی تربیت جو گھر، مسجد اور مکتب میں تکمیل پاتی ہے۔ جس کے بغیر انسان اور حیوان برابر ہیں۔

(2) اجتماعی دباؤ۔ جب ہر طرف نیکی کا دور دورہ ہو گا تو اجتماعی نیکی کا دباؤ فرد کی اصلاح کا باعث بنے گا اور جو لوگ برے اخلاق کی سرپرستی یا اس کا ارتکاب کریں گے معاشرہ ان کو دباؤ ڈال کر روک دے گا۔

(3) قانونی پابندی۔ اگر قوانین پر ٹھیک اور سختی سے عمل کرایا جائے تو معاشرتی بگاڑ پیدا نہیں ہو گا۔ اور لوگ سزا کے خوف اور ذلت کے ڈر سے اپنے اخلاق پر دھبہ نہ لگنے دیں گے۔

اسلامی معاشرہ میں حقوق اللہ اور حقوق العباد

اسلامی معاشرے میں اقتدار اعلیٰ کا مالک خدا تعالیٰ ہوتا ہے اور حاکم اس کی نیابت کا

Marfat.com

فریضہ نبھاتا ہے۔ چنانچہ وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کا انتظام کرتا ہے۔ مثلاً نظام صلوٰۃ' نظام زکوٰۃ وعشر' معاشی عدل' سود اور شراب وغیرہ پر پابندی کا اہتمام کرتا ہے۔ رشوت' چوری ڈکیتی اور راہزنی کا سد باب کرتا ہے۔ ملاوٹ کا خاتمہ' زنا' منشیات' نیز دیگر سماجی اور اخلاقی برائیوں کا سد باب بھی کرتا ہے۔ دین کی تبلیغ واشاعت' تعلیم اور صحت کے ساتھ ساتھ لوگوں کو روزگار کی فراہمی کا بندوبست کرنا بھی حاکم ریاست کی ذمہ داری ہے۔ نیز قومی وملی ہمدردی کے جذبہ کو ابھارنا ان کی حفاظت کا اہتمام کرنا۔ ان میں دین اور وطن سے محبت کا جذبہ پیدا کرنا وغیرہ اسلامی معاشرے کے سربراہ کے فرائض منصبی ہیں۔ لوگوں کے ساتھ انصاف اور عدل کا برتاؤ اور ان کو عدلیہ تک رسائی کے مواقع مہیا کرنا بھی اس کا فرض ہے۔ فساد فی الارض کو رفع اور دفع کرنا بھی اس کے فرائض میں شامل ہے۔ یہ سب باتیں حقوق العباد کے زمرے میں آتی ہے۔

عوام پر حقوق

عوام کا بھی فرض ہے کہ وہ اپنے حاکم کی اطاعت کریں اور تنازع کی صورت میں اللہ اور رسول کی طرف رجوع کریں۔ (نساء:59) جو حکمران قرآن وسنت کے مطابق فیصلے نہیں کرتے تو وہ کافر' ظالم' اور خائن ہیں۔ (مائدہ:44 تا 47) حضورؐ کا ارشاد ہے کہ "اگر تم پر کوئی کالا نکٹا غلام بھی امیر بنا دیا جائے جو کتاب اللہ کے مطابق تمہاری قیادت کرے تو اس کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو" (بخاری ومسلم)

اولاد اور والدین کے حقوق

والدین کا فرض ہے کہ وہ اولاد کی بہترین پرورش اور تربیت کریں۔ اسے رزق حلال کھلائیں اور سچائی پر قائم رہنے کی تربیت دیں اور ان کی شادی کریں۔ معاشی مسائل حل کرنے میں اولاد کی مدد کریں۔ نیز اولاد کو اپنی دعاؤں سے نوازیں کیونکہ ماں باپ کی دعا اولاد کے حق میں ضرور قبول ہوتی ہے۔

اسی طرح اولاد کو والدین کا تابع فرمان رہنا چاہئے۔ ان کی عزت اور خدمت کرنی چاہئے ارشاد باری تعالیٰ ہے وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا (2:83) "والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو" وَاشْكُرْلِيْ وَلِوَالِدَيْكَ (31:14) "یعنی مرا شکر اور میری قدر بھی کرو

Marfat.com

اور اپنے والدین کا شکریہ بھی ضرور کرتے رہو اور ان کی قدر بھی کرو۔ حضورؐ نے فرمایا "ماں کے قدموں تلے جنت ہے۔

اسلامی معاشرہ پر اخوت کے اثرات

قرآن حکیم میں فرمایا گیا: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (حجرات ۔ 10) "سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں" باہمی ایثار اور قربانی کا جذبہ اسلامی معاشرے کو چار چاند لگا دیتا ہے۔ ہر طرف اتحاد اور یگانگت کے چرچے ہوتے ہیں۔ اور مسلم معاشرہ کے افراد مل کر ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جاتے ہیں۔ دلآزاری کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ غیبت' چغل خوری' فریب اور حسد کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ بے جا تجسّس سے بھی منع فرمایا گیا ہے اور اچھائیوں کو اختیار کرنے کا بھی حکم ہے۔ اور اس نہج پر تشکیل پانے والا معاشرہ نہ صرف دنیوی فوز و فلاح پاتا ہے بلکہ عقبیٰ کی کامیابی بھی حاصل کر کے رہتا ہے کیونکہ اس کی بنیاد علم الٰہی پر استوار کی گئی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں فرماتا۔

اسلامی معاشرہ کا قیام اور اس کے موجودہ تقاضے

عالمی سطح پر اسلامی معاشرہ قائم کرنا ہو تو ملکی سطح سے اس کا آغاز کرنا ہو گا۔ جس کے لئے اسلام کی بنیادی تعلیمات پر عمل درآمد نہایت ضروری ہے۔ ہم اپنے ملک میں اسلامی معاشرہ قائم کر کے اس کے فیوض اور برکات سے متمتع ہو سکتے ہیں لیکن طاغوتی قوتیں ہمیں راہ راست سے دور ہٹانے میں مسلسل مشغول رہتی ہیں۔ اس سلسلے میں پروفیسر ڈاکٹر محمد عالمگیر خاں نے اپنے ایک مضمون "ترس گئے ہیں کسی مرد راہ داں کے لئے" میں (جو 13 اپریل 1993ء کو نوائے وقت لاہور میں شائع ہوا) بڑے اختصار اور جامعیت کے ساتھ حقیقت بیانی سے کام لیتے ہوئے ہمیں جھنجھوڑنے کی سعی کی ہے اور اسلامی اخلاق اور حسن معاشرت کے باب میں راقم اسے حاصل مطالعہ کے طور پر پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ چنانچہ موصوف لکھتے ہیں:

ہادی اعظم حضرت محمد رسول اللہؐ نے تیئس (23) سال کے قلیل عرصے میں ایک جاہل ترین ظالم' سفاک' بد اخلاق' فسق و فجور میں ملوث' شراب و حرام کی رسیا' بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے والی عرب قوم کو ایک نہایت ہی پاک باز' مہذب مجسم اخلاق

Marfat.com

حسنہ' حقوق اللہ اور حقوق العباد کی پابند اور قیصرو کسریٰ کے غرور کو سرنگوں کرنے والی جماعت بنا دیا تھا۔ اور ایک ایسا ضابطہ حیات تشکیل دیا تھا جو کہ تاقیامت نہ صرف مسلمانوں بلکہ پوری انسانیت کے لئے ایک نسخہ کیمیا ہے۔ اسلام کا ایک جزو ایمان ہے جس پانچ بنیادی ارکان توحید' نماز روزہ' حج اور زکوۃ ہیں۔ اس کے پیروکار مسلمان کہلاتے ہیں۔ لیکن یہ بھی راندہ درگاہ ہو جاتے ہیں اگر وہ اسلام کے دوسرے لاینفک جزو اخلاقیات سے نامحرم رہیں۔ یا اسے گوشہ نسیاں میں دھکیل دیں۔ اور عملی طور پر اس کے غاصب بن جائیں کیونکہ حسن اخلاق کا باب حقوق العباد ہے اور اس کے مجرم کے لئے اللہ جل شانہ کے پاس معافی کا امکان نہیں ہے۔ جب تک کہ وہ معاف نہ کرے جس کا حق مارا گیا ہو۔ حسن اخلاق دین فطرت کا وہ حصہ ہے کہ جس کو اگر نادانستہ طور پر کوئی غیر مسلم بھی اپنائے گا تو وہ کم از کم اس دنیا میں کامیاب و کامران ہو کر ہیرے کی طرح چمکے گا۔ آخرت کا مسئلہ تو اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم پر ہو گا۔ آج کل اہل مغرب کا آفتاب تہذیب و تمدن اسلئے عنفوان شباب پر ہے اور ساری دنیا کی آنکھیں چندھیا رہا ہے کیونکہ وہ ماسوائے چند پہلوؤں کے اسلامی اخلاقیات کو نادانستہ اپنائے ہوئے ہیں۔ من حیث القوم نہ وہاں چوری چکاری ہے نہ چور بازاری' ذخیرہ اندوزی ہے نہ دھوکہ بازی سے افراط زر۔ معاشرتی فلاح وبہبود اور خیرات کی سکیموں میں عوام کی حیرت انگیز دلچسپی۔ چادر اور چار دیواری کا احترام بنیادی انسانی حقوق کی حفاظت۔لین دین میں دیانتداری خرید و فروخت میں اس قدر ایمانداری کہ بکاؤ شے میں ذرا سے نقص سے بھی خریدار کو واضح آگاہی وہ خصائل اعلیٰ ہیں جن کا اسلام پرچار کرتا ہے تول میں ڈنڈی مارنے کا سوال پیدا ہوتا ہے اور نہ کسی شے میں ملاوٹ کا صفائی حفظان صحت کے اصولوں کا اتم درجہ خیال۔ ایک دوسرے کے احساسات' احترامات فراواں' فرض شناسی' علم کی قدر و قیمت اور حصول کے لئے جدو جہد۔ خداوند کریم کی کائنات میں تحقیقات کا بحر بیکراں اور اس کی ذات مبارکہ اور قدرت کا اعتراف' غیبت سے احتراز اور اپنے کام سے کام۔ کم گوئی مگر اظہار خیال کی کھلی چھٹی۔ جھوٹ اور مکرو فریب سے جبلی نفرت' مذہبی آزادی اور تمام عبادت گاہوں کا احترام بوقت ضرورت ایک دوسرے کی مدد۔ انسانیت کی تعظیم و تکریم۔ مریضوں کے ساتھ کمال ہمدردی اور شفقت ہسپتالوں میں ان کی مثالی دیکھ بھال' جانوروں کے ساتھ ظلم و ستم کے

Marfat.com

خلاف موثر محاذ' عدل وانصاف کا بلند معیار۔ ہر بڑے چھوٹے کا بغیر حیل وحجت قانون کا احترام۔ بچوں کی تعلیم وتربیت اور نشو ونما کا سرکاری طور پر اہتمام اور ان کی فلاح وبہبود کے لئے رضا کارانہ تنظیمیں غرضیکہ عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ اہل مغرب کے غیر مسلم محسن انسانیت کے بتائی ہوئی اخلاقی اقدار کو کس قدر اجاگر کئے ہوئے ہیں۔

ترقی یافتہ ممالک میں جاکر معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان اپنے مقام سے کتنا گر چکے ہیں۔ 46 اسلامی ممالک میں ایک بھی نہیں ہے جو اعلیٰ اسلامی اقدار اور اخلاقیات کا مظہر قرار دیا جاسکے۔ عوام کے بنیادی حقوق سلب ہوتے ہیں۔ کہیں متزلزل نظم ونسق کی وجہ سے ڈاکو لوٹ رہے ہیں اور کہیں حفظ امن کے نام پر یا قرضوں اور پرمٹوں وغیرہ کا لالچ دے کر ارباب بست وکشاد! بے بس وبیکس اور بے زبان عوام الناس کی فلاح وبہبود اور تعمیری پروگراموں کے بھوکے نعروں پر نہ صرف ناکافی ملکی وسائل بے دردو دریغ خرچ کئے جارہے ہیں بلکہ بلا جواز شاہ خرچیوں اور غیر تعمیری یا بے وقت تعمیری سکیموں کی وجہ سے چند غریب مسلمان ممالک بیرونی قرضوں کی بیساکھیوں پر چل رہے ہیں۔ ہمارے خود پرست اور خود ساختہ رہنماؤں میں سے شاید ہی کوئی اسلام جمہوریت اور پاکستان کے ساتھ مخلص ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مذہبی رہنماؤں نے بھی اسلام کو اپنی جاگیر سمجھ رکھا ہے۔ جہاں سیاسی رہنما عوام کی جہالت کا فائدہ اٹھا کر انہیں ڈھور ڈنگر کی طرح اپنے ذاتی مفاد یا انا کے لئے دھکیلے پھرتے ہیں۔ وہاں بعض لوگ اپنے حلوے مانڈے کے لئے شیطانی حربے نفاق کا کھلے بندوں استعمال کر کے مسلمانوں میں نا اتفاقی تفرقہ بازی اور باہمی جنگ وجدل پیدا کر رہے ہیں۔

دین کی غیر اسلامی تشریح وتوضیح اور تعریف کی وجہ سے ہم اس دین فطرت کے جمالی پہلو حسن اخلاق اور نہایت اہم فصل حقوق العباد کو بالکل ہی نظر انداز کر بیٹھے ہیں۔ عموماً دینی رہنما سخت واقع ہوئے ہیں۔ وہ اپنی اس مسند کو بھول چکے ہیں جس پر بیٹھ کر علماء وصوفیاء کرام شہنشاہوں کو مجبور کرتے تھے کہ وہ اپنے ذی وقار درباریوں کو چھوڑ کر ان خاک نشینوں کی بارگاہ میں حاضر ہوں جیسے شہنشاہ اکبر کے ساتھ منسوب واقعہ مشہور ہے۔ وہ اس شان قلندرانہ کو بھی بھول گئے ہیں جس کی وجہ سے مجدد الف ثانی نے شہنشاہ جہانگیر کے بھرے دربار میں آگے جھکنے سے انکار کر دیا تھا۔

Marfat.com

ہماری اس مملکت خداداد پاکستان میں ہوس زر نے تقریباً ہر کسی کو اپنی خواہشات کا غلام بنا رکھا ہے۔ درحقیقت ہمارا خدا اور روز جزا پر ایمان باقی نہیں رہا ہے۔ اگر کچھ باقی ہے تو چور بازاری' ذخیرہ اندوزی' چوری چکاری' منافرت' فرقہ واریت اور غیبت۔ ہمارا ایمان دلی نہیں ہے صرف پیدائشی اور رسمی ہے اس لئے زبانی کلامی ہے تو صفائی کیسی؟ ہماری باتوں میں وزن نہیں ہے۔ ہمارے اکثر رہنما اپنی ہر تقریر میں بلند بانگ دعوی کرتے ہیں کہ وہ اصولوں پر سودا نہیں کریں گے۔ لیکن جب انہیں اپنی کرسی ذرا بھی ہلتی نظر آتی ہے تو وہ اپنے ہر اصول کو قربان کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔

وقت کی اشد ضرورت ہے کہ ہمارے قائدین ہوش کے ناخن لیں اور تمام سیاسی طبقاتی اور دینی فروعات واختلافات کو بھلا کر اسلامی اصولوں کی روشنی میں مسلم بھائی چارہ قائم کریں۔ پاکستان کے منتشر اور افراتفری کے شکار مسلمان جب تک ایک اسلامی تحریک میں مربوط نہیں ہوں گے۔ مذہبی فرقہ واریت اور سیاسی پارٹیوں سے آزاد نہیں ہوں گے اور ایک خالص اسلامی قیادت کے جھنڈے تلے نہیں آئیں گے تب تک اس ملک میں اسلامی انقلاب نہیں برپا ہو گا۔ پینتالیس سالوں میں ہم اپنے قبلے کا صحیح تعین ہی نہیں کر سکے ہیں اور نہ ہی مغربی تسلط سے ذہنی آزادی حاصل کر سکے ہیں۔ طرفہ تماشا یہ ہے کہ ہم اپنی ہر کوتاہی کو بیرونی ممالک کی دخل اندازی پر تھوپنے کے عادی ہو چکے ہیں۔ ہم میں خود اعتمادی کا شائبہ بھی نہیں ہے۔ تو یہاں اسلامی حکومت کیسے قائم ہو سکتی ہے۔ فکری وعملی انتشار کا شکار ہمارا معاشرہ جلسے اور مظاہروں کی آماجگاہ تو بنا رہے گا۔ اور ہمارے لیڈر ہمیں جھوٹی تسلیاں دیتے رہیں گے کہ وہ اسلامی حکومت قائم کر رہے ہیں یا کئے ہوئے ہیں مگر وہ اپنے آپ کو جھٹلا رہے ہیں کیونکہ ہماری موجودہ جمہوریت اسلامی جمہوریت سے کوسوں دور ہے۔ یہ مغربی جمہوریت کا چربہ ہے۔

اسلامی جمہوریت اور طرز حکومت میں ذاتی اختیارات کا کوئی تصور نہیں ہے سب اختیارات منصبی ہوتے ہیں جو کہ بشمول سرکاری خزانہ ملک وقوم کی امانت ہوتے ہیں جبکہ غیر اسلامی جمہوری حکومت انہیں اپنی ملکیت سمجھتی ہے۔ اور انہیں اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرنا اپنا حق تصور کرتی ہے۔ ایسی حکومت اپنے اقتدار کو برقرار رکھنے کے لئے مکر مکاؤ ودیگر ناپسندیدہ بیساکھیوں کے استعمال سے بھی گریز نہیں کرتی۔ ایسا کرنے میں نیک

Marfat.com

وبد کی کوئی روا تمیز نہیں رکھی جاتی۔ اس لئے ان میں بے اصول لوگ بھی فروغ پاتے ہیں۔ دولت کو ذریعہ اقتدار بنایا جاتا ہے اور پھر اقتدار کو ذریعہ دولت۔ اس میں اخلاقی اقدار اور اصولوں کی سودا بازی عام ہوتی ہے۔ فی زمانہ پاکستان کا پراگندہ معاشرہ سسکتی ہوئی معیشت اور دم توڑتا ہوا نظم ونسق غیر اسلامی حکومت کے فریب فکر و عمل کی پیداوار ہے۔ عوام اس سراب سے تنگ آگئے ہیں۔ جس کا اب تک غیر اسلامی حکومتیں پورے 45 برس ڈھنڈورا پیٹتی آرہی ہے۔

ان نہایت ہی ناساز گار حالات میں تاریخ امم جہاد کا درس دیتی ہے۔ اس وقت ہماری سب سے اہم ضرورت اصلاح معاشرہ کے لئے جہاد کی ہے۔ ہمارے علماء و قائدین اور تمام ذی ہوش مسلمانوں کو ایک ایسا اسلامی انقلاب لانا ہے جو کہ اس دین کی نشاۃ ثانیہ کا باعث ہے۔ اس کرہ ارض کے دکھی و پریشان مسلمانوں بے شک وہ کشمیر کے ہوں یا بھارت کے' بوسینا کے ہوں یا فلسطین کے۔ کے زخموں پر پھاہا تبھی رکھا جاسکتا ہے جبکہ ہم اپنے ملک میں مذہبی سیاسی معیشتی و معاشرتی استحکام لاسکیں۔ اس منزل مقصود کے لئے ہمیں ایک نہایت ہی مخلص' بے غرض۔ دین دار۔ ایماندار۔ پر اعتماد۔ باشعور۔ نفس کش۔ جفاکش۔ پر ایثار۔ جانباز۔ دانش مند۔ منکسر۔ اولو العزم مصلح کی ضرورت ہے۔ جس کا ذہن اور تن من نیکی۔ مصمم قوت ارادی انتہائی قوت برداشت و صبر و تحمل۔ نیک ہٹ کی پختگی کا مرکب ہو۔ کیونکہ نیکو کار کی پس پشت پر طاقت نہ ہو تو وہ مؤثر نہیں ہو سکتا۔ حکیم الامت حضرت علامہ اقبال نے یہاں تک فرمادیا تھا کہ

عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کار بے بنیاد

اور اگر طاقت کے پشت نیک نیتی نہ ہو تو وہ آدمی کو وحشی و ظالم بنا دیتی ہے۔

ایسے راہ دان کے لئے ہم ترس گئے ہیں جو کہ سر پر کفن باندھ کر قرون اولیٰ کے اسلام کا مجاہد بن کر ابھرے اور منافقت فرقہ واریت اور برادریوں کی سیاست اقربا پروری۔ رشوت ستانی۔ خود پرستی۔ انا پروری۔ بے عدلی اور منتقمانہ ذہنیت کو جڑوں سے اکھاڑ کر ایک خالص اسلامی نظام حکومت کو پروان چڑھائے۔ (بحوالہ نوائے وقت لاہور مورخہ 13 اپریل 1993ء)

Marfat.com

اسلام اور سیاست

سیاست کیا ہے

یہ لفظ "س و س" مادے سے ہے۔ اور سیاست کے معنی ہیں۔ تدبیر امور' تدبیر ریاست' تنظیم مصالح انسانی۔ تدبیر نفاذ امر و نہی' ولایۃ الامر۔ لغت میں اس کے معنی ہیں۔ القیام علی الشی بِمَا یُصلِحُہٗ (لسان العرب) قاموس میں ہے: ساس الوالی الرعیہ امرھم ونھاھُمْ تو سیاست کے یہ معنی ہوئے۔ "استصلاح الخلق بارشادھم اِلی الطریقِ المُنجی فی الدُّنیَا وَالاخِرَۃ۔" یعنی لوگوں کے مصالح کی نگہداشت بذریعہ رہنمائی جو دنیا اور آخرت کی نجات کا موجب ہو۔ اور یہ کام بطور خاص انبیاء علیہم السلام انجام دیتے ہیں اور ملوک و سلاطین بطور عام۔ بحرالرائق میں سیاست کی یہ تعریف کی گئی ہے۔ القانون الموضوع لِرعایۃ الاداب والنصائح وانتظام الاموال۔ یعنی لوگوں کے آداب اور نصائح اور انتظام اموال کے لئے بنایا گیا قانون۔

سیاست کے شعبے

1۔ مطلقہ کاملہ وہ سیاست ہے جس کی بنیاد مثالی اصولوں پر رکھی گئی ہو۔
2۔ سیاست مدینہ لوگوں کے باہمی معاملات کی اصلاح اور امور معاش کی تنظیم سے بحث کرتی ہے۔ سیاست نفسیہ' سیاست بدنیہ' سیاست عادلہ اور سیاست ظالمہ اس کی اقسام میں شمار ہوتی ہیں۔

علم سیاست

یہ وہ علم ہے جس میں انواع ریاست' سیاسیات اور اجتماعات مدینہ کے تمام احوال و کوائف اور لوازمات کے بارے میں بحث ہوتی ہے۔ (کشاف الاصطلاحات)

فارسی زبان میں سیاست کے اصل معانی کے ساتھ ساتھ لوگوں پر حکومت کرنا۔ (حکم راندن بر رعیت) کا مفہوم بھی ملتا ہے۔ نیز اس میں یہ مفاہیم بھی شامل ہیں:

"قہر کردن وہیبت نمودن و ضبط ساختن مردم از فسق و ترسانیدن و زدن و سیاست کردن دبہ راندن و بستن بمعنی کشتن۔" (فرہنگ آنند راج)

Marfat.com

یعنی قہر کرنا' ہیبت ظاہر کرنا اور لوگوں میں نظم و ضبط قائم کرنا اور برائی سے روکنا اور ڈرانا اور مارپیٹ کرنا' اچھی طرح حکم چلانا اور باندھنا یعنی مار ڈالنا چنانچہ فارسی میں سیاست گرو سیاستی کے معنی ہیں۔ "سفاک و خونخوار و خونریز اور ترکی میں بھی سیاست سے یہی کچھ مراد لیا جاتا ہے۔"(1)

گویا بنیادی طور پر سیاست "ولایۃ امر" کا نام ہے۔ لیکن وقت کے ساتھ ساتھ اس میں تنظیم اور تدبیر ریاست کے معنی بھی شامل ہو گئے۔ جس میں انسانی امور کی اصطلاحات بھی دخیل ہو گئیں۔ اور نفاذ امر و نہی کا اہتمام بھی شامل کر لیا گیا۔ نیز تعزیر اور امن و عدل کے قیام کے لئے قہر و ہیبت اور سخت قانونی ضابطوں کو بھی اس میں شامل تسلیم کیا جانے لگا اور ان سب معانی کے حامل یہ ایک مکمل اصطلاح بن گئی حتی کہ بنو عباس کے دور میں سیاست کا مفہوم ملکی تدبیر کے طور پر متعین ہو گیا۔

امام راغب نے سیاست کی تعریف میں تین بنیادی باتیں شامل بتائی ہیں۔

1۔ زمین کو آباد کر کے عمرانی تمدن قائم کرنا۔

2۔ خدا کے احکامات کا نفاذ۔

3۔ اخلاق فاضلہ کی ترتیب و تشکیل اور ان کو اختیار کرنا۔

اور بقول شاہ ولی اللہ محدث دہلوی:

- "سیاست وہ حکمت ہے جو شہریوں کے باہمی ربط و تعلق کی حفاظت اور ان سے متعلقہ تدابیر سے بحث کرتی ہے۔"

الماوردی۔۔۔۔۔۔ اور الفارابی نے بھی سیاست پر بہت اچھا لٹریچر چھوڑا ہے۔ اور اس کے مندرجہ ذیل شعبوں سے بحث کی ہے۔

1۔ سیاست میں اقتدار اعلیٰ کا مسئلہ

2۔ طرز حکومت کا مسئلہ۔

3۔ نظام حکومت اور تنظیم ولایات کا معاملہ۔

---

(1) اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد 11 ص 483

Marfat.com

4۔ بنیادی قواعد و ضوابط کی جزئیات منضبط کرنا اور حقوق و فرائض کے معاملات کی بحث۔

5۔ مدینۃ الفاضلہ اور مدینۃ الجاہلہ یعنی شہریت اور شہری حکومت کے اصول و قواعد۔

6۔ عدل و انصاف بہم پہنچانے کے قوانین و ضوابط۔

7۔ تعزیر وغیرہ کے قوانین کی تشکیل اور تعمیلات کا طریق کار وغیرہ۔

مغربی ماہرین میں بلنچلی کی رو سے۔۔۔۔۔ "سیاست کا موضوع سلطنت کے امور پر بحث و تحیص ہے۔"

محقق طوسی نے اخلاق ناصری میں سیاست کی تین بنیادی ضرورتیں اجاگر کی ہیں۔ (1) تدبیر امور (2) ناموس (اساسی قوانین) (3) حاکم اور زر مالیات۔ پس اگر سیاست بطریق حکمت ہو تو سیاست الٰہی ہو گی ورنہ سیاست ملک' سیاست غلبہ' سیاست کرامت یا سیاست جماعت وغیرہ کی صورت کی حامل ہو گی۔ سیاست میں ایک رئیس کی ضرورت بھی پڑتی ہے۔ اس لئے رئیس کا دائرہ عمل ریاست کہلاتا ہے۔

ریاست کا تصور

اس لفظ کا مادہ راس ہے۔ معنی۔ سر۔ رئیس کسی قوم کے سرکردہ شخص کو کہتے ہیں۔ اور ریاست کے عمومی معنی سرداری' سربراہی حکومت اور اقتدار وغیرہ کے ہیں۔ ریاست کسی رئیس یعنی سردار کے زیر نگیں علاقہ یا مملکت کو کہتے ہیں۔

فارابی نے اپنی کتاب سیاست (یا سیاسیات) المدینہ میں ریاست کو انسانی بدن سے تشبیہ دے کر بات کی ہے۔ جس میں دل عضو رئیس ہے اور باقی اعضاء اس کے منشاء کے مطابق اس کا ساتھ دیتے ہیں۔ اعضاء کا بدن کے ساتھ طبعی تعلق ہے جبکہ انسانوں کا آپس میں اور اپنے رئیس کے ساتھ جو تعلق ہے وہ ارادی طور پر ہوتا ہے جس کی بنیاد ان کی ضروریات اور دیگر امور مثلاً اتباع کے لئے بزرگ ہستی کا حکم وغیرہ ہوتے ہیں۔

رئیس کے اوصاف

ریاست انسانی اجتماعات کے اندر ایک نظم و ضبط پیدا کرنے کا نام ہے۔ لازم ہے کہ ہر اجتماع کا ایک رئیس ہو۔ یہ اجتماعات دیہی' شہری قومی' ملکی اور بین الاقوامی صورتوں میں ہو سکتے ہیں۔ ریاست میں چھوٹے اجتماع کا رئیس بڑے اجتماع کے رئیس سے مربوط ہو گا' اور وہ اپنے سے بڑے رئیس کے ساتھ۔ اور ہر چھوٹا رئیس اپنے سے بڑے رئیس

Marfat.com

کا مرؤس (ماتحت) ہو گا ایک ریاست کے رئیس میں فضیلات کا ہونا لازمی ہے۔ اور سب سے بڑا رئیس سب سے زیادہ فضیلتوں کا حامل ہو گا۔ (اخلاق ناصری از محقق طوسی)

فارابی کے نزدیک کسی ریاست کے مقتدر اعلیٰ میں اگر یہ چار صفات ہوں تو وہ ریاست حکمت کہلائے گی۔

1۔ حکمت کا مخزن ہو۔ (افلاطون کے بقول حکمرانوں کے لئے فالسفر ہونا لازمی ہے۔)

2۔ تعقّل کا حامل ہو۔ یعنی وہ عقلمند ہو۔

3۔ جودت اقتباع تخیل کا مالک ہو۔ یعنی اپنے خیالات کو بوقت ضرورت لوگوں پر مؤثر طریق سے ظاہر کرنے یا ان کو چھپانے کا نہ صرف ماہر ہو بلکہ اس معاملے میں جدت طراز بھی ہو۔

4۔ قوت جہاد کا حامل ہو۔

فارابی نے مقتدر اعلیٰ کو بارہ صفات کا حامل ہونا لازمی قرار دیا ہے۔

1۔ وہ زیادہ عالم اور زیادہ قوی ہو۔ (علم اور جسم میں نفضیلت رکھتا ہو = قرآن۔ بقرہ 247)

2۔ جسمانی طور پر تندرست ہو۔

3۔ بہتر حافظہ کا حامل ہو۔

4۔ نفسیات انسانی سے آگاہ ہو۔

5۔ بحث سے گریزاں ہو تاکہ خواہ مخواہ بحث و تمحیص میں وقت ضائع نہ کرے۔

6۔ قوت برداشت کا حامل ہو۔

7۔ عدل و انصاف کرنے والا ہو۔

8۔ ظالم اور درشت خو نہ ہو بلکہ عفو و درگزر کی طرف بھی مائل ہو۔

9۔ شجاع اور صاف دل ہو۔

10۔ ملک میں اندرونی اور بیرونی امن بحال رکھنے پر قادر ہو۔

11۔ ذاتی اغراض کا بندہ نہ ہو۔

12۔ افہام و تفہیم اور حق پرستی کا علمبردار ہو۔ وغیرہ

ایک شخص میں اتنی زیادہ صفات نہ ہوں تو ایسی صفات کے حامل افراد پر مشتمل ایک کابینہ بنا کر بھی کام چلایا جا سکتا ہے۔ قرآن میں اس طریق کار کا نام شورائی نظام ہے۔

اسلام میں ریاست و حکومت کا تصور

Marfat.com

اسلام نے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کو منضبط رکھنے' ان کی ترتیب و تہذیب اور نشوو ارتقاء کے لئے جن اداروں کی ضرورت پر زور دیا ہے ان میں ریاست کا وجود اولین ضرورت ہے اسلامی زندگی کے لئے اسلامی اجتماعیت اور اس اجتماعیت کی مختلف شکلوں کو مضبوط کرنے اور قائم رکھنے کے لئے اسلامی حکومت یا ریاست کا ہونا لازمی امر ہے۔ الماوردی نے "وجوب الامامہ" پر اپنی کتاب "احکام السلطانیہ" میں بھرپور بحث کی ہے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد ہے:

اَلاسْلَامُ وَالسُّلْطَانُ اِخْوَانِ تُوْامانِ----- لَا یُصْلِحُ اَحَدٌ مِنْہُمَا اِلَّا بِصاحِبِہَافَا الاسْلَامُ اُسٌّ وَالسُّلْطَانُ حَارِسٌ وَمَالَا اُسٌّ لَہٗ یُہْدَمُ وَمَالَا حَارِسٌ لَہٗ ضَائِعٌ۔ (الدیلمی۔ مسند۔ عن جابر)

"یعنی اسلام اور حکومت و سلطنت جڑواں بھائی ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔ اسلام بنیاد مہیا کرتا ہے۔ اور سلطان اس کی حفاظت کرنے والا ہوتا ہے۔ جس عمارت کی بنیاد نہ رہے وہ گر جاتی ہے اور جس کا کوئی محافظ نہ ہو وہ (باقی نہیں رہتی بلکہ) برباد ہو جاتی ہے۔

امام شاطبی الموافقات فی اصول الشریعت میں لکھتے ہیں: (یہی بات مفہوما سورۃ نور آیت 55 میں ہے)

"فرد کی اصل حقیقت اللہ تعالیٰ کے بندوں کے درمیان اپنی طاقت اور استعداد کے مطابق خلیفہ اللہ کی ہے۔ لیکن ایک آدمی اتنی طاقت اور استعداد بھی نہیں رکھتا۔ کہ وہ اپنی ذات اور اپنے اہل و عیال کے مصالح کی کماحقہ' نگرانی کا فریضہ نبھا سکے۔ چہ جائیکہ وہ پورے قبیلے یا سب بنی نوع انسان کے مصالح کا تحفظ کر سکے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے مشترک انسانی ضرورتوں کی تکمیل کی ذمہ داری اجتماع یعنی معاشرے پر ڈالی ہے۔ اور اسی بناء پر زمین میں ریاست کا قیام عمل میں آیا ہے۔" (جلد 2 ص 177)

اسلامی ریاست کی ضرورت

اسلامی ریاست کی ضرورت اس لئے ہے کہ مسلمان انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی

Marfat.com

زندگی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے مطابق' بطور کامیاب زندگی کے گزار کر اگلے جہاں کو سدھاریں اور وہاں بھی اخروی کامیابیوں سے بہرہ مند ہوں۔ قرآن حکیم نے ہمیں جو ازلی ابدی قوانین عطا کئے ہیں۔ ان کا تقاضا یہ ہرگز نہیں کہ ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہوئے اپنے روز مرہ کے اعمال کی بنیاد دنیا کی غیر مسلم اقوام میں جاری شدہ قوانین پر رکھیں۔ دیگر اقوام کے قوانین اور قرآنی دستور میں بنیادی فرق ہی یہ ہے کہ وہ انسانوں کو اپنی مرضی کے قوانین کے تابع رکھنا چاہتے ہیں۔ جبکہ قرآن کا دستور انسانوں سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا تقاضا کرتا ہے تاکہ وہ دنیا اور عقبیٰ میں فلاح پائیں۔

انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد

دنیا میں جتنے بھی انبیاء علیہم السلام آئے ان کا مقصد وحید خدائے واحد کی خدائی منوانا تھا اور اسی کی عبادت کروانا تھا تاکہ دین یعنی ضابطہ حیات خالص اللہ تعالیٰ کا بتلایا ہوا اس دنیا میں نافذ ہو جائے اور جو لوگ اس پر خلوص دل سے چلیں وہ عقبیٰ کی نعمتوں سے بھی سرفراز ہوں اور جو اس کے منکر ہوں وہ ان سے الگ ہو کر اپنے انجام کو پہنچیں۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

اگر قرآن حکیم کا بغور مطالعہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے مقابلے میں کفار اور مشرکین بھی اللہ تعالیٰ کو رب العالمین مانتے تھے۔ مثلاً:

1۔ قُلْ لِمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ

(مومنون 84/85)

"یعنی اے نبی! آپ ان سے پوچھئے کہ زمین اور جو کوئی اس میں ہے۔ کس کا ہے اگر تمہیں علم ہے تو بتاؤ۔ تو فوراً وہ کہیں گے کہ اللہ کا ہے۔"

2۔ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ○---؟ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ (ایضاً 86/87)

"اے نبی! آپ ان سے پوچھیں کہ سات آسمانوں اور عرش عظیم کا رب کون ہے---؟ تو وہ کہیں گے---- "اللہ"

Marfat.com

3۔ قُلْ مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ۔۔۔؟ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ (ایضاً 88/89)

"اے نبیؐ! آپ ان سے پوچھیں کہ ہر چیز کی مختاری کس کے ہاتھ میں ہے اور وہ کون ہے جو سب کو پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا۔۔۔۔؟۔۔۔۔ تو وہ کہیں گے۔۔۔۔ وہ اللہ تعالیٰ ہے۔"

4۔ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ۔۔۔؟ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ (عنکبوت 61)

"اور اگر آپؐ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا اور کس نے سورج اور چاند کو تمہاری چاکری پر لگا رکھا ہے؟ تو لازماً وہ یہی کہیں گے کہ اللہ نے۔۔۔؟

5۔ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ (زخرف 87)

"اور آپ اگر ان سے پوچھیں کہ تمہیں کس نے پیدا کیا ہے تو لازماً یہی کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے یعنی دنیا کے باسی یہ تو مانتے تھے کہ اللہ کی ذات ہی خالق' مالک ہے اور رب العالمین ہے۔

لیکن ان سے کہا جاتا کہ اس کے دین کو اپنی زندگی کے ہر شعبے میں نافذ کر کے اسی کے ہو کے رہ جاؤ تو وہ اس کے لئے تیار نہ تھے بلکہ اس مقصد کے لئے انہوں نے اپنی خواہشوں کو اپنا خدا بنا رکھا تھا۔ اپنی خواہشوں کی پیروی میں جو چاہتے تھے کرتے تھے۔ اور اسی کو دین حق سمجھ کر اس پر رواں دواں تھے۔ دوسرے لفظوں میں انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کو بطور ضابطہ حیات اپنانے کے لئے تیار نہ تھے۔ جب کہ رسولوں کا مطالبہ یہ تھا کہ اللہ کے احکامات اور اس کی بھیجی ہوئی شریعت کو اپناؤ اور خواہشوں کے سارے بتوں کو چکنا چور کر ڈالو تاکہ تم دنیا اور عاقبت میں فلاح پاؤ۔

چنانچہ اسلامی ریاست کے قیام کا مقصد یہ ٹھہرا کہ اس میں لوگ اللہ اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات کی روشنی میں اسلامی ضابطہ حیات کو اپنائیں کیوں کہ کائنات کی ہر چیز انسانوں کی خدمت میں لگانے کا مقصد یہ بتایا گیا کہ انسانوں اور جنوں کی

Marfat.com

تخلیق "اِلَّا یَعْبُدُوْنَ۔۔۔" کی حامل ہونی چاہیے۔

دنیا کے وڈیرے خدا بن بیٹھے

لیکن خدا کے مقابلے میں وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے خوشحالی اور رزق میں وسعت دی وہ اپنے سے کمتر لوگوں کے معبود (الٰہ) بن بیٹھے۔ فرعون کو جب موسیٰ علیہ السلام نے چیلنج کیا تو اس نے سب سے پہلے جو کام کیا وہ یہ تھا:

فَكَذَّبَ وَعَصٰى ○ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ○ فَحَشَرَ فَنَادٰى ○ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى○ (نازعات۔ 22 تا 24)

"تو اس نے موسیٰ علیہ السلام کو جھوٹا مانا اور ان کی نافرمانی کی۔ پھر وہ لوٹ گیا اور بھاگ دوڑ کرنے لگا۔ تو پھر اس نے لوگوں کو جمع کیا۔ پھر ان کے سامنے تقریر کی۔ تو ان سے کہا "میں ہوں تمہارا سب سے بڑا رب۔"

ازیں پیشتر ابراہیم علیہ السلام اور بادشاہ وقت کے درمیان ایک بحث ہوئی تھی:
بھلا تو نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے ابراہیم سے بحث کی اس بارے میں کہ ابراہیم کا رب کون ہے۔ اور اس نے یہ بحث اس لئے کی:

اَنْ اٰتٰهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ (بقرہ۔258)

"کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بادشاہی سے نواز رکھا تھا۔"

تو انبیاء علیہم السلام کا مشن یہ تھا کہ لوگ ان جعلی خداؤں کے چنگل سے آزاد رہ کر خدائے واحد کے فرمان کے مطابق زندگی بسر کر کے اگلے جہان میں بھی فلاح پائیں۔ اگر وہ اللہ اور رسول کے علاوہ کسی اور شخص یا آئیڈیل کی فرمانبرداری کریں جس کا حق سے کوئی تعلق نہیں تو ایسی اطاعت کی اللہ نے مذمت کی ہے۔ اور جس اطاعت کا تعلق اللہ تعالیٰ سے، اس کے رسول سے اہل اسلام میں سے کسی "اولو الامر" شخصیت سے ہو تو اسے نہ صرف سراہا ہے بلکہ اسے فرض کیا ہے۔

1۔ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ (توبہ 71)

"اور اللہ اور رسول ؐ اللہ کی اطاعت کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ بڑی جلدی رحمت کرنے والا ہے۔"

Marfat.com

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ (نساء۔ 59)

"یعنی اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اللہ کی اطاعت کرو اور تم میں سے جو کوئی صاحب امر ہو۔ اس کی بھی اطاعت کرو۔"

لیکن جس شخص نے اللہ کے مقابلے میں اپنی خواہشوں کو خدا بنا لیا اس کی مذمت ان لفظوں میں فرمائی گئی۔

اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَهٗ هَوٰهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰی عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰی سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰی بَصَرِهٖ غِشٰوَةً (جاثیہ۔ 23)

"یعنی بھلا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا رکھا ہے اور اسے علم بھی ہے کہ (حقیقی معبود اللہ تعالیٰ ہے) تو اللہ نے بھی اسے سیدھی راہ سے بھٹکا دیا۔ اور اس کے کانوں اور دل پر مہر لگا دی اور آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔"

حاکمیت الٰہی کا قیام

تو اسلامی ریاست کی ضرورت یہ ٹھہری کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا حکم نافذ کیا جائے۔ اللہ کی حاکمیت اور حکومت کا قرآن نے کئی جگہ واضح طور پر اعلان فرمایا:

1۔ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاهُ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ (یوسف40)

"حکم تو بس اللہ کا (چلتا) ہے۔ اس کا فرمان ہے کہ تم صرف اسی (اللہ) کی عبادت کیا کرو۔ یہی ہے صحیح دین۔"

2۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کا نہ صرف پالنے والا ہے بلکہ ان کا بادشاہ اور معبود بھی ہے۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کہلوایا۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ○ مَلِكِ النَّاسِ ○ اِلٰهِ النَّاسِ فرما دیجئے کہ میں انسانوں کے رب کی پناہ مانگتا ہوں۔ جو انسانوں کا بادشاہ ہے اور معبود (بھی) ہے۔ (ناس 1۔ 3)

3۔ اس کی بادشاہی میں اس کا کوئی شریک بھی نہیں۔
لَمْ یَكُنْ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ۔ (بنی اسرائیل 111)

4۔ ہر شے کا وہ خالق ہے اور اسی کا امر ہے۔

Marfat.com

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ۔ (اعراف 54)

5۔ رسولوں کا کام یہ ہے کہ لوگ اللہ کے حکم سے ان کی اطاعت کریں اور اللہ کا ضابطہ حیات اپنا کر فلاح دارین پائیں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ (نساء 64)

اور ہم نے جو رسول بھی بھیجا وہ اس لئے کہ اللہ کے اذن کی بناء پر اس کی فرمانبرداری کی جائے۔

6۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ آپ اسلامی ریاست میں اللہ کے حکم کے مطابق فیصلے کریں۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ (نساء 105)

"اے محمدؐ ہم نے حق بھری یہ کتاب آپؐ کی طرف نازل فرمائی ہے۔ تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اسی روشنی کو سامنے رکھ کر فیصلے کریں جس کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو نظارا کرا دیا ہے۔"

7۔ ریاست اسلامی کا مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ اس کے اندر نظام مصطفیٰؐ کا نفاذ عمل میں لایا جائے:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ۔ (حج ۔41)

"یہ مسلمان لوگ وہ ہیں" کہ ان کو اگر ہم زمین میں اقتدار سے نوازیں گے تو وہ نظام نماز اور زکوٰۃ قائم کریں گے اور نیکی کا حکم دیں گے اور بدی سے روکیں گے۔

8۔ حضور علیہ السلام نے قرآن کے حکم کے مطابق یہ اعلان بھی فرمایا:

وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ (الشوریٰ ۔ 15)

یعنی (بطور اسلامی ریاست کے سربراہ کے) مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان نظام عدل قائم کروں۔

9۔ اسلامی ریاست کے قیام کا ایک اور مقصد قرآن حکیم میں اس طرح بیان کیا ہے:

(الف) كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ۔ (العمران 110)

تم وہ بہترین امت ہو جسے لوگوں کی (اصلاح و ہدایت کی) خاطر پیدا کیا گیا ہے تم نیکی کا حکم دیتے

Marfat.com

ہو اور بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

(ب) وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا۔ (بقرہ۔ 143)

اور اس طرح ہم نے تم کو درمیان والی امت (یعنی اے صحابہ کرام! لوگوں اور رسول اللہ کے درمیان تمہیں رابطے والی امت بنایا۔ یعنی تم نے رسول اللہ سے جو سیکھا اور سنا وہ قیامت تک کے لوگوں کو سکھانا تمہاری ذمہ داری ٹھہراتی ہے) تاکہ تم لوگوں پر گواہ رہو (کہ تم نے جو کچھ رسول اللہؐ سے سنا وہ لوگوں تک صحیح صحیح بَلِّغُوْا عَنِّيْ وَلَوْ اٰيَةً کے ارشاد رسولؐ کے مطابق پہنچا دیا ہے) اور رسول تم پر گواہ رہیں (کہ انہوں نے بھی اللہ کے ارشاد کے مطابق حق تبلیغ ادا کر دیا تھا۔)

اس آیت میں صحابہؓ سے خطاب ہے جبکہ اوپر والی آیت (العمران 110) میں صحابہؓ اور ہر زمانے کے دیگر صلحائے امت سے بھی خطاب ہے۔

(ج) اسلامی ریاست کا قیام کا مقصد یہ بھی ہے کہ دین حق کے منکروں سے جہاد کرو اور اسلام کو نافذ کرو۔

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ۔ (انفال 39)

اور ان کے ساتھ لڑائی جاری رکھو حتیٰ کہ فتنہ (کفر کا فساد) باقی نہ رہے اور دین سب کا سب (بطور ضابطہ حیات) اللہ کا ہی (نافذ) ہو جائے۔

(د) اسلامی ریاست میں اللہ کا رسول ریاست کا سربراہ بھی ہوتا ہے لہٰذا نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد یہ بیان فرمایا گیا:

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (فتح 28، صف 9)

وہی تو (اللہ) ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت کی (کتاب) اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اس دین کو تمام ادیان پر غالب کرے۔

اور امت مسلمہ کی حکومت کا مقصد بھی یہی ہونا چاہئے۔ کہ اس کی قلمرو میں اللہ کا دین غالب ہو۔ اور بطور ضابطہ حیات اس پر عمل پیرا ہو کر لوگ دنیا اور آخرت کی کامیابی حاصل کریں۔

Marfat.com

دنیا میں مختلف نظامہائے حکومت

بادشاہت (Monarchy)

یہ دنیا میں سب سے قدیم طرز حکومت ہے۔ بادشاہ العنان بھی ہوتا ہے اور اپنے عوام کا خدمت گزار بھی۔ قرآن حکیم میں فرعون اور نمرود و شداد ایسے بادشاہوں کے عہد کے واقعات بھی ہیں جو مطلق العنان تھے۔ اور حضرت داؤد' حضرت سلیمان' ذوالقرنین جیسے بادشاہوں کا ذکر بھی ہے۔ جو حق و انصاف کے ساتھ بادشاہی کے فرائض انجام دیتے ہیں۔

تاریخ میں موروثی اور انتخابی دونوں قسم کی بادشاہتوں کی مثالیں ملتی ہیں۔ چنانچہ قدیم روی ریاست اور قدیم پولینڈ میں انتخابی بادشاہت بھی موجود تھی۔ اسی طرح رومن سلطنت میں شاہی خاندان کے افراد سربراہ مملکت کو چنا کرتے تھے۔ 1878ء کے معاہدۂ برلن کے تحت بلغاریہ میں تخت نشینی انتخابی اصول کے تحت انجام پائی۔ اکثر بادشاہتیں موروثی ہوتی ہیں۔

مطلق العنان اور دستوری بادشاہت

مطلق العنان بادشاہ ہی زمانہ قدیم سے چلے ہیں۔ لیکن جمہوری نظریات کے فروغ کے بعد بہت سی بادشاہتیں دستوری بن کے رہ گئیں۔ جیسا کہ انگلستان میں دستوری بادشاہت ہے۔

اسلام اور بادشاہت

ملک یعنی بادشاہ کا مادہ م ل ک ہے۔ جس کے معنی ہیں۔ قوت رکھنا۔ کسی چیز پر قادر اور متولی ہو جانا (محیط)' اختیار و ارادہ' اتھارٹی' بنیاد محکم۔ یا وہ سہارا جس پر کوئی چیز قائم ہو۔ (Lane,s Lexicon) (1) اسی لئے پانی اور غذا نیز دیگر اسباب و وسائل کو ملک کہا جاتا ہے۔ "م ل ک" کا خاصہ قوت اور شدت ہے (2) مَلَکُوت۔

---

(1) انگریزی میں عربی کا مشہور لغت جو زیادہ تر تاج العروس (عربی لغت) پر مبنی ہے۔

(2) علم الخفاق از نواب صدیق حسن خان بھوپالی

Marfat.com

عزت و اقتدار اور حکومت و سلطنت نیز ملک عظیم کو بھی کہتے ہیں۔ لیکن یہ لفظ ملکوت اللہ تعالیٰ کی مملکت کے لئے مخصوص کیلئے مخصوص ہے۔ (تاج العروس) کیونکہ کائنات کا خالق' مالک اور مختار و مقتدر وہی ہے۔ وہی اس کی بنیاد اور سہارا اور اس کی تمام کی تمام کار فرمائیوں کا مالک و متنی ہے (1)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ○
(بقرہ 247)

یعنی اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنا ملک عطا کر دیتا ہے۔ اور اللہ کشائش والا ہے' جاننے والا۔

قرآن حکیم میں بنی اسرائیل کے ایک نبی علیہ السلام کا ذکر ہے جنہوں نے بتلایا کہ تمہارے مطالبہ پر:

اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكاً (بقرہ 247)

"یعنی اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ بنا دیا ہے۔"

لیکن وہ لوگ بولے کہ ہم پر طالوت کو بادشاہی کا حق کیسے حاصل ہے؟ اس سے زیادہ بادشاہی کے مستحق تو ہم خود ہیں اور اس (طالوت) کے پاس مال و دولت بھی زیادہ نہیں۔ تو اس نبی ؑ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو تم لوگوں پر فضیلت دی ہے۔ اور بادشاہی عطا کرنا اللہ کی مرضی پر منحصر ہے۔ (بقرہ۔ 247)

بنی اسرائیل کو موسیٰ علیہ السلام نے یاد دہانی کراتے ہوئے فرمایا:

يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكاً۔ (مائدہ۔ 20)

"اے میری قوم۔ یاد کرو اللہ کے وہ احسان جو اس نے تم پر کئے۔
(وہ یہ کہ) جب اس نے تم لوگوں میں پیغمبروں کو پیدا کیا۔ اور تمہیں بادشاہ بنایا۔"

آل ابراہیم کو عظیم مملکت عطا کرنے کا ذکر بھی قرآن میں آیا ہے۔ (نساء۔54)

سورہ کہف میں ایک ظالم و جابر بادشاہ کا ذکر بھی ملتا ہے جس کے ظلم سے بچنے کے لئے خضر علیہ السلام نے یتیم بچوں کی کشتی کو عیب دار کر دیا تھا۔ (کہف 79)

(1) دیکھئے 6/75' 7/185' 23/88' 36/83۔

Marfat.com

اور ایک دوسرے بادشاہ ذوالقرنین کا ذکر بھی ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے نے بادشاہی عطا کرنے کے بعد فرمایا:

قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا ۝ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ۝ (کہف۔ 86۔ 87)

"ہم نے کہا۔ اے ذوالقرنین! چاہو تو تم لوگوں کو تکلیف دے لو۔ اگر چاہو تو ان کے ساتھ بھلائی اختیار کرو (دونوں باتوں کی تمہیں قدرت حاصل ہے۔) تو ذوالقرنین بولا۔ کہ (ہماری مملکت میں) جو کوئی (کفر و بدکاری سے) ظلم کرے گا تو اسے ہم فوری طور پر سزا دیں گے۔ پھر جب وہ اللہ کی طرف لوٹایا جائے گا تو وہ بھی اسے بہت برا عذاب دے گا۔"

اگلی آیت میں اہل ایمان کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی یقین دہانی کرائی گئی ہے۔ (کہف 88)

اسی طرح سورۃ یوسف میں بھی ایک بادشاہ کا ذکر ہے:

تو گویا بادشاہی اسلام میں کوئی شجر ممنوعہ نہیں بشرطیکہ بادشاہ سلامت لوگوں کے ساتھ اللہ کے قانون کے مطابق عدل و انصاف اختیار کریں۔ اور اگر وہ ایسا نہ کریں گے تو ان کا انجام فرعون نمرود اور شداد کی طرح ہو گا۔ داؤد علیہ السلام کو خلیفہ فی الارض کہا گیا ہے۔ جبکہ سلیمان علیہ السلام کی بادشاہی کی شان ہی نرالی تھی۔

سلیمان علیہ السلام کی سلطنت و مملکت و خلافت کی شان

ارشاد ربانی ہے:

وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ــــــــ فِىْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ (نمل۔ 16 تا 18)

اور سلیمان علیہ السلام داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے۔ اور فرمایا اے لوگو! ہمیں جانوروں کی بولی کا علم دیا گیا ہے (یہاں۔ تا جمع کا

Marfat.com

صیغہ سلیمان علیہ السلام نے اپنے لئے استعمال کیا حالانکہ منطق الطیر کا علم صرف اکیلے انہی کو دیا گیا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ بطور بادشاہ یا سربراہ مملکت اپنے لئے جمع کا صیغہ استعمال کرتے تھے تاکہ اسلامی بادشاہ یا خلیفہ کی شان و شوکت ظاہر ہو) اور ہر چیز عطا فرمائی گئی ہے اور یہ سب اللہ تعالیٰ کا ہی فضل مبین ہے۔ اور سلیمان کے لئے جنات' انسانوں اور پرندوں کے لشکر جمع کئے گئے۔ اور سب کو زمرہ وار' ترتیب سے سامنے حاضر کیا گیا۔ حتی کہ جب (حضرت سلیمانؑ اور ان کے لشکر) چیونٹیوں کے میدان میں پہنچے تو ایک مادہ چیونٹی نے (اپنی ساتھی چیونٹیوں سے) کہا "اے چیونٹیو! اپنے اپنے بلوں میں داخل ہو جاؤ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور اسکے لشکر تمہیں اپنی بے خبری میں کچل ڈالیں۔" (یہ بات سلیمان علیہ السلام نے سن بھی لی اور سمجھ بھی لی) پس وہ اس بات پر ہنسے اور عرض کی۔ "اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ جو احسان تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کیا اس پر میں تیرا شکر ادا کرتا رہوں اور ایسے نیک کام کروں جن سے تو خوش ہو جائے اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں شامل فرما۔"

پھر آپ نے جمع شدہ عساکر کا جائزہ لیا۔ تو ہدہد کو نہ پایا۔ اور اس غیر حاضری پر اظہار ناراضگی فرماتے ہوئے کہا:

لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا اَوْلَاۡاَذْبَحَنَّهٗۤ اَوْلَيَاْتِيَنِّىْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ (نمل 21)

"یعنی میں ہدہد کو سخت سزا دوں گا یا اسے ذبح کروں گا یا اسے میرے حضور میں (اپنی بے قصوری کی) دلیل صریح پیش کرنا ہو گی۔" (گویا آپ کے فرمان سے رعب و دبدبہ جھلک جھلک پڑتا

Marfat.com

ہے۔)

پھر ہد ہد نے بلقیس نامی ملکہ کی سلطنت کی خبر دی اور سلیمان علیہ السلام نے ہد ہد کے ذریعے اپنا نامہ بھیجا یہ نامہ ایک ایسے مسلمان فرمانروا کے طریق کار کو، جس کو اللہ تعالیٰ نے اقتدار سے نوازا ہو، ظاہر کرتا ہے۔ ذرا اس کا طرز تخاطب ملاحظہ ہو۔

یہ خط سلیمان کی طرف سے ہے۔ وَاِنَّهٗ بسم اللّٰہ الرحمٰنِ الرحیم۔ (اور یہ ہے شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے)۔۔۔۔۔ (پس واضح ہو کہ):

اَلَّا تَعْلُوْا عَلَیَّ وَاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ۔۔۔۔۔۔

"یعنی تم میری سرکشی نہ کرو اور مطیع ہو کر چلے آؤ۔"

ملکہ نے امراء سے مشورہ کیا۔ تو وہ غلامانہ ذہنیت کے مالک، خوشامدانہ لہجے میں اکڑ فوں ظاہر کرتے ہوئے بولے:

نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِیْدٍ وَّالْاَمْرُ اِلَیْكِ۔ (نمل - 33)

"ہم بڑے زور آور اور سخت جنگجو ہیں۔ اور حتمی فیصلہ کرنا آپ کے اختیار میں ہے۔"

تو ملکہ نے بادشاہوں کی ایک عادت جتاتے ہوئے کہا کہ بادشاہ جب کسی شہر کو فتح کر لیتے ہیں تو اس میں داخل ہو کر فساد برپا کرتے ہیں۔ اور وہاں کے معززین کو ذلیل کر دیتے ہیں۔ اور ان (سلیمانؑ) سے بھی یہی کچھ متوقع ہے۔ (نمل-34)

پھر اس نے تحائف بھیج کر سلیمان علیہ السلام کے عندیہ کا جائزہ لینا چاہا۔ تو سلیمان علیہ السلام نے تحائف واپس کر دیئے اور قاصدوں سے فرمایا:

اِرْجِعْ اِلَیْهِمْ فَلَنَاْتِیَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَاۤ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ۔ (نمل - 37)

اس کے پاس واپس چلے جاؤ۔ تو اب ہم ان پر ایسے لشکر سے چڑھائی کریں گے جس کے مقابلہ کی ان کو طاقت نہ ہو گی۔ اور انہیں وہاں سے ذلیل کر کے نکال دیں گے۔ اور وہ بہت بے عزت ہو کر رہ جائیں گے۔

یہ انداز تخاطب اہل اسلام کے لئے ایک سبق ہے کہ وہ شان و قوت اور سلطنت حاصل کریں اور پھر صرف اللہ کی خاطر۔ (نہ کہ مال و دولت کے حصول کے لئے) بنی نوع

Marfat.com

انسان تک پیغام خداوندی پہنچانے کا فریضہ ادا کریں۔ اور اس میں اظہار تکبر کی نوبت بھی آئے تو دریغ نہ کریں۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ میدان جنگ میں کافروں کے خلاف مسلمان غازی کا اظہار تکبر گناہ نہیں اور پھر سلطنت سلیمانی کی قوت فرمانروائی کا نقشہ قرآن حکیم میں اس طرح کھینچا گیا ہے کہ:

سلیمان علیہ السلام حاضرین کو حکم دیتے ہیں کہ کوئی تم میں سے ملکہ کے تخت کو جلد سے جلد یہاں لا کر پیش کر سکتا ہے؟ تو ایک بڑا جن بولا کہ میں یہ مجلس برخاست ہونے سے پہلے پہلے لا کر حاضر کر سکتا ہوں۔

(فرمایا ــــــ نہیں۔ مجھے اس سے جلدی چاہئے۔ تو ــــــــ:)

قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْکِتٰبِ اَنَا اٰتِیْکَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْکَ طَرْفُکَ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ۔ لِیَبْلُوَنِیْٓ ءَاَشْکُرُ اَمْ اَکْفُرُ وَمَنْ شَکَرَ فَاِنَّمَا یَشْکُرُ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ کَفَرَ فَاِنَّ رَبِّیْ غَنِیٌّ کَرِیْمٌ ○

(نمل ۔ 40)

"ایک شخص، جس کے پاس کتاب الہٰی کا علم تھا۔ عرض گزار ہوا۔ میں وہ تخت آپ کو لا حاضر کر دیتا ہوں۔ پیشتر اس کے کہ آپ آنکھ جھپکیں۔ تو (پھر جب آنکھ جھپکی تو) سلیمان ؑ نے تخت کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا ــــ تو فرمایا ــــ یہ میرے اللہ کا فضل ہے یہ فضل اس نے اس لئے کیا ہے کہ وہ آزمانا چاہتا ہے کہ آیا میں (اللہ کے فضل پر اس کا) شکر کرتا ہوں یا اس کی ناقدری کرتا ہوں۔ اور (اللہ کا اصول یہ ہے کہ) جو کوئی شکر کرتا ہے تو وہ اپنے لئے کرتا ہے۔ اور ناشکری (یا ناقدری) کرے تو میرا رب بے پرواہ ہے کرم نواز۔"

بادشاہت کا جواز

تو ثابت یہ ہوا کہ بادشاہت جس میں فرد واحد مقتدر اعلیٰ ہو۔ لیکن وہ حکومت کا نظام اللہ کے احکامات کی پیروی میں سرانجام دے تو ایسی بادشاہت کا اسلام میں وجود نہ

Marfat.com

صرف جائز بلکہ لوگوں کے لئے باعث رحمت بھی ہے۔ لیکن اگر بادشاہت ظلم و استبداد کا روپ دھار لے اور اللہ کے احکامات کی بجائے مقتدر اعلیٰ بن کر ذاتی احکامات کا قانون کا درجہ دے کر نافذ کرے جو ظلم و جور پر بھی مبنی ہوں تو یہ صورت اسلام میں ناقابل برداشت ہے۔ کیونکہ اسلام انسانی شخصیت کی نشوو ارتقاء اور آزادی پر زور دیتا ہے۔ چنانچہ بادشاہت اگر مبنی بر انصاف ہو تو بڑی فائدہ مند ثابت ہوتی ہے۔ مثلاً:

1۔ مستحکم حکومت کے قیام کا ذریعہ ہے۔
2۔ فطری اطاعت کا ادارہ ہونے کے ناطے لوگ اس کی اطاعت میں عافیت سمجھتے ہیں۔
3۔ پسماندہ معاشروں میں نیک رو بادشاہت تہذیب و تمدن کی ترقی کا ذریعہ ثابت ہوتی ہے۔
4۔ اگر جمہور کے حقوق کی پاسداری اللہ کے اصولوں کے مطابق کی جائے تو بادشاہت میں کوئی حرج نہیں۔
5۔ بادشاہت میں ہنگامی حالات کا مقابلہ کرنے کی زیادہ صلاحیت ہوتی ہے۔ پس ایسے حالات میں یہ موثر ترین طرز حکومت ہے کیونکہ فوری فیصلے بعجلت کئے جا سکتے ہیں۔
6۔ بادشاہت قوم و ملک کے مفاد کے لئے اختیار کردہ پالیسی کے تسلسل کا ذریعہ بنتی ہے۔ جب کہ جمہوریت میں حکومت کی تبدیلی سے جاری پالیسیوں میں تبدیلی نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔
7۔ مفاد عامہ کے خلاف کام کرنے والے لوگوں کا بے لاگ محاسبہ کیا جا سکتا ہے۔ اور معزولی کا خوف کھائے بغیر ان کے خلاف تادیبی کارروائی روبعمل لائی جا سکتی ہے۔ کیونکہ بادشاہ کو عدم اعتماد کا خطرہ نہیں ہوتا۔ جو جمہوریت کا خاصہ ہے۔
8۔ بادشاہت صرف اس وقت خرابی کی جڑھ ثابت ہوتی ہے۔ جب اس میں انصاف اور حق کی بجائے ظلم و استبداد کا دور دورہ ہو۔
9۔ ایکشنوں پر خرچ ہونے والے کروڑوں اربوں روپے ترقیاتی کاموں میں استعمال کئے جا سکتے ہیں۔ اور ملک مقروض ہونے سے محفوظ رہتا ہے۔
10۔ شوریٰ کے طور پر اگر دیانتدار اور اہل ترین لوگوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ملک و ملت کی خدمت کا موقع دیا جائے تو عوام کی بہتر خدمت کی جا سکتی ہے۔

Marfat.com

موروثی اصول کی خامی

...اہت کے نقائص

ایک بادشاہ کا بیٹا ضروری نہیں کہ ضرور قابل اور نیک کردار ہی ہو۔ لہٰذا نیا بادشاہ ...کرتے وقت جنگ وغیرہ کا خطرہ ہوتا ہے۔

...اہوں کی رجعت پسندی

بعض نااہل بادشاہ عوام کو بھی بے علم اور نااہل رکھتے ہیں۔ مبادا علم کی روشنی پاکر ...وشاہ پر تنقید کرنے لگ جائیں۔

...ل بحث

حاصل اس بات چیت کا یہ ہے کہ دراصل کسی بھی طرز حکومت کی خوبیاں اس ...ہ اس کی خامیاں بن جاتی ہیں جب حق و صداقت کے اصولوں سے انحراف کو روا رکھا ...ئے۔

اشرافیہ

"ARISTOCRACY"

...ف

ایسی حکومت جس میں چند افراد کو بعض امتیازات کی بناء پر حکومت کرنے کا حق ...ں ہو۔ اشرافیہ کہلاتی ہے۔

...

روسو کے نزدیک اشرافیہ کی تین قسمیں ہیں۔ (1) فطری (2) ... (3) موروثی ...نظریہ

یونانیوں کے نزدیک اشرافیہ بہترین طرز حکومت ہے۔ چنانچہ افلاطون اپنی ...یہ" میں علمی فضیلت کی بناء پر تشکیل پانے والی اشرافیہ کو مطلق العنان حکومت کا

Marfat.com

اختیار دیتا ہے۔

ارسطو کے نزدیک اشرافیہ چند دیانتدار اور قابل افراد کی حکومت ہے۔ جو ہر معاملہ میں مفاد عامہ کو پیش نظر رکھے۔

چند سری حکومت

لیکن اگر "اشرافیہ" بددیانت' خودغرض اور بدکردار لوگوں پر مشتمل گروہ حکومت کا روپ دھارت لے تو اسے چند سری حکومت کہتے ہیں۔

آمریت

(DICTATOR SHIP)

یہ دراصل بادشاہت کی ظالمانہ شکل ہے۔ اس طرز حکومت میں حق و انصاف کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی انگلستان میں کرامویل نے سترہویں صدی میں آمریت قائم کی اٹھارویں صدی میں نپولین بوناپارٹ فرانس کا آمر بن کر سامنے آیا 1921ء میں مسولینی نے اٹلی میں اور 1933ء میں ہٹلر نے جرمنی میں آمرانہ نظام قائم کیا۔ سپین میں فرانکو' پرتگال میں کارموناں اور سلازار' اور ہنگری میں ہوردی (Horthy) کی آمریت قابل ذکر ہیں روس میں 1917ء میں اشتراکی نظام کے تحت مزدوروں کے نام پر آمریت قائم ہوئی۔ آمریت کے فائدے اور نقصان تقریباً وہی ہیں جو ایک بادشاہت میں ملتے ہیں۔ آمریت میں البتہ آمر کو عوام یا خواص کسی کا بھی لحاظ کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ فرد واحد (یا جماعت واحد) اپنی مرضی کے مطابق پورے ملک کو چلاتا ہے۔

جمہوریت

(DEMOCRACY)

تعریف

جدید دور کا جدید طرز حکومت جس میں ہر شخص کو حکومتی معاملات میں شرکت حاصل ہو۔ جمہوریت کہلاتا ہے۔ لارڈ برائس کے خیال میں جمہوریت میں حکومت کرنے کے حق معاشرہ کے تمام افراد کو ہوتا ہے۔

Marfat.com

...دی خصوصیات

اقتدار کا سرچشمہ عوام ہوتے ہیں۔ وہی اکثریت کے رائے لے مطابق اپنے ...دے چنتے ہیں۔ اس میں بنیادی بات مختلف سیاسی پارٹیوں کا وجود ہے۔ جو الیکشن میں ...لے کر ملک کو اپنے منشور کے مطابق چلاتی ہیں۔ اس طرز حکومت میں حکومت کو ...مخصوص عرصہ کے لئے چنا جاتا ہے۔ اور وہ عوام کے سامنے جوابدہ ہوتی ہیں۔ تحریر و ...ر کی آزادی ہوتی ہے۔ سب شہریوں کی بنیادی حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ دستور کی ...تی کا اصول بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔

...وریت کے فوائد

جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہوا ہے کہ طرز حکومت خواہ کوئی ہو اگر اس کی بنیاد حق و ...ف پر ہوگی تو وہ فائدہ مند ہوگا۔ ورنہ نہیں۔

...ں کی حکومت

اس میں عوام کی خواہشات کا پورا احترام کرتے ہوئے انتخابات ہوں تو عوامی حکومت قائم ہو جائے گی۔ جسے عوامی جمہوریہ کہا جائے گا۔

ہر چار پانچ سال بعد الیکشن ہوتے ہیں اور نمائندوں کو دوبارہ عوام کے پاس آنا پڑتا ہے۔ پس جو نمائندے عوام کی خدمت نہ کر سکے ہوں انہیں عوام مسترد کر... ہیں۔

لوگوں کے سیاسی شعور میں پختگی آتی ہے۔

یہ پر امن انتقال اقتدار کا ذریعہ ہے۔

موروثیت سے بالا ہے (لیکن عملی طور پر موروثیت کے آثار بھرپور انداز میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔)

اہلیت کو مدنظر رکھ کر چناؤ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن نااہل حضرات بھی آگے آتے ہیں۔

محب وطن افراد کا ... میں آسکتا ہے۔ لیکن بدکردار لوگوں کو بھی آگے آنے ... ہے ... با ملتا۔

لوگوں کی خواہشات بنیادی عنصر ہوتی ہیں انہی کی خواہشوں کا خیال رکھنا ہر منتخب حکومت کی ذمہ داری ہے۔

Marfat.com

9۔ لوگوں کو سیاسی اور مذہبی بلکہ ہر طرح کی آزادی حاصل ہوتی ہے بہترین اخلاقی ... کی پاسداری لازمی اور ضروری نہیں۔ مذہب ہر شخص کا ذاتی معاملہ قرار ... ہے۔

جمہوریت کے نقائص

1۔ جمہوریت ایک پیچیدہ نظام حکومت ہے۔ لوگ اس میں صرف تفریحاً دلچسپی لیتے ... انتخابات کے بعد مستقل طور پر عوام کا حکومت سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔

2۔ چالاک' نااہل اور ہوشیار لوگ بھی لچھے دار تقریریں کرکے اور سنہری وعدوں ... ذریعے منتخب ہو جاتے ہیں جاگیردار اور وڈیرے بھی اپنے "مزارعین" کے ... سے منتخب ہو کر اقتدار میں آجاتے ہیں۔

3۔ مستقل طور پر حکومت کا حق نہ ہونے کی وجہ سے حکومت نااہل اور غیر مستحکم ... ہے۔ اور لمبی مدت کے منصوبے ناکام رہتے ہیں۔

4۔ اکثریت کی استبدادیت قائم ہو جاتی ہے۔

5۔ علاقائی بنیاد پر نمائندگی کی وجہ سے ایک ہی طرح کے نمائندے آگے آتے ہیں ...

6۔ پیشہ ورانہ بنیادوں پر نمائندگی کا فقدان عدم مساوات پیدا کرتا ہے۔ اور ملکی ... رک جاتی ہے۔ بددیانت سیاست کاروں کی کامیابی کی صورت میں ملک ... سکتا ہے۔

مغربی جمہوریت اور اس کی خامیاں اور اسلام

مغربی جمہوریت پر ناقدانہ نظر

جمہوریت کا بنیادی نظریہ حکومت یہ ہے:

"لوگوں کی حکومت' لوگوں کے ذریعے' لوگوں کے لئے۔"

1۔ اس میں خدا تعالیٰ کا تصور "لوگوں کا ذاتی معاملہ" سے متعلق کر دیا گیا ہے۔ ... سے خدا کا اور خدا سے حکومت کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

2۔ اس میں طاقت کا سرچشمہ خدا کی ذات نہیں بلکہ صرف عوام ہوتے ہیں۔

Marfat.com

3- اس میں رائے کی اکثریت کی بنا پر فیصلے کئے جاتے ہیں۔ چاہے رائے دینے والے اعلیٰ ترین قابلیت کے مالک ہوں یا ادنیٰ سی سوجھ بوجھ رکھنے والے۔

4- اس میں رائے دہی کی بنیاد "ایک شخص ایک رائے" (One Man One Vote) کو قرار دیا گیا ہے۔ بظاہر یہ تصور بڑا دلکش ہے۔ لیکن اس میں عقلی اور عملی لحاظ سے گدھے اور گھوڑے برابر ہیں۔

5- اس میں لوگوں کی خواہشات کو بنیادی حیثیت دی جاتی ہے۔ اور ان کی خواہشوں کی پاسداری کرتے ہوئے فیصلے ان کی اہلیت کی بجائے رائے دہندگان کی گنتی کی بنا پر کئے جاتے ہیں۔ اور یہ معیار حق و انصاف کے تقاضوں کے منافی ہے۔

6- اس نظام میں اخلاقی اقدار کی پاسداری کا کوئی تصور موجود نہیں۔ نیکی (معروف) اور بدی (منکر) کا کوئی معیار نہیں ہوتا۔ لوگوں کی اکثریت جسے نیکی قرار دے دے وہ نیکی ہے۔ اور جسے بدی قرار دے وہ بدی ہے۔ نیز یہ وطنی' قومی اور جغرافیائی حد بندیوں تک محدود ہو کر رہ گئی ہے جس نے حسب نسب اور رنگ و نسل کے فتنے اٹھائے ہیں۔

7- اس نظام میں آسمانی تعلیم کا کوئی تصور نہیں۔ نہ حلال اور حرام کا کوئی معیار و تصور ہے۔ ہر معاملہ کی بنیاد "کثرت رائے" پر رکھی ہوتی ہے۔ اگر آج' سچ بولنا۔ کثرت رائے سے ایک قانون بن جاتا ہے۔ تو کل کلاں کثرت رائے کے بل پر "جھوٹ بولنے۔" کو بھی قانونی شکل مل سکتی ہے۔

8- اس نظام میں لوگوں کی خواہشات اور ان کی مرضی اور چاہت کو بنیادی مقام حاصل ہوتا ہے چنانچہ اگر نمائندوں کی اکثریت عورتوں اور مردوں ہم جنسیت پرستی اور لواطت ایسی قبیح اور اخلاق سوز حرکتوں کو قانونی طور پر جائز قرار دے دے تو اس نظام میں یہ باتیں قانون کا حصہ بن جاتی ہیں۔ حالانکہ قوم لوط اسی وجہ سے تباہ ہوئی تھی۔

9- اس نظام میں نمائندوں کو چننے کے لئے بظاہر نہایت اچھا اور مبنی بر انصاف طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔ لیکن جو لوگ انتخابی مہمات میں لاکھوں روپیہ خرچ کرنے کے بعد قوم کی خدمت کا جذبہ لے کر اٹھتے ہیں وہ اپنا "اصل زر" بھلانے سے قاصر ہوتے ہیں۔ لہٰذا دولت کے حصول کا چکر چل پڑتا ہے۔ (الا ماشاء اللہ)

Marfat.com

10۔ ایک ایک نشست کے لئے کئی کئی امیدوار ہوتے ہیں۔ اور ہر امیدوار اپنی جیب سے یا اپنی پارٹی کے خرچ پر لاکھوں روپیہ انتخابی مہم پر خرچ کرتا ہے۔ اس طرح ایک ایک سیٹ پر مجموعی اخراجات لاکھوں کروڑوں تک پہنچ جاتے ہیں۔ اور یوں ایک طرح سے قوم کی دولت کا ضیاع ہوتا ہے۔ (لیکن اس بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ رقم ملک ہی میں خرچ ہوتی ہے اور اس سے ملک کے مختلف طبقوں کو ہی فائدہ پہنچتا ہے۔ بلکہ یہ تصور بھی دیا جاتا ہے کہ امیدوار کی دولت اس کی تجوری سے نکل کر عوام کا رخ کرتی ہے اس طرح ارتکاز اور اکتناز دولت کی نفی ہوتی ہے۔ لہٰذا انتخابی مہمات میں زیادہ یا کم اخراجات ایک طرح سے عوام کی غربت دور کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔)

11۔ کسی ملک میں جمہوریت کے آغاز میں انتخابی معاملات نہایت سادگی سے طے پاتے ہیں۔ اس لئے یہ نیلم پری بڑی دلکش بن کر ہمارے دل و دماغ پر چھا جاتی ہے لیکن رفتہ رفتہ لوگوں کی دلی خواہشات رنگ لانے لگتی ہے اور جمہوری ممالک حرص و ہوس' لوٹ کھسوٹ' خود غرضی' خودنمائی اور خود گری وغیرہ ایسی قبیح بیماریوں میں مبتلا ہو کر رہ جاتے ہیں۔ کہ وقت کے ساتھ ساتھ صورت حال بد سے بدتر ہونے لگتی ہے۔ اور روکنے کی کوشش کے باوجود یہ سلسلہ نہیں رکتا کیونکہ نمائندوں کی اکثریت اپنی خواہشات کی راہ میں حائل ہونے والے ہر روڑے کو عدم اعتماد کی چھری سے جب چاہے ذبح کر سکتی ہے۔ نیز اسلامی لٹریچر میں جمہوریت کا جو تصور پایا جاتا ہے۔ اہل مغرب کی جمہوریت (Democracy) اس سے بہت مختلف چیز ہے۔ اہل مغرب نے یہ تصور عربی لفظ "جمہور" سے اخذ نہیں کیا۔ بلکہ یہ لفظ (Democracy) یونانی لغت سے لیا ہے۔ جس کے معنی ہیں عوام کی حاکمیت۔

12۔ اس نظام میں معیار حق اور ماخذ قانون عوام کی مرضی اور منشا ہوتی ہے۔ جمہور الناس مختار کل اور مقتدر اعلیٰ ہوتے ہیں۔ اور جمہوریت مطلق العنان ہوتی ہے۔ اس نظام میں عوام کے نمائندوں کے لئے خدا رسول اور دین اور آسمانی کتابوں یا اخلاقی قدروں کی پاسداری یا متابعت لازمی نہیں ہوتی۔ بلکہ عوام کی پسند اور ان کی مرضی کے مطابق وفاداری کا اطلاق ہوتا ہے۔ البتہ دین ہر ایک کا ذاتی معاملہ ضرور ہوتا ہے۔ اگر کسی کو دین نبھانا ہو تو بے بسی کی صورت میں وہ مستعفی ہو سکتا ہے۔

Marfat.com

جمہوریت کی مختصر کہانی

یہ نظام دراصل جابرانہ بادشاہت اور پاپائیت کے خلاف ردعمل کے طور پر سامنے لایا گیا۔ 57 ق م سے 450ء تک انگلستان رومی امپائروں کے تسلط میں رہا۔ اور پھر 1488ء تک اہل انگلستان غیر ملکی یا ملکی جبر و استعداد کی چکی میں پستے رہے۔ سٹورٹ خاندان کے بادشاہوں اور عوام کے درمیان خانہ جنگی کے نتیجہ میں 1688ء میں انقلاب آیا اور پھر 1690ء میں جان لاک نے اپنی کتاب رسول گورنمنٹ شائع کی جس میں جمہوری حکومت کے خدوخال واضح کیے گئے۔ اور حکمران کی عوامی خواہشات کا پابند بنایا گیا۔ روسو (یہ سوئٹزرلینڈ کا شہری تھا لیکن فرانس میں رہائش رکھتا تھا۔) نے 1762ء میں اپنی کتاب میں جان لاک کی آئینی بادشاہت کے نظریے کو اور ہابس کے مطابق العنان بادشاہت کے تصور کو رد کرتے ہوئے خالص عوامی حاکمیت کا نظریہ پیش کیا۔ روسو کی کتاب "معاہدہ عمرانی" 1762ء میں شائع ہوئی جس کے اثرات سے 1789ء میں انقلاب فرانس نے جمہوریت کو سہارا دیا۔ امریکی اعلان آزادی بھی اسی عوامی اقتدار اعلیٰ کے نظریے کا جزو تھا۔ جسے 3 ستمبر 1783ء کو پیرس کے صلح نامے پر دستخط کرکے برطانیہ نے تسلیم کرلیا اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ نامی آزاد جمہوری ریاست قائم ہو گئی۔ پھر تو اس جمہوریت نے آزادی کے دریا بہا دیئے۔ اور مادر پر آزادی کی لہروں نے اخلاقی اقدار کو ملیامیٹ کرکے رکھ دیا۔ ڈارون' مارکس فرائیڈ اور ایسے ہی دیگر مغربی مفکرین نے روحانیت اور دینیات کا انکار کرکے مادہ پرستی اور حیوانات کی تعلیم دی اور ہر طرف لادینی جمہوریت اور عوامی حاکیت کے شور نے دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اور اب عالمی سپر پاورز اہل اسلام کو بھی جمہوریت کی آڑ میں اسلام سے دستبردار ہونے کے لئے کہہ رہی ہیں۔

قرآن حکیم اور طاقت کا سرچشمہ

جمہوریت میں طاقت کا سرچشمہ عوام ہوتا ہیں۔ اور اس کا تعلق انسانوں کی دنیوی فلاح تک محدود ہوتا ہے عقبی کی فلاح کا اس میں کوئی تصور نہیں پایا جاتا۔ خدا اور رسول کو ماننے یا نہ ماننے کے عقائد کو ذاتی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ لہٰذا مجموعی طور پر جب ایک ریاست کے باشندے جمہوری نظام حکومت اپناتے ہیں تو بعض ممالک اپنے دین اور مذہب کو آئین میں خصوصی اہمیت دینے کے باوجود۔۔۔ قانونی طور پر اکثریت کے تابع

Marfat.com

ہونے کی وجہ سے وہ مقاصد حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں جو دین و مذہب کا تقاضا ہوں۔ لیکن قرآن حکیم اس جمہوری نظام کی نفی کرتا ہے جو آجکل مغرب کی تقلید میں مختلف اسلامی ممالک میں بھی رائج ہے۔ قرآن حکیم کی رو سے طاقت کا سرچشمہ اللہ کی ذات ہے:

(الف) اِنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا۔ (بقرہ ۔ 165) بیشک طاقت تو سب کی سب اللہ کے ہاتھ ہے۔

(ب) لَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ (کہف 39) قوت تو صرف اللہ کے ساتھ ہے۔

(ج) عزت اور غلبہ کا مالک بھی اللہ تعالٰی ہی ہے۔

(1) فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعاً O (نساء ۔ 139)

تو ساری عزت بیشک اللہ ہی کے لئے ہے۔

(2) اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعاً ۔O (یونس ۔ 65)

فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعاً ۔ (فاطر 10)

(د) حکمرانی اور قانون سازی کی سرچشمہ بھی اللہ کی ذات ہے:

بَلْ لِلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعاً ۔ (رعد ۔ 31)

قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهُ لِلّٰهِ ۔ (العمران ۔ 145)

(ہ) اللہ کی مخلوق میں اللہ کا قانون ہی چلنا چاہیے۔ چنانچہ فرمایا:

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ O (اعراف ۔ 54)

دیکھو! مخلوق بھی اللہ کی ہے اور حکم بھی (اسی کا ہے) اللہ تعالٰی بڑی برکت والا ہے سارے جہانوں کا پالنے والا۔

پارٹی بازی

قرآن حکیم اہل اسلام کو تفرقہ اور پارٹی بازی سے منع کرتا ہے۔ اور یکجہتی پر زور دیتا ہے۔ لیکن جمہوریت کی بنیاد ہی پارٹی بازی پر رکھی گئی ہے۔ اس میں حکومت پارٹی حزب اقتدار کہلاتی ہے۔ اور باقی جتنی بھی پارٹیاں ہوتی ہیں وہ حزب اختلاف بن کر مخالفت میں اس وقت تک جتی رہتی ہیں جب تک اقتدار ان میں سے کسی کو مل نہ جائے۔ اس طرح تعمیری کاموں کے لئے اور اجتماعی معاملات میں جو یکسوئی اور یکجہتی درکار ہوتی ہے اس کا فقدان عموماً بحران کی کیفیت پیدا کئے رکھتا ہے انہیں صرف اقتدار میں

Marfat.com

رہنے سے غرض ہوتی ہے۔ حق و باطل کا معیار ان کے سامنے نہیں رہتا بلکہ ہر جائز اور ناجائز طریقے سے اقتدار کی جنگ رہتی ہے۔ جبکہ قرآن حکیم کا ارشاد ہے:

1۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعاً وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔ (العمران ۔ 103) اور تم سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور پارٹیاں نہ بناؤ۔

2۔ اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ۔ (شوریٰ ۔ 13)
کہ دین کو قائم کرو اور اس معاملے میں پارٹیوں میں بٹ کر نہ رہ جائو۔

3۔ اتحاد و اتفاق اور یکجہتی اختیار کرنے کے قرآنی احکامات کے بعد پارٹی بازی کا شکار ہونے سے قرآن منع کرتا ہے:
وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ (العمران 105)
اور (اے اہل اسلام) تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائو۔ جو پارٹیوں میں بٹ گئے تھے اور واضح احکامات آجانے کے بعد بھی اختلافات میں الجھے رہتے تھے اور ایسے لوگوں کے لئے بہت بڑا عذاب ہے۔

محض کثرت رائے سے فیصلے کرنے کی ممانعت

اسلام کی رو سے ساری انسانیت امت واحدہ ہے۔ مسلمان حضورؐ کے مومن امتی ہیں اور منکرین حضورؐ کے کافر امتی ہیں۔ بدیہی طور پر یہ بات بڑی دل خوش کن لگتی ہے کہ کثرت رائے سے فیصلے کئے جائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں خود اپنی اور اپنے رسولؐ اور اپنے احکامات و قوانین کی بالادستی کا حکم دیا ہے۔ جبکہ جمہوریت میں پارلیمنٹ کی بالادستی مقدم ہوتی ہے۔ اور پارلیمنٹ میں جو لوگ منتخب ہو کر پہنچتے ہیں وہ کثرت رائے کے نتیجے میں پہنچتے ہیں۔ جبکہ قرآن حکیم سیادت و قیادت کا معیار کثرت رائے کو نہیں ٹھہراتا۔ بلکہ صرف اپنے آسمانی احکامات کو ہی حق و صداقت کی کسوٹی قرار دیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:
وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنْ

Marfat.com

يَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ○ (انعام 115 ـ 116)

"اور تیرے پروردگار کی باتیں سچائی اور انصاف میں مکمل ہیں۔ اس کی باتوں کو بدلنے کا اختیار کسی کو نہیں۔ اور وہ (ہر طرح کے لوگوں کی باتیں) سنتا بھی ہے اور (حقیقت الامر سے) آگاہ بھی ہے۔ اور (اے نبیؐ! یا اے سننے والے!) اگر تو زمین پر بسنے والے لوگوں کی اکثریت کے کہنے پر چلے گا تو وہ تجھے اللہ کے راستے سے بھٹکا دیں گے (کیونکہ) وہ تو محض خیال کے پیچھے چلتے ہیں اور نری انکلوں کے تیر چلاتے ہیں۔"

1- اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ○
(بقرہ ـ 243) (مومن ـ 61)

"بیشک اللہ تعالیٰ لازما لوگوں پر اپنا فضل کرنے والا ہے لیکن لوگوں کی اکثریت (شکر گزار نہیں) اس کی قدر نہیں کرتی۔"

2- فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ق اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ (ھود ـ 17)

"(اے نبیؐ) آپؐ اس (قرآن سے شک میں نہ ہونا۔ یہ آپؐ کے پروردگار کی طرف سے حق ہے لیکن لوگوں کی اکثریت ایمان نہیں لاتی۔"

3- وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (یوسف 21)

"اور اللہ تعالیٰ اپنے امر میں ہمیشہ غالب رہتا ہے۔ لیکن لوگوں کی اکثریت (اس حقیقت سے بھی) آگاہ نہیں۔"

ـ حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر بتاتے وقت دو قیدیوں کو بتلایا کو تمہارا روز مرہ کا کھانا آنے سے پہلے اللہ کے سکھائے ہوئے علم کی بدولت تمہارے خوابوں کی تعبیر بتا دوں گا۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ اور آخرت کے منکروں کا مذہب میں نے چھوڑا ہوا ہے۔ اور میں اپنے آبا ابراہیمؑ اسحاقؑ اور یعقوبؑ کے دین پر چلتا ہوں اور ہم شرک بالکل نہیں کرتے اور یہ دین حق کا عطیہ ہمارے لئے اور سب لوگوں کے لئے اللہ کے فضل کی حیثیت رکھتا ہے۔

Marfat.com

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ (یوسف۔ 37، 38)

"لیکن لوگوں کی اکثریت ناشکروں پر مشتمل ہوتی ہے۔"

5۔ جناب یوسف علیہ السلام نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے دین حق (اسلام) کے بارے میں فرمایا:

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (یوسف۔ 40)

"حکومت تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی بھی عبادت نہ کیا کرو۔ یہی ہے ہمیشہ قائم رہنے والا دین حق! لیکن لوگوں کی اکثریت (اتنی بات بھی) نہیں جانتی۔"

6۔ حضور علیہ السلام سے ارشاد فرمایا:

وَمَا اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ○ (یوسف: 203)

"اور اے نبیؐ! لوگوں کی اکثریت، اگرچہ آپؐ شدید خواہش کریں (کہ وہ ایمان لے آئے) ایمان لانے والی نہیں ہے۔"

7۔ "اے محمدؐ یہ کتاب الٰہی کی آیات ہیں۔ اور جو آپؐ کے رب کی طرف سے آپؐ پر نازل ہوا (وہ) حق ہے لیکن لوگوں کی اکثریت ایمان لانے والی نہیں۔" (رعد: 1)

8۔ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ فَاَبٰى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا (بنی اسرائیل۔ 89)

اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے سب باتیں کئی کئی طرح سے بیان کر دی ہیں۔ لیکن لوگوں کی اکثریت نے انکار کرنے کے سوا قبول نہ کیا۔ (یعنی صرف منکر بننا ہی قبول کیا)۔

9۔ وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَاۗفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ (سبا: 28)

"اور (اے نبیؐ!) ہم نے آپؐ کو نہیں بھیجا مگر تمام بنی نوع انسان کے لئے بشیر اور نذیر بنا کر۔ لیکن لوگوں کی اکثریت (اس بارے میں) کوئی علم نہیں رکھتی۔"

10۔ فرما دے کہ میرا رب جس کا رزق وسیع کرنا چاہے وسیع کر دیتا ہے۔ اور جسے چاہتا ہے (ہاتھ) روک کر دیتا ہے۔ لیکن لوگوں کی اکثریت (اس راز سے بھی) بے علم

Marfat.com

11۔ وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ O (الصّٰفّٰت:71)
"اور ان سے پیشتر والے اکثر لوگ بھی گمراہ ہو گئے تھے۔"

12۔ قیامت تو بے شک آ کر ہی رہے گی لیکن لوگوں کی اکثریت (اس بات پر بھی) ایمان نہیں رکھتی۔ (مومن۔ 59)

13۔ لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ O (زخرف: 78)
"(اے لوگو!) ہم تمہارے پاس حق لے کر آئے ہیں لیکن تم میں سے اکثر لوگ حق سے ناخوش ہوتے ہیں۔"

14۔ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ O (مائدہ۔ 103)
"وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور ان کی اکثریت عقل نہیں رکھتی۔"

15۔ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ O (اعراف۔17)
"اور تو ان میں اکثریت کو شکر گزار نہ پائے گا۔"

16۔ يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ O (نحل۔ 83)
"وہ خدا کی نعمتوں کو پہچانتے ہیں (لیکن) پھر ان کا انکار کر دیتے ہیں اور ان میں سے اکثر لوگ ناشکرے ہیں۔"

17۔ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ O (انبیاء۔ 24)
"بلکہ ان میں اکثر (لوگ) حق کا علم نہیں رکھتے پس وہ منہ پھیر لیتے ہیں۔"

18۔ اہل ہوا و ہوس کے بارے میں حضور علیہ السلام سے ارشاد فرمایا کہ "بھلا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔ تو کیا آپ اس پر نگہبان ہو سکتے ہیں۔"
اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا O (فرقان۔ 43۔ 44)
"یا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کی اکثریت سنتی یا سمجھتی ہے؟ وہ تو ڈنگروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔"

Marfat.com

اکثر اور کثیر

قرآن حکیم میں کثیر کا لفظ بھی استعمال ہوا۔ جس کے معنی . . . سا
کے ہیں اور "اکثر" کا لفظ بھی۔ اور اللہ تعالیٰ کثیر اور اکثر (کبیر اور اکبر، عظیم اور اعظم وغیرہ) کے فرق کو خوب سمجھتا ہے۔ یعنی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اکثر کا لفظ کثیر کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی شان کے مطابق ان لفظوں کو انہی معنوں میں استعمال فرمایا ہے۔ جو ان سے مراد ہیں مثلاً فرمایا:

1۔ وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّنۢ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا (بقرہ۔ 109)

"یہاں کثیر کا لفظ آیا ہے۔ کیونکہ اہل کتاب کی اکثریت یہ نہیں چاہتی کہ کوئی مومن ہونے کے بعد کفر کی طرف ضرور لوٹ جائے البتہ کثیر لوگ ایسا ضرور چاہتے ہیں۔"

2۔ مِنْهُمْ أُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ سَاءَ مَا يَعْمَلُونَ ۝ (مائدہ 66)

"یہاں اکثر نہیں کہا۔ بلکہ کثیر کہا کہ ان کی کثیر تعداد برے عمل کرتی ہے۔"

3۔ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُونَ ۝ (حدید 16)

"یعنی ان میں سے بہت سے لوگ (نہ کہ اکثریت) فاسق ہیں۔"

برے لوگ اکثریت میں نہیں ہوتے کثیر تعداد میں ہوتے ہیں۔ لیکن کسی خاص معاملے کو ضروری نہیں کہ لوگوں کی اکثریت ضرور سمجھتی یا جانتی ہو۔ حکومت اور حکمت بہت بلند باتیں ہیں۔ حکیم اور حاکم کی سوچ وقتی اور سطحی نہیں ہوتی بلکہ اس میں مداومت' دور اندیشی اور حقیقت پژوہی یعنی ہر پہلو سے حق و صداقت کے معیار پر انطباق بھی ضروری ہوتا ہے۔ کیونکہ حکیمانہ اصول یا حاکموں کے فیصلے آئندہ کے لئے "نظیریں" بھی بنا ہوتے ہیں اور وہ روبہ عمل رہتے ہیں۔ اسی لئے پچھلی امتوں کی کتابیں اور صحائف اصل حالت میں قائم نہ رکھے گئے اور قرآن حکیم کو ہمیشہ کے لئے من و عن محفوظ کر دیا گیا۔ کیونکہ اس کے جملہ احکامات اپنی جگہ ہر زمانے میں قابل عمل اور نافذ ہیں۔

فرعون ہر دور میں ہوتے ہیں

موسیٰ سے پہلے بھی فرعون موجود تھے اور موسیٰ کے بعد بھی فرعونوں نو فرعونیت

Marfat.com

کا موقع ضرور ملتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ ہر انسان کے اندر بھی ایک فرعون موجود ہے۔ لیکن اسے فرعونوں والا جاہ و جلال میسر نہیں اس لئے یہ فرعون اپنی فرعونیت کا اظہار اپنی شان کے مطابق ذرا نچلی سطح پر کرنے کے لئے مجبور ہے ہر انسان کی آزمائش اسی فرعون کو شکست دینے کے لئے کی جاتی ہے۔ جو کوئی فرعون سے شکست کھا گیا وہ فیل سمجھا جاتا ہے بعض حکومتیں بھی فرعون صفت ہوتی ہیں۔ اشتراکیت اور سرمایاداریت بھی فرعونی استبدار کی جدید شکلیں ہیں جنہوں نے مطلق العنانیت یا جمہوریت کا نام لے کر استبداد و جبر کے پرچم بلند کر رکھے ہیں۔ جو اپنے خالق کے قانون کا باغی ہیں وہ بزعم خویش اپنے بنائے ہوئے قوانین کو کتنا بھی مبنی بر انصاف قرار دے ڈالیں ان کے کہنے سے تو وہ سچ مچ مبنی بر انصاف کا درجہ حاصل نہیں کر لیں گے۔ ہر انسان جب اپنے خالق سے رابطہ توڑ کر اور اس کی ازلی ابدی ہدایت (قرآن) سے رہنمائی لینے کا راستہ چھوڑ کر اجتہاد کی وادی میں گامزن ہوتا ہے تو بھٹکتے چلے جانے اس کا مقدر ہو جاتا ہے رسول اللہ ؐ کے دور میں بعض لوگوں نے اسلام قبول کر کے اپنے قبول اسلام کا احسان جتانے کی کوشش کی۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اس حرکت کا فوراً نوٹس لیا اور فرمایا:

"اے بنی نوع انسان! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو شناخت کرو' بیشک اللہ کے ہاں زیادہ عزت کا حقدار وہ ہے جو زیادہ پرہیزی گار ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا خبردار ہے۔ دیہات والے کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے فرما دیجئے کہ تم ایمان نہیں لئے بلکہ یہ کہو کہ ہم جھک گئے اور ایمان تو ہنوز تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا۔ اور (ہاں!) اگر تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے (سچے دل سے) فرمانبرداری کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال میں سے کچھ کم نہیں کرے گا۔ بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے مومن تو وہ ہیں جو خدا اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر شرک میں نہ پڑے (کہ اللہ اور رسول کا راستہ سیدھا بھی ہے یا نہیں) اور (یقین کامل کے ساتھ) اللہ کی راہ میں مال لٹا دیئے اور جانیں لڑا دیں۔ یہی لوگ (ایمان کے لحاظ سے) سچے ہیں۔ فرما دیجئے۔۔۔۔ (اے لوگو!) کیا تم اللہ تعالیٰ کو اپنا دیندار ہونا جتلاتے ہو (کہ شاید اللہ کو تمہاری دیندار کا پتہ ہی نہیں چلا) اور (حالانکہ) اللہ تعالیٰ زمین اور آسمانوں کی سب چیزوں کا (کما حقہ) علم رکھتا ہے۔ اور (ویسے بھی) اللہ ہر شئے کو جانتا ہے۔ (اے نبی ؐ) یہ لوگ آپ ؐ پر احسان چڑھاتے ہیں کہ

Marfat.com

وہ مسلمان ہو گئے ہیں۔ فرما دیجئے "اپنی مسلمانی کا مجھ پر احسان نہ چڑھاؤ۔" بلکہ اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں پر احسان فرمایا ہے کہ تمہیں ایمان کا راستہ بجھایا اور اگر وہ تمہارے دنوں کو ہدایت کا راستہ نہ بجھاتا تو تم کبھی ایمان نہ لا سکتے پس (تم اپنے گریبانوں میں جھانک کر دیکھو اور سوچو کہ) تمہارے خیال میں بھی یہ بات ہے نا ٹھیک!" (حجرات 12 - 17)

تو فرعون ہر دور میں ہوتے ہیں۔ ان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے دنیا میں اسلامی حکومتوں کو اپنا کام جاری رکھنا چاہیئے۔ اور اہل اسلام کو اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا چاہیئے کہ اللہ نے انہیں اسلام کی دولت سے نوازا ہے ان کو اسلام کی حقیقی تعلیم پر عمل پیرا ہو کر اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے اپنا کردار نہ بھولنا چاہیئے۔ اگر وہ اپنا کردار بھول گئے تو اللہ کی بارگاہ میں بھی بھلا دیئے جائیں گے۔

اَلَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا فَالْیَوْمَ نَنْسٰهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ یَوْمِهِمْ هٰذَا وَمَا كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یَجْحَدُوْنَ ○ (اعراف - 15)

"جن لوگوں نے اپنے دین کو لہو و لعب بنا رکھا تھا اور دنیا کی زندگی نے انہیں دھوکے میں ڈال رکھا تھا۔ تو آج قیامت کے دن ہم ان کو اسی طرح بھلا دیں گے جس طرح انہوں نے ہماری آیتوں سے منکر ہو کر اپنی آج کے دن والی پیشی کو بھلا رکھا تھا۔"

عوام کی خواہشات کی متابعت کا التزام

جمہوریت میں حکومت کا چناؤ اکثریت کی خواہشوں کے تحت لازم ہوتا ہے نری اکثریت کے بارے میں قرآنی افکار جانے کے بعد انسانی خواہشوں کے سلسلے میں قرآنی ارشادات پر ایک نظر ڈالنا بھی مناسب ہو گا۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

1۔ "اے اہل ایمان! انصاف پر قائم رہو اور اللہ کی خاطر سچی گواہی دو۔ اور اگرچہ اس میں خود تمہارا یا تمہارے والدین اور اقرباء کا نقصان ہی ہو کوئی امیر ہو یا محتاج تو اللہ تعالیٰ ان کا خیر خواہ ہے۔"

اور ــــــــــ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰى اَنْ تَعْدِلُوْا۔ (... - 135)

"پس تم خواہش نفس کے پیچھے چل کر عدل کو نہ چھوڑ دینا۔"

2۔ فَاحْكُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَیُضِلَّكَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ

Marfat.com

(ص 26)

"(اے داؤد! ہم نے تجھے دنیا میں خلافت عطا کی ہے) تو تو لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلے کیا کر اور خواہش کی پیروی نہ کرنا۔ کہ وہ تجھے اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی۔ (گویا ایک پیغمبر کو بھی خواہش نفس کی پیروی سے منع کیا گیا ہے حالانکہ پیغمبروں میں نفس کی پاکیزگی مسلمہ امر ہے)"

3- وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ○

(کہف - 28)

"اور (اے نبی!) اس کے پیچھے نہ چل جس کا ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر رکھا ہے اور وہ خواہش نفس کا غلام ہے اور اس کا معاملہ زیادتی کا شکار ہے۔"

4- "قیامت یقیناً آنے والی ہے میں اسے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں تاکہ (اس کے بعد) ہر شخص اپنی کوشش کا بدلہ پائے تو جو شخص قیامت پر ایمان نہیں رکھتا اور اپنی خواہش کے پیچھے چلتا ہے وہ کہیں تم کو بھی اس بارے میں متردد نہ کر دے کہ تم ہلاک ہو جاؤ۔" (طٰہٰ 15 - 16)

5- "تو پھر وہ اگر آپ کی بات قبول نہ کریں تو آپ جان لیں کہ وہ لوگ اپنی خواہشوں کے پیچھے چلتے ہیں اور اس سے بڑھ کر گمراہ اور کون ہو سکتا ہے۔ جو اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہش کا پیروکار ہو جائے۔ (تو گویا خواہشوں کا غلام ظالم ہوتا ہے) بیشک اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔" (قصص - 50)

اسی طرح سورہ فرقان (آیت 43) میں بھی خواہشوں کے غلاموں کا ذکر ہے۔ اور قرآن حکیم نے تو یہاں تک بیان فرمایا ہے کہ:

وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ (حشر - 9) (تغابن - 16)

"اور جو کوئی طبیعت کے بخل سے بچایا گیا تو ایسے ہی مراد پانے والے ہوتے ہیں۔"

اور طبیعت کے بخل سے وہی بچتا ہے جو خواہشوں کا غلام بن کر نہ رہ گیا ہو۔ دوسرے لفظوں میں خودغرض اور مفاد پرست عناصر کی خواہشوں پر مبنی جو نظام یا جو لوگ بھی مدارالمہام بنیں گے۔ ان کی قیادت مخلصانہ بھی ہو تو تھوڑے عرصے تک ہی چل سکے گی۔

Marfat.com

سب لوگ برابر نہیں

قرآن حکیم میں شمار قلت و کثرت کی بجائے "حقیقت الامر" کو حق و صداقت اور کسی فیصلے کا معیار ٹھہرایا اور مختلف مثالیں دے کر سمجھایا گیا ہے کہ محض اکثریت کی رائے سے کئے گئے فیصلے درست کیسے ہو سکتے ہیں کیونکہ حقیقت کا معیار سچائی تقویٰ اور علم حقیقت اور نیک چلنی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

1۔ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ أَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ۔

"فرما دیجئے بھلا اندھیرا اور بینا برابر ہیں؟ یا بھلا اندھارا اور اجالا برابر ہیں؟۔"

2۔ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَالسَّيِّئَةُ۔ (فصلت ۔ 34)

"نیکی اور بدی برابر نہیں۔"

3۔ بظاہر دو نیک کاموں کو ایک جیسا خیال کرنا بھی درست نہیں جب تک عامل ایمان کی دولت نہ رکھتا ہو۔ چنانچہ سورۃ توبہ میں ارشاد ہوا۔

"اللہ کی مسجدوں کو وہ لوگ آباد کرتے ہیں جو خدا پر' اور قیامت کے دن پر ایمان لاتے ہیں۔ اور نظام صلوٰۃ قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔ اور اللہ کے سوا کسی کا خوف نہیں رکھتے۔ تو امید کی جا سکتی ہے کہ یہ لوگ ہدایت یافتہ لوگوں میں سے ہو جائیں۔ کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام (خانہ کعبہ) کو آباد کرنا (یا اس کی عمارت کی تعمیر کو) اس شخص کے اعمال جیسا بنا ڈالا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اللہ کی راہ میں جہاد کرتا رہا۔"

لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَاللّٰهِ (توبہ 18 ۔ 19)

"یعنی ان دونوں اشخاص کے اعمال اللہ کی جناب میں برابر نہیں ہیں۔"

4۔ "اللہ تعالیٰ ایک غلام مملوک کی مثال بیان فرماتا ہے جسے کچھ بھی اختیار حاصل نہیں۔ اور ایک ایسا شخص ہے۔ جسے ہم نے مال طیب سے نوازا ہے تو وہ اس میں سے چھپا کر اور علانیہ راہ خدا میں خرچ کرتا ہے۔ بھلا یہ دونوں شخص برابر ہو سکتے ہیں۔؟" (نحل ۔ 75)

Marfat.com

5۔ اور اللہ تعالی دو آدمیوں کی مثال دیتا ہے۔ ان میں سے ایک گونگا (اور کسی کی کلی ملک) اور اسے کسی چیز کا کوئی اختیار حاصل نہیں اور وہ اپنے مالک کے لئے مصیبت بن کر رہ گیا ہے۔ وہ اسے جہاں بھی بھیجتا ہے۔ وہاں سے وہ خیر (کی خبر) لے کے نہیں لوٹتا۔ تو کیا ایسا (گونگا بہرا) شخص اس کے برابر ہو سکتا ہے۔ جو (سنتا اور بولتا ہے) لوگوں کو انصاف پر چلاتا ہے اور خود بھی سیدھے رستے پر چل رہا ہے؟"
(نحل۔76)

6۔ اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ فَاسِقًا۔۔۔۔؟ لَا يَسْتَوٗنَ (سجدہ۔18)
"کیا مومن شخص ایک فاسق شخص جیسا ہو سکتا ہے۔" دونوں قطعاً برابر نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ مومن جنتی ہے اور فاسق نے دوزخ میں جانا ہے۔ (سجدہ۔19۔20)

7۔ "مسلمانوں میں سے جو لوگ گھروں میں بیٹھ رہتے ہیں اور لڑنے سے جی چراتے ہیں اور کوئی عذر بھی نہیں رکھتے' وہ۔۔۔۔۔۔ اور وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں اپنی جانیں لڑاتے اور مال لٹاتے ہیں' ایک دوسرے کے برابر نہیں ہیں۔ اللہ تعالی نے مال و جان سے جہاد کرنے والوں کو' بیٹھ رہنے والوں پر درجے میں فضیلت بخشی ہے۔"
(نساء۔95)

8۔ غیر ہدایت یافتہ لوگوں کو اللہ تعالی نے مردوں میں شمار کیا ہے۔ جن کے دل ہدایت پانے کی صلاحیت کھو چکے ہوں چنانچہ ارشاد فرمایا:
وَمَا يَسْتَوِى الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ○ (فاطر۔22)
"زندہ اور مردے برابر نہیں ہو سکتے۔ بے شک اللہ تعالی جسے چاہتا ہے (پیغام ہدایت) سنا دیتا ہے۔ اور آپ (پیغام ہدایت) ان (دلوں) کو نہیں سنا سکتے جو (کافروں کے بدنوں کی) قبروں میں پڑے ہیں۔ (آپ تو بس ڈرانے والے ہیں۔)" (فاطر۔23)

اسلام میں طریق انتخاب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے فوراً بعد صحابہ کرامؓ سقیفہ بنی ساعدہ میں اکٹھے ہو گئے۔ کیونکہ سربراہ مملکت اسلامیہ کے انتخاب کا فریضہ انجام دینے کا مرحلہ

Marfat.com

درپیش تھا۔ ادھر حضور علیہ السلام کے کفن دفن کا کام ابھی مکمل نہ ہوا تھا۔ صدیق اکبرؓ اور عمر فاروقؓ کو پتہ چلا تو آپ دونوں بھی فوراً وہاں پہنچ گئے انصار اپنے میں سے خلیفہ کی تقرری کے خواہاں تھے۔ تو صدیق اکبرؓ نے حدیث رسول سے استدلال فرماتے ہوئے بتلایا کہ خلیفہ قریش میں سے ہو گا۔ پھر یہ تجویز بھی مسترد کر دی گئی کہ ایک خلیفہ انصار سے اور ایک قریش (مہاجرین) میں سے ہو۔ حضرت عمرؓ کے بارے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر میرے بعد نبی ہوتا تو وہ عمرؓ ہوتا۔

چنانچہ صحابہؓ کے گروہ کثیر میں عمرؓ کی فراست مومنانہ نے فوراً فیصلہ کن انداز میں خلافت کے لئے صدیق اکبرؓ کا نام تجویز کیا اور آگے بڑھ کر فوراً بیعت کر لی۔ اور بعد میں دوسرے صحابہؓ نے بھی اس فیصلہ پر صاد کیا۔

- اسلام میں امارت کے لئے خواہش رکھنے کی ممانعت ہے۔ صدیق اکبرؓ نیک نیتی سے اس عہدہ کے خواہشمند نہ تھے۔ لیکن جب انہیں خلیفہ چن لیا گیا تو مجبوراً اس کام کے لئے راضی ہو گئے۔ لیکن اگلے دن کپڑے کا گٹھا اٹھا کر بیچنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے تاکہ بچوں کی روزی کا سامان کر سکیں۔ تو اس وقت بھی عمر فاروقؓ نے بار خلافت کا احساس دلایا۔ اور پھر بیت المال سے مختصر سا روزینہ مقرر ہو گیا۔ تو ظاہر یہ ہوا کہ عمر فاروقؓ کی فراست صادقہ ہی صدیق اکبرؓ کے انتخاب کا ذریعہ بنی تھی نہ یہ کہ صحابہ کی اکثریت نے بنیادی طور پر ان کو منتخب کیا تھا۔

حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنی وفات کے وقت عمر فاروقؓ کو خلافت کے لئے تجویز کیا اور مسجد نبوی میں سب کو بلا کر اتفاق اور رضامندی حاصل کی۔ یہ انتخاب بھی دراصل یار غار اور انبیاءؑ کے بعد افضل ترین شخصیت کا انتخاب تھا جسے رسول خدا سے فیض پانے والوں نے بخوشی قبول کر لیا۔

عمر فاروقؓ نے اپنے آخری وقت پر فراست مومنانہ سے کام لیتے ہوئے ایک مجلس تشکیل دی۔ جسے خلیفہ کو منتخب کرنے کا کام سونپا گیا چنانچہ اس مجلس نے فیصلہ حضرت عثمانؓ کے حق میں دے دیا۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد کچھ صحابہؓ نے حضرت علیؓ کو خلیفہ بنانا چاہا تو انہوں نے فرمایا کہ جس کو اہل شوریٰ اور اہل بدر خلیفہ بنائیں گے وہی خلیفہ ہو گا۔

Marfat.com

کیونکہ اسلام میں امارت کی خواہش نہ رکھنا۔ اس کی پہلی شرط ہے۔ جس کا اظہار حضرت علیؓ نے علی الاعلان فرما دیا۔ بعد ازاں اہل بدر اور اہل شوریٰ نے انہیں چن لیا۔

5۔ پھر جب علی المرتضیٰؓ کا وقت قریب آیا تو آپ نے بعض لوگوں کے کہنے کے باوجود اپنے بیٹے امام حسن علیہ السلام کی تقرری کو مناسب نہ سمجھا بلکہ اہل الرائے کی صوابدید پر یہ معاملہ چھوڑ دیا۔ (طبری' مسعودی' ابن کثیر' المسعودی وغیرہ) ان خلفاء راشدین نے اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکامات کی پیروی میں ٹھیک ٹھیک حق نیابت ادا کیا۔ اور وہ کبھی بھی ذاتی اغراض کے بندے بن کر نہ رہے۔ پس معیار یہ ٹھہرا کہ قیادت اور سیادت کا حق خود غرضانہ مفادات سے بالاتر ہو کر ہی ادا کیا جا سکتا ہے۔ جبکہ جمہوری طرز انتخاب میں' ایک مدت تک دن رات شورو غوغا کر کے امیدواروں کے حق میں جھوٹا سچا پروپیگنڈا کیا جا سکتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ سارے اخراجات امیدوار حضرات اپنی گرہ سے ادا کرتے ہیں۔ جو لاکھوں تک پہنچتے ہیں پس کہاں اسلام کا جمہوری طرز انتخاب جس کو "اہل الرائے" بلا اخراجات انجام دیں۔ اور کہاں مغربی جمہوریت کا بے جا اسراف پر مبنی انتخاب!

گویا!

ع چہ نسبت خاک را۔
با عالم پاک؟!

چنانچہ "اسلام اور جمہوریت" کے حوالے سے ڈاکٹر ریاض احمد نے لکھا:

مغربی ممالک نے زبردست پروپیگنڈہ مشینری کے ذریعے اپنے ہاں نافذ شدہ ہر نظام کی ایسی نفسیاتی انداز میں تشہیر کر رکھی ہے کہ غریب اور غیر ترقی یافتہ ممالک لاشعوری طور پر یہی سمجھنے لگے ہیں کہ دنیا کا بہترین نظام وہی ہے جو مغربی اور دیگر ترقی یافتہ ممالک میں نافذ ہے۔ حالانکہ اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ ہر قوم و ملک اور مذہب کی روایات اور حالات و نظریات مختلف ہوتے ہیں۔ مثلاً مغربی ممالک میں سود کو نہ صرف جائز سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ اقتصادیات کا تمام تر ڈھانچہ سودی نظام کے تحت قائم ہے اور ہم بھی اندھا دھند تقلید میں اسی نظام کو اپنائے ہوئے ہیں۔ حالانکہ ہندوستان کو تقسیم کر

Marfat.com

اور ان گنت قربانیاں دے کر پاکستان بنانے کی وجوہات یہی ظاہر کی گئی تھیں کہ مسلمانوں کی اس نظریاتی مملکت میں قرآنی تعلیمات کا عملی نفاذ کیا جائے گا۔ اور سود کے بارے میں قرآن میں کہا گیا ہے۔

"جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ اس طرح اٹھیں گے جیسے انہیں شیطان نے دھکا دے دیا ہو کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ تجارت سود کی طرح ہے۔ اللہ نے کاروبار کی اجازت دی ہے اور سود سے منع کیا ہے۔"

اسی طرح سود کے بارے میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے جو صحیح مسلم میں یوں درج ہے۔

"اللہ کے رسولؐ نے سود کھانے والے' سود دینے والے' دستاویز تیار کرنے اور اس دستاویز پر دستخط کرنے والوں پر لعنت کی اور کہا (گناہ کے اعتبار سے) یہ سب ایک جیسے ہیں۔"

اسی طرح شراب کے عام استعمال میں ہمارے مغرب زدہ مسلمان شعرا کی ایک بڑی تعداد اپنے کلام میں اس کی تشہیر کرنے میں مصروف رہی ہے بلکہ کلبوں اور غیر ملکی تقریبات میں شراب کا استعمال سرکاری طور پر بھی کیا جاتا رہا ہے۔ ایک عام مسلمان بڑی آسانی سے تصور کر سکتا ہے۔ کہ اگر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب کے استعمال کی اس طرح اجازت مانگی جاتی کہ مسلمانوں کی ایک نظریاتی مملکت میں اسے خود تو نہیں پیا جائے گا لیکن غیر ملکی مہمانوں اور اقلیتوں کو شراب پیش کی جاتی رہے گی تو آپ کا کیا جواب ہوتا شراب تقریباً تمام مذاہب میں حرام ہے۔ اور پاکستان کے کسی اقلیتی فرقہ نے بھی یہ مطالبہ نہیں کیا کہ اسے شراب پینے کی خصوصی اجازت دی جائے اسی طرح غیر ملکی مہمان یا سیاح ہم سے شراب پیش کرنے کی توقع کرحیں تو ان پر واضح کیا جا سکتا ہے کہ سور کے گوشت کی طرح انہیں شراب بھی پیش کرنا ناممکن ہے اور یہ خدا اور رسولؐ کے حکم کی تعمیل ہو گی۔ اس سلسلہ میں محصولات اور سیاحوں کی آمد میں کمی یا سفارتی لوازمات کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہمارے لئے زیادہ ضروری ہے پھر نہ سیاح آنے بندھوں گے نہ سفارتی نمائندے یہاں سے بھاگ جائیں گے۔

Marfat.com

ان دو مثالوں سے ثابت ہے کہ ہماری مذہبی اور قومی روایات اور ضروریات مغربی ممالک سے مختلف ہیں۔ اسی طرح مغربی دنیا کا ایک اور شاہکار ان کا پسندیدہ "جمہوری نظام" ہے جس کے تحت تمام ملکی معاملات چلانے کے لئے بالغ رائے دہی کے تحت اٹھارہ سال سے زیادہ عمر کے تمام لوگوں کو رائے (ووٹ) دینے کے لئے کہا جاتا ہے اور اس کے تحت کسی شخص کے اخلاق نظریات، شہریت و تعلیم کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی، دشمن خدا، دشمن قوم، دشمن ملک، دشمن دین، دشمن نظریہ، غدار، منکر، بددیانت، منافع خور، راشی و مرتشی، جاہل اور بداخلاق، چور، ڈاکو، خائن، جرائم پیشہ لوگوں کی رائے، اور محب وطن لائق، ایماندار ماہرین لوگوں کی رائے ایک ساتھ شمار کی جاتی ہے۔ اور ان کی رائے میں کوئی تمیز روا نہیں رکھی جاتی، اسی طرح اٹھارہ سال کے ایک ناپختہ جذباتی ووٹر کی رائے میں تمیز نہیں کی جاتی، اٹھارہویں صدی عیسوی میں امریکہ کے مختلف حصوں میں غیر ملکی آباد کاروں کے مختلف طبقات اور مخصوص حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے بالغ رائے دہی کے اس نظام کو نافذ کرنے کے بعد اس کی اتنی زیادہ تشہیر کی گئی کہ دوسرے ممالک نے بھی بغیر سوچے سمجھے متاثر ہو کر اس کی نقل شروع کر دی اور یہی نظام دنیا کے کئی دیگر ممالک کو بھی سیاسی اور مختلف دوسری وجوہات کی خاطر اپنانا پڑا اور ان حالات کے تحت کسی سیاسی پارٹی کے لئے اس جمہوری نظام کی مخالفت کرنی ممکن نہ رہی۔ کیونکہ اس صورت میں دوسری پارٹیوں کے مخالفانہ پروپیگنڈہ کے خوف سے انتخاب میں شکست کا سامنا کرنا پڑتا بالغ رائے دہی کے اس نظام کے تحت ایک حقیر اور فانی انسان کو بھی یہ اختیار مل گیا کہ وہ اپنی ہر جائز اور ناجائز خواہش کو پورا کرنے کے لئے اپنی پارٹی کی اکثریت کو بروئے کار لا کر ہر قسم کے قوانین بنا سکتا ہے۔ اور اس طرح دنیا کی کوئی عدالت اس کی غیر اخلاقی اور ناجائز حرکات تک کو بھی کنٹرول نہیں کر سکتی کیونکہ یہ تمام خواہشات ملک کے آئین کا حصہ بنا دی گئی ہوتی ہیں۔ غیر مذہبی، مادہ پرست اور دہریہ عوام کے لئے یہ ایک بہترین وسیلہ ہے۔ جس کے تحت وہ اپنی ہر ناجائز اور غیر اخلاقی خواہش کو ملکی آئین اور قانون کا حصہ بنا دیتے ہیں مثلاً برطانیہ کی پارلیمانی جمہوریت کا بڑا چرچا ہے۔ لیکن اسی ملک کے قانون کے تحت ان کے اپنے مذہب کی تعلیمات کے خلاف شراب پینا جائز قرار دیا گیا ہے اور اسی پر اکتفا نہیں بلکہ بالغ رائے دہی کی بنیاد پر منتخب عوامی نمائندوں نے قانون ساز

Marfat.com

اسمبلی میں ایک ایسا بل پیش کرکے بھی اکثریت سے منظور کرا لیا ہے۔ جس کے تحت اگر دو مرد باہمی رضامندی سے آپس میں جنسی تعلقات قائم کریں تو یہ قانون کے تحت جائز ہے۔ اسی طرح دیگر ممالک میں ایک قاتل کو موت کی سزا نہیں دی جاتی بلکہ چند سال جیل میں آرام دہ رہائش اور خوراک کا انتظام کرنے کے بعد دوبارہ اسی معاشرہ میں آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے۔ تاکہ وہ خونی کھیل جاری رکھ سکے۔

ہمارے ملک کے ستر صد عوام ملک کی کسی پارٹی سے کوئی خاص وابستگی نہیں رکھتے بلکہ اس بات کے خواہش مند ہیں کہ ملک میں امن و امان' عزت' خوشحالی اور ترقی کا دور دورہ ہو۔ اور پاکستان میں اس اسلامی نظریہ کا نفاذ جلد از جلد کیا جائے جس کی خاطر برصغیر کے مسلمانوں نے اپنی جان و مال اور گھربار لٹا دیا۔ اور برصغیر کے دو حصے کرکے مسلمانوں کے نظریات کے تحت حکومت قائم کرنے کے لئے راہ ہموار کی اس کے علاوہ قوم کی اکثریت اس بات کی بھی آرزو رکھتی ہے۔ کہ یہودی' ہندو اور عیسائی دنیا کے اسلام دشمن پروپیگنڈہ کا صحیح جواب کامیابی کے ساتھ ایک ایسے صحیح مسلم معاشرہ کی تشکیل سے دیا جائے جہاں پر قرآنی تعلیمات کے تحت صحیح طور پر عدل و انصاف اور اسلامی مساوات کا صحیح دور دورہ ہو اور ان کے سیاسی نظام سے بدرجہا بہتر وہ اسلامی نظام قائم کیا جائے جہاں ایک غریب سے غریب شہری بھی خلیفہ وقت سے قانون کے تحت باز پرس کر سکے۔ اسی طرح خلیفہ وقت نہ صرف ایک مثالی حکمران ہو' بلکہ اس کی ظاہری اور نجی زندگی پوری قوم کے سامنے روز روشن کی طرح عیاں ہو اور مصنوعی جاہ و جلال اور عیش و عشرت سے پاک ہی نہیں بلکہ وہ انتہائی سادہ اور پروقار مومن مسلمان بھی ہو۔ اسلامی قوانین اس لئے بھی بہترین اور مثالی ہیں کہ یہ کسی انسان کے نہیں بلکہ اللہ تعالی کے بنائے ہوئے ہیں۔ ان کے مطابق کسی بالغ رائے دہندہ کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ اپنی پارٹی کی اکثریت کو استعمال کرکے اللہ کے قوانین کے خلاف قانون بنائے اور حرام کو حلال اور ناجائز کو جائز قرار دے دے اسی طرح کسی اسلامی مجلس شوریٰ یا قانون ساز اسمبلی کو قطعاً یہ اختیار حاصل نہیں ہو سکتا کہ وہ سو فیصد اکثریت کے باوجود بھی شراب' سود اور دوسری ممنوعات کو جائز قرار دے' یہاں بادشاہ اور رعایا سب برابر ہیں۔ خلیفہ کا فرض ہے کہ وہ اپنی بہترین صلاحیتوں کے ساتھ قوم کی مادی اور روحانی اقدار بلند کرے اور ان کے روزمرہ

Marfat.com

کے مسائل نہ صرف مناسب طریقہ پر حل کرے بلکہ انہیں مطمئن بھی کرے اسی طرح اسلامی اسمبلی یا شوریٰ کا حق ہے کہ وہ خلیفہ کو نہ صرف صحیح مشورے دے بلکہ اس کی عام اور نجی زندگی پر ہر ممکن حد تک نظر رکھے۔

اسلامی نقطہ نظر سے اگر یہ کہا جائے کہ مغرب کی ایجاد کردہ بالغ رائے دہی ایک گمراہ کن سیاسی نظام ہے۔ تو یہ صحیح ہو گا۔۔ اس نظام کے تحت ایک شخص اٹھارہ سال کی عمر تک پہنچنے کے بعد ووٹر بنا دیا جاتا ہے اس کے کردار' نظریات اور تعلیم کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی' اور اس بات کا قطعاً خیال نہیں رکھا جاتا کہ یہ شخص قومی مذہبی اور دیگر ملکی مسائل پر رائے زنی کا اہل ہے بھی یا نہیں۔ تمام نااہل اور گمراہ لوگوں کی رائے اہل اور قابل ترین لوگوں کی رائے کے برابر وزن رکھتی ہے۔ اور اس طرح ہر ایک شخص سے (Vote) دینے کو کہا جاتا ہے۔ حالانکہ ایک ووٹ سے بھی کوئی حکومت بن یا ٹوٹ سکتی ہے۔ تمام لوگ خدا کی مخلوق ہیں اور اس کی نظر میں برابر ہیں لیکن اعمال' کردار اور اہلیت کے مطابق تمام لوگ ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ہر انسان کو برابر کا درجہ نہیں دے گا بلکہ اس کے مقام کا تعین اس کے کردار کی پختگی صحیح سوچ اور عمل کے مطابق ہو گا۔ اس حقیقت کو دنیا کے تمام مذاہب تسلیم کرتے ہیں کہ اس لحاظ سے تمام انسان برابر نہیں ہوتے۔ کسی خاص مسئلہ کے متعلق ایک اہل یا ماہر کی رائے مثلاً کسی مرض کی تشخیص اور علاج کے بارے میں ایک ماہر ڈاکٹر کی رائے سینکڑوں مریضوں کی رائے پر فوقیت رکھتی ہے۔ مغرب کے گمراہ کن جمہوری نظام کے بارے میں حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے فرمایا:

گریز از طرز جمہوری غلام پختہ کارے شو
کہ از مغز دو صد خر فکر انسانی نمی آید

ایک انسان کی عقل' صلاحیت کردار کو نظرانداز کرتے ہوئے ملکی حالات چلانے کے لئے محض ان کو بھیڑ بکریوں کی طرح گن لینا۔ اہل اور نااہل دشمن خدا اور رسولؐ ذخیرہ اندوز بے ایمان سیٹھ اور خادم خدا اور رسولؐ قناعت پسند ایمان دار تاجر اور جھوٹے وعدے کرنے والے اقتدار پرست سیاستدان اور اقتدار سے نفرت کرنے والے نیک' بااخلاق اور ایماندار شہری سبھی کو ایک لاٹھی سے ہانکا جاتا ہے۔ اور ان کی رائے کا

Marfat.com

وزن ایک جیسا ہی سمجھا جاتا ہے۔ بقول اقبال؎

جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

بالغ رائے دہی کا مغربی طرز حکومت نہ صرف گمراہ کن اور غیر اسلامی ہے بلکہ غیر سائنسی بھی ہے یہ نظام مغربی ممالک میں رائج ہو چکا ہے۔ جہاں نوے فی صد رائے دہندگان تعلیم یافتہ ہیں۔ اس لئے کسی سیاسی پارٹی کے مفاد کی وجہ سے اس گمراہ کن نظام کو رد کرنا ممکن نہیں رہا۔ بالفاظ دیگر ان کے لئے اس نظام کی مخالفت کرنا بالغ رائے دہندگان کے ووٹوں سے محروم ہونے کے مترادف ہے مغرب کے اکثر ممالک عیسائی مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ جس کے مطابق بھی جواء' شراب' بدکاری' اور ہم جنسی وغیرہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف ہے۔ لیکن عوام کی اکثریت گمراہ ہونے کی وجہ سے ان احکام کے خلاف ہے۔ اس لئے ان کے ووٹ بھی ایسے لیڈر کو ملتے ہیں جو ان کی ناجائز خواہشات کو اسمبلی میں قوانین کا رنگ دے سکے اور ناجائز کو جائز قرار دے سکے۔ چنانچہ ان کے دستور کے مطابق یہ تمام غیر اخلاقی باتیں جائز ہیں۔

سابقہ مشرقی پاکستان میں ایک دفعہ سمگلنگ بند کرنے کے لئے ایک سخت قانون کابل اسمبلی میں پیش کیا گیا جس کے مطابق افواج کو سمگلنگ بند کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی چند ہی دنوں میں خوراک اور استعمال کی دوسری اشیاء ملک سے باہر جانا بند ہو گئیں۔ اور چیزوں کے نرخ حیران کن حد تک کم ہو گئے بدقسمتی سے آبادی کا ایک بڑا حصہ اہل ہنود جس کے ووٹوں کی تعداد تقریباً ڈیڑھ کروڑ تھی اس طرح سمگلنگ بند کرنے کو اپنے مفادات کے خلاف سمجھتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے نمائندوں کے ذریعے اسمبلی میں اس بل کی سخت مخالفت کی اور حکومت ٹوٹنے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ اس طرح یہ بل فوری طور واپس لے لیا گیا۔ اور سرحدوں پر سمگلنگ کا کام زور شور سے دوبارہ شروع ہو گیا۔

آج کل کی سیاست ایک باقاعدہ اور ہمہ وقتی کاروبار کی صورت اختیار کر چکی ہے اور ایک ممبر الیکشن میں لاکھوں روپے اس کے علاوہ مرکزی اور صوبائی وزراء نائب وزراء اور پارلیمانی سیکرٹروں اور ممبروں کی ایک فوج کی اکثریت جس بے دردی کے ساتھ جائز و ناجائز سفارشوں کے ذریعے جس طرح ملک کا انتظامی ڈھانچہ درہم برہم کر دیتی ہے۔ اس

Marfat.com

کی تفصیلات سے کون آگاہ نہیں۔ یہ سب کیا ہے؟ یہ صرف مغربی جمہوریت کا ایک "انعام" ہے۔ جو وہ اپنے اپنانے والوں کو دیتی اور ان کے اندر سے حلال و حرام اور جائز و ناجائز کا امتیاز ختم کرکے ان کو انسانیت کی بلند سطح سے نیچے گرا دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی حکومت میں اس طرح کے نظام کی کوئی گنجائش نہیں اور اس نے اس سلسلے میں شورائی نظام اپنے ماننے والوں کو دیا ہے۔ جس کا تجربہ ہو چکا ہے۔اور انسانیت اس کے مفید نتائج سے بھی آگاہ ہو چکی ہے۔

"روزنامہ نوائے وقت لاہور بروز جمعہ --- 14 اگست 1978ء"

اسلامی حکومت اور خلافت

حکومت کا مادہ "ح ک م" ہے۔ جس کے اصل معنی روکنے، منع کرنے اور باز رکھنے کے ہیں اَلْحَکَمَۃُ گھوڑے کی لگام کو کہتے ہیں۔ ابن فارس کے مطابق حکم یعنی روکنے اور باز رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کو بتا دیا جائے۔ کہ اس کی آخری حد کون سی ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کر سکتا۔ اسی سے "حکم" بنا ہے جس کے معنی ہیں۔ حدیں بتانا اور اختلاف کی صورت میں ان کے مطابق فیصلہ کرنا۔ پس حکم فیصلے کو بھی کہتے ہیں۔ اور حاکم وہ ہے جو فیصلہ کرنے والا ہو۔ جو لوگوں کو حکم عدولی سے روکے۔ حکمت کے معنی ہیں۔ عدل و انصاف کو ملحوظ رکھ کر فیصلہ کرنا۔ (تاج العروس) حکیم وہ شخص ہے جو ہر ایک کو اس کا جائز مقام دے کر حسن تحکیم کا مظاہرہ کرے۔ حکم۔ حکیم اور حاکم اللہ تعالی کی صفات بھی ہیں۔ لغت میں حکم کے معنی ہیں۔

1۔ اَلْعِلْمُ والفِقْہ۔ (بتانا اور سمجھانا)

2۔ القضاء بالعدل۔ (انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا)

3۔ روکنا۔ باز رکھنا۔ منع کرنا۔ قرآن کو ذکر حکیم اسی لئے کہتے ہیں۔ کہ اس میں جہل و سفاہت سے روکنے کی تعلیم ہے۔

4۔ مضبوط و مستحکم۔ قرآن حکیم کو حکیم اس لئے بھی کہا گیا کہ اس میں اختلاف و اضطراب نہیں۔

5۔ فیصلے کو نافذ کرنا۔ اور فساد سے روکنا۔ اور حاکم اچھا ہو یا برا وہ فیصلے کو نافذ کرنے والا ہوتا ہے۔ لیکن بنیادی طور پر حکم اور حکومت میں اقتدار طلبی سے زیادہ عدل گستری

Marfat.com

اور حق پڑ وہی کا مفہوم ہے۔ اور اصل معنی روح عدل ہی کو حکم اور حکومت کی غایت قرار دیتے ہیں۔

حَکَم اور حاکم

حکم وہ ہے جو (حق اور انصاف کے مطابق) فیصلہ سنا دے۔ نافذ کرنا اس کی ذمہ داری نہیں۔ کیونکہ نفاذ کے لئے قوت بھی لازمی ہے۔ جو حاکم ہی مہیا کر سکتا ہے۔ جبکہ حاکم وہ ہے جو حق و انصاف کے مطابق فیصلہ بھی کرے۔ اور اس پر عمل درآمد کا ذمہ دار بھی ہو۔ یعنی اس کا فیصلہ واجب الاتباع ہوتا ہے۔ حاکم جبراً فیصلے پر عمل درآمد کراتا ہے۔ اور حکم عدولی کی سزا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین ہے۔ (ھود۔ 45) اور وہ خیر الحاکمین بھی ہے (اعراف۔ 87)

حدیث میں ہے۔

"جب کہ حاکم نے (انصاف سے) فیصلہ کیا پھر اجتہاد بھی کیا تو اس کے لئے دوہرا ثواب ہے۔"

قرآن حکیم میں حکام (حاکم کی جمع) کا لفظ قاضی اور دستور عرب کے مطابق حکم چلانے والے کے لئے آیا ہے۔ (بقرہ 188) اسلام کے ابتدائی دور میں حکومت کے سربراہ کو خلیفہ' امیر یا امام کہا جاتا تھا۔ گورنروں کو عامل اور عدلیہ کے منصبدار کو قاضی کہتے تھے۔ اور یہی حاکم بھی ہوتا تھا۔ کیونکہ معروف و منکر کے بارے میں فیصلہ کرنا اور اس کا نفاذ اسی کے ذمہ تھا۔ جبکہ عامل کا کام مالیات اور مجموعی انتظامی امور کی نگہداشت ہوتا تھا۔

خلافت

خلف کے معنی ہیں: پیچھے یا بعد۔ نیز ایک نسل کے بعد والی نسل کو بھی خلف کہتے ہیں۔ ابن اثیر کے مطابق خَلفٌ نیک اولاد یا نیک جانشین کے لئے بولتے ہیں۔ اور خَلَفٌ شر کے معنوں میں بولا جاتا ہے۔ ابن فارس کے بقول اس کے تین بنیادی معنی ہیں۔

1۔ ایک چیز کا دوسری چیز کے بعد آنا اور اس کی جگہ لے لینا۔
2۔ آگے کی ضد۔۔۔ یعنی پیچھے

Marfat.com

3۔ تغیر و تبدل

موسم خزاں کے بعد پھوٹنے والے پتوں کو خِلفَۃٌ کہتے ہیں۔ یہ لفظ پہلے والے کے جانشین کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ (فرقان۔ 62) خلیفہ کسی کے جانشین کو کہتے ہیں۔ نیز وہ فرمانروا جو اپنے سے پہلے فرماں روا کا جانشین ہو۔ اس کی جمع خُلفَاءَ۔۔۔۔۔ اور خَلائِفُ ہے (تاج العروس) موسیٰ علیہ السلام نے اپنی غیر حاضری میں اپنی قوم کے اندر ہارون علیہ السلام کو خلیفہ مقرر کیا تھا۔ (اعراف۔ 142) علماء نے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ کسی کی موجودگی میں کسی کو اس کا خلیفہ نہیں مقرر کیا جا سکتا۔ صرف عدم موجودگی میں ہو سکتا ہے۔ وہ زندہ ہو یا فوت ہو چکا ہو۔ جیسے نوحؑ کی قوم کے بعد عاد کو ان کا جانشین بنایا۔ (اعراف۔ 69) اور ھود علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا تھا۔

"پس اگر تم روگردانی کرو گے تو (مجھے کیا؟ کیونکہ) میں نے وہ پیغام تمہیں پہنچا دیا ہے جو (اللہ نے) میرے ذریعے تمہاری طرف بھیجا تھا۔ اور (اس روگرانی) کے نتیجہ میں میرا خدا تمہاری جگہ اور لوگوں کو لا بسائے گا۔ اور تم اس کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے۔" (ھود۔ 57)

قرآن حکیم میں آدم علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہے۔

"بے شک میں آدم کو زمین پر خلیفہ بنانے والا ہوں۔" زمین پر نسل آدم سے پہلے جنات وغیرہ کا دور دورہ تھا۔ اور آدم کو ان کی جگہ زمین پر بسایا گیا۔ یا آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام کی تنفیذ کا کام سونپا۔

خلیفہ اللہ اور خلیفہ الرسول

اللہ تعالیٰ ہر وقت اور ہر جگہ زندہ اور موجود ہے۔ اس لئے اس کی جگہ نوئی خلیفہ نہیں ہو سکتا۔ البتہ اس قادر مطلق کے بنائے ہوئے قوانین کو زمین پر نافذ کرنے کا کام نبھانے والے کو اگر مجازی معنوں میں خلیفہ یا نائب کہہ دیا جائے تو یہ بات اور ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو فرمایا گیا۔

"اے داؤد! بے شک ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا پس تو لوگوں کے درمیان عدل بھرے فیصلے کیا کر۔"

Marfat.com

تو یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ داؤد علیہ السلام نبی ہونے کے ناطے کس کے نائب یا خلیفہ تھے کہ ان کو انصاف کے ساتھ حکمرانی کا ارشاد ہوا۔ ظاہر ہے کہ یہاں ان کو اللہ کے دیئے ہوئے اختیارات کو اللہ کے مقرر کردہ قوانین کے مطابق استعمال کرنے کے حوالے سے خلیفہ فی الارض کہا گیا۔ اور یہی صورت آدم علیہ السلام کے سلسلے میں بھی تسلیم شدہ ہے۔

ایک وضاحت

چنانچہ امام راغب فرماتے ہیں کہ (1) یہ نیابت (خلافت) کسی کی غیر حاضری کی وجہ سے بھی ہو سکتی ہے۔ (2) موت کے سبب بھی (3) بجز و معذوری کے باعث بھی اور (4) یہ محض نائب کو شرف بخشنے کے لئے بھی ہو سکتی ہے (مفردات راغب) تو یہاں آدم اور داؤد علیہما السلام کی خلافت سے مراد یہ چوتھا مفہوم ہی لیا جائے گا۔ حضور علیہ السلام نے اپنے بارے میں عموماً اللہ کا نبیؐ اور عَبْدُهٗ کے الفاظ ہی استعمال کئے۔ حالانکہ اگر آدم اور داؤد زمین میں خلیفہ ہو سکتے ہیں تو حضور علیہ السلام تو ان سے زیادہ خلیفۃ فی الارض کا استحقاق رکھتے تھے البتہ خلیفۃ اللہ کا لفظ عہد رسالت میں استعمال ہونے کی شہادت اس واقعہ سے ملتی ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کو خلیفہ چنا گیا تو کسی نے شخص آپ کو "یا خلیفہ اللہ" کہہ کر پکارا تو انہوں نے فوراً اسے ٹوکا اور فرمایا میں تو خلیفہ الرسول ہوں۔ (1) دوسرے لفظوں میں خلیفہ اللہ ایک نبی کو تو کہا جا سکتا ہے۔ لیکن نبی کے پیروکار کو نہیں کیونکہ نبی کو ہر وقت اللہ کی طرف سے ہدایت ملتی ہے۔ اور غیر نبی کو اللہ اور رسولؐ کے ارشادات کی طرف رجوع کرنے کا حکم ہے۔ (نساء۔ 59) نیز فرمایاؐ:

یعنی خلافت علی منہاج النبوت تیس 30 سال تک ہو گی۔ (ابوداؤد)

خلافت ارضی

قرآن حکیم میں خلافت ارضی کی بشارت اہل ایمان کو اس طرح دی گئی ہے۔

---

(1) ابوبکر از محمد حسین ہیکل اردو ترجمہ ص 583۔

Marfat.com

1۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ لَیُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِكُوْنَ بِیْ شَیْــٴًـا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○
(نور۔ 55)

”تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ انہیں خلافت ارضی ضرور عطا کرے گا جس طرح اس نے تم سے پہلے لوگوں کو خلافت سے نوازا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ لازما اس کے دین کو بھی غلبہ عطا فرمائے گا۔ جسے اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ضرور ان کے خوف کو امن اور چین سے بدل دے گا۔ (بشرطیکہ) وہ آئندہ بھی میری ہی عبادت کریں اور کسی کو میرا شریک نہ ٹھہرائیں اور جو کوئی اس کے بعد کفران نعمت کرے گا تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں۔“

2۔ استحقاق خلافت کی شرائط کا بیان اس طرح فرمایا ہے۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ○ (حج۔41)

”یعنی خلافت ارضی کے مستحق وہ لوگ ہیں کہ اگر انہیں ہم زمین میں غلبہ و اقتدار عطا کریں تو وہ نماز کا نظام قائم کریں گے اور زکوۃ دیں گے، نیکی کا حکم کریں گے اور برائی سے روکیں گے۔ اور سارے معاملات کا انجام اللہ کے اختیار میں ہے۔“

3۔ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓىٕفَ فِی الْاَرْضِ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَیْهِ كُفْرُهٗ وَلَا یَزِیْدُ الْكٰفِرِیْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا وَلَا یَزِیْدُ الْكٰفِرِیْنَ كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا ○ (فاطر:39)

”اللہ تعالیٰ ہی نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا۔ (تاکہ تم انفرادی اور اجتماعی طور پر اللہ کے احکام کا نفاذ کرو) تو پھر جس نے کفر کی راہ اختیار کی تو اس کے کفر کا وبال اسی پر ہے اور کافروں کو ان کا کفر اللہ کی جناب میں اس کا غضب بڑھانے کے سوا کوئی فائدہ نہیں دیتا اور کافروں کا کفران کے حق میں نقصان کو بڑھانے کے سوا کچھ بھی اضافہ

Marfat.com

نہیں کرتا۔"

گویا نہایت وسیع معنوں میں دنیا میں آنے والا ہر انسان خلیفۃٌ فی الارض ہے۔ اور آدم علیہ السلام کی اولاد ہونے کے حوالے سے بھی وہ اس منصب کا مالک قرار دیا گیا ہے۔

نظام خلافت کے اصول

امت مسلمہ کی فلاح و بہبود اور غلبہ اسلام کے لئے اسلامی ریاست کا قیام لازمی ہے۔ اور آدم علیہ اسلام کی اولاد ہونے کے ناطے ہر وہ شخص جو آدم علیہ اسلام کے طریقہ پر ہو خلافت ارضی کا حامل ہے البتہ فرد سے لے کر جماعت تک اور پھر اجتماعات اور معاشرہ اور دیہہ و شہر اور ملک کی سطح پر یک جہتی کے ساتھ احکام خداوندی کے نفاذ کا نام اسلامی خلافت ہے۔ جس میں ہر شخص اپنی سطح پر اپنا کردار بھی ادا کرتا ہے اور اجتماعی لحاظ سے بھی بذریعہ یک جہتی یہ فریضہ نبھاتا ہے۔ تاکہ دنیا اور آخرت میں فلاح پا سکے۔

رسول اللہ کا ارشاد ہے:

"بنی اسرائیل کی قیادت و رہنمائی ان کے انبیاء علیہم السلام کرتے تھے۔ جب کوئی نبی رحلت فرما جاتا تو اللہ تعالی دوسرے نبی کو مبعوث فرما دیتا۔ لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا۔ ہاں میرے بعد خلفاء ہوں گے۔" (متفق علیہ عن ابو ہریرہؓ)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ازالتہ الخفا میں فرماتے ہیں۔

"خلافت وہ عمومی ریاست ہے بالفعل بہ حیثیت نیابت نبی صلی اللہ علیہ وسلم وجود میں آئی ہو اور جو اقامت دین' علوم دینیہ کا احیاء' ارکان اسلام کا قیام' جہاد کا قیام' لشکروں کی تشکیل و ترتیب' سپاہیوں کے وظائف کا تقرر' مال غنیمت کی تقسیم' عدلیہ کا قیام' حدود کا نفاذ' ظلم کا خاتمہ' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرائض انجام دے۔" (ازالتہ الخفاج ا ص 28 ترجمہ عبدالشکور اردو)

Marfat.com

خلافت میں اقتدار اعلیٰ

دنیا کے ریاستی نظاموں میں اقتدار اعلیٰ لوگوں کے پاس ہوتا ہے۔ خصوصاً جو بھی اس پر قبضہ کرلے۔ یا جو گروہ بھی لوگوں کو اقتدار میں شریک کرے یا نہ کرے لیکن اسلامی ریاست میں اقتدار اعلیٰ اللہ تعالیٰ کا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔

1۔ لِلّٰہِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَلْاَرْض۔ (آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہی اللہ کی ہے۔)
(مائدہ - 7)

2۔ لَمْ یَکُنْ لَہٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ۔ (بنی اسرائیل - 111)
حکمرانی میں اس کا کوئی شریک نہیں۔

3۔ اِنِ الْحُکْمُ اِلاَّ لِلّٰہِ۔۔۔۔۔ حکم تو بس اللہ ہی کا ہے۔ (یوسف - 40)

4۔ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ کُلَّہٗ لِلّٰہِ۔ (فرما دیجئے کہ اختیار سب کا سب اللہ ہی کے لئے ہے۔)
(العمران - 154)

5۔ وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِیْہِ مِنْ شَیْءٍ فَحُکْمُہٗ اِلَی اللّٰہِ۔ (تمہارے درمیان جو بھی اختلاف ہو تو اس کا فیصلہ کرنا اللہ ہی کا کام ہے۔) (شوریٰ 10)

6۔ اَلاَ لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ۔ (اعراف: 54)
"خبردار اسی کی خلق ہے اور (اسے کنٹرول کرنے اور انجام تک پہنچانے کے بارے میں) اسی کا حکم (آخری حکم) ہے۔"

2۔ قانون سازی

قرآن حکیم میں انسانی زندگی کو منضبط کرنے والے قوانین بیان کر دیئے گئے ہیں۔ اور حضور علیہ السلام نے بھی ساری انسانیت کو ہر شعبہ زندگی میں اپنے رہنما ارشادات سے نوازا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

1۔ عَلَیْکُمْ بِکِتَابِ اللّٰہِ اَحِلُّوْا حَلاَلَہٗ وَحَرِّمُوْا حَرَامَہٗ۔ (کنزالعمال (بحوالہ طبرانی و مسند احمد) جلد1 حدیث نمبر966/907)
"کتاب اللہ کی پیروی تم پر لازم ہے۔ جسے اس نے حلال ٹھہرایا اسے تم حلال کرو۔ اور جسے اس نے حرام کیا اسے تم حرام کرو۔"

Marfat.com

2۔ فرمایاؐ : مَن اقتَدَی بِکتابِ اللّٰہِ لَا یضلَ فِی الدُنیا وَلَا یَشقٰی فِی الاٰخِرَۃِ۔ (مشکوۃ شریف۔ بحوالہ رزین)

"یعنی قرآن کے مطابق عمل کرنے والا دنیا میں بھی گمراہ نہیں ہو گا۔ اور آخرت میں بھی بے نصیب نہ رہے گا۔"

3۔ فرمایاؐ : تَرَکْتُ فِیْکُمْ اَمَرَیْنِ لَنْ تضلوّا مَا تمسکتُمْ بِھِماَ۔۔۔۔ کتاب اللّٰہ وسُنَّۃَ رَسُوْلِہٖ (مشکوۃ بحوالہ موطا)

"میں نے تمہارے اندر دو چیزیں چھوڑی ہیں۔ اگر ان کو تھام لوگے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ 1۔ کتاب اللہ 2۔ سنت رسول اللہ۔"

اس کا مطلب یہ ہوا کہ کوئی مسلمان حاکم قرآن و سنت کے منافی نہ قانون بنا سکتا ہے۔ نہ نافذ کر سکتا ہے۔

انصاف پروری

اسلامی حکومت میں حاکم کا فرض ہے کہ وہ لوگوں کے درمیان انصاف کرے۔ جیسا کہ حکم ہوا۔

وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ۔ (شوریٰ۔ 15)

"اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل کروں۔"

چنانچہ فرمایاؐ :

"تم سے پہلی امتیں اسی لئے تباہ ہوئیں کہ وہ معاشرے کے کم درجہ اور حقیر لوگوں کو قانون شریعت کے مطابق پوری سزا دیتے تھے۔ اور اونچے درجے کے لوگوں کو چھوڑ دیا کرتے تھے۔ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے۔ کہ اگر میری بیٹی فاطمہ بھی یہ کام (چوری) کرتی تو لازماً میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔"

4۔ مساوات

قرآن حکیم میں مساوات بین المسلمین پر زور دیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

اِنَّمَا المُؤمِنونَ اِخوَۃٌ (حجرات۔ 10)

Marfat.com

"مومن آپس میں بھائی ہیں۔"

چنانچہ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے:

اَلْمُسْلِمُوْنَ اِخْوَۃٌ لَا فَضَلَ اَحَدٍ عَلٰی اَحَدٍ اِلَّا بِالتَّقْوٰی (ابن کثیر ج 4 ص 217 بحوالہ طبرانی)

"سب مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ کسی کو کسی پر فضیلت صرف تقویٰ کی بنا پر ہو سکتی ہے۔"

5۔ شوریٰ یا مشاورت

اہل اسلام آپس میں مشورہ سے اپنا کاروبار حکومت چلاتے ہیں۔ اور مشاورت کا مقصد صحیح طریقہ کار کی دریافت کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ چنانچہ فرمایا گیا:

وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوْا الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (شوریٰ 38)

"اور جن لوگوں نے اللہ کی دعوت پر لبیک کہا۔ اور وہ نماز قائم کرتے ہیں اور ان کے معاملات باہمی مشورے سے طے ہوتے ہیں۔ اور وہ ہمارے دیئے ہوئے میں سے خرچ کرتے ہیں۔"

سورۃ العمران میں فرمایا:

"--------وَشَاوِرْهُمْ فِى الْاَمْرِ--------" (159:3)

"یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ (اے نبی ؐ!) آپ ان (صحابہ کرام) کے لئے نرم خو ہیں اگر آپ درشت خو اور سخت مزاج ہوتے ہیں تو یہ لوگ لازما آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے۔ سو آپ ؐ ان کو معاف کر دیا کریں۔ اور ان کے گناہ بخشواتے رہیں اور ان سے (بوقت ضرورت) معاملات میں مشورہ لیتے رہیں۔ اور (مشورہ کے بعد) جب آپ کوئی عزم کر لیں تو اللہ پر بھروسہ (کرتے ہوئے اس پر عمل درآمد) کریں۔ بیشک اللہ تعالیٰ متوکلین کو دوست رکھتا ہے۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے آپ ؐ سے عرض کیا کہ اگر

Marfat.com

آپؐ کے بعد کوئی معاملہ پیش آئے جس کے متعلق قرآن میں حکم نہ ہو اور نہ آپؐ سے کچھ سنا ہو تو ہم کیا کریں؟---- فرمایا:

شَاوِرُوْا فِیْهِ الْفُقَهَاء والعَابِدِیْنَ وَلَا تَمْضُوْا فِیْهِ بِرَایِ خَاصَة۔ (طبرانی فی الاوسط)

"یعنی اس معاملہ میں دین کو سمجھ رکھنے والوں اور اہل عبادت لوگوں سے مشورہ کرلو اور کسی خاص شخص کی رائے پر فیصلہ نہ کر ڈالو۔"

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول کنز العمال (ج 5 حدیث نمبر 2354) میں نقل ہوا ہے۔

لاَخِلاَفَةَ اِلاَّ عَنْ مَشْوَرَة۔

"باہمی مشورہ کے بغیر حق خلافت ادا نہیں ہو سکتا۔"

لیکن اسلام میں مشورہ کے لئے اہل لوگوں کی خدمات سے فائدہ اٹھانے کی تلقین کی گئی ہے کہ وہ اللہ کی عبادت بھی کرتے ہوں اور خدا سے ڈرنے والے بھی ہوں۔ دین کی سمجھ بھی رکھتے ہوں۔ اور زیر غور معاملے کے مختلف پہلوؤں سے بھی واقف ہوں۔ اور مشورہ کے بعد امیر کو حق ہوتا ہے کہ وہ چاہے تو کسی ایک یا زیادہ مشورہ دینے والوں کے مشورے پر عمل کرلے یا کسی مضبوط دلیل کی بنا پر اپنی ہی رائے کو ترجیح دے۔ ضروری نہیں کثرت رائے کو ہی ترجیح دی جائے اور امیر کی حیثیت محض ایک آلہ کار کی سی ہو۔ البتہ جو بھی فیصلہ کیا جائے اس میں نیک نیتی ہو۔ اور خود غرضی یا مفاد پرستی کا شائبہ تک نہ ہو۔

6۔ جہاد فی سبیل اللہ

نظام خلافت کا قیام اور مقصد قرآن حکیم میں بیعت یعنی اپنے مال اور اپنی جان کو اللہ کی راہ میں نچھاور کر دینا ہے۔ بیع کا مطلب ہے۔ خرید و فروخت کرنا۔ سودا گری کرنا۔ اسی سے بیعت ہے۔ ایک مسلمان جب کلمہ طیبہ پڑھ کر اسلام میں داخل ہوتا ہے۔ تو وہ اللہ کے ساتھ وعدہ کرتا ہے کہ وہ اس کے احکامات کے مطابق زندگی بسر کرے گا۔ چاہے اس میں اس کی جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔ تو اس کا فائدہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے

Marfat.com

بیان فرماتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَیْہِ حَقًّا فِی التَّوْرٰىۃِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ وَمَنْ اَوْفٰی بِعَھْدِہٖ مِنَ اللّٰہِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِکُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِہٖ وَذٰلِکَ ھُوَالْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ○ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰکِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاھُوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰہِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ○ (توبہ: 111 ۔ 112)

"بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے اموال خرید لئے ہیں اور عوض میں ان کے لئے جنت ہے۔ یہ لوگ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں پس (کافروں کو) وہ قتل کرتے ہیں اور ان کے ہاتھوں قتل ہوتے ہیں۔ یہ ان کے ساتھ (اللہ تعالیٰ کا) سچا وعدہ ہے جو تورات' انجیل' اور قرآن میں (لکھا ہوا) ہے۔ جسے وہ ضرور پورا فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر وعدہ نبھانے والا بھلا اور کون (ہو سکتا ہے) تو (اے مومنو!) جو سودا تم نے اس سے کیا ہے اس پر خوشیاں مناؤ اور یہ (تجارت) بہت بڑی کامیابی ہے۔ (میرے مومنوں کا کیا کہنا!) وہ ہیں توبہ کرنے والے عبادت گزار ستائش و حمد کرنے والے' روزے رکھنے والے' رکوع کرنے والے' سجدے کرنے والے' نیکیوں کا حکم دینے اور بری باتوں سے روکنے والے اور اللہ کی حدوں کی حفاظت کرنے والے اور (اے نبیؐ!) آپؐ میرے ان مومن بندوں کو خوش خبری سنا دیں۔"

اللہ تعالیٰ نے دنیا بنائی ہی اس لئے ہے کہ یہاں انسانوں کو پہچان کی جائے کہ کون

Marfat.com

اللہ کے ساتھ کیا ہوا وعدہ الست (اعراف۔ 172) نبھاتا ہوا اس کے ساتھ رہتا ہے اور کون دنیا کی رنگینیوں میں کھو کر اللہ سے منہ موڑ جاتا ہے۔ اسلامی ریاست میں خلیفہ اور رعایا کی یہ مشترکہ ذمہ داری ہے کہ جہاد کے لئے ہر وقت تیاری کرتے رہیں۔ اپنی صفوں میں اتحاد قائم رکھیں۔ اگر دشمنان اسلام زیر ہو جائیں تو دشمن ایمان (شیطان الرجیم) کے ساتھ نبرد آزما ہونے کے لئے کمر ہمت باندھ لیں۔ جس طرح حضور علیہ السلام نے ایک غزوہ سے واپسی پر فرمایا تھا۔ کہ ہم جہاد اصغر (قتال) سے فارغ ہوئے ہیں۔ آؤ جہاد اکبر میں مشغول ہو جائیں اور نفسانی خواہشوں کے خلاف جہاد کو آپ نے جہاد اکبر فرمایا حفاظت دین و ایمان وہ اہم ترین متاع ہے۔ جس کے مقابلے میں گھربار' آل اولاد بھی اہم نہیں چنانچہ ہجرت سنت ابراہیمی بھی ہے۔ اور سنت مصطفےٰ بھی اور سنت صحابہ بھی۔ اور جو اہل ایمان ہجرت سے کتراتے ہیں ان کا ذکر اچھے لفظوں میں نہیں کیا گیا۔ (دیکھئے سورۃ انفال آیت 72)

عالمی نظام خلافت کے خدوخال اور عالم اسلام

1۔ راقم کے نزدیک عالمی سطح پر تمام اسلامی ممالک کی کنفیڈریشن تشکیل دے کر اسے خلافت اسلامیہ کا نام دیا جائے۔ اور ہر ملک اپنے طور پر خلافت اسلامیہ کا نہ صرف رکن ہو بلکہ اس جزو ہو۔

2۔ اس کا ہیڈ کوارٹر جدہ میں ہو۔

3۔ اس کی افواج کے بڑے مراکز بڑے بڑے اور اہم ممالک میں قائم ہوں۔

4۔ داخلی طور پر ہر ملک اپنی جگہ خود مختار اور آزاد ہو لیکن خلافت اسلامیہ کا جزو ہونے کے ناطے سے خارجہ امور اور بعض دیگر اہم معاملات (جو باہمی مشاورت سے طے کئے جا سکتے ہیں) میں اجتماعی پالیسی کا پابند ہو۔

5۔ خلافت اسلامیہ کے جزو ممالک میں بیرونی مداخلت کا سدباب خلافت اسلامیہ کی مرکزی قیادت کرے۔

6۔ اقتصادی معاملات کا ڈھانچہ ہر ملک کے داخلی تقاضوں کے مطابق انفرادی حکومت تیار مرتب کرے لیکن اس کی حتمی منظوری خلافت اسلامیہ کی مرکزی قیادت خارجہ امور اسب د اقتدار

Marfat.com

عالم اسلام کے مشترکہ مفادات کے تحفظ کو سامنے رکھ کر دے۔

7۔ خلافت اسلامیہ کے رکن ممالک میں سود کا اقتصادی نظام' اور دیگر محرمات کی حرمت کا قانون نافذ ہو۔ جسے ہر ملک کی حکومت داخلی طور پر کنٹرول کرے۔ اور خلافت اسلامیہ کی گرفت مجموعی طور پر اہم امور سے متعلق رکھی جائے۔

8۔ سارے اسلامی ممالک کی دولت کو "دولت مشترکہ اسلامیہ" کی حیثیت حاصل ہو۔

9۔ جس ملک کے وسائل ایک شعبے میں زیادہ اور دوسرے میں کم ہوں تو قرض حسنہ کی بنیاد پر یا مال کے بدل مال کے اصول پر یا کسی اور مناسب انداز میں (جو باہمی مشاورت سے اسلامی حدود کے اندر رہتے ہوئے طے کیا جا سکتا ہے۔) ایک ملک دوسرے کا سہارا بنے۔

10۔ بین الاقوامی امور جو ملت اسلامیہ کے سیاسی اور اقتصادی اور دفاعی معاملات سے متعلق ہوں خلافت اسلامیہ کی مرکزی قیادت کے کنٹرول میں ہوں۔

11۔ ہر ملک کی اپنی مروجہ کرنسی الگ طور پر اپنے ملک میں جاری رہے۔

12۔ خلافت اسلامیہ کی ایک مشترکہ "بین الاسلامی کرنسی" بھی جاری کی جائے جو سارے اسلامی ممالک میں قابل قبول ہو۔ اور رکن ممالک کے درمیان باہمی لین دین کا ذریعہ بھی وہی مشترکہ کرنسی ہو۔ (جس طرح یورپین ممالک کا یہ طریقہ اپنانے والے ہیں)

13۔ بین الاقوامی ادائیگیوں یا وصولیوں کے لئے بھی وہی مشترکہ بین الاسلامی کرنسی استعمال ہو۔ یعنی خلافت اسلامیہ کے رکن ممالک کی طرف سے غیر مسلم حکومتوں کے ساتھ جو لین دین بھی کیا جائے گا وہ مشترکہ "بین الاسلامی کرنسی" کے ذریعے سے ہو گا۔

14۔ تمام رکن ممالک اپنا داخلی نظام' جمہوریت یا بادشاہت یا جس طرح بھی چاہیں قائم کریں۔ لیکن اقتدار اعلیٰ اور اللہ رسول ﷺ کے لئے تسلیم کیا جائے گا اور ہر قانون قرآن و سنت کے مطابق نافذ ہو گا۔

15۔ دنیا کے تمام ممالک کے ساتھ غیر اہم امور میں تعلقات رکھنے کا اختیار خلافت اسلامیہ کے رکن ممالک کو حسب ضرورت دیا جا سکتا ہے۔ لیکن اہم امور مرکزی قیادت کے

Marfat.com

تحت رہیں گے۔

16۔ مرکزی قیادت کا چناؤ رکن ممالک کے سربراہ بے لوث باہمی مشاورت سے کریں گے۔ جس کا سربراہ خلیفہ یا امیر المسلمین کہلائے گا۔

بیعت

جمہوریت میں ووٹنگ کا طریقہ ہے۔ اور وہ بھی خفیہ ووٹنگ کا اسلام میں بیعت کا طریقہ ہے۔ حضورؐ نے مختلف موقعوں پر صحابہ سے بیعت لی۔ یہ طریقہ اللہ کا تعلیم کردہ ہے جسے اللہ کی تائید بھی حاصل ہے۔ جب حضورؐ نے حضرت عثمان کے بارے میں بیعت لی تو اس بیعت کو اللہ کی بیعت کہا گیا۔ یَدُاللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ۔ (قرآن) لیکن آج کل لوگوں کا خیال ہے کہ ووٹ ڈالنا بیعت کا جدید ترین طریقہ ہے۔ لیکن اسلامی بیعت میں یکجہتی ہوتی ہے جبکہ ووٹنگ پارٹی بازی کی بنیاد پر کی جاتی ہے لہٰذا دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔

الذین من قبلھم و لیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا یعبدوننی لا یشرکون بی شیئا ومن کفر بعد ذالک فاولئک ھم الفسقون O (نور ۔ 55)

"تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ انہیں خلافت ارضی ضرور عطا کرے گا جس طرح اس نے تم سے پہلے لوگوں کو خلافت سے نوازا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ لازماً اس کے دین کو بھی غلبہ عطا فرمائے گا۔ جسے اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ضرور ان کے خوف کو امن اور چین سے بدل دے گا۔ (بشرطیکہ) وہ آئندہ بھی میری ہی عبادت کریں اور کسی کو میرا شریک نہ ٹھہرائیں اور جو کوئی اس کے بعد کفران نعمت کرے گا تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں۔"

2۔ استحقاق خلافت کی شرائط کا بیان اس طرح فرمایا ہے۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ O (حج ۔41)

"یعنی خلافت ارضی کے مستحق وہ لوگ ہیں کہ اگر انہیں ہم زمین میں غلبہ و اقتدار

Marfat.com

عطا کریں تو وہ نماز کا نظام قائم کریں گے اور زکوۃ دیں گے' نیکی کا حکم کریں گے اور برائی سے روکیں گے۔ اور سارے معاملات کا انجام اللہ کے اختیار میں ہے۔"

3۔ هُوَالَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَرَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا وَلَا يَزِيْدُالْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا۝ (فاطر:39)

"اللہ تعالیٰ ہی نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا۔ (تاکہ تم انفرادی اور اجتماعی طور پر اللہ کے احکام کا نفاذ کرو) تو پھر جس نے کفر کی راہ اختیا کی تو اس کے کفر کا وبال اسی پر ہے اور کافروں کو ان کا کفر اللہ کی جناب میں اس کا غضب بڑھانے کے سوا کوئی فائدہ نہیں دیتا اور کافروں کا کفران کے حق میں نقصان کو بڑھانے کے سوا کچھ بھی اضافہ نہیں کرتا۔"

گویا نہایت وسیع معنوں میں دنیا میں آنے والا ہر انسان خلیفةٌ فی الارض ہے۔ اور آدم علیہ السلام کی اولاد ہونے کے حوالے سے بھی وہ اس منصب کا مالک قرار دیا گیا ہے۔

نظام خلافت کے اصول

امت مسلمہ کی فلاح و بہبود اور غلبہ اسلام کے لئے اسلامی ریاست کا قیام لازمی ہے۔ اور آدم علیہ اسلام کی اولاد ہونے کے ناطے ہر وہ شخص جو آدم علیہ اسلام کے طریقہ پر ہو خلافت ارضی کا حامل ہے البتہ فرد سے لے کر جماعت تک اور پھر اجتماعات اور معاشرہ اور دیہہ و شہر اور ملک کی سطح پر یک جہتی کے ساتھ احکام خداوندی کے نفاذ کا نام اسلامی خلافت ہے۔ جس میں ہر شخص اپنی سطح پر اپنا کردار بھی ادا کرتا ہے اور اجتماعی لحاظ سے بھی بذریعہ یک جہتی یہ فریضہ نبھاتا ہے۔ تاکہ دنیا اور آخرت میں فلاح پا سکے۔

رسول اللہ کا ارشاد ہے:

"بنی اسرائیل کی قیادت و رہنمائی ان کے انبیاء علیہم السلام کرتے تھے۔ جب کوئی نبی رحلت فرما جاتا تو اللہ تعالیٰ دوسرے نبی کو مبعوث فرما دیتا۔ لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا۔ ہاں میرے

Marfat.com

بعد خلفاء ہوں گے۔" (متفق علیہ عن ابو ہریرہؓ)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ازالتہ الخفا میں فرماتے ہیں۔

"خلافت وہ عمومی ریاست ہے بالفعل بہ حیثیت نیابت نبی صلی اللہ علیہ وسلم وجود میں آئی ہو اور جو اقامت دین' علوم دینیہ کا احیاء' ارکان اسلام کا قیام' جہاد کا قیام' لشکروں کی تشکیل و ترتیب' سپاہیوں کے وظائف کا تقرر' مال غنیمت کی تقسیم' عدلیہ کا قیام' حدود کا نفاذ' ظلم کا خاتمہ' امربالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرائض انجام دے۔" (ازالتہ الخفاج ا ص 28 ترجمہ عبدالشکور اردو)

خلافت میں اقتدار اعلیٰ

دنیا کے ریاستی نظاموں میں اقتدار اعلیٰ لوگوں کے پاس ہوتا ہے۔ خصوصاً جو بھی اس پر قبضہ کرلے۔ یا جو گروہ بھی لوگوں کو اقتدار میں شریک کرے یا نہ کرے لیکن اسلامی ریاست میں اقتدار اعلیٰ اللہ تعالیٰ کا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔

1۔ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَلْاَرْض۔ (آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہی اللہ کی ہے۔) (مائدہ ۔ 7)

2۔ لَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ۔ (بنی اسرائیل ۔ 111)
حکمرانی میں اس کا کوئی شریک نہیں۔

3۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ۔۔۔۔۔۔ حکم تو بس اللہ ہی کا ہے۔ (یوسف ۔ 40)

4۔ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهُ لِلّٰهِ۔ (فرما دیجئے کہ اختیار سب کا سب اللہ ہی کے لئے ہے۔) (العمران ۔ 154)

5۔ وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ اِلَى اللّٰهِ۔ (تمہارے درمیان جو بھی اختلاف ہو تو اس کا فیصلہ کرنا اللہ ہی کا کام ہے۔) (شوریٰ 10)

6۔ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ۔ (اعراف: 54)

"خبردار اسی کی خلق ہے اور (اسے کنٹرول کرنے اور انجام تک پہنچانے کے بارے میں) اسی کا حکم (آخری حکم) ہے۔"

Marfat.com

2۔ قانون سازی

قرآن حکیم میں انسانی زندگی کو منضبط کرنے والے قوانین بیان کر دیئے گئے ہیں۔اور حضور علیہ السلام نے بھی ساری انسانیت کو ہر شعبہ زندگی میں اپنے رہنما ارشادات سے نوازا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

1۔ عَلَيْكُمْ بِكِتَابِ اللّٰهِ اَحِلُّوْا حَلَالَهٗ وَحَرِّمُوْا حَرَامَهٗ۔ (کنزالعمال (بحوالہ طبرانی و مسند احمد) جلد1 حدیث نمبر966/907)

"کتاب اللہ کی پیروی تم پر لازم ہے۔ جسے اس نے حلال ٹھہرایا اسے تم حلال کرو۔ اور جسے اس نے حرام کیا اسے تم حرام کرو۔"

2۔ فرمایا: مَنِ اقْتَدٰی بِكِتَابِ اللّٰهِ لَا يَضِلُّ فِي الدُّنْيَا وَلَا يَشْقٰی فِي الْاٰخِرَةِ۔ (مشکوۃ شریف۔ بحوالہ رزین)

"یعنی قرآن کے مطابق عمل کرنے والا دنیا میں بھی گمراہ نہیں ہو گا۔ اور آخرت میں بھی بے نصیب نہ رہے گا۔"

3۔ فرمایا: تَرَكْتُ فِيْكُمْ اَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا۔۔۔۔ كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّةَ رَسُوْلِهٖ (مشکوۃ بحوالہ موطا)

"میں نے تمہارے اندر دو چیزیں چھوڑی ہیں۔ اگر ان کو تھام لوگے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ 1۔ کتاب اللہ 2۔ سنت رسول اللہ۔"

اس کا مطلب یہ ہوا کہ کوئی مسلمان حاکم قرآن و سنت کے منافی نہ قانون بنا سکتا ہے۔ نہ نافذ کر سکتا ہے۔

انصاف پروری

اسلامی حکومت میں حاکم کا فرض ہے کہ وہ لوگوں کے درمیان انصاف کرے۔ جیسا کہ حکم ہوا۔

وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ۔ (شوریٰ۔ 15)

"اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل کروں۔"

چنانچہ فرمایا:

Marfat.com

"تم سے پہلی امتیں اسی لئے تباہ ہوئیں کہ وہ معاشرے کے کم درجہ اور حقیر لوگوں کو قانون شریعت کے مطابق پوری سزا دیتے تھے۔ اور اونچے درجے کے لوگوں کو چھوڑ دیا کرتے تھے۔ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے۔ کہ اگر میری بیٹی فاطمہ بھی یہ کام (چوری) کرتی تو لازما میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔"

4۔ مساوات

قرآن حکیم میں مساوات بین المسلمین پر زور دیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (حجرات۔ 10)

"مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔"

چنانچہ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے:

اَلْمُسْلِمُوْنَ اِخْوَةٌ لَا فَضْلَ اَحَدٍ عَلٰى اَحَدٍ اِلَّا بِالتَّقْوٰى (ابن کثیر ج 4 ص 217 بحوالہ طبرانی)

"سب مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ کسی کو کسی پر فضیلت صرف تقویٰ کی بنا پر ہو سکتی ہے۔"

5۔ شوریٰ یا مشاورت

اہل اسلام آپس میں مشورہ سے اپنا کاروبار حکومت چلاتے ہیں۔ اور مشاورت کا مقصد صحیح طریقہ کار کی دریافت کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ چنانچہ فرمایا گیا:

وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (شوریٰ 38)

"اور جن لوگوں نے اللہ کی دعوت پر لبیک کہا۔ اور وہ نماز قائم کرتے ہیں اور ان کے معاملات باہمی مشورے سے طے ہوتے ہیں۔ اور وہ ہمارے دیئے ہوئے میں سے خرچ کرتے ہیں۔"

سورۃ العمران میں فرمایا:

Marfat.com

"-------وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ-------" (159:3)

"یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ (اے نبیؐ!) آپ ان (صحابہ کرام) کے لئے نرم خو ہیں اگر آپ درشت خو اور سخت مزاج ہوتے ہیں تو یہ لوگ لازماً آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے۔ سو آپؐ ان کو معاف کر دیا کریں۔ اور ان کے گناہ بخشواتے رہیں اور ان سے (بوقت ضرورت) معاملات میں مشورہ لیتے رہیں۔ اور (مشورہ کے بعد) جب آپ کوئی عزم کر لیں تو اللہ پر بھروسہ (کرتے ہوئے اس پر عمل در آمد) کریں۔ بیشک اللہ تعالیٰ متوکلین کو دوست رکھتا ہے۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے آپؐ سے عرض کیا کہ اگر آپؐ کے بعد کوئی معاملہ پیش آئے جس کے متعلق قرآن میں حکم نہ ہو اور نہ آپؐ سے کچھ سنا ہو تو ہم کیا کریں؟---- فرمایا:

شَاوِرُوْا فِيْهِ الْفُقَهَاءَ وَالْعَابِدِيْنَ وَلَا تَمْضُوْا فِيْهِ بِرَايِ خَاصَّةٍ۔ (طبرانی فی الاوسط)

"یعنی اس معاملہ میں دین کو سمجھ رکھنے والوں اور اہل عبادت لوگوں سے مشورہ کر لو اور کسی خاص شخص کی رائے پر فیصلہ نہ کر ڈالو۔"

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول کنز العمال (ج 5 حدیث نمبر 2354) میں نقل ہوا ہے۔

لَا خِلَافَةَ إِلَّا عَنْ مَشْوَرَةٍ۔

"باہمی مشورہ کے بغیر حق خلافت ادا نہیں ہو سکتا۔"

لیکن اسلام میں مشورہ کے لئے اہل لوگوں کی خدمات سے فائدہ اٹھانے کی تلقین کی گئی ہے کہ وہ اللہ کی عبادت بھی کرتے ہوں اور خدا سے ڈرنے والے بھی ہوں۔ دین کی سمجھ بھی رکھتے ہوں۔ اور زیر غور معاملے کے مختلف پہلوؤں سے بھی واقف ہوں۔ اور مشورہ کے بعد امیر کو حق ہوتا ہے کہ وہ چاہے تو کسی ایک یا زیادہ مشورہ دینے والوں

Marfat.com

کے مشورے پر عمل کرلے یا کسی مضبوط دلیل کی بنا پر اپنی ہی رائے کو ترجیح دے۔ ضروری نہیں کثرت رائے کو ہی ترجیح دی جائے اور امیر کی حیثیت محض ایک آلہ کار کی سی ہو۔ البتہ جو بھی فیصلہ کیا جائے اس میں نیک نیتی ہو۔ اور خود غرضی یا مفاد پرستی کا شائبہ تک نہ ہو۔

6۔ جہاد فی سبیل اللہ

نظام خلافت کا قیام اور مقصد قرآن حکیم میں بیعت یعنی اپنے مال اور اپنی جان کو اللہ کی راہ میں نچھاور کر دینا ہے۔ بیع کا مطلب ہے۔ خرید و فروخت کرنا۔ سوداگری کرنا۔ اسی سے بیعت ہے۔ ایک مسلمان جب کلمہ طیبہ پڑھ کر اسلام میں داخل ہوتا ہے۔ تو وہ اللہ کے ساتھ وعدہ کرتا ہے کہ وہ اس کے احکامات کے مطابق زندگی بسر کرے گا۔ چاہے اس میں اس کی جان ہی کیوں نہ چلے جائے۔ تو اس کا فائدہ قرآن حکیم میں اللہ تعالی یہ بیان فرماتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ اشۡتَرٰی مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَنۡفُسَہُمۡ وَاَمۡوَالَہُمۡ بِاَنَّ لَہُمُ الۡجَنَّۃَ یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ فَیَقۡتُلُوۡنَ وَیُقۡتَلُوۡنَ وَعۡدًا عَلَیۡہِ حَقًّا فِی التَّوۡرٰىۃِ وَالۡاِنۡجِیۡلِ وَالۡقُرۡاٰنِ وَمَنۡ اَوۡفٰی بِعَہۡدِہٖ مِنَ اللّٰہِ فَاسۡتَبۡشِرُوۡا بِبَیۡعِکُمُ الَّذِیۡ بَایَعۡتُمۡ بِہٖ وَذٰلِکَ ہُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ○ اَلتَّآئِبُوۡنَ الۡعٰبِدُوۡنَ الۡحٰمِدُوۡنَ السَّآئِحُوۡنَ الرّٰکِعُوۡنَ السّٰجِدُوۡنَ الۡاٰمِرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَالنَّاہُوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ وَالۡحٰفِظُوۡنَ لِحُدُوۡدِ اللّٰہِ وَبَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ○ (توبہ: 111 ـ 112)

"بے شک اللہ تعالی نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے اموال خرید لئے ہیں اور عوض میں ان کے لئے جنت ہے۔ یہ لوگ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں پس (کافروں کو) وہ قتل کرتے ہیں اور ان کے ہاتھوں قتل ہوتے ہیں۔ یہ ان کے ساتھ (اللہ تعالی کا) سچا وعدہ ہے جو تورات' انجیل' اور قرآن میں (لکھا ہوا) ہے۔ جسے وہ

Marfat.com

ضرور پورا فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر وعدہ نبھانے والا بھلا اور کون (ہو سکتا ہے) تو (اے مومنو!) جو سودا تم نے اس سے کیا ہے اس پر خوشیاں مناؤ اور یہ (تجارت) بہت بڑی کامیابی ہے۔ (میرے مومنوں کا کیا کہنا!) وہ ہیں توبہ کرنے والے عبادت گزار ستائش و حمد کرنے والے' روزے رکھنے والے' رکوع کرنے والے' سجدے کرنے والے' نیکیوں کا حکم دینے اور بری باتوں سے روکنے والے اور اللہ کی حدوں کی حفاظت کرنے والے اور (اے نبیؐ!) آپؐ میرے ان مومن بندوں کو خوش خبری سنا دیں۔"

اللہ تعالیٰ نے دنیا بنائی ہی اس لئے ہے کہ یہاں انسانوں کو پہچان کی جائے کہ کون اللہ کے ساتھ کیا ہوا وعدہ الست (اعراف۔ 172) نبھاتا ہوا اس کے ساتھ رہتا ہے اور کون دنیا کی رنگینیوں میں کھو کر اللہ سے منہ موڑ جاتا ہے۔ اسلامی ریاست میں خلیفہ اور رعایا کی یہ مشترکہ ذمہ داری ہے کہ جہاد کے لئے ہر وقت تیاری کرتے رہیں۔ اپنی صفوں میں اتحاد قائم رکھیں۔ اگر دشمنان اسلام زیر ہو جائیں تو دشمن ایمان (شیطان الرجیم) کے ساتھ نبرد آزما ہونے کے لئے کمر ہمت باندھ لیں۔ جس طرح حضور علیہ السلام نے ایک غزوہ سے واپسی پر فرمایا تھا۔ کہ ہم جہاد اصغر (قتال) سے فارغ ہوئے ہیں۔ آؤ جہاد اکبر میں مشغول ہو جائیں اور نفسانی خواہشوں کے خلاف جہاد کو آپ نے جہاد اکبر فرمایا حفاظت دین و ایمان وہ اہم ترین متاع ہے۔ جس کے مقابلے میں گھربار' آل اولاد بھی اہم نہیں چنانچہ ہجرت سنت ابراہیمی بھی ہے۔ اور سنت مصطفیٰ بھی اور سنت صحابہ بھی۔ اور جو اہل ایمان ہجرت سے کتراتے ہیں ان کا ذکر اچھے لفظوں میں نہیں کیا گیا۔ (دیکھئے سورۃ انفال آیت 72)

عالمی نظام خلافت کے خدوخال اور عالم اسلام

1۔ راقم کے نزدیک عالمی سطح پر تمام اسلامی ممالک کی کنفیڈریشن تشکیل دے کر اسے خلافت اسلامیہ کا نام دیا جائے۔ اور ہر ملک اپنے طور پر خلافت اسلامیہ کا نہ صرف رکن ہو بلکہ اس جزو ہو۔

Marfat.com

2۔ اس کا ہیڈ کوارٹر جدہ میں ہو۔
3۔ اس کی افواج کے بڑے مراکز بڑے بڑے اور اہم ممالک میں قائم ہوں۔
4۔ داخلی طور پر ہر ملک اپنی جگہ خود مختار اور آزاد ہو لیکن خلافت اسلامیہ کا جزو ہونے کے ناطے سے خارجہ امور اور بعض دیگر اہم معاملات (جو باہمی مشاورت سے طے کئے جا سکتے ہیں) میں اجتماعی پالیسی کا پابند ہو۔
5۔ خلافت اسلامیہ کے جزو ممالک میں بیرونی مداخلت کا سدباب خلافت اسلامیہ کی مرکزی قیادت کرے۔
6۔ اقتصادی معاملات کا ڈھانچہ ہر ملک کے داخلی تقاضوں کے مطابق انفرادی حکومت تیار کرے لیکن اس کی حتمی منظوری خلافت اسلامیہ کی مرکزی قیادت خارجہ امور اور عالم اسلام کے مشترکہ مفادات کے تحفظ کو سامنے رکھ کر دے۔
7۔ خلافت اسلامیہ کے رکن ممالک میں سود کا اقتصادی نظام' اور دیگر محرمات کی حرمت کا قانون نافذ ہو۔ جسے ہر ملک کی حکومت داخلی طور پر کنٹرول کرے۔ اور خلافت اسلامیہ کی گرفت مجموعی طور پر اہم امور سے متعلق رکھی جائے۔
8۔ سارے اسلامی ممالک کی دولت کو "دولت مشترکہ اسلامیہ" کی حیثیت حاصل ہو۔
9۔ جس ملک کے وسائل ایک شعبے میں زیادہ اور دوسرے میں کم ہوں تو قرض حسنہ کی بنیاد پر یا مال کے بدل مال کے اصول پر یا کسی اور مناسب انداز میں (جو باہمی مشاورت سے اسلامی حدود کے اندر رہتے ہوئے طے کیا جا سکتا ہے۔) ایک ملک دوسرے کا سہارا بنے۔
10۔ بین الاقوامی امور جو ملت اسلامیہ کے سیاسی اور اقتصادی اور دفاعی معاملات سے متعلق ہوں خلافت اسلامیہ کی مرکزی قیادت کے کنٹرول میں ہوں۔
11۔ ہر ملک کی اپنی مروجہ کرنسی الگ طور پر اپنے ملک میں جاری رہے۔
12۔ خلافت اسلامیہ کی ایک مشترکہ "بین الاسلامی کرنسی" بھی جاری کی جائے جو سارے اسلامی ممالک میں قابل قبول ہو۔ اور رکن ممالک کے درمیان باہمی لین دین کا ذریعہ بھی وہی مشترکہ کرنسی ہو۔ (جس طرح یورپین ممالک کا یہ طریقہ اپنانے والے ہیں)

Marfat.com

13- بین الاقوامی ادائیگیوں یا وصولیوں کے لئے بھی وہی مشترکہ بین الاسلامی کرنسی استعمال ہو۔ یعنی خلافت اسلامیہ کے رکن ممالک کی طرف سے غیر مسلم حکومتوں کے ساتھ جو لین دین بھی کیا جائے گا وہ مشترکہ "بین الاسلامی کرنسی" کے ذریعے سے ہو گا۔

14- تمام رکن ممالک اپنا داخلی نظام' جمہوریت یا بادشاہت یا جس طرح بھی چاہیں قائم کریں۔ لیکن اقتدار اعلی اور اللہ رسول ؐ کے لئے تسلیم کیا جائے گا اور ہر قانون قرآن و سنت کے مطابق نافذ ہو گا۔

15- دنیا کے تمام ممالک کے ساتھ غیر اہم امور میں تعلقات رکھنے کا اختیار خلافت اسلامیہ کے رکن ممالک کو حسب ضرورت دیا جا سکتا ہے۔ لیکن اہم امور مرکزی قیادت کے تحت رہیں گے۔

16- مرکزی قیادت کا چناؤ رکن ممالک کے سربراہ بے لوث باہمی مشاورت سے کریں گے۔ جس کا سربراہ خلیفہ یا امیرالمسلمین کہلائے گا۔

بیعت

جمہوریت میں ووٹنگ کا طریقہ ہے۔ اور وہ بھی خفیہ ووٹنگ کا اسلام میں بیعت کا طریقہ ہے۔ حضور ؐ نے مختلف موقعوں پر صحابہ سے بیعت لی۔ یہ طریقہ اللہ کا تعلیم کردہ ہے جسے اللہ کی تائید بھی حاصل ہے۔ جب حضور ؐ نے حضرت عثمان کے بارے میں بیعت لی تو اس بیعت کو اللہ کی بیعت کہا گیا۔ يَدُاللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ۔ (قرآن) لیکن آج کل لوگوں کا خیال ہے کہ ووٹ ڈالنا بیعت کا جدید ترین طریقہ ہے۔ لیکن اسلامی بیعت میں یکجہتی ہوتی ہے جبکہ ووٹنگ پارٹی بازی کی بنیاد پر کی جاتی ہے لہٰذا دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔

Marfat.com

تحریک پاکستان (پس منظر)

دستور پاکستان

اہم اسلامی دفعات

قرارداد مقاصد

Marfat.com

تحریک پاکستان کا پس منظر

برصغیر میں اہل اسلام نے 712ء میں محمد بن قاسم کی سرکردگی میں یلغار کی اور سندھ میں اسلامی حکومت قائم کر لی جس کی حدود سندھ سے لیکر ملتان تک پھیلی ہوئی تھیں۔

اس کے بعد سلاطین غزنویہ نے برصغیر پر حملے کئے اور 1000ء سے 1156ء تک ان کی حکومت رہی۔ پھر غوری خاندان کے سلاطین 1206ء تک حکمران رہے۔ اسی سلسلے میں خاندان غلاماں کی خدمات اہل اسلام اور اسلام کی سربلندی کیلئے ناقابل فراموش ہیں۔ چنانچہ یہ خاندان 1206ء تک حکمران رہا۔ پھر خلجیوں کا ڈنکا 1321ء تک بجتا رہا پھر تغلق خاندان کی حکومت 1414ء تک رہی اور سید خاندان 1450ء تک حکومت کرتا رہا۔ پھر لودھی خاندان کی باری آئی اور 1526ء تک لودھی حکمران رہے۔ 1526ء میں بابر نے ابراہیم لودھی کو شکست دی اور خاندان مغلیہ نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی۔ حتیٰ کہ 1857ء میں مغلوں کے اقتدار کا سورج غروب ہوگیا اور برصغیر کے مسلمان حکومت چھن جانے کے بعد غلامی کی زنجیروں میں جکڑے گئے اور انگریزوں کو حکومت ملی۔

ہندو اور دیگر غیر مسلم حضرات پہلے مسلمانوں کے زیر نگین تھے اب وہ انگریزوں کے ماتحت ہوگئے اور انہیں کچھ خاص فرق نہ پڑا لیکن مسلمانوں کو سخت دھچکا لگا کیونکہ ان سے حکومت چھن گئی تھی۔

اکبر اعظم کے دور میں ہندو راجپوتوں کے ہاں اکبر نے اپنی شادی رچالی اور اس طرح اسلامی مملکت میں ہندو ازم کو وقار نصیب ہوا لیکن حضرت مجدد الف ثانی" شیخ احمد سرہندی کی کوششوں سے اکبر کے دین الٰہی کا قلع قمع ہوا جو اس کے برخود غلط قسم کے بعض درباریوں کے مشورے سے رائج ہوا تھا۔ پھر جہانگیر کا دور آیا تو حضرت مجدد علیہ الرحمتہ کی کوششیں بار آور ہوئیں اور شاہجہاں اور اورنگ زیب عالمگیر کے دور میں مغلوں کی اسلامی سلطنت کی حالت قابل تحسین تھی۔ خصوصاً عالمگیر کے دور میں اسلامی علوم و فنون کو بہت ترقی ملی اور اسلامی نظریہ کی ترویج و اشاعت کیلئے بھی اچھا خاصا کام ہوا۔

دو قومی نظریہ کی بنیاد اسی روز رکھ دی گئی تھی جب دربار خداوندی میں شیطان نے اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی کرتے ہوئے نہ صرف حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا بلکہ اللہ کے بندوں کو گمراہ کرنے کی قسم بھی کھائی۔ اس واقعہ کے ضمن میں اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا ہے:

> "اور ہم نے حکم دیا کہ تم سب اس (جنت) سے نیچے اتر جاؤ پھر اگر تمہیں میری طرف سے کوئی ہدایت پہنچے تو تم میں سے جو میری ہدایت کی پیروی

Marfat.com

کریں گے ان کے لئے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ غم اور جو لوگ کفر کریں گے اور ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے سو وہی جہنمی ہیں اور وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔" (سورۃ البقرہ آیات : 39-40)

اس طرح قرآن پاک نے بنی نوع انسان کو دو جماعتوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک جماعت ہے جو اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو تسلیم کرتی ہے اور کاروبار حیات چلانے میں اسی کی رشد و ہدایت تابع ہے جبکہ دوسری جماعت وہ ہے جو مخلوق کی فرماں بردار ہے اور خالق کی نافرمان ہے۔ ل الذکر جماعت کو امت مسلمہ' امت وسطیٰ جیسے ناموں سے پکارا گیا ہے اور ثانی الذکر جماعت اصحاب الشمٰلین' ملت کفر جیسے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ یہی اسلام کا تصور ملت ہے اور یہی دو ں نظریہ بھی۔

مسلم قومیت کی بنیاد کلمہ توحید ہے اسلام کا یہ بنیادی اصول ہے کہ اشتراک دین کے کوئی بھی معیار قومیت اسلام کے خلاف ہے اس لئے کہ ارض پر آباد ہر وہ فرد جو اس عقیدہ) اسلام پر ایمان لے آیا وہ بلا امتیاز رنگ نسل' زبان' وطن اور سیاسی و اقتصادی اغراض مسلم یت کا حصہ بن گیا۔

برصغیر پاک و ہند میں بقول قائداعظم محمد علی جناح دو قومی نظریہ (جو نظریہ پاکستان کی س ہے) اسی روز وجود پذیر ہوگیا تھا جب ہندوستان کا پہلا غیر مسلم حلقہ بگوش اسلام ہوا اس ح ایک مسلمان فرد نے برصغیر میں ایک نئے سیاسی' معاشرتی' معاشی' اخلاقی اور تمدنی شعور کو ان چڑھایا جس کے بعد ایک کے بجائے دو مختلف تمدنی دھارے بہنے لگے۔ مسلمانان ہند نے یت میں ہونے کے باوجود نہ صرف اپنے جداگانہ قومی تشخص کو ہمیشہ برقرار رکھا بلکہ اسلام کے ی و ابدی زریں اصولوں کے باعث ہندو اکثریت کے دلوں پر حکمرانی بھی کرتے رہے۔ اس ران ہندو اپنی ہزاروں سالہ پرانی تاریخ اور بھگتی تحریک جیسے عوامل کے ذریعے مسلمانوں کے ود اور روایات کو متحدہ قومیت (ہندو ازم) میں تحلیل کرنے کے درپے رہے۔ تاہم مردان حق نے آڑے وقت میں ہمیشہ مسلمانوں کی مسیحائی کی۔ کبھی حضرت مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ سلم اقلیت کے تحفظ کے لئے ڈھال بنے تو کبھی سلطان ٹیپو' نواب سراج الدولہ' تیتو میر شہید' د احمد شہید وغیرہ نے اپنے خون کا نذرانہ دیکر جداگانہ مسلم قومیت کے تصور کو اور نکھارا۔

1857ء کی جنگ آزادی میں مسلمان ناکام ہوئے تو ہندوؤں نے انگریزوں کے تعاون ے مسلمانوں سے اپنی ہزار سالہ محکومی کا بدلہ لینے کی منصوبہ بندی شروع کر دی۔ انیسویں صدی ے اوائل میں جب یہ واضح ہونے لگا کہ انگریز بالاخر ہندوستان کو آزاد کرنے پر مجبور ہو جائیں ے تو ہندوؤں نے جدید جمہوریت کی آڑ میں عددی اکثریت کے بل بوتے پر اقتدار کا مطالبہ شروع ر دیا۔ اس ناپاک سازش کی کامیابی کی صورت میں مسلمانوں کے سامنے دو ہی راستے رہ جاتے ے۔

Marfat.com

اول: مسلمان ہندوؤں کی عددی اکثریت کے سامنے سر تسلیم خم کر کے محکومانہ زندگی قبول کر لیتے۔

دوئم: وہ ایسے وطن (دارا لکفر) کو تج کر کسی ایسی جگہ (دارالسلام) جابسیں جہاں ان کی جانوں سے زیادہ ان کے ایمان محفوظ ہوں کیونکہ اسلام کے پیروکاروں کا کسی غلام ملک میں رہنا اسلام کی روح کے منافی تھا۔

ایسے میں مرد دانا سرسید احمد خاں نے واشگاف الفاظ میں ہندوؤں اور انگریزوں پر یہ واضح کر دیا کہ ہندوستان میں مسلمان کمزور اقلیت نہیں بلکہ ایک جداگانہ قوم ہیں جن کا کسی بڑی قوم میں مدغم ہو جانا محال ہے۔ چنانچہ مستقبل میں تحریک پاکستان کی قیادت نے یہ بات ثابت کر دی کہ مسلمانوں کی سیاست' معاشرت' معیشت' تہذیب' طریق عبادات غرض کہ انفرادی و اجتماعی طور پر زندگی کا پورا رویہ ہی اپنے دوسرے ہم وطنوں سے مختلف ہے۔ لہٰذا ان کا اسلوب زندگی ان سے تقاضا کرتا ہے کہ وہ اپنا الگ ملک تشکیل دیں جہاں وہ اسلامی نظریہ حیات کے تحت اپنا نظام زندگی نافذ کر سکیں۔ اس سلسلے میں قائداعظم نے فرمایا:

"پاکستان سے یہ مطلب نہیں کہ ہم غیر ملکی حکومت سے آزادی چاہتے ہیں اس سے حقیقی مراد مسلم آئیڈیالوجی ہے جس کا تحفظ نہایت ضروری ہے۔ ہم نے صرف اپنی حکومت حاصل نہیں کرنی' ہمیں اس قابل بھی بننا ہے کہ ہم اس کی حفاظت بھی کر سکیں اور اسلامی تصورات اور اصولات کے مطابق ندگی بسر کر سکیں۔" (تقاریر جلد 2' صفحہ 263)

قائداعظم کے اس فرمان کی روشنی میں نظریہ پاکستان کا عام مفہوم یہ ہے کہ:

"پاکستان کو ایک ایسے ملک کے طور پر وجود میں لایا جا رہا ہے جہاں حاکیت اور فرمانروائی صرف اللہ تعالیٰ کی ہوگی اور نظام حکومت' نظام سیاست' نظام معیشت' نظام معاشرت غرض کہ ہر شعبہ زندگی کا نظام چلانے کے لئے قرآن حکیم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل ہی کی طرف دیکھا جائے گا۔"

ڈاکٹر سید عبداللہ' نظریہ پاکستان کی تعریف یوں کرتے ہیں کہ:

"نظریہ پاکستان عبارت ہے:

اول: اس عقیدے سے کہ پاکستان دو قومی تصور کا نتیجہ ہے یعنی یہ کہ ہندو الگ قوم ہیں اور مسلمان الگ قوم۔

دوئم: یہ کہ مسلمانوں کی قومیت فقط اسلام ہے یعنی نسل رنگ اور زبان عقیدہ اسلام ہے لہٰذا پاکستان کی قومیت اسلام ہے۔

سوئم: مسلمان چونکہ ایک منفرد قوم ہیں اس لئے ان کی معاشرت' تہذیب اور

Marfat.com

اخلاقیات بھی منفرد ہے اور پاکستان میں اس کی وسیع تر نمائندہ ترجمان زبان اردو ہے۔

چہارم: اس قوم کو ہندوستان کی ہزار سالہ تاریخ نے ایک تاریخی شعور دیا ہے چنانچہ اس کے جملہ احوال کی تعبیر اس تاریخی شعور کے حوالے سے ہونی چاہئے اور اس کی ایک منطقی اور علمی تعبیر ظہور پاکستان ہے۔

نظریہ پاکستان اور سرسید احمد خاں: ہندوستان میں مسلمانوں کا ورود فاتح کی حیثیت سے ہوا اور وہ ایک ہزار سال تک اس ملک میں چھائے رہے۔ ان کی حکمرانی کا نمایاں پہلو یہ تھا کہ انہوں نے اپنی قومی انفرادیت کو ہمیشہ قائم و دائم رکھا پھر ایک وقت آیا کہ انگریزوں نے پورے ہندوستان پر اپنا تسلط جما لیا اور مسلمان اپنے ہی مفتوحہ ملک میں محکومی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوگئے۔ انگریزوں کو مسلمانوں کی جداگانہ قومیت سے کھلی عداوت تھی۔ وہ وطن کو قومیت کی اساس سمجھتے تھے اور اپنے ہی وطن کی جمہوریت کو ہندوستان میں رائج کرنا چاہتے تھے۔ ہندوؤں نے بھی اس طرز جمہوریت کی بھرپور حمایت کی کیونکہ اس کے نتیجہ میں مسلمان ایک ایسی اقلیت بن جاتے تھے جس کے مستقبل کا فیصلہ ہندو اکثریت کے رحم و کرم پر ہوتا اور یہ دائمی غلامی کے سوا اور کچھ نہ ہو سکتا تھا۔ دوسرے الفاظ میں اس سازش کا مقصد مسلمانوں کو ہندو معاشرے میں جذب کرنا تھا۔

سرسید احمد خاں کی دور اندیشی نے ان خطرات کو بھانپ لیا تھا چنانچہ آپ نے مسلمانوں کی جداگانہ قومیت اور انفرادیت پر فکر انگیز مقالات تحریر کئے اور مسلم قومیت کے خصائص اور خدوخال کو موثر انداز میں پیش کیا۔ آپ بلالحاظ قوم ومذہب سارے ہندوستان کی ترقی و خوش حالی کے متمنی تھے مگر ایسی خوشحالی کے روادار نہ تھے جس کے حصول کی خاطر مسلمان خود کو اکثریت میں ضم کر دیں ان کے خیال میں مصنوعی قومیت کا جزو بننے سے مسلمانوں کے حصہ میں تباہی و بربادی کے سوا اور کچھ نہ آئے گا۔ 1857ء کی جنگ آزادی میں ہندوؤں کی عیاری و مکاری کا پول کھولتے ہوئے سرسید احمد' بدر الدین طیب کو لکھتے ہیں:

> "غدر میں کیا ہوا؟ ہندوؤں نے شروع کیا مسلمان دل جلے تھے وہ بیچ میں کود پڑے۔ ہندو تو گنگا نہا کر جیسے تھے ویسے ہی ہوگئے مگر مسلمانوں کے تمام خاندان تباہ و برباد ہوگئے۔"

جنگ آزادی کے بعد مسلمانوں کی جداگانہ حیثیت کے خاتمہ کے لئے منظم کوششیں شروع ہوئیں اور یہ تاثر دیا جا رہا تھا کہ ہندوستان صرف "ایک قومی نظریئے" کا مرہون منت ہے جبکہ ہندو' مسلمان' سکھ' عیسائی اس کی شاخیں ہیں مگر اس کے ساتھ ہی ہندو اپنی فطرت اور جبلت کی تکمیل کئے جا رہے تھا۔ 1867ء میں یوپی کے ہندوؤں نے عدالتوں' سرکاری دفاتر اور مدارس میں اردو کی بجائے ہندی زبان اور ناگری رسم الخط رائج کرنے کے حق میں شدید تحریک

Marfat.com

چلائی جس کا مقصد ہندوستان میں مسلم تہذیب کا نام و نشان مٹانا تھا۔ اس عظیم سانحہ پر سرسید احمد خاں نے اپنے ذہنی اور روحانی صدمہ کا یوں تذکرہ کیا:

"اب مجھے یقین ہوگیا ہے کہ دونوں قومیں دل سے کسی کام میں شریک نہ ہو سکیں گی۔ ابھی تو بہت کم ہے' آگے اس سے زیادہ مخالفت اور عناد ان لوگوں کے سبب جو تعلیم یافتہ کہلاتے ہیں بڑھتا نظر آتا ہے جو زندہ رہے گا دیکھ لے گا۔"

ہندوؤں کی روایتی مکاری نے ان کے "دو قومی نظریہ" کے خیالات کو اس حد تک راسخ بنا دیا تھا جب آل انڈیا کانگریس قائم کی گئی تو آپ نے مسلمانوں کو اس میں شمولیت کی ممانعت کر دی اور اس کی دعوت کے جواب میں کانگریس کے صدر مسٹر بدر الدین طیب جی کو تحریر کیا:

"میں نیشنل کانگریس کے الفاظ کا مفہوم سمجھنے سے قاصر ہوں کیا یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ ہندوستان میں جو مختلف ذاتیں' فرقہ اور مذاہب کے افراد رہتے ہیں بستے ہیں ایک قوم کے افراد ہیں یا یہ کہ ایک قوم بن سکتے ہیں؟ اور ان کے اغراض و مقاصد دینی و ملی بھی یکساں اور ایک ہو سکتے ہیں؟ میں سمجھتا ہوں کہ یہ چیز بالکل ناممکنات میں سے ہے اور جب یہ ناممکن ہے تو پھر نیشنل کانگریس بھی کوئی چیز نہیں ہو سکتی اور نہ یہ ساری قوموں کے لئے یکساں طور پر سودمند ہو سکتی ہے۔"

سرسید احمد خاں اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے کہ ہندو اکثریت کی اس جماعت سے مسلمانوں کو مساویانہ حقوق ملنا محال ہے چنانچہ آپ نے "مسلم قومیت" کو تسلیم کروانے کے لئے جداگانہ انتخابات کا مطالبہ کر دیا۔ 16 جنوری 1888ء کو میرٹھ میں تقریر کرتے ہوئے آپ نے کہا:

"وائسرائے کی کونسل میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی تعداد متعین ہونی چاہئے۔ ہندو ممبروں کو ہندو منتخب کریں اور مسلمان ممبروں کو مسلمان۔"

سرسید احمد خاں نے ہندوستان میں "دو قومی نظریہ" کو ٹھوس بنیادوں پر استوار کر دیا تھا۔ بالآخر مسلمانان ہند نے وہی کر دکھایا ان کے انتقال کے 42 برس بعد لاہور میں "قرارداد پاکستان" پیش کرکے مسلمانوں نے سرسید احمد خاں کی فکر و سوچ کی تکمیل کر دی۔ جس کے نتیجہ میں 14 اگست 1947ء کو پاکستان معرض وجود میں آیا۔

نظریہ پاکستان اور فکر اقبال: اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور آزادی کی تحریک کے تعلق سے جن عظیم شخصیتوں کا نام لیا جاتا ہے ان میں علامہ اقبال کی شخصیت سرفہرست ہے۔ اقبال صرف ایک

Marfat.com

فلسفی شاعر' ادیب اور سیاست دان ہی نہیں تھے بلکہ انقلابی تحریک کے داعی بھی تھے۔ انہوں نے اپنی انقلابی نظموں اور اشعار سے ایک طرف مسلمانوں میں اسلام کا شعور پیدا کیا تو دوسری طرف ان کے دلوں میں آزادی اور حریت کا جذبہ بیدار کیا۔ اقبال نے محض شاعرانہ تخیلات کی فضا ہی میں پرواز نہیں کی اور اپنی انقلابی نظموں سے مسلمانوں کو آزادی کی جدوجہد پر ہی نہیں اکسایا بلکہ انہیں اس کا علمی راستہ بھی دکھایا۔ انہوں نے مسلمانوں کو اور ان کی سیاسی قیادت کو یہ تصور دیا کہ مسلمان ایک الگ نظام حیات اور ایک دوسری تہذیب کے حامل ہیں جس کی بنیاد توحید اور رسالت پر ہے اور وہ نہ انگریز کے غلام رہ سکتے ہیں اور نہ کسی ہم وطنی قومیت کے تحت ہندو اکثریت کے دست نگر بن کر رہ سکتے ہیں۔ یوں علامہ اقبال نے ایک قومیت کے تصور کو یکسر مسترد کرتے ہوئے ہندوستان میں مسلمانوں کے علیحدہ تشخص کو بھرپور موثر انداز میں اجاگر کیا۔ اسلامی قومیت کا نظریہ علامہ اقبال نے ایسے وقت میں دیا جب دنیا میں رنگ و نسل' زبان اور وطن وغیرہ کے اتحاد پر پروان چڑھنے والا نظریہ قومیت اپنے نقطہ عروج کی جانب گامزن تھا۔ ان دنوں برصغیر پاک و ہند میں کانگریس بھی ذاتی اغراض و مقاصد کے حصول کے لئے اہل ہند کو تصور وطنیت کے پالنے میں تھپک تھپک کر سلانے کی جد و سعی کر رہی تھی۔ وطنی قومیت' کا یہ دریا کچھ اس تیزی سے چڑھ رہا تھا کہ بعض مسلمان علماء بھی اس کے دھارے میں خس و خاشاک کی طرح بہہ نکلے مگر یورپ میں قیام کے دوران مغرب کی تاریخ کے تجزیہ اور قرآن پاک کے بغور مطالعہ نے علامہ اقبال کی سیاسی بصیرت کو ایک نئی جلا بخشی تھی۔ ان کا فہم و تدبر مغربی طرز وطنیت کے حسین و دلنشین تصور کی تہہ میں نہاں مضمرات سے بخوبی آگاہ ہوچکا تھا۔ ان کی فکر اس واضح نتیجہ پر پہنچ چکی تھی کہ قومیت کا تصور جس کی بنیاد رنگ' نسل و زبان اور وطن پر ہو بالعموم امن عالم اور بالخصوص عالم اسلام کے لئے سم قاتل ثابت ہوگا۔ انہوں نے قومیت کے اس تصور کے خطرناک و ہولناک نتائج سے ملت اسلامیہ کو بارہا آگاہ کیا۔ آپ نے فرمایا:

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری
دامن دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی

علامہ اقبال نے ترانہ ہندی میں ہندوستان کو اپنا وطن کہا ہے۔ یہ انسان کے فطری لگاؤ کی نسبت ہے وہ وطن کے مخالف نہیں تصور وطنیت کے مخالف ہیں اور عہد حاضر میں اس کے جو معنی اخذ کیے جا رہے ہیں اسے مسترد کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ یہ ایک بت ہے اور اسے تہذیب حاضر میں ابدی حقائق حیات اور اقدار انسانیت کے الہامی تصور سے متصادم قرار دیتے ہیں۔

Marfat.com

فرماتے ہیں:

یہ بت کہ تراشیدہ تہذیب نوی ہے
غارت گر کا شانہ دین نبوی ہے
گفتار سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے
ارشاد نبوت میں وطن اور ہی کچھ ہے

"ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر" میں علامہ اقبال نے اپنے خیالات کو ایک مربوط نظام فکر کی شکل میں یوں پیش کیا ہے:

"مسلمانوں اور دنیا کی دوسری قوموں میں اصولی فرق یہ ہے کہ قومیت کا اسلامی تصور دوسری اقوام کے تصور سے بالکل مختلف ہے۔ ہماری قومیت کا اصل اصول نہ اشتراک زبان ہے' نہ اشتراک وطن' نہ اشتراک اغراض اقتصادی بلکہ ہم لوگ اس برادری میں جو رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمائی تھی اس لئے شریک ہیں کہ بظاہر کائنات کے متعلق ہم سب کے معتقدات کا سرچشمہ ایک ہے اور جو تاریخی روایات ہم سب کو ترکہ میں پہنچی ہیں وہ بھی ہم سب کے لئے یکساں ہیں۔ اسلام تمام مادی قیود سے بیزاری ظاہر کرتا ہے اور اس کی قومیت کا دارومدار ایک خاص تہذیبی تصور پر ہے جس کی تجسیمی شکل وہ جماعت اشخاص ہے جس میں بڑھنے اور پھیلتے رہنے کی قابلیت طبعاً موجود ہے۔"

دسمبر 1930ء میں مسلم لیگ کے اجلاس الہ آباد کے خطبہ صدارت میں علیحدہ مسلم مملکت کے بارے میں جواز پیش کرتے ہوئے علامہ اقبال نے فرمایا:

"ہندوستان مختلف اقوام کا وطن ہے جس کی نسل' زبان' مذہب سب ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ الگ ہیں ان کے اعمال و افعال میں وہ احساس پیدا ہی نہیں ہو سکتا جو ایک ہی نسل کے مختلف افراد میں موجود رہتا ہے۔ غور سے دیکھا جائے تو ہندوستان میں کوئی واحد الجنس قوم نہیں پس یہ امر کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے کہ مختلف طبقوں کے وجود کا خیال کئے بغیر مسلمان ہندوستان کے اندر ایک اسلامی ہندوستان قائم کریں۔"

علامہ اقبال نے ایک قومیت کے تصور کے بت کو پاش پاش کر دیا تو تصور پاکستان کا خاکہ اور نمایاں ہو کر سامنے آگیا جس کے لئے علاقائی حد بندی کا تعین یوں ہوا:

"میری خواہش ہے کہ پنجاب' صوبہ سرحد اور بلوچستان کو ایک ہی ریاست میں ملا دیا جائے خواہ یہ ریاست سلطنت برطانیہ کے اندر حکومت خود اختیاری حاصل کرے خواہ اس کے باہر مجھے تو ایسا نظر آتا ہے کہ اور نہیں

Marfat.com

تو شمال مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کو بالآخر ایک منظم آزاد اسلامی ریاست قائم کرنا پڑے گی۔" (خطبہ الہ آباد)

ہندوستان کے اندر ایک علیحدہ مسلم مملکت کا قیام ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کے ہی مفاد میں ہے اس حکمت عملی کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ اقبال نے فرمایا:

1۔ میں صرف ہندوستان میں اسلام کی فلاح و بہبود کے لئے ایک منظم اسلامی ریاست کے قیام کا مطالبہ کرتا ہوں اس سے ہندوستان کے اندر توازن قوت کی بدولت امن و امان قائم ہو جائے گا اور اسلام کو اس امر کا موقع ملے گا کہ وہ ان اثرات سے آزاد ہو کر جو عربی شہنشاہیت کی وجہ سے اب تک اس پر قائم ہیں اس جمود کو توڑ ڈالے جو اس تہذیب و تمدن، شریعت اور تعلیم پر صدیوں سے طاری ہے۔ (خطبہ الہ آباد)

2۔ "میں آپ سے اپنے اس احساس کو پوشیدہ نہیں رکھ سکتا کہ موجودہ نازک حالات کے تدارک کے لئے ہماری ملت و مستقبل قریب ہی میں آزادانہ جدوجہد کرنا پڑے گی لیکن کسی سیاسی طرز عمل کے لئے آزادانہ جدوجہد کرنا اسی وقت ممکن ہے جب پوری قوم اس پر آمادہ ہو۔ اور اس کے عزائم و ارادے ایک سطح پر مرکوز ہوں۔ (خطبہ الہ آباد)

1932ء میں ایک اور خطبہ میں مزید فرمایا:

"نہ ہندوؤں کے وعدوں پر جاؤ اور نہ برطانیہ پر اعتماد کرو بلکہ جو کچھ لینا ہے زور بازو سے لو۔ پہلے لوگوں میں سیاسی بیداری پیدا کرو اور اپنی متفقہ قوت پر بھروسہ کرو۔"

الہ آباد کے تاریخ ساز اجلاس میں علامہ اقبال نے جس مسلم ریاست کے قیام کا تصور پیش کیا وہ لوگوں کو محض ایک شاعر کا خواب دکھائی دیا مگر علامہ اقبال اسے اٹل حقیقت سمجھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنی زندگی کی آخری سانس تک اس موقف پر ثابت قدمی سے جمے رہے۔ اپنی وفات سے چند ماہ قبل قائداعظم کے نام تحریر فرماتے ہیں:

"شریعت اسلامیہ کا طویل اور گہرا مطالعہ کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اگر اسلامی قانون کو اچھی طرح سوچ سمجھ کر نافذ کر دیا جائے تو کم از کم ہر شخص کے زندہ رہنے کا سامان میسر آسکتا ہے لیکن اس ملک میں اس وقت تک شریعت کا نفاذ ناممکن ہے جب تک کہ یہاں ایک یا ایک سے زائد آزاد اور خودمختار اسلامی مملکتیں قائم نہ ہو جائیں۔"

علامہ اقبال صرف اور صرف اسلام کو بنی نوع انسان کے تمام مسائل اور دکھوں کا مداوا سمجھتے ہیں اور اس کی روشنی میں وہ اپنی مطلوبہ اسلامی ریاست کے خدوخال یوں بیان فرماتے

Marfat.com

ہیں:

"جس مذہب کی آپ نمائندگی کرتے ہیں وہ اپنے ہاں فرد واحد کی اہمیت کو تسلیم کرتا ہے اور اس کی تربیت کرتا ہے تاکہ وہ اپنا سب کچھ خدا اور انسان کی خدمت میں دے ڈالے۔ اس کے امکانات ابھی ختم نہیں ہوئے ہیں وہ اب بھی ایک ایسی نئی دنیا پیدا کر سکتا ہے جہاں اس کا معاشرتی درجہ اس کی ذات' رنگ اور اس کے کمائے ہوئے مال و دولت کی مقدار سے معین نہ ہو بلکہ اس زندگی کے مطابق قائم کیا جائے جسے وہ بسر کرتا ہے یعنی جہاں انسانی سوسائٹی سروں کی مساوات پر قائم نہ ہو بلکہ روحوں کی مساوات پر قائم ہو جہاں ایک غریب ایک خلیفہ کی لڑکی سے شادی کر سکتا ہو۔ جہاں نجی ملکیت ایک ٹرسٹ کی شکل رکھتی ہواور جہاں سرمایہ جمع کرنے کی اجازت اس طرح نہ دی جائے کہ وہ اصل دولت پیدا کرنے والے پر غلبہ حاصل کر لے۔"

(آل انڈیا مسلم کانفرنس اجلاس لاہور 21 مارچ 1931ء)

"میرے نزدیک فاشزم' کمیونزم اور زمانہ حال کے دوسرے ازم کوئی حقیقت نہیں رکھتے میرے عقیدے کی رو سے صرف اسلام ہی ایک حقیقت ہے جو بنی نوع انسان کے لئے ہر نقطہ نگاہ سے موجب نجات ہو سکتی ہے۔"

پاکستان علامہ اقبال کی فکری و نظری بالیدگی کا جیتا جاگتا ثبوت ہے انہوں نے مسلمانان ہند کو جس جداگانہ تشخص کا احساس دلوایا اور دو قومی نظریہ کو جو فلسفیانہ بنیاد عطا کی ان کا اعتراف بالاخر ان کے نظریاتی حریفوں نے بھی کیا۔ مثلاً مولانا ابوالکلام آزاد نے کہا:

"اقبال اس سرزمین پر مسلمانوں کی نئی نسل کے ملی شعور کی طاقت ور آواز تھے انہوں نے برصغیر کے مسلمانوں کی ذہنی سوانح عمری کا مواد جمع کیا۔۔۔۔ اقبال نے بعض مباحث سے قطع نظر مسلمانوں کی جداگانہ ہستی کو غایت درجہ متاثر کیا۔۔۔ اقبال نقد و نظر کا نہیں غور و فکر کا شاعر ہے۔ پاکستان بن گیا ہے تو اب اس کے تصوراتی خطوط پر ہی قائم رہ سکتا ہے۔" (اقبال مجرم از شورش کاشمیری صفحہ 6)

علامہ اقبال برصغیر ہندوستان کی تاریخ کے طویل مطالعے سے اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کا ایک قوم کی حیثیت سے سیاسی ہیت حاکمہ کی کسی صورت پر متفق ہو جانا محال ہی نہیں ناممکن بھی ہے۔ اسلام کے مطالعے نے انہیں اس نتیجے پر پہنچایا تھا کہ مسلمان دنیا کی تمام مملکتوں سے منفرد ملت ہیں اور اپنے دین کے بنیادی مطالبات کی بنا پر ان کے لئے یہ ممکن

Marfat.com

نہیں کہ وہ کسی غیر اسلامی نظام کے تحت محکومیت کی زندگی بسر کر سکیں۔

1930ء تک ہندوستان کے لئے ایک قابل عمل آئین کے مسئلے پر اچھی خاصی بحث ہو چکی تھی۔ حکومت سمیت اس مسئلے کے جملہ فریق اپنے نقطہ نظر سے اس کے حل کی مختلف تجاویز پیش کرتے رہے۔ 13 نومبر 1930ء کو حکومت برطانیہ کی دعوت پر لندن میں ہندوستان کی مختلف سیاسی جماعتوں کے نمائندوں کی ایک گول میز کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس کا مقصد یہ تھا کہ تمام رہنما مل کر ہندوستان کے مستقبل کیلئے کسی دستوری فارمولے پر اتفاق کر لیں۔ عین اس وقت جب لندن میں گول میز کانفرنس کا اجلاس جاری تھا۔ 29 اور 30 دسمبر کو الہ آباد میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا۔ اس کی صدارت علامہ اقبال نے کی۔ اقبال اس وقت تک ایک عظیم فلسفی اور قومی شاعر کی حیثیت سے بہت شہرت حاصل کر چکے تھے۔ انہوں نے اس اجلاس کے سامنے جو خطبہ ارشاد فرمایا وہ نہ صرف یہ کہ اسلام کے تصور حیات اور فلسفہ سیاست پر ایک بہترین دستاویز ہے بلکہ اسے ہماری قومی تاریخ کے ایک انتہائی اہم سرمائے کی حیثیت حاصل ہے۔

(بحوالہ اسلامی فلسفہ حیات از ایس ایم شاہد)

نظریہ پاکستان اور قائداعظم: قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے سفر سیاست کا آغاز آل انڈیا نیشنل کانگریس کے پلیٹ فارم سے کیا اور ایک عرصہ تک ہندو مسلم اتحاد کے پیامبر بنے رہے یہاں تک کہ مسلم دشمن "نہرو رپورٹ" کے باوجود بھی آپ نے اس مشن کو جاری و ساری رکھا۔ یہ وہی جناح تھے جن کی خدمات اور جرات و عظمت کے اعتراف کے طور پر کانگریس نے بمبئی میں "جناح میموریل ہال" تعمیر کروایا اور ایک کانگریسی اخبار نے انہیں "ہندو مسلم اتحاد کا سفیر" قرار دیتے ہوئے لکھا: "ایک چیز سے مسٹر جناح کبھی مایوس نہیں ہوئے وہ ہے ہندو مسلم اتحاد" لیکن قائداعظم کا ہندو مسلم اتحاد کا یہ خواب بکھر کر رہ گیا جب "نہرو رپورٹ" کے ضمن میں کانگریس نے مسلم رہنماؤں کے دست تعاون کو جھٹکتے ہوئے کہا۔ "ہندوستان میں صرف دو طاقتیں ہیں ایک کانگریس اور دوسری حکمران انگریز" قائداعظم نے اس بات کا جواب اسی وقت چکا دیا۔ "نہیں! یہاں ایک تیسری طاقت بھی ہے اور وہ ہے مسلمان جن کی نمائندگی مسلم لیگ کرتی ہے۔" یوں قائداعظم نے مسلمانوں کی جداگانہ حیثیت کو الفاظ کے قالب میں ڈھال دیا دوسرے لفظوں میں دو قومی نظریہ اپنی ارتقائی منازل طے کرنے لگا۔

15 اکتوبر 1937ء کو لکھنؤ میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں مسلمانوں کو پیغام بیداری دیتے ہوئے قائداعظم نے فرمایا:

> "ہندوستان کے 8 کروڑ مسلمانوں کو خائف ہونے کی ضرورت نہیں ان کی تقدیر ان کے اپنے ہاتھ میں ہے اور وہ ایک متحد، ٹھوس اور منظم طاقت

Marfat.com

کی حیثیت سے ہر خطرے اور مزاحمت کا متحدہ محاذ کے ذریعہ مقابلہ کر سکتے ہیں تمہارے اپنے ہاتھوں میں ساحرانہ قوت موجود ہے۔ اب تمہیں اپنے اہم فیصلوں پر ڈٹ جانا چاہئے۔"

قرارداد لاہور 1940ء

4 فروری کے اجلاس دہلی میں ہی ورکنگ کمیٹی نے 23 مارچ 1940ء کو لاہور میں لیگ کے جلسہ عام کے انعقاد کا فیصلہ کر لیا تھا۔ 19 مارچ کو لاہور میں خاکساروں کا حکومت کے ساتھ تاریخی تصادم ہوگیا اس سلسلہ میں عوام کے جذبات حکومت کے خلاف نہایت تلخ ہو چکے تھے اور اس تصادم کا ذمہ دار سر سکندر کو ہی ٹھہرایا جا رہا تھا۔ اب چونکہ پنجاب مسلم لیگ کا سربراہ بھی سر سکندر کو ہی بنایا جا چکا تھا اس لئے یہ خطرہ بھی تھا کہ کہیں مسلم لیگ کا یہ تاریخی اجتماع کسی گڑبڑ کا شکار ہو جائے۔"

بہرکیف وہ 21 مارچ کو لاہور پہنچے اور عوام کے نبض شناس لیڈر کی طرح سیدھے زخمی خاکساروں کی عیادت کے لئے ہسپتال چلے گئے۔ قائداعظم کے اس اقدام نے صورتحال پر نہایت خوشگوار اثر ڈالا۔

23 مارچ کو بعد از نماز جمعہ اقبال پارک (منٹو پارک) میں تقریباً ایک لاکھ افراد کے اجتماع سے مسلم لیگ کا کل ہند اجلاس شروع ہوا۔ سر شاہنواز خان آف ممدوٹ نے خطبہ استقبالیہ پڑھا۔

قائداعظم نے اپنی تاریخی صدارتی تقریر میں مسلمانوں کی جداگانہ قومیت پر زور دیا اور کہا کہ ہندو اور مسلم انڈیا کی تقسیم ضروری ہے۔ انہوں نے کہا مسلمان ہندوستان کی آزادی ضرور چاہتے ہیں مگر آزادی ایسی ہو جو سب کے لئے ہو اگر ہندو تو آزاد ہوں مگر مسلمان ان کے غلام بن کر رہ جائیں تو ایسی آزادی کے مسلمان خواہشمند نہیں۔ مسلمان قومیت کی ہر تعریف کے لحاظ سے ایک قوم ہیں اور ان کا مسئلہ فرقہ وارانہ نہیں بلکہ بین الاقوامی ہے اور ہمارا مطالبہ ہے کہ اسے ایسے ہی حل بھی کیا جائے۔ ہندو مسلم دو علیحدہ قومیں ہیں اور اپنا اپنا منفرد مذہب' تہذیب' فلسفہ' معاشرتی نظام اور ادب وغیرہ رکھتی ہیں۔ ان کے باہمی تعلقات بالکل مفقود ہیں۔ تاریخی اعتبار سے ایک قوم کا ہیرو دوسری کا دشمن ہے۔ ہم خواہش مند ہیں کہ مذہبی' روحانی' تہذیب' سیاسی' اقتصادی اور سماجی اعتبار سے ہم پوری طرح آزاد ہوں اور ہندو مسلم دو پرامن آزاد ہمسایوں کی طرح رہیں لہٰذا ہم کسی ایسے دستور کے طلب گار نہیں۔ جو مستقل اکثریت کو مستقل حاکم بنا دے۔ ان حالات میں اب کوئی چارہ کار باقی نہیں رہا کہ ہندوستان کی بڑی قومیں ہندوستان کو آزاد خود مختار مملکتوں میں باہم تقسیم کر لیں۔

Marfat.com

دوسرے روز 23 مارچ کو وزیراعظم بنگال مولوی فضل الحق نے کئی ایک قراردادوں کے ساتھ وہ تاریخی قرارداد بھی پیش کی جو بعد میں پاکستان کی بنیاد بن گئی۔ قرار پایا کہ "کوئی بھی دستوری خاکہ اس ملک میں قابل عمل یا مسلمانوں کے لئے قابل قبول نہیں ہوگا جب تک کہ اسے مندرجہ ذیل بنیادی اصولوں کے تحت مرتب نہ کیا گیا ہو یعنی جغرافیائی حیثیت سے مستقل اکائیوں کے ایسے خطوں کی صورت میں حد بندی کی جائے جن کی تشکیل ضروری علاقائی ردوبدل کے ساتھ اس طرح کی جائے گی کہ جن علاقوں میں مسلمان آبادی کے لحاظ سے اکثریت میں ہیں جیسا کہ وہ ہند کے شمال مغرب اور شمال مشرق میں ہیں ان علاقوں کو اس طرح آپس میں ملایا جائے کہ وہ آزاد مملکتیں بن جائیں۔ ان مملکتوں میں ہونے والی وحدتیں خودمختار اور صاحب اختیار ہوں گی۔ ان آزاد علاقوں اور خودمختار وحدتوں کے دستور میں اقلیتوں اور ان کے مذہبی' ثقافتی' معاشی' انتظامی اور دیگر حقوق و مفادات کی حفاظت کے لئے ان ہی کے مشورے سے معین اور موثر تحفظات مہیا کرنے چاہیں۔"

اس قرارداد کی حمایت میں ہندوستان کے تقریباً ہر صوبے سے آئے ہوئے مندوبین کے نمائندوں مثلاً یو۔پی سے چودھری خلیق الزمان' سید ذاکر حسین' مولانا عبدالحامد بدایوانی اور بیگم مولانا محمد علی جوہر' پنجاب سے مولانا ظفر علی خاں' ایم ایل اے (مرکزی) اور ڈاکٹر محمد علیم ایم ایل اے سرحد سے سردار اورنگ زیب خاں' ایم ایل اے سندھ کے حاجی سرعبداللہ ایم ایل اے (مرکزی) مدراس سے عبدالحمید خاں ایم ایل اے۔ بمبئی سے ابراہیم' اسمٰعیل چندریگر ایم اے سی پی سے سرعبدالروف ساہ ایم ایل اے' بہار سے نواب محمد اسمٰعیل ایم ایل اے اور بلوچستان سے قاضی محمد عیسیٰ صدر مسلم لیگ نے تقاریر کیں اور یہ قرارداد اللہ اکبر کے نعروں کی گونج کے ساتھ متفقہ طور پر منظور ہوئی۔ اب مسلمانوں کے پاس ایک واضح نصب العین تھا کہ وہ اس کھوئے ہوئے وطن کو دوبارہ حاصل کر رہے ہیں جس پر صدیوں ان کے آباؤ اجداد نے اپنا سکہ چلایا ہے چلئے وہ ملک نہ سہی اس کا ایک حصہ ہی سہی۔ اب وہ کم از کم اپنے نظریہ حیات پر عمل کرنے میں آزاد تو ہوں گے۔

اس قرارداد کے چند ایک پہلو قابل غور ہیں۔ پہلے تو یہ کہ اس میں مسلم اکثریت کے علاقوں کا باقاعدہ تعین نہیں کیا گیا بلکہ ایسے کئی اور امور جو اس قرارداد کو قابل عمل بنانے کے لئے ضروری ہوں طے کرنے کے لئے ورکنگ کمیٹی کو اختیار دے دیا گیا۔ یہ ابہام اس لئے بھی رکھا گیا کہ آیندہ انگریزوں اور ہندوؤں کے لئے گفتگو کا دروازہ کھلا رکھا جائے۔

اس قرارداد کی رو سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان شمال مغرب اور شمال مشرق کے مسلم اکثریتی خطوں کے لئے کم از کم دو مختلف آزاد مملکتوں کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ گویا یہ ایک پاکستان نہیں بلکہ دو پاکستانوں کی تجویز تھی لیکن اس غلطی کا ازالہ پانی سر سے گزرنے سے پہلے ہی کر لیا گیا چنانچہ اپریل 1946ء میں مسلم لیگ سے تعلق رکھنے والے مرکزی اور صوبائی مجالس

Marfat.com

قانون ساز کے ارکان کے اجتماع میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ سرحد' پنجاب' بلوچستان' سندھ بنگال اور آسام کے مسلم اکثریتی علاقوں پر مشتمل "ایک آزاد اور خودمختار ریاست" قائم کی جائے بلکہ اس قرارداد میں یہ بھی مطالبہ کیا گیا کہ پاکستان اور ہندوستان کے لئے الگ الگ دستور ساز ادارے وجود میں لائے جائیں اور ان تجاویز کے علاوہ وہ کسی بھی اور تجویز کو تسلیم نہیں کریں گے۔

قرارداد لاہور کے سلسلہ میں ایک اور نکتہ بھی قابل غور ہے۔ یعنی 46ء کی قرارداد کے متفقہ حمایت کرنے والوں میں برصغیر پاک و ہند کے بعض ایسے صوبوں سے تعلق رکھنے نمائندے بھی موجود تھے جنہیں سو فی صد یقین تھا کہ ان کے علاقے پاکستان کا حصہ نہیں بن سکتے (یعنی مسلم اقلیت کے صوبے) لیکن اس کے باوجود ان علاقوں کے مسلم عوام نے بھی پاکستان کی بھرپور حمایت کی اور 46ء کے انتخابات میں مسلم لیگ کو کامیاب کروایا تھا گویا انہیں اسلامیاں ہند کا مفاد عزیز تھا نہ کہ اپنا علاقائی یا معاشی مفاد۔

قرارداد لاہور کے منظور ہوتے ہی ہندوستان کے ہندو حلقوں میں ایک طوفان برپا ہوگیا۔ اب وقت آگیا تھا کہ کانگریس اقتدار میں بدست ہو کر اپنی اس بوئی ہوئی فصل کو کاٹے کہ اس نے مسلمانوں کے جائز مطالبات کو مسلسل نظر انداز کئے رکھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ وہ ہندوستان کی بلاشرکت غیر مالک ہے مگر مسلمانوں نے کہا کہ اگر ایسا ہے تو وہ پورا ہندوستان نہیں ہو سکتا بلکہ اس کا ایک حصہ ہو سکتا ہے۔ مسلم لیگ کے اجلاس میں اس قرارداد کو صرف تقسیم ہند کی قرارداد کہا گیا البتہ محترمہ بیگم محمد علی جوہر نے اپنی تائیدی تقریر کے دوران اسے قرارداد پاکستان کہہ دیا تھا مگر دوسرے روز ہندو ہندو پریس نے غیظ و غضب کی تمام علامتوں کے ساتھ طنزاً اسے قرارداد پاکستان کا نام دے دیا اور پھر اسے یوں اچھالا کہ بلاتامل مسلمانوں نے بھی اسے قبول کر لیا۔

مشائخ عظام اور سنی علماء نے پاکستان کی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ان کی دیکھا دیکھی کانگریسی جمعیتہ العلمائے ہند کے مقابلے میں مولانا شبیر احمد عثمانی نے جمعیتہ العلمائے اسلام منظم کر لی۔ یہاں تک کہ مسلم باغی وزرائے اعظم کو بھی لیگ کی اطاعت قبول کرنا پڑی۔ اگرچہ لیگ کے پاس پریس بہت کم تھا یہی لے دے کے اردو پرچوں میں سے "نوائے وقت" انگریزی میں "ڈان" اور بنگلہ میں "آزاد" مگر انہوں نے اپنے وجود کا حق ادا کر دیا۔ طلبہ نے حمید نظامی کی قیادت میں مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے تحت بستی بستی میں پھر کر پاکستان کے نام پر لوگوں کو پکارا ادھر علی گڑھ کے طلبہ بھی اپنی روایات زندہ رکھنے کے لئے میدان میں موجود تھے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے عالم یہ ہوگیا کہ جب قرارداد لاہور پر اظہار رائے کرتے ہوئے گاندھی جی نے کہا "ہندوستان کو جیتے جی ٹکڑے ٹکڑے کیا جا رہا ہے" اور راجگوپال اچاریہ یوں گویا ہوئے "بچے کے دو ٹکڑے کئے جا رہے ہیں تو بمبئی مسلم لیگ کانفرنس میں 26 مئی 40ء کو قائداعظم نے بڑے اعتماد سے کہا "قدرت نے پہلے ہی ہندوستان کو تقسیم کر رکھا ہے اور اس کے ٹکڑے کر رکھے ہیں۔

Marfat.com

ہندوستان کے نقشے پر مسلم ہندوستان اور ہندو ہندوستان پہلے ہی موجود ہیں۔ نہ معلوم اس کے متعلق اتنا واویلا کیوں کیا جا رہا ہے۔ وہ ملک ہے کہاں جس کے ٹکڑے ٹکڑے کئے جائیں گے اور وہ قوم ہے کہاں جس کی قومیت فنا کی جانے کو ہے۔"

پھر مرکزی اسمبلی کے ہال سے قائداعظم کی گونج دار آواز نومبر 1940ء کو یوں آئی:

"ہم نے قطعی طور پر اور ہمیشہ کے لئے پاکستان کو اپنی منزل مقصود بنا لیا ہے اور ہم اس کے لئے لڑنے مرنے کو تیار ہیں۔ اس کے متعلق کسی قسم کی غلط فہمی کو دل میں جگہ نہ دیجئے گا۔ وہ جمہوریت جو مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی کے ذہن میں ہے ہلاک ہو چکی ہے۔ ہم تعداد میں کم ہو سکتے ہیں مگر میں یہ کہنے کی جرات کرتا ہوں کہ ہم مسلمان اگر چاہیں اور ارادہ کر لیں تو آپ کو کانگریس سے سو گنا زیادہ تکلیف دے سکتے ہیں۔ آپ اس حقیقت سے بے خبر ہوں تو ہوں مگر میں بخوبی آگاہ ہوں۔ میں نے یہ بات دھمکی کے لئے نہیں بلکہ آپ کی آگاہی کیلئے کہی ہے۔"

کس قدر بھرپور اعتماد ہے ان الفاظ میں۔ واقعی قائداعظم کی یہ محض تعلی نہ تھی بلکہ اظہار حقیقت تھا اور ایسے شخص میں اتنا اعتماد کیوں نہ پیدا ہو جو اگر سر موڑ کر دیکھے تو اسے کروڑوں سر اپنے پشت پناہ نظر آ رہے ہوں۔ کانگریسی حلقے خواہ کچھ کہیں مگر غیر جانبدار عناصر کے لئے پاکستان کی تجویز واقعی بڑی حقیقت پسندانہ تھی۔ چنانچہ 1941ء میں ڈاکٹر امبیدکر نے پاکستان پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے اس مطالبے کو ہر لحاظ سے درست قرار دیا اور ہندوانہ اعتراضات کو قطعی بے بنیاد ٹھہرایا۔

یہاں یہ امر بھی یاد رہے کہ قائداعظم نے اس تقریر میں پہلی مرتبہ پاکستان کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اب گویا مسلم لیگ کا موقف یہ تھا کہ:

(1) مسلمان ایک باقاعدہ الگ قوم ہیں۔

(2) وہ قوم وفاق نہیں بلکہ پاکستان چاہتی ہے۔

(3) ہندو اکثریتی صوبوں میں مسلمانوں کے لئے دستوری تحفظات چاہتی ہے اور ویسے ہی تحفظات پاکستان میں ہندوؤں کو دینے کو تیار ہے۔

(4) مسلم لیگ مسلمانان ہند کی واحد نمائندہ تنظیم ہے۔

کانگرس کا موقف یہ تھا:

(1) مسلمان الگ قوم نہیں بلکہ محض ایک مذہبی اقلیت ہیں۔

(2) کانگریس کل ہندوستان کی قومی تنظیم ہے۔

(3) مسلم اقلیت زیادہ سے زیادہ چند ایک دستوری تحفظات کا مطالبہ کر سکتی ہے اور وہ بھی کانگریس کی عطائے خسروانہ کے مطابق۔

Marfat.com

(4) کانگرس ملک کی آزادی چاہتی ہے اور اس کے لئے جلد از جلد دستور بنانا چاہتی ہے اول تو وحدانی طرز کا ہو یا زیادہ سے زیادہ مضبوط وفاقی نوعیت کا۔ نیز اقلیت کو ملک آزادی کا راستہ روکنے کا کوئی حق نہیں۔

قرارداد لاہور کے اہم نکات: اجلاس کے دوسرے روز بنگال کے وزیراعلیٰ مولوی فضل الحق نے کئی قراردادیں پیش کیں جن میں سب سے اہم وہ قرارداد تھی جو بعد میں قرارداد پاکستان کہلائی۔ اس قراراداد کے اہم نکات درج ذیل ہیں۔

(1) وفاقی سکیم نامنظور: مسلم لیگ کا یہ اجلاس دستوری معاملات کے متعلق لیگ کونسل اور ورکنگ کمیٹی کی اس کارروائی کی توثیق کرتا ہے جو 27 اگست' 17' 18 ستمبر' 22 اکتوبر 1939 اور 3 فروری 1940ء کی قراردادوں کی روشنی میں کی گئی اور پوری قوت سے اعادہ کرتا ہے کہ وفاقی سکیم جس کی گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء میں تشریح کی گئی ہے اس ملک کے حالات کے اعتبار سے قطعاً غیرموزوں اور ناقابل عمل ہے اور مسلم ہندوستان کے لئے کسی طرح قابل قبول نہیں۔

(2) خودمختار ریاستوں کا قیام: مسلم لیگ کے اجلاس کی یہ سوچی سمجھی رائے ہے کہ اس ملک میں وہی دستور قابل عمل ہو سکتا ہے اور نہ صرف اسی دستور کو مسلمان قبول کریں گے جس کی بنیاد مندرجہ ذیل اصولوں پر رکھی گئی ہو۔ یعنی:

> "جغرافیائی لحاظ سے باہم متصل اکائیوں کی ایسے خطوں کی صورت میں حدبندی کی جائے اور ایسا ضروری ردوبدل کیا جائے کہ جن علاقوں میں مسلمان آبادی کے لحاظ سے اکثریت میں ہیں جیسا کہ وہ ہند کے شمال مغرب اور شمال مشرق میں ہیں۔ ان علاقوں کو آپس میں اس طرح ملا دیا جائے کہ وہ آزاد مملکتیں بن سکیں۔ ان مملکتوں میں شامل ہونے والی وحدتیں خودمختار اور مقتدر اعلیٰ ہوں۔"

(3) اقلیتوں کے لئے تحفظات: ان اکائیوں اور علاقوں کے دساتیر میں اقلیتوں کے مشورے سے ان کے مذہبی' ثقافتی' اقتصادی' سیاسی اور انتظامی حقوق اور مفادات کی حفاظت کے لئے کافی اور موثر تحفظات فراہم کئے جائیں اسی طرح کے تحفظات کے ذریعے ہندوستان کے ان حصوں میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں ان کے تحفظ کا بندوبست کیا جائے۔

(4) ریاستوں کی آزادی کی حدود: ریاستوں کی حاکیت اعلیٰ کی حدود کی مزید وضاحت قرارداد کے اس حصے سے ہوگئی جس میں کہا گیا کہ:

> "یہ اجلاس ورکنگ کمیٹی کو اختیار دیتا ہے کہ مندرجہ بالا بنیادی اصول کی

Marfat.com

روشنی میں ایک ایسی دستوری سکیم مرتب کرے جس میں ان ریاستوں کو سارے معاملات یعنی دفاع' خارجہ معاملات' رسل و رسائل' کسٹم اور دیگر ضروری امور کا اختیار دیا گیا ہو۔"

مسلمانوں کی حد سے زیادہ رواداری: برصغیر میں مسلمانوں نے ہندوؤں اور انگریزوں سے بھی انتہائی مروت کا سلوک کیا۔ چنانچہ انگریزوں کو اقتدار ملا تو انہوں نے ہندوؤں کو بھی مسلمانوں پر چھا جانے میں بہت حد تک مدد دی۔ ہندو مسلمان کو غلام بنانا چاہتا تھا اور مسلمان یہ جانتا تھا کہ اگر ایسا ہوگیا تو ہندوستان سے مسلمان کا وجود ہمیشہ کیلئے ختم ہو کر رہ جائے گا اسی لئے مسلمانوں نے 23 مارچ 1940ء کو لاہور میں وہ تاریخی قرارداد منظور کی جو ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ مملکت یعنی پاکستان کے قیام سے متعلق مطالبے پر مبنی تھی اور جس مملکت میں وہ قرآن کریم اور سنت رسول کے اتباع میں زندگی گزار سکتے تھے۔ مسلمانوں کا یہ مطالبہ کسی نفرت کے فلسفے پر مبنی نہ تھا۔

پاکستان مسلم قومیت کے بنیادی اصول پر قائم کیا گیا جہاں مسلمانوں کو ہر قسم کا تحفظ اور اپنی ثقافت کو پروان چڑھانے کا حق اور آزادی حاصل ہو۔ اس اعتبار سے پاکستان کی تشکیل ایک اسلامی ریاست کی بنیاد پر کی گئی۔ پاکستان کے مسلمانوں کا مقصد اپنی ریاست کو مسلمان کی حیثیت میں مستحکم کرنا اور اس کے اندر مسلمان کی حیثیت میں زندہ رہنا تھا۔ ایسی مملکت جہاں مذہبی اخوت تمام مسلمانوں کو ایک لڑی میں تسبیح کے دانوں کی طرح پرو کر رکھتی ہے۔ پاکستان میں مذہب اور ریاست دو مختلف چیزیں نہیں لیکن اگر اکھنڈ بھارت میں مسلمانوں کو ہندوؤں کے ساتھ رہنا پڑتا تو یقیناً اسلام کو ریاست سے خارج کر دیا جاتا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ مسلمانوں کی علیحدہ قومیت ختم ہو کر رہ جاتی۔ قائداعظم نے واضح طور پر کہا تھا کہ پاکستان سے مراد وہ مملکت ہے جہاں کے رہنے والے مسلمان اپنی زندگی قرآن کریم اور سنت رسول کے سانچے میں ڈھال سکیں۔

مذہب ہماری ریاست کا جزو لاینفک ہے۔ یہ کوئی عیسائی ریاست نہیں جہاں روحانی اور مذہبی معاملات اور سیاسی اور ملکی معاملات دو مختلف ہاتھوں میں منقسم ہیں۔ یہ اسلامی مملکت ہے جہاں ہر مسلمان کے ہاتھ میں قرآن بھی ہے اور تلوار بھی۔ پاکستان میں ہندو یا عیسائی فلسفہ اور طرز حکومت کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔ اس لئے کہ پاکستان کی بنیاد اسلامی نظریے پر ہے اور اسلام سیاست اور مذہب کو کسی قیمت پر دو الگ چیزیں تسلیم نہیں کرتا ورنہ اس کے نظام کی بنیاد ہی ختم ہو جاتی ہے۔

Marfat.com

قیام پاکستان کے اغراض و مقاصد

(1) اسلامی قوانین کا نفاذ: نظریہ پاکستان کا سب سے بڑا تقاضا ایک بامقصد ملت کو وجود میں لانا تھا۔ جو دنیا میں ترقی کرے اور آخرت میں سرخرو ہو۔ مسلمانوں نے خدائی آئین کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لئے آزاد مملکت کا مطالبہ کیا یہی وجہ ہے کہ جب تحریک پاکستان عروج پر تھی اس وقت یہ نعرہ سب سے زیادہ مقبول تھا کہ:

پاکستان کا مطلب کیا۔۔۔ لا الہ الا اللہ برصغیر میں مسلمانوں کی ایک آزاد مملکت کا قیام اسلام کا تقاضا مسلمانوں کا مطالبہ محض ایک الگ مملکت کی تشکیل کا نہ تھا بلکہ جہاں اللہ تعالیٰ کا حکم چلے اور جہاں کی ریاست "کتاب و سنت" کے مطابق کام کرے۔

قائداعظم نے فرنٹیر مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ 21 نومبر 1945ء میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا:

"ہمارا دین ہماری تہذیب اور ہمارے اسلامی تصورات وہ اصل طاقت ہیں جو ہمیں آزادی حاصل کرنے کے لئے متحرک کرتے ہیں۔" قائداعظم محمد علی جناح نے اسلامیہ کالج پشاور میں 31 جنوری 1948ء کو فرمایا تھا: "ہم نے پاکستان کا مطالبہ ایک زمین کا ٹکڑا حاصل کرنے کے لئے نہیں کیا تھا بلکہ ایک ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے تھے جہاں ہم اسلام کے اصولوں کو آزما سکیں۔"

قائداعظم کے دست راست اور پاکستان کے پہلے وزیراعظم لیاقت علی خاں نے بھی پشاور میں تقریر کرتے ہوئے اس اعلان کا اعادہ کیا تھا کہ:

"پاکستان ہماری تجربہ گاہ ہوگا اور ہم دنیا کو دکھائیں گے کہ تیرہ سو برس پرانے اصول ابھی تک کارآمد ہیں۔"

مندرجہ بالا تقاریر اور اعلانات سے صاف واضح ہے کہ مسلمان صرف آزادی نہیں بلکہ اسلامی قوانین کا عملی نفاذ چاہتے تھے۔ وہ ایک دین ایک ثقافت' ایک عقیدے اور ایک طرز زندگی کی خاطر علیحدہ وطن چاہتے تھے۔

جیسا کہ قرارداد مقاصد کے الفاظ بھی اسی نصب العین کا اظہار کرتے ہیں۔

"حاکمیت اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے لیکن پاکستان میں عوام اسے قرآن و سنت کے مطابق عمل میں لائیں گے۔"

(2) جمہوریت کا قیام: برصغیر کے مسلمانوں نے انتخابات اور رائے شماری کے ذریعے پاکستان

Marfat.com

کے قیام کے حق میں فیصلہ دیا تھا لہٰذا اس کی بقا اور تحفظ بھی جمہوریت کے فروغ سے ہو سکتا تھا۔ جہاں اسلامی اصولوں کے مطابق ان کی رائے کو اہمیت حاصل ہو اور جمہوری اقدار کا نفاذ ممکن ہو۔ قائداعظم نے اجلاس مسلم لیگ لکھنؤ میں 31 دسمبر 1916ء کو فرمایا تھا۔ کہ دنیا کی کوئی قوم جمہوریت میں مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی جو اپنے مذہب کی بنیاد پر اس پر عمل پیرا ہوتی ہے۔ قائداعظم کی تقاریر اور قرارداد مقاصد کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں دیانت پر مبنی جمہوری طرز کی حکومت کا قیام مقصود تھا۔ جس میں جمہوری قدریں پوری طرح فروغ پائیں اور عوام کے اندر سیاسی شعور پیدا ہو۔ قائداعظم نے 14 فروری 1948ء کو سبی دربار میں تقریر کرتے ہوئے پاکستان کو ایک اسلامی جمہوریہ بنانے کی ہدایت کی۔ انہوں نے کہا:

"میرا ایمان ہے کہ نجات کا واحد راستہ اس سنہری اصول والے ضابطہ حیات پر عمل کرنا ہے جو ہمارے عظیم واضع قانون پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے قائم کر رکھا ہے۔ ہمیں اپنی جمہوریت کی بنیادیں سچے اسلامی اصولوں اور تصورات پر رکھنی چاہیں۔"

قائداعظم ایسی جمہوریت کے قائل تھے جو صحیح معنوں میں اسلامی جمہوریت ہو۔ جہاں اسلامی مساوات' رواداری سے ایک عظیم معاشرے کا وجود قائم ہو۔ قرارداد مقاصد میں یہ بھی وضاحت کر دی گئی کہ پاکستان میں:

"جمہوریت آزادی و مساوات' رواداری اور معاشرتی انصاف کے اصولوں پر اسلامی تعلیمات کے مطابق عمل کیا جائے گا۔"

(3) **تہذیبی اقدار کی حفاظت**: پاکستان کے قیام کا بڑا مقصد یہ تھا کہ مسلمان اپنی الگ مملکت میں اپنے دین' ثقافت' تہذیب اور تاریخ کا تحفظ چاہتے تھے اور اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو اسلام کے بنیادی قوانین' (قرآن و سنت) کے مطابق ڈھالنا چاہتے تھے۔

قائداعظم کی زبان میں "مسلمان ایسے پاکستان کا مطالبہ کرتے ہیں جہاں وہ خود اپنے ضابطہ حیات اپنے تہذیبی ارتقاء اپنی روایات اور اسلامی قانون کے مطابق حکومت کر سکیں۔"

(4) **جداگانہ تشخص کا تحفظ**: ہندوؤں اور مسلمانوں میں کوئی قدر مشترک نہ تھی۔ ان کا طریق عبادت' قومی روایات' تاریخ' زبان' لباس اور خوراک تک ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ مسلمان اور ہندو ہر چیز میں ایک دوسرے سے بالکل جدا ہیں۔ تہذیب و تمدن میں مختلف ہیں' تاریخ' زبان' طرز تعمیر' قانون' معاشیات اور لباس غرضیکہ ہر بات میں اختلاف ہے۔ "جین بوتھ" کے الفاظ کے مطابق دنیا میں اور کہیں آپ کو دو ایسے مذہب نہیں ملیں گے جو ہندومت اور اسلام کی طرح ایک دوسرے سے مختلف ہوں بلکہ متضاد ہوں۔ مسلمان خدائے واحد کی پرستش

Marfat.com

کرتے ہیں مگر ہندوؤں میں ذات پات کی تمیز کا گہرا اثر ہے۔ الیکشن کی پرچی انہیں یکجا نہیں ر
سکتی۔

قائداعظم نے مرکزی اسمبلی میں 22 مارچ 1939ء میں تقریر کرتے ہوئے انگریز ا
ہندوؤں کو للکارا تھا۔ "تم دونوں ہماری روح کو فنا کرنے میں کبھی کامیاب نہ ہو سکو گے۔ تم ا
اسلامی تہذیب کو کبھی نہ مٹا سکو گے' اس اسلامی تہذیب سے جو ہمیں ورثے میں ملی ہے۔ ہما
نور ایمان زندہ ہے۔ ہمیشہ زندہ رہے گا۔ ہم نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ اگر مرنا ہی ہے تو لڑ
لڑتے مرجائیں گے۔"

اردو ہندی جھگڑا: ہندوؤں کے جذبہ مسابقت' اردو ہندی جھگڑے' کانگریس کی مسلم دشم
حکمت عملی' ہندوؤں کی طرف سے تقسیم بنگال کی شدید مخالفت' شدھی اور سنگھٹن کی مسلم کش
تحریکیں اور 1937ء میں قائم ہونے والی صوبائی کانگریسی حکومتوں کی مسلم آزار حکمت عملی ہوا
رخ متعین کر چکی تھی۔ اور مسلمانوں پر ہندوؤں کے عزائم آشکار ہو چکے تھے۔

چنانچہ 9 مارچ 1944ء کو قائداعظم نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں فرمایا تھا۔ "آپ نے غو
فرمایا کہ پاکستان کے مطالبے کا جذبہ محرکہ کیا تھا؟ مسلمانوں کے لئے ایک جداگانہ مملکت کی وج
جواز کیا تھی؟ تقسیم ہند کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اس کی وجہ نہ ہندوؤں کی تنگ نظری ہے
انگریزوں کی چال۔ یہ اسلام کا بنیادی مطالبہ ہے۔"

(5) اغیار کے تسلط سے نجات: مسلمان صدیوں تک اس برصغیر میں حکمران رہے۔ سب
سے پہلے مسلمان 712ء میں بحیثیت فاتح برصغیر میں داخل ہوئے۔ اورنگ زیب عالمگیر کی وفات
1707ء کے بعد برصغیر میں مسلم اقتدار روبہ زوال ہوا۔ جب ان کی حکومت کو زوال آیا
سات سمندر پار سے آئی ہوئی قوم (انگریز) نے ملک پر قبضہ کر لیا۔ یہ قوم مسلمانوں سے خائف
تھی کہ مسلمانوں میں حکمرانی کی تمام صفات موجود ہیں۔ اس لئے انہوں نے ہندوؤں کے ساتھ
شروع کیا۔ انہیں مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا اور ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ دونوں قومیں آپس
میں سرپیکار ہوگئیں اور وہ آرام سے حکمرانی کرنے لگے۔ چنانچہ قیام پاکستان کا مقصد اغیار کے تس
سے نجات پانے کا ذریعہ تھا۔

(6) ہندوؤں کی بالادستی سے گریز بچاؤ: برصغیر کے مسلمانوں کو ڈر تھا کہ اگر انگریزو
کے چلے جانے کے بعد بالادستی ہندوؤں کے ہاتھ میں آگئی تو وہ جمہوریت کی آڑ میں مسلمانوں
غلام بنالیں گے۔ مسلمانوں نے 1857ء میں زنجیر غلامی کو توڑنے کی کوشش کی لیکن اپنی معا
کمزوری' تنظیم کی کمی' موثر قیادت کے فقدان اور انگریزوں کی ریشہ دوانیوں' غداروں
سازشوں اور دیگر اقوام کی طرف سے عدم تعاون اور لاتعلقی کے باعث یہ کوشش ناکام رہی۔ ا
ناکامی نے مسلمانوں کی کمر توڑ کر رکھ دی۔ انگریزوں نے 1857ء کے واقعات کی ساری ذ

Marfat.com

داری ان پر ڈال دی اور انہیں بے پناہ ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا۔ مسلمانوں کو پسماندہ رکھ کر ہندوؤں کو آگے بڑھانے کی پالیسی اختیار کی گئی۔ ادھر ہندوؤں نے اپنی ترقی کے لئے مسلمانوں کو کچلنا ضروری خیال کیا۔ انگریز حکمرانوں کی نگاہوں میں مسلمان جاہل' باغی' غدار اور ناقابل اعتبار انسان کی حیثیت رکھتے تھے۔ انگریز اور ہندو دونوں مسلمانوں کو تعلیمی لحاظ سے جاہل' اقتصادی اور معاشرتی لحاظ سے کمتر حیثیت کا مالک رکھنا چاہتے تھے۔ اگر سرسید احمد' محمد علی جوہر' اقبال اور قائداعظم جیسے دردمند افراد مسلمانوں میں خود آگاہی اور خود اعتمادی کے جذبات پیدا نہ کرتے تو برصغیر میں مسلمانوں کی حیثیت اچھوتوں سے بھی بدتر ہو جاتی۔

(7) عالم اسلام کے اتحاد کا فروغ: برصغیر کے مسلمانوں کو عالم اسلام کے تمام علاقوں میں اپنے ہم مذہب بھائیوں سے تعلق رہا ہے۔ اگرچہ برصغیر میں مسلمان انگریزوں کی غلامی کا شکار تھے لیکن جب بھی عالم اسلام پر آزمائش اور مصیبت کی گھڑی آئی برصغیر کے مسلمانوں نے اپنی طاقت سے بڑھ کر دوسرے علاقوں کے مسلمان بھائیوں کے ساتھ اپنی محبت اور عملی تعاون کا مظاہرہ کیا۔ وہ جانتے تھے کہ انہیں برصغیر میں آزادی کی نعمت حاصل ہوگئی تو ان کی نوازئیدہ مملکت اپنی جغرافیائی اہمیت' فوجی روایات اور عددی قوت کے باعث دنیا بھر کے مسلمانوں کی امیدوں کا مرکز اور اسلام کا حفاظتی قلعہ ثابت ہوگی۔ یہ مملکت مشرق و مغرب کے مسلمانوں کو اتحاد کی لڑی میں پرو دے گی جس کی بدولت مسلمان اس قدر قوت حاصل کرلیں گے کہ ان علاقوں کو بھی آزاد کرا لیں گے جو اب تک غیروں کے قبضہ میں ہیں۔ انہیں جذبات و احساسات کے پیش نظر اتحاد عالم اسلامی کے علمبرداروں نے برصغیر کے مسلمانوں کی علیحدہ آزاد مملکت کے قیام کو وقت کی اہم ضرورت قرار دیا۔ پھر دنیا نے دیکھا کہ مسلمان محکوم ممالک ایک ایک کرکے آزاد ہوتے گئے۔

(8) معاشی خوشحالی و ترقی: غیر منقسم ہندوستان میں مسلمانوں کو انگریزوں اور ہندوؤں کی ملی بھگت سے معاشی طور پر مفلوک الحال بنانے کی ہر ممکن کوشش کی گئی تھی۔ انگریزوں نے جائیدادوں کی ضبطی اور ملازمتوں سے محرومی کے ذریعے مسلمانوں کو اقتصادی طور پر نہایت پسماندہ بنا رکھا تھا جن اکا دکا اسامیوں پر مسلمان فائز تھے۔ وہ بھی ان سے چھین کر ہندوؤں کے حوالے جا رہی تھیں۔ تعلیمی اداروں کے دروازے ان پر بند تھے تاکہ وہ حصول معاش کے آبرومندانہ ذرائع اختیار نہ کر سکیں۔ ہندوؤں نے بھی اپنے وقار اور اثر کو بڑھانے کے لئے مسلمانوں کو کچلنا ضروری سمجھا۔ تجارت اور صنعت و حرفت میں ہندو اور انگریز کی اجارہ داری تھی۔ حکومت کے تمام شعبوں میں ہندو ملازمین چھائے ہوئے تھے۔ ہندو زمیندار' ساہوکار اور جاگیردار مسلمان کاشتکار کی زندگی اجیرن کئے ہوئے تھے۔

الغرض رزق کے وسائل سے مسلمان محروم کئے جارہے تھے۔ پس جب پاکستان کا مطالبہ مانے بغیر چارہ کار نہ رہا تو اس وقت بھی ہندوؤں کے جو عزائم تھے ان کا پتہ پنڈت نہرو لال

Marfat.com

کے اس بیان سے چلتا ہے کہ:

"ہماری سکیم ہے کہ اس وقت جناح کو پاکستان بنا لینے دیں مگر بعد میں معاشی طور پر یا دیگر انداز سے ایسے حالات پیدا کرتے چلے جائیں جن سے مجبور ہو کر مسلمان گھٹنوں کے بل جھک کر ہم سے درخواست کریں کہ ہمیں پھر سے ہندوستان میں ضم کر لیجئے۔"

مسلمان قوم کی نجات' سلامتی' ترقی اور روشن مستقبل کی ضمانت صرف ایک الگ آزاد مملکت ہی کے ذریعے ممکن تھی۔ اس بات کی نشاندہی قائداعظم نے نومبر 1945ء کو اجلاس عام پشاور میں کی۔

"ہمارا کوئی دوست نہیں ہے ہمیں نہ انگریز پر بھروسہ ہے نہ ہندو بنئے پر ہم دونوں کے خلاف جنگ کریں گے خواہ وہ آپس میں متحد کیوں نہ ہو جائیں۔"

اور مسلمانوں نے مسلم لیگ کے پرچم تلے قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت میں جدوجہد جاری رکھی اور آخر قائداعظم نے نہایت دانائی سے برٹش حکومت کو قائل کر لیا کہ برصغیر سے جاتے وقت وہ یہاں دو خودمختار مملکتیں قائم کر جائے۔ چنانچہ 14 اگست 1947ء کو پاکستان کا قیام عمل میں آیا جس کی خاطر لاکھوں مسلمانوں نے جانی اور مالی قربانیاں دیں۔ لاکھوں مسلمانوں نے ہجرت کرتے وقت شہادت پائی۔ بے شمار بچوں کو نیزوں پر لہرا دیا گیا اور ان گنت خواتین کی عصمتیں برباد ہوئیں اور ہزاروں مسلمان خواتین کو غیر مسلم حضرات نے اپنے گھروں میں ڈال لیا اور وہ "رام کور" بن کر زندگی نبھا رہی ہیں مگر اہل پاکستان کو پاکستان اور آزادی جیسی نعمت کی قدر کا کوئی خیال نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں خواب غفلت سے بیدار فرمائے۔ آمین۔

Marfat.com

دستور پاکستان میں اہم اسلامی دفعات

قرارداد مقاصد اور علماء کے بائیس (22) نکات

پاکستان کی تاسیس کا نظریہ اسلام ہے۔ اسلام ہی اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے۔ یہ دین انسانوں کے لئے راہ نجات پانے کا آسان ترین راستہ ہے۔ کوئی بھی انسان اپنی خواہش یا مرضی سے اس دنیا میں نہیں آیا۔ پس ہر انسان اللہ تعالیٰ کے قواعد کے تحت جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے' دنیا میں آتا ہے اور اس امتحان گاہ میں آکر مصروف کار ہوتا ہے اور جب اللہ کی طرف سے بلاوا آجاتا ہے تو وہ کوچ کر جاتا ہے۔

اس نقطہ نظر کو سامنے رکھ کر برصغیر کے مسلمانوں نے پاکستان بنایا تھا لیکن یہاں پر انگریز کے کتوں کو نہلانے والوں نے غلبہ پالیا اور اسلام کو پس پشت ڈال دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کا نفاذ پاکستان میں ثانوی حیثیت اختیار کرتا رہا۔ سطور ذیل میں عہد بہ عہد پاکستان اور اسلام کے موضوع پر روشنی ڈالی جا رہی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر حکومت اسلام کو دل سے مانتی تھی اور اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے اگر کسی نامقبول حکومت نے جو حربے استعمال کئے' وہ غیر اسلامی تھے۔

(1) قیام پاکستان کے بعد قادیانیوں نے نئی اسلامی مملکت میں صوبہ بلوچستان کو قادیانی سٹیٹ بنانے کے لئے چنا۔ چنانچہ 23 جولائی 1948ء کو کوئٹہ میں قادیانیوں کے سربراہ نے ایک تقریر کرتے ہوئے اس طرف اشارہ کیا اور اپنے مقلدین کو صوبہ بلوچستان کو قادیانی ریاست کے طور پر آگے بڑھانے کی تلقین کی اور یہ ساری تقریر 13 اگست 1948ء کے روزنامہ "الفضل ربوہ" میں شائع ہوئی (تاریخ پاکستان صفحہ 45 از زاہد حسین انجم مطبوعہ نیو بک پیلس لاہور) اس کا مطلب یہ ہوا کہ پاکستان کے مسلمانوں کو شروع ہی سے ایک مخالفانہ طاقت کا سامنا کرنا پڑا جو بظاہر مسلمان تھی لیکن مسلمانوں سے خود کو خارج اور الگ سمجھتی تھی۔ چنانچہ قادیانیوں نے اس کے بعد بھی پر پرزے نکالے اور بے شمار مسلمانوں نے قربانیاں دیں۔ آخر ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں قادیانیوں کو اقلیت قرار دے کر یہ مسئلہ حل کر دیا گیا۔

(2) چنانچہ اسلامیان پاکستان کی خواہش پر دستور ساز اسمبلی نے 12 مارچ 1949ء کو پاکستان میں نفاذ اسلام کے لئے قرارداد منظور کی جس کا متن یہ ہے:

قرارداد مقاصد:

(1) اللہ تعالیٰ کل کائنات کا بلا شرکت غیرے حاکم مطلق ہے اور اسی نے جمہور کی وساطت

Marfat.com

سے مملکت پاکستان کو اختیار حکمرانی اپنی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرنے کے لئے نیابت کے حقوق عطا فرمائے ہیں۔ چونکہ یہ اختیار حکمرانی ایک مقدس امانت ہے جس کی رو سے مملکت جملہ حقوق و اختیارات حکمرانی کو جمہور کے منتخب کردہ نمائندوں کے ذریعے سے استعمال کرے گی۔

(2) جس کی رو سے اصول جمہوریت' حریت' مساوات' رواداری' عدل اور حکمرانی کو جس طرح اسلام نے ان کی تشریح کی ہے' پورے طور پر ملحوظ رکھا جائے گا جس کی رو سے مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر خود کو اسلامی تعلیمات کے مطابق جو قرآن و سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں متعین ہیں' تربیت دے سکیں۔

(3) جس کی رو سے اس امر کا قرار واقعی انتظام کیا جائے کہ اقلیتی آزادی کے ساتھ اپنے مذہبی عقیدوں پر قائم رہ سکیں اور اپنی ثقافتوں کو ترقی دے سکیں۔

(4) جس کی رو سے وہ علاقے جو پاکستان میں داخل ہیں یا شامل ہو گئے ہیں اور ایسے دیگر علاقے جو آئندہ پاکستان میں داخل یا شامل ہو جائیں' ایک وفاقیہ بنائیں گے جس کے ارکان مقرر کردہ حدود اربعہ و متعینہ اختیارات کے ماتحت آزاد ہوں گے۔ جس کی رو سے بنیادی حقوق کی ضمانت دی جائے اور ان حقوق میں قانون اور اخلاق عامہ کے ماتحت مساوات قانون کی نظر میں برابری' عمرانی' اقتصادی اور سیاسی عدل' اظہار خیال' عقیدہ' دین' عبادت اور ارتباط کی آزادی شامل ہے۔

(5) جس کی رو سے اقلیتوں اور پسماندہ و پست طبقوں کے جائز حقوق کے تحفظ کا انتظام کیا جائے۔ جس کی رو سے نظام عدل کی آزادی کامل طور پر محفوظ ہو۔

(6) جس کی رو سے وفاقیہ کے علاقوں کی ضمانت اور اس کی آزادی اور اس کے جملہ کا جن میں بر و بحر اور فضا پر سیادت کے حقوق شامل ہیں' تحفظ کیا جائے۔

(7) تاکہ پاکستان کے عوام فلاح و خوشحالی کی زندگی بسر کر سکیں۔ وہ اقوام عالم کی صف میں اپنا جائز اور ممتاز مقام حاصل کر سکیں اور امن عالم کے قیام اور بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود میں اضافہ کر سکیں لیکن مشرقی پاکستان کے ہندو اراکین کا کہنا تھا کہ اب جبکہ پاکستان بن گیا ہے' مذہب پر اصرار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے' اس لئے پاکستان کو لادینی حکومت قرار دیا جائے۔ پاکستان کا وجود اس مطالبے کی سب سے بڑی تردید تھا' اس لئے پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے ارکان کی بھاری اکثریت نے یہ اعتراض رد کر دیا اور قرارداد بھاری اکثریت سے منظور کر لی گئی۔

چنانچہ 12 مارچ 1949ء کو اسمبلی میں قرارداد مقاصد پیش کرتے ہوئے وزیراعظم لیاقت علی خان نے ایک یادگار تقریر میں فرمایا:

"جناب والا! میں آج کے دن کو اس ملک کی زندگی کا اہم ترین دن سمجھتا

Marfat.com

ہوں۔ اس دن پر اگر کسی اور دن کو فوقیت حاصل ہے تو صرف یوم آزادی کو اور آزادی کا مطلب بھی یہی تھا کہ ہمیں ایک ایسا موقع ملا ہے کہ ہم وطن عزیز اور اس کے سیاسی نظام کی تعمیر اپنے نظریات اور مقاصد کے مطابق کر سکیں اور جناب والا! میں ایوان کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ اس موضوع پر بابائے قوم قائداعظم کئی مرتبہ اظہار خیال کر چکے ہیں اور پوری قوم ان کے ان خیالات کی واضح طور پر تائید کر چکی ہے۔ قائداعظم نے فرمایا تھا کہ "قیام پاکستان اس لئے ضروری ہے کہ برصغیر کے مسلمان اسلام کی تعلیمات اور روایات کے مطابق اپنی زندگی گزار سکیں اور وہ پوری دنیا پر واضح کر سکیں کہ آج بھی اسلام ان تمام بیماریوں کے لئے تریاق کا درجہ رکھتا ہے جو بنی نوع انسان کو لاحق ہو چکی ہیں۔"

لہٰذا جناب والا! آپ دیکھیں گے کہ قرارداد مقاصد کے ابتدائیے میں اس حقیقت کا واضح طور پر اعتراف کیا گیا ہے کہ تمام حاکمیت احکام خداوندی کے تابع ہونی چاہئے اور ہم پاکستان کے عوام اس بات پر پختہ یقین رکھتے ہیں کہ ہر قسم کی حاکمیت اسلام کے مقرر کردہ اصولوں کے مطابق استعمال کی جانی چاہئے تاکہ اس حاکمیت کا غلط استعمال نہ ہو سکے۔ یہ حاکمیت درحقیقت ایک مقدس امانت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا کی ہے تاکہ ہم اسے اس کے بندوں کی خدمت کے لئے استعمال کر سکیں۔"

اسلامی آئین کی تدوین کے سلسلے میں علماء کے بائیس (22) نکات: پاکستان کے آئین کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لئے 12 تا 15 ربیع الثانی 1370ھ بمطابق 21 تا 24 جنوری 1951ء کراچی میں مولانا سید سلیمان ندوی کی صدارت میں جید علماء کا ایک اجتماع ہوا جس میں مندرجہ ذیل علماء کرام نے شرکت کی۔

(1) علامہ سید سلیمان ندوی
(2) مولانا شمس الحق افغانی
(3) مولانا محمد بدر عالم
(4) مولانا احتشام الحق تھانوی
(5) مولانا محمد عبدالحامد بدایونی
(6) مولانا مفتی محمد شفیع (کراچی)
(7) مولانا محمد ادریس کاندھلوی
(8) مولانا خیر محمد صاحب (ملتان)
(9) مولانا مفتی محمد حسین (جامعہ اشرفیہ لاہور)
(10) پیر محمد امین الحسنات (مانکی شریف)

Marfat.com

(11) مولانا محمد یوسف بنوری (کراچی)

(12) حاجی خادم الاسلام خلیفہ (حاجی ترنگ زئی)

(13) قاضی عبدالصمد صاحب (سربازی بلوچستان)

(14) مولانا اطہر علی (مشرقی پاکستان)

(15) مولانا ابو جعفر محمد صالح (مشرقی پاکستان)

(16) مولانا راغب احسن (مشرقی پاکستان)

(17) مولانا محمد حبیب الرحمٰن (مشرقی پاکستان)

(18) مولانا محمد علی جالندھری (ملتان)

(19) مولانا داؤد غزنوی

(20) مفتی جعفر حسین (شیعہ حضرات سے)

(21) مفتی کفایت حسین مجتہد شیعہ

(22) مولانا محمد اسماعیل (گوجرانوالہ اہلحدیث)

(23) مولانا حبیب اللہ (خیرپور)

(24) مولانا احمد علی (انجمن خدام الدین لاہور)

(25) مولانا محمد صادق (مدرسہ مظہرالعلوم کھڈہ)

(26) پروفیسر عبدالخالق

(27) مولانا شمس الدین فرید پوری (مشرقی پاکستان)

(28) مفتی محمد صاحب داد (کراچی)

(29) پیر محمد ہاشم مجددی (سندھ)

(30) سید ابوالاعلیٰ مودودی

(31) محمد ظفر احمد انصاری

یہ نکات پاکستان کے جید علماء اور تمام اسلامی فرقوں کے نمائندگان نے مرتب کر کے دستور پاکستان کی اساس بنانے کے لئے پیش کئے تھے' ان کی تفصیل یہ ہے۔

(1) اصل حاکم تشریعی و تکوینی حیثیت سے رب العالمین ہے۔

(2) ملک کا قانون کتاب و سنت پر مبنی ہوگا اور کوئی ایسا قانون نہ بنایا جا سکے گا' نہ کوئی ایسا حکم دیا جا سکے گا جو کتاب و سنت کے خلاف ہو۔
(تشریحی نوٹ) اگر ملک میں پہلے سے کچھ ایسے قوانین جاری ہوں جو کتاب و سنت کے خلاف ہوں تو اس کی تصریح بھی ضروری ہے کہ وہ بتدریج ایک معینہ مدت کے اندر منسوخ یا شریعت کے مطابق تبدیل کر دیئے جائیں گے۔

(3) مملکت کسی جغرافیائی' نسلی' لسانی یا کسی اور تصور پر نہیں بلکہ ان اصول اور مقاصد پر مبنی

Marfat.com

ہوگی جن کی اساس اسلام کا پیش کیا ہوا ضابطہ حیات ہے۔

(4) اسلامی مملکت کا یہ فرض ہوگا کہ کتاب و سنت کے بتائے ہوئے معروفات کو قائم کرے' منکرات کو مٹائے اور شعائر اسلام کے احیاء اعلیٰ اور متعلقہ اسلامی فرقوں کے لئے ان کے اپنے مذہب کے مطابق ضروری اسلامی تعلیم کا انتظام کرے۔

(5) اسلامی مملکت کا یہ فرض ہوگا کہ وہ مسلمانان عالم کے رشتہ اتحاد و اخوت کو قوی سے قوی تر کرنے اور ریاست کے مسلم باشندوں کے درمیان عصبیت جاہلیہ کی بنیادوں پر نسلی' لسانی' علاقائی یا دیگر مادری امتیازات کے ابھرنے کی راہیں مسدود کرکے ملت اسلامیہ کی وحدت کے تحفظ و استحکام کا انتظام کرے۔

(6) مملکت بلا امتیاز مذہب و نسل وغیرہ تمام ایسے لوگوں کی لابدی انسانی ضروریات یعنی غذا' لباس' مسکن' معالجہ اور قیام کی کفیل ہوگی۔ جو اکتساب رزق کے قابل نہ ہوں یا نہ رہے ہوں یا عارضی طور پر بے روزگار ہوں' بیماری یا دوسرے وجوہ سے فی الحال سعی اکتساب پر قادر نہ ہوں۔

(7) باشندگان ملک کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو شریعت اسلامیہ نے ان کو عطا کیے ہیں یعنی حدود قانون کے اندر تحفظ جان و مال و آبرو' آزادی مذہب و مسلک' آزادی عبادت' آزادی ذات' آزادی اظہار رائے' آزادی نقل و حرکت' آزادی اجتماع' آزادی اکتساب رزق' ترقی کے مواقع میں یکساں اور رفاہی ادارت سے استفادہ کا حق۔

(8) مذکورہ بالا حقوق میں سے کسی شہری کا کوئی حق اسلامی قانونی کی سند جواز کے بغیر کسی وقت سلب نہ کیا جائے گا اور کسی جرم کے الزام میں کسی کو بغیر فراہمی موقع فیصلہ عدالت کوئی سزا نہ دی جائے گی۔

(9) مسلمہ اسلامی فرقوں کو حدود قانون کے اندر پوری مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔ انہیں اپنے پیروؤں کو اپنے مذہب کی تعلیم دینے کا حق حاصل ہوگا۔ وہ اپنے خیالات کی آزادی کے ساتھ اشاعت کر سکیں گے۔ ان کے شخصی معاملات کے فیصلے ان کے اپنے فقہی مذہب کے مطابق ہوں گے اور ایسا انتظام کرنا مناسب ہوگا کہ ان کے قاضی یہ فیصلے کریں گے۔

(10) غیر مسلم باشندگان مملکت کو حدود قانون کے اندر مذہب و عبادت' تہذیب و ثقافت اور مذہبی تعلیم کی پوری آزادی ہوگی۔ اور انہیں اپنے شخصی معاملات کا فیصلہ اپنے مذہبی قانون یا رسم و رواج کے مطابق کرانے کا حق حاصل ہوگا۔

(11) غیر مسلم باشندگان مملکت سے حدود شریعت کے اندر جو معاہدات کیے گئے ہیں' ان کی پابندی لازمی ہوگی اور جن حقوق شہری کا ذکر دفعہ نمبر 7 میں کیا گیا ہے' ان میں غیر مسلم باشندگان ملک برابر کے شریک ہوں گے۔

(12) رئیس مملکت کا مسلمان مرد ہونا ضروری ہے جس کے تدین' صلاحیت اور اصابت رائے

Marfat.com

پر جمہور یا ان کے مختلف نمائندوں کو اعتماد ہو۔

(13) رئیس مملکت ہی نظم مملکت کا اصل ذمہ دار ہوگا البتہ وہ اپنے اختیارات کا کوئی جزو کسی فرد یا جماعت کو تفویض کر سکتا ہے۔

(14) رئیس مملکت کی حکومت مستبدانہ نہیں بلکہ شورائی ہوگی یعنی وہ ارکان حکومت اور منتخب نمائندگان جمہور سے مشورہ لے کر اپنے فرائض انجام دے سکتا ہے۔

(15) رئیس مملکت کو یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ وہ دستور کو کلاً یا جزواً معطل کر کے شوریٰ کے بغیر حکومت کرنے لگے۔

(16) جو جماعت رئیس مملکت کے انتخاب کی مجاز ہوگی' وہ کثرت آراء سے اسے معزول کرنے کی بھی مجاز ہوگی۔

(17) رئیس مملکت شہری حقوق میں عامتہ المسلمین کے برابر ہوگا اور قانونی مواخذہ سے بالاتر نہ ہوگا۔

(18) ارکان و عمال حکومت اور عام شہریوں کے لئے ایک ہی قانون و ضابطہ ہوگا اور دونوں پر عام عدالتیں ہی اس کو نافذ کریں گی۔

(19) محکمہ عدلیہ' محکمہ انتظامیہ سے علیحدہ اور آزاد ہوگا تاکہ عدلیہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں ہیئت انتظامیہ سے اثر پذیر نہ ہو۔

(20) ایسے افکار و نظریات کی تبلیغ و اشاعت ممنوع ہوگی جو مملکت اسلامی کے اساسی اصول و مبادی کے انہدام کا باعث ہوں۔

(21) ملک کے مختلف ولایات و اقطاع مملکت واحدہ کے اجزاء انتظامی متصور ہوں گے۔ ان کی حیثیت نسلی' لسانی یا قبائلی وحدہ جات کی نہیں بلکہ محض انتظامی علاقوں کی ہوگی جنہیں انتظامی اختیارات کے پیش نظر مرکز کی سیادت کے تابع انتظامی اختیارات سپرد کرنا جائز ہوگا مگر انہیں مرکز سے علیحدگی کا حق حاصل نہ ہوگا۔

(22) دستور کی کوئی ایسی تعبیر معتبر نہ ہوگی جو کتاب و سنت کے خلاف ہو۔

4۔ تحریک ختم نبوت: جیسا کہ شروع میں بتایا گیا ہے کہ قادیانیوں نے بلوچستان کو قادیانی سٹیٹ کے لئے چن لیا تھا۔ قادیانی تحریک کا بانی مرزا غلام احمد قادیانی تھا۔ انیسویں صدی کے آواخر اور بیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں مرزا غلام احمد قادیانی نے مختلف اوقات میں مختلف دعوے کئے۔ قادیانیت کا گہرا مطالعہ کرنے والوں نے ان کے دعووں کی تاریخ کو چار ادوار میں تقسیم کیا ہے:

(1) پہلا دور 1858ء سے 1879ء تک ہے جس میں انہوں نے خود کو مبلغ ظاہر کیا یعنی ایک ایسا مبلغ جو شمالی پنجاب میں عیسائی مشنریوں' ہندو پنڈتوں اور آریا سماجی ودوانوں سے مذہبی مباحثوں میں مصروف رہتا تھا۔

Marfat.com

(2) دوسرا دور 1879ء سے 1888ء تک کا ہے۔ اس دور میں انہوں نے دعویٰ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں تجدید دین کے لئے بھیجا ہے اور وہ مثل مسیح ہیں۔

(3) تیسرا دوران 1888ء سے 1901ء تک کا ہے۔ اس دور میں انہوں نے مسیح موعود یا ظلی نبی ہونے کا دعویٰ کیا۔

(4) چوتھا دور 1901ء سے 1908ء تک کا دور ہے۔ اس دور میں انہوں نے دعویٰ نبوت کیا اور کہا کہ وہ لفظاً نبی کے مکمل معنوں میں نبی ہیں۔

تضادات پر مبنی ان دعوؤں کے پیش نظر مسلمانوں نے مرزا صاحب اور ان کے پیرو کاروں کو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا۔ علامہ اقبال نے تو انہیں غدار تک کہا تھا۔ علامہ اقبال ہی نے پہلی بار اس مسئلے کا آئینی حل تجویز کرتے ہوئے کہا تھا کہ "ہندوستان کے حکمرانوں کے لئے بہترین طریق کار میرے خیال میں یہ ہے کہ وہ قادیانیوں کو ایک علیحدہ قوم قرار دے دیں۔ یہ بات خود قادیانیوں کے اپنے طریق کار کے عین مطابق ہوگی اور ہندوستانی مسلمان ان کو ایسے ہی برداشت کر لیں گے جیسا کہ وہ باقی مذہبوں کے پیروؤں کو برداشت کرتے ہیں۔" لیکن برطانوی حکومت کے لئے علامہ اقبال کا یہ نظریہ قابل قبول نہ تھا کیونکہ مرزا صاحب نے ایک بار کہا تھا کہ قادیانیت حکومت برطانیہ کا خود کاشتہ پودا ہے۔

قیام پاکستان کے بعد پاکستان کے عوام اور حکومت نے قادیانیوں کے حق میں بڑی رواداری کا ثبوت دیا۔ انہیں پاکستان آنے اور قادیان سے اپنا مرکز ربوہ منتقل کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ ان کے ممتاز رہنما سر ظفر اللہ خان کو وزارت خارجہ کا منصب عطا کیا گیا لیکن ان تمام باتوں کے باوجود قادیانیوں نے اپنی اسلام دشمن سرگرمیوں سے اجتناب نہ کیا اور انہوں نے مسلمانوں کو کافر کہنا شروع کر دیا حتیٰ کہ وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان نے بابائے قوم قائداعظم کی نماز جنازہ میں بھی شرکت نہ کی کیونکہ وہ اپنے عقیدے کے مطابق قائداعظم کو مسلمان نہ سمجھتے تھے۔

تحریک ختم نبوت کا آغاز 18 مئی 1952ء کو اس وقت ہوا جب کراچی میں منعقدہ احمدیوں کے ایک جلسہ سے وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان نے سرکاری انتظام کے تحت خطاب کیا۔ عوامی احتجاج پر 52 گرفتاریاں بھی عمل میں آئیں جس کے نتیجے میں بندر روڈ پر واقع احمدیہ کتب خانہ کو شدید نقصان پہنچا۔ ملک بھر میں اس واقعہ کو تشویش کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ چنانچہ علماء کرام نے احمدیوں کے خلاف منظم تحریک چلانے کا عزم کیا اور قادیانی فتنے سے نبٹنے کے لئے مجلس عمل تحفظ ختم نبوت قائم کی اور ختم نبوت کے سلسلے میں تین مطالبات پیش کئے یعنی:

(1) قادیانی وزیر خارجہ مسٹر ظفر اللہ خان کی وزارت سے علیحدگی۔

(2) آئین میں مسلمان کی تعریف شامل کی جائے۔

(3) قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے اور انہیں کلیدی عہدوں سے برطرف کیا جائے

Marfat.com

نیز ایسے افراد کو ملازمین مقرر نہ کیا جائے۔

مجلس تحفظ ختم نبوت نے ازاں بعد چودہ دینی جماعتوں کا ایک کنونشن طلب کیا اور کنونشن میں مذکورہ بالا مطالبات کو تمام جماعتوں نے متفقہ طور پر منظور کر لیا۔ ان کی منظوری کے بعد باقاعدہ تحریک کا آغاز ہوا۔ جن نمایاں شخصیات نے جلسوں اور جلوسوں کی قیادت کی' ان میں مولانا مودودی' مولانا احتشام الحق تھانوی' علامہ سید احمد سعید کاظمی' مولانا ابوالحامد بدایونی' خواجہ قمر الدین سیالوی' عطا اللہ شاہ بخاری' مولانا محمد داؤد غزنوی' خواجہ غلام نظام الدین تونسوی' صوفی ایاز خان نیازی' مولانا محمود احمد رضوی' مولانا عارف اللہ شاہ قادری' علامہ عبدالغفور ہزاروی' مفتی محمد حسین نعیمی' مولانا غلام محمد ترنم' مولانا ابوالحسنات' سید محمد احمد قادری' مولانا عبدالستار خان نیازی' سید خلیل احمد قادری' میاں جمیل احمد شرقپوری' شیخ حسام الدین' ماسٹر تاج الدین' مفتی اعجاز ولی' مولانا منظور احمد ہاشمی' مولانا محمد ابراہیم علی چشتی' مولانا غلام قادر اشرفی' پیر سید غلام محی الدین گولڑوی اور پیر محمد فضل شاہ جلالپوری شامل ہیں۔

مولانا ابوالحسنات احمد قادری مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے صدر تھے۔ تحریک ختم نبوت فروری 1953ء میں اس قدر زور پکڑ گئی کہ 28 فروری 1953ء کو تحریک ختم نبوت کے سلسلے میں 130 افراد گرفتار ہوئے۔ یکم مارچ کو لاہور میں دفعہ 144 نافذ کر دی گئی۔ احمدیوں کے خلاف جلوس پر لاٹھی چارج سے کئی افراد مجروح ہوگئے۔ مولانا اختر علی اور دو سو کے قریب رضاکار گرفتار کر لئے گئے۔ 4 مارچ کو قادیانیوں کے خلاف ہنگاموں میں حصہ لینے والے افراد نے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کو گولی مار دی۔ مشتعل ہجوم پر پولیس فائرنگ سے ایک شخص ہلاک اور ایک مجروح ہوا۔ قادیانیوں کے خلاف سیالکوٹ میں تحریک چلانے پر کرفیو نافذ کر دیا گیا اور شہر کا نظم و نسق فوج نے سنبھال لیا۔ 5 مارچ کو لاہور میں حالات نے نازک صورت اختیار کرلی۔ شہر میں ساڑھے 12 گھنٹے کا کرفیو نافذ رہا۔ مشتعل ہجوم نے 18 منی بسوں' ایک پولیس ٹرک اور دو ڈاک خانوں کو آگ لگا دی۔ پولیس کو ہجوم کو منتشر کرنے کے لئے گولی چلانا پڑی جس سے متعدد افراد ہلاک ہوگئے۔

6 مارچ کو احمدیوں کے خلاف تحریک پر قابو پانے کے لئے پولیس ناکام ہوگئی۔ اسی بنا پر لاہور شہر اور چھاؤنی میں مارشل لاء لگا دیا گیا۔ فوج نے انتظام سنبھال لیا۔ میجر جنرل اعظم خان کو مارشل لاء کا ناظم اعلیٰ' حافظ عبدالمجید اور بریگیڈیئر ایف آر کلو کو نائبین مارشل لاء مقرر کیا گیا۔ میجر جنرل اعظم خان نے ریڈیو پاکستان سے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ امن و امان قائم کرنے کے سلسلے میں عوام ان سے تعاون کریں۔ انہوں نے سماج دشمن عناصر کو افواہیں پھیلانے سے گریز کرنے کو کہا اور انہیں انتباہ کیا کہ اگر وہ اپنے ارادوں سے باز نہ آئے تو ان کے خلاف سخت کارروائی کی جائے گی۔

7 مارچ کو لاہور میں حالات معمول پر آگئے۔ 8 مارچ کو میجر جنرل اعظم خان نے کہا کہ

Marfat.com

لاہور کے جس علاقے میں ناخوشگوار واقعہ ہوا' اس علاقہ کے مکینوں کو اجتماعی جرمانہ کیا جائے گا- 5 اپریل کو مرزا ناصر احمد کو 5 سال قید کی سزا اور 5 ہزار روپے جرمانہ کی سزا سنائی گئی نیز مولانا عبدالستار خان نیازی' مولانا خلیل احمد قادری اور مولانا مودودی کو مسلمانوں میں جذبہ شہادت کو ابھارنے کے الزام میں سزائے موت سنائی گئی جسے بعدازاں 14 سال قید میں تبدیل کر دیا گیا اور اس واقعہ کے تقریباً دو سال بعد ان کی رہائی عمل میں آئی- بعدازاں جسٹس منیر کو اس مسئلے پر انکوائری کرنے کو کہا گیا- جسٹس منیر نے جو رپورٹ مرتب کی' اسے 21 اپریل 1954ء کو "احمدیوں کے خلاف تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ" شائع کر دیا گیا- یہ رپورٹ ایک لاکھ الفاظ اور 1953 پیراگرافوں پر مشتمل تھی- (بحوالہ تاریخ پاکستان از زاہد حسین انجم' مطبوعہ نیو بک پیلس لاہور)

5- 1956ء کا آئین اور اسلامی دفعات: پھر 1956ء کے آئین میں اسلامی دفعات کو خصوصی طور پر شامل کیا گیا- مثلاً آئین کے بارہویں حصہ کی دفعات یوں تھیں:

دفعہ 197 (1) صدر اسلامی تحقیقات اور اعلیٰ تعلیمات کا ایک ادارہ قائم کرے گا جو مسلم معاشرے کی صحیح اسلامی بنیادوں پر تعمیر نو میں مدد دے گا-

(2) پارلیمینٹ اس مقصد اور ادارے کے اخراجات کے لئے خصوصی ٹیکس صرف مسلمانوں پر لگا سکے گی-

دفعہ 198 (1) کوئی قانون قرآن و سنت میں مذکور اسلامی احکام کے خلاف نہیں بنایا جا سکے گا اور موجودہ قوانین کو بھی قرآن و سنت کے مطابق بنایا جائے گا-

(2) شق 1 پر عمل درآمد' شق 3 میں بیان کردہ طریق کار کے مطابق ہو گا-

(3) ایک سال کے اندر صدر ایک کمیشن مقرر کرے گا جو یہ سفارشات کرے گا کہ

(1) وہ کونسی تدابیر ہوں جن سے موجودہ قوانین کو اسلامی احکام کے مطابق بنایا جائے اور

(2) ایسی تدابیر کو کس تدریج کے ساتھ روبہ عمل لایا جائے- یہ کمیشن اپنی آخری رپورٹ 5 سال کے اندر اندر پیش کرے گا اور کوئی عبوری رپورٹ اس دوران میں بھی پیش کر سکے گا- رپورٹ خواہ عبوری ہو یا آخری' موصول ہونے پر چھ ماہ کے اندر اندر قومی اسمبلی میں پیش کی جائے گی اور اسمبلی اس رپورٹ پر غور کرنے کے بعد قانون سازی کرے گی-

دفعہ 199 (1) اس دفعہ کا اطلاق غیر مسلم شہریوں پر نہیں ہو گا' نہ ان کے پرسنل لاء پر' نہ ان کے شہری مرتبے پر اور نہ ہی دستور کے کسی اور حصے پر-

تشریح' اس دفعہ کا اطلاق اس طرح ہو گا کہ ہر مسلمان فرقے کے نزدیک قرآن و سنت کی جو تشریح ہے' وہی مفہوم اس فرقے کے پرسنل لاء کے لئے معتبر ہو گا-

6- 1962ء کے آئین میں اسلامی دفعات: 1962ء کے آئین میں پاکستان کو پہلے محض جمہوریہ کہا گیا لیکن اسلامیان پاکستان کے شدید احتجاج کے پیش نظر اسے اسلامی جمہوریہ

Marfat.com

پاکستان کا نام دیا گیا اور اس آئین میں مندرجہ ذیل اسلامی دفعات شامل کی گئیں۔

(1) اقتدار اعلیٰ کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے اختیارات ایک مقدس امانت کی صورت میں عوامی نمائندوں کے ذریعے بروئے کار لائے جائیں گے۔

(2) ملک کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان رکھا گیا۔

(3) ملک کا کوئی بھی قانون ساز ادارہ قرآن و سنت کی تعلیمات کے خلاف قانون نہیں بنائے گا۔

(4) ملک کے قوانین کو اسلام کی روشنی میں جانچنے اور رائج الوقت غیر اسلامی قوانین کو تبدیل کر کے ان کی جگہ اسلام کے مطابق قوانین جاری کرنے کے سلسلے میں ملک کے جید علماء' قانونی انتظامی امور کے ماہرین پر مشتمل ایک اسلامی مشاورتی کونسل قائم کی گئی جو صدر' صوبائی گورنروں اور مجالس قانون ساز کو مشورے دینے کے علاوہ معاشرہ میں رائج غیر اسلامی افعال کی بندش کے متعلق بھی سفارشات پیش کرتی۔

(5) پاکستان کے مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو قرآن و سنت کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی جائے گی۔

(6) اسلامی معاشرے کے قیام کے سلسلے میں رہنمائی کے لئے ایک تحقیقاتی ادارہ قائم کیا گیا۔

(7) زکوٰۃ اوقاف اور مساجد کی مناسب تنظیم کا قیام۔

گویا 1962ء کے دستور میں واضح طور پر اس امر کی ضمانت دی گئی تھی کہ کوئی بھی قانون یا ضابطہ اسلام یعنی (قرآن و سنت) کی تعلیمات کے خلاف نہیں بنایا جائے گا۔ چنانچہ اس سلسلے میں اسلامی مشاورتی کونسل تشکیل دی گئی تاکہ وہ اسمبلیوں کو یہ رائے دے کہ فلاں فلاں چیزیں اسلامی دفعات کے خلاف ہیں' اس لئے انہیں جائز ٹھہرانے کے لئے کوئی قانون نہیں بنایا جا سکتا۔

7۔ 1973ء کا آئین اور اسلامی دفعات:

(1) مملکت کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان رکھا گیا ہے۔

(2) آئین کے دیباچے میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا اعتراف کرتے ہوئے ان اختیارات کو ایک مقدس امانت کے طور پر عوام کے منتخب نمائندوں کے ذریعہ استعمال کرنے کا حق دیا گیا ہے۔

(3) پاکستان کو پہلی بار ایک مذہبی ریاست ہونے کے شرف سے نوازا گیا۔

(4) دوسروں سے جبری مشقت لینے اور غلام بنا کر رکھنے کی مذمت کی گئی ہے۔

(5) ہر شہری کو مذہبی آزادی ہوگی۔

(6) مسلمانان پاکستانکو وہ تمام مواقع فراہم کئے جائیں گے جن سے وہ اپنی نجی اور اجتماعی زندگی کو اسلامی اصولوں سے منور کر سکیں اور قرآن و سنت کا نقطہ نظر سمجھ سکیں۔

Marfat.com

(7) قرآن اور اسلامیات کی تعلیم لازمی قرار دی جائے گی۔ عربی سیکھنے کے لئے ضروری سہولتیں مہیا کی جائیں گی اور قرآن کی صحیح طباعت اور اشاعت کا بندوبست کیا جائے گا۔

(8) زکوۃ اوقاف اور مساجد کی مناسب تنظیم اور دیکھ بھال کی جائے گی۔

(9) علاقائی اور فرقہ وارانہ تعصب کی حوصلہ شکنی کی جائے گی۔

(10) اقلیتوں کے جائز حقوق کو تحفظ دیا جائے گا اور مرکزی و صوبائی ملازمتوں میں ان کو مناسب نمائندگی دی جائے گی۔

(11) مسلم ممالک کے ساتھ برادرانہ تعلقات کو تقویت دی جائے گی۔

(12) صدارت کے عہدہ پر صرف مسلمان فائز ہوگا نیز ختم نبوت پر عقیدہ رکھنا ضروری ہے۔

(13) نہ صرف صدر بلکہ وزیراعظم بھی مسلمان ہوگا اور اس کا ختم نبوت پر پختہ اور راسخ عقیدہ ضروری ہے۔

(14) تمام موجودہ قوانین کو اسلامی احکام کے مطابق بنایا جائے گا۔

(15) اسلامی نظریاتی کونسل تشکیل دی جائے گی جس کے زیادہ سے زیادہ ارکان پندرہ ہوں گے اور ایسے لوگوں کی تقرری کی جائے گی جو علوم اسلامیہ پر دسترس رکھنے کے علاوہ جدید علوم کو بھی جانتے ہوں۔ صدر یا صوبے کا گورنر کسی قانونی مسودے کے بارے میں اس کونسل سے مشورہ لینے کا مجاز ہوگا۔ کونسل از خود بھی اسمبلیوں کے سامنے قوانین کو اسلامی شکل دینے کے بارے میں سفارشات پیش کرے گی۔ کونسل سات سال بعد اپنی کارکردگی کی رپورٹ پیش کرے گی۔ علاوہ ازیں سالانہ رپورٹوں کو بھی پیش کیا جائے گا جن پر اسمبلی غور و فکر کرے گی اور دو سال کے اندر اندر ان سفارشات کے مطابق قوانین تیار کرے گی۔

1973ء کے آئین میں موجودہ قوانین کو اسلامی اصولوں سے ہم آہنگ کرنے کے لئے وقت کا تعین کیا گیا ہے۔ اسمبلیوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اسلامی نظریاتی کونسل کی سالانہ اور آخری رپورٹ کا جائزہ لیں اور دو سال کے اندر اندر سفارشات اور تجاویز کو قانون کا درجہ دیں۔ کونسل کو سات سال کے اندر زیادہ سے زیادہ کام نمٹانے کے لئے کہا گیا ہے۔ اس آئین میں صدر اور وزیراعظم دونوں کا مسلمان ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے اور حلف لیتے وقت ختم نبوت پر یقین رکھنے کا اظہار ضروری ہے۔ اس سلسلے میں یاد رہے کہ

1974ء میں تحریک ختم نبوت کامیابی سے ہمکنار ہوئی تو مرزائیوں اور احمدیوں کو غیر مسلم قرار دے دیا گیا' لہذا مسلمان کی تعریف میں اس کا ختم نبوت پر ایمان رکھنا ضروری ہوگیا۔ 1974ء میں لاہور میں اسلامی سربراہی کانفرنس کے انعقاد سے پاکستان کے مسلم ممالک کے ساتھ برادرانہ تعلقات کو ایک نیا ولولہ اور جوش عطا ہوا۔ اس طرح آئین کا ایک اور تقاضا بہت حد تک پورا ہوا۔

Marfat.com

1977ء میں شراب اور جوئے پر پابندی سے نظام اسلام کے نفاذ میں پیش رفت ہوئی۔ اس آئین میں بھی اسلامی نظریاتی کونسل زیادہ بااختیار ادارہ نہیں ہے۔ اس کے اختیارات محض مشاورتی ہیں۔ اس کی بھیجی ہوئی سفارشات پر مقننہ غور و فکر کرتی ہے اور یہ فیصلہ کرنا کہ کون سی تجاویز قابل عمل ہیں' مقننہ کی صوابدید پر ہے۔ چونکہ یہ آئین تمام سیاسی جماعتوں کی منشا سے بنا ہے' لہذا نظام اسلام کے نفاذ کا فیصلہ کسی ایک جماعت کا نہیں بلکہ پوری قوم کی آواز ہے' لہذا قانون کو اسلامی بنانے کے راستے میں رکاوٹوں کو دور کرنا سہل ہو گیا ہے۔

8۔ قادیانیوں اور احمدیوں کو اقلیت قرار دینے کا فیصلہ: 22 مئی 1974ء کو ربوہ ریلوے سٹیشن پر نشتر میڈیکل کالج ملتان کے طلبہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام ختم نبوت کے تحفظ کا نعرہ بلند کیا جو قادیانیوں کو ناگوار گزرا۔ 29 مئی کو جب یہ طلبہ واپس آ رہے تھے تو ربوہ ریلوے سٹیشن پر طلبہ پر حملہ کر کے انہیں زد و کوب کیا گیا جس کے نتیجے میں ملک بھر میں احمدیوں کو غیر مسلم قرار دینے کا مطالبہ زور پکڑ گیا۔ پنجاب آگ میں جلنے لگا۔ چاروں صوبوں میں تحریک نقطہ عروج پر پہنچ گئی' گرفتاریاں اور مار دھاڑ شروع ہو گئی' پولیس اور سکیورٹی فورس حرکت میں آ گئی۔ چنانچہ وزیر اعظم مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے حالات پر قابو پانے کے لئے ربوہ کے واقعہ کی عدالتی تحقیقات کرانے کی غرض سے ٹریبونل قائم کیا جس نے 5 جون کو اپنی کارروائی کا آغاز کیا۔

4 جون کو لاہور ہائیکورٹ میں مرزا ناصر احمد کی درخواست ضمانت قبل از گرفتاری چیف جسٹس کے سامنے پیش کی گئی۔ 13 جون کو وزیر اعظم نے کہا کہ جو ختم نبوت کو نہیں مانتا' وہ مسلمان نہیں۔ قوم اگر چاہے تو یہ مسئلہ اسلامی مشاورتی کونسل کے سپرد کیا جا سکتا ہے۔ 19 جون کو صوبہ سرحد اسمبلی نے قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کی قرارداد متفقہ طور پر منظور کر لی۔ 21 جون کو ایک عینی گواہ نے خصوصی عدالت کو بتایا کہ ربوہ سٹیشن پر طلبہ کو چن چن کر ٹرین سے نکال کر مارا گیا۔ حملہ آور کہہ رہے تھے "توبہ کر لو اور غلام احمد کو نبی مان لو۔" دریں اثنا وزیر اعلیٰ پنجاب نے کہا کہ رسول اکرم کو آخری نبی ماننے والے ہی ہمارے نزدیک مسلمان ہیں۔

30 جون 1974ء کو دو قراردادوں کی صورت میں یہ مسئلہ قومی اسمبلی میں پیش ہوا۔ ایک قرارداد عبدالحفیظ پیرزادہ نے پیش کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ "نبی کریم کی خاتمیت پر جو یقین نہیں رکھتا اور ان کے بعد کسی دوسرے کو نبی یا مصلح تصور کرتا ہے' ان کی حیثیت کا تعین کیا جائے۔"

دوسری قراداد مولانا شاہ احمد نورانی رکن قومی اسمبلی نے 24 افراد کے دستخط سے جو بعد میں 37 ہو گئے' پیش کی۔ اس قرارداد پر نیشنل عوامی پارٹی کے افراد نے بھی دستخط کئے' تاہم مولانا غلام غوث ہزاروی اور مولانا عبدالحکیم نے اس پر دستخط نہ کئے۔

مولانا شاہ احمد نورانی' مولانا مفتی محمود' مولانا سید محمد علی رضوی' چودھری ظہور الٰہی

Marfat.com

علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری' پروفیسر غفور احمد' مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک' سردار شیرباز خان مزاری' مولانا ظفر احمد انصاری' صاحبزادہ احمد رضا قصوری' مولانا صدر الشہید' جناب عمرہ خان' سردار شوکت حیات خان' راؤ خورشید علی خان' عبدالحمید جتوئی' محمود اعظم فاروقی' مولانا نعمت اللہ' سردار مولا بخش سومرو' حاجی علی احمد تالپور' رئیس عطا محمد مری' مخدوم نور محمد ہاشمی' غلام فاروق' نوابزادہ میاں محمد ذاکر قریشی' جناب کریم بخش اعوان' مہر غلام حیدر بھروانہ' صاحبزادہ صفی اللہ' ملک جہانگیر خان' اکبر خان مہمند' حاجی صالح خاں' خواجہ جمال محمد گوریجہ' غلام حسین خان دھاندلہ' صاحبزادہ محمد نذیر سلطان' میاں محمد ابراہیم برق' صاحبزادہ نعمت اللہ شنواری' جناب عبدالسبحان خان' میجر جنرل جمال داد اور جناب عبدالمالک۔ بعدازاں پوری اسمبلی کو ایک خصوصی کمیٹی میں تبدیل کر دیا گیا۔ نیز چند رہنماؤں پر مشتمل ایک رہبر کمیٹی بنائی گئی جس میں مولانا شاہ احمد نورانی' مفتی محمود' پروفیسر غفور احمد' عبدالحفیظ پیرزادہ' مولانا کوثر نیازی' مولا بخش سومرو' فاروق احمد اور چودھری ظہور الٰہی شامل تھے۔

30 جون 1974ء کے بعد کمیٹی کے مسلسل اجلاس ہوئے۔ رہبر کمیٹی نے قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کا فیصلہ کیا۔ 7 ستمبر 1974ء کو قومی اسمبلی نے اس تاریخی فیصلے پر مہر تصدیق ثبت کر دی اور اس طرح نوے سالہ یہ پرانا مسئلہ حل ہوگیا۔

9۔ قرآن کریم کی اغلاط سے پاک طباعت: مسٹر بھٹو کی حکومت نے (الف) 3 جولائی 1973ء کو "اغلاط سے پاک قرآن مجید کی اشاعت" کا ایک قانون منظور کیا جس کی رو سے قرآن حکیم کی طباعت میں کسی نہ کسی وجہ سے رہ جانے والی غلطیوں کا سدباب کر دیا گیا۔

(ب) ابتدائی درجہ سے میٹرک تک قرآن کریم اور احادیث وغیرہ پر مبنی اسلامی تعلیم لازمی قرار دی گئی۔

10۔ جہیز کا قانون: 1976ء میں ملک میں جہیز کی لعنت کو ختم کرنے کے لئے وزارت مذہبی امور نے جہیز اور تحائف پر پابندی کا قانون پیش کیا جسے پارلیمینٹ نے منظور کر لیا۔

11۔ آئین میں اسلامی دفعات: 1973ء میں مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے ملک کو جو آئین دیا' صحیح معنوں میں ایک اسلامی جمہوری آئین ہے۔ اس کی مندرجہ ذیل خصوصیات اس کے اسلامی ہونے کی دلیل ہیں:

(1) مملکت میں اقتدار اعلیٰ اور حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کی تسلیم کی گئی ہے۔
(2) اعلان کیا گیا ہے کہ پاکستان کا سرکاری مذہب اسلام ہوگا۔
(3) آئین کے تحت صدر اور وزیراعظم لازماً مسلمان ہوں گے۔
(4) علماء کی ایک کونسل تشکیل دی جائے گی جو ایسی سفارشات پیش کرے گی جس کے تحت مسلمان اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی اسلام کے سانچے میں ڈھال سکیں گے۔
(5) آئین کے مطابق تمام مروجہ قوانین کو اسلام کے سانچے میں ڈھال دیا جائے گا اور ایسا

Marfat.com

قانون نہ بنایا جا سکے گا جو اسلام کے خلاف ہو۔

(6) آئین میں ایک دفعہ شامل کی گئی ہے جس کے تحت اسلام اور قرآن کی تعلیم لازمی ہوگی اور عربی زبان کو فروغ دیا جائے گا۔ چنانچہ اسی دور میں ریڈیو اور ٹی وی سے عربی خبروں کے بلیٹن نشر ہونے شروع ہوئے اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔

(7) قرآن کریم کی تعلیم کو عام کرنے کے لئے سرکاری محکمہ اوقاف کی زیر نگرانی ایک ٹرسٹ قائم کیا گیا۔

(8) قرآن حکیم اور حدیث و فقہ کی تعلیم دینے کے لئے مختلف مذہبی اداروں اور سکولوں پر محکمہ اوقاف کی طرف سے معقول رقم خرچ کی جائے گی۔

12- فریضہ حج کی ادائیگی: فریضہ حج کی ادائیگی کے سلسلے میں بھٹو کی حکومت نے عائد تمام پابندیاں اٹھا لیں اور زر مبادلہ کی پریشان کن کمی کے باوجود لوگوں کو فریضہ حج ادا کرنے کی عام اجازت دے دی۔ چنانچہ 1972ء میں 90 ہزار سے زائد پاکستانیوں نے حج کیا۔

13- زیارت کمیٹی کا قیام: نجف اشرف، کربلائے معلیٰ اور دیگر مقدس مقامات کی زیارت کے سلسلے میں سہولتیں فراہم کرنے کے لئے پاکستان کے چاروں صوبوں کے تمام مکاتب فکر کے نمائندوں پر مشتمل ایک زیارت کمیٹی قائم کی گئی اور اس کے ذمہ یہ کام لگایا گیا کہ وہ زائرین کو ذرائع آمد و رفت اور ویزا وغیرہ کے سلسلے میں کوئی دقت پیش نہ آنے دے۔

14- بزرگان دین کے مقابر کی نگہداشت: اس ضمن میں مرکزی محکمہ اوقاف قائم کر کے صوبائی اوقاف کے محکموں کو فعال بنایا گیا اور مزارات کی توسیع و تعمیر کا فریضہ انجام دیا گیا۔ حضرت علی ہجویری اور حضرت لال شہباز قلندر کے مزارات کے لئے سونے کے دروازے لگوائے گئے۔

15- وزارت مذہبی امور کا قیام: مسٹر بھٹو نے مذہبی امور کی انجام دہی کے لئے وزارت مذہبی امور قائم کی اور مولانا کوثر نیازی کو اس کا پہلا سربراہ مقرر کیا۔

16- اسلامی سربراہی کانفرنس کا انعقاد: مسٹر ذوالفقار بھٹو کے دور میں فروری 1974 میں اسلامی ممالک کے سربراہوں کی ایک کانفرنس لاہور میں منعقد ہوئی۔

17- شراب نوشی پر پابندی: وزیر اعظم مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے دور حکومت کے آخری دنوں میں شراب نوشی پر پابندی عائد کر دی۔

18- دوسری اسلامی سربراہی کانفرنس: اسلامی کانفرنس کے سیکرٹری جنرل عبدالرحمٰن کی ایماء پر پاکستان اور سعودی عرب نے اسلامی ملکوں کی کانفرنس پاکستان میں منعقد کرنے کا اعلان کیا۔ چنانچہ 22 فروری 1974ء کو پاکستان کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ لاہور کے تاریخی شہر میں 137 اسلامی ممالک کے سربراہوں کی کانفرنس منعقد ہوئی۔ کانفرنس کا ایجنڈا 21 فروری کو وزرائے خارجہ کی کانفرنس میں تیار کر لیا گیا تھا۔ یہ کانفرنس 22 فروری تا 24 فروری

Marfat.com

1974ء کو وزیراعظم مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ کانفرنس کے اختتام پر جو مشترکہ اعلان جاری کیا گیا تھا' اسے "اعلان لاہور" کا نام دیا گیا۔ اس کا متن یہ ہے:

اسلامی ملکوں کے بادشاہوں' مملکتوں اور حکومتوں کے سربراہ اور مختلف تنظیموں کے نمائندے اعلان کرتے ہیں کہ:

(1) مشترکہ عقیدہ تمام اسلامی ممالک کے عوام کے درمیان اٹوٹ رشتہ ہے' اسلامی ملکوں کے عوام کی یکجہتی کی بنیاد۔ دوسری انسانی برادریوں کے خلاف جارحیت یا نسلی اور ثقافتی امتیازات نہیں بلکہ یہ مساوات' اخوت' انسانی وقار' امتیازات اور استحصال سے آزاد اور ظلم و استبداد اور ناانصافیوں کے خلاف مثبت اصول پر مبنی ہے۔

(2) ہم ایشیا' امریکہ اور لاطینی امریکہ کی معاشی اور اقتصادی ترقی کی مشترکہ جدوجہد اور پوری دنیا کی اقوام کی خوشحالی کی کوششوں کا اعلان کرتے ہیں۔

(3) ہم انصاف کی بنیاد پر عالمی امن کے قیام کی کوششوں اور دوسرے عقیدوں کے ساتھ اسلام کے اصولوں کے مطابق خوشگوار تعلقات قائم رکھنے کے جذبے کا اظہار کرتے ہیں۔

(4) ہم مسلمان ملکوں کے درمیان اتحاد برقرار رکھنے اور اسے فروغ دینے کا عزم کرتے ہیں۔ ہم یہ بھی عزم کرتے ہیں کہ ایک دوسرے کی خودمختاری اور علاقائی یکجہتی کا احترام کیا جائے گا۔

19۔ سطور بالا سے ظاہر ہے کہ ہر دور میں اہل پاکستان کی خواہش کے مطابق ہر حکومت نے اسلامی قانون کے نفاذ کے لئے مقدور بھر کام کیا حتیٰ کہ یحییٰ خان کے دور میں بھی 22 ستمبر 1969ء کو مراکش میں ہونے والی مسلمان ملکوں کی سربراہی کانفرنس میں جب بھارت سے ایک وفد وہاں پہنچا تو یحییٰ خان نے احتجاجاً واک آؤٹ کیا کیونکہ بھارتی وفد میں تین مسلمان اور دو سکھ شامل تھے اور 26 دسمبر 1970ء کو کراچی میں اسلامی ممالک کے وزرائے خارجہ کی دوسری کانفرنس کے اختتامی اجلاس سے یحییٰ خان نے خطاب کیا۔

20۔ **صدر ضیاء الحق کے دور میں اسلامی اقدامات:** صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے 24 دسمبر 1981ء کو وفاقی مجلس شوریٰ کے قیام کا اعلان کیا تھا جس میں تین سو سے زائد ارکان شامل تھے۔ صدر نے کہا چونکہ ہمارے حالات اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ انتخابات منعقد کروائے جا سکیں' لہٰذا لوگوں اور حکومت کے مابین فاصلہ کم کرنے کے لئے وفاقی مجلس شوریٰ نامزد کر دی گئی۔ آپ نے اسے ایک عبوری انتظام قرار دیا اور کہا کہ مجلس شوریٰ ایک منتخب اسمبلی کا نعم البدل ہے۔ صدر نے اسلامی نظام کے قیام کو حکومت کا مقصد قرار دیا۔ صدر پاکستان نے یہ اعلان کیا کہ یہ مجلس اس وقت تک کے لئے ہے جب تک کہ نئی منتخب اسمبلی وجود میں نہ آجائے۔ وفاقی کونسل میں تمام علاقوں کو نمائندگی دینے کا بندوبست کیا گیا۔ 287 اراکین کو 24 دسمبر کو ہی نامزد کر دیا گیا تھا۔ کہ وفاقی مجلس اپنے اجلاس میں قومی اسمبلی کے اصول

Marfat.com

و ضوابط ملحوظ رکھے گی- نامور پارلیمنٹیرین خواجہ محمد صفدر کو مجلس شوریٰ کا چیئرمین نامزد کیا گیا- وفاقی مجلس شوریٰ کا پہلا اجلاس 10 جنوری 1982ء کو منعقد ہوا- صدر مملکت نے بھی اس سے خطاب کیا- مجلس شوریٰ کے قیام کے سلسلے میں جو آرڈیننس جاری کیا گیا تھا' اس میں وفاقی کونسل کی تشکیل' دائرہ کار اور اختیارات کا تعین کیا گیا تھا- مجلس شوریٰ کے چند غور طلب پہلو یہ تھے:

(1) وفاقی کونسل کے ارکان کی کل تعداد 350 مقرر کی گئی جن میں سے 287 ارکان کا اعلان 14 دسمبر 1981ء کو ہی کر دیا گیا-

(2) تمام وفاقی وزراء اور وزراء مملکت کو بہ لحاظ عہدہ وفاقی کونسل کا رکن مقرر کیا گیا-

(3) کونسل میں شامل سیاسی شخصیتوں کو ان کی ذاتی حیثیت میں لیا گیا تھا-

(4) کونسل کے ارکان میں سے صدر مملکت کو کونسل کے چیئرمین کی تقرری کا اختیار دیا گیا-

(5) کونسل کے ہر اجلاس کے لئے ہر صوبے کے ارکان سے ایک ایک وائس چیئرمین لیا گیا جن کا تقرر کونسل کا چیئرمین' صدر کی منظوری سے کرتا تھا-

(6) کونسل کے چیئرمین' وائس چیئرمین اور ارکان کا رتبہ وہی مقرر کیا گیا تھا جو قومی اسمبلی کے سپیکر' ڈپٹی سپیکر اور ممبران کا تھا-

(7) کونسل کو صدر کی ہدایت پر یا ازخود پانچ سالہ ترقیاتی منصوبے اور سالانہ بجٹ سمیت تمام قومی مسائل پر بحث کرنے کا اختیار دیا گیا تھا-

(8) کونسل کو نیا قانون بنانے یا کسی قانون میں ترمیم کرنے کی سفارش کا اختیار دیا گیا تھا-

(9) کونسل کے ہر رکن کو اختیار دیا گیا تھا کہ وہ مقررہ طریقہ کار کے مطابق متعلقہ وزیر یا وزیر مملکت سے ان کی وزارت سے متعلق سوالات پوچھ سکتا تھا-

(10) مختلف وزارتوں کے ساتھ کام کرنے والی مشاورتی کمیٹیوں میں وفاقی کونسل کے ارکان کو مناسب نمائندگی دینے کا وعدہ دیا گیا-

(11) کونسل کے ارکان کو اسمبلی ہال میں آزادی تقریر اور وفاقی کونسل کے اجلاس سے پہلے امتناعی حراست سے استثنیٰ کے بارے میں وہی مراعات حاصل تھیں جو قومی اسمبلی کے ممبران کو حاصل رہی ہیں-

(12) کسی رکن کو کونسل کی رکنیت سے استعفیٰ دینے کا اختیار دیا گیا تھا-

(13) کونسل کا اجلاس بلانے اور ملتوی کرنے کا حق صرف صدر مملکت کو دیا گیا تھا-

اسلامی آئین کے نفاذ کے لئے اقدامات :

(1) جنرل ضیاء الحق نے 10 فروری 1979ء کو ملک میں اسلامی حدود و تعزیرات کے نفاذ کا اعلان کیا جسے ساری قوم نے بہت سراہا- چنانچہ شراب نوشی' زنا' چوری اور قذف الزام تراشی کو ممنوع قرار دیا گیا اور ساتھ ہی منشیات کو ممنوع قرار دے کر اس کی سزا مقرر کی- اسی طرح چوری کرنے پر قطع ید کی اسلامی سزا کا نفاذ ہوا-

Marfat.com

(2) زنا کے مجرموں کے لئے اسلامی سزا کا اعلان کیا گیا- غیر فطری فعل کے ارتکاب پر پچیس سال قید بامشقت' سزائے موت یا جرمانہ یا کوڑوں کی سزا مقرر کی گئی-

(3) 10 فروری 1975ء کو ملک میں زکوٰۃ فنڈ قائم کیا جس میں 25 کروڑ روپے حکومت نے دیئے-

(4) زکوٰۃ و عشر کا آرڈیننس 20 جون 1980ء کو نافذ کیا اور زکوٰۃ اکٹھی کرنے کے لئے بینکوں میں جمع شدہ رقوم پر اڑھائی فیصد رقم بطور زکوٰۃ وضع کرنے کا اختیار دیا گیا-

(5) سیرت کانفرنس کے انعقاد کا سلسلہ شروع کیا- پہلی سیرت کانفرنس 20 فروری 1977ء کو ہوئی اور ہر سال ربیع الاول کی 12 تاریخ کو انعقاد کا یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے-

(6) 22 دسمبر 1980ء کو اسلام آباد میں مشائخ کانفرنس منعقد کی- اسی طرح یکم فروری 1985ء کو مشائخ کونسل قائم کی گئی-

(7) 17 جنوری 1979ء کو دینی مدارس کے تعلیمی معیار اور کارکردگی کو بہتر بنانے کے لئے ایک کمیٹی قائم کی جس کی سفارشات کی روشنی میں 28 مارچ 1985ء کو علماء کا بورڈ تشکیل دیا گیا جو دینی مدارس کی دیکھ بھال کرنے لگا-

(8) اسلامی وزرائے خارجہ کا بارھواں اجلاس 27 جنوری 1980ء کو اسلام آباد میں ہوا- اس میں دیگر امور کے علاوہ اسلامی ملک افغانستان پر روسی جارحیت کا نوٹس لیا گیا اور اسلامی جمہوریہ ایران کے ساتھ یکجہتی کا اظہار کیا گیا اور اسلامی ملک صومالیہ کے خلاف روس کی جارحیت کی مذمت کی گئی-

(9) **جنرل اسمبلی سے خطاب:** صدر پاکستان نے اپنی تقریر کا آغاز اللہ کے نام اور حضور نبی کریم پر درود و سلام بھیج کر کیا- صدر پاکستان نے اردو میں تقریر کی اور صدر کی تقریر سننے کے لئے 154 ممالک کے نمائندے موجود تھے- جنرل ضیاء الحق نے اپنی تقریر میں کہا کہ "دنیا سے ظلم و ناانصافی کے تمام آثار مٹا دیئے جائیں- کرۂ ارض کے ماحول کو خراب نہ کیا جائے تاکہ آنے والی نسلیں ایسی دنیا کی وارث بنیں جو حسین بھی ہو اور امن کا گہوارہ بھی ہو- ایک نیا انسانی معاشرہ قائم کیا جائے جو رنگ' نسل' عقیدے اور جنس کے تمام تعصبات ختم کر دے- انہوں نے مزید کہا کہ اسلام جدید دنیا کے تمام مسائل حل کر سکتا ہے- آپ نے امید ظاہر کی کہ پندرھویں صدی' ہجری اور اکیسویں صدی عیسوی کے ساتھ ایسے عہد کی ابتدا ہوگی جس میں سائنسی علوم اور قدرتی وسائل کو اسلحہ کے حصول اور جنگ کی تیاریوں پر ضائع کرنے کی بجائے پوری نسل انسانی کی بھلائی کے لئے منصفانہ بنیاد پر تقسیم کیا جائے گا- انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ 154 اقوام جو جنرل اسمبلی میں جمع ہیں' صدق دل سے عہد کریں کہ پندرھویں صدی ہجری اور اکیسویں صدی عیسوی کے ساتھ ایک ایسے عہد کی ابتدا ہوگی جس میں بین الاقوامی تعلقات مختلف طاقتوں کی گروہ بندی کی بجائے اعلیٰ اخلاق اصولوں کی بنیاد پر قائم کیے جائیں گے- عالمی اخوت کی بنیاد پر نیا انسانی

Marfat.com

معاشرہ قائم ہوگا۔

صدر پاکستان نے کشمیر کے مسئلہ پر اپنی تقریر میں یہ واضح کیا کہ مسئلہ کشمیر کے حل سے پاک بھارت تعلقات معمول پر لانے کی رفتار تیز ہو جائے گی۔ دنیا کے مختلف ممالک میں مسلم اقلیتوں کی زبوں حالی کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ مسلم اقلیتوں کی جان و مال محفوظ نہیں اور امن و امان کے محافظین ظلم و ستم کی علامت بن گئے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ پاکستان اپنی مستقل پالیسی کے مطابق 1972ء کے شملہ سمجھوتے کے تحت بھارت کے ساتھ اپنے تعلقات اور زیادہ معمول پر لانے کی کوشش کرتا رہا ہے۔ دونوں ملکوں کے درمیان مواصلات' سفر اور تجارت بڑھانے کے سلسلے میں گزشتہ برسوں میں نمایاں پیش رفت ہوئی ہے۔ صدر پاکستان نے اپنی تقریر میں افغانستان کے بارے میں ایک سیر حاصل تبصرہ کیا۔ تقریر کے آخر میں تمام اسلامی ملکوں کے سربراہوں کی ذمہ داری کا اعادہ کیا جو ان پر عائد ہوتی ہے۔ آپ نے کہا:

"ہم اسلام کی عظمت رفتہ کو زندہ کرنے کی کوشش کریں اور امت مسلمہ میں ایمان کی شمع پھر سے روشن کریں اور اسے وہ فعال اور توانا تحریک عطا کریں جس پر چل کر ایک زمانے میں مسلمانوں نے دنیا کے سامنے اپنے کردار کی ایک روشن مثال پیش کی اور یہ بتایا کہ انسان کے پیدا کیے جانے کا مقصد کیا ہے؟ اور کس طرح اس دنیا میں نظم و ضبط قائم کیا جا سکتا ہے۔"

(10) اسلامی نظریہ کی کونسل کی تشکیل نو: مئی 1981ء میں حکومت پاکستان نے اسلامی نظریہ کی کونسل کی تشکیل نو کی۔ اب اس کونسل میں ارکان کی تعداد کو بڑھا کر بیس تک کر دیا گیا۔ ارکان کے لئے قرآن' سنت' حدیث' فقہ اور دیگر دنیاوی علوم پر حاوی ہونا لازمی قرار دے دیا گیا تاکہ کونسل کے فیصلے شریعت کے لحاظ سے حرف آخر ثابت ہو سکیں۔

اس کے علاوہ 22 جون 1981ء کو صدر نے نو تشکیل شدہ اسلامی نظریاتی کونسل سے خطاب کرتے ہوئے درخواست کی کہ وہ اسلامی نظام کا خاکہ تیار کرے اور اس میں دور حاضر کے تقاضوں کو پیش نظر رکھا جائے۔ نظام حکومت تبدیل کئے بغیر اسلامی اقدار کا احیاء ممکن نہیں۔ اپنی 90 منٹ کی نشری تقریر میں صدر نے ملک میں نفاذ اسلام کے مختلف پہلوؤں اور اس میں اسلامی نظریہ کونسل کے کردار پر بات چیت کی۔ صدر نے مزید کہا کہ ہم ارتقائی عمل کے ذریعے ملک میں اسلامی انقلاب لانا چاہتے ہیں۔ ہم نے ارادہ کر رکھا ہے کہ اسلام کے لئے جئیں گے اور اسلام کے لئے ہی جان دے دیں گے اور جب تک اللہ چاہے گا' ہم اپنی ذمہ داریاں پوری کرتے رہیں گے۔ اقتدار صرف ان لوگوں کے سپرد کیا جائے گا جو اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے موجودہ حکومت کے شروع کئے گئے کام کو آگے بڑھائیں گے۔

(11) اسلامی نظام معیشت / بلا سود بینکاری: حکومت نے ملک میں اسلامی نظام

Marfat.com

معیشت اختیار کرنے کے لئے 10 فروری 1979ء کو بعض اقدامات کی وضاحت کی اور یکم جنوری 1981ء سے بلا سود بینکاری کا اجراء کیا۔ پھر وزیر خزانہ نے بلا سود بینکاری کی طرف بتدریج پیش رفت کے پروگرام کا اعلان کیا۔ پہلے 21 جون 1980ء' پھر 31 دسمبر 1984ء کو اعلان کیا گیا کہ 30 جون سے معیشت کے تمام شعبوں سے سود ختم کر دیا جائے گا۔ اس بارے میں صدر پاکستان نے ایک آرڈیننس جاری کیا اور صوبائی حکومتوں نے سمپ ایکٹ امداد باہمی کے ادارہ کے ایکٹ' امداد باہمی کی انجمنوں اور بینکوں کے مغربی پاکستان ایکٹ قرضوں کی ادائیگی کے آرڈیننس مجریہ 1966ء میں ترمیم کر دی۔

(12) 1973ء کے آئین کی دفعہ 277 میں قرآن و سنت کے منافی قانون سازی پر پابندی ہے۔ چنانچہ اسلامی نظام کے نفاذ کی رفتار تیز کرنے کے لئے 26 مئی 1980ء کو وفاقی شرعی عدالت قائم کی گئی جس نے ملکی قوانین کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کا کام 31 مئی 1984ء تک مکمل کر لیا۔

(13) خلفائے راشدین' اہل بیت اور صحابہ کرام کی شان میں گستاخی کی سزا کے لئے آئین میں ترمیم کی اور آرڈیننس 17 ستمبر 1980ء کو جاری کیا۔

(14) اسلامی یونیورسٹی کے قیام کا فیصلہ مراکش کے اسلامی ممالک کے نمائندہ اجلاس میں ہوا تھا۔ چنانچہ یکم محرم 1401ھ (10 نومبر 1980ء) کو اسلامی یونیورسٹی کے قیام کا اعلان کیا گیا۔

(15) قادیانیوں کے متعلق صدارتی آرڈیننس 27 اپریل 1984ء کو جاری کیا اور اس گروہ کی خلاف اسلام سرگرمیوں پر پابندی لگا دی گئی۔

(16) قاضی عدالتوں کے قیام کا اعلان 17 دسمبر 1984ء کو کیا گیا۔

(17) نظام صلوٰۃ کا نفاذ 13 اگست 1984ء کو ایک اعلان کے ذریعے کیا گیا۔

(18) بلا سود بینکاری کا اعلان بھی کیا' نیز سود کو بتدریج ختم کرنے کا اعلان ہوا۔ چنانچہ 26 جنوری 1985ء کو غیر ملکی بینکوں نے بھی بلاسود بینکاری کو اپنا لیا۔

(19) شریعت بل کے نفاذ کا ایکٹ 1985ء منظور کیا گیا جس کے تحت وفاقی شرعی عدالت کے اختیارات میں اضافہ ہو گیا۔

(20) صدر ضیاء الحق کے صدارتی دور میں گستاخ رسول کو موت یا عمر قید کی سزا کا قانون منظور ہوا۔

اب رہی یہ بات کہ کسی کو ایوب خان پسند نہیں' کسی کو ذوالفقار علی بھٹو اچھا نہیں لگتا اور کسی کو ضیاء الحق سے پرخاش ہے تو اس سلسلے میں حضور علیہ السلام کی وہ حدیث یاد رکھنی چاہئے جس میں آپ نے اپنے سے پہلے والے لوگوں کو برا کہنے پر اللہ کے عذاب سے ڈرنے کے لئے کہا ہے۔ وہ حدیث اس کتاب کے احادیث کی تشریح کے حصہ میں ملے گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں فوت شدہ لوگوں سے مخاصمت رکھنے سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

Marfat.com

اسلام کا معاشی نظام

اسلام کی تعریف : اسلام کا مادہ س ل م ہے۔ جس سے باب افعال میں اسلام بنتا ہے۔ سلم کے لغوی معنی یہ ہیں : (1) ظاہری اور باطنی آلائشوں اور آفتوں اور عیوب سے پاک اور خالص اور محفوظ ہونا (2) صلح اور امان (3) سلامتی (4) اطاعت و فرمانبرداری۔ سلم اور سلم کا مفہوم اسلام' استسلام' انقیاد' اذعان' سپردگی' فرمانبرداری اور اطاعت ہے۔ ان میں سے خالص اور بے عیب ہونے کے معنی خصوصی طور پر قابل غور ہیں۔

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد 2 صفحہ 227-228)

اسلام کے شرعی معنی لسان العرب میں اس طرح آئے ہیں :

الاسلام من الشریعت اظهار الخضوع و اظهار الشریعه والتزام لما اتی به النبی صلی الله علیه وسلم و بذالک یحقن الدم و یستد فع المکروه۔

یعنی اسلام کا شرعی اصطلاح میں مطلب "اظہار اطاعت و تسلیم' اظہار شریعت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے تمسک" ہے۔

امام رازی نے آیت " ان الدین عندالله الاسلام" (3-19) کے چار معنی بیان کئے ہیں۔ (تفسیر کبیر ج 2 صفحہ 628 مطبوعہ مصر 1310ھ)

(1) اطاعت و فرمانبرداری میں داخل ہونا۔

(2) دین اور عقیدے کا خالص کرنا اور مسلم سے مراد وہ شخص ہے جو اپنی بندگی کو اللہ کیلئے خالص کرتا ہے۔

(3) عرف شرعی میں ایمان کا دوسرا نام اسلام ہے۔

(4) **الاسلام عبارة عن الانقیاد** یعنی اسلام کا مطلب فرمانبرداری اور اطاعت ہے۔

مسند احمد میں حضرت عمرؓ سے اسلام کے بارے میں مشہور حدیث مروی ہے کہ :

ایک دن ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک شخص اچانک آیا جس کے کپڑے نہایت اجلے اور سفید اور بال نہایت سیاہ تھے اور اس پر سفر کا کوئی اثر نہ تھا۔ نہ ہم میں سے کوئی اسے پہچانتا تھا۔ پھر وہ حضور ﷺ کے زانو سے زانو ملا کر بیٹھ گیا اور کہنے لگا۔ "اے محمد ﷺ مجھے بتایئے کہ "اسلام کیا ہے؟" آپ نے فرمایا! "اسلام یہ ہے کہ تو اس امر کی

Marfat.com

ت دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور یہ کہ تو نماز
کرے اور زکوٰۃ دے اور رمضان کے روزے رکھے اور استطاعت ہو تو حج کرے۔" وہ
ں بولا۔ "آپ ﷺ نے درست فرمایا۔" حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ ہم متعجب ہوئے کہ یہ
ں خود ہی سوال اور خود ہی جواب کی تصدیق کرتا ہے---- پھر اس نے کہا "مجھے ایمان سے
ت کیجئے۔" فرمایا ﷺ "ایمان یہ ہے کہ تو اللہ پر اس کے فرشتوں پر اس کی کتابوں پر اور
کے رسولوں پر اور یوم آخرت پر اور نیک و بد تقدیر پر ایمان لے آئے۔" اس پر وہ شخص
"آپ ﷺ نے سچ فرمایا۔" پھر پوچھا۔ "احسان کیا ہے؟" فرمایا: "احسان یہ ہے کہ تو اللہ
عبادت اس طرح کرے جیسے تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر یہ حال میسر نہ ہو سکے تو یہ سمجھ کر
ت کرے کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔" جب وہ شخص چلا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
ت عمرؓ سے اس کے بارے میں پوچھا کہ وہ بھلا کون تھا--؟ حضرت عمرؓ نے عرض کیا۔ "اللہ
اللہ کا رسول بہتر جانتے ہیں۔" اس پر آپ ﷺ نے فرمایا فانه جبرئیل اتاکم
لمکم دینکم یعنی وہ جبرئیل تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھانے کیلئے آئے تھے۔

(رواہ المسلم۔ ترمذی' بخاری' ابوداؤد' ابن ماجہ وغیرہ)

تو اسلام ایک ضابطہ حیات ہے جو دنیا اور آخرت کی زندگی میں کامیابی کی دلیل ہے۔
ل امام ابو حنیفہؒ لفظ دین کا اطلاق ایمان' اسلام اور جملہ احکام شرعیہ پر ہوتا ہے۔ (فقہ اکبر مع
ح از ملا علی قاری صفحہ 90) سید شریف جرجانی کہتے ہیں کہ دین اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ دستور
ت ہے جو اصحاب عقل و فکر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کردہ لائحہ عمل کو قبول
نے کی دعوت دیتا ہے۔ (کتاب التعریفات ص 73)

ان تعریفات سے معلوم ہوا کہ اسلام عقیدہ و اقرار بھی ہے۔ علم و عمل بھی اور مکمل
لہ حیات اور زندگی کا دستور العمل بھی اور ان مجموعی تعریفات کا نام دین یا دین اسلام ہے۔
ام اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا دین ہے اور اس پر ایمان لانا اور عمل کرنا کیوں ضروری ہے اس کی
قرآن حکیم میں ایک مثال دے کر واضح کی گئی ہے:

ولہ اسلم من فی السموت والارض طوعا و کرھا
والیہ یرجعون (3-82)

کوئی آسمانوں کا باسی ہو یا زمین کا ہر کوئی اپنی مرضی سے یا مجبوراً اللہ کے
آگے سر جھکاتا ہے اور سب کو اسی کی طرف لوٹایا جاتا ہے۔"

یہی نہیں بلکہ بار بار اسلام کی حقانیت کا اظہار کرنے کے بعد قرآن حکیم میں واضح طور

Marfat.com

پر یہ بھی فرمایا : ومن یتبع غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ (3-85) "یعنی جو کوئی اسلام کے علاوہ کوئی اور ضابطہ حیات اختیار کرے گا تو بارگاہ رب العزت میں اسے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔" اور ایسے لوگوں کو کھلی تنبیہہ فرما دی وھو فی الاخرۃ من الخسرین (3-85) یعنی وہ لوگ آخرت میں اپنی زندگی والی بازی ہار کر حاضر ہوں گے۔ یعنی جس مقصد کیلئے نقد زندگی انہیں عطا ہوا اسے بھلا کر زندگی کو ضائع کر دینے والے اس کے بدلے میں آخرت میں کچھ بھی حاصل نہ کر پائیں گے۔

اس زندگی کے عطا ہونے کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی با اختیار کسی کو کچھ زاد راہ دے کر کسی خاص مقصد کے لئے کہیں بھیجے اور وہ شخص اس مقصدیت کو پس پشت ڈال کر کہیں بندروں کا تماشا دیکھنے لگ جائے اور کہیں اپنی ساری پونجی حسین خواہشوں کی تکمیل میں صرف کر دے اور اتنے میں واپسی کا ٹیلی گرام آجائے تو اب وہ شخص اپنے بھیجنے والے کے پاس جس حال میں حاضر ہوگا اسی حالت کا نقشہ آیت کے اس حصہ وھو فی الاخرۃ من الخسرین میں کھینچا گیا ہے۔

اسلام کے بنیادی مفہوم کو یہاں واضح کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اسلام کے معاشی نظام کا تعلق اسلام کی معنوی اور عملی تعبیروں کے ساتھ ظاہر کیا جا سکے کیونکہ جس طرح نماز' روزہ' حج وغیرہ عبادات میں شامل ہیں اور دین کا حصہ ہیں اسی طرح اسلامی معاشیات بھی عبادات میں شامل ہے اور اس کا تعلق بھی فلاح دارین یعنی دنیا اور عاقبت کی فلاح سے ہے۔

معاشیات کی ضرورت اور اہمیت

انسان دنیا میں آیا تو سب سے پہلے اسے کھانے پینے اور پہننے کی ضروریات سے سابقہ پڑا پھر جیسے جیسے انسان آگے بڑھتا رہا اس کی ضروریات کا دائرہ بھی وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ روٹی اور کپڑا کے بعد مکان' کھیت کھلیان اور زراعت و تجارت کے شعبے وجود میں آئے تاکہ انسان ان کے ذریعے اپنی روزی کمائے اور کل کیلئے جمع بھی کر کے رکھے تاکہ بوقت ضرورت کام آئے۔ دوسرے جاندار اپنی روزی کا ذخیرہ نہیں کر سکتے یا کم ہی ایسا کر سکتے ہیں لیکن انسان حیوان ناطق ہونے کے حوالے سے عقل و دل کا مالک ہے اور عقل کو کام میں لا کر جس شعبہ میں بھی قدم رکھتا ہے۔ غور و فکر کی برکت سے اس میں آگے ہی آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ چنانچہ معاشیات کے شعبے میں بھی اس کی ترقی کی رفتار روز اول سے آج تک کہیں بھی رکتی نظر نہیں آتی حتیٰ کہ آج کے دور میں معاشیات کو ایک علم کی حیثیت حاصل ہوگئی ہے۔

مغربی مفکرین معاشیات کی تعریفیں متعین کر کے اس کو ایک باقاعدہ علم و فن قرار دے

Marfat.com

چکے ہیں۔ مثلاً آدم سمتھ (1723 تا 1790ء) علم معاشیات کو علم دولت سے تعبیر کرتا ہے اور اس کی پیدائش اور تقسیم وغیرہ سے بحث کرتا ہے۔ الفرڈ مارشل (1843ء تا 1921ء) نے بھی اس علم پر کافی سائنٹیفک انداز میں روشنی ڈالی ہے اور یہی حال "رابنز" کا ہے اور اب تو علم معاشیات پر ہر زاویہ نگاہ سے غور و فکر شروع ہوچکا ہے اور یہ علم دنیا میں اقتصادیات اور معاشیات سے بحث کرتا ہوا نت نئے تجربات کرنے میں مصروف ہے لیکن چونکہ اس ساری کوشش کے پیچھے صرف اور صرف انسانی سوچ کام کر رہی ہے اس لئے ہر تجربہ کچھ عرصہ کے بعد اپنی تجدید کا تقاضا کرنے لگتا ہے۔ گویا بقول غالب:

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک راہ رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

چنانچہ حق بات یہ ہے کہ اسلام ہی وہ دین ہے جس کے عطا کردہ راہبرانہ اصول انسانی زندگی کیلئے دائمی ثمرات رکھتے ہیں چنانچہ ان میں سے کسی بھی شعبہ کے اصولوں پر اگر نیک نیتی' تقویٰ اور دیگر اسلامی احکام کو سامنے رکھتے ہوئے عمل کیا جائے تو ان کے ہوتے ہوئے دنیا میں کسی اور ضابطہ حیات کی ضرورت نہیں رہتی۔

اسلام جیسا کہ شروع میں بیان کیا جا چکا ہے۔ سلامتی اور ایمانداری کا دین ہے جس کی بنیاد نیک نیتی' راست بازی' باہمی ہمدردی' اخوت و مروت' شرافت و استحسان' دیانت و امانت کے زریں اصولوں پر رکھی گئی ہے۔ چنانچہ اسلام کذب و دروغ بغض و عناد' تحقیر و منافرت' تحریص و ظلم و تعدی' عیاری و مکاری' بے رحمی' چاپلوسی' حرام کاری اور حرام خوری غرض ہر طرح کی برائیوں سے بچنے کا نام بھی ہے۔ جب ایک شخص اکل حلال' صدق مقال' نہی عن المنکر اور امر بالمعروف کو اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنا لے گا تو دنیا تو کیا عقبیٰ میں بھی وہ سرخروئی اور فلاح پا کر رہے گا کیونکہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم الٰہی یہی فرمایا ہے۔ مغرب کے معاشی علم کی بنیاد جسے موجودہ دور میں علم معاشیات کہا جاتا ہے' آدم سمتھ (Adam Smith) نے "دولت اقوام" to the nature and causes of the wealth of nation) (Inguiry لکھ کر (1776ء) میں رکھی۔ قدیم زمانے میں یونانی اسے "Ekinomis" کہتے تھے۔ جس کیلئے اہل اسلام نے "تدبیر منزل" کا نام اپنایا تھا۔ تاہم مسلمانوں نے علم معاشیات کو اخلاقیات کے عنوان کے تحت ہی بیان کیا تاکہ دولت کمانے اور خرچ کرنے کو محض دنیاوی علم ہی نہ سمجھ لیا جائے کیونکہ اخلاقی اصولوں کو بالائے طاق رکھ کر کوئی بھی علم اپنی روح کو کھو دیتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جدید دور میں معاشیات کے نام سے جو فکر متعارف ہے وہ سراسر انسانی

Marfat.com

عقل' اس کی سوچ اور اس کے تجربات پر مبنی ہے اور وحی الٰہی سے اس کا کوئی تعلق نہیں بنتا۔ مسلمانوں کے لئے کوئی بھی نظریہ متعلقہ شعبہ ہائے حیات' جس کی سیرابی علم حقیقی یعنی وحی و الہام سے نہ ہوتی ہو' قطعاً" قابل قبول نہیں کیونکہ حقیقی علم (وہ علم جو حقائق پر مبنی ہو اور جس کا انجام بھی حقائق کے مطابق حقیقی ثمرات کا حامل ہو) تو صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے کیونکہ کائنات اور انسان کا خالق ہونے کے ناطے وہی عالم الغیب و الشھادت ہے۔ پس وہ بہتر جانتا ہے کہ زندگی گزارنے کیلئے انسان کو جو سازو سامان عطا کیا گیا ہے۔ (13-45) اس کا بہترین مصرف انسان کے حق میں کونسا ہے۔ چنانچہ اس نے جملہ معاملات کے بنیادی اصول بھی وحی کے ذریعے مختلف انبیاء علیہم السلام کے ادوار میں انسانوں کو عطا کئے اور سب سے آخر میں ان کی تکمیل نبی آخر الزمان ﷺ کی وساطت سے فرما دی گئی۔ جن میں معاشیات بھی شامل ہے۔ مغربی اور اسلامی معاشی نظریات میں بنیادی فرق یہی ہے کہ مغربی ماہرین معاشیات کی سوچ مشاہداتی اور عقلی اور وقتی ہوتی ہے اور جونہی وقت کا تقاضا تبدیل ہوا ان کے اصولوں کی عمارت بھی دھڑام سے نیچے آن رہی لیکن اسلامی معاشیات حقائق کے تجزیے کے علاوہ لوگوں کیلئے مطلوبہ لائحہ عمل بھی بیان کرتی ہے کیونکہ اسلام اپنی حکمت اور افادیت کی رو سے ایک عملی نظریہ (Operational Ideology) ہے۔ یہ سراسر ایک دستور العمل ہے جس میں قدم قدم پر رہنمایانہ ہدایات واضح طور پر ملتی ہیں۔ اسلامی معاشیات کا تعلق بحث برائے بحث سے قطعاً نہیں بلکہ یہ تو صرف عمل ہی عمل ہے۔

اسلامی معاشیات شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے انسانی ضروریات کو محض دنیوی زندگی تک محدود نہیں گردانتی بلکہ اس کا دائرہ اخروی زندگی تک وسیع ہوتا چلا جاتا ہے۔ پھر اس میں انفرادی مفادات کا ہی تحفظ نہیں کیا گیا بلکہ اجتماعی مفادات کو بھی سامنے رکھا جاتا ہے کیونکہ انفرادی مفادات میں اجتماعی اور اجتماعی مفادات میں انفرادی بھلائی مضمر ہوتی ہے۔

لادین معاشیات کے حاملین کے اندر خود غرضی' تنگ نظری' ظلم و ستم اور حسد و بغض ایسے رذیل اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں اور ایسا شخص انسانیت کی سطح سے بہت نیچے گر جاتا ہے کیونکہ ایمان اور عمل صالح کی دولت سے وہ محروم ہوتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

ثم رددنه اسفل سافلين ○ الا الذين امنوا و عملوا الصلحت فلهم اجر غير ممنون ○ (التین 5-6)
(یعنی انسان کی تخلیق کے بعد) اسے ہم نے بہت ہی نیچے گرا دیا سوائے ان لوگوں کے جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور نیک عمل کرتے

Marfat.com

رہے۔)

پس یہی بات ایک لادین شخص اور ایک مسلمان کی معاشیات ہی نہیں' اس کے ہر شعبہ حیات کے فرق کو واضح کر دیتی ہے کیونکہ اسفل سافلین کا مکین اوپر اٹھنے کی کوشش کرے بھی تو ناکام رہتا ہے کیونکہ ایمان کی سیڑھی کا نہ ہونا اس کی عملی خواہش کی راہ میں بنیادی رکاوٹ ہے جبکہ ایک مسلمان ایمان کی بدولت نہ صرف دنیا میں معاشی فلاح پاتا ہے بلکہ اس کا ثمرہ اسے آخرت میں بھی حسب رضائے خداوندی ملے گا۔ مغربی معاشیات جس کے علمبردار بینتھم (Bentham)' مل (Mill) اور ریکارڈو (Ricardo) ایسے مفکرین ہیں اور جن کے نظریات کو مغرب میں بنیادی قرار دیا جا چکا ہے۔ اپنے معاشی اصولوں میں انسان کی مادی زندگی کو سامنے رکھ کر ہی بات کرتے ہیں اور ان کے سامنے سے انسان کا روحانی پہلو بالکل اوجھل ہوگیا ہے چنانچہ جدید معاشیات میں انسان کو معاشی حیوان (Economic Animal) تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب سے دنیا بھر کے ماہرین معاشیات نے عالمی سطح پر معاشیات کی بنیاد اور اس کے ثمرات کو دنیاوی فوائد تک محدود کر دیا ہے تب سے ہر کس و ناکس راتوں رات امیر بن جانے کی فکر میں غلطاں رہنے لگا ہے اور اخلاقی اصولوں کی پامالی ایک عام بات بن گئی ہے۔ چنانچہ دنیا میں نہ صرف ملکی سطحوں پر بلکہ بین الاقوامی اور بین المملکتی سطحوں پر بھی لوٹ کھسوٹ کا کاروبار زوروں پر ہے۔ حلال اور حرام کی تمیز اٹھ چکی ہے کیونکہ اس کا سرچشمہ وحی الٰہی ہے اور آج کا انسان وحی سے دور ہوتا جا رہا ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے شراب کی فیکٹریاں لگانا حرام ہے لیکن لادین نقطہ نظر کی حامل حکومتیں اسے ایک منافع بخش کاروبار کہتی ہیں حالانکہ اخلاقی طور پر دنیا کے مہذب ادیان اور معاشرے اس کی مذمت میں باہمی موافقت کے حامل ہیں۔

دنیا میں رائج معاشی نظام

اس وقت دنیا میں جو معاشی نظام رائج ہیں ان کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام:

(1) اس معاشی نظام میں پیداواری ذرائع مثلاً زمینیں' کارخانے' کاروباری ادارے' مشینیں وغیرہ لوگوں کی ذاتی ملکیت میں دے دیئے جاتے ہیں۔ وہ منافع کمائیں یا گھاٹا کھائیں حکومت اس کی ذمہ دار نہیں ہوتی۔ ہر شخص اپنی مرضی کے مطابق کوئی کاروبار یا پیشہ اختیار کر سکتا ہے۔ ان کارخانوں وغیرہ کو چلانے کیلئے مزدوروں کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ تنخواہ پر کام کرتے ہیں۔ وہ وسائل رزق کے مالک نہیں ہوتے لیکن اگر وہ کسی طرح

Marfat.com

سے ترقی کر کے وسائل رزق کے مالک بن سکیں تو ان پر کوئی پابندی نہیں ہوتی۔ اس نظام میں ہر کس و ناکس کو ذاتی ملکیت کا حق حاصل ہوتا ہے۔ حکومت ان ملکیتوں کو قانونی تحفظ فراہم کرتی ہے کہ وہ جائیداد بنائیں یا اسے بیچیں۔ ان پر کوئی قدغن نہیں ہوتی۔

(2) اس نظام میں فرد (اکیلا) یا افراد کمپنی بنا کر اپنی مرضی کی سطح پر کاروبار کر سکتے ہیں اور نفع نقصان کے وہ خود ذمہ دار ہوں گے۔

(3) اس نظام میں چونکہ مفاد اور نفع ذاتی طور پر حاصل ہوتا ہے اس لئے فرد یا کمپنی اپنی ساری صلاحیتیں بروئے کار لا کر اپنے کاروبار کو نفع بخش بنانے کی سعی کرتی ہے۔

(4) اس طرح افراد یا کمپنیوں میں مقابلہ اور مسابقت کی فضا پیدا ہوتی ہے اور مسابقت کی وجہ سے قیمتوں میں ایک توازن قائم رہتا ہے اور تنخواہوں اور اجرتوں میں بھی اعتدال کی فضا قائم رہتی ہے۔

(5) ذاتی مفاد کی خاطر ہر پیداواری یونٹ کے مالکان ایسے سائنسی طریقے استعمال کرتے ہیں جن سے لاگت میں کمی واقع ہو۔ لہٰذا نئی ایجادات کے حوالے سے نئی تحقیقات کے دروازے کھلتے جاتے ہیں اس طرح علمی اور تحقیقی اور تکنیکی ترقی فروغ پاتی ہے جس کا پھل سرمایہ لگانے والے کھاتے ہیں۔

اشتراکی اور اشتمالی نظام: اس میں تمام پیداواری وسائل اور کارخانے وغیرہ قومی ملکیت قرار پاتے ہیں اور پھر قومی آمدنی کو سب لوگوں میں تقسیم کرنے کی سعی کی جاتی ہے۔ یہ نظام سرمایہ دارانہ نظام کی نفی کرتا ہے۔ اس میں مالک اور مزدور کا تصور ختم کرنے کی نوید سنائی جاتی ہے اور اس کا انتظام مزدوروں کے ہاتھ میں دے دیا جاتا ہے۔ اسے سوشلزم اور کمیونزم کہتے ہیں۔ بظاہر یہ دو نظام ہیں لیکن حقیقت میں ایک ہیں۔

(1) یہ نظام اجتماعی اور برابری کی بنیاد پر فرد کی آزادی کا تصور اجاگر کرتا ہے جو انفرادی ملکیت اور سرمایہ دارانہ نظام کے مقابلہ میں رونما ہوا ہے۔

(2) یہ تحریک سرمایہ دارانہ نظام کو مٹانے کیلئے کام کرنے والی ہے۔

(3) اس کی بنیاد مادی نظریہ حیات پر رکھی گئی ہے۔ اس میں مذہب کو افیون قرار دیا گیا ہے۔

(4) اشتراکیت و اشتمالیت اور دہریت لازم و ملزوم ہیں چنانچہ اشتراکی روس میں مذہب کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ لینن کے بقول مارکس کا فلسفہ مادہ پرستی کا فلسفہ ہے اور اس نظریہ کی رو سے اس کائنات کی ابتداء و انتہا مادہ ہی ہے۔ چنانچہ لینن نے اعلان کیا کہ مارکسزم

Marfat.com

مذہب کے سراسر خلاف ہے اور ہمیں مذہب کے خلاف اس وقت تک لڑنا چاہیئے کہ یہ دنیا سے نابود ہو جائے۔

(5) کمیونسٹ پارٹی کے منشور میں مارکس نے "خاندانی نظام" کے خاتمہ کا اعلان کیا ہے چنانچہ لینن حلال اور حرام طریقے سے پیدا شدہ بچوں کو ایک ہی سطح پر رکھتا ہے اور معاشرے میں ایک ہی مقام دیتا ہے اور اس کا برملا اعلان بھی کرتا ہے۔

(6) سرمایہ دار طبقہ کو اشتراکی اصطلاح میں بورژوا طبقہ کہتے ہیں۔ جو وسائل رزق پر قابض ہے جبکہ محروم طبقہ یعنی مزدوروں وغیرہ کو اشتراکی دنیا میں پرولتاری طبقہ کہا جاتا ہے۔ اشتراکی نظریہ کے مطابق دنیا کی پوری تاریخ ان دو طبقوں کی آپس کی آویزش اور کشمکش کی داستان ہے۔ اشتراکیت پسندوں نے اس جنگ کو بہت تیز کیا تاکہ بورژوا طبقہ کو ختم کر دیا جائے۔

(7) اس کا اصل مقصد دنیا بھر میں مزدوروں کی حکومت کا قیام قرار دیا گیا تاکہ پہلے مرحلے میں مزدوروں کی ڈکٹیٹر شپ قائم کی جائے جس کے بعد بلا حاکمیت معاشرہ (State less society) قائم کرنا مقصود تھا۔

(8) اس مقصد کے حصول کیلئے جو کچھ بھی کرنا پڑے ضرور کیا جائے گا۔ اخلاقی اقدار کی کوئی قدر و قیمت متصور نہیں ہوگی چنانچہ روس میں یہ نظام کوئی ستر سال تک خوب شور و غوغا کے ساتھ چلا جس نے سرمایہ دارانہ نظام کے حامل طبقوں کو مسلسل اضطراب میں رکھا آخر بدقسمتی سے روسی فوجیں 1980ء میں افغانستان پر چڑھ آئیں اور مسلمان مجاہدین نے ان کے خلاف زبردست مزاحمت کی۔ امریکہ اور دوسری مغربی طاقتوں نے بھی افغانوں کی مدد کی اور پاکستان نے لاکھوں افغان مہاجرین کو پناہ دی اور اب روس شکست کھا کر ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا ہے کیونکہ اس میں شامل اکثر ممالک نے اپنی آزاد حیثیت کا پھر سے اعلان کر دیا ہے۔

نقد و نظر: سرمایہ دارانہ نظام جس کا سرخیل امریکہ ہے، انفرادیت پسندی پر قائم ہے۔ اسے آزاد معیشت یا عدم مداخلت کا معاشی نظام بھی کہتے ہیں۔ یہ نظام امریکہ کے علاوہ برطانیہ، فرانس، جرمنی، یورپ، آسٹریلیا، لاطینی امریکہ اور ایشیا کے بعض ممالک میں رائج ہے۔ جدید لبرلزم نے ہر قسم کی آزادی کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ سود کا لین دین ان ممالک میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔

چونکہ اس نظام میں پیداواری ذرائع عوام کے ہاتھ میں ہوتے ہیں اور حکومت ان کی

Marfat.com

نگران اور محافظ ہوتی ہے لہٰذا ہر شخص اپنی کمائی کا مالک ہوتا ہے اور اسے اپنی مرضی سے تصرف میں لانے کا پورا حق رکھتا ہے حتیٰ کہ اپنے قبضہ میں آئے ہوئے وسائل دولت روک رکھنے اور اپنی ذات کیلئے کوئی مفاد حاصل کئے بغیر انہیں صرف کرنے سے انکاری ہونے کا بھی اسے اختیار حاصل ہے۔ یہ نظام بظاہر بہت اچھا نظر آتا ہے لیکن یہاں سے معاشرے میں دو طبقے جنم لیتے ہیں۔ ایک مالدار طبقہ اور دوسرا نادار طبقہ--- مالدار لوگ اپنی دولت کے بل بوتے پر غرباء کا خون چوستے چلے جاتے ہیں حتیٰ کہ سیاسی اقتدار بھی انہی کے ہاتھ آ جاتا ہے اور دولت چند خاندانوں میں جمع ہونے لگتی ہے۔ دوسری طرف غرباء اور نادار طبقہ ایک طرح سے محتاج ہو کر رہ جاتا ہے۔ بنیادی طور پر یہ چونکہ سودی کاروبار پر مشتمل ہوتا ہے اس لئے ایک طبقہ امیر تر اور دوسرا غریب تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ جان سٹارچی اپنی کتاب "خطرہ فاشزم" میں لکھتے ہیں:

(1) "سرمایہ دارانہ نظام میں غلام کے لئے آزادی کی قدیم تاریخ یعنی یونانی جمہوریہ کے زمانہ سے ہی ایک جیسی رہی ہے۔ جدید دور کے تنخواہ دار غلام سرمایہ دارانہ استحصال سے اس قدر کچل دیئے گئے ہیں اور وہ اس قدر ناداری اور غربت کا شکار ہیں کہ جمہوریت ان کے لئے کوئی معنی نہیں رکھتی اور سیاست ان کے لئے ایک فضول مشغلہ ہے۔ یہ باتیں ان کے لئے روزمرہ معاملات ہیں اور اس طرح آبادی کے ایک بڑے حصے کو معاشی' معاشرتی اور سیاسی زندگی میں شرکت سے محروم کر دیا گیا ہے۔

(2) سرمایہ داری نظام میں لاگت گھٹانے کے لئے مشینوں سے کام لیا جاتا ہے۔ اس طرح مزدور طبقہ میں بیروزگاری بڑھتی ہے۔ وہ کارخانوں کے باہر نوکری کے لئے دھکے کھاتے رہتے ہیں۔ (جاگیردار یہی کچھ اپنے مزارعین کے ساتھ کرتے ہیں بلکہ یہ لوگ تو ان کو ایک طرح سے غلام بنا کر رکھتے ہیں اور الیکشن میں ان کے ووٹوں سے اقتدار پاتے ہیں۔)

(3) اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کارخانہ دار مزدوروں کو کم سے کم اجرت پر کام کرنے کیلئے مجبور کر دیتے ہیں۔ یہ اس لئے ہوتا ہے کہ بیروزگاری سے تنگ آیا ہوا انسان مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق تن و جان کا رشتہ قائم رکھنے کیلئے دو وقت کے کھانے کے عوض بھی کام کرنے پر تیار ہو جاتا ہے۔

(4) حکومت اگرچہ مزدوروں کی کم سے کم اجرتیں مقرر کر دیتی ہے لیکن مزدوروں کی بھرمار کی وجہ سے سرمایہ دار لوگ اپنے گماشتوں کے ذریعے مزدوروں کا استحصال کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ گویا "ہاتھی کے دانت کھانے کے اور' دکھانے کے اور۔"

Marfat.com

(5) یہ طبقہ کارخانوں سے آگے بڑھ کر زمینوں پر بھی قابض ہو جاتا ہے اور نادار طبقہ زرعی میدان میں بھی ان کا محتاج ہوتا ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ مشینوں کے ذریعے زراعت کی سہولتیں بیروزگاری میں اضافہ کرتی ہیں۔ چنانچہ لوگ دیہات سے شہروں کا رخ کرنے لگتے ہیں۔ جب دیہاتی آبادی شہروں کی طرف منتقل ہونے لگے گی تو شہروں پر آبادی کا دباؤ بڑھ جائے گا۔ مزدوروں کے ٹولے روزگار کی تلاش میں مارے مارے پھریں گے۔ سرمایہ دار اپنی مرضی کی اجرت پر کام لے گا اور بیروزگاری کے نتیجے میں یہ طبقہ بے راہروی اختیار کرنے کی طرف مائل ہوگا۔ ہمارے ہاں آج کل ڈاکے اور چوریاں اور سینہ زوریاں ایسی ہی صورتحال کا نتیجہ ہیں۔

(6) مزدور زیادہ ملنے لگیں تو اقربا نوازی اور خویش پروری ایسی لعنتیں وجود میں آجاتی ہیں۔

(7) ایسے میں رشوت کا رجحان نہ صرف پنپتا ہے بلکہ اس کی شرح بھی بڑھ جاتی ہے اور نادار طبقہ میں کم رسائی رکھنے والے بالکل بے آسرا ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ بھوکے لوگ سرمایہ دارانہ نظام کے دشمن ہو جاتے ہیں اور ان کی نظریں ایسے نظام کی طرف اٹھنے لگتی ہیں جو انہیں روٹی کپڑا اور مکان کے علاوہ عزت نفس اور وقار بھی عطا کر سکے۔

(8) بیروزگاری اور ناداری میں جب کام کرنے کے قابل لوگوں کو روزگار مہیا نہ ہوگا تو کمزور اور بیمار، بچے، بوڑھے تو اور زیادہ محرومیوں کا شکار ہو جائیں گے اور نوبت فاقوں تک پہنچ جائے گی۔

(9) سرمایہ دار کسی قدغن کے موثر نہ ہونے کی وجہ سے اپنی مصنوعات اور پیداوار کے منہ مانگے دام وصول کرے گا۔ اس طرح قیمتیں چڑھیں گی۔ اس نے اگر سود پر قرضہ حاصل کرکے اپنا کاروبار چلایا ہو تو وہ منافع زیادہ شرح سے حاصل کرنے پر مجبور ہوگا۔ اس طرح غریب طبقہ بالواسطہ طور پر اپنے خون کا آخری قطرہ تک سرمایہ دار کی تجوری میں ڈالنے پر مجبور ہوگا۔ حالانکہ قانونی طور پر وہ آزاد اور خودمختار اور اپنی مرضی کا مالک متصور ہوگا۔

(10) سرمایہ دار لوگ سود لوٹانے اور زیادہ نفع حاصل کرنے کی غرض سے اور مسابقت کی فضا سے بچنے کیلئے ذخیرہ اندوزی کا طریقہ اپناتے ہیں اور مسابقت کے ٹھنڈا پڑتے ہی اپنا مال مارکیٹ میں لے آتے ہیں اور منہ مانگے دام وصول کرتے ہیں۔

(11) چونکہ سرمایہ دار نے اپنے سرمایہ کے ذریعے دوسروں کا سرمایہ اپنی طرف کھینچنا ہوتا ہے اور عوام کی قوت خرید کمزور ہو چکی ہوتی ہے لہذا اخباروں اور ٹی وی وغیرہ پر اشتہاروں

Marfat.com

کی بھرمار ہونے لگتی ہے جس سے پیداواری اخراجات میں معتدبہ اضافہ ہو جاتا ہے اور اس طرح مصنوعات کی قیمتیں مزید چڑھ جاتی ہیں گویا منافع میں واقع ہونے والی کمی کو پورا کرنے کیلئے سارا بوجھ صارفین پر ڈال دیا جاتا ہے۔

(12) ایسے ماحول میں سمگلنگ' چور بازاری' ملاوٹ اور لوٹ کھسوٹ ایسے دھندے عام ہو جاتے ہیں۔ حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی تمیز ختم ہو جاتی ہے۔ اخلاقی نظام تباہ ہو جاتا ہے۔ معاشرے میں ایک طرف بے چینی' بھوک' افلاس' بے بسی اور محرومی بڑھ جاتی ہے جبکہ دوسری طرف عیش و عشرت' حرام کاری' بدعنوانی اور دوسروں کا استحصال زوروں پر ہوتا ہے۔ مالداروں (Haves) اور ناداروں (Nothaves) کے درمیان ایک وسیع خلیج پیدا ہو جاتی ہے جسے پاٹنے کی اول تو کوشش ہی نہیں کی جاتی اور اگر کی بھی جائے تو وہ ناکام رہتی ہے کیونکہ عملدرآمد کے ذمہ دار لوگ کرپشن کا شکار ہو جاتے ہیں یا ان کو اتنا مجبور کر دیا جاتا ہے کہ وہ اپنا کردار ادا کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔

(13) ایسے حالات میں مال کی افزائش کا عمل رک جاتا ہے کیونکہ اس کی کھپت کا سلسلہ رک چکا ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تجارت ہر سطح پر گھاٹے میں جانے لگتی ہے۔ ساہوکار اور بینکار مزے سے سودی رقوم وصول کرکے اپنا گھر پورا کر لیتے ہیں۔ خسارے کی وجہ سے حکومت کو ٹیکس وصول نہیں ہوتے یا کم وصول ہوتے ہیں۔ منڈیاں اپنا مصرف کھو بیٹھتی ہیں۔ ہر طرف تنزل اور اقتصادی تاریکی ڈیرے جما لیتی ہے اور مسلسل بڑھتی ہوئی آبادی اس پر مستزاد' جو رہی سہی کسر نکال کے رکھ دیتی ہے۔

(14) ترقی یافتہ ممالک کا جب یہ حال ہونے لگے تو وہ غیر ترقی یافتہ ممالک کا رخ کرتے ہیں۔ وہاں سرمایہ کاری کرکے ان کے استحصال کا ذریعہ بنتے ہیں اور آہستہ آہستہ ان کی معیشت کا بھی وہی حشر کر دیتے ہیں جو وہ اپنے ملک میں کر چکے ہوتے ہیں۔

(15) اس سرمایہ کاری کی بنیاد چونکہ سود پر رکھی جاتی ہے لہٰذا بے برکتی اور نحوست کے قدرتی سائے ساتھ ساتھ سفر کرتے ہیں اور جہاں کہیں ادبار کے بادل گھرے ہونے لگتے ہیں یہ نحوست بھرے سائے اپنی بے برکتی اور لعنت بھری تاریکیوں کے زیر سایہ خوب کھل کھیلتے ہیں اور آخر ترقی پذیر ممالک اقتصادی غلامی میں مبتلا ہو کر رہ جاتے ہیں۔

(16) اس لوٹ کھسوٹ' آپا دھاپی اور نفسانفسی کے عالم میں حسن معاشرت کے چراغ ایک ایک کرکے گل ہونے لگتے ہیں۔ ہمدردی' محبت' انس' رحم' شفقت' مروت اور وضع داری ایسے اوصاف معدوم ہونے لگتے ہیں۔

Marfat.com

سرمایہ داری اور جمہوریت : اس نظام میں جمہوریت ایسا سیاسی طریق کار بظاہر بڑا منصفانہ لگتا ہے لیکن سرمایہ دار جاگیردار اور وڈیرے اور کارخانہ دار انتخابات میں ایسی فضا پیدا کر دیتے ہیں کہ صحیح معنوں میں اہل لوگ آگے آنے کی جرات ہی نہیں کرتے کیونکہ انتخابی اخراجات لاکھوں میں ہوتے ہیں اور دو وقت کی روٹی کا محتاج کتنا ہی اہل اور قابل کیوں نہ ہو انتخابات میں حصہ لینے کی سکت نہیں رکھتا۔ اگر وہ لوگوں کے کہنے پر ایسا کر بھی لے تو ایسے غیر محفوظ شخص کو اپنے تحفظ کا مسئلہ بھی درپیش ہوتا ہے اور اقتصادی وڈیروں کے پاس وسائل کے علاوہ ان کا دست نگر طبقہ بھی ہوتا ہے جن کی رائے کے بل پر وہ اقتدار میں آجاتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ آج کل ترقی یافتہ اور ترقی پذیر دونوں طرح کے ممالک کے مسائل تقریباً ایک جیسے ہیں۔ البتہ ترقی یافتہ ممالک کو غیر ترقی یافتہ ملکوں کا استحصال کرنے کی وجہ سے صنعتی اور اقتصادی میدان میں جو فوقیت حاصل ہوچکی ہے وہ انہیں احساس برتری میں مبتلا رکھے ہوئے ہے جس سے ترقی پذیر ممالک محروم ہیں۔ ترقی یافتہ ممالک میں معیشت کو مندے سے بچانے کیلئے ایسے غیر اخلاقی ہتھکنڈے اختیار کئے جاتے ہیں کہ لاکھوں کروڑوں روپے کا مال اور غلہ تک ضائع کر دیا جاتا ہے۔ پھر مصنوعی ذخیرہ اندوزی کے ذریعے مصنوعی قلت پیدا کرکے صارفین کا گلا دبا دیا جاتا ہے۔ مالدار طبقہ بھوکوں' محتاج لوگوں اور ناداروں کی دستگیری سے اجتناب کرتا ہے اور سرمایہ دارانہ نظام کے مقابلے میں کسی ایسے نظام کی تلاش جاری رہتی ہے جو [illegible] سکے۔

اشتراکی نظام : چنانچہ سرمایہ داری کی بیخ کنی کیلئے اشتراکی نظام آگے بڑھا جس کا بانی کارل مارکس تھا۔ وہ 1818ء میں جرمنی کے شہر ٹرائر میں پیدا ہوا۔ فلسفہ میں برلن یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کیا اور ملازمت نہ ملی آخر ایک اخبار کا ایڈیٹر بن گیا۔ پھر کمیونسٹوں سے روابط بڑھا لئے۔ اینگلز سے ملا تو نظریاتی ہم آہنگی نے سونے پر سہاگے کا کام کیا اور کمیونسٹ تحریک منظم کی مگر حکومت نے جلاوطن کر دیا چنانچہ انگلستان پہنچ کر کمیونسٹ لیگ کا متفقہ منشور تیار کرکے اسے بھاری اکثریت سے منظور کروایا۔ جسے اشتراکیت کی خشت اول سمجھا جاتا ہے پھر انگلینڈ سے واپس جرمنی میں آیا لیکن روزگار نہ مل سکا۔ مضامین لکھ کر پیٹ پالنے کی کوشش بھی ناکام رہی۔ مکان کا کرایہ ادا نہ کرنے کی پاداش میں گھر کا اثاثہ ضبط ہوگیا۔ بیوی کے پارچات اور زیورات تک بک گئے۔ اس کے دو بچے افلاس کی وجہ سے اللہ کو پیارے ہوگئے تو ان کے کفن دفن کیلئے اس کے پاس پھوٹی کوڑی تک نہ تھی۔ ان مصائب و آلام نے اسے سرمایہ داری کے خلاف ایک طوفان بنا کر اٹھایا۔ وہ اپنے دوست اینگلز سے ملا۔ اس نے اس کی مستقل مالی دستگیری شروع کر دی۔ آخر کارل

Marfat.com

مارکس نے 1867ء میں جماعت کی بنیاد رکھی اور معاشیات پر مسلسل غور و فکر کے بعد اشتراکی دنیا کو ایک تحفہ داس کیپٹل (Das Capital) کی شکل میں پیش کیا۔ زندگی کے آخری ایام بھی اس نے نہایت عسرت میں گزارے۔ 1881ء میں اس کی بیوی کینسر سے چل بسی اور اگلے ماہ اس کی بڑی بیٹی بھی اسی کسمپرسی کی حالت میں اللہ کو پیاری ہوگئی اور آخر مارچ 1883ء میں داس کیپٹل کا مصنف اور اشتراکیت کا بانی بھی یہ دنیا چھوڑ گیا۔ سرمایہ دارانہ نظام میں موجود اخلاقی انحطاط نے اسے خدا اور مذہب سے بھی برگشتہ کر دیا حالانکہ اس کا دادا ایک یہودی عالم تھا اور والد وکالت کرتا تھا جو عیسائی ہوگیا تھا لیکن کارل مارکس لادین یعنی دہریہ ہو کر مرا۔ امریکی صدر کینڈی نے ایک دفعہ کہا تھا کہ اگر نیویارک ٹریبون کی انتظامیہ کارل مارکس کو اس کے مضامین کا منہ مانگا معاوضہ دے دیتی تو آج دنیا اشتراکیت کے طوفان کا شکار نہ ہوتی۔

اشتراکیت کے چند فوائد:

(1) اس میں ذاتی ملکیت کا تصور ختم ہو جاتا ہے۔ ہر چیز' کارخانے' زرعی زمین' باغات' تجارتی مراکز اور منڈیاں سرکاری کنٹرول میں ہوتی ہیں۔ ہر شخص حسب ہمت کام کرتا ہے اور مقررہ ضروریات زندگی پاتا ہے اور من حیث القوم ترقی کی رفتار تیز ہونے لگتی ہے۔

(2) پیداوار میں ضرورت کے مطابق کمی بیشی کی جا سکتی ہے۔ اس طرح نہ تو بے جا مال کا ذخیرہ ہونے پاتا ہے اور نہ کمی رہتی ہے۔ یعنی رسد اور طلب میں ایک توازن برقرار رکھنا مشکل نہیں ہوتا۔

(3) مسابقت نہ ہونے کی وجہ سے بے جا اخراجات بچ جاتے ہیں اور چیزیں سستی فروخت ہوتی ہیں۔

(4) اجتماعی منصوبہ بندی کے ذریعے روزگار کی فراہمی حکومت کی اولین ترجیح ہوتی ہے اس طرح زیادہ سے زیادہ لوگوں سے کام لیا جا سکتا ہے اور ان کی اہلیت سے بھرپور فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔

(5) معذوروں اور کام نہ کر سکنے والے لوگوں کی مالی دستگیری خزانہ عامرہ سے کی جاتی ہے۔

(6) مصنوعی قلت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لہٰذا ریٹ مناسب ہی رہتے ہیں۔

(7) اجتماعی منافع کی رقم مفید منصوبوں پر لگا کر مزید ترقی کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔

(8) امیر اور غریب کا تفاوت کم ہو جاتا ہے۔ کوئی شخص بے علاج' یا بھوکا نہیں رہتا اہل لوگوں کو کام کے مواقع یکساں میسر ہوتے ہیں۔

Marfat.com

(9) ون پارٹی سسٹم کی وجہ سے جو لوگ بھی اقتدار میں آتے ہیں ان کو کسی دوسری پارٹی سے چپقلش کا خطرہ نہیں ہوتا۔ لہٰذا حکومت مضبوط بنیادوں پر قائم ہوتی ہے اور طویل المیعاد اور مفید منصوبے روبہ عمل لا سکتی ہے۔

(10) اجارہ داری اور ملکیتی حقوق نہ ہونے کی وجہ سے رشوت کے مواقع کم سے کم ہوتے ہیں۔

(11) نظام تعلیم اور معیار زندگی کو مستحکم بنیادوں پر استوار کرکے ترقی کی طرف گامزن کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح ضرورت کے مطابق فنی تعلیم کے ادارے قائم کرکے حسب دلخواہ فوائد حاصل کیے جا سکتے ہیں۔

نقصانات:

(1) اخلاقی حدود سے بے نیازی نے اس معاشرے کو تباہی کی طرف گامزن کر دیا ہے۔ خدا کا خوف اور سزا و جزا کے عقبیٰ کے تصور سے عاری پن نے بے لگام کرنے میں پوری مدد دی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہر طرف لادینیت اور اخلاق باختگی کا دور دورہ شروع ہوگیا۔

(2) لوگوں کی ذاتی املاک کو قومیانے سے کشت و خونریزی کے دریا عبور کرنے پڑے۔ تقریباً انیس لاکھ آدمیوں کی لاشوں پر سے گزر کر یہ مقصد حاصل کیا جا سکا۔ بیس لاکھ اشخاص کو مختلف نوعیت کی کڑی سزائیں دی گئیں۔ چالیس پچاس لاکھ کے لگ بھگ کو ملک بدری سے واسطہ پڑا۔ صرف اجتماعی کاشتکاری کو روبہ عمل لانے کیلئے چھوٹے اور متوسط زمینداروں کو جس طرح ظلم و ستم اور جور و تشدد کا نشانہ بنایا گیا اس کی عملی تعبیر کو دیکھ کر سوشلزم کے حامی بھی تڑپ اٹھے۔

(3) جو لوگ خدا رسول یا کسی مذہب کے پیروکار تھے مذہب سے برگشتہ کرنے کیلئے ان پر ستم کے پہاڑ توڑے گئے اور مذہب کے خلاف سخت پروپیگنڈا کیا گیا۔ مذہبی رہنماؤں اور اہل مذہب کو بری طرح کچل دیا گیا۔ لینن نے اشتراکیت کا نیا ضابطہ اور اخلاقیات کا جدید فلسفہ گھڑ کر نافذ کیا جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

"ہم ہر اس اخلاق کو رد کرتے ہیں جو کسی بھی عالم بالا یعنی آسمانی تعلیم اور تصور پر مبنی ہو۔ یا ایسے فلسفہ حیات سے ماخوذ ہو جو طبقاتی تصورات سے ماوری ہیں۔ ہمارے نزدیک اخلاق یہی درست ہے جو کلی طور پر طبقاتی جنگ کا تابع ہو۔ ہر وہ اخلاق اور طریقہ جو پرانے نفع اندوز اجتماعی نظام کو مٹانے کے لئے اور محنت کشوں کے مختلف طبقات کو متحد کرنے کے لئے

Marfat.com

مدومعاون ہو۔ ہمارا اخلاق بس یہی ہے کہ ہم اپنے منشور کے مطابق خوب مضبوط اور منظم ہوں اور سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف ہر طرح سے نبرد آزما رہیں۔ ہم اخلاق کے ازلی اور ابدی اصولوں کو قطعاً نہیں مانتے۔ اشتراکی اخلاقیات مزدوروں کی حکومت کی مضبوطی اور ان کی مطلق العنانی کا مقصد پانے کے سوا کچھ نہیں۔"

(4) اپنے مقاصد کو حاصل کرنے اور انسانی جذبات کو دبانے کے لئے اشتراکی اصولوں میں تبدیلیاں بھی کی جاتی رہیں۔ چنانچہ دین 'ایمان' اخلاق' شرافت' دیانت' امانت اور انسانیت کا جنازہ نکال کر رکھ دیا گیا۔ آزادی کا نام نہاد تصور موجود رکھا گیا مگر دراصل آزادی سلب کر لی گئی۔

(5) اشتراکی نظام میں دو طبقے پیدا ہوگئے۔ ایک انتظامیہ جس نے بے رحم اور بے حیا انتظامیہ کا کردار ادا کیا اور دوسرے عوام جن کو بھیڑ بکریاں بنا کر ان سے ہر میدان میں غلاموں کی طرح کام لیا جاتا اور غلاموں کی طرح اجتماعی لنگر خانوں سے کھانا اور دیگر ضروریات مہیا کی جاتی تھیں۔

(6) ذاتی ملکیت کا تصور ختم ہونے سے کام نہ کرنے اور صرف فائدہ حاصل کرنے کے مقاصد ابھرنے لگے اور آخر ہر میدان میں زوال آنے لگا۔

(7) دنیا کی زندگی تک ہی ساری انسانی تگ و دو کو محدود کرنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہر شخص کچھ بھی کر گزرنے کو جائز قرار دے کر آگے بڑھا۔ جن کو انتظامی امور میں غلبہ حاصل تھا وہ پرتعیش زندگی گزارنے لگے اور دوسرے جانوروں کی طرح جو میسر آیا اس پر اکتفا کرنے پر مجبور کر دیئے گئے۔

(8) سیاسی طور پر ملک کے سارے باسی حکومت میں شریک نہ تھے۔ صرف دس فیصد لوگ حکومت کی تشکیل میں کیمونسٹ پارٹی کے ممبر بن کر حصہ لے سکتے تھے۔ اس طرح 90 فیصد لوگ 10 فیصد لوگوں کے غلام بن کر رہ گئے۔

(9) حکومت کے خلاف اٹھنے والی آواز یا لہر کو کچل دینا ضروری ہوتا ہے اس کے لئے انٹلی جنس کا جال بچھا کر کڑی نظر رکھی جاتی ہے۔ بے اطمینانی اور مسلسل اضطراب کی کیفیت زندگی کو اجیرن کر کے رکھ دیتی ہے۔

مارکسزم کے بارے میں ایک روسی ادیب جس کا نام الیگزینڈر آئی سالزینٹس تھا اور جسے 1974ء میں روسی حکومت نے ملک بدری کی سزا دی تھی وہ اپنے ایک مکتوب میں روسی

Marfat.com

لیڈروں سے اس طرح مخاطب ہے:

"مارکسزم ایک غلط نظریہ ہے یہ کوئی سائنس بھی نہیں ہے نہ اس نے کسی آنے والے واقعہ کا صحیح اندازہ کیا۔ انسان اور انسانی معاشرہ کے بارے میں اس کے نظریات حیرت انگیز حد تک جہالت اور اجڈ پن ہ شکار ہیں---- مارکسزم کو ماننے والوں کی سب سے کم تعداد روس میں ہے کیونکہ ہم اس کا مزہ چکھ چکے ہیں۔ اس کا معاشی نظریہ انسان کے ابتدائی دور کا نظریہ ہے جو بالکل سطحی سا ہے---- یہ چکی کے پاٹ کی طرح ہماری گردنوں میں ڈال دیا گیا ہے۔ سب سے بھاری، پھر زرعی فارموں کے اشتمال کا ہے۔ دوسرا پتھر چھوٹے کاروباروں ار چھوٹی ملازمتوں کو قومیانے کا ہے۔ جس نے ہماری زندگی اجیرن کر دی ہے۔ جھوٹ' فریب اور چوری کا دور دورہ ہے۔ اس فضول نظریہ نے ہماری قوتیں سلب کرنے اور ہمارے ہاتھ پاؤں باند کے سوا ہمیں کچھ نہیں دیا۔"

علامہ اقبال کے معاشی افکار: علامہ اقبال نہ تو سرمایہ داری نظام کو پسند کرتے تھے اور نہ اشتراکی اور اشتمالی نظام کو بلکہ ان کے نزدیک اسلامی اقتصادی نظام ہی انسانیت کی فلاح کا ضامن ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

"میرے نزدیک فاشزم' کیمونزم یا زمانہ حال کے دوسرے ازم کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ میرے عقیدہ کی رو سے صرف اسلام ہی ایک حقیقت ہے جو بنی نوع انسان کیلئے ہر نقطہ نگاہ سے نجات کا موجب ہے۔ میرے کلام پر ناقدانہ نظر ڈالنے سے پہلے اسلامی حقائق کا مطالعہ ضروری ہے۔ اگر پورے غور اور توجہ سے یہ مطالعہ کریں تو ممکن ہے کہ آپ بھی اسی نتیجہ پر پہنچ جائیں جس پر میں پہنچا ہوں اور پھر آپ کے تمام شکوک و شبہات دور ہو جائیں گے۔"

سرمایہ داری کے متعلق وہ کہتے ہیں:

اٹھو مری دنیا کے غریبوں کو جگا دو
کاخ امراء کے درو دیوار ہلا دو

گیا دور سرمایہ داری گیا

Marfat.com

تماشا دکھا کر مداری گیا

تمیز بندہ و آقا فساد آدمیت ہے
حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

اور اشتراکیت وغیرہ کے بارے میں ان کا نظریہ یہ ہے:

زمام کار اگر مزدور کے ہاتھوں میں ہو پھر کیا؟
طریق کوہ کن میں بھی وہی حیلے ہیں پرویزی

چنانچہ آپ صرف اسلام میں سارے مسائل انسانی کا حقیقی حل تلاش کرنے کا درس دیتے ہیں۔

جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

بندہ حق بے نیاز از ہر مقام
نے غلام اورا' نہ او کس را غلام

یعنی اللہ تعالیٰ کا بندہ دنیا کے مقامات عزت و عظمت سے قطعی بے نیاز ہو کر اپنی زندگی گزارتا ہے۔ چنانچہ نہ وہ کسی کو اپنا غلام بنانا پسند کرتا ہے اور نہ خود کسی کی غلامی کرنا پسند کرتا ہے کیونکہ اللہ اور رسول کی غلامی کے بعد اس کو کسی اور کی غلامی کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

کارل مارکس کے بارے میں فرمایا:

قلب او مومن دماغش کافر است

اس کا دل مومن ہے لیکن اس کی سوچ اور نظریہ کافرانہ ہے۔ یعنی حالات سے مجبور ہو کر اس نے نیک نیتی سے لوگوں کو سرمایہ داری کے چنگل سے نجات دلانے کی مخلصانہ کوشش کی لیکن اس کی ذہنی اختراع کا وحی الٰہی سے کوئی تعلق نہیں۔ نہ اس نے آسمانی تعلیم سے اکتساب کیا۔ لہٰذا اس کی نظریاتی جدوجہد کافرانہ ہے۔ چنانچہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں امت مسلمہ کی ہمہ گونہ جدوجہد کی مقصدیت علامہ مرحوم یہ قرار دیتے ہیں:

حفظ و نشر لا الہ مقصود تست

Marfat.com

یعنی نظریہ اسلام کی حفاظت اور اس کی تبلیغ و تشہیر و ترویج تیرا مقصد حیات ہونا چاہئے کیونکہ انسانی فکر کے نتیجے میں پیدا ہونے والے نظام ہائے حیات نقص و عیب سے خالی نہیں ہو سکتے اور نہ وہ دنیائے انسانیت کو ہر لحاظ سے مطمئن کر سکتے ہیں۔ چنانچہ بال جبرئل میں پیر رومی کی زبانی آج کے انسان کو وہ اس طرح پیغام دیتا ہے:

دست ہر نا اہل بیمارت کند
سوئے مادر آ کہ تیمارت کند

یعنی نا اہل لوگوں کے ہاتھ سے تجھے شفا کی بجائے بیماری ہی ملے گی۔ بہتر یہی ہے کہ تو اپنی والدہ محترمہ (اسلام) کے پاس آ جا تاکہ وہ تیری دیکھ بھال کرے۔

معاشیات اسلام اور سرمایہ داری نظام کا تقابلی جائزہ

1۔ اسلامی معیشت دنیاوی ضروریات کو اس طرح پورا کرتی ہے کہ اس کے نتیجہ میں دنیوی اور اخروی فلاح بھی حاصل ہوتی ہے۔

1۔ سرمایہ داری نظام میں نفع و نقصان کا دائرہ صرف دنیوی زندگی تک محدود ہے۔ آخرت کی زندگی کو ذاتی تصور کے حوالے کرکے دنیاوی مفادات کے دائرہ سے اسے خارج کر دیا گیا ہے۔

2۔ اسلامی نظام معیشت روح اور بدن دونوں کے حقوق اور ان کی ضروریات کو سامنے رکھتا ہے تاکہ باہمی توازن نہ بگڑنے پائے۔

2۔ سرمایہ داری نظام میں مادی مفاد ہی سے بحث کی جاتی ہے اور اول تا آخر اسی کو سامنے رکھا جاتا ہے۔ روحانیت سے اسے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

3۔ اسلامی معیشت میں اکتساب دولت کی جائز اور حلال صورتوں کے ذریعے ہی اجازت دی گئی ہے۔ غلط طریقوں کو حرام اور ناجائز ٹھہرایا گیا ہے جس کے لئے تعزیر اور تعذیب آخرت کا تصور بھی ملتا ہے۔

سرمایہ داروں کے ہاں دولت کمانے سے غرض ہوتی ہے۔ جائز و ناجائز کا تصور صرف ملکی قانون کے دائرہ تک محدود ہوتا ہے یعنی رشوت لے دے کر کوئی مفاد اٹھا لیا جائے لیکن قانونی گرفت سے وہ پارٹی محفوظ رہے تو ان کی نظر میں ایسی مفاد پرستی میں کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح قانون سے بچنے کیلئے

Marfat.com

	جتنے بھی ہتھکنڈے استعمال کئے جا سکتے ہوں ان کے ہاں انہیں اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں۔
4۔ اسلامی معیشت میں فرد و جماعت کو آزادی ضرور حاصل ہے مگر کچھ پابندیاں بھی ہیں۔	4۔ سرمایہ داری نظام میں بے لگام آزادی دی گئی ہے۔
5۔ اسلامی معیشت میں فرد یا جماعت معاشرے کو نقصان دینے کا ارتکاب کرے تو حکومت مداخلت کر کے روک سکتی ہے۔	5۔ سرمایہ داروں کے ہاں فرد و جماعت کو سب کچھ کر گزرنے کا حق حاصل ہے۔ حکومت دخل اندازی نہیں کر سکتی چاہے معاشرہ کو ایسے لوگوں سے کتنا ہی نقصان کیوں نہ پہنچتا ہو۔
6۔ اسلام میں اکتناز اور ارتکاز دولت کی ممانعت ہے اور خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ گردش میں رہ کر مال و دولت اپنی افادیت سے معاشرے کو فائدہ پہنچائے اور احتکار یعنی مہنگائی کی غرض سے غلہ وغیرہ کو روک رکھنا بھی منع ہے بلکہ فی سبیل اللہ خرچ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔	6۔ ادھر اکتناز و ارتکاز و احتکار وغیرہ کی چھری سے معاشرے کی ضروریات کو ذبح کرنے کی پوری آزادی ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ دولت کمائی جا سکے اور لوگوں کو لوٹا جا سکے اور پھر یہی بچت کی رقوم سود وغیرہ پر دے کر مزید لوٹ مچائی جا سکے۔ خیرات کی بجائے فالتو غلہ ضائع کر دیا جاتا ہے تاکہ نرخوں میں کمی نہ ہو سکے اور مارکیٹ مندے کا شکار نہ ہو۔
7۔ اسلام میں سوداگری پر نفع حاصل کرنا جائز ہے اور سود کی ساری صورتیں حرام قرار دی گئی ہیں۔	7۔ سرمایہ داری نظام کی بنیاد سود پر رکھی گئی ہے۔ ان کے ہاں سودی کاروبار تجارت و معاملات میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔

Marfat.com

8۔ اسلام میں امداد باہمی کا فلسفہ یہ ہے کہ اہل ثروت غرباء و مساکین اور ناداروں کی مفت مدد کریں اگر ایسا ممکن نہ ہو تو ان کو قرض حسنہ دیں اور اگر وہ مقررہ مدت میں ادا کرنے کی سکت نہ رکھتے ہوں تو ان کو مزید مہلت دیتے چلے جائیں حتیٰ کہ وہ آسانی سے ادا کر سکیں اور جو ادا کرنے کے قابل نہ ہو سکیں ان کو قرضہ کی رقم معاف ہی کر دیں۔ اس کا فائدہ دنیا میں احسان شناسی اور عاقبت میں جنت کی صورت میں ملے گا۔

8۔ سرمایہ دارانہ نظام میں امداد باہمی کا تصور یہ ہے کہ پہلے ممبر حضرات گرہ سے رقم جمع کروا کر روپیہ اکٹھا کریں اور پھر اس کے ممبروں کو سود پر (شرح چاہے کم ہی ہو) مہیا کریں۔ واپسی میں جتنی زیادہ تاخیر ہو' وقت کے ساتھ ساتھ سود کی رقم بڑھتی جائے گی۔ مثلاً کسی نے پانچ سو روپیہ 5 فیصد شرح سود سالانہ پر قرض لیا لیکن وہ اسے دس سال تک کسی وجہ سے ادا کرے تو وہ 750 روپے کا مقروض ہو جائے گا۔ معافی یا استحسان کا تصور اس نظام میں بالکل نہیں کیوں کہ عاقبت میں کچھ پانے کی امید نہیں ہوتی۔ نادار کو اس نظام میں کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا کیونکہ گرہ سے روپیہ جمع کروا کر ممبر بننا اولین شرط ہے۔

9۔ اسلامی معیشت میں سال بھر تک جمع شدہ مال و دولت پر ڈھائی فیصد کے حساب سے زکوۃ کی ادائیگی فرض ہے تاکہ زکوۃ کے ذریعے ناداروں اور مستحقین تک روپیہ وغیرہ پہنچ سکے۔

9۔ سرمایہ داری نظام میں روپیہ کو جمع در جمع کی ترغیب دی جاتی ہے پھر اسے سود پر قرض دیا جاتا ہے۔ اس طرح ناداروں کی محنت کی کمائی سود کے ذریعے سرمایہ دار چوس لیتے ہیں اور اصل زر بھی کھرا رہتا ہے۔ اس طرح سرمایہ وقتی طور پر پھیلتا ہے لیکن آخر پھیلانے والوں کی تجوریوں میں واپس آ جاتا ہے۔ معاشرے میں روپے کی قلت بدستور رہتی ہے جو کساد بازاری کی باعث بنتی ہے۔

Marfat.com

اسلامی معیشت اور سوشلزم وغیرہ کا تقابلی جائزہ

1۔ اسلامی معیشت کی بنیاد خدا خوفی اور خدا پرستی پر استوار کی گئی ہے۔	1۔ سوشلزم کی بنیاد خدا کی ہستی سے انکار پر رکھی گئی ہے اور اس نظام میں خدا پرستوں کے مٹانے کا عزم ظاہر کیا گیا ہے۔
2۔ اسلامی معیشت الہامی تعلیمات پر مبنی ہے جو دنیا اور عقبیٰ تک کو محیط ہے۔	2۔ سوشلزم کے قوانین انسانی ذہن کی اختراع ہیں اس لئے ان کا دائرہ دنیاوی مفادات تک کو ہی محیط ہے چونکہ انسانی دماغ کا بھی اپنا ایک دائرہ فکر ہوتا ہے لہذا اس کی ذہنی اور اختراعی پرواز دنیاوی مفادات کی حقیقتوں کا بھی صحیح ادراک نہیں کر سکتی لہذا دنیاوی مفادات کی حد تک بھی یہ نظام نقائص و عیوب سے مبرا نہیں۔
3۔ اسلام میں نجی ملکیت کا حق موجود ہے۔	3۔ سوشلزم میں نجی ملکیت شجر ممنوعہ کا درجہ رکھتی ہے۔
4۔ اسلام میں جائز اور حلال طریقوں سے کمائی ہوئی روزی اور دولت کو مقدس اور بابرکت ہونے کا شرف حاصل ہے۔	4۔ یہاں حلال و حرام کا تصور ناپید ہے اور تقدس و برکت رجعت پسندانہ تصورات کے زمرہ کی چیزیں ہیں۔
5۔ اسلام معاشی طبقات کے درمیان اخوت' محبت' مروت' احسان اور ایثار ایسے جذبات کو فروغ دیتا ہے۔ ایک طرف وہ دولت مندوں کو زکوٰۃ' صدقات اور خیرات پر اکساتا ہے اور دوسری طرف ناداروں کو صبر و شکر' قناعت اور تحمل کا درس دیتا ہے اور بتلاتا ہے کہ معاشی اونچ نیچ دونوں طبقوں کو	

Marfat.com

آزمانے کیلئے اللہ کی طرف سے پیدا کی گئی ہے تاکہ اس امتحان گاہ سے دونوں طبقے سرفراز ہو کر اگلی دنیا میں جائیں اور جو ناکام رہیں وہ سزا پائیں۔

5۔ سوشلزم میں خود ساختہ اخلاقی اصولوں میں وہ بات نہیں جو معاشی طبقات کے اندر اخوت و مروت ایسے جذبات کے فروغ کا باعث ہو۔ بلکہ سوشلزم کی بنیاد ہی طبقاتی جنگ کے فروغ پر استوار کی گئی ہے۔ بظاہر یہ نظام مزدوروں کی حکومت کا تصور دیتا ہے لیکن درحقیقت جو دس فیصد لوگ انتظامیہ کے ارکان بن جاتے ہیں وہ 90 فیصد لوگوں پر ظالمانہ رنگ کی حاکیت قائم کر لیتے ہیں اور ان کو نہ بولنے کی اجازت ہوتی ہے نہ وہ احتجاج کر سکتے ہیں۔

6۔ اسلامی معیشت میں فرد، جماعت، معاشرہ کے حقوق و فرائض میں اعتدال کا درس دیا گیا ہے۔

6۔ سوشلزم میں معاشرہ کے حقوق ہی مدنظر رکھے جاتے ہیں اور فرد سے فرائض کا تقاضا کیا جاتا ہے لیکن اس کی انفرادیت ختم کر دی گئی ہے۔

7۔ اسلام میں فطری مساوات کا نظام اس طرح کارفرما ہے جیسے بدن میں خون ہر رگ و ریشے میں گردش کناں ہوتا ہے اور کوئی حصہ بھی اس سے محرومی کا شکار نہیں رہتا یہاں محروم طبقے کو احتجاج و فریاد کا حق حاصل ہے۔

7۔ سوشلزم کی مساوات غیرفطری ہے۔ دس فیصد انتظامیہ کے وارے نیارے ہوتے ہیں باقی 90 فیصد لوگ درجہ بدرجہ جبر کی چکی تلے پستے رہتے ہیں اور بول بھی نہیں سکتے۔ انہیں فریاد اور احتجاج کا حق بھی حاصل نہیں ہوتا۔

8۔ اسلامی معاشرے میں ہر شخص کو آزادانہ جائز روزی کمانے پر کوئی قدغن نہیں۔

8۔ ادھر کوئی شخص اپنی مرضی سے کسی معاشی میدان میں قدم نہیں رکھ سکتا بلکہ حکومت کی مرضی کے تابع رہنا ہوتا ہے۔

Marfat.com

9۔ اسلام میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کے علاوہ والدین کے حقوق نیز اخلاقی قدروں کی پاسداری پر بھی زور دیا جاتا ہے۔

9۔ سوشلزم میں اخلاقیات نام کی کوئی چیز نہیں۔ بچے حکومت کی ملکیت ہوتے ہیں ان پر ثانوی حق والدین کا ہے۔ چال چلن کی پاکیزگی کا تصور سرے سے موجود ہی نہیں۔

10۔ اسلام میں عورت کا مالی بوجھ رشتہ دار مردوں پر ڈالا گیا ہے اور اخلاقی اقدار کی بالا دستی کا اہتمام کیا گیا ہے۔

10۔ ادھر عورت ہو یا مرد ہر ایک کو اپنا بوجھ خود اٹھانا ہوتا ہے اور معاشی تگ و دو ہی اخلاقیات کی معراج گردانی جاتی ہے چاہے اس سے اخلاقیات کا جنازہ نکل جائے۔

11۔ اسلامی حکومت اللہ کے قانون کے تابع ہوتی ہے۔ حاکمیت اعلیٰ اللہ کی ہوتی ہے اور حکومت نیابت کے فرائض انجام دیتی ہے۔

11۔ یہاں حکومت ہی اول آخر ہے۔ اس کے اختیارات کی کوئی حد نہیں ادھر خدا کا تصور ہی ناپید ہے۔ یہاں زندگی موت تک کے سفر تک محدود ہے اور اس کے بعد فنا کی منزل ہے۔ سزا و جزا کا بھی کوئی تصور نہیں ہے۔

اسلامی معاشیات کی خصوصیات

(1) روزی رسان اللہ کی ذات: اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے۔ گویا سب کی پرورش اور ان کی روزی کی ذمہ داری اللہ نے قبول فرما رکھی ہے۔ (11-6) اس کی ربوبیت کا تقاضا ہر دور میں روبہ عمل آکر رہتا ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر دور کے انسان کو اس کی روزی رسانی کے ذرائع اور مواقع مہیا ہوتے رہے ہیں اور جس قسم کے ذرائع کی ضرورت ہوئی وہ دریافت کر لئے گئے۔ سائنس کا زمانہ آیا تو نئی نئی ایجادات اور ان کو چلانے کیلئے بجلی اور پٹرول ایسی چیزیں عطا ہوئیں۔ فاصلے کم کرنے کی ضرورت پیش آئی تو ہوائی جہاز اور ریڈیو اور ٹیلی ویژن ایسی ایجادات آن حاضر ہوئیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وما من دابہ فی الارض الا علی اللہ رزقھا (پارہ
رکوع 1)

Marfat.com

"اور زمین پر چلنے والی کوئی مخلوق ایسی نہیں جس کے رزق کی ذمہ داری اللہ پر نہ ہو۔"

رزق کیا ہے؟: "رزق" میں صرف کھانے کی چیزیں ہی نہیں آتیں بلکہ ہر طرح کی ضروریات زندگی اس میں شامل ہیں۔ جن سے نفع اٹھایا جائے۔ حتیٰ کہ بارش کو بھی رزق کہتے ہیں اور مقررہ آمدنی کو بھی' غذا اور سامان خورد و نوش کو بھی۔ اسلام میں انسان کی دنیوی نشوونما کا ہی خیال نہیں رکھا جاتا بلکہ قرآن میں اخروی نشوونما کے اسباب و ذرائع کو بھی رزق سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (22-58)

اسلامی معاشیات یا اقتصادیات کا سطح نظریہ ہوتا ہے کہ:

ولو ان اهل القرى امنوا واتقوا لفتحنا عليهم بركات من السماء والارض (اعراف 96)

اور اگر ان بستیوں کے لوگ ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو لازماً ہم ان پر آسمانی اور زمینی برکتوں کے دروازے کھول دیتے (اور لیکن چونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کو غلط مانا تو ان کے اعمال کی سزا میں ہم نے انہیں پکڑا)۔

تو گویا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اللہ کی رحمتوں اور برکتوں کے دروازے کھولنے کا باعث ہوتی ہے پھر اسلام کا مقصد حیات پاکیزگی بھی ہے جسے اس نے حیات طیبہ کا نام دیا ہے اور اس میں مرد اور عورت کی تخصیص نہیں بشرطیکہ وہ مومن ہوں چنانچہ فرمایا:

من عمل صالحا من ذكر او انثى وهو مومن فلنحيينه حيوة طيبه (نحل : 97)

یعنی جو شخص نیک عمل کرے گا' مرد ہو یا عورت اور (شرط یہ ہے کہ) وہ مومن ہو تو ہم اسے (دنیا میں) پاکیزہ اور صاف ستھری زندگی سے زندہ رکھیں گے (اور آخرت میں بھی) لازماً ان کو ان کے اعمال کا نہایت اچھا بدلہ دیں گے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے:

انا لننصر رسلنا و الذين امنوا فى الحيوة الدنيا ويوم يقوم الاشهاد (مومن : 51)

Marfat.com

بیشک ہم اپنے رسولوں کی اور ان پر ایمان لانے والوں کی لازماً دنیا کی زندگی میں بھی مدد کرتے ہیں اور اس دن بھی (ان کی لازماً مدد کریں گے) جس دن گواہ کھڑے ہوں گے۔ (قیامت کے دن)۔

(2) اکتناز کی ممانعت: اہل حق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا دنیا میں بھی رزق کا وعدہ ہے اور آخرت میں بھی اور یہی رزق رسانی معاشیات اور اقتصادیات کی بنیاد ہے اور "رزق" کی تشریح ہم پہلے ہی کر آئے ہیں اور اہل حق کی زندگی دنیا اور عقبیٰ پر مشتمل ہے جبکہ لادین عناصر صرف دنیا کی زندگی کو سامنے رکھ کر معاشیات اور اقتصادیات کی منصوبہ بندی کرتے ہیں اور عاقبت ان کے پیش نظر نہیں ہوتی لہٰذا دنیا کی زندگی میں وہ اگرچہ دولت سمیٹ سمیٹ کر بزعم خویش خوشحالی کی زندگی بسر کر رہے ہوتے ہیں لیکن درحقیقت:

والذین یکنزون الذھب والفضته ولا ینفقو نھا فی سبیل اللہ فبشر ھم بعذاب الیم ○ یوم یحمی علیھا فی نارجھنم فتکوی بھا جباھھم وجنوبھم وظھور ھم ھذا ما کنزتم لا نفسکم فذو قوا ماکنتم تکنزون ○ (توبہ : 34-35)

اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کے محفوظ کر لیتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں (جیسا کہ اس نے حکم دیا ہے) خرچ نہیں کرتے تو (اے نبی ﷺ) آپ ﷺ انہیں دردناک عذاب کا مژدہ سنا دیں (اس دن کے عذاب کا مژدہ) جس دن وہ مال دوزخ کی آگ میں ڈال کر انگارا کیا جائے گا اور پھر اس سے ان (اہل کنوز) کی پیشانیاں اور ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی (اور فرمایا جائے گا) یہ ہے وہ مال جسے تم اپنے لئے جمع کر کر رکھتے تھے۔ سو اب مزہ چکھو ان کرتوتوں کا جو تم نے (اللہ اور رسول کے حکم کے خلاف) اپنی مرضی سے مال و دولت کو جمع کر کے کیں۔"

وہ اپنے لئے ایک عذاب تیار کر رہے ہیں لہٰذا اسلامی معیشت اختیار کرنا نہ صرف مسلمانوں' بلکہ سارے انسانوں کے حق میں بہتر ہے کیونکہ یہ فطری اصولوں کے مطابق ہے۔

(3) زکوٰۃ کی فرضیت: اسلام کے مالی نظام کی دوسری بنیاد زکوٰۃ ہے۔ جو نماز کی طرح

Marfat.com

فرض کی گئی ہے لیکن جس طرح اہل اسلام نماز میں سستی کر جاتے ہیں اسی طرح وہ زکوٰۃ میں بھی تساہل سے کام لیتے ہیں۔ زکوٰۃ کی فرضیت کا اندازہ اور اس کی اہمیت اس واقعہ سے بخوبی واضح ہوتی ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بہت سے قبائل' جو اسلام قبول کر چکے تھے' نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا اور بعض جلیل القدر صحابہ نے بھی حضرت صدیق اکبرؓ کو مشورہ دیا کہ زکوٰۃ کی وصولی کو فی الحال ملتوی کر دیا جائے تو خلیفہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ میں ان کے خلاف جہاد کروں گا۔

زکوٰۃ ایسا نظام ہے جس کی نظیر دنیا کے کسی معاشرے اور مذہب میں نہیں ملتی ہے۔ زکوٰۃ سال بھر تک جمع شدہ مال کی پاکیزگی برقرار رکھنے کا خدائی ٹیکس ہے جو امراء سے وصول کرکے غرباء اور معاشرے کے دیگر محرومین کو دیا جاتا ہے۔ زکوٰۃ ادا کرنے سے صرف دنیوی بھلائی کا مقصد ہی پورا نہیں ہوتا بلکہ اس کی ادائگی فلاح دارین کا باعث بھی بنتی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لئن اقمه الصلوۃ واتیتم الزکوۃ و امنتم برسلی و عزرتموهم و اقرضتم الله قرضا حسنا لا کفرن عنکم سیاتکم ولا دخلنکم جنت تجری من تحتها الانهر فمن کفر بعد ذلک منکم فقد ضل سواء السبیل ○ (مائدہ : 12)

"یعنی اگر تم نماز کے لئے ڈٹو گے اور زکوٰۃ دیتے رہو گے اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ گے اور ان کا ساتھ دو گے اور اللہ کو قرض حسنہ دو گے تو میں تمہارے گناہ دور کر دوں گا اور (مرنے کے بعد) لازماً تمہیں ایسے باغوں میں لے جا داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں تو پھر اس کے بعد جس کسی نے تم میں سے کفر (کا راستہ اختیار) کیا تو گویا وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا۔"

گویا زکوٰۃ کا نظام معیشت نہ صرف دنیا کی فلاح کا ذریعہ ہے بلکہ عاقبت میں کامیاب ...رین زندگی کا مژدہ بھی اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ زکوٰۃ کا حکم پہلے ادوار کے انبیاء کو بھی دیا گیا ...ا۔ مثلاً ابراہیم علیہ السلام کو اسحاق و یعقوب کی پیدائش اور ان کے صالح ہونے کے بیان کے ...د سورۂ انبیاء میں فرمایا:

وجعلنهم ائمته یهدون بامرنا و اوحینا الیهم

Marfat.com

فعل الخیرات و اقام الصلوۃ و ایتاء الزکوۃ وکانوالنا عبدین O (انبیاء : 73)

"اور ہم نے ان کو (دنیا میں) پیشوا بنایا کہ وہ ہمارے حکم کے مطابق ہدایت کرتے تھے اور ہم نے ان کی طرف نیک کام کرنے' نماز کے لئے ڈٹ جانے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم بھیجا اور وہ سب ہمارے عبادت گزار بندے تھے۔"

زکوٰۃ اخلاقی طور پر بھی انسان کے اندر سے بخل' لالچ اور حرص کا جذبہ مٹاتی ہے اور اللہ کے آگے سر تسلیم خم کرنے کا ذریعہ بنتی ہے اور غرباء و مساکین وغیرہ کی اعانت و مدد کا باعث بن کر معاشرے کو خوشحالی کی طرف گامزن کرتی ہے۔

سرمایہ حدیث میں بھی زکوٰۃ کی ادائیگی کا پرزور حکم ہے اور بخل سے کام لے کر مال جمع کرنے والوں کے بارے میں ارشاد رسول ﷺ ہے:

یکون کنز احد کم یوم القیامہ شحاعا اقرع یفرمنہ صاحبہ وھو یطلبہ حتی یلقمہ اصابعہ

(احمد عن ابو ہریرہؓ)

"یعنی حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا خزانہ قیامت کے دن ایک گنجا سانپ بن جائے گا اور اس کا مالک (ڈر کر) اس سے دور بھاگے گا اور وہ (سانپ) اس کو تلاش کرتا پھرے گا حتیٰ کہ اس کو پاکر اس کی انگلیوں کو لقمہ بنائے گا۔

(4) صدقات : معاشرے کے غریب اور نادار طبقوں کی مالی اعانت کی ترغیب قرآن میں اس طرح ملتی ہے:

لن تنالوا البر حتی تنفقوا مماتحبون O (العمران : 92)

"تم نیکی کا مقام ہرگز نہ پا سکو گے جب تک کہ اپنے محبوب اموال میں سے (اللہ کیلئے) خرچ نہ کرو۔"

نیز فرمایا:

و بالوالدین احسانا و بذی القربیٰ والیتمے والمسکین والجار ذی القربی و الجار الجنب

Marfat.com

• والصاحب بالجنب و ابن السبيل وما ملكت ايمانكم (نساء : 36)

(اور اللہ کی بندگی کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ) اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو اور رشتہ داروں' یتیموں اور مسکینوں' رشتہ دار پڑوسی اور اجنبی پڑوسی اور ہم نشین دوست اور مسافر اور اپنے ماتحتوں کے ساتھ (بھی نیک سلوک کرو)۔ نیز ایسے تنگ دست لوگوں کی مدد کا حکم بھی دیا جو بظاہر غنی لگتے ہیں لیکن وہ شرم کے مارے سوال نہیں کرتے۔ (2-273)

قرآن حکیم نے ان لوگوں کی تعریف کی جو اللہ کی محبت میں کسی مسکین' یتیم اور قیدی کو کھانا کھلائیں اور جن کا مقصد صرف اور صرف اللہ کی خوشنودی ہو اور ان لوگوں سے کوئی مفاد وابستہ نہ رکھیں۔ (الدھر: 8-9)

سورہ معارج (24-25) میں اپنے اموال میں سے ایک خاص حصہ سائلوں اور محروم لوگوں کیلئے مختص کرنے والوں کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رہنے کی بشارت دی گئی ہے۔

ریاکاری سے مال خرچ کرنے والوں کی مذمت اس طرح فرمائی ہے:

والذین ینفقون اموالھم رباء الناس ولا یومنون باللہ ولاباليوم الاخر ومن یکن الشیطن لہ قرینا فساء قرینا ○ (نساء : 38)

(اور اللہ ان کو پسند نہیں کرتا) جو اپنے اموال لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتے ہیں اور وہ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے۔ جس شخص کا دوست شیطان ہو تو اس کو بہت ہی برا دوست ملا۔)

قرآن میں صدقات دینے کے بعد احسان جتانے کی بھی سخت ممانعت آئی ہے:

یایھا الذین امنوا لا تبطلوا صدقتکم بالمن والاذی (بقرہ : 264)

"اے اہل ایمان ! اپنے صدقات کو احسان جتلا جتلا کر اور اذیت دے دے کر ضائع نہ کر ڈالو۔"

اور جس صدقہ کے پیچھے احسان جتلانے اور اذیت دینے کا عمل ہو اس کو سرے سے نہ دینے کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ (بقرہ 267) اور پھر یہ بھی حکم دیا کہ حلال اور پاکیزہ مال میں

Marfat.com

سے خرچ کرو گے تو مقبول ہوگا۔ (ایضاً)

(5) سود: جدید معاشیات کی بنیاد سود پر استوار کی گئی ہے لیکن اسلامی معاشیات میں سود کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ (2۔275) سود پر ادھار وہ رقم دی جاتی ہے جو پس انداز کی گئی ہو۔ غیر مسلم اقوام سود پر ہی معیشت کی بنیاد استوار کرتی ہیں حتیٰ کہ آج کے دور میں اکثر مسلم حکومتیں بھی سود کے ذریعے ہی اپنا روزمرہ کاروبار چلا رہی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سود کی رقم بڑھتے بڑھتے کثیر حجم اختیار کر جاتی ہے اور پھر وہ وقت بھی آتا ہے جب قرض دینے والے ممالک اپنی من مانی شرائط مسلط کرکے قرض لینے والی اسلامی حکومتوں کو بلیک میل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

قرآن حکیم قیامت تک کے لئے ضابطہ حیات ہے اور اس میں سود کی بری طرح مذمت کی گئی ہے۔ چنانچہ فرمایا:

(1) وما اتیتم من ربا لیربوا فی اموال الناس فلایربوا عندالله وما اتیتم من زکوۃ تریدون وجه الله فالئک هم المضعفون ○ (روم: 39)

"اور جو تم سود دیتے ہو تاکہ لوگوں کے مال میں افزائش ہو تو اللہ کے نزدیک اس میں افزائش نہیں ہوتی اور وہ جو رقم زکوٰۃ میں دیتے ہو تو وہ اللہ کی خوشنودی کے لئے دیتے ہو (لہٰذا ادا شدہ زکوٰۃ والا مال بڑھتا ہے) اور ایسے ہی لوگ درحقیقت اللہ کی بارگاہ میں دو چند سہ چند (کئی گنا) پائیں گے۔"

(3) یمحق الله الربوا ویربی الصدقات (بقرہ: 276)

اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔

(6) سود حرام ہوگیا: قرآن میں سود خوروں کی حالت کا نقشہ اس طرح کھینچا گیا اور پھر سود کو حرام قرار دے دیا گیا۔

(3) الذین یاکلون الربوا لایقومون الا کما یقوم الذی یتخبطه الشیطن من المس ذالک بانهم قالوا انما البیع مثل الربوا واحل الله البیع وحرم الربوا (بقرہ: 275)

"یعنی جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قبروں سے) اس طرح حواس باختہ اٹھیں گے جیسے کسی کو جن نے لپٹ کر دیوانہ بنا دیا ہو یہ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ خرید و فروخت کا منافع بھی تو ویسا ہی ہے جیسے سود لینا۔ اور (نکتے کی بات اس میں یہ ہے کہ) خرید و فروخت کے

Marfat.com

منافع کو اللہ تعالیٰ نے حلال کر دیا ہوا ہے اور سود کو حرام ٹھہرایا ہے۔"

(4) پھر فرمایا کہ اے اسلام قبول کر لینے والو : لا تاکلو الربوا اضعافا مضعفہ واتقوا اللہ لعلکم تفلحون O (العمران : 130) مت کھاؤ سود دونے پر دونا۔ اور اللہ سے ڈرو تاکہ تمہارا دو جہانوں میں بھلا ہو۔ (یہ حکم ان مسلمانوں کے لئے تھا جو سود کی حرمت سے قبل اپنا روپیہ بہت زیادہ شرح سود پر دیتے تھے۔ ان کو تقویٰ کا درس دے کر فلاح دارین کی امید دلائی گئی ہے۔)

(5) آخر وہ وقت بھی آیا کہ مسلمانوں کو سود کی وصولی سے قطعاً روک دیا گیا اور جو پہلے سے وصول کر کے کھا چکے تھے اس کی واپسی کو معاف کر دیا گیا پھر جو کوئی اس حکم پر عملدرآمد سے کنی کترائے اس کے ساتھ اعلان جنگ کر دیا گیا چنانچہ فرمایا :

یایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وذروا مابقی من الربوا ان کنتم مومنین O فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ و رسولہ وان تبتم فلکم رئوس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون O (بقرہ : 279-278)

"اے اسلام قبول کر لینے والو اللہ کا ڈر مانو اور (لوگوں پر واجب) بقیہ سود (بالکل) چھوڑ دو (ہرگز وصول نہ کرنا) اگر تم دل سے سچے مسلمان (ہونے کے مدعی) ہو۔ تو پھر اگر تم ایسا نہیں کرتے ہو تو پھر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ کے لئے ہوشیار ہو جاؤ اور اگر توبہ کر لو گے تو تمہیں اصل زر لینے کا حق ہوگا نہ تم کسی کو نقصان پہنچاؤ اور نہ کوئی تمہیں نقصان پہنچائے۔"

ربا کی وضاحت : ربوا کا مادہ ربا' یربوا زیادہ ہونا' بڑھنا' پھولنا' سبزہ وغیرہ بڑھنا اور پھولنا ربت کہلاتا ہے۔ (5-22) اربی زیادہ کثیر مال و دولت میں زیادہ بڑھا ہوا ربوہ زمین کا بلند حصہ---- وغیرہ۔

تو ربا وہ رقم ہے جو اصل زر پر زیادہ وصول کی جائے لیکن تجارت میں مال لگا کر بھی زیادہ رقم حاصل ہو جاتی ہے تو کیا وہ بھی ربا ہے؟ تو قرآن میں اس کا جواب یہ آیا کہ اللہ تعالیٰ خرید و فروخت پر منافع کو حلال قرار دیتا ہے (کیونکہ اس پر نقصان کا بھی احتمال ہوتا ہے) لیکن سود کو حرام کہا کیونکہ اس میں نقصان کی ذمہ داری مقروض پر ڈال دی جاتی ہے۔ بیع میں محنتانہ کبھی پھل لاتا ہے اور کبھی نقصان اٹھانا پڑتا ہے لہذا وہ جائز ٹھہرایا گیا۔ سود میں نفع ہی نفع ہے چاہے

Marfat.com

مقروض کو نقصان ہی اٹھانا پڑے تو چونکہ اس طرح مقروض اپنی ناداری اور مجبوری کی وجہ سے معاشرہ میں خسارہ تلے دب جاتا ہے اور سودی نظام میں اس طرح کا مسلسل دباؤ ایسے لوگوں کو تنگ دست' محتاج اور مفلوک الحال بنا دیتا ہے اور قرض دینے والا طبقہ مسلسل فائدے میں رہتا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لئے نافذ' اپنے قانون قدرت (قرآن) میں اس صورت حال کو حرام قرار دے دیا۔ اس کی حرمت کے پیچھے کا اخلاق رزیلہ کی نشوونما اور ان کے تباہ کن اثرات کا فلسفہ بھی کارفرما ہے جو قرض دینے والے طبقات میں بخل' خودغرضی' شقاوت' بے رحمی' زر پرستی' اکتناز اور ارتکاز دولت ایسے قابل مذمت اوصاف پیدا کرنے کا موجب بنتا ہے چنانچہ حجتہ الوداع کے موقع پر حضور علیہ السلام نے اپنے چچا حضرت عباسؓ (جو ایک بڑے کامیاب ساہوکار اور مہاجن تھے) کا سب کا سب سود ساقط فرما دیا حتیٰ کہ سود لینے اور دینے والے اور اس کی کتابت کرنے والے اور گواہ سب پر آپ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے۔

پس مندرجہ بالا آیات قرآنی اور دیگر تصریحات کی روشنی میں ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ اسلامی معیشت کے نظام میں سود کی کوئی گنجائش نہیں خواہ اس کی کوئی شکل ہو۔ یہ الگ بات ہے کہ حکومتی سطح پر قرض حسنہ کی ترغیب اور ترویج کا انتظام نہ ہونے کی بنا پر ہمارے عوام اس نظام میں بین الاقوامی نظام معاشیات کے حوالے سے بھی برے طرح جکڑے ہوئے ہیں اور اس طرح غریب عوام مزید غربت اور ناداری کی طرف بڑھتے جا رہے ہیں اور فائدہ اٹھانے والا طبقہ ارتکاز و اکتناز کی طرف رواں دواں ہے کیونکہ حسنات کی ترویج و ترغیب کا نظام مفلوج کرکے رکھ دیا گیا ہے یا یہ خودبخود ہماری شامت اعمال کے باعث تباہ ہو کر رہ گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری دستگیری فرمائے آمین۔

(7) مکارم اخلاق: اسلامی معاشیات صرف مال و دولت اور روپے پیسے کے گرد طواف نہیں کرتی بلکہ اس کا محور اخلاقیات کے اعلیٰ اصول ہیں جو اچھے انسانی معاشرے اور کسی بھی اچھی حکومت یا ریاست کی اساس ہوتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے اپنی بعثت کا مقصد یہ بیان فرمایا:

بعثت لاتم مکارم الاخلاق

(یعنی میں اخلاق کی تکمیل کے لئے آیا ہوں۔)

انسان کے اندر اچھی صفات اور اچھے اخلاق ہوں تو وہ معاشرے میں بھی عزت و توقیر پاتا ہے اور اللہ کے ہاں بھی اس کی عزت ہے۔ اچھے اخلاق باہمی ہمدردی اور دستگیری سکھاتے ہیں۔

ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے

Marfat.com

آتے ہیں جو کام دوسروں کے

اگر ہر چیز اور ہر عمل کی قیمت وصول کر لی جائے تو کسی کا کسی پر کوئی احسان نہیں رہتا احسان نیکی کی بنیاد ہے۔ دنیا کے عارضی فائدہ کے بجائے عاقبت کا خوف رکھنے اور عاقبت کے دائمی مفاد کے لئے جب کوئی عمل کیا جائے گا تو اہل ایمان کو اس کا ضرور اجر ملے گا۔ اسلامی اخلاق کی بنیاد یہ ہے کہ ایک مسلمان کے لئے دوسرے مسلمان کی عزت' مال اور آبرو پر قبضہ جائز نہیں۔ انسانی فلاح کے کاموں میں بے لوث خدمات احترام انسانیت سکھاتی ہیں۔ اسلام نے انسان کو باعزت مقام عطا کیا اور فرمایا ولقد کرمنا بنی آدم یعنی ہم نے بنی آدم کو معزز کیا۔

اور حلال اور حرام کی تمیز اجاگر کی جس سے ہر شخص کو اپنی حدود کا علم ہو گیا۔ اسی طرح جائز اور ناجائز کی نشاندہی سے اچھائی اور برائی کا تعین ہو جاتا ہے چنانچہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اپنے اہل و عیال کے لئے حلال کمائی سے رزق حاصل کرو کیونکہ یہ اللہ کی راہ میں جہاد کی طرح ہے۔

(8) اعتدال پسندی: اسلام فرد سے لے کر معاشرہ تک کو جو ضابطہ اخلاق سکھاتا ہے اس میں اعتدال کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ کھانے پینے کا معاملہ بالکل ذاتی نوعیت کا ہوتا ہے لیکن یہاں بھی حکم ہے:

(1) کلوا واشربوا ولا تسرفوا (7-31) یعنی کھاؤ اور پیو لیکن فضول اور بے جا نہ اڑاؤ اور ضائع نہ کرو۔

(2) پیسہ دھیلا خرچ کرنے کا معاملہ درپیش ہو تو یہاں بھی تبذیر سے منع فرمایا گیا ہے اور بتلایا گیا ہے:

ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین (بنی اسرائیل : 27)
بیشک مال کو فضول اڑانے والے شیطان کے بھائی ہیں۔
حتیٰ کہ خیرات کا معاملہ ہو تو بھی تبذیر سے منع فرمایا گیا:
وات ذا القربی حقه والمسکین وابن السبیل ولا تبذر تبذیرا O (بنی اسرائیل : 26)
"اور رشتہ داروں' محتاجوں اور مسافروں کو ان کا حق ادا کرو اور فضول خرچی میں مال نہ اڑاؤ۔"
سورہ فرقان میں اپنے خاص بندوں کی یہ نشانی بیان فرمائی گئی:
والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین

Marfat.com

ذلک قواما O (25-27)

"اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو وہ بے جا نہیں اڑاتے اور نہ کنجوسی کرتے ہیں بلکہ اس کے درمیان میں اعتدال کے ساتھ چلتے ہیں۔"

پھر مسرفین سے اظہار بیزاری فرمایا: انہ لایحب المسرفین (7-31)

بیشک اللہ تعالیٰ اہل اسراف کو پسند نہیں کرتا۔

آخر مسرفین کو دوزخ کی وعید بھی سنائی دی گئی:

وان المسرفین ھم اصحاب النار (40-43)

"بیشک اسراف کرنے والے حضرات دوزخی ہیں۔"

پھر اعتدال کی راہ اختیار کرنے کا حکم ہوا:

اعدلوا ھو اقرب للتقوی واتقواللہ (مائدہ : 8)

عدل و اعتدال کو اختیار کرو یہی پرہیزگاری کی بات ہے اور اللہ کی مقرر کردہ حدود پھلانگنے سے بچتے رہو۔

(9) خیانت سے بچنا: خیانت بھی ایسی برائی ہے جو انسان کو اس کے مرتبہ سے گرا دیتی ہے چنانچہ خیانت کرنے والوں سے اظہار بیزاری اس طرح فرمایا گیا ہے:

ان اللہ لا یحب الخائنین (انفال : 58)

بیشک اللہ تعالیٰ خیانت کاروں کو بالکل پسند نہیں کرتا۔

پھر ان کی ہر منصوبہ سازی پر سعی لاحاصل کی مہر ثبت کرتے ہوئے فرمایا گیا:

ان اللہ لایھدی کید الخائنین (یوسف : 52)

بیشک اللہ تعالیٰ خیانت کاروں کی منصوبہ سازی کو صحیح انجام سے آشنا نہیں کرتا۔

پس جس کاروبار کی بنیاد خیانت پر رکھی جائے وہ کبھی نہیں پنپ سکے گا اور جو ایسے کاروبار بظاہر ہمیں بڑے رواں دواں اور شاداب نظر آتے ہیں ان کی مثال ایسے ہے جیسے چراغ کی بتی کو تیل ختم ہونے پر اونچا کر دیا گیا ہو اور آخر آہستہ آہستہ ساری بتی جل کر خاکستر ہو جائے گی۔

(10) تقسیم میراث: اسلام کسی شخص کی وفات کے بعد اس کی جائیداد اور مال و دولت کو اس کے ورثاء میں تقسیم کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اس میں عورتوں اور مردوں کے' رشتوں کے لحاظ سے مختلف حیثیتوں کو سامنے رکھ کر حصص مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ دولت

Marfat.com

معاشرے میں مختلف لوگوں کے ہاتھ لگ کر اپنا پیداواری عمل جاری رکھتے ہوئے مفید ثابت ہو۔ یہ اصول توریث کے خلف اکبر (Primo Geniture) اور مشترکہ خاندانی جائیداد (Joint Family System) اور ایسے ہی دوسرے طریقوں کے برعکس ہے جن کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ مرکز شدہ دولت مرنے والے کے بعد بھی مرکز ہی رہے۔ اسلامی وراثت کی تفصیل قرآن میں موجود ہے لیکن رشتہ داروں کے علاوہ ایک تہائی جائیداد کی وصیت کرنے کا حق بھی صاحب جائیداد کو دیا گیا۔ چاہے وہ رشتہ داروں کے حق میں ہو یا کسی اور کے۔ اس کے علاوہ تقسیم میراث کے وقت اگر کچھ اور لوگ (جن کا میراث پر کوئی حق ہو یا نہ ہو) آموجود ہوں تو ان کی خاطر تواضع کرنے کا حکم بھی دیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

> واذا حضر القسمه اولو القربی والیتمی والمسکین فارزقواهم منه وقولوا لهم قولا معروفا O (نساء : 8)
>
> "اور جب (میراث کی) تقسیم کے موقع پر رشتہ دار (ان میں میراث میں سے حصہ پانے والے اور دور کے رشتہ دار جن کو کچھ نہ ملے سبھی شامل ہیں) اور یتیم اور مسکین لوگ آ جائیں تو ان کو اس میں سے کھانا وغیرہ کھلا دو اور ان سے اچھا برتاؤ کرو۔"

چنانچہ ہمارے ہاں چہلم وغیرہ کے موقع پر عموماً یہ اہتمام دیکھنے میں آتا ہے جب کہ کسی سربراہ کی وفات پر کسی کو سربراہی کے لئے بھی چنا جاتا ہے اور اسے پگڑی بندھائی جاتی ہے تو حاضرین کو کھانا وغیرہ کھلا کر بطریق احسن رخصت کیا جاتا ہے۔

(11) ملکیت زمین کا مسئلہ: وراثت میں زرعی زمین اور شہری املاک کی تقسیم کا بھی حکم دیا گیا ہے اور جو شخص کسی کی زمین کو بددیانتی سے ہتھیا لے اس کو آخرت میں سخت عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ زمین کی تقسیم سے یہ غیر منقولہ دولت بیٹوں کے علاوہ بیٹیوں وغیرہ کو بھی ملتی ہے۔ اس طرح دولت کا ارتکاز انتشار پذیر ہو کر معاشرے کی بہبودی کا سبب بنتا ہے۔ بعض دیگر مذاہب میں لڑکی کو جائیداد سے کچھ نہیں ملتا بلکہ اسے عموماً شادی کے وقت جہیز دے کر ہی گویا اس کا حق ادا کرنے کی سعی کو حتمی سمجھا جاتا ہے اور بعض تو عورتوں کو حق ملکیت دیتے ہی نہیں لیکن اسلام نے عورت کو حق ملکیت بھی دیا اور وراثت میں اس کو حصہ دار بھی بنایا جس کی تفصیل قرآن حکیم' احادیث اور فقہ کی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔

(12) غنائم جنگ اور اموال مفتوحہ کی تقسیم: جنگ جیتنے کی صورت میں جو مال غنیمت

Marfat.com

فوجوں کے ہاتھ لگے اس کے پانچ حصے کئے جاتے ہیں۔ چار حصے فوج میں تقسیم کر دینے کا حکم ہے اور ایک حصہ مشترکہ قومی مصالح کے لئے مختص فرما دیا گیا ہے۔

واعلموا انما غنمتم من شی فان لله خمسه وللرسول ولذی القربی والیتمی والمسکین وابن السبیل (انفال : 41)

"جان لو کہ جو کچھ تمہیں غنیمت میں ہاتھ آئے اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول اور رسول اللہ کے رشتہ داروں' یتیموں' مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔"

(زکوٰۃ میں رسول اللہ کے رشتہ داروں کا حصہ نہیں ہوتا لہٰذا غنائم سے ان کے لئے حصہ مقرر کر دیا گیا)۔

(13) ناجائز ذرائع سے کمانے کی ممانعت : اسلامی معیشت میں کمانے کے حلال اور جائز ذرائع کو فروغ دیا جاتا ہے اور غلط ذرائع سے منع کیا جاتا ہے۔ مثلاً قرآن میں فرمایا:

حرام خوری نہ کرو:

ولاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل وتدلوابها الی الحکام لتاکلوا فریقا من اموال الناس بالاثم وانتم تعلمون (بقرہ : 188)

"اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ اس کو (رشوت کے طور پر) حاکموں کے پاس پہنچاؤ تاکہ اس طرح تم لوگوں کے مال کا کچھ حصہ ناجائز طور پر کھا جاؤ اور یہ کہ تمہیں سب پتہ بھی ہو۔"

خیانت نہ کرو:

"اور یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ نبی ﷺ خیانت کرے اور جو شخص بھی خیانت کرے گا وہ قیامت کے دن خیانت کردہ مال کے ساتھ حاضر کیا جائے گا پھر سب کو کئے کا بدلہ ضرور ملے گا اور ان کے ساتھ بے انصافی نہیں ہوگی۔" (آل عمران : 161)

چوری نہ کرو:

والسارق والسارقه فاقطعوا ایدیهما جزاء

Marfat.com

بما کسبا (مائدہ : 38)

"اور جو چوری کرے مرد ہو یا عورت ان کے ہاتھ کاٹ ڈالو ان کی بد عملی کی پاداش میں۔"

یتیم کا مال نہ کھاؤ :

ان الذین یاکلون اموال الیتمی ظلما انما یاکلون فی بطونھم نارا وسیصلون سعیرا (نساء : 10)

"بیشک جو لوگ یتیموں کا مال ناجائز طور پر کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ آگ سے بھرتے ہیں اور جلد ہی وہ دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔"

ناپ تول میں کمی کرکے مال نہ بناؤ :

ویل للمطففین ○ الذین اذا اکتالوا علی الناس یستوفون ○ واذا کالوھم اووزنوھم یخسرون ○ (83- 1 تا 3)

"خرابی ہے ناپ اور تول میں ڈنڈی مارنے والوں کے لئے جو لوگوں سے ناپ کر لیں تو پورا لیں اور جب ان کو ناپ یا تول کر دیں تو کم دیں۔"

اسی طرح شراب سازی بت گری و بت فروشی' جوا اور لاٹری وغیرہ کے ذریعے مال کمانے کو عمل شیطان کہہ کر ان سے اجتناب کا حکم دیا گیا ہے۔ (مائدہ : 90)

حرف آخر : اسلام کا معاشی نظام ایسا ہے کہ اس کو ہم اسلام کے دوسرے شعبہ ہائے زندگی سے بالکل الگ کرکے نہ چلا سکتے نہ اس سے وہ فوائد اٹھا سکتے ہیں جو اس نظام کا مقصود ہیں کیونکہ اسلام کا ہر شعبہ ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح منسلک ہے کہ ایک کو دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ دنیا کے ساتھ آخرت کا تعلق ہے' ایمان کے ساتھ یقین و عمل کا تعلق' محنت کے ساتھ سرمایہ اور دیانتدارانہ تنظیم اور حسن اخلاق اور حسن معاشرت کا تعلق ہے غرض کس کس شعبہ کو لیں۔ آج کل طب میں سپیشلسٹ حضرات کی بڑی دھوم ہے لیکن وہ اگر ڈاکٹری کے سارے شعبوں سے کماحقہ واقف نہ ہوں گے تو مریض کبھی شفایاب نہ ہوسکے گا کیونکہ بدن کے اعضاء کا ایک دوسرے کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ اسی طرح اسلامی معاشیات کو اسلام کے پورے نظام سے الگ کرکے دیکھنا اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرنا بالکل فائدہ نہیں دے سکتا بلکہ الٹا نقصان ہونے کا امکان ہے۔ اسی لئے خالق کائنات نے قرآن حکیم میں مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ

Marfat.com

ادخلوا فی السلم کافہ (بقرہ : 208)

"یعنی اے مسلمانو ! تم اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے پیچھے نہ چلو۔ بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشی تعلیمات کا ہلکا سا عکس : قرآن کے بعد حدیث کا ذخیرہ آسمانی علم کا بہترین مخزن ہے۔ کیونکہ یہ سرمایہ اس نبی امی کے فرمودات پر مشتمل ہے جس کے منجانب اللہ ہونے کی شہادت قرآن نے دی ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ کے بارے میں فرمایا :

ماینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی یعنی آپ ﷺ کی ہر بات وحی کے مطابق ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ کے ارشادات کا مفہوم درج ذیل ہے :

فرمایا صبح کی نماز سے فارغ ہو کر اپنے رزق کی تلاش میں مصروف ہو جاؤ اور نیند کا نام نہ لو۔ نیز حلال معاش کی تلاش اور یافت عین عبادت ہے۔

فرمایا رشوت لینے والا اور رشوت دینے والا دونوں جہنمی ہیں۔

فرمایا بھوکے کی پرورش اور قیدی کی رہائی تمہارے ذمہ ہے۔ (بخاری عن ابو موسیٰ اشعری)

فرمایا مزدور سے اجرت طے کرتے وقت اس کی رضامندی بھی حاصل کی جائے۔ (جبراً کام نہ لیا جائے۔) (بیہقی)

فرمایا جس کے پاس زائد سواری ہو وہ پیدل کو دے دے اور جس کے پاس ضرورت سے زیادہ کھانا یا لباس ہو وہ بھی کسی مستحق کو دے دے۔

فرمایا مال حرام میں سے صدقات مقبول نہیں نہ ایسا مال خود کسی کے لئے باعث برکت ہے اور مال حرام کا ترکہ اسے کمانے والے کے حق میں دوزخ کا سامان بن جاتا ہے۔

فرمایا کسی کو عطیہ دینے کے بعد اسے واپس لینا ایسا ہے جیسے قے کرکے اسے کھایا جائے۔

فرمایا اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے یہ بات رکھی کہ وہ میرے لئے مکہ کی وادی کو سونے سے بھر دے تو میں نے عرض کیا یا اللہ میں اپنے لئے یہ نہیں چاہتا بلکہ مجھے تو یہ پسند ہے کہ بھوک لگے تو تجھے یاد کروں اور گڑگڑا کر سوال کروں اور جب تو عطا کر دے تو پیٹ بھر کر شکر و حمد کروں۔ (ترمذی عن ابو امامہ)

فرمایا آدمی کے دین کو عزت و عظمت کی ہوس و حرص ان بھوکے بھیڑیوں سے بھی زیادہ تباہ کرتی ہے جو بکریوں کے گلے میں چھوڑ دیئے گئے ہوں۔ (ترمذی)

Marfat.com

معاشی اصولوں میں جرم و گناہ کا تصور : اسلام نے جو معاشی اصول مقرر کیئے ہیں استطاعت رکھتے ہوئے عمل نہ کرنا گناہ ہے لیکن حکومت کے قانون کی خلاف ورزی پر گناہ کی بجائے جرم کا اطلاق ہوتا ہے۔ مثلاً زکوٰۃ کی عدم ادائیگی گناہ ہے لیکن سیلز ٹیکس ادا نہ کرنا جرم ہے۔ جرم کی سزا کا تعلق دنیا تک محدود ہے جبکہ گناہ کا ارتکاب دنیا اور آخرت دونوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔

لیکن ایک اسلامی حکومت میں جائز اور قرآن و سنت کے مطابق بنائے گئے غیر ظالمانہ قوانین پر عمل نہ کرنا گناہ بھی ہے اور جرم بھی۔ لہٰذا ان پر جرم کی سزا پانے کے بعد بدنیتی اور بددیانتی کے ذریعے کوئی مزید مفاد اٹھانے کی سزا آخرت میں بھی ملے گی جو کسی وجہ سے جرم کی نوعیت متعین کرتے وقت حقائق چھپانے کی وجہ سے سزا میں کمی کا باعث ہوئی ہو اور اس پر دلیل ہے قرآن حکیم کا یہ ارشاد عالیہ :

فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ○ ومن یعمل
مثقال ذرۃ شرا یرہ ○

"یعنی جو کوئی ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ بھی اسے وہاں دیکھ لے گا اور جو ذرہ برابر بدی کرے گا وہ بھی اسے قیامت کے دن نظر آجائے گی۔"

تقویٰ اور اسلامی معاشیات : معاشیات ہو یا زندگی کا کوئی اور شعبہ اسلام اسلامی اور ملکی قوانین کے دائرہ کار کا احترام ملحوظ رکھنے کے علاوہ ہر لحظہ تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین بھی کرتا ہے۔ مثلاً ایک شخص لاکھوں کا مالک ہے لیکن ناداروں کی تعداد اس قدر ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد بھی وہ جان و تن کا رشتہ قائم رکھنے سے قاصر ہیں تو ایسے میں اس مالدار شخص کو محض زکات کی ادائیگی کے بعد مطمئن ہو کر نہیں بیٹھ جانا چاہیئے بلکہ اللہ سے ڈرتے ہوئے اپنی ضروریات سے زیادہ مال قل العفو کے تحت ان پر مزید بھی خرچ کر دینا چاہیئے اگر وہ ایسا نہ کرے گا تو شرعی لحاظ سے اس پر گرفت تو نہیں ہو سکتی لیکن تقویٰ اختیار نہ کرنے کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کے درجہ سے ضرور گر جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ اہل تقویٰ کو محبوب رکھتا ہے۔

اسلامی معاشیات کے ہمہ گیر اثرات : اگر اسلام کے معاشی اصولوں کو اجتماعی طور پر دیانت داری کے ساتھ اختیار کر لیا جائے تو کوئی شخص بھی معاشی بدحالی کا شکار نہ رہے گا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام کے سنہری زمانے میں کوئی زکوٰۃ لینے والا نہ ملتا تھا اور لوگوں کی غیرت ایمانی کا یہ عالم تھا کہ بقول اقبالؒ

کہ منعم کو گدا کے ڈر سے بخشش کا نہ تھا یارا

Marfat.com

اسلامی اصولوں کے نفاذ سے عدالت اجتماعیہ کا حصول ممکن ہوتا ہے۔ اس نظام میں انسانی شخصیت کی نشوونما ایک باوقار ماحول میں ہونے کی ضمانت میسر آتی ہے۔ فرد اور جماعت کے اندر ایک خوشگوار رابطہ اور ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے۔

اسلامی معیشت میں زکوٰۃ کے فوائد

زکوٰۃ کے بے شمار فوائد میں سے چند فوائد درج ذیل ہیں:

(1) معاشی بدحالی کا علاج: اسلام نے نظام زکوٰۃ کے ذریعے غریبوں' مفلسوں اور محتاجوں کی امداد کا مستقل انتظام کر دیا ہے اس سے بھکاری پن جیسے مرض کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ ہو جاتا ہے اور معاشرے میں معاشی خوشحالی کی مکمل فضا پیدا ہو جاتی ہے۔

(2) تزکیہ نفس: زکوٰۃ کی ادائیگی امراء کے دلوں کو پاک اور صاف کرتی ہے۔ ان کو خودغرضی بخل اور غرور و تکبر جیسی بیماریوں سے نجات دلاتی ہے ان میں ایثار و ہمدردی اور رحمت کے اعلیٰ جذبات پیدا کرتی ہے گویا اس طرح تزکیہ نفس اور صفات حسنہ کی نشوونما ہوتی ہے۔

(3) صحت مند افرادی قوت کی فراہمی: کسی ملک کی ترقی کا انحصار مال و دولت اور اسلحہ پر نہیں ہوتا بلکہ صحت مند انسانوں پر ہوتا ہے۔ غربت و افلاس سے ہزاروں آدمی تعلیم و تربیت سے محروم ہو سکتے ہیں مگر اسلام نے زکوٰۃ کے ذریعے قوم کی افرادی قوت کو مضبوط اور مستحکم کر دیا ہے۔

(4) بداخلاقی کا خاتمہ: جہاں غربت' افلاس اور بھوک بڑھ رہی ہو غریبوں محتاجوں اور ناداروں کی امداد کا کوئی انتظام نہ ہو وہاں جسمانی اور روحانی صحت دگرگوں اور اخلاق تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔ لوٹ مار اور چوری کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔ اسلام نے زکوٰۃ کا نظام جاری کر کے پوری نوع انسانی پر ایک عظیم احسان کیا ہے اور لوگوں کو اخلاقی پستی سے نکال کر اخلاق حسنہ کے جلیل القدر مقام پر لا کھڑا کرتا ہے۔

(5) اجر عظیم کا ذریعہ: زکوٰۃ ادا کرنے والوں کے لئے خدا تعالیٰ نے اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے۔ ان کے لئے آخرت میں ابدی نعمتیں ہوں گی جن سے وہ لطف اندوز ہوں گے۔ چنانچہ قرآن کریم میں خدا تعالیٰ نے فرمایا:

> "جو لوگ ایمان لے آئیں اور نیک عمل کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں ان کا اجر بلاشبہ ان کے رب کے پاس ہے اور ان کے لئے نہ کوئی

Marfat.com

خوف ہے اور نہ کسی رنج کا موقع ہے۔" (البقرہ : 277)

زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کا انجام: زکوٰۃ فریضہ ہے کہ جس کی عدم ادائیگی سے ابدی زندگی ناکام اور ہولناک ہو سکتی ہے۔ جس کی تصویر کا اندازہ درج ذیل آیات کریمہ سے ہو سکتا ہے۔

"اور جو لوگ سونا چاندی جمع کر رکھتے ہیں اور انہیں خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خبر سنا دو۔ ایک دن آئے گا کہ اسی سونے چاندی پر جہنم کی آگ دہکائی جائے گی اور پھر اسی سے ان لوگوں کی پیشانیوں' پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے لئے جمع کر رکھا تھا لو اب اپنی سمیٹی ہوئی دولت کا مزہ چکھو۔" (التوبہ : 34-35)

زکوٰۃ کے مصارف

قرآن حکیم میں سورۂ توبہ آیت 40 میں زکوٰۃ کے مندرجہ ذیل آٹھ مصارف مقرر کئے گئے ہیں:

1۔ **فقراء:** وہ لوگ جن کے پاس مال اپنی ضروریات کے لئے ناکافی ہو تنگدستی میں گزارا کرتے ہوں۔

2۔ **مساکین:** وہ لوگ جو اپنی حاجت بھر مال نہیں پاتے نہ لوگوں سے مانگتے ہیں گویا ایک شریف غریب آدمی۔

3۔ **عاملین زکوٰۃ:** وہ لوگ جنہیں حکومت زکوٰۃ کی وصولی کے لئے مقرر کرے۔ اس میں ان سے ان کو تنخواہ دے۔

4۔ **مولفتہ القلوب:** ایسے نومسلم جنہیں اسلام کی طرف مائل کرنا ہو اور مالی طور پر کمزور ہوں۔

5۔ **غلاموں کی آزادی:** غلامی سے رہائی دلانے کے لئے زکوٰۃ کا مال خرچ کیا جا سکتا ہے۔

6۔ قرض دار کا قرض زکوٰۃ سے مدد دیکر اتار جا سکتا ہے۔

7۔ مسافر کی مدد کی جا سکتی ہے۔

Marfat.com

8۔ دعوت دین کے مصارف میں استعمال ہو سکتی ہے۔

(بشکریہ اسلامی فلسفہ حیات از ایس ایم شاہد صفحہ 162 مطبوعہ نیو بک پیلس لاہور)

حلال و حرام : اسلامی معاشیات میں حلال و حرام کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ مختلف ادوار میں انبیاء کرام نے مختلف پیشے اختیار کئے۔ البتہ جن کاموں سے حرام کی روزی حاصل ہو ان کے انتخاب سے منع فرمایا ہے۔ مثلاً جوا' قحبہ گری اور سود وغیرہ۔

قدر محنت : محنت کے بغیر کوئی کام یا کاروبار سرانجام نہیں دیا جا سکتا۔ محنت سے ایک طرف تو اقتصادی اشیاء وجود میں آتی ہیں تو دوسری طرف محنت کنندہ کے معاشی حالات بہتر ہوتے ہیں اگرچہ رزق اللہ کے ہاتھ میں ہے تاہم محنت کرنا ضروری ہے۔ محنت جسمانی بھی ہو سکتی ہے اور ذہنی بھی۔ مزدور کی محنت کا معاوضہ اسے فوراً ادا کرنا چاہئے۔ حدیث میں ہے کہ مزدور کی اجرت اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو۔ بہترین اجیر وہ ہے جو طاقتور بھی ہو اور امانت دار بھی۔

قانون شفعہ : ایک طرح سے جائیداد کا تحفظ ہے تاکہ کوئی حصہ دار نہ بن جائے۔ عام طور پر یہ قانون غیرمنقولہ جائیداد پر لاگو ہوتا ہے۔ اگر ایک فریق اپنا حصہ کسی غیر متعلقہ شخص کے ہاتھ فروخت کر دے تو دوسرے فریق کو شفعہ کرنے کا حق ہے۔ لیکن جب حدود مقرر ہو جائیں اور ہر ایک کا حصہ علیحدہ ہو جائے تو پھر شفعہ باقی نہیں رہتا۔ شفعہ کے معاملے میں پڑوسی کا حق دوسرے لوگوں پر فائق ہے۔

منافع : اسلام میں اس بات کی مکمل اجازت ہے کہ سرمایہ دار اپنے مال کو تجارتی' صنعتی اور زراعتی کاروبار میں لگانے کے علاوہ اپنی منقولہ اور غیرمنقولہ جائیداد کو کرایہ پر دے کر منافع حاصل کر سکتا ہے۔ البتہ منافع کا تعین نہیں کیا گیا تاہم ضروری ہے کہ بنی نوع انسان کی مجبوری کو مدنظر رکھتے ہوئے حد سے زیادہ منافع نہ لیا جائے۔

اسلامی حکومت کے ذرائع آمدنی

(1) زکوٰۃ : زکوٰۃ ہر صاحب نصاب پر ڈھائی فیصد سالانہ شرح کے حساب سے فرض ہے۔ زکوٰۃ کے معنی پاکیزگی اور نمو کے ہیں۔ اسی کی ادائیگی سے نہ صرف مال میں پاکیزگی پیدا ہوتی ہے بلکہ مال میں برکت بھی پڑتی ہے۔ حکومت زکوٰۃ کے ذریعے حاصل کردہ روپیہ عوام الناس کی بھلائی اور فلاح و بہبود کے لئے خرچ کرتی ہے لیکن انفرادی طور پر بھی مستحقین کو دی جا سکتی ہے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی اسی طرح فرض ہے جس طرح روزانہ پانچ وقت نماز فرض ہے اور قصداً اس کو ادا نہ

Marfat.com

کرنے والا اسلام کے دائرے سے خارج ہے۔ اس سلسلے میں ہمیں قرآن پاک میں جگہ جگہ واضح آیات ملتی ہیں۔

"یقیناً جن لوگوں نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی ان کے لئے ان کے رب کے پاس بہترین اجر ہے۔"

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ:

"اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور تم جو نیکی اپنے لئے آگے بھیجو گے اسے اللہ کے ہاں پاؤ گے۔ بے شک تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اسے دیکھتا ہے۔" (البقرہ: 43)

(2) عشر: مسلمانوں کی مملوکہ اراضی کے ایک بڑے حصے کی سالانہ مال گزاری عشر کہلاتی ہے۔ عشر کا مقررہ حصہ زمینی پیداوار ہی سے لیا جاتا ہے۔ بارانی زمین سے پیداوار کا دسواں اور چاہی زمین سے پیداوار کا بیسواں حصہ وصول کیا جاتا ہے۔ اس ذریعہ سے حاصل کی ہوئی رقم بھی حکومت غرباء میں تقسیم کرتی ہے۔

(3) عشور: مسلمان جب اپنا مال تجارت ایران اور روم لے کر جاتے تو سرحد پر ان سے کسٹم ڈیوٹی وصول کی جاتی' لیکن اسلامی ریاست ایسا کوئی محصول نہ لیتی تھی جس کی وجہ سے مسلمان خسارے میں رہتے تھے۔ جب حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو آپؓ نے حکم دیا کہ نہ صرف غیر مسلم بلکہ جو مسلمان اور ذمی بھی دارالحرب اور دارالاسلام میں تجارتی غرض سے آئے اس سے یہ محصول لیا جائے۔ بشرطیکہ یہ مال دو سو درہم یا بیس مثقال قیمت سے کم نہ ہو۔ اس طرح مسلمانوں کے مال تجارت سے چالیسواں' ذمی کے مال تجارت سے بیسواں اور حربی کے مال تجارت سے دسواں حصہ لیا جاتا تھا۔

(4) خراج: جو علاقے اسلامی حکومت کے قبضہ میں آ جائیں اور وہاں کے غیر مسلموں سے صلح ہوگئی ہو تو وہ لوگ ذمی کہلاتے ہیں اور ان کی زمین خراجی کہلاتی ہے۔ اسلامی حکومت یہ زمین انہیں کے قبضہ میں رکھتے ہوئے ان سے خراج وصول کرتی تھی جو ایک قسم کا محصول ہوا کرتا تھا لیکن آج کل ایسا شاذ ہی ہوتا ہے۔

(5) جزیہ: اسلامی مملکت کی امان میں رہنے والے غیر مسلم اس امان کے بدلے جو معاوضہ ادا کرتے ہیں اسے جزیہ کہا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ان سے کسی قسم کا دوسرا ذاتی یا مذہبی ٹیکس نہیں لیا جاتا اور نہ ہی ان سے فوجی خدمات لی جاتی ہیں۔

Marfat.com

(6) صدقات و خیرات : صدقہ و خیرات فرض نہیں بلکہ نوافل میں شمار ہے اور اس کا اجر
ثواب بہت زیادہ ہے۔ خیرات انفرادی اور اجتماعی دونوں طریقوں سے دی جا سکتی ہے۔ اس
لئے کوئی خاص حد مقرر نہیں بلکہ اپنی ضرورت سے زائد کوئی بھی چیز ہو اسے ضرورت مند
دے دینا کار ثواب ہے۔ اگر معاشرے کے ہر فرد میں یہ جذبہ اجاگر ہو جائے تو پھر کوئی بھوکا
اور بیکار نہیں رہ سکتا۔

(7) مال غنیمت : مال غنیمت وہ سازو سامان ہوتا ہے جو اسلامی حکومت کو دشمن کے ساتھ
جنگ کے دوران حاصل ہوا ہو۔ قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے کہ مال غنیمت کے پانچ حصے کئے
جائیں۔ چار حصے فوج پر ان کی حوصلہ افزائی کی خاطر اور پانچواں حصہ عوام الناس کی فلاح و بہبود
کے لئے خرچ کیا جائے۔ مال غنیمت میں رسول ﷺ خدا کے رشتہ داروں کا حصہ بھی
کیونکہ وہ زکوٰۃ سے مستثنٰی ہوتے ہیں۔

(8) فئے : فئے وہ مال ہے جو بغیر لشکر کشی کے اسلامی حکومت کے ہاتھ آیا ہو۔ مثلاً دفینہ
لاوارث مال، گری پڑی اشیاء اور وہ مال جو دشمن ملک کے باشندوں کی جائیداد تھا لیکن جنگ کی
وجہ سے اسلامی مملکت نے اسے اپنے قبضہ میں لے لیا۔ اس طرح حاصل شدہ مال بیت المال میں
جمع کر کے فلاحی مقاصد پر خرچ کیا جاتا ہے۔

(9) خمس : مال غنیمت کی تقسیم اور رکاز، دفینہ اور کانوں سے نکلے ہوئے سونے یا چاندی سے
نفع حاصل کرنے سے پہلے ان میں سے پانچواں حصہ نکال کر بیت المال میں جمع کرانا ضروری ہے
تاکہ اسے مستحقین میں تقسیم کیا جائے۔

(10) اوقاف : اوقاف اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا بہترین وسیلہ ہے۔ اسلام اہل ثروت کے
اجتماعی حقوق سے تغافل کو دور کرنے اور اخلاق حسنہ کی روح پیدا کرنے کے لئے بار بار توجہ دلاتا
ہے کہ آدمی موت آنے سے پہلے اپنی زائد پونجی کا ایک حصہ صدقہ جاریہ کے طور پر وقف کر
دے تاکہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں میں شمار ہو۔ صحابہ کرام نے اس کا بہترین عملی مظاہرہ کیا
جس سے اسلامی مملکت کو بڑا فائدہ پہنچتا تھا۔

(11) اموال فاضلہ : دیگر تمام اقسام کی آمدنیوں کے علاوہ جو بھی متفرق وصولیاں بیت المال کی
ملک قرار دی جائیں انہیں اموال فاضلہ کہا جاتا ہے۔ مثلاً کوئی ذمی یا مسلمان انتقال کر جائے اور
اس کا مال لاوارث ہو تو اسے بیت المال میں جمع کرا دیا جاتا ہے۔ اسی طرح جب کوئی ذمی بغاوت
کر کے یا کوئی مسلمان مرتد ہو کر دارالحرب سے فرار ہو جائے تو ان کا سارا مال ضبط ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

(12) نوائب و ضرائب : زمانہ جنگ' قحط سالی' طغیانی' دیگر ناگہانی آفات سے پیدا شدہ مسائل کو حل کرنے کے لئے زکوٰۃ اور صدقات کے علاوہ جو ٹیکس اہل ثروت پر لگائے جاتے ہیں انہیں نوائب و ضرائب کہا جاتا ہے۔ تاہم اسلامی نظام معیشت میں جتنے بھی محصول وصول کئے جاتے ہیں ان کا مقصد صرف اور صرف مفاد عامہ ہوتا ہے۔

(13) کراء الارض : ایسی سرکاری زمین جس پر نہ عشر لیا جاتا ہو اور نہ ہی خراج بلکہ حکومت اس زمین کو سالانہ اجرت پر کاشت کے لئے دے دے اس سے حاصل شدہ محصول کرا الارض کہلاتا ہے۔ یہ عام طور پر ایسی زمین ہوتی ہے جو لاوارث ہو یا لشکر کشی کے بعد مسلمانوں کے لئے وقف کر کے اجیروں کو اجرت پر دی جائے۔

(14) معدنی ذخائر : قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ :

"اور زمین میں برکت رکھی اور چاروں طرف اس کے اندر ایک خاص انداز سے خوراکیں رکھ دیں جن سے ضرورت مند اپنی ضرورت کے مطابق فائدہ اٹھائیں گے۔"

اس سے پتہ چلتا ہے کہ زمین میں جتنے بھی معدنی ذخائر ہیں ان پر کسی شخص کا انفرادی قبضہ نہیں ہو سکتا ہے۔ یہ تمام قوم کی ملکیت ہوتے ہیں۔ اسلامی ریاست ان ذخائر سے حاصل شدہ آمدنی کو افراد مملکت کی بہتری کے لئے ان کی ضروریات کے مطابق خرچ کر سکتی ہے۔

(15) متفرق ذرائع : مندرجہ بالا ذرائع آمدنی کے علاوہ اسلامی مملکت مزید وسائل اور ذرائع پیدا کر سکتی ہے۔ آمدنی کے ذرائع زمانے کے تقاضوں کے مطابق پیدا ہوتے رہتے ہیں لہٰذا ان سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسلامی مملکت کو مضبوط و مستحکم بنایا جا سکتا ہے۔

انفرادی و قومی ملکیت

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ :

"زمین اللہ کی ملکیت ہے وہ جس کو چاہتا ہے اس کا حق انتفاع دیتا ہے۔"

قرآنی نقطہ نظر سے انفرادی یا قومی ملکیت بے معنی ہے۔ ہر چیز کا مالک اللہ تعالیٰ ہے البتہ ارضی وسائل و ذرائع رزق پر انسان کو حق انتفاع حاصل ہو سکتا ہے۔ اس کیلئے قرآن کی مقرر کردہ حدود کا پابند ہونا ضروری ہے اور ان حدود و قیود کا نفاذ اسلامی حکومت کے ذمہ ہے۔ ذیل میں چند ایک حدود کا ذکر کیا جاتا ہے :

Marfat.com

(1) اگر کوئی شخص ذرائع و وسائل رزق سے خود انتفاع نہ کرنا چاہے تو یہ حق کسی دوسرے کو بالمعاوضہ یا بلامعاوضہ دینا ہوگا لیکن کسی صورت میں یہ حق انتفاع کرایہ یعنی سود پر نہیں دیا جا سکتا۔

(2) ذرائع و وسائل رزق سے حاصل شدہ کمائی کو خرچ کرنے کا مجاز وہی شخص ہے جس نے انہیں استعمال کرکے کچھ پیدا کیا ہو۔

(3) ہر شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی کمائی کو اپنے اوپر' اپنے بیوی بچوں پر' والدین اور رشتہ داروں پر خرچ کرے اور ممکن حد تک ضرورت مندوں اور معذوروں کو بھی دے۔

(4) کمائی ایک خاص حد سے بڑھ جائے تو اس پر زکوٰۃ دے۔

(5) اپنے رشتہ داروں اور ضرورت مندوں کے اخراجات کے بعد اگر کچھ رقم بچ جائے تو قومی و ملی منصوبوں اور سکیموں پر خرچ کرنے کے لئے حکومت کے حوالے کر دے۔

(6) کمائی خرچ کرتے وقت بخل اور اسراف کی بجائے اعتدال سے کام لے۔

(7) مفاد عامہ سے تعلق رکھنے والی چیزوں (معدنی ذخائر' پانی' بجلی' صنعتیں) کے حق انتفاع کو حکومت خود استعمال کرے۔

(8) اسلامی حکومت یا افراد ضرورت مندوں کو ان کی ضرورت کے مطابق دیں۔

(9) • اسلامی حکومت کی مقرر کردہ معاشی حدود کی پابندی ہر شہری پر لازم ہے۔

(10) ہر شخص ایسی تمام قیود کو متعلقہ عدالت کے ذریعے غیرقانونی قرار دلوا سکتا ہے جو قرآنی ارشادات کے خلاف ہوں۔

پیدائش کے عوامل اور محنت: سرمایہ داری نظام کے تحت پیدائش کے چار عوامل ہیں یعنی زمین' دولت' محنت اور تنظیم۔ ہر عامل باعث پیدائش ہے۔ زمین سے لگان دولت سے سود' محنت سے اجرت اور تنظیم سے منافع حاصل ہوتا ہے لیکن اسلام کے نزدیک حقیقی عامل پیدائش صرف ایک ہی ہے اور وہ ہے محنت' تنظیم بھی محنت ہی کی دوسری شکل ہے۔ زمین اور دولت چونکہ جامد اشیاء ہیں لہٰذا محنت کے بغیر ان سے کچھ بھی پیدا نہیں کیا جا سکتا۔ محنت کے بغیر کوئی چیز بھی حاصل کی جائے قرآنی احکام کے مطابق وہ حرام ہے۔

ضرورت سے زائد: سورۃ بقرہ کی آیت نمبر 219 کے مطابق اگر کسی شخص کے پاس اپنی ضروریات سے زائد وسائل و ذرائع رزق ہیں تو ضروری ہے کہ اسے اللہ کی راہ میں خرچ کر دے۔

Marfat.com

زراعت : زمین اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ انسان صرف اس پر محنت کرکے اس سے رزق حاصل کر سکتا ہے۔ زمین کی پیداوار کا اصل مستحق صرف وہی شخص ہو سکتا ہے جو اس پر بذات خود کاشت کرے لیکن اگر زمین بٹائی پر دی جائے تو کل پیداوار کا 5۔2 حصہ زمیندار کا اور 5۔3 حصہ کاشتکار کا ہوگا۔

تجارت و صنعت : قرآنی تعلیمات کے مطابق معیشت کے وہ تمام ذرائع ممنوع ہیں جو ظلم و زیادتی اور دوسروں کی حق تلفی پر مبنی ہوں اور تجارتی لین دین میں دیانت داری و خدا ترسی کو مقدم رکھا گیا ہے۔ اسلام نے تجارت کے چند ایک اصول بتائے ہیں جو درج ذیل ہیں :

(1) تجارت کی بنیاد باہمی رضامندی پر ہونی چاہئے۔

(2) درست ناپ تول تجارتی دیانت داری کا اہم پہلو ہے۔

(3) ناجائز اور حرام اشیاء کی تجارت ممنوع ہے۔

(4) ایسے تمام ذرائع (سٹہ' جوا' لاٹری) تجارت ناجائز ہیں جن سے بغیر محنت کئے دولت حاصل ہو۔

(5) تاجر کو اعلیٰ اخلاقی کردار کا حامل ہونا چاہئے۔

(6) ذخیرہ اندوزی اسلام میں حرام ہے۔

بنکنگ : اسلامی حکومت میں بنکنگ کی کوئی پرائیوٹ حیثیت نہیں ہے بلکہ بنک حکومت کا خزانہ ہوتا ہے جس کے فرائض حسب ذیل ہیں :

(1) بنک کا اہم ترین فرض یہ ہے کہ وہ تجارت کرنے والوں کو بلاسود سرمایہ فراہم کرے۔

(2) تجارتی سہولتیں فراہم کرنا بنک کی ذمہ داری ہے۔

(3) کارکنان کی تنخواہیں اور ضرورت مندوں کے وظائف و امداد حکومت کا ایجنٹ بنک میں جمع شدہ زکوٰۃ اور ٹیکسوں کی رقم میں سے ادا کرے گا۔

(4) دوسرے ممالک میں کوئی فرد یا حکومت لین دین یا تجارت سود کی بنیاد پر نہ کرے۔

اسلامی معاشیات کو بھی دوسرے شعبوں کے ساتھ حد درجہ ارتباط حاصل ہے کیونکہ اسلامی نظام حیات وحدت کا متقاضی ہے لہذا جس طرح بدن کا ایک حصہ دوسرے کے ساتھ جڑا ہوا ہے اسی طرح اسلام کے مختلف پہلوؤں کا ایک دوسرے سے گہرا تعلق ہے اور دنیا کے ساتھ ساتھ عاقبت بھی اس میں شامل ہے۔

(شکریہ و بحوالہ اسلامی فلسفہ حیات صفحہ 400 تا 407 از ایس ایم شاہد مطبوعہ نیو بک پیلس لاہور)

Marfat.com

اسلام کا اخلاقی نظام

(1) اخلاقیات کا مفہوم اور مختلف اخلاقی نظریات

(2) اسلامی فکر

(3) بنیادی اقدار

(4) ایمان و اخلاق کا تعلق

(5) فضائل اخلاق

(6) رذائل اخلاق

Marfat.com

اسلام کی اخلاقی تعلیمات

اخلاقیات کی تعریف

مختلف اخلاقی نظریات اور ان کا مختصر جائزہ

اسلام کی اخلاقی تعلیمات اور ان کی خصوصیات

تمہید

خُلُقٌ کا مادہ خ ل ق ہے۔ جس کے بنیادی معنی ہیں (1) کسی چیز کا اندازہ کرنا (2) کسی چیز کا (استعمال کے بعد) ہموار اور چکنا ہو جانا۔ (اسی بنا پر پرانی چیز کو خَلَقٌ کہتے ہیں کیونکہ گھس گھس کر اس کا کھردرا پن اور رواں زائل ہو جاتا ہے) (ابن فارس) (3) کسی چیز کو بنانے یا کاٹنے کے لئے ماپنا۔ یا اندازہ لگانا یا اس کے تناسب وتوازن کو دیکھنا (4) کسی چیز کو کسی دوسری چیز کے مطابق بنانا یا ڈھالنا۔ کسی چیز کو نرم، چکنا اور ہموار کرنا (تاج العروس۔لین lane)

رَجُلٌ تَامُ الْخَلْقِ اس شخص کو کہتے ہیں جس کی ساخت میں اعتدال ہو جو تناسب اور بناوٹ کے اعتبار سے مکمل اور سڈول ہو۔ خَلِیْقٌ کے بھی یہی معنی ہیں خُلُقَةٌ کے معنی ہیں چکنا پن۔ ہمواری برابر ہونا۔ بَدَعَ اور فَطَرَ کے معنی ہوتے ہیں کسی چیز کو عدم سے وجود میں لانا۔ پہلی بار پیدا کرنا اور ایسی چیز بنانا جس کا پہلے کوئی وجود یا نمونہ نہ ہو۔ جبکہ خَلَقَ کے معنی ہیں۔ مختلف عناصر کو نئی نئی ترکیبیں دے کر مختلف چیزیں پیدا کرتے چلے جانا۔ تو اخلاق کے معنی یہ ہوئے کہ انسان کی طبیعت میں ایک اصلاح اور اعتدال وتوازن کا وجود جو نرمی کے وقت نرمی اور سختی کے وقت سختی کا حامل ہو۔ اور اگر کسی کا سبھاؤ ہر طرح سے مناسب، متوازن اور مکمل ہو گا تو یہ اچھا اخلاق ہو گا اور اس کے برعکس ہو گا تو برا اخلاق ہو گا۔

قرآن کریم میں حضرت محمد مصطفیٰ ؐ کو فرمایا گیا: وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ

Marfat.com

(4:68) "یعنی آپ یقیناً خلق عظیم کے مالک ہیں (یعنی اخلاق عالیہ کے بلند ترین مرتبہ پر فائز ہیں)

خلق کے معانی میں اعتدال' توازن اور تناسب اور نرمی اور چکنا پن بھی لازمی ہوتے ہیں۔ اور یہ اوصاف شرف انسانیت کی دلیل ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ کی ذات گرامی میں یہ اوصاف بدرجہ اتم موجود تھے۔ اور قرآن حکیم نے مومن کی جو صفات بیان کی ہیں وہی صحیح معنوں میں اخلاق صحیحہ کی آئینہ دار ہیں۔ اور ان صفات کا بلند ترین مظہر ہمارے رسول مقبول کی ذات ستودہ صفات ہے۔ جو نوع انسانی کے لئے عموماً اور اہل ایمان کے لئے خصوصاً زندگی کو بہترین سانچے میں ڈھالنے کا بہترین اور حسین ترین نمونہ ہے اور حضور کی سیرت واخلاق کا یہ نمونہ قرآن حکیم اور احادیث شریفہ میں محفوظ ہے۔

اخلاق کی قسمیں

گویا اخلاق انسانی عادات وخصائل کا نام ہے جو منجھ کر پختہ شکل اختیار کر لیں۔ اخلاق کی دو قسمیں ہیں (1) اخلاق حسنہ اچھے اخلاق اور سبھاؤ کو کہتے ہیں۔ (2) اخلاق سیئہ۔ برے سبھاؤ کو۔ دوسرے لفظوں میں انسان کے فضائل' اخلاق حسنہ اور رذائل' اخلاق سیئہ کی نمائندگی کرتے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حضور کے اخلاق عالیہ کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا ((کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآن)) (احمد۔ مسلم۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ دارمی) اور ابن جریر نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول تھوڑے سے لفظی اختلاف کے ساتھ متعدد اسناد سے نقل کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ نے دنیا کو قرآن حکیم عطا ہی نہیں کیا۔ بلکہ قرآنی تعلیم وتربیت کے مطابق خود اس کا بہترین نمونہ بن کر بھی دکھایا۔ اس کے نہی وامر پر آپ نے خود بدرجہ اولیٰ عمل فرمایا۔ چنانچہ قرآنی اخلاق کے فضائل سے آپ کی ذات سب سے بڑھ کر متصف تھی۔ اور ناپسندیدہ اخلاق سے آپ سب سے بڑھ کر مجتنب اور پاک تھے۔

اسلامی اخلاقیات

تو اس بناء پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی اخلاقیات کی بنیاد قرآن کی تعلیمات پر قائم کی

Marfat.com

بھی ہے۔ رسول اللہ ؐ کا اسوہ حسنہ ہمارے لئے روشنی اور اخلاقی رہنمائی کا بہترین مینار معیار ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ ؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ نے کسی خادم کو کبھی نہ مارا۔ نہ کبھی کسی عورت پر ہاتھ اٹھایا اور سوائے جہاد کے نہ کبھی کسی پر حملہ کیا۔ کسی سے ذاتی انتقام بھی کبھی نہ لیا بلکہ ہمیشہ اَلحُبُّ لِلّٰہِ اور اَلْبُغْضُ لِلّٰہِ کی سچی تصویر پیش کی۔ بردباری اور طبع کی حلیمی کا یہ عالم تھا کہ حضرت انس دس سال تک حضورؐ کی خدمت میں بطور خادم رہے۔ لیکن اس طویل عرصہ میں آپؐ نے ان کو بھی نہ جھڑکا نہ اف کہا اگر کچھ خلاف طبع صادر ہو بھی گیا تو آپ نے کبھی یہ نہ کہا کہ یہ کیوں یا کیوں نہ کیا بلکہ ہمیشہ شفقت و عفو و کرم نوازی سے پیش آئے (بخاری و مسلم)

علم اخلاقیات

یہ علم انسان کے سامنے اچھائیوں اور برائیوں کو وضاحت سے پیش کرتا ہے تاکہ وہ نیکی اور بدی کو جاننے کے بعد نیکی کا راستہ اپنانے کی سعی کرے اور بدی سے بچنے کی قوت پیدا کرے۔

یہ علم نیکی کے فضائل اجاگر کرتا ہے اور بدی کے چہرے سے پردہ ہٹا کر اس کے بھیانک نتائج سے آگاہ کرتا ہے تاکہ انسان کو اس سے نفرت ہو جائے اور وہ اس سے بچنے کی سعی کرے اس علم کا تعلق نفسانی عوارض سے ہے۔ انسان کو جو نفسانی بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں۔ ان میں سے کچھ تو ورثے میں ملتی ہیں کچھ انسان اپنے ماحول سے حاصل کرتا ہے اور کچھ بیماریوں میں وہ خود اپنی نفسانی خواہشوں کو عملی جامہ پہناتے وقت مبتلا ہو جاتا ہے۔ یہ نفسانی بیماریاں انسانی رذائل ہیں جو اس سے فضیلت کی دستار چھین لیتی ہیں۔ اخلاق رذیلہ انسان کو انسانی مرتبے سے گرا دیتے ہیں۔ چنانچہ انسان کو اچھے برے کی تمیز سکھلانے کے بعد اس کو اخلاق حسنہ کی طرف مائل کرنا علم اخلاقیات کا مقصد و مدعا ہے۔

اخلاق سے متعلق مختلف نظریات

یونان میں سقراط سے پہلے سوفسطائیوں (450 ق م تا 400 ق م) نے نظریہ اخلاق کو فلسفہ کے قالب میں ڈھال کر پیش کیا۔ جن کو سقراط نے اپنے انداز میں بحث کے

Marfat.com

ذریعے بڑی وسعت دی۔ سوفسطائیوں کے مطابق خیر وشر کا پیمانہ اور معیار ہر انسان کی اپنی ذات ہے۔ جبکہ سقراط کا نظریہ یہ تھا کہ انسان کو سوچنا چاہیے کہ اس کی زندگی کے کردار وعمل کی بنیاد کیا ہے۔ اسی بنا پر کہا جاتا ہے کہ سقراط نے فلسفے کو آسمان سے زمین پر اتارا اور سوفسطائیوں کے انتشار پھیلانے والے نظریے کی بجائے اجتماعی مفاد کی بات کی۔ سقراط کے شاگرد افلاطون (427 ق م تا 347 ق م) نے مادی نظریہ اخلاق کے مقابلے میں مثالی عالم کے نظریے کو بھی اجاگر کیا۔ اس کے نزدیک عام مادی عالم کے پرلے سرے پر ایک عالم مثال بھی ہے۔ افلاطون نے انسانی فضائل کی بنیاد چار باتوں پر رکھی ہے۔

(1) حکمت (2) شجاعت (3) عفت (4) عدل

افلاطون کے نزدیک یہ چاروں اوصاف ایسے ہیں جن کے ذریعے انسان اگر چاہے تو خیر یعنی بھلائی کو حاصل کر سکتا ہے۔ عرب مصنفین نے بھی افلاطون کے بارے میں بہت کچھ لکھا۔ محمد زکریا رازی نے بھی اس کو اپنا مقتدا مان کر بعض امور میں اس کی پیروی کا دعوی کیا ہے اور بعض عرب تحریریں افلاطون کے بارے میں توہمات سے بھری ہوئی بھی ملتی ہیں۔ تاہم افلاطون کے بیان کردہ مندرجہ بالا اصول بڑی اہمیت کے حامل سمجھے جاتے ہیں۔ اور یہ اوصاف واقعی انسانی فضائل میں شمار ہوتے ہیں۔

افلاطون کے بعد اس کے شاگرد ارسطو (384 ق م تا 322 ق م) نے انسان کے فضائل کی بنیاد اعتدال اور میانہ روی کو قرار دیا اور کہا کہ انسانی فضیلت افراط و تفریط کا درمیانی راستہ ہے۔ اس نے علم الاخلاق کے متعلق ایک کتاب بھی تحریر کی۔ اس کے بعد یونان میں اور کئی جماعتیں پیدا ہو گئیں جنہوں نے فلسفہ اخلاق کو آگے بڑھایا۔ ان میں رواقیین اور ابیقورئین نے فلسفہ کو عملی صورت میں ڈھالنے کی کوشش کی۔

یونانی فلسفہ اخلاق کی رو سے اس عالم میں ایک "خیر برتر" موجود ہے۔ جس کی تلاش میں انسان سرگردان رہتا ہے۔ اس "خیر برتر" کو یونانیوں کے نزدیک ایک نہایت شاندار "مقصد" بھی کہا جاتا ہے جسے انسان صرف اور صرف عمل کے ذریعے حاصل کر سکتا ہے۔

Marfat.com

عیسائیت اور اخلاق

تیسری صدی عیسوی میں عیسائیت کو فروغ ملا تو انہوں نے اخلاق کو مذہب سے منسلک قرار دے کر اس کا سلسلہ تورات' زبور اور انجیل کے بیان کردہ اخلاقی اصولوں سے جوڑ دیا اور اخلاقیات کا معیار یہ ٹھہرا کہ جو اعتقاد و عمل اللہ کی خوشنودی کا باعث ہو وہ اخلاق حسنہ ہے۔ اور جو اس کی ناراضگی اور غضب کو دعوت دے وہ اخلاق رذیلہ ہے۔ یہی معیار خیر و شر قرار پایا۔

یونانیوں کا فلسفہ اخلاق

یونانیوں کے فلسفہ اخلاق کی رو سے عمل خیر کی بنیاد حکمت و معرفت پر ہے۔ جبکہ مسیحیوں کا کہنا تھا کہ اس کا اصل محرک اللہ پر ایمان لانا اور اس سے محبت کرنا ہے۔ یہ نظریہ پیغمبروں کی تعلیم پر مبنی ہے۔ یونانی فلسفہ اخلاق میں انسان کو بنیادی طور پر طبعاً شریر گردانا گیا ہے۔ نیز یونانیوں کے ایک بڑے حصے کی رائے یہ تھی کہ اگر عدل واعتدال اور عدالت کو ہی اخلاق کی بنیادی قدر مانا جائے تو یہ ناقابل عمل ہے کیونکہ یہ قانون فطرت کے خلاف ہے۔ انسانی فطرت کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص اپنے ہی مفاد کو پیش نظر رکھے۔ اپنی ہی راحت کے لئے کوشاں رہے تو ایسی صورت میں عدالت کا معیار کون قائم کرے گا کیونکہ مشاہدہ یہی بتاتا ہے کہ عدالت کی قدر صرف طاقتوروں کے حق میں استعمال ہوتی ہے۔ لہٰذا عدل کے اجتماعی قوانین بن ہی نہیں سکتے۔ یونانیوں کے نزدیک عدالت کا معیار حکما (حکیم کی جمع) حضرات قائم کرتے ہیں جبکہ عوام اس سے آشنا نہیں۔ تو پھر عدالت کا کام عقل کے سپرد کیا جاسکتا ہے لیکن عقل بھی مصلحت کوش اور خود غرض واقع ہوئی ہے لہٰذا عقل بھی معیار عدالت کی قوت محاکمہ یا قوت قائمہ نہیں بن سکتی۔

تاہم سقراط اور اس کے ساتھی اخلاق فاضلہ کے شدت کے ساتھ قائل تھے اور اخلاق کو متوازن معاشرے کی بنیاد قرار دیتے تھے لیکن اخلاق کا معیار وہ بھی عقل ہی کو سمجھتے تھے۔ جس کا فیصلہ دوسرے یونانی حکما کے نزدیک مشکوک تھا۔ یونانی اخلاق میں ہمسائے سے محبت یا جور و جفا کا سلوک روا رکھنا زیادہ اہم نہ تھا۔ نیز اجتماعی مفاد کا منتہی دنیا

Marfat.com

وعقلی کی بجائے محض سیاسی مصلحتوں کے اصولوں پر مبنی تھا۔ [1] یونانیوں کے نزدیک احسان۔ صلہ رحمی' ایثار اور دوسروں کی خاطر ضبط نفس ایسی اقدار جو ایثار کی بنیاد پر قائم ہیں غیر عقلی افعال ہیں اور اگر ان کو عقل تسلیم کر بھی لیا جائے تو عبث ہیں کیونکہ افلاطون اپنی جمہوریہ میں عقل کو انسان کی خود غرضی کا پاسدار گردانتا ہے (P-105 • 201 Garnett) کسی کی خاطر جان کی بازی لگانا اور اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر دوسروں کی بھلائی چاہنا بھی یونانی فلسفہ اخلاق میں کچھ معنی نہ رکھتا تھا کیونکہ ان کے نزدیک سوال یہ تھا کہ آخر کوئی شخص ایسا فعل کیوں انجام دے گا؟ جبکہ اس کی اپنی جان ہی خطرے سے دو چار ہو جائے گی اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے یونانی فلسفہ اخلاق مادی' مادہ پرستی' دنیوی مفاد اور سیاسی مصالح کے گرد ہی گھومتا ہے انسانی خود غرضی کو اس کی طبیعت کی لازمی قدر اور اس کا جزو قرار دے کر سقراط اور اس کے رفقاء نے عدالت کا قانون وضع کیا۔ لیکن اس کے لئے عقل و مصلحت کو معیار ٹھہرایا جو خود انہیں کے نزدیک نامکمل اور جانبدار ہے۔

یونانیوں کے نزدیک معاشرتی بہبود ریاست (State) کے تابع ہوتی ہے۔ جس میں آزادی اور اختیار کا پہلو غائب ہو جاتا ہے۔ لہٰذا یونانیوں کے اخلاقی تصور کی دنیا میں "فرد" کی دنیا تنگ و تاریک تھی۔

یہ درست ہے کہ افلاطون کے نزدیک عقل ہمیشہ خیر کا تقاضہ کرتی ہے۔ لیکن اس کی رائے میں سارے عقلمند حضرات یکساں طور پر خیر نہیں ہو سکتے۔ تو اس طرح افلاطون کے نزدیک اقتدار پر حکما کا حق ہے یا انتظامیہ کے طور پر چند تربیت یافتہ افراد کا اور عوام اور غلاموں کے لئے اقتدار کی دنیا میں محکومیت کے سوا کوئی مقام نہیں لیکن ارسطو نے عقل پر بہت زور دیا۔ اور اس کی ہمہ گیر فرمانروائی سے راحت کے لابدی نتائج کی نفی کی کیونکہ اس کے نزدیک جذبات واحساسات اپنی مستقل حیثیت رکھتے ہیں اور ان کی مناسب تہذیب و تربیت کے بغیر عقل کے بے اثر ہو جانے کا امکان واحتمال ہے۔

(1) Ethics ----Acritical introduction by -- A Camp Bell Garnett. 19960)
(U.S.A Edetion

Marfat.com

یونانی قوانین کی بنیادی خاصیت یہ ہوتی ہے کہ یہ انسانوں کے گھڑے ہوئے ہیں جن کی بنیاد تجربہ پر رکھی گئی ہوتی ہے اور نتائج عقل کے ذریعے اخذ کئے گئے ہوتے ہیں جسے وہ خود نامکمل اور جانبدار مانتے ہیں۔ اس طرح یونانی قوانین اخلاق ہرچند بڑے وقیع نظر آتے ہیں تاہم جب ان کو دائمی قدروں کے حوالے سے پرکھا جاتا ہے تو لڑکھڑانے لگتے ہیں۔

مغربی مفکرین کا یہ شیوہ ہے کہ وہ اسلامی فلسفہ حیات کو یونانیوں سے ماخوذ قرار دینے میں کوئی حجاب محسوس نہیں کرتے حالانکہ اسلامی اقدار کی بنیاد علم الٰہی پر ہے اور علم الٰہی انسانی ذہن کی کاوشوں کے مقابلے میں انتہائی بلند وبالا چیز ہے۔ مثلاً ڈانلڈ سن (Donaldson) نے اپنی کتاب (Studies in Muslim Ethics) میں کسی عقلی دلیل اور تجزیہ کے بغیر اور تاریخی مطالعہ سے اخذ کردہ حقائق کو نظر انداز کرتے ہوئے اسلام کی اخلاقی تعلیمات کو یہ کہہ ناقص قرار دینے کی کوشش کی کہ اسلام میں عورتوں اور غلاموں کو کمتر درجہ دیا گیا ہے حالانکہ یونانی اخلاقیات میں عوام کی حکمرانی کا تصور نہیں ملتا بلکہ چند تربیت یافتہ لوگوں کی اجارہ داری کا چرچا ملتا ہے اسی طرح غلاموں کا بھی کار غلامی کے علاوہ ان کی اخلاقیات میں کوئی کردار نہیں تھا۔

ڈی۔ بی۔ میکڈانلڈ نے اپنی کتاب (The Religious Attitude and Life in Islam) میں اسلامی اخلاقیات کو مسیحی اخلاقیات سے ماخوذ قرار دیا ہے۔ جزوی طور پر یہ بات درست ہے کیونکہ حضرت عیسیٰؑ الہامی تعلیمات کے مبلغ تھے اور ان کی تعلیمات میں اخلاقی بنیادیں بھی الہامی اصولوں پر استوار کی گئی تھیں اور اسلام تو آیا ہی اخلاقیات کی تکمیل کے لئے تھا جیسا کہ حضورؐ کا ارشاد گرامی احادیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ (موطا امام مالک باب حسن الخلق) یعنی میری بعثت ہی مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے ہوئی ہے اور اس بات کی شہادت قرآن نے بھی دی ہے (وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (68 ـ 4) کہ آپ واقعی اخلاق کے بہت بلند مرتبہ پر ہیں۔ لیکن مسیحیت میں اخلاق رہبانیت کی طرف چلا گیا۔ جو اسلام میں ممنوع ہے۔ رہبانیت زندگی کے عملی معاملات پر پوری نہیں اترتی اور اس کا نتیجہ غیر تسلی بخش ہے۔ نیز تورات، زبور انجیل تحریف کا شکار ہونے کی وجہ سے خود مشکوک ہو گئی ہیں۔ تاہم

Marfat.com

ان کی موجودہ مشکوک حیثیت پر مبنی اخلاقی تعلیم بھی مشکوک ٹھہری۔ نیز چاروں مستند اور مروجہ اناجیل الگ الگ حیثیت رکھتی ہیں کوئی بھی ایک دوسری سے نہیں ملتی۔ اس سے ظاہر ہوا کہ آسمان سے وحی کے ذریعے نازل ہونے والی انجیل موجود نہیں البتہ موجودہ اناجیل کے مفہوم کی حامل قرار دیا جا سکتا ہے۔ اور وہ بھی کسی حد تک نہ کہ کلی طور پر اس کے مقابلہ میں قرآن بفضلہ تعالیٰ روز اول کی طرح آج بھی من وعن اصل حالت میں اصل متن کے ساتھ محفوظ و متواتر چلا آرہا ہے۔ لہٰذا اس کی اخلاقی تعلیمات ہی اللہ تعالیٰ کی تعلیم کردہ اخلاقیات کہلانے کی صحیح طور پر مستحق ہیں۔

جدید اخلاقی نظریات

نئے دور کا مفکر "ہابس" مادیت کا علمبردار ہونے کے ناطے انسانی اخلاقیات کو اسی نظریے سے دیکھتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ خیر و شر کا تعلق ایک طرح سے حرکت (Motion) کے ساتھ ہے۔ اگر یہ کامیاب ہے تو مسرت و شادمانی حاصل ہوگی۔ ورنہ کرب واذیت کا باعث بنے گی۔ خیر و شر کے بارے میں ہابس کا نظریہ یہ بھی ہے کہ خیر ہر ایک کے لئے خیر نہیں اور شر ہر ایک کے لئے شر نہیں۔ کیونکہ ایک عمل ایک شخص کے لئے خیر اور وہی عمل دوسرے کے لئے شر بھی ہو سکتا ہے۔ چونکہ اس نظریہ کا تعلق محض مادیت پرستی سے ہے اس لئے یہ دنیاوی زندگی تک کی بات ہے۔ ورنہ خیر کا عمل خیر کی ساری قوتوں اور خیر کے طالبوں کے لئے ہمیشہ خیر ہی ہوتا ہے۔ اور "شر" اہل خیر و شر دونوں کے لئے شر ہی شر ہے۔ کیونکہ عمل کے اثرات اس دنیا تک محدود نہیں بلکہ اخروی زندگی تک کو بھی محیط ہیں۔

ڈیکارٹ کا نظریہ اخلاق البتہ قدرے مناسب ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ذات باری تعالیٰ کامل ہے اور خیر ہی خیر ہے۔ شر کا تعلق اللہ سے نہیں بلکہ جب ہم اپنی ناقص عقل کی بناء پر غلط فیصلے کرتے ہیں جو اللہ کے قانون کے خلاف ہوتے ہیں تو شر کا وجود عمل میں آتا ہے جس کے نتیجے میں ہم "شر" کی اذیت سے دوچار ہوتے ہیں۔

لاک کے نزدیک خیر و شر کا تصور معاشرہ اور اس کے نظام اور اس کی مسلمہ اقدار کے ملغوبے میں سے ابھرتا ہے۔ لاک کے نزدیک خیر و شر کی کوئی بھی صورت ہو معیار خیر

Marfat.com

راحت کا حصول اور معیار شر اذیت و ضرر رسانی ہو گا۔ گویا یہ نظریہ بھی دنیا کی زندگی کے مفادات سے تعلق رکھتا ہے۔ اور اخروی مفاد سے عاری ہے۔

جرمن دانشور کانٹ کے نزدیک اخلاقیات میں اہمیت کی حامل چیز یہ ہے کہ ہم نیت اور ارادہ کے ساتھ اخلاقی قوانین کا احترام کرتے ہیں یا نہیں۔ اگر آپ کا فعل ارادہٗ خیر اور حسن نیت پر مبنی ہے تو یہ خیر ہے ورنہ شر۔

مل (Mill) کے نزدیک خیر یہ ہے کہ اس کی بڑی سے بڑی تعداد یا مقدار زیادہ سے زیادہ لوگوں کے لئے مفید ہو۔ اور کسی ایک شخص کو فائدہ پہنچانا کوئی نیکی نہیں گویا وہ اجتماعی مفاد کو شخصی مفاد پر ترجیح دیتا ہے لیکن وہ یہ بھول گیا کسی ایک کے ساتھ نیکی کرنے کی ہمت رکھنے والے کو نیکی سے اس لئے روک دیتا کہ وہ سارے معاشرے کو فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ یہ بھی اچھا نظریہ نہیں۔ محض اجتماعی مفاد رسانی کا نقطہ نظر خیر و شر کی دلیل نہیں ہو سکتا جب تک اس کی تہہ میں خیر و شر کا وہ تصور نہ ہو جس کا تعلق الہامی تعلیم سے ہے کیونکہ بڑے سے بڑا مفکر اپنی عقل کے دائرے میں رہ کر ہی بات کرتا ہے۔ جبکہ اخلاق کی حدود عقل سے ماورا بھی ہیں کیونکہ عقل ناقص بھی ہے اور جانبدار بھی۔ مغربی مفکرین اخلاق کے ایک گروہ کا نظریہ یہ ہے کہ انسانی زندگی مسرت و شادمانی کے حصول سے تعبیر ہے۔ پس جو عمل مسرت و شادمانی کی راہ میں رکاوٹ ہو وہ شر ہے اور جو اس کے حصول میں ممد و معاون ہو وہ خیر ہے۔ اس کو نظریہ لذتیت" (Hedonism) کا نام دیا جاتا ہے۔ علامہ اقبال نے اس نظریہ کی تکذیب کی ہے:

ڈھونڈ رہا ہے فرنگ عیش جہاں کا دوام
وائے تمنائے خام! وائے تمنائے خام!

یورپ کے جدید ترین اخلاقی فلسفوں کی بنیاد روحانیت کی بجائے مادیت پر رکھی گئی ہے۔ جس میں افادیت (Utility) اور نتائجیت (Pragmatism) کے نظریے کا غلبہ ہے۔ اور یہ دونوں عوامل محض باعتبار دنیا ہیں۔ آخرت اور دائمی اخروی زندگی سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ لہٰذا ان اخلاقیات کو عیسائیت (بطور دین) کا حصہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ جبکہ اسلام میں انسان کا ہر عمل چاہے وہ کسی بھی شعبہ زندگی سے تعلق رکھتا ہو دنیا کے علاوہ عقبیٰ میں بھی نتائج پذیر ہو کر رہے گا۔

Marfat.com

اسلامی اخلاقیات

اسلامی اخلاقیات کا منبع علم الٰہی ہے۔ جو انبیاءؑ کی معرفت حاصل ہوا اور جس کے آخری علمبردار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ اسلامی اخلاقیات کی بنیاد خود غرضی کی بجائے (اللہ کی خاطر) ایثار پر رکھی گئی ہے۔ جس طرح اسلام میں ہر اچھا عمل جو علم الٰہی سے مطابقت رکھتا ہو' عبادت ہے۔ اسی طرح ہر اخلاقی عمل بھی عبادت ہے جس سے روحانی خوشی حاصل ہوتی ہے اور نیکی کو وسعت ملتی ہے۔ چنانچہ اسلام کا اخلاقی مطمح نظر نرا مادی نوعیت کی راحت حاصل کرنا نہیں بلکہ مادیت کے شائبہ سے دور رہتے ہوئے اللہ کی رضا کا حصول ہے۔ خواہ اس کے لئے مادی نفع اور جسمانی راحت کی قربانی ہی کیوں نہ دینا پڑ جائے۔

انسان طبعاً شریر نہیں

یونانی فلسفہ اخلاق کی رو سے انسان طبعاً شریر ہے جبکہ اسلامی فلسفہ اخلاق کی رو سے ہر انسان فطرت سلیم پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کا ماحول اور تربیت وغیرہ اسے بنانے سنوارنے یا بگاڑنے کا کردار ادا کرتے ہیں۔ اسلام میں صوفیاء کرام نے تہذیب اخلاق کی طرف بھرپور توجہ دی اور خودی (نفس ۔ روح) کے حوالے سے انسان کو سمجھنے اور اسے بہتر سطح پر لانے کے لئے ایک ضابطہ تربیت بھی عطا کیا۔ ان کے نزدیک تمام محرکات افعال کا سرچشمہ خود شعور ہے۔ جب شعور میں گڑبڑ رونما ہوتی ہے تو وہ خود کو "وہ کچھ" سمجھنے لگ جاتا ہے جو وہ نہیں ہوتا اور وہ کچھ بننے کی کوشش کرتا ہے جو اس کا استحقاق نہیں ہوتا اور اس تگ ودو میں وہ اللہ کے ساتھ اپنے تعلق کو بھول جاتا ہے اور اس کے اعمال کا تناسب وتوازن بگڑ جاتا ہے۔ تو اس کے بگاڑ کو دور کرنے کے لئے صوفیاء نے کچھ ضابطے مقرر کئے ہیں جو انسان کو اندرونی اور بیرونی طور پر یکسانیت اور طمانیت عطا کر کے اس کے اخلاق کی تہذیب کا باعث بنتے ہیں اور صوفیاء کے یہ ضابطے اسلامی تعلیمات ہی سے ماخوذ ہیں جن کا سرچشمہ قرآن وحدیث اور سنت ہے۔

Marfat.com

اسلامی اخلاقیات کی بنیاد

قرآن حکیم

انسان روح وبدن کا مجموعہ ہے۔ روح اس دنیا کی چیز نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی عطا ہے جیساکہ قرآن مجید میں آیا ہے۔ فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي فَقَعُوْا لَهٗ سَاجِدِيْنَ O (حجر:29) یعنی جب میں انسان کو (صورت انسانیہ دے کر) درست کرلوں اور اس میں اپنی روح (روحانیت) پھونک دوں تو (اے فرشتو! تم) اس کے آگے سجدے میں گر جانا۔ (چنانچہ سب کے سب فرشتے سجدے میں گر گئے مگر ابلیس نے آدم کو سجدہ نہ کیا۔ اور اس نے سجدہ کرنے والوں میں شمولیت سے انکار کر دیا) (حجر:30 - 31) یہ قصہ اور بھی کئی مقامات پر آیا ہے اور سورہ حجر میں بھی کہ ہم نے انسان کو کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے سے پیدا کیا۔ (29/ 15) اور اس سے پہلے جنات کو بے دھوئیں کی آگ سے پیدا کیا تھا۔ (15 - 30) پھر روح پھونکنے اور سجدہ والا واقعہ اور ابلیس کا انکار سامنے آیا تو ابلیس سے خود اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ تو نے آدم کو سجدہ کیوں نہ کیا تو وہ بولا کہ میں گلی سڑی مٹی کے بنے ہوئے انسان کو سجدہ کرنا درست نہیں سمجھتا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اسے یوم قیامت تک مردود قرار دے کر اپنی بارگاہ سے نکال دیا۔ اب ابلیس نے گذارش کی کہ مجھے یوم قیامت تک مہلت دے دے تاکہ اپنا کام (جس طرح چاہوں) کرتا رہوں۔ تو اللہ تعالیٰ نے اسے یہ مہلت دیدی۔ اب مہلت ملنے کے بعد ابلیس حرف مدعا زبان پر لایا۔ اور کہا:

رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَلَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ O إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ O (15/ 39 - 40) "یعنی اے خدا۔ جیسا تو نے مجھے سیدھے رستے سے الگ کیا ہے (اور جس کی وجہ سے کیا ہے یعنی آدم۔ انسان) تو میں بھی (قیامت تک) ان سب (انسانوں) کو سیدھی راہ سے بھٹکاتا رہوں گا اور دنیا میں گناہوں کو آراستہ کر کے انہیں ان کی طرف مائل کرتا رہوں گا۔ البتہ تیرے مخلص بندوں پر میرا بس نہیں چلے گا" تو اخلاق حسنہ وہ اعمال ہیں جو اللہ کی خوشنودی کا باعث بنیں اور اخلاق

Marfat.com

ہیں وہ اعمال ہیں جو ابلیس کی خوشنودی کا ذریعہ بنیں۔

اللہ کی خوشنودی دنیا میں بھی فلاح کی ضامن ہے اور آخرت میں بھی۔ جبکہ ابلیس کی خوشنودی دنیا میں بھی لعنت کا باعث ہے اور آخرت میں بھی دوزخ کا سامان بن کر رہے گی۔ (العیاذ باللہ)

قرآن حکیم کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ اس میں خیر و شر کی قوتوں سے بحث کی گئی ہے اور سارا قرآن اخلاقی تعلیمات سے بھرپور ہے۔ اور اسی حوالے سے وہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جس کی نظر انسانی زندگی کے ہر شعبہ کو محیط ہے اور اس میں تمام اخلاقی احوال و کیفیات ضروری شرح و بسط کے ساتھ واضح کی گئی ہیں۔ قرآن حکیم اعمال و کیفیات کے ظاہری اور باطنی پہلوؤں کی جزئیات تک کا بھی احاطہ کرتا ہے۔ اور جن باطنی محرکات سے ظاہری افعال وقوع پذیر ہوتے ہیں اور جن ظاہری اعمال سے بلحاظ درجہ بندی مثلاً خلوص، رسم یا ریاکاری وغیرہ انسان کے باطن پر جو اثرات مرتب ہوتے ہیں ان کی نشاندہی بھی کرتا ہے۔ دنیا میں بظاہر منافع بخش اعمال کے باطنی برے اثرات کو مثالیں دے کر سمجھاتا ہے کیونکہ وہ اللہ کی خوشنودی کے برعکس ہوتے ہیں مثلاً سودی کاروبار یا ڈاکہ زنی یا چوری، حرام خوری، بددیانتی وغیرہ بظاہر انسان کے لئے نفع بخش اعمال ہیں لیکن قرآن حکیم ان کے اخلاقی پہلوؤں کو واضح کرتے ہوئے بتاتا ہے کہ ان کا انجام سراسر گھاٹے کا سودا ہے۔

قرآنی اخلاق اور افعال و جذبات

اخلاق پر افعال کے علاوہ جذبات بھی بہت اثر ڈالتے ہیں۔ ان میں جو نسبت ہے قرآن مجید اس کی بھی وضاحت کرتا ہے۔ نیز جذبات کو روکنے یا ان کو وسعت دینے کے اصول بھی بتاتا ہے اور ان کے نتائج سے بھی آگاہ کرتا ہے۔ اس میں انسانی زندگی مزاج اور اس کی اخلاقی قوتوں کو تسلیم کیا گیا ہے۔ مثلاً انسانی زندگی، اس کے مزاج و قوی کے بارے میں ارشاد ربانی ہے:

(1) خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا (نساء:28) یعنی انسان پیدائش سے کمزور بنا ہے۔ اور مفسرین کرام اس کا یہ مطلب بھی لیتے ہیں کہ وہ سخت احکامات کا تحمل نہیں کر

Marfat.com

سکتے۔ اور اپنی خواہش سے مکمل اجتناب کا متحمل بھی نہیں ہو سکتا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کے لئے راہ اعتدال مقرر فرما دی۔

(2) اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ (ابراھیم:34) یعنی بلاشبہ انسان بڑا بے وفا اور بڑا ہی ناشکرا ہے۔

(3) خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ○ (نحل:4) یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو نطفہ سے پیدا کیا۔ (اس وقت یہ کمزور ترین شکل میں تھا اور کچھ بھی نہ تھا) تو جب وہ کچھ ہو گیا تو کھل کر جھگڑا کرنے والا بن گیا۔ (قرآن میں بیان کردہ یہ سچائی انسان پر کس قدر صادق آتی ہے کہ وہ گھر سے لے کر اسمبلیوں تک اپنی اس فطرت کا مظاہرہ کرتا نظر آتا ہے) اور اسے سب سے بڑھ کر جھگڑالو بھی بتایا گیا ہے۔ (کہف:54)

(4) كَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا (بنی اسرائیل:100) اور آدمی بخیل بھی ہے۔

(5) خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ (انبیاء:37) آدمی کی پیدائش میں جلد بازی ہے۔

(6) وَاِذَا اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ ○ (روم:36) اور جب لوگوں کو ہم اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہو جاتے ہیں (اور مستی میں اللہ کو بھول جاتے ہیں) اور اگر ان کے اعمال کے سبب کوئی مصیبت آتی ہے تو اسی وقت (اللہ کی رحمت سے امید کا ناطہ توڑ کر) آس توڑ بیٹھتے ہیں۔

(7) آدمی بھلائی چاہنے سے کبھی سیر ہی نہیں ہوتا اور اگر کہیں اس کو تکلیف پہنچ جائے تو جھٹ آس توڑ کر اللہ کی رحمت سے ناامید ہو جاتا ہے۔ (سجدہ:49)

(8) اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ (زخرف:15) یعنی آدمی بلاشبہ کھلم کھلا ناشکرا ہے۔

(9) اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ○ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ○ وَاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ○ اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ○ (معارج:19 تا 22) "بیشک آدمی دل کا کچا بنایا گیا ہے۔ جب اس پر کوئی مصیبت آتی ہے تو گھبرا اٹھتا ہے اور جب دولت ملتی ہے

Marfat.com

تو بخیل ہو جاتا ہے مگر نمازی حضرات ایسے نہیں ہوتے ....."

(10) قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ (عبس:17) آدمی پر خدا کی مار وہ کیسا ناشکرا ہے۔

(11) لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ○ (بلد:4) یعنی ہم نے انسان کو بنایا ہی ایسا ہے کہ وہ ہمیشہ رنج و محن میں رہے۔

(12) كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰى ○ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ○ (علق:6-7) "یہ سچ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو دولت مند دیکھ کر لازماً آپے سے باہر ہو جاتا ہے"

(13) اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ○ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ○ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ○ (عادیات: 6-8) "بیشک انسان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے اور اپنی ناشکری پر خود ہی گواہ بھی ہے اور اس کو مال اور بہتری کی بڑی چاہ ہے"

(14) وَالْعَصْرِ ○ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ○ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ○ (عصر:1 تا 3) "قسم ہے وقت اور زمانے (کی مقصدیت) کی کہ انسان (جو وحی الٰہی کی روشنی کو نظرانداز کر کے آگے بڑھتا رہتا ہے) لازمی طور پر خسارے میں رہتا ہے۔ سوائے ان کے کہ جو لوگ (اللہ اور اس کے رسول پر) ایمان لے آتے ہیں اور نیک کام کرتے رہتے ہیں اور حق اور صبر کی تلقین اور نصیحت کرتے ہیں (وہ اس دائمی خسارے سے مستثنیٰ ہیں)

یہ مختصر سا خاکہ ہے طبائع انسانی کا اور اس کے مفصل بیان سے پورا قرآن حکیم لبریز ہے۔ جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے کہ انسان کی فطری پیدائش سلامتی پر ہوتی ہے پھر اسے ماں باپ یہودی' نصرانی وغیرہ بنا لیتے ہیں (بخاری شریف) یعنی پیدائش کے وقت ہر بچہ معصوم اور گناہوں سے ہر طرح پاک پیدا ہوتا ہے۔ امام غزالی لکھتے ہیں:

"مذموم اعمال کی طرف نفس کی کشش اور میلان فطرت اور طبیعت کے خلاف ہے جیسے کسی بچے کو چوری چھپے مٹی کھانے کی

Marfat.com

لت پڑ جائے مگر اس کے برعکس اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی عبادت اور معرفت کی طرف طبیعت کا رجحان اس طرح ہے جیسے کھانے پینے کی طرف۔ کیونکہ یہ فطرت وطبیعت کے عین مطابق ہے اور قلب (جو ہدایت قبول کرنے کا مخزن و سرچشمہ ہے) کی عین آرزو ہے۔ اور قلب ایک امرالٰہی ہے جس کا مقتضیات شہوت کی طرف میلان اس کی حد ذات سے خارج اور اس پر عارض وطاری ہے" (احیاء العلوم الدین/ج:3/ص:63/ قاہرہ 1882ء)

سوال یہ ہے کہ جب انسان فطرتاً نیک ہے تو اس پر بدی کے حامل جذبات طاری ہو کر کیوں خود اس کے لئے یا دوسروں کے لئے باعث اذیت بنتے ہیں۔ اسلامی تعلیم کی روشنی میں اس کا جواب یہی دیا جا سکتا ہے کہ انسان پیدائشی طور پر تو فطرت سلیمہ رکھتا ہے لیکن نفس کو جو دوہری قوت عطا ہوئی ہے وہ اس کے اثرات ہیں جن کو وہ آہستہ آہستہ قبول کرتا چلا جاتا ہے۔

فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوٰهَا ○ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ○ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا (شمس)

"یعنی نفس کو ہم نے گناہ اور تقویٰ قبول کرنے کی مساوی صفات سے نوازا ہے۔ پھر جو کوئی اسے پاکیزہ بنا لے وہ فلاح پائے گا اور جو اسے خراب کرلے وہ خاب وخاسر ہوگا"

اخلاق کی تہذیب وتربیت

اخلاق کا ملکہ ہمارے اندر ودیعت کر دیا گیا ہے اور نفسانی تکدرات سے بچنے کے لئے لازم ہے کہ ارادہ اور تربیت کا سہارا لیا جائے۔ عیسائیوں کے ہاں بھی یہی اسلامی اخلاق کی تعلیم موجود تھی لیکن بعد میں ان لوگوں نے اللہ کا راستہ چھوڑ کر رہبانیت کو اپنے اوپر فرض کرلیا (حدید:27) جبکہ اسلام میں رہبانیت کے تصور کو حضورؐ نے بحکم الٰہی رد فرما دیا (مسند احمد بن حنبل/ج:6/ص:226) گویا اسلام نے انسانی قوتوں کے استیصال کی تعلیم نہیں دی بلکہ ان کا زیادہ مفید استعمال بتلایا۔ چنانچہ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ

Marfat.com

(1) "اسلام کی رہبانیت جہاد فی سبیل اللہ ہے"
یعنی وہی قتل وغارت اور خونریزی جو حرام ہے جہاد فی سبیل اللہ کی صورت میں نہ صرف جائز بلکہ مستحسن عمل قرار پائی۔ اور اس میں شہادت پانے والے کے لئے دائمی زندگی کا مژدہ سنایا گیا۔ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَاءٌ "یعنی شہداء کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں"

(2) قوت کوئی بھی ہو بری نہیں جذبہ کوئی بھی ہو برا نہیں البتہ اس کا محل استعمال اچھا یا برا ہوتا ہے غصہ بظاہر بری خصلت ہے لیکن اصلاحی نقطہ نظر سے یہ بڑی اہمیت رکھتا ہے اور غلط موقعوں پر غصہ پر قابو پانے والوں کی تعریف کی گئی ہے۔ (العمران:134)

(3) انسانی اعمال کی بنیاد نیتوں پر استوار کی گئی ہے۔ بخاری شریف کی سب سے پہلی حدیث یہی ہے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ گویا اخلاق کی اچھائی یا برائی کا تعلق نیت اور ارادے سے جڑا ہوتا ہے۔ جس بظاہر نیک کام میں نیت اور ارادہ شامل نہیں وہ اخلاقی لحاظ سے بیکار ہے۔ اسلامی اخلاق میں نفس عمل کی کوئی اہمیت نہیں جب تک وہ نیت اور ارادے کی سچائی سے آراستہ نہ ہو۔ ویسے تو مسجد ضرار کی تعمیر بظاہر برا کام نہ تھا۔ لیکن اس کے پیچھے جو منافقت اور بدنیتی کام کر رہی تھی۔ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بظاہر اس اچھے کام کو مٹانے کا حکم دیا تھا۔

(4) نرمی، حلیمی اور سچائی، صبر، قناعت، ضبط، شجاعت، عفت، دیانت داری وغیرہ اخلاق حسنہ میں شمار ہونے والے خصائل ہیں لیکن اگر ان کے عقب میں بدنیتی سفر کر رہی ہو تو یہی صفات اخلاق سوز شمار ہوں گی۔ اگر کوئی شخص فریب اور دھوکے کی نیت سے حلیم الطبع اور بردبار ہے تو اس سے بہتر یہ تھا کہ وہ چاہے حلیم الطبعی اختیار نہ کرتا لیکن دھوکا تو نہ دیتا۔ دوسرے لفظوں میں جب کوئی شخص اسلامی اخلاق حسنہ کو بدنیتی سے اختیار کرے گا تو اسے اخلاقی لحاظ

Marfat.com

سے کوئی وقعت حاصل نہ ہوگی۔

(5) بد اخلاقی کی وجوہات میں بری انسانی صحبت کو بھی دخل حاصل ہے۔ چنانچہ قرآن نے حکم دیا:

(الف) کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (توبہ:119) یعنی اہل حق کی معیت اختیار کرو۔

(ب) رسول اللہ ؐ کا ارشاد ہے: اَلْمُوْمِنُ قَوِیٌّ خَیْرٌ وَاَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ مِنَ الْمُوْمِنِ الضَّعِیْفِ (مسلم/کتاب القدر) یعنی ایک طاقتور مومن بہتر اور اللہ کو زیادہ محبوب ہے ایک ضعیف مومن کے مقابلے میں گویا قوت بھی ایک اخلاقی صفت ہوئی بشرطیکہ انسان کو ایمان کی دولت بھی ملی ہو اور اس کا استعمال باطل کے خلاف کیا جائے۔

(ج) اجتماعی لحاظ سے خراب اور غلط ماحول سے بچنے کا حکم بھی قرآن نے دیا ہے:-

قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَهْلِیْکُمْ نَارًا (تحریم:6)

"یعنی آپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو نار دوزخ سے بچانے کی کوشش کرتے رہو۔"

پھر یہ بھی فرمایا کہ "اس فتنے سے بچو جو صرف ظالموں کو ہی اپنی لپیٹ میں نہیں لے لیتا بلکہ بسا اوقات اس میں ساتھ والے لوگ بھی لپیٹ میں آجاتے ہیں۔ (انفال:25) یعنی انفرادی مصائب آگے بڑھ کر جب اجتماعی مصائب کا روپ دھار کر سامنے آتے ہیں تو اس سے نیک وبد' سبھی متاثر ہو کر رہتے ہیں اور کنارہ کش لوگ بھی بچ نہیں پاتے۔ اس لئے اجتماعی اصلاح کی کوشش سے بے نیازی برتنا مہلک بھی ثابت ہو سکتا ہے۔

(6) اخلاق حسنہ اللہ تعالیٰ کی صفات جلیلہ کو اپنانے کا نام ہے۔ حضور ؐ نے فرمایا: حسن الخلق خلق اللّٰہ الاعظم (طبرانی) یعنی خوش اخلاقی اللہ تعالیٰ کا خلق

Marfat.com

عظیم ہے۔ گویا وہی اخلاق بہتر ہیں جو صفات ربانی کا عکس ہوں۔ اور وہ اخلاق برے ہیں جو صفات اللہ کے منافی ہوں۔ چنانچہ فرمایا: تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ یعنی اپنے اندر وہ اخلاق پیدا کرو جو اخلاق خداوندی کے رنگ سے رنگین ہوں۔

یہ بات قرآن حکیم میں اس طرح واضح کی گئی ہے: صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً (بقرہ:138) سبحان اللہ اللہ کے رنگ کا کیا کہنا: اور اللہ تعالیٰ کے رنگ سے بہتر اور کس کا رنگ ہو سکتا ہے۔

(7) اخلاق کی اچھائی یا برائی کا پتہ نہ چلے اور معاملہ ایسا ہو کہ ظاہر نہ کیا جا سکتا ہو۔ تو ایسے میں حضور ؐ یوں رہنمائی فرماتے ہیں: اِسْتَفْتِ قَلْبَكَ وَاسْتَفْتِ نَفْسَكَ اَلْبِرُّ مَا اطْمَاَنَّ اِلَيْهِ الْقَلْبُ وَاطْمَئَنَّتْ اِلَيْهِ النَّفْسِ وَالْاِثْمُ مَا حَاكَ فِيْ الْقَلْبِ وَتَرَدَّدَ فِيْ النَّفْسِ وَاِنْ اَفْتَاكَ النَّاس (مسند احمد/ج:4/ص:228)

یعنی جب کسی امر کے اچھا یا برا ہونے کا فیصلہ کرنا ہو تو اپنے دل اور نفس سے پوچھو اور جان لو کہ نیکی وہ ہے جس پر عمل سے دل اور نفس مطمئن ہو اور گناہ وہ عمل ہے جو دل میں کھٹکتا ہو اور خلجان و تردد کا موجب ہو اور اگرچہ لوگ اس کے کرنے کو جائز ہی قرار دے دیں۔

(8) اپنے ضمیر سے پوچھنے کے معنی یہ ہیں کہ جب ہم کسی امر کا فیصلہ کرنے لگیں تو اس واقعے اور فیصلے دونوں کو خود اپنے اوپر منطبق کر کے دیکھیں اور اگر خود اپنے لئے اس کا اطلاق مناسب اور مبنی بر انصاف پائیں تو اسی طرح کریں۔ ورنہ جس طرح ہم اپنے لئے پسند کریں وہی دوسروں کے لئے بھی پسند کریں لیکن اگر برے اخلاق کی وجہ سے کسی کا ضمیر مرچکا ہو اور اس کی عدل وانصاف کی حس بیکار ہو چکی ہو تو ایسے شخص کے لئے قلب ونفس سے رہنمائی لینا بیکار ہو گا۔ اسے پہلے اپنی ان بیماریوں کا علاج کرانا چاہیے۔ اس حس کو نفس لوامہ یا

Marfat.com

ضمیر کہتے ہیں۔ (دیکھئے سورۃ قیامت آیت:2)

(9) شیطان یعنی ابلیس اپنے رب سے حاصل کردہ مہلت کے باعث انسان پر حاوی ہونے کی کوشش کرتا ہے اور اس کا یہ عمل دخل نطفہ ٹھہرنے کے وقت سے ہی شروع ہو جاتا ہے چنانچہ حدیث شریف میں جماع سے پہلے میاں بیوی کو یہ دعاء پڑھنے کی تلقین کی گئی ہے:

اَللّٰھُمَّ جَنِّبْنَا وَجَنِّبِ الشَّیْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا (بخاری کتاب بدء الخلق)

"یعنی اے اللہ! ہمیں بھی شیطانی حملوں سے بچا اور ہماری اولاد کو بھی۔

پھر بچے کی پیدائش کے بعد اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں تکبیر کہی جاتی ہے یہ گویا اس کے تحت الشعور میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کا ذکر مرتسم کرنے کے مترادف ہے۔ کیونکہ بچہ اس وقت تو کچھ سمجھ نہیں سکتا۔ البتہ بڑا ہو کر جب وہ یہی آواز کسی مسجد میں سنتا ہے تو اسے اپنے تحت الشعور سے ہم آہنگ پاکر اس کی طرف کھنچا چلا جاتا ہے۔ پھر نماز و عبادت کے لئے چھوٹی عمر میں پابندی کرنے کا حکم بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے اور اسلامی اخلاق بچے کو آغاز ہی سے اپنی تربیت میں لے لیتا ہے اور آخری دم تک یہ ساتھ نبھاتا ہے۔

(10) اخلاق حسنہ کی تکمیل کا ایک ذریعہ وعظ و نصیحت اور تبشیر و تحذیر بھی ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: (الف) وَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ (ق:45) یعنی قرآن کے ذریعے نصیحت کرو" (ب) وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ (المائدۃ:55) اور نصیحت کرتے رہو کیونکہ نصیحت کرنا مومنوں کو نفع دیتا ہے۔ اسی طرح حدیث شریف کے ذریعے بھی اسلامی اخلاق کی تعمیر میں بھرپور مدد ملتی ہے کیونکہ حدیث کا سرمایہ بھی وحی الٰہی کے مصداق ہے اور یہ وحی غیر متلو ہے۔

(11) اچھائیوں کو اپنانے کے لئے اپنے نقائص سے آگاہ ہونا بھی ضروری ہے۔ چنانچہ

Marfat.com

قرآن حکیم میں برائیوں کا نام لے کر اجاگر کیا گیا ہے اور ان کے بچنے کی تلقین کی گئی ہے تاکہ اخلاق حسنہ کو زک نہ پہنچے۔

(12) غذا بھی انسانی اخلاق پر اثر انداز ہوتی ہے۔ رزق حلال سے پلنے والا بدن اللہ کے ہاں محبوب ہے جب کہ حرام کی کمائی سے پلنے والے بدن کو دوزخ کا ایندھن قرار دیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ والدہ اگر حرام مال سے پیٹ بھرنے کے بعد اپنے بچے کو دودھ پلائے گی تو اس سے بچے کے اخلاق پر برے اثرات کا آغاز ہو جائے گا بقول امام غزالی ایسا بچہ بڑا ہو کر طبعاً حرام اور ناپاک اطوار کی طرف مائل اور راغب زیادہ ہو گا۔ (احیاء العلوم/ج:3/ص:77) پھر باہمی معاملات بھی اخلاق کے زمرے میں آتے ہیں مثلاً فرمایا: لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى (2/264) یعنی کسی کے ساتھ کوئی نیکی کر لو تو اسے احسان جتا جتلا کر اپنی نیکی کا ثواب ضائع نہ کر ڈالو۔

(13) اجتماعی اور انفرادی اخلاقیات کی اصلاح کے لئے اخلاق اور قانون دو امور بڑے اہم ہیں۔ اور دونوں ایک دوسرے کی تکمیل کا ذریعہ ہیں۔ اسی لئے اسلامی تعلیمات میں انفرادی طور پر اخلاقی اصلاح پر زور دینے کے ساتھ ساتھ ان امور کیلئے قوانین وضع کئے گئے ہیں جن کا تعلق اجتماعی زندگی سے بھی ہوتا ہے۔ مثلاً چوری، ڈاکہ، قتل، اتہام وغیرہ کو روکنے کے لئے تعزیر کے شکنجے میں کس کر معاشرے کی اصلاح کر کے اجتماعی اخلاق کو بگڑنے سے بچایا گیا ہے۔ اس طرح نہ صرف تمدن میں اصلاح ہوتی ہے بلکہ قانون مکافات کے تحت مرنے کے بعد والی زندگی بھی سدھرنے کی امید ہوتی ہے۔

(15) دل تہذیب اخلاق کا مرکز ہوتا ہے۔ اسلامی تعلیمات کی رو سے دل کی اصلاح ہو جائے تو دیگر اعضا اور جوارح بھی اصلاح پذیر ہونے لگتے ہیں۔ چنانچہ بخاری شریف میں ہے: فِي الْجَسَدِ مُضْغَةٌ إِذَا صَلَحَ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ (بخاری۔ کتاب الایمان) "انسانی

Marfat.com

بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے۔ اگر وہ درست ہو تو سارا بدن درست رہتا ہے اور اگر وہ خراب ہو جائے تو سارا بدن خراب ہو جاتا ہے۔ اور وہ ہے "دل"۔ یہی وجہ ہے کہ دل و نظر کو اسلامی اخلاقیات میں بڑی اہمیت دی گئی ہے۔

دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں ' (اقبال)

(15) اللہ تعالیٰ بھی اپنے خصوصی فضل و کرم سے انسانی اخلاق کی تعمیر حسنہ کا اہتمام فرماتا ہے۔ اور اس فلسفہ کی رو سے ارشاد ہوتا ہے:

(الف) اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ (ھود۔115) یعنی نیکیاں' بدیوں کو بہا کر لے جاتی ہیں۔

(ب) جو لوگ اللہ کو اپنا رب مانتے ہیں اور اس پر استقامت دکھاتے ہیں تو ان پر فرشتے اترنے لگتے ہیں۔ جو ان کو بشارت دیتے ہیں کہ نہ خوف کھاؤ اور نہ غم" (حم سجدہ:30)

اسلام میں اخلاق کے مبلغ اول بابا آدمؑ تھے۔ پھر ہر دور میں پیغمبر آتے رہے اور اخلاق حسنہ کی تعلیم و تربیت دیتے رہے۔ جو لوگ گمراہ کن جبلتوں کا اتباع کر کے قعر مذلت میں گرتے رہے قرآن میں ان کی عبرت ناک سچی کہانیاں بھی ملتی ہیں اور ایسے واقعات بھی کہ جن لوگوں نے اللہ کے بھیجے ہوئے انبیاء کی تعلیمات کو اپنایا وہ دونوں جہان میں سرخرو ہوئے اور آخر میں خاتم النبینؐ نے مکارم اخلاق کی تکمیل فرمائی اور انہی پر سلسلہ نبوت کا اختتام ہوا اور دنیا میں آج جہاں کہیں بھی اخلاق فاضلہ کی چمک دمک نظر آتی ہے وہ انہی پاک نفوس کے فیض کا نتیجہ ہے۔

اسلام میں اخلاق فاضلہ کا مقام

ایثار و قربانی کو بھی تعمیر اخلاق میں بلند مقام حاصل ہے۔ یونانیوں کا اخلاقی نظریہ وقتی مفاد پرستی پر مبنی تھا جس میں ایثار نام کی کوئی چیز نہ تھی بلکہ ایک طرح ایثار کا مذاق اڑایا گیا ہے۔ لیکن اسلامی اخلاق کی بنیاد میں ایثار مضبوط اور محکم حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے: (وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (حشر:9) "یعنی مسلمان

Marfat.com

اپنی جانوں پر ایثار کرتے ہیں اگرچہ انہیں تنگی کا سامنا ہو" یعنی خود حاجت مند ہوتے ہوئے دوسروں کی ضروریات کو مقدم رکھنا ایثار کہلاتا ہے۔

حضورؐ کو ہجرت کا حکم مل چکا تھا۔ لوگوں کی امانتیں لوٹانا تھیں۔ ان کی سپرد داری کا کام آپ نے علی المرتضیٰؓ کو سونپا۔ کافروں کے منصوبہ کے مطابق وہ رات حضورؐ کی آخری رات تھی۔ مگر حضرت علیؓ سب کچھ جانتے ہوئے بھی اس رات حضورؐ کے بستر پر لیٹ گئے۔ اس پر جبرائیلؑ اور میکائیلؑ کو علی رضی اللہ عنہ کی حفاظت کا حکم ملا۔ علی المرتضیٰ اطمینان کی نیند سو رہے تھے۔ دونوں بزرگ فرشتے سرہانے اور پائنتی بیٹھ گئے۔ جبرئیلؑ بولے: بَخٍ بَخٍ مِنْ مِثْلِكَ ابْنِ اَبِیْ طَالِبٍ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یُبَاھِیْ بِكَ عَلٰی مَلٰئِکَۃِ یعنی اے ابو طالب کے فرزند آج تم جیسا کون ہو سکتا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کے سامنے تمہارے بارے میں فخر و مباہات فرما رہا ہے۔ اور تم ہو کہ اپنی نیند میں خوش ہو۔ (کشف المحجوب)

اسی ایثار کا مظاہرہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کیا۔ جب غار ثور کو پہلے جا کر خود صاف کیا۔ اور بلوں کو بند کیا اور ایک بل پر ایڑی رکھ کر حضورؐ کو راحت فرمانے کے لئے عرض کیا۔ حضورؐ صدیق رضی اللہ عنہ کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئے۔ ایڑی پر سانپ نے کاٹا۔ درد کی شدت کے باوجود ادب کا تقاضا تھا کہ "سی" بھی نہ کریں۔ تاہم صدیقی اشکوں نے حضورؐ کے چہرے پر گر کر غمازی کر دی۔ پوچھا کیا ہوا بات ظاہر ہو گئی تو لعاب دہن ایڑی پر لگایا اور شفا ہو گئی۔

غزوہ احد میں ایک صحابیہ پانی کا پیالہ لے کر ایک زخمی کے پاس پہنچی کہ دوسرے نے پانی مانگ لیا اور پہلے نے اشارہ سے پانی دوسرے کو پلانے کا عرض کیا۔ وہاں پہنچی تو تیسرے زخمی کی پانی مانگتی آواز کانوں میں پڑی دوسرے نے پانی نہ پیا اور تیسرے کو پلانے کا کہا۔ اسی طرح سات زخمیوں تک یہ پیالہ پہنچا۔ حتیٰ کہ ساتواں زخمی پینے سے پہلے ہی جان ہار گیا۔ صحابیہ واپس جس زخمی کے پاس بھی لوٹی تو دیکھا کہ سب کے سب شہادت پا چکے ہیں۔ ایثار کی ایسی مثالیں حسن اخلاق کا جو نمونہ پیش کرتی ہیں۔ اس کی مثال اور کہاں ملتی ہے اور ایسے لوگوں کے حق میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

Marfat.com

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ ○ (البقرۃ :207) "اور لوگوں میں کون ہے جو اپنی جان کو اللہ کی خوشنودی میں فروخت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ (کے بارے میں یہ تو سب کو معلوم ہے ہی کہ وہ) بندوں پر بڑا رؤف ورحیم ہے"

حضورؐ دعا فرماتے ہیں:

وَاهْدِنِيْ لِاَحْسَنِ الْاَخْلَاقِ -- لَا يَهْدِيْ لِاَحْسَنِهَا اِلَّا اَنْتَ وَاصْرِفْ عَنِّيْ سَيِّئَاتِهَا لَا يَصْرِفُ عَنِّيْ سَيِّئَاتِهَا اِلَّا اَنْتَ (مسلم شریف) "الٰہی مجھے اچھے اخلاق کی ہدایت دے۔ تیرے سوا اس کی ہدایت کسی کے بس کی بات نہیں اور میری برائیوں کو دور فرما۔ تیرے سوا ایسا کوئی نہیں کر سکتا"

صدق و سچائی' توکل بر خدا' تقوی یعنی اللہ سے ڈر کر زندگی نبھانا۔ روا داری اور وسیع القلبی' ایفائے عہد والدین کا احترام۔ لوگوں سے حسن سلوک وعفو ودرگذر' ایثار وقربانی' عالمگیر محبت' اخوت ومساوات' عدل وانصاف' دیانت وامانت کا پاس۔ صبر واستقلال' حلمی اور بردباری وغیرہ اخلاق فاضلہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ جبکہ انسان کی روحانی بیماریاں رزائلہ اخلاق میں شمار ہوتی ہیں۔

رزائل اخلاق

جھوٹ

رزائل اخلاق میں جھوٹ سب سے بری عادت ہے۔ شریعت اسلامی میں جھوٹ کی مذمت کی گئی ہے۔ ایک شخص حضور کے پاس آیا اور اس نے اسلام قبول کرنے کے لئے کچھ شرائط پیش کیں۔ حضورؐ نے اسے جھوٹ ترک کرنے پر آمادہ کر کے مسلمان کر لیا۔ لیکن جھوٹ سے توبہ کا فائدہ یہ ہوا کہ وہ شخص ساری اخلاقی برائیاں چھوڑ کر سچا اور راست رو مسلمان بن گیا۔ قرآن حکیم میں ہے:

Marfat.com

(لَعْنَةُ اللّٰہِ عَلَی الْکَاذِبِیْنَ) (آل عمران - 61)
"یعنی جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہے"

نیز ارشاد ہے:

(اِنَّ اللّٰہَ لَا یَہْدِیْ مَنْ ھُوَ کَاذِبٌ کَفَّار) "یعنی - بیشک اللہ تعالیٰ جھوٹے اور حق کے منکر کو ہدایت نہیں دیتا" (زمر - 3)

نبوت ایک عطائی وصف ہے۔ جس کی پہلی شرط ہی صدق بیانی ہے۔ کبھی کسی نبی نے جھوٹ نہیں بولا۔ حضور بھی نبوت ملنے سے پہلے صادق اور امین کے القاب سے مشہور اور معروف تھے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ جھوٹ گناہ کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ دوزخ کی طرف۔ چنانچہ جو جھوٹ کو وطیرہ بنا لے تو ایک دن اسے خدا کے ہاں کذاب لکھا جاتا ہے۔

آپ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ جھوٹ نفاق کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔ گویا جھوٹ بولنے والا ایک دن منافقت کی وادی میں پہنچ جاتا ہے۔

جھوٹ کی مختلف صورتیں:

(1) شرک یہ بھی ایک لحاظ سے جھوٹ ہے کیونکہ انسان سچے خدا کی بجائے جھوٹے خداؤں پر تکیہ کرتا ہے۔ یہ وہ گناہ ہے جس کی اللہ کی بارگاہ میں کوئی بخشش نہیں۔

(2) امانت میں خیانت بھی جھوٹ کے زمرے میں آتی ہے۔

(3) ریاکاری جو جھوٹ اور فریب کی ایک شکل ہے اس میں تکلیف بھی آتی ہے جس کے پیچھے خلوص نہ ہو۔

(4) جھوٹی شہادت دینا بھی مذموم فعل ہے۔ اسی طرح بہتان طرازی بھی اسی قبیل سے ہے۔

(5) منافقت بھی جھوٹ کا ثمرہ ہے۔ اور بغیر تحقیق ایسا الزام لگانا جو حقیقت پر مبنی نہ ہو۔ جھوٹ بے شمار برائیوں کی جڑ ہے۔ اس سے ہر صورت بچنا چاہیے۔

Marfat.com

غیبت:

غیبت کی برائی کو واضح کرنے کے لئے قرآن حکیم نے اس کی یوں مذمت فرمائی ہے۔ "تم ایک دوسرے کو پیٹھ پیچھے برا نہ کہو۔ کیا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ تم اس سے کراہت کرتے ہو"۔ (حجرات:12)

اس سے بڑی برائی اور کیا ہو سکتی ہے کہ قرآن حکیم نے کراہت بھری مثال دیکر اس سے منع کیا حدیث شریف سے اسے زناء سے بھی بڑی برائی کہا گیا ہے۔ بیہقی شریف میں ہے کہ حضور ؐ نے اس کی وجہ یہ بتلائی کہ زانی کی توبہ قبول ہو سکتی ہے لیکن غیبت کرنے والے کو اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرتا جب تک کہ اسے وہ شخص معاف نہ کرے جس کی غیبت کی تھی۔

ایک حدیث شریف میں فوت شدہ لوگوں کی غیبت کرنے کو گدھے کا گوشت کھانے کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔

غیبت کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ کسی کے بارے میں نفرت پیدا ہوتی ہے۔ راقم کو اپنے ایک استاد مکرم کے بارے میں کسی نے غلط بات بتائی جو کہ بعد ازاں پتہ چلا کہ اس میں نہ تھی۔ لیکن میں بادی النظر میں کئی سال تک غلط فہمی کا شکار رہا۔ اور اپنے اس استاد کی دل میں عزت نہ کرتا تھا۔ بہرحال غلط فہمی دور ہونے پر میں نے اپنی اصلاح تو کرلی۔ لیکن غیبت کا نقصان تو پہنچ چکا تھا۔ **(قدر آفاقی)**

غصہ۔ کینہ اور حسد:

غصہ شیطان کی طرف سے ہے اور غصہ کی اصل آگ ہے کیونکہ شیطان آگ سے بنا تھا۔ پس غصہ کے بارے میں حضور کا ارشاد ہے کہ غصہ ایمان کو بگاڑ دیتا ہے جس طرح ایلوا (مصبر) شہد کو۔ (کیمیائے سعادت اردو ترجمہ مطبوعہ کراچی / ص:387)

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان واسلام کی تعریف یوں کی ہے کہ وہ (والکاظمین الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ) "غصہ کو پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں"

حضور ؐ نے فرمایا جو غصہ کو پی جاتا ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کے دل کو

Marfat.com

اپنی رضامندی سے بھر دے گا۔ (کیمیائے سعادت / ص:537)

امام غزالی نے غصہ کی افادیت بھی بتائی ہے کہ انسان اس ہتھیار سے نقصان دہ اثرات سے محفوظ رہتا ہے لیکن اس کی انتہائی زیادتی عقل کو اندھا کر دیتی ہے۔ چنانچہ غصہ عقل کے حق میں شیطان کی طرح ہے۔ لیکن یہی ہتھیار کافروں کے خلاف لڑنے کے کام آتا ہے۔ جس سے دین کی حفاظت ہوتی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

...جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ۔ (توبہ ـ 73) (تحریم ـ 9)

پس غصہ ایک ہتھیار ہے اور ہتھیار کو عقل کی رہنمائی میں ہی استعمال کرنا چاہئے۔ ورنہ نقصان ہو سکتا ہے کیونکہ تلوار اپنی جگہ اچھی بھی ہے اور بری بھی۔ اب تلوار کا استعمال کسی کو غازی اور شہید بنا کر محمود بناتا ہے اور کسی کو جہنم واصل کرتا ہے۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ایک روز مجھے غصہ آیا تو حضورؐ نے فرمایا "عائشہؓ یہ تمہارا شیطان آیا ہے" میں نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا آپ کے پاس غصہ کا شیطان نہیں ہے؟ تو فرمایا "ہے تو ــ لیکن میرے اللہ نے مجھے اس پر غلبہ عطا فرمایا ہے" (کیمیائے سعادت مطبوعہ ـ تہران / ص:506)

کینہ:

اسی طرح کینہ بھی اخلاقی بیماری ہے۔ حدیث شریف ہے کہ مومن میں کینہ اور حسد پیدا نہیں ہوتا (کیمیائے سعادت اردو / ص:546) کینہ کو غصہ کا بیٹا کہتے ہیں۔ اور کینہ کے آٹھ بیٹے ہیں جو رذائل اخلاق میں شمار ہوتے ہیں۔

حضرت مسطح رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد مفلس بھائی تھے۔ عائشہ پر افک کے واقعہ میں ان سے لب کشائی ہو گئی تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کی امداد بند کرنے کی قسم کھائی۔ تو یہ گویا غصہ کی اولاد یعنی کینہ کا جنم لینا تھا۔ چنانچہ قرآن حکیم نے فوراً منع فرمادیا:

وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْا اُولِى الْقُرْبٰى وَالْمَسَاكِيْنَ وَالْمُهَاجِرِيْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ۝ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ۔ (سورہ نور)

Marfat.com

"اور قسم نہ کھائیں وہ جو تم میں فضیلت والے اور گنجائش والے ہیں۔ اپنے قرابت داروں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو نہ دینے کی۔ اور معاف کردیں اور درگزر سے کام لیں۔ خبردار! بھلا تمہیں پسند نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہاری بخشش فرمائے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے" (نور۔22)

پس صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت مسطح کو معاف کردیا اور حسب سابق ان کی مالی امداد کرنے لگے۔ اس سے خطا بخشی کا اجر عظیم معلوم ہوا اور یہ کہ کینہ کو جڑ سے اکھاڑنے کے لئے عفو ودرگذر سے کام لینا چاہئے۔

حسد:

یہ بھی اخلاق رزیلہ میں سے ہے۔ سورۃ الفلق میں حاسد کے حسد سے بچنے کی دعاء ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ حاسد میری نعمت کا دشمن ہے اور اپنے بندوں میں میری تقسیم کو ناپسند کرتا ہے۔ (کیمیائے سعادت اردو ترجمہ / ص:550)

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ چھ قسم کے لوگ بلا حساب وکتاب دوزخ میں جائیں گے:

(1) امیر اپنے ظلم کی وجہ سے۔

(2) اہل عرب تعصب کی بدولت

(3) مالدار تکبر کی بدولت

(4) سوداگر اور تاجر خیانت کی وجہ سے۔

(5) دھقان اپنی جہالت اور نادانی کے سبب سے۔

(6) اور علماء دین حسد کے سبب (ایضاً)

بہرحال حضورؐ نے دو امور میں حسد یا رشک کو سراہا ہے یعنی جسے اللہ نے مال اور علم دیا اور وہ اسے اللہ کے ارشاد کے مطابق صرف کیا۔ اور کوئی ایسی ہی تمنا کرے۔ اہل کتاب جب مسلمانوں کا اسلام لانا دیکھتے تو حسد سے یہ تمنا کرتے: وَدَّتْ طَّائِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ (آل عمران۔ 96) "یعنی کاش! وہ مسلمانوں کو کسی طرح گمراہ کر

Marfat.com

ڈالیں"

بہر حال اللہ کے عطا کردہ رزق کو منجانب اللہ جان کر زندگی میں اس کے احکامات کی پیروی کر کے فلاح دارین کی طرف بڑھنا ہی اللہ کی خوشنودی کا باعث ہے۔ اور حسد کا علاج یہ بھی ہے کہ سب لوگوں سے دلی محبت کی جائے۔

حب دنیا:

یہ دنیا بے وفا ہے اور تمام گناہوں کی جڑ ہے۔ یہ اللہ والوں کو اللہ کے راستہ سے روکتی ہے اور اللہ کے محبوب بندوں کی دشمن ہے۔ یہ نابکار طوائف کی طرح ہے جو ایک فرد کو چھوڑ کر دوسرے کی جھولی میں جاگرتی ہے۔ حضورؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ دنیا سے پرہیز کرو کہ وہ ہاروت اور ماروت سے بڑھ کر جادو گر ہے۔ (کیمیائے سعادت اردو ترجمہ/ص:557)

حضورؐ نے دنیا کو اللہ کی نظر میں ایک مردہ بکری سے بھی زیادہ ذلیل اور حقیر قرار دیا ہے (ایضاً ص:558) نیز فرمایا: "دنیا ملعون ہے اور جو کچھ اس میں ہے وہ بھی ملعون ہے سوائے ان چیزوں کے جو اللہ کے لئے ہوں" نیز فرمایا: "دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے" حضورؐ کا ایک ارشاد گرامی اس طرح ہے کہ "جو شخص دنیا کو دوست رکھتا ہے اس کی عاقبت (آخرت) خراب ہوتی ہے اور جو عاقبت اور آخرت کو دوست رکھتا ہے اس کی دنیا کو نقصان ہوتا ہے۔ پس تم ناپائیدار چیز کو چھوڑ کر پائیدار کو اختیار کرو۔ (ایضاً)

اسی طرح ارشاد فرمایا: "دنیا خانہ بدوشوں کا گھر ہے اور مفلسوں کا مال ہے۔ دنیا وہ جمع کرے جس کو عقل نہ ہو اور اس کی طلب میں کسی سے دشمنی وہ رکھے جو علم سے بے بہرہ ہو۔ اور دنیا پر حسد وہ کرے جسے دین کی سمجھ (فقہ) سے حصہ نہ ملا ہو اور حب دنیا اور طلب دنیا کا مظاہرہ وہ کرے جسے علم الیقین حاصل نہ ہو۔ (ایضاً)

آپؐ کا ارشاد ہے کہ جس طرح آگ اور پانی جمع نہیں ہو سکتے اسی طرح دنیا اور آخرت ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔ (ایضاً/ص:560) حدیث شریف میں ہے کہ جب آدم اور حوا نے گندم کا دانہ کھا لیا تو ان کو بیت الخلاء کی ضرورت پیش آئی۔ چنانچہ وہ چھپنے کی جگہ تلاش کرنے لگے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے فرشتے کو ان کے پاس بھیجا اور کہلوایا کہ

Marfat.com

جنت میں تو قضائے حاجت کے لئے جگہ نہیں ہے لہذا تم زمین پر جاؤ کہ ایسی نجاستوں کی جگہ دنیا ہی ہے۔ (کیمیائے سعادت طبع ایران/ ص:525۔ سطر نمبر:15)

ارشاد ربانی ہے:

(1) وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ( ) "اور جس نے اپنے جی کو نفس کی خواہش سے روکا تو اس کے لئے آخری ٹھکانہ جنت ہے" (نازعات۔ 40)

(2) زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ (العمران۔ 14) "یعنی دنیا کی زندگی تو یہ ہے کہ ان کی پسندیدہ چیزیں یعنی عورتیں' بیٹے اور سونے چاندی کے ڈھیر------- نہائت اچھے لگتے ہیں جبکہ اللوہ کے پاس ان کے مقابلہ میں بہت اچھا ٹھکانا ہے۔

پس حب جاہ ومال اور حب دنیا بھی اخلاق رزیلہ میں سے ہے۔ قرآن حکیم میں دنیا کے بارے میں بڑی وضاحت سے ارشادات ملتے ہیں۔ اور اہل حق کی یہ دعا بھی قرآن مجید میں تعلیم کی گئی ہے: رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ "کہ اے اللہ ہمیں دنیا میں بھی نیکی اور اچھائی سے نواز اور آخرت میں بھی اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا" (بقرہ۔ 201)

منافقت:

اخلاق رزیلہ میں جس کی مذمت میں قرآن حکیم کی سورۃ البقرۃ کے دوسرے رکوع میں خوب وضاحت سے ملتی ہے۔ وہ برا خلق منافقین کے بارے میں ہے۔ حضور نے بھی منافقت کی مذمت فرمائی ہے۔ یعنی جو شخص دنیا میں دو چہروں والا ہو گا تو آخرت میں قیامت کے دن اس کے منہ میں دو زبانیں ہوں گی۔ (ابو داؤد) (ایک زبان سے وہ اقرار کرے گا اور دوسری سے انکار)

منافق کی دو قسمیں ہیں:

(1) اعتقادی منافق (2) عملی منافق

(1) اعتقادی منافق وہ ہے جو عبد اللہ بن ابی کا ہم مسلک ہے اور وہ [illegible] ہے۔

Marfat.com

(2) وہ جو دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا لیکن اعمال میں پیچھے رہ گیا اور ایمان کی کمزوری کی وجہ سے نفاق کا شکار ہو گیا۔ پس توبہ کرنے والے کو بخشش کی امید رکھنی چاہئے۔

مکہ معظمہ میں دو دھڑے تھے۔ ایک کافروں کا۔ دوسرا مسلمانوں کا۔ لیکن ہجرت کے بعد جب حضورؐ مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہاں ایک تیسرے دھڑے سے واسطہ پڑا۔ یہ لوگ اپنے بھائی بندوں (انصار مدینہ) کے ڈر سے بظاہر مسلمان تھے لیکن درحقیقت وہ کافروں اور مشرکوں کے ہم عقیدہ تھے بخاری شریف میں منافق کی چار علامتیں بتائی گئی ہیں یعنی: (1) وہ امانت میں خیانت کرے۔ (2) بات کرے تو جھوٹ بولے۔ (3) وعدہ کرے تو پورا نہ کرے۔ (4) لڑائی جھگڑے میں گالی گلوچ پر اتر آئے۔

غرور اور تکبر:

تکبر یہ ہے کہ انسان خود کو دوسروں سے بہتر اور فائق سمجھے اور اس خیال سے دل میں غرور پیدا ہو۔ اس کا غرور اور تکبر کی مذمت قرآن مجید میں اس طرح آتی ہے:

(1) اللہ تعالیٰ پر مغرور اور جابر کے سارے (کے سارے) دل پر مہر لگا دیتا ہے۔ (؟)

(2) خَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ (ابراہیم - 15) سرکش اور ضدی سب کے سب نامراد ہوئے (14 = 15)

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ متکبرین کو قیامت کے دن چیونٹیوں کی صورت میں اٹھایا جائے گا۔ لوگ ان کو اپنے پیروں تلے روندیں گے کیونکہ وہ اللہ کے نزدیک ذلیل وخوار ہوں گے (کیمیائے سعادت از امام غزالی اردو ترجمہ / ص:652)

نیز ارشاد فرمایا "جس کے دل میں رائی کے ایک دانے کے برابر تکبر ہو گا وہ جنت میں نہیں جائے گا (ایضاً) حضورؐ یہ دعا بھی فرماتے تھے: اَعُوْذُ بِكَ مِنْ نَفْخَةِ الْكِبْرِ "الٰہی میں تکبر سے تیری پناہ میں آتا ہوں" (ایضاً/ص:657) حضورؐ کے ارشاد کی رو سے منکروہ ہے جو خدا کے واسطے گردن نہ جھکائے اور دوسروں کو حقارت کی نظر سے دیکھے (ایضاً)

Marfat.com

تکبر کے درجے:

(1) اللہ کے ساتھ تکبر (2) رسول اللہ کے ساتھ تکبر جیسا کہ کفار مکہ نے کیا
(3) عام لوگوں کے ساتھ تکبر۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ انسان کے لئے بہت بڑا گناہ ہے کہ جب اسے کوئی کہے کہ اللہ سے ڈر تو وہ جواب میں کہے: عَلَيْكَ بِنَفْسِكَ "تم اپنی خبر لو" (ایضاً/ص:660) ایک شخص حضور ﷺ کی مجلس میں بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا تھا' آپ ﷺ نے اسے ٹوکا تو وہ از راہ تکبر بولا۔ میں دائیں ہاتھ سے نہیں کھا سکتا۔ تو آپ نے فرمایا: اچھا تو تو نہیں کھا سکتا! یہ فرمانا تھا کہ اس کا دایاں ہاتھ شل ہو کر رہ گیا۔ (ایضاً)

تکبر علم کو کھا جاتا ہے تکبر کا علاج یہ ہے کہ تواضع اور انکساری اختیار کی جائے اور موت اور آخرت کو یاد رکھا جائے اور انسان اپنی حقیقت (نطفہ اور موت) کو پیش نظر رکھے۔

تکبر نہ صرف عوام میں بلکہ علماء اور زاہدوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ امام غزالیؒ نے اس معاملے پر بڑی وضاحت کی ہے اور اس کے بچنے کے طریقے بھی بتائے ہیں۔ حضور سرور عالم کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ (حجر۔ 88) یعنی آپ مومنین کے ساتھ حلیمی سے پیش آئیں۔ تکبر اور خود پسندی دونوں جڑواں بھائی بہن ہیں۔ خود پسندی اور عجب بھی اخلاق رزیلہ کی شاخیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت دے۔ (آمین)

پس اخلاق رزیلہ سے بچنا اور اخلاق حسنہ کو اختیار کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آخرت میں کامیابی اور عذاب سے نجات حاصل کی جائے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ اپنا بندہ بنائے رکھے بندگی میں ہی بزرگی ہے اور اصل بزرگی آخرت کی نجات ہے۔

Marfat.com

اسلام کا نظریہ تعلیم و تربیت

تعلیم کی لغوی اور اصطلاحی تعریف
فلسفہ تعلیم اسلامی تناظر میں
(قرآن اور سنت کی روشنی میں تعلیم کا فلسفہ)
عہد رسالت میں نظام تعلیم و تربیت اور آپ کا طریق تعلیم
معلم کے فرائض اور اس کی صلاحیتیں
طالب علم کی اہلیت اور ذمہ داریاں

Marfat.com

اسلام میں علم کی اہمیت: تعلیم کے لغوی معنی علم سکھانا اور اصطلاح میں انسان کو ایسے علوم سے آگاہ کرنا مراد ہے جن پر عمل پیرا ہو کر وہ دنیا اور عقبے میں فلاح پا سکے۔

اسلامی نقطہ نظر سے انسانیت نے اپنے سفر کا آغاز تاریکی اور جہالت سے نہیں بلکہ علم اور روشنی سے کیا۔ تخلیق آدم کے بعد سب سے پہلے خالق نے اسے جس چیز سے نوازا اشیاء کا علم تھا۔ اسلام کے سوا دنیا کا کوئی مذہب یا تمدن ایسا نہیں جس نے تمام انسانوں کی تعلیم کو ایک بنیادی ضرورت قرار دیا ہو۔ یونان نے علم کے میدان میں غیر معمولی ترقی کی لیکن وہ تمام انسانوں کی تعلیم کے قائل نہ تھے لیکن اسلام وہ واحد دین ہے جس نے تمام مسلمانوں پر تعلیم کو فرض قرار دیا۔

قرآن اور تعلیم: قرآن پاک میں اکثر جگہوں پر ارشاد ہوتا ہے:

(1) "جس کو ہم نے حکمت عطا کی اس کو خیر کثیر عطا کی۔"

(2) اللہ تعالیٰ نے رسول پاک کو مخاطب کر کے فرمایا: "آپ دعا کیجئے کہ اے میرے پروردگار میرا علم اور زیادہ کر۔" (طٰہٰ)

(3) "تم میں سے جو لوگ ایمان کی دولت سے بہرہ ور ہوئے اور جن کو علم کی نعمت سے نوازا گیا خدائے پاک ان کے درجات بلند فرمائے گا۔" (مجادلہ)

(4) "کہہ دیجئے میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ بہترین گواہ ہیں اور وہ جس کے پاس کتاب ہے۔"

(5) "تعلیمات الٰہی کو سمجھنے کی صلاحیت صرف اہل علم کو ہی حاصل ہو گی۔" (عنکبوت)

(6) "ہم نے انہیں کتاب دی اور اس کو علم کی بنا پر کھول کھول کر بیان کیا ہے۔" (الاعراف)

(7) "خدا نے انسان کو پیدا کیا اور اظہار مدعا کیلئے صلاحیتیں بخشیں۔" (الرحمٰن)

احادیث مبارکہ سے بھی علم کی اہمیت کو بار بار واضح کیا گیا ہے۔

(1) "حکمت کی بات مومن کی گم گشتہ میراث ہے جہاں ہے سب سے پہلے وہی اس کا حقدار ہے۔"

(2) "علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔"

(3) "ماں کی گود سے لے کر قبر کی لحد تک علم حاصل کرو۔"

(4) "جو اپنے گھر سے طلب علم کے لئے نکلتا ہے وہ خدا کی راہ میں چلتا ہے۔"

(5) "جو شخص علم کے بارے میں بات چیت کرتا ہے گویا وہ خدا کی حمد بیان کرتا ہے۔"

(6) "ایک عالم کو عابد پر اسی طرح فضیلت حاصل ہے جیسے مجھے ایک عام امتی پر فضیلت ہے۔"

Marfat.com

(7) "علم و حکمت کی باتوں کو ایک گھنٹہ سننا ایک ہزار شہیدوں کے جنازے میں شامل ہونے اور ایک ہزار راتوں کی عبادت سے زیادہ قابل تعریف ہے۔"

(8) "عالم کے قلم کے سیاہی شہید کے خون سے زیادہ قابل ستائش ہے۔"

(9) "جو علم کی اشاعت کرتا ہے وہ گویا زکوٰۃ دیتا ہے اور جو علم کا صحیح استعمال کرتا ہے وہ خدا کی پرستش کرتا ہے۔"

(10) "جس نے ایک عالم کی عزت کی اس نے ستر نبیوں کی عزت کی اور جس نے ایک طالب علم کی توقیر کی اس نے ستر شہیدوں کی توقیر کی۔"

(11) "علم نیکی اور بدی میں تمیز کرنا سکھاتا ہے اور خدا تک پہنچنے کے لئے روشنی کا کام دیتا ہے۔"

قرآن حکیم کی اصولی تعلیمات کا مختصر خاکہ: قرآن کی تعلیمات کو بنیادی طور پر ہم چار عنوانوں میں تقسیم کرسکتے ہیں: (1) عقائد (2) عبادات (3) معاملات (4) حسن معاشرہ

عقائد: عقائد انسان کے تمام اعمال و افعال اور حرکات کا محور ہیں' عقائد ہی سے انسان کے اعمال سدھرتے ہیں اور عقائد ہی سے بگڑتے ہیں۔

ہر انسان کے ذہن میں چند پختہ اور غیر متزلزل نظریات ہوتے ہیں جن پر اس کے عام خیالات کی عمارت کھڑی ہوتی ہے انہی پختہ اور اصولی نظریات کو عقائد سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہی وہ مرکزی نقطہ ہے جس سے انسانی عمل کا ہر خط نکلتا ہے اور اس کے دائرہ حیات کا ہر خط اسی نقطہ پر ختم ہوتا ہے۔

ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم و عمل' تصور و فعل اور عقلیت و عملیت کو ایک دوسرے کے ساتھ لازم قرار دیا ہے۔ چند سیدھے سادے اصول جو تمام ذہنی سچائیوں اور واقعی حقیقتوں کا جوہر اور خلاصہ ہیں' ان کا نام عقیدہ اور ان پر یقین کرنے کا نام "ایمان" رکھا۔ عقیدے کی خشت اول توحید کے بارے میں قرآن کہتا ہے:

- خدا بے مثل ہے:
  "اس کے مثل کوئی شے نہیں" (شوریٰ)
- اللہ یکتا اور بے نیاز ہے:
  "کہہ دو اللہ ہی یکتا ہے' اللہ ہی بے نیاز ہے' نہ اس سے کوئی پیدا ہوا نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ کوئی اس کا ہم سر ہے۔" (اخلاص)
- اگر دو خدا ہوتے:
  "اگر زمین و آسمان میں اللہ کے سوا دوسرا خدا ہوتا تو ان دونوں کا نظام تباہ و برباد ہو جاتا۔" (انبیاء: 23)

Marfat.com

نبوت و رسالت :

- نبوت و رسالت وہبی چیز ہے :

"اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ منصب رسالت کس کو بخشے۔" (انعام : 120)

- ہر امت میں رسول آئے :

"ہر امت کے لئے رسول بھیجا گیا۔" (یونس : 47)

- تمام رسول انسان تھے :

"اور ہم نے آپ سے پہلے بھی جب کبھی رسول بھیجے ہیں' آدمی بھیجے ہیں' جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے۔" (نحل : 43)

- تمام رسولوں پر ایمان لانا ضروری ہے :

"جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے کفر کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کریں اور کہتے ہیں کہ ہم کسی کو مانیں گے اور کسی کو نہ مانیں گے اور کفر و ایمان کے درمیان ایک (نئی راہ) نکالنے کا ارادہ رکھتے ہیں' وہ سب پکے کافر ہیں اور ایسے کافروں کے لئے ہم نے ذلیل کرنے والی سزا تیار کر رکھی ہے۔" (نساء : 150-151)

- منکرین رسالت کا انجام :

"بلاشبہ جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو ماننے سے انکار کر دیا' انہیں ہم یقیناً آگ میں جھونکیں گے اور جب ان کے بدن کی کھال گل جائے گی تو اس کی جگہ دوسری پیدا کر دیں گے تاکہ وہ خوب خوب عذاب کا مزہ چکھیں۔ (نساء : 152)

آخرت :

- آخرت پر ایمان لانا ضروری ہے۔

"جو لوگ آخرت کو مانتے ہیں وہی کتاب الٰہی پر ایمان لاتے ہیں۔" (نحل : 32)

- آخرت کا انکار خدا کا انکار ہے :

"اگر آپ تعجب خیز بات چاہیں تو سب سے زیادہ تعجب خیز ان لوگوں کا قول ہے کہ جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم نئے سرے سے پیدا کئے جائیں گے؟ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کا انکار کر رہے ہیں۔" (رعد : 5)

- منکرین آخرت کے اعمال بے سود ہیں :

"اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور آخرت کی پیشی کا انکار کیا' ان کے سارے اعمال اکارت ہیں۔ کیا لوگ اس کے سوا کچھ اور جزا پا سکتے ہیں کہ جیسا کریں ویسا بھریں۔" (اعراف : 147)

Marfat.com

○ قیامت کے ہولناک مناظر:
"جب آسمان پھٹ جائے گا۔ جب تارے جھڑ پڑیں گے۔ جب سمندر ابل پڑیں گے اور جب قبریں اکھڑ جائیں گی اس وقت ہر شخص جان لے گا کہ اس نے آگے کیا بھیجا ہے اور پیچھے کیا چھوڑ کر آیا ہے۔" (زلزال: 7-8)

عبادات: قرآن کی رو سے انسان کی تخلیق کا مقصد عبادت ہے وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون "میں نے جن اور انس کو صرف عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔" اسلام کا تصور عبادت یہ ہے کہ انسان کی ساری زندگی اللہ کی بندگی میں بسر ہو' اسلام نے چار عبادتیں فرض کی ہیں۔ نماز' زکوٰۃ' روزہ اور حج اسی بنا پر ان کو ارکان اسلام قرار دیا گیا ہے۔

نماز:

○ نماز برائیوں سے روکتی ہے:
"نماز قائم کیجئے یقیناً نماز فحش اور برے کاموں سے روکتی ہے اور یقیناً اللہ کی یاد بڑی چیز ہے۔" (عنکبوت: 45)
"پس اگر توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو یہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔" (توبہ: 110)
"جنتی مجرموں سے اہل جنت پوچھ رہے ہوں گے کہ تمہیں کس چیز نے دوزخ میں ڈالا۔ وہ جواب دیں گے ہم نماز نہ پڑھتے تھے۔" (مدثر: 40-43)

زکوٰۃ:

○ زکوٰۃ فلاح کا ذریعہ ہے:
"یقیناً وہ ایمان والے فلاح پائیں گے جو اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔ بے ہودہ باتوں سے منہ موڑے رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دینے میں پابندی کرتے ہیں۔" (مومنون: 1 تا 4)
"جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ان کے خرچ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ بویا جائے اور اس سے سات بالیں نکلیں اور ہر بال میں سو دانے ہوں' اسی طرح اللہ تعالیٰ جس کے عمل کو چاہتے ہیں بڑھاتے ہیں۔" (بقرہ 36)

○ زکوٰۃ اور سود کا فرق:
"اللہ تعالیٰ سود کے مال کو گھٹاتا ہے اور زکوٰۃ و صدقات کو نشوونما بخشتا ہے۔" (بقرہ: 276)

روزہ:

Marfat.com

- روزہ ہر امت پر فرض رہا ہے:

"اے ایمان والو! تم پر بھی روزہ اسی طرح فرض کیا گیا ہے جیسے پچھلی امتوں پر کیا گیا تھا۔" (بقرہ 183)

- روزہ کا مقصد:

"تاکہ تم میں تقویٰ پیدا ہو۔" (بقرہ: 183)

- روزوں کا مہینہ نزول قرآن کا مہینہ ہے:

"رمضان کا مہینہ وہ (مبارک) مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا' جو تمام انسانوں کے لئے سرتاپا ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو سیدھا راستہ دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق ظاہر کر دینے والی ہیں۔ پس تم میں سے جو شخص بھی اس مہینے کو پائے اس پر لازم ہے کہ پورے مہینے کے روزے رکھے۔"

حج:

- فرضیت:

اور لوگوں پر خدا کا یہ حق ہے کہ جو اس گھر (خانہ کعبہ) تک پہنچنے کی وسعت اور قدرت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے۔ (آل عمران: 97)

- حج کے مہینے:

"حج کے چند مہینے ہیں جو سب کو معلوم ہیں۔" (بقرہ: 197)

اسلامی نظریہ تعلیم

اسلامی تعلیم اس عمل کا نام ہے جس میں بچے کو جو کچھ سکھلایا جائے اس کا اثر اس کے ذہن' کردار' شخصیت' اخلاق اور عادات پر بھی پڑے کیونکہ اگر کتابیں پڑھنے' لیاقت مہارت حاصل کرنے کے بعد بھی فرد کے اخلاق و عادات' شخصیت اور کردار وغیرہ میں مناسب تبدیلی نہ ہوئی تو یقیناً وہ تعلیم سے بیگانہ اور علم سے بے بہرہ ہی رہے۔

تعلیم کی اہمیت و افادیت پر جتنا زور اسلام نے دیا ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تعلیم ہی وہ جوہر ہے جو انسان اور حیوان میں باعث تفریق ہے۔ تعلیم انسان پر ایسے اثرات و نقوش چھوڑتی ہے جو کبھی معدوم نہیں ہوتے۔ تعلیم ہی انسان کی شخصیت کو جان بخشتی ہے اور فرد کو اس کے ماحول میں مطابقت دیتی ہے۔ تعلیم کی اہمیت کی وجہ سے ہی ہر مذہب و ملت نے اس کی قدر و قیمت محسوس کی ہے۔ خدائے قدوس نے سورۂ مجادلہ کے رکوع 2 میں ارشاد فرمایا:

"اللہ ان لوگوں کے درجات بلند کرے گا جو تم میں سے ایمان لائے اور

Marfat.com

جن کو علم دیا گیا۔"

اس آیات ربانی سے علم کی اہمیت اور علم حاصل کرنے والوں کی عظمت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ یعنی تعلیم سے ہی انسان کو عظمت و بزرگی حاصل ہوتی ہے اور جس کو عظمت و بزرگی مل جائے وہ کسی اور شے کا متمنی نہیں رہتا۔ قرآن کریم میں تعلیم کی اہمیت و عظمت کا بار بار تذکرہ کیا گیا ہے اور تعلیم کے تصور کو نیکی کے مترادف مانا گیا ہے۔ جو انسان کو اشرف المخلوق کا درجہ دیتی ہے۔ اسلام میں تعلیم دینا اور تعلیم لینا دونوں ہی باعث ثواب ہیں۔ چنانچہ پہلی وحی تعلیم کا اعلان اس طرح کرتی ہے:

"پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔"

خدا تعالیٰ نے سورہ عنکبوت میں فرمایا ہے:

"ہم ان مثالوں کو لوگوں کے سمجھانے کے لئے بیان کرتے ہیں اور ان کو صرف اہل علم ہی سمجھتے ہیں۔

حدیث شریف کی روشنی میں بھی تعلیم کا یہی تصور اور مقصد ہے۔ قرآن پاک اور حدیث شریف میں کسی قسم کا تضاد نہیں ہے۔ حضور اکرم ﷺ بھی صرف ان باتوں ہی کی تشریح فرمایا کرتے تھے جن کا اللہ تعالیٰ ان کو حکم دیتا تھا۔ متعدد حدیثیں تعلیم کی اہمیت و افادیت کو ظاہر کرتی ہیں۔ مثلاً

"جس نے خود کو پہچانا اس نے خدا کو پہچانا۔"

"عالم کے قلم کی سیاہی شہیدوں کے خون سے زیادہ بہتر ہے۔"

مندرجہ بالا آیات ربانی اور احادیث نبوی سے جو مثالیں پیش کی گئی ہیں تعلیم کی اہمیت و افادیت پر بخوبی روشنی ڈالتی ہیں اور اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ قرآن پاک اور حدیث شریف کی روشنی میں تعلیم روحانی بالیدگی اور اخلاقی نشوونما کی وکالت کرتی ہے۔ اس کا یہ مقصد نہیں ہے کہ تعلیم مادی آسودگی پر توجہ نہیں دیتی بلکہ اسلام میں تعلیم ایک ایسا مسلسل عمل ہے جس کے ذریعے سے نئی نسل کی اخلاقی' ذہنی' جسمانی اور روحانی نشوونما پر مکمل توجہ دی جاتی ہے اور اس طرح تصورات' تہذیب و تمدن اور ثقافت کی اقدار بھی پروان چڑھاتی ہے۔ یہ ایک ہمہ گیر عمل ہے جس کا طلبہ کی زندگی کے تمام پہلوؤں سے گہرا تعلق ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی قوم کی تعمیر و تشکیل میں تعلیم کو بڑی اہمیت ہوتی ہے جس کی مثال مسلمانوں کے وہ شاندار کارنامے ہیں جو دنیا کے مختلف علاقوں میں ان کی ثقافت کی کہانی سنا رہے ہیں۔

اسلام نے دینی و دنیاوی علوم کو مساوی اہمیت دی ہے کیونکہ اگر دینی اور دنیاوی علوم میں باہمی ربط و توازن ہوگا تو اسلامی نظریہ تعلیم کا عروج ہوگا۔ اسلام دین فطرت ہے اس لئے وہ بلا امتیاز تعلیم کے حق کو تسلیم کرتا ہے کیونکہ یہ انسان کا فطری تقاضا ہے۔ اسلام مفت اور ہمہ گیر تعلیم کا تصور بھی پیش کرتا ہے۔ وہ ہر فرد کی روحانی اور مادی دونوں پہلوؤں کی مساوی نشوونما پر

Marfat.com

توجہ دیتا ہے اس لئے اسلامی نظام تعلیم اس طرح کا ہونا چاہئے جس سے انسان کے مادی اور روحانی پہلوؤں کی نشوونما ہو اور دونوں میں توازن بھی قائم رہے۔ اسلام کے نظریہ تعلیم کی بنیاد مذہب ہے۔ مذہب کے ساتھ ساتھ دنیاوی تعلیم کو بھی ضروری خیال کیا جاتا ہے۔ اسلام میں روحانی قدروں کے ساتھ ساتھ کردار کی اصلاح پر بھی توجہ دی جاتی ہے اور اس طرح انسان کو ایک انسان کامل بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

اسلام نے تعلیم کو دیانتدارانہ جمہوری بنیادوں پر بھی استوار کرنے کی کوشش کی ہے۔ جس میں رنگ، نسل، امیر، غریب، عورت و مرد کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ ہر شخص اپنی صلاحیت اور استعداد کے مطابق تعلیم حاصل کر سکتا ہے۔ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جب کہ تعلیم اس کا جزو لاینفک ہے جس کے بغیر مذہب کی حقیقت کو سمجھنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

قرآن کریم کے مطالعہ سے تعلیم و تربیت کے مندرجہ ذیل اصول اخذ کئے جا سکتے ہیں۔

(1) اللہ تعالیٰ نے انسان کو بے داغ فطرت اور لامحدود صلاحیتوں سے نوازا ہے ان صلاحیتوں کو ترقی دینا اس کی اپنی پسند، ہمت اور استعداد پر منحصر ہے۔

(2) خداداد صلاحیتوں کو ترقی دینے کی بہترین صورت یہ ہے کہ انسان نظم کائنات کی تخلیق اور اس کے انداز کار پر غور و فکر کرے۔

(3) تعلیم کے متحرک تصور کے لئے کوئی مقررہ نصاب مثالی یا ابدی نہیں ہو سکتا۔ نصاب میں لچک اور قوت جذب ہونی چاہئے۔

(4) تمام انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ایک کو دوسرے پر فوقیت حاصل نہیں اگر فوقیت ہے تو تعلیم سے ہے۔

قرآن پاک اور احادیث کے بعد بعض ماہرین کے خیالات کا بھی تذکرہ کیا جاتا ہے تاکہ قارئین ان کے افکار و خیالات سے بھی واقف ہو سکیں۔

تعلیم و تربیت کے تذکرہ میں امام غزالی کا نام کسی طرح سے بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔ امام صاحب ایک ماہر تعلیم ہی نہیں بلکہ ماہر نفسیات بھی تھے۔ آپ کے خیال میں:

> "تعلیم انسانی معاشرہ کے بالغ ارکان کی جدوجہد ہے جس سے آنے والی نسلوں کی نشوونما اور تشکیل زندگی اور ان کے نصب العین کے مطابق ہوتی ہے۔"

علامہ اقبال کے خیال ہیں:

> "تعلیم وہ عمل ہے جو انسان کو دین کے تحت رکھتے ہوئے اس کی طبعی قوتوں کی نشوونما کے فرائض انجام دے۔"

سرسید احمد خاں تعلیم کے سلسلے میں اس طرح اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں:

> "تعلیم و تربیت کو ہم معنی خیال کرنا بڑی غلطی ہے۔ یہ دونوں جدا جدا ہیں

Marfat.com

جو کچھ انسان میں ہے اس کو باہر نکالنا تعلیم ہے اور اس کو کسی ہنر کے قابل بنانا تربیت ہے۔"

مختصراً اسلامی نظام تعلیم کو دور جدید میں سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے کیونکہ یہی وہ نظام تعلیم ہے جو انسان کے مادی اور روحانی دونوں پہلوؤں کو مساوی اہمیت دے کر فرد کو معاشرے کا کارآمد شخص بنانے پر زور دیتا ہے۔ اسلام میں تعلیم مہد سے لحد تک جاری و ساری رہتی ہے۔ یہی نظریہ دور جدید کے ماہر تعلیم جان ڈیوی نے بھی پیش کیا ہے اگر ہم دور جدید کے ماہرین کا اور اسلامی نظام تعلیم کا مقابلہ و موازنہ کریں تو معلوم ہو گا کہ ان کے زیادہ تر افکار و خیالات اسلامی نظام تعلیم کا ہی جز ہیں۔ کتنے افسوس کا مقام ہے کہ آج ہم مغربی ماہرین کا نام بڑے فخر سے اور گھمنڈ سے لیتے ہیں اور اپنوں کو نظر حقارت سے دیکھتے ہیں جس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہم اپنے افکار و خیالات سے ناواقف ہیں کیونکہ ہم عربی زبان نہیں جانتے حالانکہ اسلامی نظام تعلیم میں وہ سب کچھ موجود ہے جس کی آج دنیا کو ضرورت ہے اور وہ دن دور نہیں ہے کہ اسلام پھر کھوئی ہوئی عظمت و شوکت حاصل کرے گا کیونکہ اسلام انسانی فطرت کی عکاسی کرتا ہے۔

اسلامی نظام تعلیم کی خصوصیات

اسلامی نظام تعلیم مندرجہ ذیل خصوصیات کا حامل ہوتا ہے:

(1) بنیادی دینی تعلیم ہر مسلمان مرد و عورت کے لئے لازمی ہوتی ہے کیونکہ "(دین کا ضروری) علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔" (ابن ماجہ) متعلم خود بھی اس فرض کی ادائیگی کے لئے ہر فرد کو پوری صلاحیت بہم پہنچائی جاتی ہے۔ متعلم خود بھی فکر مند ہوتا ہے اور معلم، سرپرست، مسلم معاشرہ اور اسلامی نظام سب اس کار خیر میں پورا تعاون کرتے ہیں۔

(2) پڑھنے پڑھانے اور تعلیم کو عام کرنے کی پوری کوشش کی جاتی ہے تاکہ کوئی بھی علم سے کورا نہ رہ جائے۔

"علم سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ۔" (بیہقی)

(3) مفید اور نفع بخش علوم کا پڑھنا پڑھانا کار ثواب میں شمار ہوتا ہے اور پورے خلوص اور انہماک سے پڑھا' پڑھایا جاتا ہے۔

"عالم اور متعلم اجر میں دونوں شریک ہیں۔" (ابن ماجہ)

"جو شخص کسی بھلائی کی طرف رہنمائی کرے اس کو بھی اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا کہ اس نیکی کرنے والے کو۔" (مسلم)

Marfat.com

"جو شخص ایسی راہ اختیار کرے جس میں اسے علم حاصل ہو تو اس کی بدولت اللہ اس کے لئے جنت کی راہ آسان کر دے گا۔" (مسلم)

"علم خیر کے طالب کیلئے تمام چیزیں دعائے مغفرت کرتی ہے۔" (ترمذی)

"جو علم حاصل کرنے کے لئے گھر سے نکلے وہ اللہ کی راہ (جہاد) میں ہے جب تک واپس نہ آ جائے۔" (ترمذی)

"طالب علم کی خوشی کے لئے فرشتے اس کے روبرو اپنے پر بچھاتے ہیں۔ (ابو داؤد)

(4) اسلام نے غیر مفید اور ضرر رساں علوم کے پیچھے پڑنے سے روک دیا ہے۔

"اس علم سے اللہ کی پناہ مانگو جو نفع نہ دے۔" (ابن ماجہ)

(5) اسلامی معاشرہ میں حسب ضرورت تعلیم مفت دی جاتی ہے۔ استطاعت رکھنے والے اور نادار طلبہ کی تمام ضروریات کی کفالت کا بندوبست کیا جاتا ہے۔ ہر کوئی اس کام میں تعاون کو کار خیر اور زکوٰۃ و صدقات کا بہترین مصرف سمجھتا ہے۔

(6) ہر متعلم کو علم پر عمل کرنے اور دوسروں تک عمل پہنچانے کی ترغیب و تربیت دی جاتی ہے۔

"علم دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک تو وہ جو زبان سے گزر کر گھر کر لیتا ہے یہی نفع بخش علم ہے دوسرا وہ جو زبان پر ہی رہتا ہے۔ وہ اللہ کی عدالت میں ابن آدم کے خلاف حجت بنے گا۔ دارمی)

فرمایا:

بلغو اعنی ولو ایہ یعنی:

"میری تعلیم لوگوں تک پہنچاؤ خواہ ایک ہی آیت ہو۔" (بخاری)

"جس شخص سے علم کی کوئی ایسی بات پوچھی جائے جس کو وہ جانتا ہے اور وہ اس کو چھپائے (یعنی نہ بتائے) تو قیامت کے دن اس کے منہ پر آگ کی لگام دی جائے گی۔" (ترمذی)

"لوگ اپنے پڑوسیوں کو لازماً تعلیم دیں انہیں وعظ و نصیحت کریں اچھی باتوں کی تلقین کریں' بری باتوں سے روکیں' اسی طرح لوگوں کو اپنے پڑوسیوں سے علم حاصل کرنا ہوگا۔ وعظ و نصیحت کو قبول کرنا ہوگا اور اپنے اندر سمجھ پیدا کرنی ہوگی ورنہ میں ان لوگوں کو بہت جلد دنیا میں سزا دوں گا۔ (طبرانی)

( ) اسلامی نظام تعلیم میں معلم اور متعلم دونوں کی شخصیت کا احترام اور دونوں کی عزت نفس کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ اساتذہ' شفیق مربی اور روحانی باپ اور طلبہ فرض شناس اور مطیع بیٹے کی طرح ہوتے ہیں۔

"علم سکھاؤ اور سختی نہ کرو۔

"جس سے علم سیکھو اس کی عزت کرو۔" (حدیث)

Marfat.com

"امام شافعیؒ تو اپنے استاد کے گھر کی طرف پیر کر کے سونے سے بھی گریز کرتے تھے۔

(8) پاکیزہ فضا میں تعلیم دی جاتی ہے۔ گھر' محلّہ' ماحول' مملکت اور مدرسہ ہر ایک فضا کو پاکیزہ بنائے رکھنے اور اپنا تعاون پیش کرنے کے لئے تیار رہتا ہے اور بڑوں خصوصاً معلمین کا حسن سلوک' ہمدردی و دل سوزی اور اچھا اسوۂ متعلمین کا مناسب تربیت اور مثالی نظم و ضبط کے قیام میں معاون ہوتا ہے۔

(9) انفرادی عائلی اور اجتماعی ذمہ داریوں کا صحیح علم بہم پہنچایا جاتا ہے۔ اور ان کو اللہ و رسول کے احکام کے مطابق سرانجام دینے کی بتدریج عملی تربیت کی جاتی ہے۔

(10) غیر مسلموں کو اپنے عقیدہ و مسلک اور اپنی مرضی کے مطابق تعلیمی اداروں کے قیام کی سہولتیں بہم پہنچائی جاتی ہیں اور ان کے مسلک یا مرضی کے خلاف کوئی بات انہیں بہ جبر نہیں پڑھائی جاتی۔

"دین کے معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے۔" (البقرہ: 256)

(11) دینی و اخلاقی قدروں کو مستقل حیثیت اور غیر معمولی اہمیت دی جاتی ہے۔ ان کے تقاضوں کو ہر حال میں پورا کیا جاتا ہے کسی حال میں بھی ان قدروں کی بے قدری نہیں ہونے دی جاتی۔

"مجھے اس لئے بھیجا گیا ہے تاکہ اخلاقی اچھائیوں کو اتمام و کمال تک پہنچاؤں۔" (موطا امام مالک)

"کہو میں اللہ پر ایمان لایا اور پھر اس پر جمے رہو۔"

"اطراف زمین سے لوگ تمہارے پاس علم دین سمجھنے آئیں گے تم ان کو بھلائی کی تلقین کرنا۔" (ترمذی)

(12) متعلم کی عمر' ضروریات' مزاج' انفرادی خصوصیات اور نفسی کیفیات کا لحاظ کر کے تعلیم دی جاتی ہے۔ تعلیم و تربیت میں آسانیاں بہم پہنچائی جاتی ہیں۔ شدائد و مشکلات میں مبتلا کر کے انہیں بددل و مایوس نہیں ہونے دیا جاتا اور نہ تعلیم کو ان پر بار بننے دیا جاتا ہے۔ مشہور مقولہ ہے۔

"لوگوں سے ان کی عقلوں کے مطابق بات کرو۔"

"آسانیاں بہم پہنچاؤ' شدائد میں مبتلا نہ کرو' خوشخبری دو' تنفر نہ کرو۔" (حدیث)

"میں ناغے دے کر وعظ و تلقین کرتا ہوں جیسے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ناغے دے کر وعظ فرماتے اور آپ ایسا اس لئے کرتے کہ لوگ کہیں اکتا نہ جائیں۔" (عبداللہ بن مسعود بخاری و مسلم)

اسلام میں مایوسی کفر ہے۔ اصلاح و تربیت کی طرف سے نہ متعلمین مایوس ہوتے ہیں اور نہ ان کے اساتذہ سرپرست یا دوسرے ذمہ دار' بلکہ ہر ایک مایوسی سے خود بچتا ہے اور

Marfat.com

متعلمین کو بچاتا ہے۔

"اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو' اس کی رحمت سے تو بس کافر ہی مایوس ہوا کرتے ہیں۔ (یوسف : 87)

"دلوں کی کچھ خواہش اور میلانات ہوتے ہیں اور کسی وقت وہ بات سننے کے لئے تیار رہتے ہیں اور کسی وقت اس کے لئے تیار نہیں رہتے تو لوگوں کے دلوں میں ان میلانات کے اندر سے داخل ہو اور اس وقت اپنی بات کہو جب وہ سننے کے لئے تیار ہوں۔ اس لئے کہ دل کا حال یہ ہے کہ جب اس کو کسی بات پر مجبور کیا جاتا ہے تو وہ اندھا ہو جاتا ہے۔ (اور بات کو قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔) (حضرت علیؓ)

(13) طلبہ کی شخصیت کے تمام پہلوؤں کو ہم آہنگی سے پروان چڑھانے کی فکر کی جاتی ہے فطری صلاحیتوں کو نشوونما دینے کی کوشش کی جاتی ہے اور ان کو بروئے کار لانے کے مواقع فراہم کئے جاتے ہیں کیونکہ بچوں کو خدا کی امانت' ان کے جسم اور جسم کی تمام قوتوں اور صلاحیتوں کو خدا کا زبردست عطیہ اور انسان کے لئے انتہائی ضروری اور مفید سمجھا جاتا ہے۔ اسی لئے انہیں نہ تو کچلا جاتا ہے اور نہ نظرانداز کیا جاتا ہے بلکہ صحیح رخ پر ڈالنے کا اہتمام ہوتا ہے۔

(14) طلبہ کو سادہ زندگی' محبت' مشقت' اپنا کام آپ کر لینے اور خلق خدا کی خدمت کرنے کا عادی بنایا جاتا ہے تاکہ وہ اپنے ہاتھ سے کام کرنے کو عار نہ سمجھیں۔ حضور تو خود سارے کام اپنے ہاتھ سے کر لیتے اور خلفائے راشدین اور بزرگان دین کا بھی یہی اسوہ رہا ہے۔

(15) خدا کی خوشنودی حاصل کرنا اور خلق خدا کو نفع پہنچانا ہی حصول علم کی غرض و غایت ہوتی ہے نہ کہ آج کل کی طرح ڈگریوں کا رعب' دبدبہ و مرتبہ جاہ و جلال' دولت و ثروت اور علمی لیاقت پر فخر و غرور یا حصول دنیا کے لئے۔

"جس شخص نے وہ علم سیکھا جس سے خدا کی خوشنودی طلب کی جاتی ہے لیکن اس غرض سے سیکھا کہ وہ اس سے دنیا کی متاع حاصل کرے تو قیامت کے دن اس کو جنت کی خوشبو میسر نہ ہوگی۔ (ابن ماجہ)

"جس شخص نے علم کو اس غرض سے حاصل کیا کہ وہ اس سے علماء سے مناظرہ کرے یا سبک سروں سے جھگڑے یا لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرے تو اللہ اس کو آگ میں داخل کرے گا۔ (ترمذی)

حضرت عمر بن الخطاب نے حضرت کعب سے دریافت کیا تمہارے نزدیک اہل علم کون ہے۔

"حضرت کعب بولے: "وہ لوگ جو اپنے علم کے موافق عمل کریں۔"

Marfat.com

پھر حضرت عمرؓ نے پوچھا:
"عالموں کے دلوں سے کون سی چیز علم کو نکال لیتی ہے۔" حضرت کعب نے جواب دیا
"لالچ" (دارمی)

(16) چھوٹے بڑے پڑھے لکھے اور ان پڑھ سب علم کے حریص بنا دیئے جاتے ہیں اور لائبریریوں اور دارالمطالعوں اور مذاکراتی مجالس وغیرہ کے ذریعے ایسی سہولتیں بہم پہنچائی جاتی ہیں کہ ہر شخص گود سے گور تک علم حاصل کر سکے۔
"مومن کا پیٹ بھلی باتوں (علم) سے نہیں بھرتا وہ سنتا رہتا ہے یہاں تک کہ جنت میں پہنچ جاتا ہے۔ (ترمذی)

یہ ہیں اسلامی نظام تعلیم کی بنیادی خصوصیات۔ اسلامی نظام تعلیم ہی وہ جامع الصفات نظام ہے جس میں انسان کی شخصیت کے ہر پہلو اور اس کی تمام فطری قوتوں اور صلاحیتوں اور اس کی ساری ضروریات کی پوری رعایت رکھی گئی ہے۔ یہی وہ نظام تعلیم ہے جو ہر حیثیت سے مکمل' مفید اور اللہ کی نظر میں مستند ہے۔ باقی جتنے نظام تعلیم رائج ہیں وہ سب انسانوں کے گھڑے ہوئے 'یک رخے۔ ناقص اور بحیثیت مجموعی انسانیت کے لئے مضر ہیں یہی واحد نظام تعلیم ہے۔ جس میں انسانیت کی فلاح ہے۔ اسی کو اپنا کر موجودہ تعلیمی مسائل کا حل نکالا جاسکتا ہے اور آئندہ نسلوں کا مستقبل تابناک بنایا جاسکتا ہے ورنہ انسانیت کا انجام انتہائی دردناک ہوگا۔ مروجہ نظام ہائے تعلیم آئندہ نسلوں میں جس تیزی سے بغاوت پیدا کر رہے ہیں اس کا ہر ایک کو علم ہے۔ اللہ تعالیٰ اسلامی نظام کو اختیار کرنے کی توفیق دے اور اس انجام بد سے بچائے جس کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

اسلام کا تصور علم: اسلام نے جو تصور علم دیا ہے اس میں سب سے بنیادی چیز یہ ہے کہ علم کا سرچشمہ ذات باری تعالیٰ ہے۔ علم اشیاء اسی کا عطا کیا ہوا اور انسان کی رہنمائی و ہدایت کا علم بھی اسی کی طرف سے ہے۔ علم کے بڑے ذرائع حواس' عقل و تجربہ ہیں لیکن وحی سب سے اعلیٰ ذریعہ علم ہے۔ علاوہ ازیں علم کا تعلق محض لوازمات حیات ہی سے نہیں' مقاصد حیات سے بھی ہے اور لوازمات حیات کو مقاصد حیات کے تابع ہونا چاہئے یہی وہ بنیادی تصور ہے جس سے اسلامی تصور تعلیم کا مزاج بنتا ہے۔

اسلام علم کو دوسری تمام چیزوں پر فوقیت دیتا ہے علم ہی کی بناء پر حضرت آدم کو اشرف الخلوق کے خطاب سے نوازا گیا۔ قرآن حکیم میں حضرت طالوت علیہ السلام کے واقعے میں' صاف اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ سرداری اور رہنمائی کے لئے علم ضروری ہے جواب میں فرمایا کہ "اول تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے مقابلے میں ان کو منتخب فرمایا ہے۔ اور دوسرے علم اور جسامت میں ان کو زیادتی دی ہے۔" (البقرہ : 247)

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کے شکر گزار بندے اہل علم ہی ہو سکتے ہیں اور علم کی غایت اصلیہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ بن جائے۔

ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی تھی ۔ اللہ کا شکر گزار ہو (لقمان 121) نیز فرمایا "خدا سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں۔"

ابن مسعود وغیرہ نے کہا ہے کہ علم خوف خدا کا نام ہے۔ کثرت روایت کا نہیں معلومات کا ذخیرہ جمع کرنا نہیں' تو ایسا علم قطعاً عمل کو درست کر دیتا ہے یعنی اس سے نیکی پیدا ہوتی ہے۔ انسان صالح بن جاتا ہے۔ اور اس معنی میں کہا جاسکتا ہے کہ نیکی علم ہے اور عالم وہی ہے جو خدا سے ڈرتا ہے یعنی عالم وہ جو عرفان حق اور خوف خدا رکھنے کی وجہ سے اللہ ہی کے لئے عمل کرتا ہے' اور عمل کا مقصود اللہ کی رضا و محبت کو قرار دیتا ہے۔ اسی علم کو زبان سنت میں علم نافع کہا گیا ہے۔ اور اس کی وضاحت کی گئی ہے کہ علم ایک نور ہے' جو عالم کے حجابات کو رفع کرتا ہے۔ اور اس کو عرفان حق عطا کرتا ہے۔ اسی علم کی وجہ سے وہ اپنے رب کی طرف راہ یاب ہوتا ہے۔ اس کو اپنے سے قرب' بلکہ اقرب پاتا ہے۔ اس کو حاضر و ناظر جانتا ہے۔

چونکہ علم کی غایت عرفان حق ہے اس لئے اسلامی نقطہ نظر سے علم کے تین مدارج ہیں۔

(1) **علم الیقین:** ایسا علم جس میں کسی چیز کے متعلق علم کی حد تک خبر ہو مثلاً آگ ہمیشہ جلاتی ہے۔

(2) **عین الیقین:** اسے علم مشاہدہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ مثلاً آگ نے زید کی انگلی جلائی۔

(3) **حق الیقین:** جو علم تجربے کے بعد حاصل ہو۔ مثلاً آگ نے میری انگلی جلائی۔

ذرائع علم: اسلام میں علم کے حصول کے دو بنیادی ذرائع ہیں۔

(1) قرآن پاک (2) حدیث نبوی یا سنت رسول

(1) قرآن حکیم علوم و فنون کا معدن ہے جس سے ہزاروں علوم کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ قرآن پاک کی بدولت ہی تفسیر' لغت' حدیث' فقہ اور معانی و بلاغت کی بنیاد پڑی۔ پھر تاریخ و سیر کی طرف توجہ ہوئی۔ رفتہ رفتہ منطق' فلسفہ' طب' ہیئت' طبیعات اور ریاضیات وغیرہ کے ذخیرے اکٹھے ہوئے یہ امر تسلیم شدہ ہے کہ احکام شرعیہ و عقائد اور اصول اخلاق و تہذیب کے علاوہ بھی بے شمار علوم و فنون اور صنائع کے اصول قرآن حکیم سے ماخوذ ہیں۔

سب سے بنیادی چیز یہ ہے کہ قرآن حکیم کلام الٰہی ہے اور چونکہ رب العزت سب سے بڑا معلم ہے۔ اسی طرح یہ کتاب آسمانی ہدایات' تعلیمات الٰہی کا بہترین مجموعہ ہے اور

Marfat.com

تمام بنی نوع انسان کے لئے قرآن حکیم ذریعہ تعلیم و ہدایت ہے۔ قرآن پاک کے ذریعے سے تمام علوم سے روشنائی اور مسائل کا حل ممکن ہے۔ حضور نے احادیث مبارکہ کے ذریعے سے ان کی تشریح کی۔ قرآن میں اشاروں کی صورت میں بھی زندگی کے پہلو نمایاں ہیں۔

(2) قرآن پاک نے حیات انسانی کے مختلف پہلوؤں اور گوشوں کے اصول بیان کر دیئے ہیں جن کی تشریح و توضیح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد تھی۔ چنانچہ قرآن پاک کے بعد حدیث نبوی علم کا بڑا ماخذ ہے۔

اسلامی نصاب تعلیم: اسلامی نصاب تعلیم میں دو عناصر بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔ اول فرد۔ دوم معاشرہ: اسلام ان دونوں کو ان کا جائز مقام دیتا ہے۔ اور اسلامی نظام تعلیم میں دونوں کی ترقی کے مواقع موجود ہیں۔ اس لحاظ سے اسلامی نظام تعلیم میں نصاب کی بنیادوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(1) نفسیاتی بنیادیں: اسلامی نقطہ نظر سے انسان فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے لہٰذا اس کے لئے سب سے زیادہ مرغوب علم وہی ہے جو اسلام کے نظام اطاعت سے متعلق ہو۔ اس سے متصادم یا منحرف مواد تعلیم کامل انفرادی نشوونما میں حائل ہوگا۔

اسلامی نقطہ نظر سے انسان فطرتاً آزاد پیدا کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کے سوا اس پر کوئی پابندی عائد کرنا درست نہیں۔ ایسی پابندیاں طالب علم کی نشوونما میں حائل ہوسکتی ہیں۔ اسلامی نقطہ نظر سے انسانی شرف کا معیار صرف تقویٰ ہے۔ رنگ یا نسل وغیرہ کا کوئی امتیاز برتری کی بنیاد نہیں بن سکتا۔

اسلام افراد میں استعداد اور میلان طبع کے اختلافات کو تسلیم کرتا ہے۔ نصاب تعلیم میں اس کا خیال رکھنا چاہئے۔

2۔ معاشرتی بنیادیں: اسلام نے فساد فی الارض کو بہت بڑا فتنہ قرار دیا ہے۔ اور اس کے استیصال کے لیے زمین پر اللہ کی حکمرانی کا نظام قائم کرنے کا علمبردار ہے۔ ضروری ہے کہ مواد تعلیم بھی اس کا داعی ہو۔

اسلامی نظام معاشرے کو مرد و زن کے باضابطہ تعلق پر مبنی قرار دیتا ہے۔ اور اس تعلیم کو قابل احترام سمجھتا ہے مواد تعلیم کو اس عائلی نظام کی تقویت کا ذریعہ بننا چاہئے۔ اسلام عام انسانی تعلقات میں ہمدردی اور رواداری کا علمبردار ہے۔ تصور نصاب تعلیم کے لئے ایک اہم معاشرتی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ اسلام فرد اور معاشرے کی ضروریات کے پیش نظر عام تعلیم اور اختصاصی تعلیم کا امتیاز کرتا ہے۔ عام تعلیم سے مراد مبادیات ہیں جو معاشرے میں کامیاب زندگی

Marfat.com

گزارنے کے لئے لازمی ہیں۔ اقتصادی تعلیم سے مراد علوم میں مجتہدانہ استعداد حاصل کرنا ہے۔ نصاب تعلیم میں عام تعلیم کے مدراج متعین کرتے وقت ان کا خیال رکھنا چاہئے۔

نصاب کے کئی مفاہیم ہیں نصاب بالعموم راستے کو کہا جاتا ہے۔ چنانچہ نصاب کی جامع تعریف یہ ہے کہ سکول کے جملہ اندرونی و بیرونی مشاغل جو سکول کی راہنمائی میں منظم و مرتب کئے جائیں اور انہیں طلبہ کی زندگیوں میں جاری و ساری کیا جائے۔

اسلام کا تصور نصاب علم و عمل' ظاہر و باطن دنیا و آخرت' انفرادی و سماجی وغیرہ جملہ پہلوؤں کو محیط ہے۔ تمام سرگرمیاں جو انسانی زندگی میں پیش آتی ہیں۔ ان سب کے لئے مفید ہے۔ یعنی ظاہر و باطن اور دنیا و آخرت تک پھیلا ہوا ہے۔

سید علی ہجویری" فرماتے ہیں کہ علم صرف جاننے کو نہیں کہتے بلکہ علم کا مطلب ہے' جاننا۔ اور یہ عمل درآمد پر بھی زور دیتا ہے۔ جذباتی احساس سے مراد ہے خشوع و خضوع کے ساتھ یعنی طلبہ۔ مضامین کی نظری تعلیم تک محدود نہ ہوں گے بلکہ وہ اس پر عمل کریں گے اور جذباتی لگاؤ کا بھی اظہار کریں گے۔

مضامین کے نقطہ نظر سے چند مستثنیات کو چھوڑ کر تمام علوم و فنون جو انسانی تشکیل اور انسانی تعمیر و ترقی اور مفاد کے لئے ضروری ہیں۔ یہ سب کے سب اسلامی نصاب میں داخل ہیں بنیادی طور پر اسلامی نصاب کا بڑا حصہ الکتاب یا حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم یا سنت رسول ہے لیکن اسلامی نصاب کا یہ تصور کہ یہ الکتاب یا حدیث تک محدود ہو غلط ہے۔ اس کے علاوہ تمام علوم و فنون جو انسانی زندگی کے لئے مفید ہیں۔ اسلامی نصاب میں شامل کئے جاسکتے ہیں۔ موجودہ دور کے تمام ٹیکنیکل مضامین بھی اسلامی نصاب میں شامل کئے جاسکتے ہیں۔ ان کی شہادت ہمیں حضرت عمر کے زمانہ خلافت سے ملتی ہے۔ حضرت عمر فاروق نے فوجی چھاؤنیوں اور دوسرے علاقوں میں استاد مقرر کئے تھے۔ جو جوانوں کو نیزہ بازی' تیز اندازی' تلوار چلانا۔ گھڑ سواری اور وہ اشعار جو انسان کے اعلیٰ اور بہادرانہ جذبات کو ابھاریں کی تعلیم دیتے ہیں۔

اسلام کے اندر غیر مسلمین سے بھی تعلیم حاصل کی جاسکتی ہے۔ اس کی شہادت جنگ بدر کے قیدیوں سے رہائی کی شرائط سے ملتی ہے جب انہیں حکم دیا گیا کہ اتنے اتنے لوگوں کو پڑھنا لکھنا سکھادو تو رہائی ملے گی۔

اسلام میں طیبات حلال ہیں۔ جبکہ منکرات حرام ہیں اس لئے حلال' پاکیزہ آرٹ اسلام میں جائز ہے بیل بوٹوں اور بے جان چیزوں کی تصاویر بنانا ناجائز نہیں ہے۔ بطور ضرورت کے تصویر بنوانا جائز ہے۔ مثلاً میڈیکل کی تعلیم میں جانداروں کی تصاویر اور ان کے مختلف نظاموں کی تشریح اشکال کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اس لئے یہ جائز ہے۔

اسلام علوم کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔

(1) فطری علوم (2) سماجی علوم

Marfat.com

اسلامی نصاب میں سوشل سائنسز کو مرکزی اہمیت حاصل ہے کیونکہ ان ہی علوم سے تعلیم کے مقاصد اور اس کے طریقوں پر روشنی پڑتی ہے۔ سوشل سائنسز سے اسلامی افکار' عقائد اور نظریات حاصل ہوتے ہیں نیز ان سے نظریہ حیات برآمد ہوتا ہے' اقتصادی' سماجی' عمرانی افکار ان ہی سے ملتے ہیں' فلسفہ تشکیل نو کے نزدیک بھی سوشل سائنز کی اہمیت زیادہ ہے کیونکہ اس نظریئے میں بھی کردار پر زور دیا گیا ہے۔ فطری علوم آلاتی ہوتے ہیں۔ جو ذریعے کا کام دیتے ہیں اور محض قوت کا باعث ہیں یعنی کچھ علوم بذات خود مقصود ہیں۔ جیسے پڑھنا تو ایک ذریعہ ہے۔ اسلام سائنسی علم کو ایک ذریعہ سمجھتا ہے۔ سائنس دان صرف مشاہداتی دنیا سے تعلق بتاتے ہیں۔ انسانی اقدار کے متعلق کچھ نہیں بتاتے۔ اس لئے فزکس' بیالوجی' کیمسٹری یا دیگر سائنسی علوم مقاصد کی تکمیل کے لئے ذریعے کا کام دیتے ہیں جبکہ اسلامی اقدار سوشل سائنسز یا سماجی علوم سے مستفید ہوتی ہیں۔

اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عمرانی علوم بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ علوم کے بارے میں ترجیحات پر زور دینا چاہئے قرآن حکیم اور احادیث مبارکہ کو صحیح مقام دیا جائے نصاب میں اس کو اعلیٰ ترین مقام دیا جائے۔ علم الکلام کو کالج کی سطح پر بطور مضمون جاری کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے جس استدلال کو اپنایا ہے ہمارے لئے وہی بہتر ہے اللہ تعالیٰ مختلف واقعات میں خود استدلال سے کام لیتا ہے۔ کائنات اور اپنی ہستی سے متعلق دلائل دیتا ہے۔ ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔

> "ہمیں ضرورت ہے کہ قرآنی استدلال کو اپنایا جائے۔ قرآنی استدلال نہایت موزوں' مفید' دلنشین اور عام فہم و موثر ہے۔ قران مجید سب سے بڑا گائیڈ لائن ہے۔ گویا یہ ایک تاریخی کتاب ہے جو بے شمار واقعات بیان کرتی ہے۔ غرض قرآن حکیم زندگی کے ہر پہلو کا احاطہ کرتا ہے اس لئے اسلامی نصاب کی سب سے بڑی اور پہلی بنیاد قرآن حکیم ہے۔"

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تعلیم یا حضور بطور معلم

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تعلیم بھی قرآن مجید کے طریقہ تعلیم کی طرح تھا۔ اس میں حسب ذیل باتیں قابل ذکر ہیں۔

1۔ **مخاطب کی علمی سطح کو مد نظر رکھنا:** نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم دیتے وقت

Marfat.com

مخاطب کی علمی استعداد کو پیش نظر رکھتے تھے۔ ہر شخص سے اس کی ذہنی سطح پر اتر کر بات فرماتے تھے۔ زیادہ مشکل الفاظ میں تعلیم نہیں دیتے تھے۔

2۔ انداز بیاں صاف اور شستہ : انداز بیاں نہایت صاف اور شستہ ہوتا تھا۔ ہر بات سمجھ میں آجاتی اور ہر بات کو اچھے طریقے سے پیش فرماتے تھے۔

3۔ خاکہ یا ڈایاگرام کا استعمال : بعض چیزوں کی وضاحت کرنے کے لئے آپ لکیریں کھینچ کر سمجھاتے تھے' جنت اور دوزخ کی وضاحت کرتے وقت آپ نے زمین پر لکیریں کھینچ کر فرمایا کہ یہ راستہ جنت کو جاتا ہے۔ اور یہ راستہ دوزخ کو جاتا ہے۔

4۔ جامد تصورات کی خصوصیات کے ذریعے وضاحت : آپ جامد تصورات کی وضاحت خصوصیات کی صورت میں فرماتے تھے۔ مثلاً انسان کون ہے ؟ تو اس میں انسان کی سیرت و کردار کے انداز میں دیکھتے۔ اسی طرح لائق کون ہوتا ہے۔ جو امتحان میں زیادہ نمبر لے۔ منافق کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ منافق وہ ہے جو جھوٹ بولے امانت میں خیانت کرے۔ جب بھی وعدہ کرے تو اس کو پورا نہ کرے۔

5۔ تدریس مختصر مگر جامع : آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مختصر مگر جامع تقریر فرماتے تھے۔ آپ ٹھہر ٹھہر کر تقریر فرماتے تاکہ سننے والے اس کو اچھی طرح سمجھ جائیں۔ اہم چیز پر زور دینے کے لئے اسے تین بار دہراتے۔

6۔ سوالیہ انداز : قرآن حکیم کی طرح جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی انوکھی یا مشکل چیز متعارف کروانا ہوتی تو سوالیہ انداز اختیار فرماتے۔ تم جانتے ہو کہ یہ کیا چیز ہے؟ آپ جانتے ہیں کہ ہمسایوں کا کیا حق ہے؟ کیا میں آپ کو ایسی باتیں نہ بتاؤں؟ جو تم کو جہنم سے آزاد کر دے۔ اس طریقہ میں اچانک پن پایا جاتا ہے۔ ایجوکیشنل تکنیک ہے کہ کسی کی توجہ کو مرکوز کر کے بات بتائی جائے۔ یعنی جذبہ تجسس پیدا کر کے اہمیت کو واضح کیا جائے۔

7۔ متوازن اور موزوں لب و لہجہ : آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان کرنے کا تقریر کا لب و لہجہ نہایت موزوں اور متوازن ہوتا۔ آواز نہ زیادہ بلند اور نہ زیادہ مدہم بلکہ گفتگو میں میانہ روی اختیار فرماتے تھے۔

8۔ علامات و اشارات کا استعمال : آپ صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات کسی بات کی وضاحت کے لئے علامات و اشارات کا استعمال فرماتے تھے۔ بعض اوقات کوئی موضوع بیان فرماتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں سرخ ہو جاتی تھیں۔ بعض اوقات چہرہ انور سے خفگی کا اظہار فرماتے تھے۔ اور بعض اوقات اشارات استعمال کرتے تھے۔ قیامت کی وضاحت کرتے

Marfat.com

ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے اور قیامت کے درمیان اتنا فاصلہ ہے کہ جتنا ان دو انگلیوں کے درمیان ہے۔ اسی طرح انگلیوں کے اشارے سے فرمایا کہ جس شخص کی تین بیٹیاں ہوں۔ ان کی پرورش کرے تعلیم دے اور ان کی شادی کرے تو وہ شخص جنت میں میرے ساتھ ایسے ہوگا جیسے یہ انگلیاں ہیں۔ آخری حج کے موقع پر خطبہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا۔ اے خدا! تو گواہ رہنا۔

(9) **تعلیم اور عمل**: آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس چیز کی تعلیم دیتے تھے۔ خود اس پر عمل فرماتے تھے۔ جو چیز فرماتے تھے وہ آپ کی ذات اقدس میں پہلے سے موجود ہوتی تھی۔ علم اور عمل ایک ساتھ ہیں۔ اسلام علم و عمل میں تفریق پیدا نہیں کرتا۔

(10) **عملی مثالوں سے چیز کی وضاحت**: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ خزاں کے موسم میں ایک درخت کی ٹہنی کو پکڑ کر ہلایا۔ تو بہت سارے پتے جھڑ گئے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانچ وقت نماز پڑھنے سے انسان کے گناہ اسی طرح گر جاتے ہیں جس طرح اس ٹہنی کے پتے گر گئے۔ قرآن حکیم بھی بعض مثالوں کے ذریعے وضاحت کرتا ہے۔

(11) **موقع و محل کے مطابق کلام**: آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی کلام فرماتے تو موقع محل کے مطابق فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی محفل میں جاتے تھے تو بڑے غور سے باتیں سنتے اور نفسیاتی لمحے کا انتظار فرماتے جب موقع ملتا تو پھر بات کرتے۔ یہی درست طریقہ ہے کہ جب بھی محفل میں بیٹھیں پہلے لوگوں سے پوری بات توجہ سے سنیں بعد میں جواب دیں اور جواب موقع و محل کے مطابق ہونا چاہئے۔

(12) **کلام میں اختصار اور طول کلام سے بیزاری**: طول کلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسند تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ میں وہ عربی ہوں جسے کلام میں اختصار دیا گیا۔ اور بامعنی کلام سے نوازا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عربی ادب کے اعلیٰ معیار پر پورا اترتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انداز بیان نرالا اور انوکھا تھا۔ اس میں روانی سلاست اور وضاحت ہوتی تھی۔

(13) **کھلا کلاس روم**: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلیم دینے کا کوئی خاص سکول نہ تھا اور نہ ہی کوئی کلاس روم تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اوپن تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم منڈی میں لوگوں کے گھروں میں جنگ کے میدان میں اور مسجد میں لوگوں کو تعلیم دیتے تھے۔

(14) **تعلیم پوری زندگی پر محیط**: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پوری زندگی پر محیط تھی۔ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم نہ دی ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اقتصادی' سماجی' روحانی' اخلاقی غرضیکہ تمام پہلوؤں پر پوری وضاحت

Marfat.com

سے روشنی ڈالی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مکمل نظام حیات کا نمونہ تھی۔ آپ روحانی معالج بھی تھے۔ اور جسمانی معالج بھی۔

(15) وعظ و تبلیغ میں اعتدال: آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ کی وعظ و تقریر کو ہرگز پسند نہ فرماتے تھے۔ بلکہ کچھ دن چھوڑ کر تبلیغ فرماتے اور تعلیم میں اعتدال کو پیش نظر رکھتے اور بامعنی سوال کی حوصلہ افزائی فرماتے۔

عہد نبوی میں اشاعت تعلیم کا مختصر خاکہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ایک بڑا مقصد نہ صرف عربوں کو بلکہ ساری دنیا کو علم و تمدن کی دولت سے مالا مال کرنا تھا۔ چنانچہ سیدنا المرسلین کو اپنے معلم کتاب و حکمت ہونے پر بڑا فخر تھا۔ عبداللہ بن عمرو بن عاص نے ایک دلچسپ واقعہ بیان فرمایا ہے کہ آنحضرت ایک دن مسجد نبوی میں تشریف لائے اور صحابہ کرام کے دو حلقے دیکھے۔ ایک تلاوت و دعا میں مشغول تھا۔ اور دوسرا درس و تدریس میں آنحضرت نے پہلے ارشاد فرمایا "دونوں گروہ اچھے کام میں مشغول ہیں" پھر آپ بعثت معلماً کہہ کر علمی حلقے میں بیٹھ گئے۔

دار ارقم مکہ میں مسلمانوں کی پہلی درس گاہ تھی۔ یہی وہ مقدس مقام ہے' جہاں مسلمان چھپ چھپ کر جمع ہوتے تھے اور عبادت کرتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن پاک کی کوئی آیت یا سورۃ نازل ہوتی تو انہیں پڑھ کر سناتے۔ یہیں حضرت عمر حاضر ہوئے۔ اور اسلام قبول کیا۔ یثرب میں مصعب بن عمیر اور عبدالرحمن بن ام مکتوم ہجرت مدینہ سے کچھ پہلے درس و تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ اور ان کی کوششوں سے مدینے میں دین و علم کی روشنی پھیلنے لگی۔ مدینے میں ہجرت کے فوراً بعد سرور عالم نے ایک مسجد تعمیر کروائی جو عبادت گاہ ہونے کے علاوہ اسلام کی پہلی عظیم درس گاہ تھی۔ یہیں وہ چبوترہ تھا جسے تاریخ اسلام میں صفہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جو لوگ تحصیل علم کی خاطر یہاں فروکش ہوئے وہ اصحاب صفہ کہلائے۔ ان کی تعلیم و تربیت کی نگرانی معلم انسانیت بذات خود فرماتے تھے۔ مدینہ میں مورخین اسلام کے بیان کے مطابق دوسری مساجد تعمیر ہو چکی تھیں' جو عہد نبوی میں تعلیم و تدریس کے ذیلی مراکز کا درجہ رکھتی تھیں۔ پیغمبر اسلام کو مسلمانوں کے بچوں کو علم و عرفان سے بہرہ ور کرنے کا بے حد خیال اور فکر تھا۔

اس سلسلے میں چند ارشادات نبوی نقل کئے جاتے ہیں۔

1۔ "اولاد اپنے والدین سے عمدہ تعلیم و تربیت کی مستحق ہے۔"

2۔ اولاد کے لئے والدین کا اچھا تحفہ اچھی تعلیم دلانا ہے۔

3۔ مرد سے اس کے اہل و عیال کے بارے میں پوچھا جائے اور عورت اپنے خاوند کے گھر اور اولاد دونوں کے لئے جواب دہ ہوگی۔

Marfat.com

مسجد نبوی اس دور کی مرکزی درس گاہ تھی۔ جو قبائل اسلام لاتے اس دارالعلوم کا رخ کرتے اور دین کی تعلیم و تربیت حاصل کرنے کے بعد اسلام کی روشنی سے اپنے علاقے کو مستفید کرنے کا عزم و ولولہ لئے لوٹ جاتے۔ مورخین اسلام نے ایسے متعدد وفود کا تذکرہ کیا ہے جو اسلام کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے مسجد نبوی میں حاضر ہوئے۔ مثلاً بنی عامر کا وفد' بنی تمیم کے قبیلے کے ستر اسی نمائندے' جوں جوں اسلامی معاشرہ پھیلتا گیا۔ آنحضور تعلیم و تربیت کے لئے معلمین کو مختلف علاقوں میں بھیجتے چلے گئے۔ ابن خلدون کے بیان کے مطابق نبی کریم نے معاذ بن جبل کو اہل یمن اور حضر موت کے علاقوں کے لئے معلم بنا کر بھیجا۔ اسی طرح صحیح بخاری کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل نجران کو دین کی باتیں سکھانے کے لئے ایک صحابی کو مامور فرمایا۔ جبکہ حضور سرور کائنات نے قبائل قارہ عضل کے لئے چھ معلم مقرر فرمائے تھے۔

دینی علوم کے پہلو بہ پہلو رسول اکرم نے بہت سے علوم و فنون مثلاً علم ریاضی' مبادی طب' علم ہیت یا علم فلکیات' علم انساب' علم تجوید اور فن خطاطی جیسے علوم مفیدہ کو سیکھنے کی یا تو اجازت دی یا ان کی تحصیل کی حوصلہ افزائی فرمائی علاوہ ازیں جسمانی صحت کو بحال رکھنے کے لئے نشانہ بازی' شہسواری' پیراکی اور کشتی کا فن سیکھنے کی اجازت دی' اگرچہ ان جملہ مضامین کی بیک وقت ۔ ا کا کسی درس گاہ میں بھی انتظام نہ تھا۔

یہاں یہ بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت نے اپنی حیات طیبہ ہی میں یہ طے فرمایا دیا تھا کہ مسلمانوں کے نظام تعلیم و تدریس میں اولیت کن مضامین کو حاصل ہوگی۔ اسی طرح نصاب تعلیم میں علوم کی اضافی اہمیت کا معاملہ ہمارے یہاں شروع ہی میں طے ہوگیا تھا۔ عبدالرحمن بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اکرم نے فرمایا کہ اصل تین چیزوں کا علم ہے۔ آیت محکمہ' سنت قائمہ اور فریضہ عادلہ۔ آیت محکمہ سے مراد آیات قرآنی ہیں۔ سنت قائمہ کے مفہوم مں آنحضرت کی احادیث آتی ہیں اور فریضہ عادلہ سے مراد فقہ' یا فرائض دینیہ ہیں ان تینوں علوم میں سے قرآن مجید کے علم کو افضل ترین قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد نبوی ہے۔

"تم میں سے افضل وہ ہے جو قرآن مجید سیکھے اور سکھائے۔"

عہد نبوی میں تعلیم کے فروغ کے لئے آنحضرت کی ازواج مطہرات آنحضور کا ہاتھ بٹا رہ، تھیں۔ حضرت ام سلمہ اور حضرت حفصہ دونوں لکھنا پڑھنا جانتی تھیں اور حضرت عائشہ تو ا۔ تے ک ب سے بڑی معلمہ تھیں۔ جن کے بارے میں خود لسان نبوت سے یہ جملہ نکاری ہوا ا ائشہ سے حاصل کرو۔ حضرت عائشہ کے علمی مرتبے کے بارے میں عظیم محدث امام ل ہے۔

"اگر تمام صحابہ کا علم ایک پلڑے میں اور حضرت عائشہ کا علم دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے تو عائشہ کے علم کا پلڑہ بھاری رہے گا۔

Marfat.com

مخلوط تعلیم سے احتراز: لیکن یہ معلوم رہے کہ اسلام نے مخلوط نظام تعلیم کی روایت کو کسی مرحلے پر نہیں اپنایا۔ آنحضور نے عورتوں کو نماز جمعہ' نماز جنازہ اور جہاد جیسے اہم فرائض سے مستثنیٰ قرار دیا ہے تاکہ مرد و زن کا اختلاط نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے اجتماع کے لئے ایک مخصوص دن مقرر فرمایا اور یہ بدھ کا دن تھا۔ اس بارے میں احتیاط کا یہ عالم تھا کہ مسجد نبوی میں عورتوں کے داخلے کے لئے دروازہ بھی الگ کیا گیا تھا۔ مسجد نبوی کا یہ دروازہ اب تک "باب النساء" کے نام سے موسوم ہے۔ امہات المومنین کے علاوہ صحابیات کو بھی علم دین سیکھنے کا بے حد شوق تھا۔ حضرت ابو سعید سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم کی خدمت میں ایک صحابیہ حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ کی باتیں مردوں نے خوب حاصل کرلی ہیں (اور ہم محروم رہ جاتی ہیں) لہٰذا اپنی طرف سے ہمارے لئے ایک دن مقرر فرمائیں جب ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوں اور آپ ان معلومات سے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دی ہیں ہمیں بہرہ مند کریں۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا "اچھا فلاں فلاں روز فلاں مقام پر تم جمع ہو جانا۔" چنانچہ مقررہ جگہ اور دن پر صحابیات جمع ہوگئیں۔ آنحضرت صلعم وہاں تشریف لے گئے اور ان کو اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے علوم میں سے کچھ پہنچایا۔

> "اس دور میں استاد و شاگرد کے تعلقات کی نوعیت کیا تھی ؟ اس بارے میں دو رائیں نہیں ہوسکتیں۔ حضور اکرم معلم اعلیٰ تھے۔ اکابر صحابہ تعلیم و تربیت کے وظیفہ کی انجام دہی میں ان کے معاون تھے' معلمین شفیق تھے' رحیم تھے۔ شاگرد مودب تھے' فرمانبردار تھے۔ استادوں کو حضور کی نصیحت تھی۔ علم سکھاؤ اور سختی نہ کرو معلم شفیق سختی کرنے والے استاد سے بہتر ہے۔"

نیز انہیں تاکید کی گئی تھی کہ لوگ تمہارے پاس دور دراز گوشوں سے دین کا فہم حاصل کرنے کے لئے آئیں گے جب وہ تمہارے پاس آئیں گے تو ان سے اچھا سلوک کرنا۔ بلاشبہ آنحضرت کی درس گاہ سے فیض یافتہ معلمین اپنے مخاطبین کی ذہنی سطح اور ذہنی افتاد طبع کا خاص خیال رکھتے تھے۔

اس دور میں حضرت سلمان فارسی اور حضرت ابو ذر غفاری جیسے زاہد اور خرقہ پوش تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود اور علی مرتضیٰ جیسے عالم اور فقیہہ تھے۔ حضرت عمرو بن العاص' خالد بن ولید جیسے فاتح اور مجاہد تھے۔ ابوبکر صدیق اور عمر فاروق جیسے دنیا کے جہاں بان اور ملکوں کے فرماں روا تھے۔ یہاں ہر رنگ اور ہر مذاق کے طالب علم تھے اور مسجد نبوی ایک جامع اور عمومی درسگاہ تھی' جہاں ذوق اور استعداد کے مطابق سب لوگوں کو تعلیم مل رہی تھی۔

Marfat.com

خلافت راشدہ اور نظام تعلیم

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دور خلافت بڑا مختصر تھا۔ اور انہیں کئی فتنوں کا سامنا تھا۔ اس لئے ان کی زیادہ تر توجہ مرتد قبائل' منکرین زکوۃ اور جھوٹے مدعیان نبوت کو سرنگوں کرنے کی طرف رہی اور تعلیم و تدریس کے نظام کی ترقی و ترویج کے لئے فرصت نہ مل سکی۔ تاہم ان کا یہ بڑا احسان تھا کہ انہوں نے قرآن مجید کو جو پہلے متفرق اور منتشر نوشتوں کی صورت میں تھا' یکجا مرتب و مدون کرکے ہر قسم کی تحریف سے محفوظ کر دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب امیرالمومنین بنے تو انہوں نے نظام تعلیم و تدریس کی طرف توجہ فرمائی' خصوصاً بچوں کی تعلیم پر انہوں نے زور دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مفتوحہ ممالک میں ہر جگہ قرآن مجید کا درس جاری کیا۔ مدینہ منورہ میں چھوٹے چھوٹے بچوں کی تعلیم کے لئے جو مکتب تھے۔ ان کے معلموں کا وظیفہ یا تنخواہ پندرہ درہم مقرر فرمائی۔

کتاب البیان والتبیین کے مولف جاحظ لکھتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بچوں کو ضرب الامثال یاد کرنے اور عمدہ شعر ازبر کرنے کی تاکید فرمائی تھی۔ مزید برآں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام اضلاع میں احکام بھیجے کہ بچوں کو کلام پاک لکھنے (کتابت) کا فن شریف سکھایا جائے۔ بچوں کی تعلیم گاہیں بالعموم مسجدیں تھیں یا پھر گھروں پر انہیں والدین تعلیم و تربیت دیتے تھے۔ مسجدوں میں ہی بالغوں کی تعلیم و تربیت کے لئے تعلیمی حلقے بھی قائم تھے' جن کی تعداد چھ ہزار نو سو کے لگ بھگ ہے۔ ان میں نو سو جامع مساجد تھیں۔ جہاں سے علم و تہذیب کی شعاعیں پھوٹتی تھیں اور اسلامی معاشرے کو منور کر رہی تھیں' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوجیوں کے فرائض منصبی میں قرآن مجید کی تعلیم و تدریس کو شامل کر دیا تھا۔ امیرالمومنین ہر سال صوبوں کے حکام اور فوجی افسروں سے حفاظ قرآن کی فہرست طلب فرماتے تھے۔ حضرت ابو موسیٰ نے صوبہ بصرہ سے ایک سال دس ہزار حفاظ قرآن کی فہرست بھیجی جن پر وہ بہت خوش ہوئے اور ان کا وظیفہ بڑھا دیا۔

ایک فرمان حضرت عمر نے جاری فرمایا کہ۔

"بلاد اسلامیہ میں کوئی شخص دوکان نہیں کھول سکتا۔ جب تک وہ تجارت کے بارے میں دینی احکام سے آگاہی نہ رکھتا ہو۔"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر کی تعلیمی پالیسی کو جاری رکھا اور اس میں کوئی خاص تبدیلی نہ کی۔ البتہ عالم اسلام ان کے احسان و کرم کو فراموش نہیں کرسکتا کہ انہوں نے اپنے دور حکومت میں قرآن عظیم کی کتابت و قرآن کے اختلافات کو دور کیا اور مصحف صدیقی (نسخہ الامام) کی مصدقہ نقلیں تیار کروا کے مختلف مراکز میں رکھوا دیں' تاکہ لوگ اپنے

Marfat.com

اختلافات رفع کر سکیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی جنہیں لسان نبوت سے "باب العلم" ہونے کا لقب ملا تھا۔ حضرت عمر کی تعلیمی پالیسی پر عمل پیرا رہے اور چند اضافے فرمائے' مثلاً علم نحو کی بنیاد انہوں نے رکھی اور اپنے تلمیذ رشید ابوالاسود دیلی کو چند اصولی قاعدے بتلا کر علم نحو کی تفاصیل مرتب کرنے پر مقرر فرمایا تعلیم کی اشاعت و توسیع میں خلفائے راشدین کے پہلو بہ پہلو دوسرے صحابہ کرام نے نہایت اہم کردار ادا کیا۔ علامہ شبلی کے الفاظ میں۔

"ہزاروں صحابہ سرزمین عرب سے نکل کر تمام نئے مفتوحہ ملکوں میں پھیل گئے اور بعض نے وہیں سکونت اختیار کرلی۔ محتاط اندازے کے مطابق شام میں دس ہزار' حمص میں پانچ سو مصر میں ساڑھے تین سو صحابی موجود تھے۔ یہ لوگ جہاں گئے حدیثوں اور عام مذہبی مسائل کا ذخیرہ ساتھ لے گئے۔ اس دور میں عمال حکومت بھی عوام کی تعلیم و تربیت میں خلفائے اربعہ کا ہاتھ بٹا رہے تھے۔ چنانچہ ابو موسیٰ اشعری بصرہ میں عامل مقرر ہو کر آئے تو فرمانے لگے ! "مجھے عمر فاروق نے تمہارے پاس اس لئے بھیجا ہے کہ تمہیں خدا کی کتاب اور سنت رسول کی تعلیم دوں۔"

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کسی شخص کو گورنر بناتے تو اسے تاکید فرماتے :

"دیکھو میں تمہیں مسلمانوں کا رہنما اور تربیت دینے والا بنا کر بھیجتا ہوں۔
ان کی تعلیم و تربیت سے غفلت نہ کرنا۔"

اس سنہری دور میں استاد کو معاشرے میں بلند مقام حاصل تھا۔ علامہ سیوطی رحمتہ اللہ [illegible] لکھتے ہیں۔

جابر بن عبداللہ کی بے پناہ عزت و توقیر کی جاتی تھی' کیونکہ وہ مسجد نبوی میں درس [illegible]تے تھے۔"

حضرت ابوالدرداء دمشق میں درس دینے کے لئے مسجد میں آئے تو ان کے ساتھ ان [illegible]ے طلباء کا اتنا ہجوم ہوتا تھا۔ جتنا بادشاہ کے ساتھ درباریوں کا۔"

"ابو سعید خطبہ دیتے تو سامنے آدمیوں کی صفیں کھڑی ہو جاتیں۔"

ایک صحابی رسول حدیث بیان کرتے تو ان کے اردگرد آدمیوں کا اس قدر ہجوم ہو جاتا [illegible] انہیں اپنے بالائی منزل پر جاکر حدیث بیان کرنا پڑتی۔

[illegible]ہ کے ساتھ رویہ : اکابر صحابہ اور معلمین کرام طالبان علم کے ساتھ نہایت کشادہ دلی' [illegible]ت اور مروت سے پیش آتے تھے۔ چنانچہ جب ابو ہارون عبدی حضرت ابوسعید خدری کی [illegible]ت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے نہایت تپاک سے کہا۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے پاس گوشے گوشے سے

Marfat.com

بہت سے لوگ علم حاصل کرنے کے لئے آئیں گے' تم ان سے بھلائی کرنا۔"

حضرت ابوہریرہ کی خدمت عالیہ میں خواجہ حسن بصری حاضر ہوئے تو انہوں نے رئیس التابعین کو بتایا۔

"رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے' میرے بعد تمہارے پاس لوگ تحصیل علم کے لئے آئیں گے' ان کو مرحبا اور خوش آمدید کہنا اور علم سکھانا۔"

یہ چند روایات خلافت راشدہ کے زمانے میں معلم اور شاگرد کے باہمی تعلقات کی خوشگواری اور استواری پر دلالت کرتی ہیں۔

جہاں تک اس بابرکت زمانے میں نصاب تعلیم کا تعلق ہے' اس بارے میں ہمارے پاس تاریخی مواد بہت کم ہے' تاہم یہ وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ اس دور میں عہد نبوی کی نسبت نصاب تعلیم وسعت پذیر ہوچکا تھا' ایک طرف قرآن' حدیث اور فقہ کی تدریس و کتابت پر توجہ دی گئی تو دوسری طرف علم انساب' شعر و ادب کی طرف میلان بڑھا۔ پیراکی اور شہ سواری کے فنون پر خاص طور پر زور دیا گیا۔ اس ضمن میں کتاب البیان والتبیین کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

"حضرت عمر نے تمام اضلاع میں حکم بھجوایا تھا کہ اپنی اولاد کو تیرنا سکھاؤ' شہواری کی تربیت دو' عمدہ ضرب الامثال یاد کراؤ اور پاکیزہ اشعار یاد کرنے کی تلقین کرو۔"

محدث ابن جوزی لکھتے ہیں۔

"ان درسگاہوں میں قرآن مجید کے علاوہ ادب' لغت' شعر و سخن کی تعلیم ہوتی تھی۔ خصوصاً حضرت عمر تاکید فرماتے تھے۔ "اپنی اولاد کو شعر کی تعلیم دو۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔ "جب کسی عالم کو دیکھو کہ دنیا سے محبت رکھتا ہے تو دین کی بات میں اس کا اعتبار نہ کرو۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی۔ اے فرزند ! ریا کاری بحث و مباحثے اور فخر و مباہات کے لئے علم نہ سیکھنا۔"

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں۔ "بہت سی حدیثیں یاد کرلینا علم نہیں' علم تو خوف خدا کا دوسرا نام ہے۔"

الختصر رضائے الٰہی کا حصول مسلمانوں کی سعی و جہد کا منتہائے مقصود اور نظام تعلیم کا نصب العین تھا۔ اس دور میں لازمی تعلیم کے اصول کا بھی سراغ ملتا ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان نامی ایک شخص کو چند آدمیوں کی جماعت کے ساتھ اس کام پر مامور فرمایا

Marfat.com

وہ قبائل عرب کا دورہ کریں اور ہر مسلمان کا امتحان لیں جس کو قرآن مجید یاد نہ ہو اس کو سزا دیں' کنز العمال میں فاروق اعظم کا یہ ارشاد گرامی درج ہے۔

مسلمانوں کو بقرہ' نساء' مائدہ' حج اور نور سورتیں سیکھنا لازم ہیں۔ کیونکہ ان میں عملی زندگی کے بارے میں ضروری احکام مذکور ہیں۔"

اس زمانے میں حفظ و روایت کا طریق تعلیم رائج تھا۔ چنانچہ علامہ شبلی رقمطراز ہیں۔

25 ھ تک جب باقاعدہ تصنیف و تالیف شروع نہ ہوئی تھی' جو تعلیم تھی وہ عرب کے سادہ اور نیچرل طرز زندگی کے لئے موزوں تھی۔ علوم وہ تھے جن کا حافظے سے زیادہ تر تعلق تھا۔ بحث طلب مسائل بھی معمولی فہم کی دسترس سے باہر نہ تھے اور طرز تعلیم تو بالکل وہی تھا۔ یعنی سند و روایت جو قدیم زمانے میں رائج تھا۔ رفتہ رفتہ اور تحریر و کتابت کا رواج بڑھنے لگا جس کی ابتداء عہد نبوی میں ہوچکی تھی۔ کتابت قرآن اور کتابت حدیث پر خاص توجہ دی گئی۔ حضرت ابن عباس' حضرت عبداللہ بن عمر' حضرت ابو ہریرہ' حضرت علی' حضرت عبداللہ ابن مسعود اور رافع بن خدیج رضی اللہ عنہم کے بارے میں ٹھوس شہادتیں موجود ہیں انہوں نے احادیث کے صحیفے کئے اور شہرت دوام پائی۔

مانیٹروں کی تقرری: اس دور میں معید مقرر کرنے اور جماعتوں کی درجہ بندی کا سراغ بھی ملتا ہے۔ علامہ ذہبی کہتے ہیں کہ حضرت ابوالدرداء جامع دمشق میں درس دیتے تھے' ان کے گرد تقریباً 1400 طلبہ کا ہجوم ہوتا تھا۔ اور وہ دس دس طلبہ کی علیحدہ علیحدہ جماعت بنا دیتے تھے۔ ہر جماعت پر ایک نائب یا معید مقرر ہوتا تھا۔ وہ مختلف جماعتوں کے درمیان ٹہلتے رہتے اور طلباء کا سبق بڑے غور سے سنتے تھے' اگرچہ قرون اولیٰ میں سے بیشتر معلمین اپنے شاگردوں کی تعلیم و تربیت کا فرض (اللہ کی رضا جوئی کے لئے) بغیر معاوضہ انجام دیتے تھے۔ لیکن حالات کے تقاضوں اور عصری مجبوریوں کے باعث تنخواہ دار معلمین کی تقرری کا آغاز اسی زمانے میں ہوا۔ مثلاً ابن جوزی نے سیرت عمرین میں) لکھا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہر معلم کی تنخواہ پندرہ درہم سرکاری خزانے سے مقرر فرمائی۔ تھی۔ ادھر طالب علموں کے وظائف اس زمانے میں پہلے پہل مقرر ہوئے۔ اس جدت کا سرا حضرت علی چوتھے خلیفہ راشدہ کے سر ہے۔ بعد کے مسلمان حکمرانوں نے اس مفید روایت کو جاری رکھا اور اسے فروغ دیا۔

خلفائے راشدین کے دور حکومت میں تعلیم نسواں پر بھی مناسب حد تک توجہ دی گئی۔ حضرت عائشہ کا گھر اس تعلیم کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ حضرت فاطمہ علم عروض اور فن خطابت میں بڑی دستگاہ رکھتی تھیں۔ جناب فاطمہ کی صاحبزادیاں زینت و کلثوم اور پوتیاں سکینہ' فاطمہ اور صغریٰ سب کی سب زیور علم سے آراستہ تھیں۔ عائشہ بنت طلحہ علم نجوم اور ذوق سخن میں ممتاز تھیں۔

Marfat.com

الغرض تعلیمی سرگرمیوں میں خواتین مردوں سے پیچھے نہ تھیں۔

ادوار مابعد میں تعلیمی روایت کا ارتقاء

عہد نبوی اور خلفائے راشدین کے زمانے کے بعد مسلمانوں کی تعلیمی روایت کو مندرجہ ذیل ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(1) بنو امیہ کا عہد ڈاکٹر محمد شجاع ناموس اپنی کتاب "آزاد قوم کا نظام تعلیم اور پاکستان" میں لکھتے ہیں کہ۔

اسلام کے ابتدائی زمانے میں (وفات رسول اللہ 632 عیسوی میں ہوئی) صرف قرآن اور حدیث کی تعلیم ہوا کرتی تھی' چونکہ یہ تعلیم مذہبی تھی اس لئے مسجد کا بطور مکتب استعمال بہت مناسب تھا۔ مسجد کے پڑھانے والے کا نام معلم تھا۔ جو مکتب ثانوی تعلیم دیتے تھے ان کا نام مدرسہ رکھا گیا اور وہاں پڑھانے والے کو مدرس کہتے تھے۔ شہر کا سب سے بڑا مکتب جہاں اعلیٰ تعلیم دی جاتی تھی۔ شہر کی جامع مسجد تھی اس میں نماز جمعہ ادا کی جاتی تھی' اس لئے اس کا نام جامع مسجد اور مکتب کی حیثیت سے جامعہ رکھا گیا۔ جامعہ میں پڑھانے والے کو استاد کہتے تھے۔ جس کا ترجمہ آج کل کی زبان میں پروفیسر ہوگا۔ جامعہ کے پرنسپل کو شیخ امام یا علامہ کہتے تھے۔

بعد میں بہت اعلیٰ تعلیم کے لئے خاص درس گاہیں بنائی گئیں ان کو دارالعلوم یا دارالفنون یا دارالحکمت کہتے تھے۔

اسلامی علوم میں کوئی 660 عیسوی کے قریب گرائمر اور تفسیر کا اضافہ ہوگیا۔ چنانچہ قرآن' حدیث' گرائمر' تفسیر اور اشعار عرب پڑھائے جاتے تھے۔ مختلف ممالک سے لوگ حج کے لئے مکہ آتے تھے۔ انہوں نے جغرافیہ کی کتابیں لکھیں اور ان کا نام مسجدوں اور عمارتوں کے بنانے کے لئے جیومیٹری کی ضرورت ہوئی۔ علم الانساب عربوں کا مشغلہ تھا۔ ہیئت اور کیمیا کی تعلیم بنو امیہ کے ابتدائی دور میں شروع ہوگئی۔ انسان کی پرائیوٹ اور پبلک زندگی کو اسلامی شعار کے ماتحت رکھنے کے لئے اس وقت کے عالموں نے قرآن اور حدیث کے اصولوں کے مطابق قانون بنائے اور ان کا نام فقہ رکھا۔

بنو امیہ کے ابتدائی عہد (661 عیسوی کے بعد) میں اسلامی تعلیم میں مندرجہ ذیل مضامین شامل تھے۔ (قرآن ۔ 2۔ کتابت (3) جیومیٹری (ہندسہ) 4۔ جغرافیہ (5) فقہ (6) اسناد۔ نسب نامہ (7) سیرت (8) تاریخ (9) طب (10) کیمیا' ان میں سے مختلف مضامین مختلف درجوں کے مکتبوں میں پڑھائے جاتے تھے' ظاہر ہے کہ قرآن 'کتابت اور سادہ حساب ابتدائی درس گاہوں میں پڑھایا جاتا تھا۔ جن کا نام مکتب تھا' گرائمر اشعار العرب' الجبر' جیومیٹری' سیرت (یعنی رسول خدا کی زندگی کے حالات وغیرہ) اور حدیث ثانوی درس گاہوں میں پڑھائے جاتے تھے'

Marfat.com

جس کا نام مدرسہ تھا اور باقی مضامین ریاضی۔ جغرافیہ' ہیئت کیمیا وغیرہ اعلی درس گاہوں میں زیر تعلیم تھے۔

(2) بنو عباس کا دور : بنو عباس نے 750ء میں تخت خلافت کو زینت بخشی تو اسلامی علمی فضا بدل گئی۔ بنو عباس نے حکومت اسی زور پر حاصل کی تھی کہ وہ اسلام کے طرف دار ہیں اور بنو امیہ اسلامی شریعت کی حمایت پورے زور کے ساتھ نہیں کرتے' اس لیے تمام علوم و فنون کی ابتداء قرآن و حدیث سے کی گئی۔ مگر بنو عباس کے ابتدائی دور میں تمام دنیا کے علوم و فنون جمع کیے گئے۔ ان کے تراجم عربی میں کیے اور اس ذخیرہ علم کو سیکھنے کے بعد مسلمانوں نے نئی کتابیں اور نئی ایجادیں کیں۔

اس عہد میں مسلمان عالموں نے علوم و فنون کو دو شعبوں میں تقسیم کیا ہے۔

شعبہ اول : وہ علوم جو عربوں نے قرآن کی وساطت سے سیکھے' ان کا نام العلوم النقلیہ رکھا۔ حدیث اور مذہب اس شعبے میں شامل تھے۔ لسان' زبان' لغت' گرائمر وغیرہ اسی شعبے سے تعلق رکھتے تھے۔

دیگر علوم مندرجہ ذیل تھے۔

(1) علم التفسیر (2) علم القرات (3) علم الحدیث (4) فقہ (5) علم الکلام (6) نحو (7) لغت (8) بیان (9) ادب۔

شعبہ دوم : یہ وہ علوم تھے جو عربوں نے غیر قوموں سے سیکھے' ان کو عقلی علوم یا فلسفی علوم کہتے تھے۔ ان کا نام العلوم العقلیہ یا العلوم الحکمیہ رکھا ہوا تھا۔ ان کو بعض دفعہ غیر ملکی علوم بھی کہتے تھے۔ علوم العجم غیر ملکی علوم مندرجہ ذیل تھے۔

(1) فلسفہ (2) ہندسہ (جیومیٹری اور انجینئرنگ (3) علم النجوم (4) موسیقی (5) طب (6) الخو د الکیمیا اس وقت تک علم کیمیا نے اتنی کم ترقی کی تھی کہ کیمسٹری کو کیمیا گری (سونا بنانا) سمجھا جاتا تھا۔ یہ سحر کا ایک حصہ یا سحر سے ملتا جلتا علم تھا۔

عباسی خلفاء علماء اور فضلا کی بڑی قدر دانی کرتے تھے' مذہب کو ہر وقت تخت کی حمایت حاصل تھی۔ مذہبی فاضلوں کو بڑے بڑے عہدے دیئے جاتے تھے۔ تمام علوم کو ان سے قبل مذہب کی روشنی میں دیکھا جاتا تھا۔ ہارون الرشید (780 ' 809) اور المامون (809 ' 833) کے زمانے سے اسلامی علمی فضا بدل گئی اور آزاد خیالی کو بڑا فروغ ہوگیا۔ فلسفہ' سائنس' طب کا دور دورہ ہوگیا۔ اب زندگی کے مسائل کو مذہب کی۔ روشنی میں نہیں پرکھا جاتا تھا۔ بلکہ مذہب کی تشریح زندگی کے مسائل اور سائنس کے اصولوں کے مطابق کی جاتی تھی' یہ طور خلیفہ متوکل (847 ' 86) کے عنان حکومت سنبھالنے تک (847) جاری رہا۔ اس عہد میں اسلامی فنون نے بہت ترقی کی۔ اسلامی فاضلوں کی قوت مشاہدہ اور تجربہ بہت بڑھ گئی اور انہوں نے دنیا بھر کے علوم

Marfat.com

اسلامی حلقے میں شامل کر دیئے۔ اس عہد (750 ' 487) کو اسلامی فراست کی تعمیر نو کا عہد کہہ سکتے ہیں۔
جب خلیفہ متوکل (847 ' 861) تخت پر بیٹھا تو اس نے اعلان کر دیا کہ مذہبی اصولوں کو کسی صورت سے زیر بحث نہ لایا جائے۔ مذہبی خیال جس صورت میں بھی موجود ہے۔ اس پر بحث ہی نہ کی جائے۔ متوکل نے آزاد خیالی روکنے کے لیے شدید قوانین بنائے۔ جو کوئی عقلی علوم پر کتاب لکھتا تھا تو وہ پہلے قران سے سند لیتا تھا۔ دسویں صدی کے وسط میں ابوالحسن کے فلسفے کو فروغ ہوا۔ اس کا فلسفہ زندگی یہی ہے کہ قرآن اور حدیث کے علاوہ دنیا میں کامیابی کے لئے اور کسی چیز کی ضرورت نہیں۔
عقل و فکر کے جملہ پہلوؤں کو نکھارنا: پس اسلام میں تعلیم کا یہ مقصد بھی ہے کہ معلم خود ہی اتنا فعال نہ رہے۔ بلکہ شاگردوں سے بھی ایسا کام کروائے جس کام سے وہ خود بھی علم حاصل کرنے کے قابل ہوں۔ یہ اس لیے ضروری ہے کہ شاگرد ہمیشہ اندھوں کی طرح استاد کی لاٹھی کا سہارا لینے کے عادی نہ بن جائیں۔ اس لئے قران مجید فرماتا ہے کہ زمین میں سیر کرتے ہوئے لوگوں کے انجام کو خود اپنی نگاہوں سے دیکھو۔ مشاہدہ کرو۔ اسی طرح قران مجید نے صرف مشاہدہ کرنے پر ہی زور نہیں دیا بلکہ چشم و گوش کے ساتھ قلوب و اذہان کو استعمال کرنے پر بھی زور دیا ہے۔
یہ موضوع اتنا وسیع ہے کہ یہ چند اوراق اس کے متحمل نہیں ہوسکتے۔ اللہ تعالیٰ ہی سے استعانت کی دعا ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

ایم اے سیاسیات کے لیے ہماری کتب

1- مشرق و مغرب کے سیاسی افکار — از [illegible]
2- مغربی سیاسی افکار — از • ایس ایم شاہد
3- مسلمانوں کے سیاسی افکار — از • بابر اعوان
4- مسلمانوں کے سیاسی افکار و ادارے — از • ایس ایم شاہد
5- تقابلی سیاسی نظام — از • ایس ایم شاہد
6- حکومت اور سیاست — از • مجاہد فاروق
7- پاکستان، نظریہ حکومت و سیاست — از • ایس ایم شاہد
8- تحریک پاکستان — از • اصغر علی شاہ
9- تعمیر پاکستان — از • ایس ایم شاہد
10- پاکستان کی خارجہ پالیسی — از • زاہد حسین انجم
11- امام غزالی اور ابن خلدون کے سیاسی افکار — از • ایس ایم شاہد
12- شاہ ولی اللہ اور اقبالؒ کے سیاسی افکار — از • ایس ایم شاہد
13- افلاطون، ارسطو کے سیاسی افکار — از • مجاہد فاروق
14- مقامی حکومتیں و ادارے — از • ایس ایم شاہد
15- نظم و نسق عامہ — از • ایس ایم شاہد
16- جدید دساتیر عالم — از تنویر بخاری
17- بین الاقوامی تنظیمیں — از • ایس ایم شاہد
18- سیاسیات عالم — از • صفدر حیات صفدر
19- بین الاقوامی تعلقات — از • نعیم اکبر قریشی
20- بین الاقوامی تعلقات — از • ایس ایم شاہد
21- جدید مسلم مفکرین — از • ایس ایم شاہد
22- تقابلی سیاست — از • عمانوئل یونس
23- تقابلی و ترقیاتی سیاست — از • ایس ایم شاہد
24- جدید تقابلی سیاست — از • [illegible] احمد اقبال
25- بڑی طاقتوں کی خارجہ پالیسی — عبداللہ صدیقی
26- قانون بین الاقوامی معہ مسلم قوانین — از • ایس ایم شاہد

ماسٹر گائیڈ ایم-اے سیاسیات جمیل پا[illegible]

پبلشر نیو بک پیلس چوک اردو بازار، لاہور - فون: 224925

شاکسٹ فاروق سنز الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور

Marfat.com

ایم اے سیاسیات کے لیے ہماری کتب

1-	مشرق و مغرب کے سیاسی افکار	از سید اختر [illegible]
2-	مغربی سیاسی افکار	از • ایس ایم شاہد
3-	مسلمانوں کے سیاسی افکار	از • [illegible] اقبال
4-	مسلمانوں کے سیاسی افکار و ادارے	از • ایس ایم شاہد
5-	تقابلی سیاسی نظام	از • ایس ایم شاہد
6-	حکومت اور سیاست	از • مجاہد فاروق
7-	پاکستان، نظریہ حکومت و سیاست	از • ایس ایم شاہد
8-	تحریک پاکستان	از • اصغر علی شاہ
9-	تعبیر پاکستان	از • ایس ایم شاہد
10-	پاکستان کی خارجہ پالیسی	از • زاہد حسین انجم
11-	امام غزالی اور ابن خلدون کے سیاسی افکار	از • ایس ایم شاہد
12-	شاہ ولی اللہ اور اقبال کے سیاسی افکار	از • ایس ایم شاہد
13-	افلاطون، ارسطو کے سیاسی افکار	از • مجاہد فاروق
14-	مقامی حکومتیں و ادارے	از • ایس ایم شاہد
15-	نظم و نسق عامہ	از • ایس ایم شاہد
16-	جدید دساتیر عالم	از نور بخاری
17-	بین الاقوامی تنظیمیں	از • ایس ایم شاہد
18-	سیاسیات عالم	از • صفدر حیات صفدر
19-	بین الاقوامی تعلقات	از • نعیم اکبر نعیمی
20-	بین الاقوامی تعلقات	از • ایس ایم شاہد
21-	جدید مسلم مفکرین	از • ایس ایم شاہد
22-	تقابلی سیاست	از • عمانوئل یونس
23-	تقابلی و ترقیاتی سیاست	از • ایس ایم شاہد
24-	جدید تقابلی سیاست	از • [illegible] احمد اقبال
25-	بڑی طاقتوں کی خارجہ پالیسی	عبداللہ صدیقی
26-	قانون بین الاقوامی معہ مسلم قوانین	از • ایس ایم شاہد

ماسٹر گائیڈ ایم۔اے سیاسیات جمیل با

پبلشرز نیو بک پیلس چوک اردو بازار، لاہور۔ فون: 224925

"شاکسٹ فاروق سنز الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور"

Marfat.com

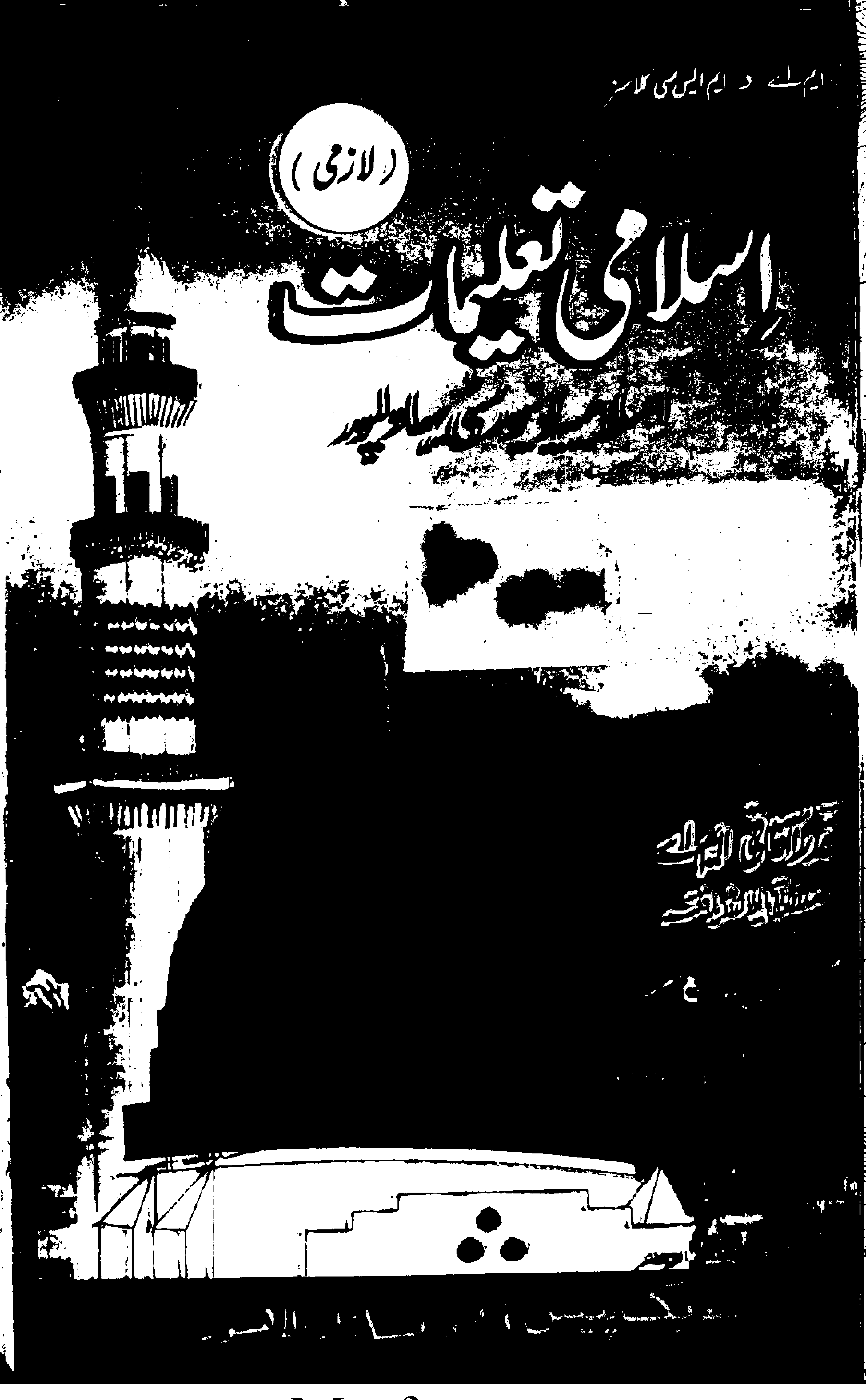
ایم اے د ایم ایس سی کلاسز
(لازمی)
اسلامی تعلیمات
اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

Marfat.com